# التسهيل السامي

فی

# حلِّ شرحِ الجامی

جلد ـــــــ اوّل

تالیف

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب مدظلہ

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ - کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

# التسهيل السامي

في

# حل شرح الجامي

جلد ــــــ اوّل

تالیف

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب مدظلہ

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

# حقِ اشاعت


Maktaba Al-Blagh
DEOBAND-247554 (U.P.)

مکتبہ البلاغ دیوبند ۲۴۷۵۵۴


Ref.....................                                                    Dated.....................

۲۹۶

راقم الحروف جمیل احمد سکروڈوی استاذ دارالعلوم وقف دیوبند نے عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب
کی تالیف التسہیل الدانی فی حل شرح الجامی کو اپنے مکتبہ البلاغ دیوبند انڈیا سے شائع کیا ہے اور
انڈیا میں اس کتاب کی طباعت واشاعت کا حق صرف مکتبہ البلاغ دیوبند کو ہے اب میں نے پاکستان میں
اس کتاب کے جملہ دائمی حقوق طباعت واشاعت خاص طور پر کر دیا ہے۔ مالکان قدیمی کتب خانہ آرام باغ
کراچی کو دے دیئے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنا حق کتابت وطباعت ان سے وصول کر لیا ہے
میں نے پاکستان میں کسی اور ادارہ کو اس کتاب کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں
کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے لہٰذا میری طرف سے اس کتاب کے تمام حقوق اشاعت
پاکستان میں ہمیشہ کیلئے صرف قدیمی کتب خانہ کراچی کو حاصل رہیں گے یہ معاہدہ
میرے استاذ محترم حضرت مولانا خورشید عالم صاحب مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
کے روبرو طے پایا ہے

جمیل احمد
9-3-96

خورشید
9-3-96

# پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب مدظلہ استاذ حدیث جامعہ عربیہ، ہتھوڑا باندہ

باسمہ تعالیٰ

فن نحو میں چھوٹی، بڑی اور چھوٹوں و بڑوں کی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں مگر جو قبول عام ابن حاجب علیہ الرحمہ کی کافیہ کو حاصل ہوا وہ بظاہر کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہوسکا ہر عہد اور ہر ملک و خطہ کے علماء کیلئے یہ کتاب مرکز توجہ رہی اور نصاب درس کا ایک اہم جزء۔ یہی وجہ ہے مختلف شکلوں میں اس کی خدمت کا بے مثال سلسلہ پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر طارق نجم صاحب نے ۱۴۲ عربی شروح ذکر کی ہیں جن میں خود ابن حاجب ان کے بعض تلامذہ اور معاصرین کی بھی شروح ہیں، فارسی کی ۷ اور ترکی ۳۔ اور متعدد تو کتاب کے مختصرات و منظومات ہیں ہند و بیرون ہند کے متعدد علماء نے اس کی مکمل ترکیب پر کتابیں تیار کی ہیں[1]۔

ہندوستان کی اسلامی و علمی تاریخ کے ماہرین نے صرف ہندوستان کی چالیس سے زائد شروح کا تذکرہ کیا ہے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ متعدد حضرات نے تصوف کی زبان و اصطلاح میں اس کی شرح لکھی ہے۔ ہندوستان میں یہ کام شیخ عبد الواحد بلگرامی اور ملا بوہن محی الدین بہاری نے کیا ہے[2]۔ اور ظاہر ہے کہ اس تذکرہ میں تمام خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے مزید شروح کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے[3]۔ اور ہوسکتی ہیں اور ہونگی اردو کا کام الگ ہے اور ان میں متعدد شروح کو بڑی اہمیت و شہرت حاصل رہی ہے بالخصوص شرح ہندی، شرح رضی اور شرح الشریف وغیرہ پھر عجیب اتفاق یہ ہے کہ اس کی شروح میں "فوائد ضیائیہ"، معروف بہ شرح جامی کو جو قبول عام

---

[1] مقدمۃ الکافیہ طبع جدہ۔ [2] نزہۃ الخواطر ۲۶۴/۵۔ [3] مقدمۃ الکافیہ طبع جدہ۔ ص ۴۸۔

درواج حاصل ہوا کم ازکم برصغیر ہند و پاک میں کسی دوسری شرح کو نصیب نہیں حتی کہ متن کی طرح اس شرح کو بھی مدارس کے نصاب میں شامل کرنا ضروری و مفید سمجھا گیا اور اس سے استفادہ کا سلسلہ ہر جگہ جاری رہا اسلئے بیرون ہند بھی اس کی اشاعت وطباعت ہوتی رہی۔ ۱۴۰۳ھ میں عراق کی وزارت اوقاف نے اس کو نئی شکل میں محقق شائع کیا ہے۔

اس کتاب کی اس قابل ذکر مقبولیت و اہمیت میں احقر سمجھتا ہے کہ دو چیزوں کا خاص دخل و اثر ہے ایک تو وہ فنی تحقیقات و موشگافیاں جو کہ صرف اس کتاب کا حصہ ہیں اور جن کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب نحو سے زیادہ فقہ النحو کی کتاب ہے اسلئے یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ اس کو متوسط درجہ کے طلباء کے بجائے منتہی اور متخصص طلباء کو پڑھایا جائے۔

دوسرے اس کی مقبولیت میں خود مؤلف و شارح کی مقبولیت عند اللہ اور محبوبیت عند الناس کا اثر و دخل ہے۔ اسلئے کہ اس کے مؤلف نویں صدی ہجری کے ممتاز علماء میں ہونے کے ساتھ بڑے پایہ کے اولیاء اور صاحب دل و صاحب نسبت بزرگوں میں سے بھی تھے یہ پہلو خصوصیت سے ان حضرات کیلئے جاذبیت کا باعث بنا جس کی توجہ و دلچسپی تصوف اور صوفیاء و اولیاء سے رہی اور جنکا اہل اللہ سے ربط و تعلق رہا بالخصوص ہمارے اکابر اور سلسلہ وحلقہ کے لوگ علامہ جامی کا ارادت کا تعلق مولانا سعد الدین کاشغری سے تھا اور خواجہ عبید اللہ احرار سے بھی استفادہ کیا تھا۔

کتاب کی فنی اہمیت و امتیاز کا معاملہ یہ ہے کہ اسمیں خصوصیت سے ابن حاجب کے تفردات نیز شرح ہندی اور شرح رضی کے مختلف قابل تنقید مقامات پر بھی مفید و محقق تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان چیزوں نے کتاب کے معیار و حیثیت کو اس قدر بلند کیا کہ خود اس کی توضیح و تشریح اور خدمت کی ضرورت محسوس کی گئی اور مختلف انداز و معیار کی گرانقدر خدمات انجام دی گئیں۔ شروح و حواشی، عربی و فارسی دونوں میں ہیں اور ایسے اہم فنی و علمی شاہکار کی جو بھی اور جتنی خدمات کی جائیں کوئی چیز حرف آخر نہیں کہی جاسکتی اسلئے سلسلہ چلتا رہتا ہے اور شرح جامی کی خدمت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ چنانچہ جب اردو کا عہد آیا اور اس کو عروج اور عام عمل و دخل حاصل ہوا تو پھر جیسے کافیہ کی اردو میں خدمت کی ضرورت محسوس کر کے اس کی طرف توجہ کی گئی، یہ ناممکن تھا کہ اس کی اس گرانقدر شرح کی خدمت کا سلسلہ ہماری اس زبان میں نہ ہو جو کہ آج ہمارے عربی مدارس کی عام زبان اور رابطہ کی زبان ہے۔ چنانچہ اس وقت اردو میں بھی اسکی کئی شروح دستیاب ہیں۔

لیکن کچھ تو اس لئے کہ اردو میں اس گرانقدر خدمت کا سلسلہ ابھی بہت محدود ہے اور کچھ کتاب کی اہمیت و ضرورت ہل من مزید؟ کی صدا لگا رہی تھی اور جدید سے جدید تر کا تقاضا کر رہی تھی اس وقت شرح جامی کی جو شرح آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ اسی صدا کی بازگشت اور اسی طلب

وتقاضے پر لبیک ہے۔
حق تعالیٰ نے ہمارے مخدوم، سیدی وسندی حضرت مولانا قاری شاہ صدیق احمد صاحب باندوی بانی وناظم جامعہ عربیہ ہتھورا دامت برکاتہم کو اس گرانقدر تقاضے وضرورت کو پورا کرنے کی طرف متوجہ فرماکر ایک ایسی ذات کے ذریعہ اس کام کو انجام دلایا ہے جو کہ اپنے حالات میں حضرت مؤلف کا عکس اور پورے طور پر ان کے نقش قدم پر ہے حضرت موصوف با صلاحیت عالم، بافیض مدرس ہونے کے ساتھ وقت کے بافیض اور صاحب نسبت بزرگوں میں سے بھی ہیں۔
حق تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو ہم خدام کے لئے درازسے دراز تر فرمائے۔ اس وقت حضرت اپنی عمر کی ساتویں دہائی مکمل فرمارہے ہیں اور اس حساب سے آپ کی ولادت کا زمانہ ۱۹۲۵ء کے آس پاس کا ہے ولادت آبائی وطن ہتھورا ضلع باندہ میں ہوئی اور یہیں سے آپ نے اپنے علمی وتربیتی سفر کا آغاز کیا جو گھر کے ہی بزرگوں کے زیر سایہ شروع ہوا والد بزرگوار جناب سید احمد صاحب تو کافی صغرسنی میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اسلئے حضرت کی سرپرستی بلکہ ابتدائی تعلیم وتربیت کا کام جد امجد جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب نے انجام دیا جو کہ محدث پانی پت حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کے فیض یافتہ وتربیت یافتہ تھے۔ بڑے اچھے حافظ وقاری تھے اور صاحب نسبت بزرگوں میں سے بھی تھے، آٹھ سال کی عمر میں حضرت ان کی سرپرستی سے بھی محروم ہو گئے، اب والدہ ماجدہ، چچا اور ماموں کا ہی سایہ شفقت تھیں، کچھ تو والدہ کا مزاج اور کچھ جد بزرگوار کا اخلاص وجذبہ کر آپ کا جو علمی سفر انھوں نے شروع کرایا تھا ان کے بعد بھی وہ جاری رہا حتی کہ حضرت تکمیل وتدریس کے مرحلہ تک پہونچ گئے۔ یہ تکمیل حضرت والا نے ہتورا وباندہ میں جد بزرگوار کے علاوہ مولانا امین الدین صاحب سے استفادہ کے ساتھ، کانپور (مدرسہ جامع العلوم ومدرسہ تکمیل العلوم) اجمیر (مدرسہ مولانا معین الدین صاحب اجمیری) پانی پت (مدرسہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی) سہارنپور (مدرسہ مظاہر علوم) اور دہلی (مدرسہ فتحپوری) مرادآباد (مدرسہ شاہی) وغیرہ میں چندسال کا عرصہ گزار کر کے دورہ کی تعلیم اور فراغت مظاہر علوم سے ہوئی۔
اور خصوصی دلچسپی کی بناء پر معقولات کی مزید تعلیم کیلئے جامع العلوم مظفرپور بہار میں چندماہ کا قیام کیا۔ اس کے بعد تدریسی زندگی کا سلسلہ شروع ہوا۔ چندماہ گونڈہ (مدرسہ فرقانیہ) اور چندسال فتحپور (مدرسہ اسلامیہ) میں تدریسی فرائض انجام دیئے اور بالآخر وطن وعلاقے کے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے ماحول نے مجبور کیا کہ وطن کو اپنی دینی خدمات کا مرکز بنایا جائے تو حضرت والا نے فتحپور کو اسی عزم کیساتھ چھوڑا۔ اور باندہ ضلع واطراف میں دینی وعلمی کاموں کا سلسلہ شروع کیا۔ اور پھر ایک غیبی فیصلہ کا ظہور ہوا۔ ہتورا کی زمین عرصہ سے محدث پانی پت اور ان کے اخلاف سے مستفید ہو رہی تھی اور انکے

قدموں کی برکت یہاں کسی عظیم الشان علمی و دینی مرکز کے قیام کی طالب تھی ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں قدرت کے فیصلہ کا یوں ظہور ہوا کہ اچانک مدرسہ کی صورت پیدا ہوگئی جس کا آغاز چند مبتدی و صغیر السن طلباء سے اور گاؤں کی مسجد و چوپال سے ہوا اور آج جبکہ جامعہ نے اپنی عمر کی چار دہائیاں پوری کرلی ہیں تو سینکڑوں طلباء عظیم الشان عمارتوں کے زیر سایہ علم و معرفت کی پیاس بجھا رہے ہیں)۔

حضرت نے اپنا علمی سفر بڑی قربانیوں اور جانفشانیوں کے ساتھ طے فرمایا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں علوم عالیہ و علوم آلیہ دونوں میں کمال عطا فرمایا اور آغاز تدریس سے ہی دونوں قسم کے علوم کی اہم و انتہائی کتابیں زیر تدریس رہیں۔ علوم آلیہ کی بعض اہم کتابوں سے خصوصی دلچسپی رہی اور چند کتابیں تقریباً مسلسل زیر تدریس رہیں سالہاسال تک سلم وغیرہ کا درس دیا اور مختصر المعانی و شرح جامی تو آج بھی حضرت کے یہاں زیر تدریس ہیں۔

جامعہ میں دورہ کا آغاز ہوا تو صحیح بخاری کی جلد اول حضرت ہی کے شایان شان سمجھی گئی۔ حضرت نے مظاہر علوم سہارنپور سے اپنے علمی سفر کی تکمیل کے ساتھ روحانی سفر کو بھی وہیں رہ کر مکمل کیا جس کی داغ بیل تو اجد امجد نے ڈال دی تھی پروان چڑھا کر آخری مرحلہ تک پہونچایا۔ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ (سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور) نے حضرت کو انھیں سے بیعت اور بعد میں اجازت و خلافت کا اس اہتمام سے شرف حاصل ہوا کہ خود مرشد مسترشد کے علو مقام کا قائل اور کرامات و خوارق کا معترف تھا۔

حضرت کی نمایاں علمی صلاحیتوں میں تفہیم کی قوت اور تصنیفی صلاحیت بھی ہے، متعدد تصنیفی شاہکار اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرچکے ہیں جن میں سے اکثر نصابیات سے متعلق ہیں اور بعض تو بہت سے مدرسوں کے نصاب میں داخل و شامل ہیں، تسہیل المنطق، تسہیل التجوید، تسہیل الصرف، اور تسہیل النحو۔

علوم آلیہ کی اہم و منتہی کتابوں میں سلم کی گرانقدر شرح بھی اس سلسلہ کی اہم کڑی ہے جس کو ہر صاحب فن نے سراہا ہے۔

اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے وہ بھی نصابیات سے متعلق حضرت کی تصنیفات کی ایک اہم کڑی ہے۔ اور جس طرح شرح سلم ایک بے مثال اور گرانقدر و گرانمایہ کوشش مانی گئی ہے پوری امید ہے کہ یہ شرح بھی نادر و عظیم الشان گردانی جائے گی۔

حضرت والا کی ان دونوں شرحوں یعنی شرح سلم اور شرح۔ بر شرح جامی، کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کے متعلقہ فنون میں حضرت کے کمال کے ساتھ۔ سالہاسال تک ان کتابوں کا محققانہ و فاضلہ درس دینے کے بعد حضرت نے ان کیلئے قلم اٹھایا۔ اور ایک مدرس۔ باکمال و محنتی مدرس کسی کتاب

کو حل کرنے میں جن کٹھنائیوں اور علمی الجھنوں اور گتھیوں سے دوچار ہوتا ہے غیر مدرس خواہ کتنا باصلاحیت ہو بسا اوقات وہ ان سے بالکل بے بہرہ رہتا ہے یا کسی وقتی ضرورت تصنیف و تالیف کے موقع پر ان مشکلات میں پھنسا بھی تو وہ ان سے اس یکسوئی و ذمہ داری کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہو پاتا جو ایک مدرس کی خصوصیت ہوتی ہے۔

حضرت سالہا سال کی تدریسی ذمہ داری کی وجہ سے ان تمام مشکلات پر قابو یافتہ ہیں، اور یہ شرح کا جو کام کیا ہے وہ ان کی ساری زندگی کی محنت و مطالعہ کا حاصل ہے، اسلئے اس شرح کی اہمیت اہل علم اور بالخصوص مدرسین و طلباء پر مخفی نہیں رہنی چاہئے۔

اور اس کی تالیف میں یہ فضل بھی شامل حال رہا ہے کہ اپنے تمام ان مشاغل کے باوجود جو اس وقت کے بزرگوں و اکابر میں صرف حضرت کا خاصہ و حصہ ہے بہت تھوڑے وقفہ میں حضرت نے اس کو مکمل فرمایا ہے۔

اور محترمی جناب مولانا مفتی جمیل احمد صاحب استاذ دارالعلوم وقف دیوبند کے حصے میں اس شرح کو منظر عام پر لانے کی سعادت آئی، تالیف کا علم ہونے کیساتھ انھوں نے کمر ہمت باندھی اگرچہ کاتبوں نے تاخیر پر تاخیر کرائی۔ مگر الحمد للہ کہ اب شرح طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو نیز جن حضرات نے حضرت کی شرح کے اس کام سے کسی قسم کی دلچسپی لی ہے سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کو قبول عام اور نفع دوام سے نوازے اور بالخصوص مولانا جمیل احمد صاحب کو اس شرح کی اشاعت و محنت پر بہترین صلات سے نوازے۔

والسلام

ابو عبدالرحمٰن الاسعدی غفرلہٗ

۱۵/ ۲/ ۱۶ھ

یوم الجمعہ قبیل العصر

الجامعۃ العربیہ ہتھورا باندہ۔

# ابتدائیہ

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

کافیہ اور شرح جامی دونوں نحو کی کتابیں ہیں اور کسی بھی علم اور فن کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ (۱) اس علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔ (۲) اس کی غرض وغایت۔ (۳) اس کا موضوع۔ (۴) اس کی تدوین۔ (۵) مصنف کے حالات زندگی۔

تعریف کا جاننا اسلئے ضروری ہے تاکہ مجہول مطلق کی طلب لازم نہ آئے۔ غرض وغایت کا جاننا اسلئے ضروری ہے تاکہ عبث اور بیکار چیز کا طلب کرنا لازم نہ آئے۔ موضوع کا جاننا اسلئے ضروری ہے تاکہ ایک فن کے مسائل کو دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز کیا جاسکے۔ تدوین کی معرفت اسلئے ضروری ہے تاکہ مدوّن کا علم ہوجائے اور اس فن کی تاریخی حیثیت ذہن نشین ہوجائے۔ اور مصنف کے حالات کا جاننا اسلئے ضروری ہے تاکہ مصنف کے مرتبہ سے اس کی تصنیف کا اندازہ لگایا جاسکے کیونکہ جس درجہ کا متکلم ہوتا ہے اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام،، بادشاہوں کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے یعنی کہنے والا جس درجہ کا ہوگا اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوگا۔

تعریف کہتے ہیں " ما یبین بہ حقیقۃ الشیٔ ،، کو یعنی تعریف وہ شیٔ ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے۔ موضوع :- ما یبحث فیہ عن عوارضہ الذاتیۃ،، کا نام ہے یعنی کسی فن اور علم کا موضوع وہ شیٔ کہلاتی ہے جس شیٔ کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کیجائے۔ اور غرض کہتے ہیں " ما یصدر الفعل عن الفاعل لاجلہ،، کو یعنی غرض وہ ارادہ ہے جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہوتا ہے اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اسپر مرتب ہوتا ہے مثلاً قلم خریدنے کیلئے بازار جانا تو غرض ہے اور قلم خرید لینا غایت ہے

تدوین :- منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینے کا نام ہے۔

الحاصل نحو کی دو تعریفیں ہیں (۱) لغوی (۲) اصطلاحی۔ لغوی کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں نحو کے کئی معنی ہیں (۱) راستہ جیسے ھٰذا النحو السویٌ یہ سیدھا راستہ ہے (۲) نوع مثلاً ھٰذا علی اربعۃ انحاء یہ

چار قسم پر ہے۔ (۳) مثل جیسے ھٰذا نحوہ یہ اس کے مثل ہے۔ (۴) ارادہ جیسے نحوتُ ھٰذا نحوا میں نے یہ ارادہ کیا ہے۔ (۵) جہت جیسے ھنَّ نحوالبیت عامدات وہ گھر کی جانب کا ارادہ کرنے والی ہیں۔ (۶) فصاحت مثلاً ما احسن نحوک فی الکلام، تیری فصاحت کلام میں کسقدر اچھی ہے۔ (۷) پھیرنا مثلاً نحوت بصری الیہ۔ میں نے اپنی نگاہ اس کی طرف پھیرلی ہے۔

**اصطلاحی تعریف** علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے تینوں کلموں کی آخری حالت معلوم ہوجائے اور بعض کلمات کو بعض کے ساتھ مرکب کرنے کی کیفیت معلوم ہوجائے۔

**علم نحو کا موضوع** کلمہ اور کلام ہے کیونکہ علم نحو میں انھیں کے احوال سے بحث کیجاتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ کسی بھی علم کا موضوع مطلق نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی قید کیساتھ مقید ہوتا ہے مثلاً علم صرف کا موضوع کلمہ ہے مگر من حیث التصریف کی قید کے ساتھ مقید ہے، اصول فقہ کا موضوع ادلہ اربعہ ہیں مگر من حیث الاستنباط کی قید کے ساتھ مقید ہے، علم فقہ کا موضوع فعل مکلف ہے مگر من حیث الحلال والحرام کے ساتھ مقید ہے، علم منطق کا موضوع معلومات تصوریہ اور معلومات تصدیقیہ ہیں مگر اس میں من حیث الایصال الی المجہولات کی قید ملحوظ ہے۔

اسی طرح علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے مگر مطلق نہیں بلکہ من حیث الاعراب والبناء کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

**علم نحو کی غرض** کلام عرب میں ذہن کو لفظی غلطی سے بچانا ہے۔

**تدوین نحو** اس فن کے مدوّن اوّل امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کیونکہ ابوالاسود (جو کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے استاذ ہیں) کو اس طرف آپ ہی نے توجہ دلائی اور رہنمائی فرمائی چنانچہ بقول صاحب درایۃ النحو ابوالاسود سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولِہٖ بکسر اللام پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے پھر امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "نحوت ان اضع میزانا للعرب لیقوموا بہ لسانہم۔ میں نے ارادہ کیا کہ عرب کیلئے ایک ضابطہ بناؤں تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی زبان درست کریں اور غلطیوں سے بچیں۔ حضرت علی نے یہ سنکر فرمایا "اقصد نحوہ"، اسکی طرف توجہ کر، پس چونکہ حضرت علی نے ابتداءً اس علم کی طرف توجہ دلائی تھی اسلئے علی ہی اس فن کے مدوّن اوّل قرار پائیں گے اور چونکہ علی نے اقصد نحوہ فرمایا تھا اسلئے اس علم کا نام بھی نحو پڑگیا۔

ابوالقاسم زجاجی نے اپنے امالی میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

کہ ایک مرتبہ ابوالاسود دؤلی نے حضرت علیؓ کو متفکر پایا ابوالاسود نے پوچھا کہ تفکر کا سبب کیا ہے علیؓ نے کہا میں نے تمہارے اس شہر میں غلطیوں کو سنا ہے اس لئے میں نے عربیت میں ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے پھر میں تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں آیا تو آپنے مجھے ایک صحیفہ پیش کیا جسمیں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا۔

الکلام کلہ اسم وفعل وحرف فالاسم ما انبأ عن المسمی والفعل ما انبأ عن الفاعل والحرف ما انبأ عن معنی لیس باسم ولا فعل۔

حضرت علی نے کہا کہ یہ تو میری معلومات کے مطابق ہے تم اس میں اور اضافہ کر لینا اور ابوالاسود کلو تین چیزیں ہیں ظاہر، مضمر اور شئی لیس بظاہر ولا مضمر۔

ابوالاسود کہتے ہیں کہ حضرت علی کی ھدایت کے مطابق میں نے کچھ قواعد جمع کئے اور حضرت علی کے سامنے پیش کئے ان میں حروف نصب کا بھی ذکر تھا لیکن میں نے إنَّ أنَّ لیت لعل کأنّ کا ذکر تو کیا مگر لکنَّ کا ذکر نہیں کیا علی نے کہا لکن کا ذکر کیوں نہیں کیا، میں نے کہا کہ میں اس کو حروف نصب سے ہیں سمجھتا تھا۔ علی نے کہا نہیں لکن بھی حروف نصب ہی میں سے ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالاسود کو توجہ دلانے والے حضرت عمر ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم نحو کا مدوّن اوّل عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ہے۔ اور بعض نے نصر بن عاصم کو واضع اوّل مانا ہے مگر ترجیح یہ ہی ہے کہ نحو کے واضع اوّل حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی ہیں آپ ہی کے بتاتے ہوئے چند اصول سامنے رکھ کر ابوالاسود دؤلی نے قواعد نحو جمع کئے ہیں اس کے بعد حضرت ابوالاسود دئلی کے تلامذہ نے بتدریج اس علم کو ترقی دی پھر کچھ عرصہ کے بعد ابوعمر بصری اور ان کے شاگرد خلیل بن احمد نے اس کو باضابطہ مرتب اور مہذب کیا خلیل کے شاگرد سیبویہ نے اس علم میں ایک جامع کتاب "الکتاب" لکھی جو بعد کے تمام نحویوں کا ماخذ ہے۔

**مصنف کتاب** یہ کتاب چونکہ متن اور شرح کا مجموعہ ہے اسلئے اس کتاب کے دو مصنف ہوں گے ایک ماتن یعنی صاحب کافیہ دوم شارح یعنی صاحب شرح جامی۔ ماتن کا نام عثمان کنیت ابوعمرو اور لقب جمال الدین ہے والد کا نام عمر ہے آپکے والد چونکہ امیر عز الدین موسک صلاحی کے دربان تھے جس کو عربی میں حاجب کہتے ہیں اسلئے آپ ابن حاجب سے مشہور ہیں مصر میں اسنا نام کی ایک چھوٹی سی بستی ہے آپ ۵۷۰ھ کے آخر میں اسی بستی میں پیدا ہوئے ابتداء آپنے قاہرہ میں تعلیم حاصل کی، بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ علامہ شاطبی سے قرأت کی تحصیل کی اور التفسیر کا سماع کیا۔ علامہ ابن الجوزی سے قرأت سبعہ پڑھی اور شیخ ابومنصور ابیاری وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا اسکے علاوہ اپنے زمانہ کے متبحر علماء سے مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ علامہ

ابن حاجب اگر ایک طرف نحو و صرف کے امام تھے تو دوسری طرف بلند درجہ کے فقیہ اور اعلیٰ درجہ کے مناظر بھی تھے، آپکی ذکاوت کی تعریف کرتے ہوئے ابن خلکان نے کہا ہے کان من احسن خلق اللہ ذھنا آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ روشن دماغ تھے آپ جامع دمشق میں ایک زمانہ تک درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے اس کے بعد آپ مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مقرر ہوئے آخر میں آپ اسکندریہ منتقل ہو گئے اور پھر یہیں ۶ / شوال سنہ ۶۴۶ھ کو پنجشنبہ کے دن انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون اور باب البحر سے باہر شیخ صالح ابن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے

**تصانیف** آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً ایضاح شرح مفصل، المختصر فی الفقہ، المختصر فی الاصول جمال العرب فی علم الادب، شافیہ، شرح شافیہ، امالی مگر کافیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو شہرت اور مقبولیت عطاء کی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے سات سو سال سے داخل درس ہے اور درس نظامی کا ایسا جزء لاینفک ہے جس کے بغیر درس نظامی کامل اور مکمل نہیں رہ سکتا ہے۔

**شارح** عبدالرحمٰن نام اصلی لقب عماد الدین مشہور لقب نورالدین اور کنیت ابوالبرکات ہے والد کا نام احمد اور لقب شمس الدین ہے اور دادا کا نام محمد ہے آپ حضرت امام محمدؒ کی نسل سے ہیں اور آپ کا شاعرانہ تخلص جامی ہے آپکے والد کا وطن اصلی اصفہان ہے انکے دشت نامی محلہ میں رہتے تھے اسلئے آپ دشتی کہلاتے ہیں پھر کسی حادثہ کے موقعہ پر جام منتقل ہو گئے جو خراسان کا ایک قصبہ ہے صاحب شرح جامی ۲۳ / شعبان سنہ ۸۱۷ھ کو بوقت عشاء اسی جگہ پیدا ہوئے بعد میں ہرات کی طرف منتقل ہو گئے تھے آپ نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے نامور علماء سے علم کی تحصیل کی۔ آپ نے جسطرح ظاہری علوم کی تکمیل کی اسی طرح باطنی علوم کی بھی تکمیل کی۔ چنانچہ آپ کو تصوف میں بھی ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے آپ نے درس و تدریس تعلیم و تعلم کیساتھ شعر و شاعری بھی کی ہے فارسی شعراء میں آپ کو ایک بلند مقام حاصل ہے کلیات جامی، کے نام سے آپ کا ایک دیوان بھی طبع ہو کر شہرت حاصل کر چکا ہے آپکی وفات اکیاسی سال کی عمر میں ۱۸ / محرم سنہ ۸۹۸ھ یوم جمعہ شہر ہرات میں ہوئی اور یہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات "ومن دخلہ کان امنا" کے اعداد سے ظاہر ہے آپ نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جنکی تعداد چوّن ہے جو آپ کے تخلص جامی کے اعداد ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ معروف و مشہور کتاب شرح جامی ہے جسکو آپ نے اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کیلئے لکھا تھا شرح کافیہ میں رضی کے بعد اگر کوئی عمدہ کتاب ہے تو وہ شرح جامی ہے اسمیں نحوی مباحث کو گو عقلیت کا رنگ دیا گیا ہے تاہم ٹھوس استعداد پیدا کرنے کیلئے بہت عمدہ کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نظر بد سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ

قولہ الحمد لولیہ :۔ شارح نے قرآن پاک کی اقتدار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بسم اللہ اور الحمد للہ کے ساتھ اپنی کتاب کو شروع کیا۔

حمد کے معنی ہیں الثناء باللسان علی الجمیل الاختیاری نعمۃ کان او غیرھا یعنی زبان سے تعریف کرنا اچھے فعل پر جو محمود کے اختیار میں ہے خواہ محمود کا حامد پر احسان ہو یا نہ ہو۔

باللسان کی قید سے شکر خارج ہو گیا، اس لئے کہ شکر زبان کے علاوہ دیگر اعضاء سے بھی ہوتا ہے۔
جمیل سے قبل فعل موصوف محذوف ہے، اچھے کام پر جو تعریف ہوتی ہے اس کو حمد کہتے ہیں، اگر اچھا کام نہ ہو، اور اس پر تعریف کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو وہ استہزار کہلائے گا جیسے کسی بخیل آدمی کو حاتم وقت کہا جائے۔

اختیاری کی قید سے مدح کو خارج کیا گیا، کیونکہ مدح میں تعمیم ہے وہ فعل ممدوح کے اختیار میں ہو یا نہ ہو جیسے قلم یا کاغذ کی مثلاً تعریف کی جائے کہ یہ بہت اچھا ہے تو اس کو مدح کہیں گے حمد نہ کہیں گے کیونکہ قلم یا کاغذ کا اچھا ہونا ان کے اختیار میں نہیں۔

نعمۃ کان او غیرھا۔ اس تعمیم سے شکر بھی خارج ہو گیا، کیونکہ شکر میں نعمۃ کی قید ہے کہ وہ ہمیشہ احسان کے بدلے میں ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حمد اپنے مورد کے اعتبار سے خاص اور متعلق کے اعتبار سے عام ہے اور شکر مورد کے اعتبار سے عام اور متعلق کے اعتبار سے خاص ہے، جب ہر ایک بعض اعتبار سے عام اور بعض اعتبار سے خاص ہوا تو ان میں عام و خاص من وجہ کی نسبت ہوئی اور حمد و مدح میں عام و خاص مطلق ہے حمد خاص ہے کیونکہ اس میں اختیاری کی قید ہے اور مدح میں یہ قید نہیں ہے اس لئے وہ عام ہے، مدح و شکر میں بھی عام و خاص مطلق ہے، مدح خاص ہے کیونکہ اس میں لسان کی قید ہے اور شکر عام ہے کیونکہ اس میں یہ قید نہیں ہے۔

الحمد میں الف و لام کیسا ہے یہ بعد میں بیان کیا جائے گا، پہلے اس کے اقسام مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

الف ولام یا تو اسمی ہوگا یا حرفی، اسمی اسم فاعل اور اسم مفعول میں آتا ہے، جیسے الضارب

والمضروب ۔ الف ولام حرفی کی چار قسمیں ہیں، جنسی[۱]، استغراقی[۲]، عہدِ خارجی[۳]، عہدِ ذہنی[۴] ۔

(۱) الف ولام جنسی، وہ الف ولام ہے جس کے مدخول سے جنس یعنی ماہیئت مراد ہو، افراد کا لحاظ نہ کیا جائے جیسے الرجل خیر من المرأۃ یعنی رجل کی ماہیئت عورت کی ماہیئت سے بہتر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمام مرد تمام عورتوں سے بہتر ہیں، کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے بہت سی عورتیں مردوں سے بہتر ہوتی ہیں ۔

(۲) الف ولام استغراقی، اس کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہوں، جیسے ان الانسان لفی خسر اس میں الف ولام استغراقی ہے، یعنی تمام افراد انسان کے خسارے میں ہیں، بجز ان لوگوں کے جن کو آیت میں مستثنیٰ کیا گیا ہے، اگر الانسان میں الف ولام استغراقی نہ مانا جائے تو استثناء صحیح نہ ہوگا۔

(۳) الف ولام عہدِ خارجی، اس کو کہتے جس کے مدخول سے کوئی مخصوص فرد مراد ہو، جیسے فعصیٰ فرعون الرسول یہاں الرسول میں الف ولام عہدِ خارجی ہے اس سے معہود فرد یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں ۔

(۴) الف ولام عہدِ ذہنی، اس کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے فردِ غیر معین مراد ہو، جیسے اخی اخاف ان یاکلہ الذئب ۔ الذئب میں الف ولام عہدِ ذہنی ہے کوئی خاص بھیڑیا مراد نہیں ہے، الف ولام کی یہ چوتھی قسم نکرہ کے حکم میں ہے، چنانچہ جملہ کی صفت واقع ہوسکتا ہے، اور جملہ حکم میں نکرہ کے ہوتا ہے جیسے ؎

ولقد امرّ علی اللئیم یسبنی      فمضیت ثمہ قلت لا یعنینی

یہ شعر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے نہایت دنی آدمی کے پاس سے گذرتا ہوں جو مجھ کو گالی دیتا ہے تو میں اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا اور وہاں سے چلا جاتا ہوں اور دل کو سمجھاتا ہوں کہ علی سے میں مراد نہیں ہوں کوئی دوسرا شخص ہے جس کا نام علی ہے، یہاں یسبنی جملہ ہے جو اللئیم کی صفت ہے۔ معلوم ہوا کہ اللئیم پر الف ولام عہدِ ذہنی کا ہے ورنہ اس کی صفت جملہ نہ واقع ہوتی ۔

الحمد میں الف ولام جنسی بھی ہوسکتا ہے اور استغراقی بھی ۔

لولیہ ۔ ولی کے کئی معنی ہیں ۔ (۱) لائق (۲) متصرف، (۳) ناصر، (۴) محب ۔ یہاں پہلے معنیٰ زیادہ مناسب ہیں، شارح نے بجائے الحمد للہ کے الحمد لولیہ کہا، کیونکہ اس میں غرابت اور ندرت ہے ۔ ہر مصنف چاہتا ہے کہ میں ایسے الفاظ استعمال کروں جو دوسرے کے کلام میں نہ ہوں تاکہ لوگ میرے کلام کی طرف زیادہ متوجہ ہوں کیونکہ قاعدہ ہے کل جدید لذیذ دوسرے الفاظ بھی

## والصلوٰۃ علٰی نبیہٖ

ایسے ہیں جن میں ندرت پائی جاسکتی ہے مثلاً الحمد للمنّان یا للحنان کہتے ،لیکن شارح کے ذہن میں تھا کہ مجھے صلوٰۃ کے موقعہ پر لنبیہ کا لفظ استعمال کرنا ہے اس لئے سجع کی رعایت کی وجہ سے لولیہ کہا۔

قولہ والصلوٰۃ :۔ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ پاک کی طرف کی جائے تو اس کے معنیٰ انزال رحمت کے ہوتے ہیں ، جب ملائکہ کی طرف کی جائے تو استغفار کے معنیٰ ہوتے ہیں ، اور مومنین کی طرف کی جائے تو طلب رحمت کے معنیٰ ہوں گے اور انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات کی طرف کی جائے تو تسبیح کے معنیٰ ہوں گے ۔

قولہ علٰی نبیہٖ :۔ نبی یا تو نبوۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ رفعت (بلندی) کے ہیں ، نبی کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے ، اسی لئے نبی کو نبی کہتے ہیں یا نباء سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں خبر دینا ، نبی بھی بندوں کو اللہ کے احکام کی خبر دیتا ہے اس لئے نبی کو نبی کہتے ہیں ۔

مصنفؒ نے رسول کے بجائے نبی کا لفظ اختیار کیا ، حالانکہ رسول کا مرتبہ نبی سے بلند ہے ، نبی کے لئے نئی شریعت اور نئی کتاب کا ہونا ضروری نہیں ہے ، اور رسول کے لئے یہ دونوں ضروری ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کے اختیار کرتے میں سجع کی رعایت نہ ہوتی اور رسول چونکہ نبی سے خاص ہے اس لئے جو چیز نبی کے لئے ثابت ہوگی وہ رسول کے لئے بھی ثابت ہوگی ۔

یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کے معنیٰ دعاء کے ہیں اور اس کا صلہ جب علٰی آتا ہے تو اس کے معنیٰ بد دعاء کے ہوتے ہیں ، اسی لئے یہ عبارت مناسب نہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علٰی صلوٰۃ کا صلہ نہیں بلکہ اس کا عامل نازلۃ محذوف ہے ، نیز یہ حکم لفظ دعاء کے ساتھ خاص ہے کہ اس کا صلہ جب علٰی آئے گا تو اس کے معنیٰ بد دعاء کے ہوں گے ، یہ حکم لفظ صلوٰۃ کو شامل نہیں ہے ۔

نبیہٖ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں یا حمد کی طرف راجع ہوگی یا ولی کی طرف اور دونوں درست نہیں ، اس لئے کہ اول صورت میں معنیٰ ہوں گے صلوٰۃ نازل ہو حمد کے نبی پر اور حمد کا نبی نہیں ہوتا نبی تو خدا کا ہوتا ہے ، اور اگر ولی کی طرف راجع ہو تو انتشار ضمائر لازم آتا ہے کیونکہ ولیہ کی ضمیر تو حمد کی طرف راجع ہے اور نبیہ کی ضمیر حمد کے بجائے ولی کی طرف راجع ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انتشار ضمائر ایک جملہ میں ناجائز ہے اور یہاں تو دو جملے علیحدہ علیحدہ ہیں ، اگر حمد کی طرف ضمیر راجع کی جائے تب بھی درست ہے کیونکہ یہاں صنعت استخدام ہے جب حمد کو صراحۃً ذکر کیا گیا تو اس کے معنیٰ ثناء کے لئے گئے اور جب اس کی طرف ضمیر راجع کی گئی تو اس کے معنیٰ محمود کے ہوں گے ، اب

## وعلیٰ آلہ واصحابہ المتادبین بآدابہ۔

معنی یہ ہوں گے کہ رحمت نازل ہو محمود کے نبی پر اور محمود کا مصداق اللہ پاک ہے صنعت استخدام کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک لفظ کو ذکر کریں تو اس کے ایک معنی مراد لئے جائیں اور جب دوبارہ ذکر کریں یا اس کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو دوسرے معنی مراد لئے جائیں۔

قولہ وعلیٰ آلہ۔ اس کا عطف علی نبیہ پر ہے یہاں لفظ علیٰ کا اعادہ کر کے روافض کا رد کیا ہے وہ آل اور نبی کے درمیان علیٰ نہیں لاتے اور اس کے بارے میں ایک حدیث گڑھ لی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔ من فرق بینی و بین آلی بعلی فلیس منی میرے اور میرے آل کے درمیان جس نے علیٰ کے ذریعہ فرق کیا وہ میرا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آل پر علیٰ داخل نہ کرنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور گڑھی ہوئی ہے، بالفرض اگر مان لیا جائے کہ یہ حدیث ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ علیٰ نہیں ہے بلکہ علیؓ ہے جو حضور کے داماد ہیں وہ مراد ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص میرے اور میرے آل کے درمیان علی کی وجہ سے فرق کرے کہ یہ حضرت علی کی اولاد ہے حضور کی نہیں وہ میرا نہیں ہے، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کی صاحبزادی ہیں ان کی اولاد حضور کی ہی اولاد سمجھی جائے گی۔

آل سے مراد یا تو عام ہے ہر مومن متقی کو شامل ہے یا خصوصیت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مراد ہے۔ آل اہل سے بنایا گیا ہے ہاء کو ہمزہ سے بدلا گیا ہے اس کے بعد ہمزہ ساکن کو ماقبل ہمزہ کی حرکت کے مطابق الف سے بدل دیا۔ آل اور اہل میں استعمال کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ اہل عام ہے اس کا استعمال اشراف اور غیر اشراف دونوں میں ہوتا ہے اور آل کا استعمال اشراف کے ساتھ خاص ہے خواہ اس کو شرافت دنیوی حاصل ہو جیسے آل فرعون، آل قارون یا شرافت اخروی ہو جیسے آل موسیٰ، آل ہارون یا دونوں ہوں جیسے آل داؤد وغیرہ۔

قولہ واصحابہ۔ اصحاب صاحب کی جمع ہے بعض حضرات نے لکھا ہے کہ فاعل کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی اس لئے اصحاب صحیب کی جمع ہے، صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں ایمان کے ساتھ زیارت کی ہو اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔

قولہ المتادبین بآدابہ۔ ای المتخلقین باخلاقہ۔ "المتادبین" اصحاب کی صفت ہے۔ یہاں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ادب وصف ہے اور اوصاف از قبیل اعراض ہیں اور عرض اپنے محل کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جس محل کے ساتھ قائم ہے اس سے دوسرے محل کی طرف انتقال نہیں ہوتا تو پھر حضور کا وصف صحابہ کی طرف کیسے منتقل ہوگا لہٰذا بآدابہ کہنا درست نہیں، اس کا جواب

## اما بعد فھذہ فوائد وافیہ بحل مشکلات الکافیہ

یہ ہے کہ آداب سے پہلے لفظ مثل محذوف ہے، اب عبارت اس طرح ہوگی المتادبین بمثل آدابہ - ایک اور اعتراض ہوتا ہے کہ المتادبین میں الف ولام استغراق کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام صحابہ نے حضور کے آداب حاصل کئے ہیں اور اس میں تمام صحابہ ایک دوسرے کے برابر ہیں، حالانکہ ان میں تفاضل ہے بعض کا مرتبہ بعض سے افضل ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ مساوات نفس ادب کے حاصل کرنے میں ہے اور تفاضل ہے مقدار میں، کسی کے اندر حضور کے آداب زیادہ پائے جاتے ہیں اور کسی میں کم ہیں -

قولہ اما بعد - اما کی اصل مہما ہے ہار کو ہمزہ سے بدل دیا پھر قلب مکانی کیا جس سے ام ما ہوا، پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا اما ہوا، اما حرف شرط ہے فھذہ میں فار جزائیہ ہے، اما اور فار جزائیہ کے درمیان بعد کا لفظ لائے تاکہ حرف شرط اور حرف جزار کے درمیان فصل ہو جائے بعدؔ کے احوال ثلثہ کئی بار آپ کے سامنے آچکے ہیں -

قولہ فھذہ فوائد وافیہ - اعتراض ہوتا ہے کہ ہٰذا اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ محسوس ہونا چاہیے اور یہاں اشارہ شرح کی طرف ہے جو غیر محسوس ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اشارہ نقوش کی طرف ہے اور وہ محسوس ہیں، اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ اشارہ نقوش کی طرف ہے تو ان کو فوائد وافیہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ فائدہ تو معانی سے ہوتا ہے نہ کہ نقوش سے - نیز "بحل مشکلات الکافیہ" کہنا صحیح نہ ہوگا، اس واسطے کہ حل تو معانی کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ نقوش کے ذریعہ - اس کا جواب یہ ہے کہ نقوش الفاظ پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہیں لہذا بواسطہ الفاظ کے نقوش کی دلالت معانی پر ہو جائے گی اس لئے بواسطہ نقوش کے معانی بھی مشار الیہ بن سکتے ہیں - اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ ہم نے تسلیم کیا کہ بواسطہ نقوش کے معانی مشار الیہ بن جائیں گے لیکن یہ اس وقت تو درست ہو سکتا ہے جب خطبہ الحاقیہ ہو، اگر خطبہ ابتدائیہ ہو اور کتاب لکھنے سے پہلے خطبہ لکھا گیا ہو تو جب کتاب ہی موجود نہیں تو نقوش کہاں سے ہوں گے اور جب نقوش موجود نہیں تو ان کی دلالت معانی پر کس طرح ہوگی لہٰذا یہ جواب کافی نہ ہوگا - اس کا جواب یہ ہے کہ شارح نے شرح کا پختہ عزم کر لیا تھا اس لئے اس کو فرض کر لیا گیا کہ وہ موجود ہے -

وافیہ - یہ فوائد کی صفت ہے، یہ لفظ اپنی بڑائی کے لئے نہیں لائے بلکہ اس لئے لائے ہیں تاکہ طلبہ کو زیادہ رغبت ہو -

قولہ بحل مشکلات الکافیہ - بار بمعنی فی ہے کافیہ میں تار مبالغہ کے لئے ہے

للعلامۃ المشتھر فی المشارق والمغارب الشیخ ابن الحاجب تغمدہ اللہ بغفرانہ

یا وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لئے ہے کیونکہ کافیہ اب ایک مخصوص کتاب کا علم ہے، اس کے وضعی معنیٰ مراد نہیں ۔

قولہ للعلامۃ ۔ علامہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو منقولات اور معقولات دونوں کا عالم ہو، اس میں تا رمبالغہ کے لئے ہے، علامہ کا اطلاق باری تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا کیونکہ اس میں تا رہے جس سے تانیث کا وہم ہوتا ہے ۔

قولہ فی المشارق والمغارب ۔ اس کا استعمال واحد، تثنیہ، جمع، تینوں طریقہ پر آیا ہے واحد سمت کے اعتبار سے تثنیہ طلوع وغروب کے دونوں کناروں کے اعتبار سے جمع نقطہ طلوع اور نقطہ غروب کے اعتبار سے کیونکہ یہ روزانہ بدلتا رہتا ہے ۔

قولہ الشیخ ابن الحاجب ۔ شیخ پر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں (۱) رفع اس صورت میں ہو کہ مبتدار محذوف کی خبر ہے ۔ (۲) نصب اس صورت میں اعنی فعل محذوف کا مفعول ہے ۔ (۳) جر اس صورت میں علامہ سے بدل ہوگا ۔ شیخ کا اطلاق ابن حاجب پر مرتبہ کے اعتبار سے ہے عمر کے اعتبار نہیں کیونکہ مشہور ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر میں ان کو شہید کر دیا گیا ہے، اس قول کی علمار نے تضعیف کی ہے، ان کی عمر ستر سال کی ہوئی ہے جیسا کہ سن ولادت اور سن وفات سے پتہ چلتا ہے ۔

فائدہ :- بچہ کے پیٹ میں آنے کے وقت سے پیدا ہونے اور آخر عمر تک پہنچنے کے وقت تک بہت سے مراتب ہیں ۔

(۱) مرتبہ جنین ۔ ماں کی پیٹ میں رہنے کا زمانہ، اس کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے ۔

(۲) طفلیت ۔ شروع ولادت سے لے کر ہمارے نزدیک ڈھائی سال اور عند الشوافع دو سال

(۳) الصبار ۔ ڈھائی سال سے لے کر سات سال تک ۔

(۴) المراہق ۔ سات سال سے پندرہ سال تک ۔

(۵) الشباب ۔ پندرہ سال سے لے کر اکیاون سال تک ۔

(۶) الشیخوخہ ۔ اکیاون سال سے لے کر اسّی سال تک ۔

(۷) الکہولۃ والہرم ۔ اسّی سال سے لے کر آخر عمر تک ۔

قولہ تغمدہ اللہ بغفرانہ ۔ تغمد اور غفران دونوں کے معنیٰ ہیں ستر الذنب ۔ اس میں تغمد سبب

واسکنہ بجوحۃ جنانہ نظمتہا فی سلک التقریر وسمط التحریر للولد العزیز ضیاء الدین یوسف حفظہ اللہ سبحانہ عن موجبات التلہف والتاسف وسمیتہا بالفوائد الضیائیۃ لانہ لہذا الجمع والتالیف کالعلۃ الغائیۃ

ہے اور غفران مسبب ہے اور جب دونوں کے معنیٰ ایک ہیں تو مسبب اور سبب کا اتحاد لازم آیا اس کا جواب یہ ہے کہ تغمد کے معنیٰ ہیں ستر الذنوب مطلقاً سواء کان بمحض فضل اللہ تعالیٰ او بحسنات العبد اور غفران کے معنیٰ ہیں ستر الذنب بمحض فضل اللہ تعالیٰ تو تغمد عام ہے اور غفران خاص ہے لہٰذا دونوں کا اتحاد لازم نہ آیا۔

قولہ واسکنہ بجوحۃ جنانہ۔ بجوحۃ بروزن اُفعولۃ خیار اور وسط کو کہتے ہیں۔ جنان بکسر الجیم جنت کو کہتے ہیں۔

قولہ نظمتہا فی سلک التقریر وسمط التحریر۔ سلک وہ دھاگا جس میں موتی پروئے جاتے ہیں لیکن ابھی اس میں نہ پروئے گئے ہوں اور جس دھاگے میں موتی پروئے جائیں اس کو سمط کہتے ہیں دونوں میں اضافت مشبہ بہ کی مشبہ کی طرف ہے۔

قولہ ضیاء الدین یوسف۔ شارح جامی کے لڑکے کا نام یوسف اور ضیاء الدین لقب ہے یوسف پر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں ہو مبتدار کی خبر ہو تو رفع ہوگا، اعنی فعل محذوف کا مفعول ہو تو نصب ہوگا، للولد العزیز سے بدل قرار دیا جائے تو مجرور ہوگا۔

قولہ عن موجبات التلہف والتاسف۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ تلہف اور تاسف دونوں کے معنیٰ ایک ہیں، بعض کا قول ہے دونوں میں فرق ہے۔ تلہف جس کام کو نہ کرنا چاہئے اس کے کرنے پر جو غم ہوتا ہے۔ تاسف جس کام کو کرنا چاہئے اس کے ترک پر جو افسوس ہوتا ہے۔

قولہ بالفوائد الضیائیۃ۔ ضیاء الدین کی طرف نسبت ہے۔ اس میں اعتراض ہوتا ہے کہ مرکب میں نسبت اخیر جزء کی طرف ہوتی ہے جیسے ابن زبیر میں زبیری کہا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق یہاں بھی اخیر جزء کی طرف نسبت کرکے دینیہ کہنا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ نسبت میں جزء مقصود کا لحاظ کیا جاتا ہے جو جزء مقصود ہوتا ہے اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے ابن زبیر میں اخیر جزء مقصود ہے اسلئے اسکی طرف نسبت کی گئی اور ضیاء الدین میں جزء اول مقصود ہے اس لئے یہاں جزء اول کی طرف نسبت کی گئی۔

قولہ کالعلۃ الغائیۃ۔ علت کی چار قسمیں ہیں (۱) علت مادی جس سے شئی مرکب ہو۔ (۲) علت فاعلی جو شئی کا بنانے والا ہو۔ (۳) علت صوری بنانے کے بعد جو شئی کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ (۴) علت غائیہ شئی کے بنانے کی جو غرض ہو۔ مثلاً تخت جس سے بنایا جاتا ہے شیشم وغیرہ کے تختے یہ تخت کی علت مادی ہے نجار (بڑھئی) یہ علت فاعلی ہے تخت بننے کے بعد اس کی جو صورت ہے

نفعہ اللہ تعالیٰ بھا وسائر المبتدئین من اصحاب التحصیل ۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل ۔ اعلم ان الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ لم یصدر رسالتہ ھذہ بحمد اللہ سبحانہ بان جعلہ جزء منھا ھضما لنفسہ

وہ علت صوری ہے، تخت کی غرض لوگوں کا آرام کرنا، بیٹھنا وغیرہ یہ علت غائی ہے ۔ یہاں شارح نے کالعلۃ الغائیۃ کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ علت غائی تصور میں مقدم ہوتی ہے اور وجود میں مؤخر ہوتی ہے اور شارح کے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کتاب لکھنے سے پہلے ہی موجود تھے اس لئے علت غائیہ کے بجائے کالعلۃ الغائیۃ کہا ۔

قولہ وھو حسبی ونعم الوکیل ۔ اعتراض : نعم الوکیل کا معطوف علیہ یا حسبی ہے یا ہو حسبی پورا جملہ ہے اور دونوں احتمال صحیح نہیں اس لئے کہ اگر صرف حسبی پر عطف کیا جائے تو جملہ کا عطف مفرد پر لازم آتا ہے اور اگر ہو حسبی پر عطف کیا جائے تو نعم فعل کا مخصوص بالمدح سے خالی ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مخصوص بالمدح تو ہو ضمیر ہے اور اس پر جب عطف کر دیا جائے تو ہو حسبی علیحدہ جملہ ہوگا اور نعم الوکیل علیحدہ جملہ ہوگا اس لئے ہو حسبی میں ہو ضمیر کو مخصوص بالمدح نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

جواب :۔ دونوں پر عطف صحیح ہو سکتا ہے جس وقت حسبی پر عطف ہوگا تو حسبی کو یحسبنی مضارع کے معنی میں کر لیا جائے گا تو جس طرح نعم الوکیل جملہ ہے حسبی بھی یحسبنی کی تاویل میں ہو کر جملہ ہے ۔ اگر ہو حسبی پورے جملہ پر عطف کیا جائے گا تو مخصوص بالمدح محذوف مان لیا جائے گا ۔ اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ نعم الوکیل جملہ انشائیہ ہے اور ہو حسبی جملہ خبریہ ہے جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر نہیں ہو سکتا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نعم الوکیل سے پہلے مقول فی حقہ نکالا جائے گا جس سے یہ جملہ بھی خبریہ بن جائے گا ۔

قولہ اعلم ان الشیخ الخ ۔ اعلم سے یا تو کسی اعتراض کا جواب دینا مقصود ہوتا ہے یا کوئی جدید فائدہ مقصود ہوتا ہے ۔ یہاں اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ تمام مصنفین رحمہم اللہ اجمعین کا طریقہ ہے کہ کتاب کے شروع کرتے وقت بسم اللہ کے بعد اللہ پاک کی حمد بیان کرتے ہیں اور علامہ ابن حاجب نے کافیہ میں یہ طریقہ نہیں اختیار کیا بلکہ بسم اللہ کے بعد الکلمۃ لفظ الخ سے کتاب کو شروع کر دیا ہے اسی کا جواب شارح نے یہ دیا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے تواضع اور انکساری کی بناء پر ایسا کیا ہے کہ میری کتاب سب مصنفین کی کتابوں کی برابری نہیں کر سکتی جس طرح میں ان کے برابر کا نہیں اسی طرح میری کتاب ان کی کتاب کے برابر نہیں، جب میں ان کے مساوی نہیں تو طرز تحریر میں بھی مساوات نہ ہونی چاہئے اس لئے مساوات سے بچنے کے واسطے انھوں نے عام مصنفین کے طریقہ کے خلاف کیا، اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ ایسی تواضع قابل ستائش نہیں جس سے حدیث پاک کی مخالفت لازم آتی ہو حدیث شریف میں آتا ہے کل امر ذی بال لم یبدء بحمد اللہ فھو اقطع ۔ اس قسم کی

بتخییل ان کتابہ ھذا من حیث انہ کتابہ لیس ککتب السلف رحمھم اللہ تعالیٰ حتی یصدربہ علی سننھا ولا یلزم من ذلک عدم الابتداء بہ مطلقا حتی یکون بترکہ اقطع لجواز اتیانہ بالحمد من غیر ان یجعلہ جزء من کتابہ وبدأ بتعریف الکلمۃ والکلام لانہ یبحث فی ھذا الکتاب عن احوالھما فمتی لم یعرفا کیف یبحث عن احوالھما وقدم الکلمۃ علی الکلام لکون افرادھا جزء من افراد الکلام ومفھومھا جزء من مفھومہ فقال الکلمۃ

حدیث بسم اللہ کے بارے میں بھی آئی ہے۔

قولہ ولا یلزم من ذلک الخ یہاں سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث پاک کے اندر ابتداء کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بلکہ مطلق رکھا گیا ہے جس کے دو فرد ہیں ابتداء باللسان اور ابتداء بالکتابۃ اور مطلق کے کسی فرد پر بھی عمل کر لیا جائے تو کافی ہے مصنف نے یہاں الحمد للہ زبان سے ادا کر لیا ہے تاکہ حدیث پر عمل ہو جائے اور تحریر میں نہیں لائے تاکہ دیگر مصنفین کی برابری نہ ہو۔

قولہ وبدء بتعریف الکلمۃ :- اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کافیہ علم نحو میں ہے اور نحو کا موضوع کلمہ و کلام ہے اور ہر فن میں اس کے موضوع کے احوال بیان کئے جاتے ہیں اس لئے مصنف کو چاہئے تھا کہ کلمہ اور کلام کے احوال بیان کرنا شروع کرتے لیکن ایسا نہیں کیا اور ان کی تعریف شروع کر دی۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ مقصود تو کلمہ اور کلام کے احوال ہی کو بیان کرنا ہے لیکن جب تک ذات کی معرفت نہ ہو احوال سے بحث کیسے کی جا سکتی ہے یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ احوال کس کے بیان کئے جا رہے ہیں، اس کی پہچان کیا ہے اس لئے جب تک کلمہ اور کلام کی معرفت نہ حاصل ہو جائے ان کے احوال نہیں بیان کئے جا سکتے یہ وجہ ہے کہ مصنف نے کلمہ اور کلام کی تعریف پہلے بیان کی بعد میں ان کے احوال بیان کئے ہیں۔

قولہ وقدم الکلمۃ الخ :- کلمہ کی تعریف مصنفؒ نے پہلے بیان کی اور کلام کی بعد میں اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ کلمہ کو کلام پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزء ہے اور کلمہ کے افراد کلام کے افراد کا جزء ہیں اور جزء کل پر طبعاً مقدم ہوا کرتا ہے اس لئے کلمہ کو کلام پر وضعاً بھی مقدم کر دیا تاکہ وضع اور طبع میں مناسبت رہے۔

قولہ الکلمۃ :- الکلمۃ میں تین چیزوں کی شارح تحقیق کریں گے۔ (۱) الف ولام۔ (۲) کلم (۳) تاء۔ الف ولام اور تاء یہ دونوں کلمہ کو عارض ہوتے ہیں، اس لئے پہلے کلمہ کی تحقیق کر رہے ہیں بعد عوارض کی بحث کریں گے، الف ولام شروع میں ہوتا ہے اور تاء آخر میں، اس لئے ان دونوں کی تحقیق میں الف ولام کی تحقیق کو تاء کی تحقیق پر مقدم کیا ہے۔

قیل هی والکلام مشتقان من الکلم بتسکین اللام وهو الجرح لتاثیر معانیهما فی النفوس کالجرح وقد عبّر بعض الشعراء عن بعض تاثیراتهما بالجرح حیث قال شعر۔ جراحات السنان لها التیام ؛ ولا یلتام ما جرح اللسان۔ والکلم بکسر اللام جنس لا جمع کتمر وتمرۃ بدلیل قوله تعالٰی اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وقیل جمع حیث لا یقع الا علی الثلث فصاعداً والکلم الطیب مؤوّل ببعض الکلم واللام فیہما للجنس والتاء للوحدۃ ولا منافاۃ بینهما لجواز اتصاف الجنس

قولہ قیل هی والکلام مشتقان الخ کلمہ اور کلام دونوں کا مشتق منہ کلم بتسکین اللام ہے اس کے معنی الجرح ہیں (زخمی کرنا) اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ مشتق اور مشتق منہ میں مناسبت ہونی چاہئے اور یہاں نہیں ہے اس واسطے کہ کلمہ کی تعریف ہے لفظ وضع لمعنی مفرد اور کلام کی تعریف ہے ما تضمن کلمتین بالاسناد اور کلم جو مشتق منہ ہے اس کے معنی زخمی کرنا ہیں، ظاہر ہے کہ ان دونوں معنوں کو کلم کے معنی سے کوئی مناسبت نہیں۔ شارح لتاثیر معانیھما سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ کلمہ اور کلام کو معنی التزامی کے اعتبار سے اپنے مشتق منہ کلم سے مناسبت ہے جس طرح زخم کا اثر جسم پر ہوتا ہے کلمہ اور کلام کا اثر بھی دل پر ہوتا ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے

جراحات السنان لها التیام ؛ ولا یلتام ما جرح اللسان

نیزوں کے زخم تو بھر جاتے ہیں اور کبھی نہ کبھی دیر سویر اچھے ہو جاتے ہیں، لیکن زبان سے نکلنے والے کلمات کا جو اثر دل پر ہوتا ہے اس کا بھرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔

قولہ والکلم بکسر اللام الخ کلمہ اور کلام کا مشتق منہ تو کلم بتسکین اللام ہے لیکن کلم بکسر اللام کو چونکہ اس سے مناسبت ہے اس وجہ سے اس کی تحقیق کر رہے ہیں کہ یہ جنس ہے جمع نہیں، دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے الیہ یصعد الکلم الطیب آیت میں الطیب مفرد ہے اور یہ کلم کی صفت ہے اگر کلم جمع ہے تو اس کی صفت مفرد کیسے آتی یہ بصریین کا مذہب ہے، کوفیین کہتے ہیں کہ جمع ہے کیونکہ اس کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا، اگر جنس ہے تو اس سے کم پر بھی ہونا چاہئے جیسا کہ جنس کا تقاضا ہے کہ قلیل وکثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ الکلم سے پہلے لفظ بعض محذوف ہے وہ مضاف ہے الکلم کی طرف اور طیب بعض کی صفت ہے نہ کہ کلم کی۔

الف ولام کی قسموں کا بیان ماقبل میں ہو چکا ہے، یہاں الکلمۃ میں الف ولام جنس کا ہے یا عہدِ خارجی ہے جس سے مخصوص کلمہ مراد ہے یعنی نحویوں کی اصطلاح میں جس کو کلمہ کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے ـــ تاء اس میں وحدت کی ہے اس پر اعتراض ہوتا تھا کہ الکلمۃ میں آپ الف ولام جنس کا کہہ رہے ہیں اور تاء کو وحدت کے لئے قرار دے رہے ہیں تو ان دونوں میں منافات ہے۔ آپ نے ان دونوں کو

بالوحدة والواحد بالجنسية يقال هذا الجنس واحد وذلك الواحد جنس ويمكن حملها على العهد الخارجي بارادة الكلمة المذكورة على السنة النحاة لفظ اللفظ في اللغة الرمي يقال اكلت التمرة ولفظت النواة اى رميتها ثم نقل في عرف النحاة ابتداء وبعد جعله بمعنى الملفوظ كالخلق بمعنى المخلوق

---

کیسے جمع کرلیا، اس کا جواب شارح ولامنافاة بینہما سے دے رہے ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ وحدت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وحدت جنسی (۲) وحدت نوعی (۳) وحدت شخصی۔ ان میں وحدت شخصی اور جنس میں منافات ہے باقی وحدت جنسی یا نوعی اور جنس میں کوئی منافات نہیں ہے چنانچہ ھذا الجنس واحد اور ذلك الواحد جنس کہا جاتا ہے۔ پہلی مثال میں واحد کا حمل جنس پر ہے اور دوسری مثال میں جنس کا حمل واحد پر ہے اور حمل میں اتحاد ہوتا ہے جیسا کہ حمل کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جنس اور وحدت میں کوئی منافات نہیں۔

قولہ اللفظ فی اللغة الرمی:۔ لفظ کے لغوی معنی ہیں پھینکنا خواہ منھ سے پھینکنا ہو یا غیر منھ سے اسی طرح لفظ کو پھینکا جائے یا غیر لفظ، یہ کل چار قسمیں ہوئیں۔ (۱) لفظ کو منھ سے پھینکنا جیسے زید، عمر بکر، قائم، ذاہب کا تکلم (۲) غیر لفظ کو منھ سے پھینکنا جیسے اکلت التمرة ولفظت النواة (میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی کو پھینک دیا (۳) غیر لفظ کو غیر منھ سے پھینکنا جیسے لفظت الرحی الدقیق (چکی نے آٹا پھینکا) (۴) لفظ کو غیر منھ سے پھینکنا یہ باطل ہے، اس کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

قولہ یقال اکلت التمرة الخ۔ اس سے پہلے شارح نے کہا تھا کہ لغت میں لفظ کے معنی مطلقاً رمی (پھینکنے) کے ہیں اس کو عرب کے محاورہ سے ثابت کر رہے ہیں۔

قولہ ثم نقل فی عرف النحاة:۔ یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ الکلمة مبتدا ہے اور لفظ اس کی خبر ہے، خبر کا مبتدا پر حمل ہونا چاہئے وہ یہاں درست نہیں ہے اس لئے کہ لفظ مصدر ہے اور کلمہ ذات ہے اور مصدر وصف ہوتا ہے جس کا حمل ذات پر درست نہیں ہے۔ اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ لفظ اپنے مصدری معنی میں یہاں مستعمل نہیں ہے بلکہ یہ منقول ہے اس کو ما یتلفظ بہ الانسان کی طرف نقل کرلیا گیا ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ وہ ہے جو انسان کا ملفوظ ہو۔

قولہ ابتداء او بعد جعلہ بمعنی الملفوظ:۔ نقل کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں (۱) نقل ابتدائی (۲) نقل ثانوی۔ نقل ابتدائی کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کو ملفوظ کی تاویل میں کئے بغیر شروع ہی سے ما یتلفظ بہ الانسان کے معنی میں کرلیا جائے نقل ثانوی کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کو پہلے ملفوظ کے معنی میں کیا جائے

الی ما یتلفظ بہ الانسان حقیقۃ او حکما مہملا کان او موضوعا مفردا کان او مرکبا فاللفظ الحقیقی کزید وضرب والحکمی کالمنوی فی زید ضرب واضرب اذ لیس من مقولۃ الحرف والصوت اصلا ولم یوضع لہ وانما عبروا عنہ باستعارۃ لفظ المنفصل لہ من نحو ھو وانت واجروا علیہ الاحکام اللفظ فکان لفظا حکما لا حقیقۃ

پھر ملفوظ کو مایتلفظ بہ الانسان کے معنی میں کیا جائے، پہلی صورت میں تسمیۃ المسبب باسم السبب ہوگا کیونکہ رمی سبب ہے اور مایتلفظ بہ الانسان مسبب ہے اور یہاں مسبب یعنی مایتلفظ بہ الانسان کو سبب یعنی لفظ کہا گیا ہے جس کے معنی رمی کے ہیں۔ دوسری صورت میں تسمیۃ الخاص باسم العام ہوگا کیونکہ مایتلفظ بہ الانسان (انسان کا ملفوظ) خاص ہے اور لفظ جو مطلق ملفوظ کے معنی میں ہے وہ عام ہے اور یہاں ملفوظ انسان جو خاص ہے اس کو مطلق ملفوظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی مایتلفظ بہ الانسان کے بجائے لفظ کہا گیا ہے اور اس کو ملفوظ کے معنیٰ میں لیا گیا ہے خواہ وہ انسان کا ملفوظ ہو یا کسی اور کا ہو۔ اس عبارت میں لفظ کے تمام اقسام کا احاطہ کیا گیا ہے۔

قولہ والحکمی کالمنوی الخ:۔ لفظ کے جتنے اقسام ابھی بیان کئے گئے ہیں ان میں صرف لفظ حکمی میں خفا تھا اسلئے اسکی مثال بیان کر رہے ہیں، اس سے پہلے لفظ حقیقی کی بھی مثال بیان کی ہے تاکہ تقابل کی وجہ سے لفظ حکمی کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے ورنہ لفظ حقیقی کی مثال ظاہر ہے بیان کی ضرورت نہیں تھی۔ لفظ حکمی کی مثال جیسے وہ ضمیر جو زید ضرب اور اضرب میں ہے ضرب میں ہو ضمیر ہے اور اضرب میں انت ضمیر ہے یہ دونوں ضمیریں لفظ حقیقی نہیں ہیں کیونکہ لفظ حقیقی حرف اور صورت کے مقولہ سے ہوتا ہے اور موضوع لہ ہوتا ہے اور ان میں یہ بات نہیں ہے۔

قولہ وانما عبروا عنہ الخ:۔ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ ضرب اور اضرب میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس کے لئے لفظ وضع نہیں کیا گیا حالانکہ اس کو ھو اور انت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ تعبیر بطور استعارہ کے ہے نہ کہ بطور وضع کے یعنی ضرب اور اضرب میں جو ضمیر متصل ہے اس کی تعبیر کے لئے ھو اور انت ضمیر منفصل کا استعارہ کر لیا گیا ہے۔

قولہ واجری واعلیہ احکام اللفظ:۔ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب منوی حرف اور صوت کے مقولہ سے نہیں اور اس کے لئے لفظ وضع بھی نہیں کیا گیا تو پھر اس کو خواہ مخواہ لفظ کی فہرست میں داخل کرنے اور لفظ حکمی کہنے کی کیوں زحمت گوارا کی جا رہی ہے۔

اس کا جواب دے رہے ہیں کہ منوی پر چونکہ لفظ کے احکام جاری ہوتے ہیں اس لئے اس کو لفظ حکمی کہا جاتا ہے۔

والمحذوف لفظ حقیقة لانہ قد یتلفظ بہ الانسان فی بعض الاحیان وکلمات اللہ تعالیٰ داخلة فیہ اذھی مما یتلفظ بہ الانسان وعلی ھذا القیاس کلمات الملائکة والجن والدوال الاربع وھی الخطوط والعقود والنصب والاشارات غیر داخلة فیہ فلاحاجة الی قید یخرجھا وانما قال لفظ ولم یقل لفظة لانہ لم یقصد الوحدة

قولہ والمحذوف لفظ حقیقة الخ:- اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے لفظ کی تعریف کی ہے کہ جس کا انسان تلفظ کرے اور محذوف کا تلفظ نہیں ہوتا اس لئے اس کو لفظ نہ کہنا چاہئے حالانکہ وہ بھی لفظ کی قسم ہے معلوم ہوا کہ تمہاری تعریف اپنے اقسام کو جامع نہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ محذوف ہمیشہ محذوف نہیں رہتا کبھی مذکور بھی ہوتا ہے، جس وقت مذکور ہوگا اس وقت اس کا تلفظ انسان کرسکتا ہے لہذا محذوف لفظ کے اقسام سے خارج نہ ہوا۔

قولہ وکلمات اللہ تعالیٰ الخ:- یہ بھی اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ لفظ کی تعریف مایتلفظ بہ الانسان میں انسان کی قید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کلمات اور ملائکہ اور جن کے کلمات لفظ سے خارج ہو جائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کی تعریف میں بے شک انسان کی قید ہے لیکن یہ قید کہاں ہے کہ انسان اپنے کلام کا تلفظ کرے تو وہ لفظ ہے ورنہ نہیں، لفظ کے لئے تو بس اتنا کافی ہے کہ انسان اس کا تلفظ کرسکے خواہ اپنا کلام ہو یا کسی اور کا۔ لہذا کلمات اللہ اور کلام ملائکہ، کلام جن سب کو لفظ کی تعریف شامل ہے۔ کلام ملائکہ کی عام طور پر یہ مثال بیان کی جاتی ہے۔

ان فی الجنة نہرا من لبن ❊ لعلی وفاطمة وحسین وحسن

کلام جن کی یہ مثال ہے۔

لیس قرب قبر حرب قبر ❊ وقبر حرب بمکان قفر

ضرورت شعر کی وجہ سے قفر کی رار پر ضمہ پڑھا جائے گا۔

قولہ والدوال الاربع الخ:- اعتراض کیا جاتا ہے کہ مصنفؒ کو چاہئے تھا کہ کلمہ کی تعریف میں ایسی کوئی قید کا اضافہ کرتے جس سے دوال اربعہ خارج ہو جاتے۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ دوال اربعہ کلمہ کی جنس یعنی لفظ ہی میں داخل نہیں تو پھر خارج کرنے کی کیا ضرورت۔

قولہ انما قال لفظ:- اعتراض یہ ہے کہ کافیہ ماخوذ ہے علامہ زمخشری کی کتاب مفصل سے اور مفصل کی تعریف میں لفظة تار کے ساتھ ہے، اس لئے مصنف کو چاہئے تھا کہ یہ بھی لفظة کہتے تاکہ فرع کی مخالفت اصل سے لازم نہ آتی۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ کلمہ کی تعریف میں مصنف کا مسلک علامہ زمخشری سے جدا ہے۔ علامہ کے نزدیک کلمہ صرف ایک لفظ کو کہتے ہیں، مصنف کے نزدیک کلمہ میں ایک سے زائد الفاظ بھی ہو سکتے ہیں البتہ ان میں اسناد نہ ہو ورنہ کلام ہو جائے گا

والمطابقة غیر لازمة لعدم الاشتقاق مع کون اللفظ اخصر ووضع الوضع تخصیص شیٔ بشیٔ بحیث متیٰ اطلق او احس الشیٔ الاول فھم منہ الشیٔ الثانی

چنانچہ مصنف کے نزدیک عبداللہ بحالت علم کلمہ ہے اگرچہ اس میں دو لفظ ہیں علامہ زمخشری اس کو کلمہ نہ کہیں گے۔

قولہ والمطابقة غیر لازمة :- مصنف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تسلیم ہے کہ ان کے نزدیک کلمہ میں وحدت کا اعتبار نہیں ہے یعنی کلمہ کا صرف ایک لفظ ہونا ضروری نہیں ہے پھر بھی نحوی قاعدہ کے مطابق لفظة کہنا چاہئے تھا اسلئے کہ الکلمة مبتدا ہے اور وہ مؤنث ہے لفظ اس کی خبر ہے اور مبتداء و خبر کے درمیان مطابقت ضروری ہے اس لئے لفظة لانا چاہیے۔ اس کا جواب اپنے اس قول والمطابقة غیر لازمة سے دے رہے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مبتداء اور خبر کے درمیان مطابقت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ (۱) خبر مشتق ہو اور یہاں لفظ مشتق نہیں ہے (۲) خبر کے اندر ضمیر ہو جو مبتداء کی طرف راجع ہو (۳) مبتداء و خبر دونوں اسم ظاہر ہوں (۴) خبر ایسی صفت نہ ہو جو مؤنث کے ساتھ خاص ہو (۵) خبر اسم تفضیل کا صیغہ نہ ہو جس کا استعمال مِن کے ساتھ ہو (۶) خبر ایسی نہ ہو جس میں مذکر اور مونث دونوں برابر ہوں۔

قولہ مع کون اللفظ اخصر :- یہ بھی اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مطابقت کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے اگرچہ ضرورت کا درجہ نہ سہی لیکن مبتداء اور خبر کے درمیان مناسبت کی رعایت سے تاء لے آتے تو کیا حرج تھا۔ شارح نے جواب دیا کہ تاء لاتے تو اختصار باقی نہ رہتا اس لئے بجائے لفظة کے لفظ کہا۔

قولہ وضع :- وضع کے لغوی معنیٰ ہیں رکھنا اور اصطلاح میں ایک شیٔ کو کسی شیٔ کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب شیٔ اول کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو شیٔ ثانی سمجھ میں آجائے۔ وضع کی تعریف میں اطلق او احس یہ دو لفظ لاکر وضع کی دو قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے اطلق سے وضع لفظی کی طرف اشارہ ہے جیساکہ تمام الفاظ کی وضع اپنے معانی کے لئے اور احس سے وضع غیر لفظی کی طرف اشارہ ہے جیساکہ دوال اربعہ کی وضع اپنے مدلولات کے لئے۔

فائدہ :- موضوع لہ کے اعتبار سے وضع کی چار قسمیں ہیں (۱) وضع خاص موضوع لہ خاص جیسے اعلام شخصیہ (۲) وضع عام موضوع لہ عام جیسے مشتقات مثل ضارب وغیرہ (۳) وضع خاص موضوع لہ عام جیسے انسان کی وضع حیوان ناطق کے لئے اس میں وضع خاص ہے کیونکہ اس کا تعلق امر واحد کے ساتھ ہے اور موضوع لہ عام ہے کیونکہ وہ امر کلی ہے (۴) وضع عام موضوع لہ خاص جیسے موصولات،

قیل یخرج عنہ وضع الحرف حیث لا یفهم منہ معناہ متی اطلق بل اذا اطلق مع ضم ضمیمۃ واجیب بان المراد متی اطلق اطلاقا صحیحا واطلاق الحرف بلا ضم ضمیمۃ غیر صحیح ولا یبعد ان یقال المراد باطلاق الالفاظ ان یستعملها اهل اللسان

اسمائے اشارات، متاخرین کے نزدیک وضع کی تعریف میں بعض شارحین نے اعتراض کیا ہے کہ متی اطلق او احس الشئ الاول فهم منہ الشئ الثانی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی شئ اول کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو شئ ثانی ضرور مفہوم ہو حالانکہ جب کسی شئ کا دوسری یا تیسری بار مثلاً اطلاق کیا جائے تو اس وقت ثانی کا صدق نہیں پایا جاتا یعنی اس وقت یہ نہیں کہہ سکتے کہ شئ ثانی اس اطلاق کے وقت سمجھی گئی۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی لہذا یہ ملازمہ درست نہیں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فہم سے مراد التفات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب شئ کا اطلاق یا احساس دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہوگا تو التفات شئ ثانی کی طرف ضرور ہوگا اگرچہ اس کا فہم پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے۔

قولہ یخرج عنہ وضع الحرف:۔ اعتراض ہوتا ہے کہ وضع کی جو تعریف کی گئی ہے وہ حرف کو شامل نہیں ہے اس لئے کہ حرف میں یہ بات نہیں ہوتی کہ جب اس کا اطلاق کیا جائے تو شئ ثانی یعنی اس کے معنیٰ سمجھ میں آجائیں بلکہ جب تک اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے گا اسوقت تک اس کے معنیٰ سمجھ میں نہیں آتے اور جب وضع کی تعریف حرف کو شامل نہ ہوئی تو حرف موضوع نہ ہوا، اور جب موضوع نہ ہوا تو کلمہ سے خارج ہو جائے گا حالانکہ حرف کو بھی کلمہ کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔

قولہ واجیب بان المراد الخ:۔ اعتراض مذکور کا جواب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وضع کی تعریف میں اطلق کے بعد اطلاقاً صحیحاً کی قید محذوف ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ جب کسی شئ کا صحیح طریقہ پر اطلاق کیا جائے تو شئ ثانی یعنی اس کے معنیٰ سمجھ میں آجائیں اور حرف کا اطلاق صحیح اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ ملایا جائے۔

قولہ ولا یبعد الخ:۔ اعتراض مذکور کا یہ دوسرا جواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اطلاقاً صحیحاً کی قید محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اطلاق کا مطلب ہی یہ ہے کہ اہل لسان اپنے محاورات میں اور اپنے مقاصد کے بیان کرنے میں جس طرح استعمال کرتے ہوں اس طرح اس کو استعمال کیا جائے تو شئ ثانی سمجھ میں آجائے اور اہل لسان اپنے کلام میں حرف کا استعمال بغیر ضم ضمیمہ یعنی دوسرے کلمے کے ملائے بغیر نہیں کرتے۔ یہ جواب پہلے جواب سے قوی ہے کیونکہ پہلے جواب میں علیحدہ سے قید محذوف ماننی پڑتی ہے اور اس جواب میں قید کی ضرورت نہیں لیکن یہ جواب خود شارح کا ہے

فی محاوراتہم وبیان مقاصدہم فلاحاجۃ الیٰ اعتبار قید من انہ لمعنی المعنی مایقصد بشئ فہو اما مفعل اسم مکان بمعنی المقصد او مصدر میمی بمعنی المفعول او مخفف معنی اسم مفعول کمرمی

---

اس لئے کسر نفسی کی وجہ سے لایبعد لاکر کچھ ضعیف کر دیا ہے۔

قولہ لمعنی المعنی مایقصد بشئ :۔ معنیٰ کی یہ اصطلاحی تفسیر ہے، لغوی معنیٰ بعد میں فہو اما مفعل سے بیان کریں گے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ لغوی معنی پہلے بیان کئے جاتے ہیں اور اصطلاحی معنی بعد میں بیان کئے جاتے ہیں، لیکن لغوی معنی میں تفصیل ہے، اس لئے وہ بمنزلہ مرکب کے ہے، اور اصطلاحی معنیٰ بمنزلہ مفرد کے ہیں اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اصطلاحی معنی پہلے بیان کئے گئے۔ شارح نے معنی کی اصطلاحی تفسیر مایقصد بشئ کیساتھ کی ہے مایقصد بلفظ نہیں کہا تاکہ اس تفسیر میں دوال اربعہ بھی داخل ہوجائیں کیونکہ ان سے بھی معنی کا قصد کیا جاتا ہے اگرچہ وہ الفاظ کے قبیلے سے نہیں ہیں، معنی کی تفسیر پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ مضمرات اور اسمائے اشارات کو شامل نہیں ہے کیونکہ ان کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے اور استعمال جزئیات میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب استعمال جزئیات میں ہے تو جزئیات مقصود ہوئے نہ کہ معنی کلی تو جو موضوع ہے یعنی مفہوم کلی وہ مقصود نہیں اور جو مقصود ہے یعنی جزئیات وہ موضوع نہیں تو جب مضمرات اور اسمائے اشارات کو معنی کی تفسیر شامل نہ ہوئی تو یہ معنی سے خارج ہوگئے اور جب معنی سے خارج ہوگئے تو کلمہ سے بھی خارج ہوجائیں گے حالانکہ بالاتفاق ان کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معنی کی تفسیر میں امکان کی قید ملحوظ ہے اب تفسیر یہ ہوگی المعنی مایمکن ان یقصد بہ اور ظاہر ہے کہ مضمرات اور اسمائے اشارات کا استعمال اگرچہ جزئیات میں ہوتا ہے لیکن مفہوم کلی میں استعمال کا امکان ہے۔

قولہ فہو اما مفعل :۔ یہاں سے معنی لغوی کا بیان ہے اور معنی لغوی کا بیان موقوف ہے صیغہ کے بیان پر اس لئے پہلے صیغہ بیان کیا اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) اسم مکان (۲) مصدر میمی ان دونوں احتمال پر کلمہ کی تعریف صحیح نہ ہوگی اسم مکان کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے قصد کی جگہ کے لئے، دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے قصد کرنے کے لئے اور یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں۔ اس لئے شارح نے بمعنی المفعول کا اضافہ کیا یعنی معنی خواہ اسم ظرف کا صیغہ ہو یا مصدر میمی ہو دونوں صورتوں میں مفعول کے معنی میں مستعمل ہوگا جیسے مَشْرَبٌ عَذْبٌ میں مشرب بمعنی مشروب ہے (جس چیز کو پیا جا رہا ہے وہ شیریں ہے) تیسرا احتمال صیغہ معنیٰ میں یہ ہے کہ معنیٰ اسم مفعول کا مخفف ہے اس کی اصل مَعْنُوِی ہے مُرْمِیٌ

ولما کان المعنی ماخوذا فی الوضع فذکر المعنی بعدہ مبنی علی تجریدہ عنہ فخرج بہ المھملات والالفاظ الدالۃ بالطبع اذ لم یتعلق بھا وضع وتخصیص اصلا وبقیت حروف الھجاء الموضوعۃ لغرض الترکیب لالابان اء المعنی وخرجت بقولہ لمعنی اذ وضعھا لغرض الترکیب لالابان اء المعنی فان قلت قد وضع بعض الالفاظ باذاء بعض اٰخر

جیسی تعلیل ہوئی ہے لیکن یہ تخفیف غیر قیاسی ہے۔

قولہ ولما کان المعنی الخ:۔ اعتراض ہوتا ہے کہ وضع کے بعد معنیٰ کا ذکر بیکار ہے، اس لئے کہ وضع کی تعریف تخصیص شئ بشئ الخ کے ساتھ کی گئی ہے اور شئ ثانی سے مراد معنی ہیں تو پھر علیحدہ سے اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں صنعت تجرید کو اختیار کیا ہے وضع کی تعریف میں معنی کا لحاظ نہیں کیا گیا اس سے خالی رکھا گیا ہے لہذا بعد میں معنی کا ذکر عبث نہ ہوا، اس میں پھر اعتراض ہوتا ہے کہ تجرید تو خلاف اصل ہے اس کا ارتکاب کیوں کیا گیا ہے وضع کی تعریف میں معنیٰ کا ذکر جو ضمناً سمجھا جاتا ہے اسی پر اکتفار کیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ کے مفہوم کو ادا کرنے والے الفاظ اور اس کی پوری تعریف یہ ہے الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد اس میں وضع، معنی، مفرد یہ قیود ہیں، جو بمنزلہ فصل کے ہیں، ان سے غیر کلمہ کو خارج کیا گیا ہے اور قیود کو تصریح کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے ضمنی ذکر کافی نہیں ہے۔

قولہ فخرج بہ المھملات والالفاظ الدالۃ بالطبع:۔ کلمہ کی تعریف میں وضع کی قید سے مہملات اور جو الفاظ بالطبع دلالت کرتے ہیں خارج ہو گئے کیونکہ ان میں وضع نہیں پائی جاتی مہملات میں تو کسی قسم کی دلالت معنی پر ہوتی ہی نہیں اور جو الفاظ بالطبع دلالت کرتے ہیں ان میں دلالت طبعی پائی جاتی ہے وضعی نہیں ہے جیسے اُح اُح کی دلالت سینہ کے درد پر، دلالت کی تعریف اور اس کے اقسام منطق کی کتابوں میں آپ پڑھ چکے ہیں پھر سے دیکھ لیجئے۔

قولہ وبقیت حروف الھجاء الخ:۔ حرف ہجاء میں وضع پائی جاتی ہے اس لئے وضع کی قید سے یہ خارج نہیں ہوئے لیکن لمعنی کی قید سے وہ بھی خارج ہو گئے کیونکہ ان کی وضع ترکیب کے لئے ہے نہ کہ معنیٰ کے لئے۔

قولہ فان قلت قد وضع بعض الالفاظ الخ:۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف میں معنی کی قید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لفظ معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کو کلمہ کہیں گے حالانکہ بعض الفاظ کی وضع الفاظ ہی کے لئے ہے معنی کے لئے نہیں جیسے لفظ اسم اس کی وضع مثلاً زید، عمر، بکر وغیرہ کے لئے ہے لفظ فعل کی وضع ضرب، یضرب، اضرب وغیرہ کے لئے ہے لفظ حرف کی وضع مِن، الیٰ وغیرہ کے لئے ہے اور یہ سب معنیٰ کی قید سے کلمہ کا مصداق نہیں رہے حالانکہ بالاتفاق

فکیف یصدق علیہ انہ وضع لمعنی قلنا المعنی ما یتعلق بہ القصد وھو اعم من ان یکون لفظاً او غیرہ فان قلت قد وضع بعض الکلمات المفردۃ بازاء الالفاظ المرکبۃ کلفظ الجملۃ والخبر فکیف یکون موضوعاً لمفرد قلنا ھذہ الالفاظ وان کانت بالقیاس الی معانیہا مرکبۃ لکنہا بالقیاس الی الفاظہا الموضوعۃ بازائہا مفردۃ وقد اجیب عن الاشکالین بانہ لیس ھھنا لفظ وضع بازاء لفظ آخر مفرداً کان او مرکباً بل بازاء مفہوم کلی افرادہ الفاظ کلفظ الاسم

---

یہ کلمہ ہیں۔ اس کا جواب شارح اپنے قول قلنا المعنی ما یتعلق بہ القصد سے دے رہے ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ معنی سے مراد ہے جس کے ساتھ قصد متعلق ہو یعنی اس کا قصد کیا جائے خواہ لفظ ہو یا غیر لفظ تو جب کسی لفظ کی وضع کسی لفظ کے لئے ہوگی تو جو لفظ موضوع لہ ہوگا وہ یقیناً مقصود ہوگا اور معنی کا مصداق ہو جائے گا۔

قولہ فان قلت قد وضع بعض الکلمات المفردۃ بازاء الالفاظ المرکبۃ الخ:۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ اس سے پہلے والے اعتراض ہیں جس میں یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ کبھی لفظ کی وضع لفظ کے لئے ہوتی ہے معنیٰ کے لئے نہیں ہوتی اس میں آپ نے معنیٰ میں تاویل کر کے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ الفاظ مفردہ کی وضع الفاظ مرکبہ کے لئے ہوتی ہے مفرد کے لئے نہیں جیسے لفظ جملہ اور خبر اور کلمہ کی تعریف میں مفرد کی قید لگی ہے تو کیا اس قسم کے الفاظ کو کلمہ نہ کہا جائے حالانکہ یہ بھی بالاتفاق کلمہ ہیں۔

قولہ قلنا ھذہ الالفاظ وان کانت الخ:۔ اعتراض مذکور کا جواب دے رہے ہیں کہ بیشک ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض الفاظ مفردہ الفاظ مرکبہ کے لئے وضع کئے گئے ہیں جیسے لفظ جملہ کہ یہ مفرد ہے اور اس کا موضوع لہ مثلاً زید قائم ہے اور یہ مرکب لفظ ہے لیکن جب اس مرکب یعنی زید قائم کی تعبیر کریں گے تو اس کو جملہ کہیں گے یعنی ہم سے اگر کوئی سوال کرے کہ زید قائم کیا ہے تو اس کو یہی جواب دیا جائیگا کہ جملہ ہے اور یہ مفرد ہے، حاصل یہ کہ یہ الفاظ مرکبہ جو موضوع لہ ہیں ان کا معبر بہ مفرد ہے اس لئے ان کو مفرد کہا جاتے گا۔

قولہ وقد اجیب عن الاشکالین:۔ اس سے پہلے جو دو اعتراض کئے گئے ہیں، ان کا علیحدہ علیحدہ جواب دیا گیا ہے اب دونوں اعتراضوں کا مشترکہ جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو سرے سے یہ تسلیم ہی نہیں کہ کسی لفظ کی وضع لفظ کے لئے ہے خواہ مفرد ہو یا مرکب، لفظ کی وضع لفظ کے لئے ہوتی ہی نہیں بلکہ ہمیشہ الفاظ کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہوتی ہے البتہ اس مفہوم کلی کے افراد الفاظ ہوتے ہیں۔ اسم، فعل، حرف، جملہ، خبر سب اسی قبیل سے ہیں۔ اسم وہ ہے جو مستقل معنیٰ رکھتا ہو اور تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں نہ پایا جائے یہ مفہوم کلی ہے

والفعل والحرف والخبر والجملة وغيرها ولا يخفى عليك ان هذا الحكم منقوض بامثال الضمائر الراجعة الى الفاظ مخصوصة مفردة او مركبة فان الوضع فيها وان كان عاما لكن الموضوع له خاص فليس هناك مفهوم كلى هو الموضوع له فى الحقيقة مُفردٍ وهو اما مجرور على انه صفة لمعنى ومعناه ح مايدل جزء لفظه على جزئه وفيه انه يوهم ان اللفظ موضوع للمعنى المتصف بالافراد والتركيب قبل الوضع وليس الامر كذلك فان اتصاف المعنى بالافراد والتركيب انما هو بعد الوضع

اس کے افراد زید، عمر، بکر وغیرہ ہیں اور یہ لفظ ہیں، اسی طرح فعل، حرف کی جو تعریف ہے وہ مفہوم کلی ہے، فعل کے افراد ضرب، سمع وغیرہ اور حرف کے افراد من، الیٰ وغیرہ یہ الفاظ ہیں، اسی طرح جملہ اور خبر وغیرہ کو سمجھ لیجئے۔ جملہ وہ ہے جس کے قائل کو صادق یا کاذب کہا جاسکے یہ مفہوم کلی ہے اور اس کے افراد زید قائم وغیرہ الفاظ ہیں۔

قولہ ولا یخفی علیک الخ:۔ شارح کے جواب پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ کہنا کہ لفظ کی وضع لفظ کیلئے نہیں ہوتی بلکہ مفہوم کلی کیلئے ہے یہ حکم ضمیر جیسی چیزوں پر صادق نہیں کیونکہ ان میں وضع اگرچہ عام ہے لیکن موضوع لہ خاص ہے یعنی ان کی وضع مخصوص چیزوں کے لئے ہوتی ہے اور وہ سب الفاظ ہیں خواہ مفرد ہوں یا مرکب مفہوم کلی کے لئے ان کی وضع نہیں ہے۔ شارح نے تو اس اعتراض کا جواب نہیں دیا، دوسرے شراح نے دیا ہے کہ ضمائر کے سلسلے میں دو مذہب ہیں متقدمین کا اور متاخرین کا، متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ضمائر کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے البتہ استعمال ان کا جزئیات مخصوصہ میں ہوتا ہے اور متاخرین کا مذہب ہے کہ ضمائر کی وضع جزئیات کے لئے ہے اور اجیب عن الاشکالین سے جو جواب دیا گیا ہے وہ متقدمین کے مذہب کی بناء پر ہے۔

قولہ مفرد:۔ اس میں اعراب کے اعتبار سے تینوں احتمال ہیں (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور۔ شارح نے پہلے جر والی صورت کو لیا ہے کیونکہ اس صورت میں معنی کی صفت ہے اور وہ مفرد کے متصل ہے معنی کی صفت ہونے کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا معنی مفرد اس کو کہتے ہیں جس کے جزء پر اس کے لفظ کا جزء دلالت نہ کرے۔

قولہ وفیہ انہ یوھم:۔ مفرد کو معنی کی صفت قرار دینے کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جو ایسے معنی کے لئے وضع کیا جائے جو پہلے ہی سے مفرد تھے اس میں وہم ہوتا ہے کہ وضع سے پہلے ہی معنی مفرد یا مرکب ہوجاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اس واسطے کہ افراد یا ترکیب کے ساتھ معنی کا اتصاف وضع کے بعد ہوتا ہے۔ شارح نے فینبغی ان یرتکب الخ سے اس کا جواب دیا ہے کہ یہاں مجاز بالاوّل ہے یعنی آئندہ جس کے ساتھ متصف ہونا ہے اس کو پہلے ہی سے

فینبغی ان یرتکب فیہ تجوز کما یرتکب فی مثل من قتل قتیلاً فلہ سلبہ او مرفوع علی انہ صفۃ للفظ ومعناہ ح مالایدل جزؤہ علی جزء معناہ ولابد ح من بیان نکتۃ فی ایراد احد الوصفین جملۃ فعلیۃ والاخر مفرداً وکان النکتۃ فیہ التنبیہ علی تقدم الوضع علی الافراد حیث اتی بصیغۃ الماضی بخلاف الافراد واما نصبہ وان لم یساعدہ رسم الخط فعلی انہ حال من المستکن فی وضع او من المعنی فانہ مفعول بہ

متصف کردیا وضع کے بعد معنیٰ کا اتصاف افراد یا ترکیب کے ساتھ ہونا ہی تھا اس لئے وضع سے پہلے ہی متصف کردیا جیسے حدیث پاک من قتل قتیلاً فلہ سلبہ میں مجاز ہے، آئندہ جو مقتول ہونے والا تھا اس کو پہلے ہی مقتول کہہ دیا۔

قولہ او مرفوع علی انہ صفۃ للفظ:۔ مفرد پر اگر رفع پڑھا جائے تو یہ لفظ کی صفت ہوگا، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ لفظ مفرد وہ ہے جس کا جزء اپنے معنیٰ کے جزء پر دلالت نہ کرے۔

قولہ ولابد ح من بیان النکتۃ:۔ مطلب یہ ہے کہ مفرد کو لفظ کی صفت قرار دیں تو اس وقت یہ سوال ہوتا ہے کہ لفظ کی پہلی صفت وضع ہے جو صیغہ ماضی ہونے کی وجہ سے جملہ ہے اور مفرد دوسری صفت ہے جو مفرد ہے تو دونوں صفتوں میں یہ تغائر کیوں ہے۔

کانّ النکتۃ سے اس کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ صورت اس لئے اختیار کی گئی ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو جائے کہ لفظ کی وضع معنیٰ کے لئے پہلے ہوتی ہے، جیسا کہ وضع ماضی مجہول سے سمجھا جاتا ہے، اور لفظ کا مفرد یا مرکب ہونا بعد وضع ہوتا ہے۔

قولہ اما نصبہ:۔ لفظ مفرد میں تیسرا احتمال جو نصب کا ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔

قولہ وان لم یساعدہ رسم الخط:۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نصب کی صورت میں رسم الخط الف کے ساتھ ہوتا ہے اور لفظ مفرد میں الف نہیں ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ متاخرین کے نزدیک نصب کی صورت میں الف ہونا ضروری نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نصب کی حالت میں الف اس وقت لکھا جاتا ہے جب اس لفظ پر کوئی دوسرا احتمال نہ ہو، اور یہاں مفرد پر جر اور رفع کا بھی احتمال ہے۔

بہر حال مفرد کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حال ہے یا تو وضع کی ضمیر ہو سے یا معنیٰ سے۔ ان دونوں صورتوں میں اعتراض ہوتا ہے کہ حال یا تو فاعل سے ہوتا ہے یا مفعول سے اور وضع میں جو ضمیر ہے وہ نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے بلکہ نائب فاعل ہے۔ اسی طرح معنیٰ نہ ترکیب میں فاعل ہے اور نہ مفعول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نائب فاعل بھی حکماً فاعل ہے اور صاحب مفصل کے نزدیک تو حقیقۃً فاعل ہوتا ہے، اسی طرح معنیٰ کا لفظ بھی بواسطہ حرف جار

بواسطة اللام ووجه صحته ان الوضع وان كان مقدما على الافراد بحسب الذات لكنه مقارن له بحسب الزمان وهذا القدر كاف لصحة الحالية وقيد الافراد لاخراج المركبات مطلقا سواء كانت كلامية او غير كلامية فيخرج به عن حد الكلمة مثل الرجل وقائمة وبصري وامثالها مما يدل جزء اللفظ منه على جزء المعنى لكنه يعد لشدة الامتزاج لفظة واحدة وأُعرب باعراب واحد وبقي مثل عبد الله علما داخلا فيه مع انه معرب باعرابين

یعنی لام کے واسطے سے مفعول بہ ہے لہذا اس سے حال واقع ہو سکتا ہے۔

قولہ ووجہ صحتہ الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ وضع کی ضمیر سے حال قرار دینا صحیح نہیں اس لئے کہ مفرداً کو اگر اس کی ضمیر سے حال قرار دیں گے تو حال اور عاملِ حال کا زمانہ ایک نہ ہوگا کیونکہ وضع کا زمانہ مقدم ہے اور افراد کا زمانہ مؤخر ہے حالانکہ حال اور عاملِ حال کا زمانہ ایک ہونا چاہئے۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ وضع کو جو افراد پہ تقدم ہے وہ ذاتی ہے نہ کہ زمانی بلکہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تقدم ذاتی مقارنت زمانی کے مخالف نہیں کیونکہ ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ مقدم مؤخر کے لئے محتاج الیہ ہو اور اس کے لئے علت تامہ ہو۔ اور وضع کو افراد سے یہی نسبت ہے افراد محتاج ہے وضع کا بغیر وضع کے کلمہ افراد اور ترکیب کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا لیکن دونوں کے زمانہ میں تقدم اور تاخر نہیں ہے زمانہ دونوں کا ایک ہے جیسے حرکتِ ید اور حرکتِ قلم کہ حرکتِ ید ذات کے اعتبار سے حرکتِ قلم پر مقدم ہے اور زمانہ دونوں کا ایک ہے۔

قولہ وقید الافراد لاخراج المرکبات مطلقا الخ:۔ افراد کی قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ اس سے مرکبات نکل گئے خواہ مرکبات کلامیہ ہوں یا غیر کلامیہ یعنی مرکب تام اور مرکب ناقص دونوں کلمہ کی تعریف سے خارج ہو گئے، اسی طرح الرجل اور قائمۃ اور بصری جیسی مثالیں بھی خارج ہو گئیں یعنی وہ تمام مثالیں خارج ہو گئیں جن میں لفظ کا جز معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے لیکن شدت اتصال کی وجہ سے ان کو ایک کلمہ سمجھا جاتا ہے اور اعراب بھی ایک ہوتا ہے ہر ہر جزء کا اعراب علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتا جیسے الرجل میں الف ولام تو کلمہ کے معرفہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور رجل مرد ہونے پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح قائمۃ میں قائم کے معنی کھڑا ہونے والا اور تاء کلمہ کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے، بصری میں بصرہ تو شہر پر دلالت کرتا ہے اور یاء نسبت پر دلالت کرتی ہے۔

قولہ وبقی عبد اللہ علما داخلا فیہ:۔ مفرد کی قید سے الرجل، قائمۃ، بصری جیسی مثالیں تو کلمہ سے خارج ہو گئیں لیکن عبد اللہ جیسی مثالیں جن میں ترکیب پائی جاتی ہے لیکن

ولا یخفی علی الفطن العارف بالغرض من علم النحو انہ لو کان الامر بالعکس لکان انسب وما اوردہ صاحب المفصل فی تعریف الکلمۃ حیث قال ھی اللفظۃ الدالۃ علی معنی مفرد بالوضع فمثل عبد اللہ علما خرج عنہ فانہ لا یقال لہ لفظۃ واحدۃ وبقی مثل الرجل وقائمۃ وبصری مما یعد لشدۃ الامتزاج لفظۃ واحدۃ داخلا فیہ فاخرجہ بقید الافی اد ولو لم یخرجہ بترکہ لکان انسب لما عرفت واعلم ان الوضع یستلزم الدلالۃ لان الدلالۃ

وہ کسی کا علم ہوں تو مفرد کی قید سے کلمہ سے خارج نہ ہوں گے، کیونکہ یہ اگرچہ مرکب ہیں اور ان میں ہر ہر جزء کا اعراب بھی علیحدہ ہے لیکن علم کی صورت میں لفظ کا جزء معنیٰ کے جزء پر دلالت نہیں کرتا اس لئے ان کو مفرد کہا جائے گا۔

قولہ ولا یخفی علی الفطن العارف الخ:۔ شارح مصنف پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں کہ نحو میں الفاظ سے بحث بالذات ہوتی ہے اور معنی سے بالتبع بحث کی جاتی ہے، اس لئے جس لفظ پر ایک اعراب ہو اس کو مفرد کہنا چاہئے اگرچہ اس میں لفظ کا جزء معنیٰ کے جزء پر دلالت کرتا ہو، اور جو مرکب ایسا ہو کہ اس کے ہر ہر جزء پر علیحدہ علیحدہ اعراب آتا ہو اس کو مرکب کہنا چاہئے اگرچہ اس میں لفظ کا جزء معنیٰ کے جزء پر دلالت نہ کرتا ہو، نحو کی اس غرض کا تقاضا یہ ہے کہ معاملہ برعکس ہونا چاہئے اور الرجل، قائمۃ، بصری جیسی مثالوں کو مفرد کہنا چاہئے اور عبد اللہ جیسی مثالوں کو مرکب کہا جائے اور مصنف نے ایسا نہیں کیا جس کو داخل ہونا چاہئے اس کو خارج کر دیا اور جس کو خارج ہونا چاہئے اس کو داخل کر دیا۔

قولہ وما اوردہ صاحب المفصل فی تعریف الکلمۃ:۔ اس عبارت سے صاحب مفصل پر اعتراض مقصود ہے کہ انہوں نے کلمہ کی تعریف کی ہے ھی اللفظۃ الدالۃ علی معنی مفرد بالوضع الخ اس سے یہ تو ہوا کہ جس کو خارج ہونا چاہئے وہ تو خارج رہا لیکن جس کو مفرد میں داخل ہونا چاہئے اس کو بھی خارج کر دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ صاحب مفصل نے کلمہ کی تعریف میں ھی اللفظۃ کہا ہے اس میں تاء وحدت ہے جس سے عبد اللہ جیسی مثال خارج ہوگئی کیونکہ یہ ایک لفظ نہیں، شارح کی منشاء بھی یہی ہے کہ اس کو خارج ہونا چاہئے لیکن معنی مفرد کی قید لگا دی جس سے الرجل، قائمۃ، بصری جیسی مثالیں بھی خارج ہوگئیں کیونکہ ان کے معنی مفرد نہیں ہیں۔ صاحب مفصل پر اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ خارج کو تو خارج کیا لیکن داخل کو بھی خارج کر دیا۔

قولہ اعلم ان الوضع یستلزم الدلالۃ الخ:۔ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ کافیہ ماخوذ ہے مفصل سے اور مفصل کی عبارت کلمہ کی تعریف میں اوپر گذر چکی ہے

کون الشئ بحیث یفہم منہ شئ اٰخر فمتی تحقق الوضع تحققت الدلالۃ فبعد ذکر الوضع لاحاجۃ الی ذکر الدلالۃ کما وقع فی ھٰذا الکتاب لکن الدلالۃ لاتستلزم الوضع لامکان ان تکون بالعقل کدلالۃ لفظ دیز المسموع من وراء الجدار علی وجود اللافظ وان تکون بالطبع کدلالۃ اح اح علی وجع الصدر فبعد ذکر الدلالۃ لابد من ذکر الوضع کما فی المفصل وھی ای الکلمۃ اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ

اس میں دلالت اور وضع دونوں کا ذکر ہے، اور مصنف نے صرف وضع کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، شارح جواب دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وضع اور دلالت میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے وضع خاص ہے اور دلالت عام ہے اس کی تین قسمیں ہیں وضعی، طبعی عقلی۔ اور قاعدہ ہے کہ خاص عام کو مستلزم ہوتا ہے یعنی جب خاص پایا جائے گا تو عام بھی اس کے ساتھ پایا جائے گا مثلاً جب انسان کا تحقق ہوگا تو اس کے ساتھ مطلق حیوان کا بھی تحقق ہوگا۔ مصنفؒ نے کلمہ کی تعریف کی ہے لفظ وضع لمعنی مفرد تو چونکہ وضع مستلزم ہے دلالت کو اس لئے وضع کے ذکر کے بعد دلالت کے ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور صاحب مفصل نے تعریف میں شروع میں دلالت کا ذکر کیا ہے اور دلالت عام ہے اور وضع خاص ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا ہے اور عام خاص کو مستلزم نہیں ہوتا، اس لئے دلالت کے ذکر کے بعد وضع کے ذکر کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ تفصیل کے لئے شرح کی عبارت دیکھئے۔

قولہ وھی ای الکلمۃ الخ:۔ کلمہ کی تعریف کے بعد اس کے اقسام بیان کر رہے ہیں یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ ھی ضمیر کا مرجع کیا ہے الکلمۃ کا لفظ یا اس کا مفہوم۔ اگر مرجع لفظ کلمہ ہے تو وہ اسم ہے کیونکہ اس پر الف ولام داخل ہے جو اسم کا خاصہ ہے لہذا اس صورت میں کلمہ کی تقسیم صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس میں انقسام الشئ الی نفسہ والی غیرہ کی صورت ہو رہی ہے کیونکہ اس صورت میں مرجع لفظ الکلمہ ہوا جو اسم ہے جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ یعنی اسم کی تین قسمیں ہیں اسم، فعل، حرف اور یہی انقسام الشئ الی نفسہ والی غیرہ ہے کہ اسم کی ایک قسم خود اسم ہوئی اور دو قسمیں فعل اور حرف ہیں جو اس کے غیر ہیں۔ اور اگر ھی ضمیر کا مرجع مفہوم کلمہ ہو تو اس صورت میں ہی ضمیر اور اس کے مرجع کے درمیان مطابقت نہ ہوگی کیونکہ ضمیر مؤنث ہے اور مرجع جو مفہوم ہے وہ مذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع تو لفظ کلمہ ہے لیکن تقسیم مفہوم کے اعتبار سے ہے اس صورت میں ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت بھی ہوگئی اور تقسیم الشئ الی نفسہ والی غیرہ کی قباحت بھی نہ لازم آئی کیونکہ

ای منقسمۃ الی ھذہ الاقسام الثلثۃ ومنحصرۃ فیھا لانھا ای الکلمۃ لما کانت موضوعۃ لمعنی والوضع یستلزم الدلالۃ

---

تقسیم اسم کی نہیں ہو رہی بلکہ مفہوم کلمہ کی ہو رہی ہے جو عام ہے اسم، فعل، حرف تینوں کو شامل ہے۔

قولہ ای منقسمۃ:۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ہی ضمیر ہے جو راجع ہے کلمہ کی طرف اور ھی اسم وفعل وحرف خبر ہے اور قاعدہ ہے اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر فرعایۃ الخبر اولی اس قاعدہ کے مطابق خبر کی رعایت کرنی چاہئے یعنی مذکر ضمیر لانا چاہیئے۔ شارح نے منقسمۃ نکال کر بتایا کہ خبر اسم، فعل، حرف نہیں ہے بلکہ اس کی خبر منقسمۃ محذوف ہے جو مؤنث ہے۔

قولہ الی ھذہ الاقسام الثلثہ الخ:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ ھی ضمیر مبتداء ہے جو کلمہ کی طرف راجع ہے اور اسم، فعل، حرف خبر ہے جس میں واؤ حرف عطف کے ذریعہ تینوں کو جمع کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ تینوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ یعنی اسم وفعل اور حرف جب تینوں جمع ہوں اس وقت کلمہ کہا جائے گا، تنہا اسم یا تنہا فعل اور حرف کو کلمہ نہ کہا جائے گا۔ شارح نے الی ھذہ الاقسام الثلثۃ لاکر یہ بتایا کہ یہاں تقسیم کلی کی اپنے اقسام کی طرف ہے کل کی تقسیم اجزاء کی طرف نہیں اور جب کلی کی تقسیم اقسام کی طرف ہو تو وہاں ربط مقدم ہوتا ہے عطف پر یعنی حکم پہلے ہوتا ہے بعد میں عطف کیا جاتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ اسم ہے کلمہ فعل ہے کلمہ حرف ہے، یہ مطلب نہ ہوگا کہ کلمہ اسم وفعل اور حرف کا مجموعہ ہے۔ اگر کل کی تقسیم اجزاء کی طرف ہو تو وہاں عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر یعنی عطف کے بعد حکم لگایا جائے گا، مثلاً یہ کہا جائے کہ چائے کے اجزاء پانی، دودھ اور شکر و چائے کی پتی ہیں، اس میں ہر ہر جزء پر چائے کا حکم نہ لگایا جائے گا بلکہ مجموعہ کو چائے کہا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ تقسیم الکلی الی الجزئیات میں ہر ہر جزئی پر کلی کا حمل ہوتا اور تقسیم الکل الی الاجزاء میں ہر ہر جزء پر کل کا حمل نہیں ہوتا بلکہ مجموعہ پر ہوتا ہے۔

قولہ ومنحصرۃ الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دلیل تو دعویٰ کی فرع ہے پہلے دعویٰ کیا جاتا ہے اس کے بعد دلیل بیان کی جاتی ہے اور یہاں حصر کا دعویٰ نہیں کیا گیا تو پھر دلیل حصر کیسی؟ شارح نے لفظ منحصرۃ نکال کر بتایا کہ دعویٰ محذوف ہے۔

قولہ والوضع یستلزم الدلالۃ الخ:۔ اس عبارت سے بھی اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے

فھی اما من صفتھا ان تدل علی معنی کائن فی نفسھا ای فی نفس الکلمۃ و المراد بکون المعنی فی نفسھا ان تدل علیہ بنفسھا من غیر حاجۃ الی انضمام کلمۃ اخری الیھا لاستقلالہ بالمفھومیۃ او من صفتھا ان لا تدل علی معنی فی نفسھا بل علی معنی یحتاج فی الدلالۃ علیہ الی انضمام کلمۃ اخری الیھا لعدم استقلالہ بالمفھومیۃ و سیجیء تحقیق ذلک فی بیان حد الاسم ان شاء اللہ تعالیٰ سبحانہ القسم الثانی وھو ما لا یدل علی معنی فی نفسھا الحرف کمن و الی فانھما یحتاجان فی الدلالۃ علی معنیھما اعنی الابتداء و الانتھاء الی الکلمۃ اخری کالبصرۃ و الکوفۃ فی قولک سرت من البصرۃ الی الکوفۃ و انما سمی ھذا القسم حرفا

---

اعتراض ہوتا ہے کہ کلمہ کی تعریف میں تو دلالت کا ذکر نہیں ہے تو پھر تقسیم میں اس کا ذکر کیوں کیا گیا، شارح نے اس عبارت سے جواب دیا ہے کہ کلمہ کی تعریف میں وضع کا ذکر ہے اور وضع مستلزم ہے دلالت کو اس لئے بالتصریح اور مستقل طور پر دلالت کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

قولہ فھی اما من صفتھا ان تدل الخ:۔ من صفتھا لاکر ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ لانہا میں ہا ضمیر اَن کا اسم ہے اور اَن تدلّ اس کی خبر ہے اور اَن کے اسم پر اس کی خبر کا حمل ہوتا ہے اور وہ یہاں صحیح نہیں اس لئے کہ اَن تدل مصدر کی تاویل میں ہو کر وصف ہو جائے گا اور اَن کا اسم ضمیر ہا، یہ ذات ہے وصف کا ذات پر حمل نہیں ہوا کرتا۔ شارح نے من صفتھا لاکر اس کا جواب دیا ہے، جواب کی تقریر یہ ہے کہ اَن تدلّ اَن کی خبر نہیں بلکہ من صفتھا ان تدل پورا جملہ اَنّ کی خبر ہے۔ ترکیب اس کی یہ ہے کہ من صفتھا کائن کے متعلق ہو کر خبر مقدم اور ان تدل مصدر کی تاویل یعنی دلالت کے معنیٰ میں ہو کر مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر اَنّ کی خبر ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ من صفتھا جار مجرور مل کر کائن کے متعلق ہوا، اور اَن تدلّ مصدر کی تاویل میں ہو کر کائن کا فاعل ہو، کائن اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر اَنّ کی خبر ہو۔

بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اَن تدلّ مصدر تاویلی ہے اور مصدر تاویلی کا حمل صحیح ہے کیونکہ وہ وصف محض نہیں ہوتا مصدر صریحی وصف محض ہوتا ہے اس لئے اس کا حمل صحیح نہیں۔ شارح نے جواب دیا ہے کہ ان تدل سے پہلے ذو نکالا جائے اس صورت میں ان تدلّ مصدر محض نہ رہے گا اس لئے حمل صحیح ہو جائے گا۔

قولہ القسم الثانی:۔ شارح نے القسم نکال کر بتایا کہ الثانی کا موصوف القسم ہے نہ کہ کلمہ ہے۔

قولہ و انما سمی ھذا القسم حرفا:۔ حرف کی وجہ تسمیہ بیان کر رہے ہیں، حرف کے معنی لغت میں طرف یعنی جانب کے ہیں، یہ بھی کلام میں اسم اور فعل کے مقابلہ میں ایک جانب میں ہے یعنی جو بات اسم اور فعل میں پائی جاتی ہے وہ حرف میں نہیں ہے، اسم مسند

لان الحرف فی اللغۃ الطرف وھو فی طرف ای جانب مقابل للاسم والفعل حیث یقعان عمدۃ فی الکلام وھو لا یقع عمدۃ فیہ کما ستعرف والقسم الاول وھو مایدل علی معنی فی نفسھا اما من صفتھا ان یقترن ذلک المعنی المدلول علیہ بنفسھا فی الفھم عنھا باحد الازمنۃ الثلثۃ اعنی الماضی والحال والاستقبال ای حین یفھم ذلک المعنی عنھا

---

اور مسند الیہ دونوں ہوتا ہے فعل مسند ہوتا ہے حرف نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔ شارح نے طرف کی تفسیر جانب مقابل للاسم والفعل سے کی ہے۔ اس سے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حرف کو کبھی وسط میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے زید فی المسجد یہاں زید اور مسجد کے درمیان فی واقع ہے، شارح نے اس تفسیر سے یہ بیان کیا ہے کہ طرف کے معنی کنارے کے نہیں بلکہ جانب کے ہیں جو اسم اور فعل کے مقابلے میں ہے یعنی حرف کا وہ حال نہیں جو اسم اور فعل کا ہوتا ہے۔

قولہ اما من صفتھا ان یقترن ذلک المعنی :۔ شارح نے ذلک المعنی کا لفظ نکالا ذلک تو اس واسطے لائے کہ اسم اشارہ کے ساتھ ضمیر کو لانا اوقع فی الذہن ہوتا ہے، معنی کا لفظ لاکر بتایا کہ یقترن میں ضمیر معنی کی طرف راجع ہے نہ کہ لفظ کی طرف اس واسطے کہ اقتران زمانہ کے ساتھ معنی کا ہوتا ہے نہ کہ لفظ کا۔

قولہ فی الفھم عنھا :۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض ہوتا ہے کہ مصادر کا بھی اقتران زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے حالانکہ وہ فعل نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مصادر کا اقتران زمانہ کے ساتھ تحقق کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار فہم کے، مطلب یہ ہے کہ مصدر جب واقع ہوگا تو اس کے وقوع کے وقت کوئی نہ کوئی زمانہ ضرور ہوگا لیکن مصدر خود زمانہ پر دلالت کرے ایسا نہیں ہے۔

فی الفھم عنھا :۔ لفظ عنہا بھی ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ فعل کی تعریف اسم فاعل پر صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی زمانہ کے ساتھ مقترن ہوتا ہے جیسے زید ضارب کے ساتھ امس یا الآن یا غدا لایا جائے تو اس میں ماضی یا حال یا استقبال کا زمانہ پایا جائے گا۔ اس کا جواب شارح نے عنہا سے دیا ہے کہ جو لفظ مستقل معنی پر دلالت کرے اسی لفظ سے زمانہ بھی سمجھ میں آئے اور مثال مذکور میں لفظ ضارب سے زمانہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمانہ پر دلالت کرنے کیلئے لفظ امس یا الآن یا غدا لایا جائے گا۔

قولہ ای حین یفھم ذلک المعنی الخ :۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ

یفھم احد الازمنۃ الثلثۃ ایضا مقارن لہ او من صفتھا ان لا یقترن ذلک المعنی فی الفھم عنھا مع احد الازمنۃ الثلثۃ القسم الثانی وھو ما یدل علی معنی فی نفسھا غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ الاسم وھو ماخوذ من السمو وھو العلو لاستعلائہ علی اخویہ حیث یترکب منہ وحدہ الکلام دون اخویہ وقیل من الوسم وھو العلامۃ لانہ علامۃ علی مسماہ والقسم الاول وھو ما یدل علی معنی فی نفسھا مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ الفعل سمی بہ لتضمنہ الفعل اللغوی وھو المصدر

لفظ ماضی، حال، مستقبل بھی تو زمانہ پر دلالت کر رہے ہیں، ماضی سے گذشتہ زمانہ، حال سے موجودہ زمانہ، اور مستقبل سے آئندہ زمانہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا ان کو فعل کہنا چاہئے، شارح نے جواب دیا ہے کہ جس وقت معنیٰ حدثی یعنی معنیٰ مصدری سمجھے جائیں اس وقت اس معنیٰ کیساتھ زمانہ مقترن ہو اور ماضی، حال، مستقبل تو عین زمانہ ہیں، ایسا نہیں ہے کہ زمانہ ان کیساتھ مقترن ہو۔

قولہ وھو ماخوذ من السمو:۔ واؤ تشدید کیساتھ سما یسمو سمو اجیسے علا یعلو، علوا خلاف قیاس واؤ کو حذف کر کے سین کی حرکت میم کو دیدی گئی تاکہ اس پر وقف صحیح ہو، کیونکہ وقف خواہ بالاشمام ہو یا بالاسکان ہو یا بالروم ہو بغیر حرکت کے صحیح نہیں ہے اسکے بعد شروع میں ہمزہ وصل لائے تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے، السمو کے معنیٰ بلندی کے ہیں، اسم بھی اپنے اخوین پر بلند ہے کیونکہ مسند الیہ اور مسند دونوں ہو سکتا ہے اور فعل صرف مسند ہوتا ہے، حرف نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔

قولہ وقیل من الوسم:۔ بعض حضرات نے اسم کو "وَسْم" سے ماخوذ مانا ہے وسم کے معنیٰ علامت کے ہیں، اسم بھی اپنے مسمّٰی پر علامت ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہا جاتا ہے، واؤ کو حذف کر کے شروع میں ہمزہ لائے اسم ہو گیا۔ پہلا قول بصریین کا ہے دوسرا کوفیین کا، اس کو قیل سے بیان کیا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنے مسمّٰی پر علامت ہوتا ہے تو فعل کو بھی اسم کہنا چاہئے کیونکہ اس کے اندر بھی یہ بات پائی جاتی ہے، نیز اسم کی گردان سمّی یسمّی تسمیۃ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناقص واوی ہے مثال واوی نہیں ہے ورنہ اس کی گردان وسم یسم وسما ہوتی۔

قولہ الفعل سمی بہ لتضمنہ:۔ فعل اصطلاحی کی وجہ تسمیہ بیان کر رہے ہیں کہ فعل اصطلاحی کے اندر تین چیزیں پائی جاتی ہیں (۱) معنیٰ مصدری جس کے معنیٰ فارسی میں کردن ہیں (۲) زمانہ (۳) نسبت الی فاعل تھا چونکہ معنیٰ مصدری فعل اصطلاحی کا جزء ہے اس لئے تسمیۃ الکل باسم الجزء کے طور پر فعل اصطلاحی کو فعل کہا گیا یا یہ کہا جائے کہ فعل اصطلاحی فعل لغوی کو متضمن ہوتا ہے تو تسمیۃ المتضمن (بکسر المیم) باسم المتضمَّن (بفتح المیم) کے طور پر فعل اصطلاحی کا فعل نام رکھا گیا۔

وقد علم بذلك اى بوجه حصر الكلمة فى الاقسام الثلثة حدّ كل واحد منها اى من ثلث الاقسام وذلك لانه قد علم به اى بوجه الحصران الحرف كلمة لاتدل على معنى فى نفسها بل تحتاج الى انضمام كلمة اخرى والفعل كلمة تدل على معنى فى نفسها لكنه مقترن باحد الازمنة الثلثة والاسم كلمة تدل على معنى فى نفسها غير مقترن باحد الازمنة الثلثة فالكلمة مشتركة بين الاقسام الثلثة والحرف ممتاز عن اخويه بعدم الاستقلال فى الدلالة والفعل ممتاز عن الحرف بالاستقلال وعن الاسم بالاقتران والاسم ممتاز عن الحرف بالاستقلال وعن الفعل بعدم الاقتران فعلم لكل واحد منها معرف جامع لافراده مانع عن دخول غيرها فيه وليس المراد بالحد ههنا الا المعرف الجامع المانع ولله در المصنف

قولہ وقد علم بذلك :۔ جزئیات اور بسائط کا ادراک کیا جائے تو اس وقت عَرَفَ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کلیات یا مرکبات کا ادراک کیا جائے تو اس وقت علم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے دلیل حصر مرکب ہے جنس اور فصل سے، اس لئے علم کا لفظ مصنف نے اختیار کیا ہے۔

بذلك اعتراض (۱) اشارہ تو محسوس کی طرف ہوتا ہے اور دلیل حصر محسوس نہیں ہے (۲) نیز ذلک سے اشارہ بعید کی طرف ہوتا ہے اور دلیل حصر قریب ہے۔ جواب، دلیل حصر چونکہ بہت زیادہ واضح ہے اس لئے اس کو محسوس کا درجہ دے کر اسم اشارہ کا استعمال کیا گیا، اسی طرح دلیل حصر مرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے اس لئے بعد رتبی کو بعد مکانی کا درجہ دے کر اسم اشارہ بعید استعمال کیا گیا۔

قولہ ولیس المراد بالحد الخ :۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ مصنف کو بجائے حد کے رسم کہنا چاہئے اس لئے کہ حد اس کو کہتے ہیں جس میں محدود کی ذاتیات کو بیان کیا جائے اور یہاں دلیل حصر میں یہ بات نہیں پائی جاتی اس لئے کہ دلیل حصر تو معنی پر دلالت اور عدم دلالت اور اقتران بالزمان یا عدم اقتران پر مشتمل ہے اور یہ کلمہ کے عوارض کہلاتے ہیں نہ کہ ذاتیات۔ اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ یہاں منطقی حد مراد نہیں جس کے لئے محدود کی ذاتیات پر مشتمل ہونا ضروری ہو بلکہ حد لغوی مراد ہے جس کے معنی ہیں جامع اور مانع ہونا اور دلیل حصر میں یہ حاصل ہے

قولہ ولله در المصنف :۔ در کے معنی لبن (دودھ) کے ہیں، یہاں مجازاً مراد خیر کثیر ہے خاص بول کر عام مراد لیا گیا ہے، شارح مصنف کی تعریف کر رہے ہیں کہ مصنف نے کلمات ثلثہ کی معرفت کے سلسلہ میں طلبہ کی طبائع کا لحاظ کیا ہے جو ذکی ہیں وہ دلیل حصر سے ان کی معرفت حاصل کر لیں گے اور جو متوسط درجہ کے ہیں ان کے لئے قد علم بذلك سے جب تنبیہ کی ہے اس وقت معلوم کر لیں گے اور جو غبی و کند ذہن ہیں ان کے لئے صراحۃً اسم اور فعل اور حرف کی تعریف کر دی ہے، جو حضرات شفیق و مہربان ہوتے ہیں ان کا یہی طرز ہوتا ہے کہ کوئی بھی محروم نہ رہنے پائے ہر شخص

حیث اشار الی حدودھا فی ضمن دلیل الحصر ثم نبّہ علیھا بقولہ وقد علم بذلک ثم صرح بھا فیما بعد بناء علی تفاوت مراتب الطبائع الکلام فی اللغۃ ما یتکلم بہ قلیلا کان اوکثیرا وفی اصطلاح النحاۃ ما تضمن ای لفظ تضمن کلمتین حقیقۃ اوحکما ای یکون کل واحدۃ منھما فی ضمنہ فالمتضمن اسم فاعل ھو المجموع والمتضمن اسم مفعول کل واحدۃ من کلمتین فلا یلزم اتحادھما بالاسناد ای تضمنا حاصلا بسبب اسناد احدی الکلمتین الی الاخری والاسناد نسبۃ احدی الکلمتین حقیقۃ او حکمًا الی الاخری بحیث تفید المخاطب فائدۃ تامۃ

---

اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق فائدہ حاصل کرے ۔

قولہ الکلام :- یہ آپ کو معلوم ہے کہ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے کلمہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب کلام کو بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں الکلام ما تضمن الخ ۔

قولہ ما تضمن ای لفظ تضمن :- اعتراض ہوتا تھا کہ کلام کی تعریف کی گئی ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو اس کو کلام کہتے ہیں، تو اگر کسی کاغذ میں کوئی شخص زید قائم لکھ دے تو اس کو بھی کلام کہنا چاہیئے کیونکہ یہ دو کلموں کو متضمن ہے ۔ شارح نے ای لفظ نکال کر اس کا جواب دیا ہے کہ کلام لفظ کی قسم ہے تو جو لفظ دو کلموں کو متضمن ہوگا وہ کلام کہلائے گا اور کاغذ یا دیوار وغیرہ جس میں دو کلمے لکھ دیئے جائیں وہ لفظ نہیں ۔

قولہ کلمتین :- کلام کی تعریف میں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں متضمِّن اور متضمَّن کا اتحاد لازم آتا ہے، تشریح اس کی یہ ہے کہ کلام اس کو کہتے ہیں کہ جو دو کلموں کو متضمن ہو، اور یہ دو کلمے خود کلام ہیں مثلاً زید قائم کو کلام کہا جائے گا کیونکہ اس میں دو کلمے زید اور قائم پائے جاتے ہیں، حالانکہ خود یہ دونوں کلمے کلام ہیں ۔ اس کا جواب شارح نے دیا ہے کہ دو کلموں کا مجموعہ تو متضمِّن ہے اور ان میں سے ہر ہر واحد علیحدہ علیحدہ متضمَّن ہے لہٰذا دونوں متحد نہ ہوئے ۔

قولہ بالاسناد ای تضمنا حاصلا بسبب اسناد :- شارح نے ای تضمنا حاصلا نکال کر اشارہ کیا کہ یہ ترکیب میں تضمّنَ فعل کا مفعول مطلق ہے تضمنا مفعول مطلق کو حذف کرکے اس کی صفت حاصلا کو اس کے قائم مقام کیا اس کے بعد حاصلا جو بسبب اسناد جار مجرور کا عامل ہے اس کو حذف کرکے جار و مجرور کو اس کے قائم مقام کیا اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جار و مجرور کے عامل کو حذف کرکے خود جار و مجرور کو اس کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اس کو ظرف مستقر کہتے ہیں ۔

فقوله ما يتناول المهملات والمفردات والمركبات الكلامية وغيرا لكلامية وبقيد تضمن كلمتين خرجت المهملات والمفردات وبقيد الاسناد خرجت المركبات الغير الكلامية مثل غلام زيد ورجل فاضل وبقيت المركبات الكلامية سواء كانت خبرية مثل ضرب زيد وضربت هند وزيد قائم او انشائية مثل اضرب ولا تضرب فان كل واحد منهما تضمن كلمتين احدهما ملفوظة والاخرى منوية وبينهما اسناد يفيد المخاطب فائدة تامة وحيث كانت الكلمتان اعم من ان تكونا كلمتين حقيقة اوحكما دخل في التعريف مثل زيد ابوه قائم او قام ابوه او قائم ابوه فان الاخبار فيهما مع انها مركبات لكنها في حكم الكلمة المفردة اعني قائم الاب ودخل فيه ايضا مثل جسق مهمل وديز مقلوب زيد مع ان المسند اليه فيهما مهمل ليس بكلمة فانه في حكم

---

بسبب اسناد لاکر اشارہ کیا کہ با سببیہ ہے، اسناد کے بعد احدی الکلمتین الی الاخری لاکر اشارہ کیا کہ بالاسناد میں الف ولام مضاف الیہ کے عوض میں ہے یا الف ولام عہد کا مانا جائے۔

قولہ فقولہ ما الخ:۔ کلام کی تعریف میں جنس اور فصل کو بیان کر رہے ہیں، شرح ظاہر ہے۔

قولہ المرکبات الکلامیہ:۔ مرکبات کلامیہ مرکب تام کو اور غیر کلامیہ مرکب ناقص کو کہتے ہیں۔

قولہ وحیث کانت الکلمتان اعم الخ:۔ اعتراض وارد ہوتا تھا، اس کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ مثلاً زید ابوہ قائم یا زید قام ابوہ یا زید قائم ابوہ ان سب کو کلام کہا جاتا ہے حالانکہ ان مثالوں میں سے ہر ایک میں دو کلموں سے زائد ہیں، ان سب میں مسند یعنی خبر مرکب ہے، اس کا جواب شارح نے دیا کہ دو کلمے عام ہیں خواہ حقیقۃً دو کلمے ہوں یا اگر دو کلمے سے زائد ہوں تو ان کو دو کلموں کی تاویل میں کیا جا سکتا ہو، یہاں اخبار اگرچہ مرکب ہیں لیکن ان کو کلمہ مفردہ کے حکم میں کیا جا سکتا ہے، مثلاً ابوہ قائم یا قام ابوہ یا قائم ابوہ کو قائم الاب کی تاویل میں کر لیا جائے گا، ایک کلمہ زید ہے جو مسند الیہ ہے اور دوسرا کلمہ قائم الاب ہے اور یہ بھی مفرد ہے۔

قولہ ودخل فیہ ایضا مثل جسق مھمل الخ:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ تم نے کلام کی تعریف کی ہے کہ دو کلموں کو متضمن ہو، حالانکہ جسق مہمل میں جسق مہمل لفظ ہے اور دیز مقلوب زید میں دیز مہمل ہے تو جب یہ مہمل ہیں تو مسند الیہ کیسے واقع ہوں گے ان مثالوں میں صرف مسند کلمہ ہے پھر بھی کلام کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب شارح نے دیا ہے کہ ان مثالوں میں مسند الیہ اگرچہ مہمل ہے لیکن ہذا اللفظ کی تاویل میں ہو کر کلمہ ہو جائے گا، اب مطلب یہ ہوگا ہذا لفظ جسق مہمل، یہ لفظ جسق مہمل ہے ہذا لفظ دیز مقلوب زید، یہ لفظ دیز زید کا مقلوب ہے۔

هذا اللفظ اعلم ان كلام المصنف رحمه الله ظاهر في ان نحو ضربت زيدا قائما بمجموعه كلام بخلاف كلام صاحب المفصل حيث قال الكلام هو المركب من كلمتين اسندت احديهما الى الاخرى فانه صريح في ان الكلام هو ضربت والمتعلقات خارجة عنه ثم اعلم ان صاحب المفصل وصاحب اللباب ذهبا الى ترادف الكلام والجملة وكلام المصنف ايضا ينظر الى ذلك فانه قد اكتفى في تعريف الكلام بذكر الاسناد مطلقا ولم يقيده بكونه مقصودا لذاته ومن جعله اخص من الجملة قيده به فحينئذ يصدق الجملة على الجمل الخبرية الواقعة اخبارا او اوصافا بخلاف الكلام وفي بعض الحواشي ان المراد بالاسناد

قولہ اعلم ان کلام المصنف الخ:- صاحبِ مفصل اور علامہ ابن حاجب کا کلام کے بارے میں جو اختلاف ہے، شارح اس کو بیان کر رہے ہیں، اختلاف یہ ہے کہ کلام کے متعلقات بھی کلام میں داخل ہیں یا کلام صرف مسند اور مسند الیہ کو کہیں گے اور متعلقات کو خارج سمجھا جائے، شارح بیان کر رہے ہیں کہ صاحب مفصل نے کلام کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے الکلام هو المرکب من کلمتین اسندت احدیهما الی الاخری اس میں ابتداء اور خبر دونوں معرف بلام ہیں اور درمیان میں ضمیر فصل ہو ہے جس سے حصر معلوم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ مفصل کے نزدیک صرف دو ہی کلموں کو کلام کہیں گے اس سے زائد کو کلام نہ کہیں گے اس لئے کلام کے متعلقات کلام سے خارج سمجھے جائیں گے۔ اور مصنف نے کلام کی تعریف ما تضمن کلمتین سے کی ہے۔ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے کلام کا انحصار دو کلموں میں ہونا سمجھ میں آتا ہو، اس لئے دو کلموں سے زائد کو بھی کلام کہا جائے گا، دو کلموں سے کم نہ ہونا چاہئے، اس لئے مصنف کے نزدیک کلام کے متعلقات بھی کلام میں داخل ہوں گے۔

قولہ ثم اعلم ان صاحب المفصل الخ:- یہ دوسرا اختلاف ہے جس کو بیان کر رہے ہیں۔ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ کلام اور جملہ میں کیا نسبت ہے ان دونوں کا مصداق ایک ہی شئی ہے یا یہ دونوں الگ ہیں، شارح فرما رہے ہیں کہ صاحب مفصل اور صاحبِ اللباب دونوں کا مسلک یہ ہے کہ کلام اور جملہ دونوں مترادف ہیں، مصنف کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے، اس واسطے کہ مصنف نے کلام کی تعریف میں ما تضمن کلمتین بالاسناد کہا ہے، اسناد کو مقصودٌ الذاتہ کی قید سے مقید نہیں کیا، اور جن کے نزدیک کلام جملہ سے خاص ہے ان کے نزدیک کلام کی تعریف میں اسناد کو مقصود لذاتہ کی قید سے مقید کیا جاتا ہے۔

قولہ وفی بعض الحواشی الخ:- اس سے مراد شرح ہندی ہے اس کو بعض الحواشی کے ساتھ اس واسطے تعبیر کیا کہ متقدمین کا طریقہ تھا کہ شرح کو حاشیہ کی شکل میں لکھا کرتے تھے۔ بعض

هو الاسناد المقصود لذاته وحينئذ يكون الكلام عند المصنف ايضاً اخص من الجملة ولايتاتى اى لايحصل ذلك اى الكلام الا فى ضمن اسمين احدهما مسند والآخر مسند اليه او فى ضمن اسم مسند اليه وفعل مسند وفى بعض النسخ او فى فعل واسم فان التركيب الثنائى العقلى بين الاقسام الثلثة يرتقى

حواشی میں جو کچھ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف نے کلام کی تعریف میں جو بالاسناد کا لفظ کہا ہے اس اسناد سے مراد اسناد مقصود لذاتہ ہے، اگر یہ بات ہے تو مصنف کے نزدیک بھی کلام جملہ سے خاص ہوگا، یہ کیسے معلوم ہوا کہ اسناد سے مراد اسناد مقصود لذاتہ ہے، اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ قاعدہ ہے اذا اطلق المطلق یراد به الفرد الکامل کہ جب مطلق کو مطلق رکھا جائے تو اس سے مراد اس کا فرد کامل ہوتا ہے، اور اسناد میں فرد کامل وہ اسناد ہے جو مقصود لذاتہ ہو۔

قولہ ولایتاتی ای لایحصل :۔ اعتراض ہوتا تھا کہ اتیان تو ذوی العقول کی صفت ہے اس کی نسبت کلام کی طرف صحیح نہیں، کیونکہ کلام ذوی العقول میں سے نہیں ہے، اس کا جواب شارح نے لایحصل سے دیا کہ یہاں اتیان سے مراد حصول ہے، کیونکہ اتیان کے لئے حصول لازم ہے، اس لئے ملزوم بول کر لازم مرادلیا گیا ہے۔

قولہ الا فی ضمن اسمین :۔ یہ لفظ ضمن ایک اعتراض کے جواب میں شارح نے بڑھایا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ذلک کا مشارالیہ کلام ہے جس سے عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ کلام نہیں حاصل ہوتا مگر دو اسموں میں یا ایک اسم اور ایک فعل میں، اور ظاہر ہے کہ دو اسم ہوں یا ایک اسم اور ایک فعل ہوں یہ بھی تو کلام ہی ہیں، لہذا اس کا حاصل یہ ہوا کہ کلام نہیں حاصل ہوتا مگر کلام میں اور یہ ظرفیۃ الشئ لنفسہ ہے۔ شارح نے ضمن کا لفظ لاکر اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ کلام تو عام ہے اور اسمین یا اسم اور فعل یہ خاص ہے تو خاص عام کے لئے ظرف ہوا، یا کہا جائے کہ مطلق کلام تو کلی ہے اور اسمین یا اسم وفعل یہ اس کی جزئی ہیں۔ بہرحال ان دونوں صورتوں میں ظرف اور مظروف کا اتحاد نہیں، اس لئے ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم نہ آئے گی۔

قولہ فان التركيب الثنائى العقلى الخ :۔ کلام کے حاصل ہونے کی صرف دو صورتیں مصنف نے بیان کی ہیں دو اسم ہوں ایک ان میں مسند الیہ ہوگا اور دوسرا مسند یا ایک اسم ہو جو مسند الیہ ہوگا اور ایک فعل جو مسند ہوگا۔

شارح نے کلام کی ترکیب میں عقلاً جو چھ احتمال ہیں ان کو بیان کر کے صرف ان دو صورتوں میں انحصار کی وجہ بیان کر رہے ہیں۔

الی ستۃ اقسام ثلثۃ منها من جنس واحد اسم واسم وفعل وفعل حرف وحرف وثلثۃ منها من جنسین اسم وفعل اسم وحرف فعل وحرف ومن البیّن ان الکلام لایحصل بدون الاسناد والاسناد لابد لہ من مسند ومسند الیہ وھما لایتحققان الا فی اسمین او اسم وفعل واما الاقسام الاربعۃ الباقیۃ ففی الحرف والحرف کلاھما مفقودان وفی الفعل والفعل وفی الفعل والحرف المسند الیہ مفقود وفی الاسم والحرف احدھما مفقود فان الاسم ان کان مسندا فالمسند الیہ مفقود وان کان مسندًا الیہ فالمسند مفقود ونحو یا زید تقدیرہ ادعو زیدًا فلم یکن من ترکیب الحرف والاسم بل من ترکیب الفعل والاسم الذی ھو المنوی فی ادعو وھو انا الاسم مادل ای کلمۃ دلت علی معنی کائن فی نفسہ ای فی نفس مادل یعنی الکلمۃ فتذکیر الضمیر بناءً علی لفظ الموصول

---

قولہ ونحو یا زید :- مصنف نے کلام کے انحصار کی جو صرف دو صورتیں بیان کی ہیں، اس پر اعتراض ہوتا تھا کہ یا زید جیسی مثال سب کے نزدیک کلام ہے حالانکہ اس میں ایک حرف ہے یا، اور ایک اسم ہے زید۔ لہذا کلام کی ترکیب ایک اسم اور ایک حرف سے ہوئی معلوم ہوا کہ صرف دو صورتوں میں انحصار صحیح نہیں۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ یا حرف ندا قائم مقام ادعو کے ہے اور ادعو فعل ہے اس میں انا ضمیر فاعل ہے، لہذا ترکیب ایک اسم اور ایک فعل سے ہوئی نہ کہ حرف اور اسم سے۔

قولہ الاسم مادل :- اس سے پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف اور ان کے اقسام بیان کئے تھے اب کلمہ کے اقسام کی تعریف علیحدہ علیحدہ بیان کر رہے ہیں، کلمہ کے اقسام میں اسم عمدہ ہے کیونکہ وہ مسند الیہ اور مسند دونوں ہوسکتا ہے، اس لئے پہلے اس کی تعریف کر رہے ہیں۔

قولہ ای کلمۃ دلت :- اعتراض ہوتا تھا کہ اسم کی تعریف میں کلمہ ما میں چار احتمال ہیں اور وہ سب باطل ہیں۔ (۱) شئ اس صورت میں اسم کی تعریف دوال اربعہ خطوط، عقود، نصب، اشارات پر صادق آتی ہے، کیونکہ یہ سب شئ کا مصداق ہیں اور اپنے معانی پر دلالت کر رہے ہیں۔ (۲) لفظ مراد لیا جائے اس صورت میں اسم کی تعریف مرکب پر بھی صادق آئے گی، حالانکہ مرکب اسم نہیں ہوتا۔ اسم تو کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ مفرد ہوتا ہے۔ (۳) ما سے کلمہ مراد ہو، اس صورت میں دلّ کی ضمیر اور اسکے مرجع لفظ ما میں مطابقت نہ ہوگی، کیونکہ دلّ میں ضمیر مذکر ہے اور ما سے مراد کلمہ ہے وہ مؤنث ہے۔ (۴) ما سے مراد اسم لیا جائے اس صورت میں اخذ محدود فی الحد لازم آئے گا، شارح نے جواب دیا کہ ما سے مراد کلمہ ہے اور دلّ کی ضمیر مذکر ما موصول کی طرف لفظ کے اعتبار سے راجع ہے

قال المصنف فی الایضاح شرح المفصل الضمیر فی ما دل علی معنی فی نفسہ یرجع الی معنی ای ما دل علی معنی باعتبارہ فی نفسہ و بالنظر الیہ فی نفسہ لا باعتبار امر خارج عنہ کقولک الدار فی نفسہا حکمہا کذا ای لا باعتبار امر خارج عنہا ولذلک قیل الحرف ما دل علی معنی فی غیرہ ای حاصل فی غیرہ ای باعتبار متعلقہ لا باعتبارہ فی نفسہ انتہی کلامہ و محصولہ ما ذکرہ بعض المحققین حیث قال کما ان فی الخارج

اور بالفظ کے اعتبار سے مذکر ہے۔

قولہ قال المصنف فی الایضاح :۔ اس سے پہلے شارح نے بیان کیا ہے کہ فی نفسہ میں ہ ضمیر ما کی طرف راجع ہے جس سے کلمہ مراد ہے، اب قال المصنف سے ضمیر کے مرجع میں جو دوسرا احتمال ہے اس کو بیان کررہے ہیں کہ مصنف نے مفصل کی شرح ایضاح میں جو خود مصنف کی ہے بیان کیا ہے کہ فی نفسہ میں ضمیر معنیٰ کی طرف راجع ہے، اس صورت میں اعتراض ہوتا ہے کہ معنیٰ کی طرف اگر ضمیر راجع کی جائے تو اس صورت میں معنیٰ کا معنیٰ میں ہونا لازم آتا ہے اور یہ ظرفیۃ الشئ لنفسہ ہے۔ اس کا جواب شارح نے دیا کہ لفظ فی اعتبار کے معنیٰ میں ہے، اب تقدیر عبارت اس طرح ہوگی الاسم ما دل علی معنی معتبرا فی نفسہ یعنی اسم ایسا کلمہ ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو معتبر فی نفسہ ہوں یعنی اس میں اور کسی کلمہ کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں خود اسکی ذات ہی ایسی ہے جو معنیٰ پر دلالت کرتی ہے یہی مطلب ہے بالنظر الیہ فی نفسہ کا، حرف میں یہ بات نہیں پائی جاتی، کیونکہ اس کے معنیٰ منظور الیہ فی نفسہ نہیں ہیں بلکہ اس میں امر خارج یعنی دوسرے کلمہ کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔

قولہ کقولک الدار فی نفسہا حکمہا کذا :۔ یہ بطور سند کے پیش کررہے ہیں کہ ہم نے جو کہا ہے کہ فی یہاں پر اعتبار کے معنیٰ میں ہے یہ محض فرضی نہیں بلکہ اہل عرب کے نزدیک اس کا استعمال شائع ہے جیسا کہ مثال مذکور میں الدار فی نفسہا حکمہا کذا کا مطلب یہ ہے کہ گھر کی خود اپنی ذات کے اعتبار سے اتنی قیمت ہے یعنی اس کی لاگت اور صرفہ اتنا ہے اگر یہ دیکھا جائے کہ وسط شہر میں ہے اسٹیشن قریب ہے خطرات سے محفوظ ہے تب تو اس کی قیمت کئی گنا ہوجائے گی۔

قولہ و محصولہ ما ذکرہ بعض المحققین ۔ مصنف کا کلام جو ایضاح کے اندر تھا اس میں کچھ اجمال تھا اس لئے محصول سے اس کی تفصیل کررہے ہیں، بعض محققین سے مراد سید السند ہیں ذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محصول کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ خود ان کی تحقیق نہیں ہے بلکہ دوسرے کا کلام ہے جس کو سید صاحب نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

موجوداً قائما بذاتہ وموجوداً قائما بغیرہ کذلك فی الذھن معقول ھو مدرك قصدا ملحوظاً فی ذاتہ یصلح ان یحکم علیہ وبہ ومعقول ھو مدرك تبعاً وآلۃ لملاحظۃ غیرہ فلا یصلح لشئ منھما فالابتداء مثلاً اذا لاحظہ العقل قصداً وبالذات کان معنی مستقلا بالمفھومیۃ ملحوظاً فی ذاتہ ولزمہ تعقل متعلقہ اجمالاً وتبعا من غیر حاجۃ الی ذکرہ وھو بھذا الاعتبار مدلول

---

محصول سے قبل ایضاح کے حوالہ سے معنیٰ اسمی اور معنیٰ حرفی کو بیان کیا گیا ہے اور یہ دونوں امورِ عقلیہ سے ہیں، اب ان کو امورِ حسیہ سے تشبیہ دے کر توضیح کرنا چاہتے ہیں، محصول کا حاصل تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے، حاصل تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح موجود فی الخارج کی دو قسمیں ہیں (۱) قائم بذاتہ جس کا اپنا وجود ذاتی ہو، اپنے وجود میں کسی محل کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں (۲) قائم بغیرہ جس کا اپنا وجود ذاتی نہ ہو بلکہ اپنے وجود میں کسی محل کا محتاج ہو اس کو عرض کہتے ہیں۔ جوہر کی مثال جسم ہے کہ وہ اپنے وجود میں کسی محل کا محتاج نہیں۔ عرض کی مثال لون (رنگ) ہے کہ جب تک کسی محل یعنی جسم کے ساتھ قائم نہ ہو اس کا وجود نہیں ہو سکتا۔ جس طرح موجود فی الخارج کی یہ دو قسمیں ہیں اسی طرح معقول فی الذہن کی دو قسمیں ہیں (۱) مدرک بذاتہ ہو جس کا ادراک قصداً او بالذات کیا جائے اس کے اندر صلاحیت ہو کہ محکوم علیہ بن سکے جیسے القائم زید اور محکوم بہ بن سکے جیسے زیدن القائم یا صرف محکوم بہ بن سکے جیسے زید ضرب، یہ جوہر کے مشابہ ہے اس کا مصداق اسم اور فعل ہے (۲) جو مدرک بغیرہ ہو، اس کا ادراک بالذات نہ ہو بلکہ بالتبع ہو یعنی جو مدرک بالذات ہے اس کے تابع ہو کر اس کا ادراک کیا جاتا ہو، اس کے اندر محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہ ہو، یہ مشابہ عرض کے ہے اس کا مصداق حرف ہے۔

قولہ فالابتداء مثلاً الخ:- اس سے قبل معقول کی دو قسمیں بیان کی ہیں، مدرک بالذات اور مدرک بالغیر، اب مثال سے اس کی توضیح کر رہے ہیں کہ ابتداء کی دو حیثیتیں ہیں (۱) ایک اس میں معنیٰ مصدری کی حیثیت ہے اس اعتبار سے یہ مستقل بالمفھومیۃ اور ملحوظ بالذات ہے اپنے معنیٰ پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے کلمہ کا محتاج نہیں، اس صورت میں اس کے اندر محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی صلاحیت بھی ہے، ابتداء اپنی اس حیثیت کے اعتبار سے اسم ہے۔

قولہ ولزمہ تعقل متعلقہ اجمالاً الخ:- اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ابتداء تو ایک نسبت ہے مبدأ بہ اور مبدأ منہ کے درمیان اس کا تعقل ان دونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا تو پھر یہ مستقل نہ ہوا، اور جب مستقل نہیں تو اسم کا مصداق کیسے ہوگا۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں

لفظ الابتداء فقط فلاحاجة فی الدلالة علیه الی ضم کلمة اخریٰ الیه لتدل علی متعلقه وهذا هو المراد بقولهم ان للاسم والفعل معنی کائنا فی نفس الکلمة الدالة علیه واذا لاحظه العقل من حیث هو حالة بین السیر والبصرة مثلا وجعله آلة لتعرف حالهما کان معنی غیر مستقل بالمفهومیة ولایمکن ان یتعقل الا بذکر متعلقه مخصوصة ولا ان یدل علیه الا بضم کلمة اخریٰ دالة علی متعلقه والحاصل ان لفظ الابتداء موضوع لمعنی کلی

کہ ابتدار کا تعقل اپنے متعلق یعنی مبدء بہ اور مبدار منہ پر ضرور موقوف ہوتا ہے لیکن ابتدار کے معنیٰ سمجھنے کے لئے اس کے متعلق کا اجمالی علم کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص کام ہو جس کی ابتدار کی جائے یا خاص جگہ جہاں سے ابتدار کی جائے تب ابتدار کے معنی سمجھ میں آئیں بلکہ صرف یہ کافی ہے کہ کوئی نہ کوئی کام ہے جس کی ابتدار کی جارہی ہے اور کوئی نہ کوئی جگہ ہے جہاں سے ابتدار ہورہی ہے اور ابتدار کے متعلق کا یہ اجمالی تعقل خود لفظ ابتدار سے سمجھ میں آجاتا ہے علیحدہ سے متعلق کے ذکر کی ضرورت نہیں اور ایسے تعقل اجمالی پر توقف ہو تو استقلال میں مضر نہیں ہوتا اس لئے لفظ ابتدار جو مصدر ہے اس کے استقلال میں کوئی اثر نہ پڑے گا۔

قولہ لتدل علی متعلقہ الخ:- اس عبارت کو لاکر شارح نے یہ بتایا کہ ابتدار جو معنی مصدری کی صورت میں ہے اس کو اپنے متعلق پر دلالت کرنے میں کسی کلمہ کے ملانے کی ضرورت نہیں ہے البتہ فائدہ تامہ حاصل ہونے کے لئے دوسرے کلمے کے ملانے کی اس میں بھی ضرورت نہیں۔

قولہ واذا لاحظہ العقل من حیث ھو حالۃ الخ:- یہاں سے ابتدار کی دوسری حیثیت کا بیان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدار کا لحاظ اگر اس حیثیت سے کیا جائے کہ وہ ایک حالت ہے مثلاً سیر اور بصرہ کے درمیان یعنی سیر جو ایک مخصوص فعل ہے اس کی ابتدار کی جارہی ہے اور بصرہ جو ایک مخصوص جگہ ہے وہاں سے ابتدار کی جارہی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں ابتدار کے معنیٰ ان دونوں متعلقات کے ذکر کئے بغیر نہیں سمجھے جاسکتے اس حالت میں ابتدار معنیٰ مصدری میں نہ ہوگا جو مستقل ہوتے ہیں، اس عبارت کے تحت شارح نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

قولہ والحاصل الخ:- اس سے پہلے ابتدار کے اندر دو حیثیتیں بیان کی تھیں کہ ایک اعتبار سے وہ مستقل ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ غیر مستقل ہے، حاصل سے اس کی توضیح کرنا چاہتے ہیں کہ ابتدار تو واحد ہے دو صورتیں اس کے اندر کیسے پیدا ہوگئیں، اس حاصل کا حاصل یہ ہے کہ ابتدار کے اندر یہ دو حیثیتیں معنیٰ کلی اور معنیٰ جزئی کے اعتبار پیدا ہوئیں لفظ ابتدار جو مصدر ہے یہ معنیٰ کلی کے لئے وضع کیا گیا ہے جس کے معنیٰ ہیں مطلقاً شروع کرنا اس معنیٰ کے سمجھنے کے لئے

ولفظة من موضوعة لكل واحد من جزئياته المخصوصة المتعلقة من حيث انها حالات لمتعلقات او الات لتعرف احوالها وذلك المعنى الكلى يمكن ان يتعقل قصداً ويلاحظ فى ذاته فيستقل بالمفهومية ويصلح ان يكون محكوما عليه وبه واما تلك الجزئيات فلا تستقل بالمفهومية ولا تصلح ان تكون محكوما عليها وبها اذ لابد فى كل واحد منهما ان يكون ملحوظاً قصداً ليمكن ان يعتبر النسبة بينه وبين غيره بل تلك الجزئيات لاتتعقل الابذكر متعلقاتها لتكون الات لملاحظة احوالها وهذا هو المراد بقولهم ان الحرف كلمة تدل على معنى فى غيرها واذا عرفت هذا علمت ان المراد بكينونة المعنى فى نفسه استقلاله بالمفهومية وبكينونة المعنى فى نفس الكلمة دلالتها عليه من غير حاجة الى ضم كلمة اخرى اليها لاستقلاله بالمفهومية فمرجع كينونة المعنى فى نفسه وكينونته فى نفس الكلمة الدالة عليه الى امر واحد وهو استقلاله بالمفهومية ففى هذا الكتاب الضمير المجرور الذى فى نفسه يحتمل ان يرجع

خصوصیت کے ساتھ کسی فعل کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ کسی مخصوص جگہ کے ذکر کرنے کی ضرورت ہے ابتداء کے یہ معنیٰ کلی مستقل بالمفہومیۃ ہیں اور اسم کا مدلول ہیں۔

اور اگر ابتداء جزئی مطلوب ہو یعنی کسی خاص فعل کی ابتداء یا مخصوص جگہ سے ابتداء مقصود ہو تو اس کے لئے لفظ من وضع کیا گیا ہے جیسے سرت من البصرۃ مخصوص فعل یعنی سیر کی ابتداء کو مخصوص جگہ یعنی بصرہ سے بیان کرنا مقصود ہے تو اس کے لئے من کو لایا گیا ہے، اسی طرح تمام جزئیات کا حال ہے کہ ان میں لفظ من لایا جاتا ہے مثلاً کھانا، پینا، سونا، چلنا، پڑھنا وغیرہ کہ ان کی ابتداء کو بیان کرنا ہو تو من کا استعمال ہوگا اور ابتداء کے یہ معنی جزئی مستقل بالمفہومیۃ نہیں اور مدلول حرفی کی وجہ سے محکوم علیہ اور محکوم بہ بننے کی ان میں صلاحیت بھی نہیں۔

قولہ واذا عرفت هذا الخ:- یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فی نفسہ میں ضمیر کے مرجع میں جو دو احتمال ہیں کہ لفظ ما کی طرف راجع ہو جس کا مصداق کلمہ ہے یا معنیٰ کی طرف راجع ہو ان دونوں کا مآل ایک ہی ہے وهو استقلاله بالمفهومية۔

قولہ ففى هذا الكتاب:- اس سے مراد کافیہ ہے، علامہ ابن حاجب نے چونکہ کلمہ کی تقسیم میں کافیہ میں دلیل حصر بیان کی ہے جس میں کلمہ کے اقسام ثلثہ کی تعریف بھی ضمناً معلوم ہو جاتی ہے اور دلیل حصر میں فی نفسہا کا لفظ ہے جس میں کلمہ کی طرف ضمیر راجع ہے، اس لئے جب اسم کی تعریف صراحۃً بیان کی تو اس میں فی نفسہ کی ضمیر کے مرجع میں ایسی رعایت کی جس سے دلیل حصر سے بھی مطابقت ہو جائے یعنی اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر ما کی طرف راجع ہو، جس کا مصداق کلمہ ہے اور کلمہ اگرچہ مؤنث ہے لیکن لفظ ما مذکر ہے، اس لئے ضمیر مذکر اس کی

الیٰ ما الموصولۃ التی ھی عبارۃ عن الکلمۃ وھٰذا ھو الظاھر لیکون علیٰ طبق ماسبق فی وجہ الحصر من کینونۃ المعنی فی نفس الکلمۃ ویحتمل ان یرجع الی المعنی ولذا ذکر الضمیر تنبیھًا علی صحۃ ارادۃ کلا المعنیین ولکن عبارۃ المفصل ظاھرۃ فی المعنی الاخیر وھو ارجاع الضمیر الی المعنی لعدم مسبوقیتھا بمایدل علی اعتبار کینونۃ المعنی فی نفس الکلمۃ ولھٰذا اجزم المصنف رحمہ اللہ ھناک برجوعہ الی المعنی وبما سبق من التحقیق ظھر انہ لایختل حد الاسم جمعًا ولاحد الحرف منعًا بالاسماء اللازمۃ الاضافۃ مثل ذو وفوق

طرف راجع ہو سکتی ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ نفسہ کی ضمیر معنیٰ کی طرف راجع ہو جو ظاہر ہے، اور ایضاح میں دلیل حصر نہیں ہے اس لئے اس کی مطابقت کا کوئی سوال نہیں، اس لئے ایضاح میں بطور جزم کے فرمایا الضمیر فی ما دل علی معنی فی نفسہ یرجع الی المعنی، یعنی اس میں صرف ایک ہی صورت بیان کی ہے کہ ضمیر معنیٰ کی طرف راجع ہے، خلاصہ یہ ہے کہ کافیہ اور ایضاح یہ دونوں کتابیں علامہ ابن حاجب کی ہیں دونوں میں نفسہ کی ضمیر کے بارے میں یہ احتمال تو مشترک ہے کہ معنی کی طرف راجع ہو اور یہی احتمال راجح ہے کیونکہ مرجع قریب ہے اور کافیہ میں چونکہ دلیل حصر بیان کی گئی ہے جس میں فی نفسہا کا لفظ ہے اور اس میں ضمیر مؤنث ہے جو صریح ہے کہ اس کا مرجع کلمہ ہے۔ اس لئے مصنف نے کافیہ میں دلیل حصر کی وجہ سے ضمیر کے مرجع میں اس کی رعایت رکھی ہے کہ جس طرح معنیٰ کی طرف راجع ہے کلمہ کی طرف بھی راجع ہو سکے جو لفظ ما کا مصداق ہے۔

فائدہ:۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ محصول اس کو کہتے جو عبارت سے بہ تکلف سمجھا جائے اور حاصل اس کو کہتے ہیں جو بلا تکلف سمجھا جائے۔

قولہ وبما سبق من التحقیق الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ اسماء لازمۃ الاضافۃ (فوق، تحت وغیرہ) اسم ہیں حالانکہ ان کے معنیٰ بغیر دوسرے کلمے کے ملائے سمجھ میں نہیں آتے یعنی جب تک ان کے مضاف الیہ کا لحاظ نہ کیا جائے، اس وقت تک ان کے معنیٰ سمجھ میں نہ آئیں گے لہٰذا یہ اسم کی تعریف سے نکل کر حرف میں داخل ہو گئے جس سے اسم کی تعریف جامع نہ رہی اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی، شارح اس عبارت سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اسماء لازمۃ الاضافۃ اپنے مفہوم کلی کے اعتبار مستقل بالمفہومیۃ ہیں جب ان کو ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے ساتھ ساتھ ان کا متعلق بھی اجمالاً سمجھ میں آجاتا ہے علیحدہ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً فوق کو جب ذکر کیا تو

وتحت وقدام وخلف الی غیر ذلک لان معانیھا مفھومات کلیۃ مستقلۃ بالمفھومیۃ ملحوظۃ فی حد ذاتھا لٰکنّ مما تعقل متعلقاتھا اجمالاً وتبعاً من غیر حاجۃ الی ذکرھا لکن لما جرت العادۃ باستعمالھا فی مفھوماتھا مضافۃ الی متعلقات مخصوصۃ لانھا الغرض من وضعھا لزم ذکرھا لفھم ھذہ الخصوصیات لا لاجل فھم اصل المعنی فھی دالۃ علی معانیھا معتبرۃ فی حد انفسھا لافی غیرھا فھی داخلۃ فی حد الاسم لافی الحرف ولما کان الفعل دالاً علی معنی فی نفسہ باعتبار معناہ التضمنی اعنی الحدث وکان ذلک المعنی مقترناً مع احد الازمنۃ

سمجھ میں آجاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی چیز ہوگی جس کے اوپر یہ ہے اسی طرح باقی اسماء کا حال ہے۔

قولہ لکن جرت العادۃ الخ:- ایک وہم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ ہے کہ تمہارے جواب سے تو یہ معلوم ہوا کہ چونکہ ان کی وضع مفہومات کلیہ کے لئے ہے اور یہ اپنے اس معنی وضعی کی وجہ سے مستقل ہیں متعلقات مخصوصہ کے محتاج نہیں ہیں، اس لئے یہ اسم سے خارج نہ ہوئے، لیکن ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا استعمال ہمیشہ معانی جزئیہ میں ہوتا ہے اور اس کا تم کو بھی اعتراف ہے کہ اس اعتبار سے یہ مستقل نہیں ہیں لہذا ہماری بات صادق ہوئی کہ اسم کی تعریف جامع اور حرف کی تعریف مانع نہ رہی۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ چونکہ ان کے وضع کی غرض یہی ہے کہ ان کا استعمال متعلقات مخصوصہ جزئیہ میں ہو، اس لئے ان کے مضاف الیہ کا لحاظ کرنا پڑتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ مضاف الیہ کے محتاج ہیں، تو یہ احتیاج استعمال کی صورت میں پیش آئی نہ کہ وضع میں اور ہم نے ان کو مستقل کہا ہے وضع کے اعتبار سے نہ کہ استعمال کے اعتبار سے۔

قولہ ولما کان الفعل الخ:- چونکہ اسم اور فعل دونوں مستقل معنیٰ پر دلالت کرنے میں شریک ہیں مگر ہر ایک کی دلالت میں فرق ہے، اسم مستقل معنیٰ پر دلالت کرتا ہے مطابقۃً اور فعل دلالت کرتا ہے تضمناً لیکن مقصود میں اتحاد کے بعد دلالت میں تفاوت کا اعتبار نہیں، تو جب ان دونوں میں اشتراک ہے تو مابہ الامتیاز کوئی چیز ہونی چاہئے اس لئے مصنف غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ لاکر فعل کو خارج کرنا چاہتے ہیں کہ فعل میں اقتران الزمان ہوتا ہے اور اسم میں اقتران زمانہ کے ساتھ نہیں ہوتا، اس لئے فعل اسم کی تعریف سے خارج ہوگیا،

قولہ وکان ذلک المعنیٰ الخ:- اس سے اشارہ ہے حدث کی طرف یعنی فعل اپنے معنیٰ حدثی یعنی معنیٰ مصدری کے اعتبار سے مستقل ہے فعل میں تین چیزیں ہوتی ہیں - (۱) مصدری معنیٰ (۲) نسبت الی فاعل ما، (۳) زمانہ - ان تینوں میں صرف معنیٰ مصدری کے اندر صلاحیت ہے استقلال کی اس لئے شارح نے ذلک المعنی لاکر اس کی تعیین کر دی کہ استقلال کی صفت

الثلثۃ فی الفہم عن لفظ الفعل اخرجہ بقولہ غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ ای غیر مقترن مع احد الازمنۃ الثلثۃ فی الفہم عن لفظہ الدال علیہ فہو صفۃ بعد صفۃ للمعنی فبالصفۃ الاولی خرج الحرف عن حد الاسم وبالثانیۃ الفعل والمراد بعدم الاقتران ان یکون بحسب الوضع الاول فدخل فیہ اسماء الافعال لان جمیعہا اما منقولۃ عن المصادر الاصلیۃ سواء کان النقل فیما صریحا نحو روید فانہ قد یستعمل مصدرا ایضا او غیر صریح نحو ھیہات فانہ وان لم یستعمل مصدرا الا انہ علی وزن قوقاۃ مصدر قوقی او عن المصادر التی کانت فی الاصل اصواتا نحو صہ

---

صرف معنی مصدری کے اندر ہے۔

قولہ ای غیر مقترن مع احد الازمنۃ الثلثۃ :- لفظ مع لا کر یہ بتایا کہ مصنف کی عبارت باحد الازمنۃ الثلاثۃ میں با رمع کے معنیٰ میں ہے۔

قولہ عن لفظہ الدال علیہ :- یعنی جو لفظ معنیٰ پر دلالت کرے اسی سے زمانہ سمجھ میں آئے اس سے ضارب، امس، الآن، غداً جیسی مثالیں خارج ہوگئیں۔ کیونکہ ضارب خود زمانہ پر دلالت نہیں کررہا بلکہ امس اور الآن، غداً کے لفظ سے زمانہ سمجھ میں آرہا ہے۔

قولہ والمراد بعدم الاقتران :- اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اسم کی تعریف میں عدم اقتران کی قید سے اسمار افعال خارج ہوجائیں گے، کیونکہ ان میں زمانہ پایا جاتا ہے اس کا جواب اس عبارت سے دیا جارہا ہے کہ مراد عدم اقتران سے یہ ہے کہ ان میں وضع کے وقت زمانہ نہ پایا جائے اور اسمار افعال میں وضع کے وقت زمانہ نہیں تھا، اسلئے وہ اسم سے خارج نہ ہوں گے لان جمیعہا سے اسکی دلیل بیان کررہے ہیں کہ اسمار افعال میں وضع کیوقت زمانہ نہیں تھا استعمال کے وقت ان میں زمانہ پایا جاتا ہے، دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جتنے اسمار افعال ہیں ان میں کسی کے اندر اصل وضع میں زمانہ نہیں پایا جاتا اسلئے یہ یا تو مصادر اصلیہ سے منقول ہیں خواہ نقل صریح ہو یا غیر صریح، نقل صریح کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مصدری معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہو، جیسے روید، یہ اسم فعل ہے امہل امر کے معنی میں ہے لیکن اسکا استعمال مصدری معنی میں بھی ہوتا ہے، چنانچہ امہلہم روید امیں روید امصدر ہے اور امہل فعل کا مفعول مطلق ہے، نقل غیر صریح کا مطلب یہ ہے کہ مصدری معنی میں اسکا استعمال نہ ہوتا ہو جیسے ہیہات کہ یہ اسم فعل ہے بَعُدَ ماضی کے معنی میں ہے اور اسکا استعمال مصدری معنی میں نہیں ہوتا لیکن قوقات کے وزن پر ہے جو قوقی کا مصدر ہے اس کے معنیٰ ہیں مرغی کا آواز کرنا۔

قولہ او عن المصادر التی کانت الخ :- اس کا عطف عن المصادر الاصلیہ پر ہے یعنی کچھ اسمار افعال ایسے ہیں جو ایسے مصادر سے نقل کئے گئے ہیں جو اصل میں اصوات ہیں جیسے صہ کہ اصل

اوعن الظرف او الجار والمجرور نحو امامك زيداً وعليك زيداً فليس لشئ منها الدلالة على احد الازمنة الثلثة بحسب الوضع الاول وخرج عنه الافعال المنسلخة عن الزمان نحو عسىٰ وكاد لاقتران معانيها به بحسب اصل الوضع وخرج عنه المضارع ايضاً فانه على تقدير اشتراكه بين الحال والاستقبال يدل على زمانين معينين من

میں ایک صوت (آواز) ہے پھر معنی مصدری یعنی سکوت کی طرف نقل کیا گیا پھر سکوت سے اسکت کی طرف نقل کیا گیا۔

قولہ اوعن الظرف اوالجار والمجرور :- کچھ ایسے اسماء افعال ہیں جو ظرف یا جار مجرور سے نقل کئے گئے ہیں جیسے امامک کہ یہ ظرف ہے بعد میں تقدم (آگے بڑھ) امر کے معنی میں نقل کر لیا گیا، اسیطرح علیک یہ جار مجرور ہے بعد میں اَلزم (لازم پکڑ) امر کے معنی میں نقل کر لیا گیا ہے۔

قولہ فلیس لشئ منہا الدلالۃ الخ :- یہاں جتنے اسماء افعال شمار کئے گئے ان میں سے کسی ایک کے اندر وضع کے اعتبار سے زمانہ نہیں پایا جاتا، استعمال کے وقت ان میں زمانہ آیا ہے جیساکہ ماقبل کے بیان سے واضح ہے اور اقتران بالزمان یا عدم اقتران میں وضع کا اعتبار ہے نہ کہ استعمال کا۔

قولہ وخرج عنہ الافعال المنسلخۃ عن الزمان — یہ بھی اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ اسم کی تعریف افعال منسلخہ عن الزمان یعنی افعال مقاربہ پر صادق آتی ہے۔ جیسے عسیٰ، کاد وغیرہ کہ یہ فعل ہیں لیکن ان سے زمانہ کھینچ لیا گیا ہے اب زمانہ پر دلالت نہیں کرتے لہذا اسم کی تعریف مانع نہ رہی اور فعل کی تعریف جامع نہ رہی، اس عبارت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ان میں وضع کے اعتبار سے زمانہ پایا جاتا ہے، اس لئے فعل میں داخل ہیں اور اسم سے خارج ہیں۔

قولہ وخرج عنہ المضارع ایضاً الخ :- یہ بھی اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض کا منشاء لفظ احد ہے جو غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ میں مذکور ہے، اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ تم نے اسم کی تعریف کی ہے کہ تین زمانوں میں سے ایک زمانہ اس میں نہ پایا جائے اور مضارع میں دو زمانے پائے جاتے ہیں لہذا یہ غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ کا مصداق ہونے کی وجہ سے اسم میں داخل ہو گیا حالانکہ یہ فعل ہے، معلوم ہوا کہ اسم کی تعریف مانع نہ ہوئی اور فعل کی تعریف جامع نہ ہوئی۔ شارح جواب دے رہے ہیں، جواب کی دو شقیں ہیں (۱) مضارع دونوں زمانوں (حال اور استقبال) کے درمیان مشترک نہیں بلکہ صرف حال یا صرف استقبال کے لئے وضع ہے اور دوسرے میں مجازاً استعمال ہوتا ہے اس صورت میں تو اعتراض ہی نہیں وارد ہوتا،

الازمنة الثلثة فيدل على واحد معين ايضا فى ضمنها اذ لايقدح فى الدلالة على احد معين الدلالة على ماسواه نعم يقدح فى ارادة المعين ارادة ماسواه واين الدلالة من الارادة ولما فرغ من بيان حد الاسم اراد ان يذكر بعض خواصه ليفيد زيادة معرفة به فقال ومن خواصه مُبَيِّنًا بصيغة جمع الكثرة على كثرتها وبمن التبعيضية على ماذكره بعض منها وهى جمع خاصة وخاصة الشئ مايختص به ولايوجد فى غيره وهى اما شاملة لجميع افراده ماهى خاصة له كالكاتب بالقوة للانسان

---

کیونکہ جب اقتران باحد الازمنۃ الثلثۃ ہے تو غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ کا مصداق نہ ہوا۔
(۲) جواب کی دوسری شق یہ ہے کہ مضارع میں دونوں زمانے پر دلالت ہے لیکن ظاہر ہے کہ جب دو زمانوں پر دلالت ہوگی تو ان کے ضمن میں ایک زمانہ پر بھی دلالت ہوگی۔

قولہ اذ لایقدح الخ:- اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مضارع میں دو زمانوں پر دلالت ہوتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مشترک میں عموم جائز ہے حالانکہ یہ ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عموم مشترک دلالت میں لازم آیا اور وہ ناجائز نہیں ارادہ میں ناجائز ہے وہ لازم نہیں۔

قولہ ولما فرغ عن بیان حد الاسم الخ:- اس سے پہلے اسم کی تعریف کی ہے اب اسم کے خواص کو بیان کر رہے ہیں، کیونکہ اس سے اسم کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے گی، حاصل یہ ہے کہ خواص بھی تعریف کا تتمہ ہوتے ہیں، تعریف سے خارج نہیں ہوتے۔

قولہ ومن خواصہ:- اس عبارت پر اعتراض ہوتا ہے کہ خواص جمع کثرت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم کے بہت سے خاصے ہیں اور من اس میں تبعیضیہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص تھوڑے سے ہیں یہ متضاد مفہوم کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کے خواص تو بہت ہیں لیکن یہاں تھوڑے بیان کئے جائیں گے، شارح نے مبینًا سے یہی جواب دیا ہے۔ خواص خاصہ کی جمع ہے خاصۃ الشئ مایختص بہ ولایوجد فی غیرہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں شاملہ اور غیر شاملہ ان کی تعریف اور مثال شرح میں بہت وضاحت کے ساتھ آسان عبارت میں بیان کر دی ہے مزید توضیح کی ضرورت نہیں۔

جاننا چاہئے کہ اسم کے خواص تو بہت ہیں بعض حضرات نے بیس خاصے بیان کئے ہیں یہاں پانچ خاصے بیان کئے گئے ہیں، ان میں انحصار کی وجہ یہ ہے کہ اسم کا خاصہ لفظی ہوگا یا معنوی، اگر لفظی ہے تو شروع اسم میں آئے گا یا آخر اسم میں، اگر شروع میں آئے تو وہ

اوغیر شاملۃ کالکاتب بالفعل لہ فمن خواص الاسم دخول اللام ای لام التعریف ولو قال دخول حرف التعریف لکان شاملاً للمیم فی مثل قولہ علیہ السلام لیس من امبر امصیام فی امسفر لکنہ لم یتعرض لہ لعدم شہرتہ وفی اختیارہ اللام اشارۃ الی ان المختار عندہ ماذہب الیہ سیبویہ من ان اداۃ التعریف ھی اللام وحدھا زیدت

لام تعریف ہے اگر آخر اسم میں آئے تو وہ حرکت ہے یا حرکت کے تابع اگر حرکت ہے تو جر ہے اگر حرکت کے تابع ہے تو تنوین ہے، اگر خاصہ معنوی ہے تو مرکب تام کے ضمن میں ہوگا یا غیر تام کے اول اسناد ہے ثانی اضافت۔

قولہ دخول اللام ای لام التعریف :- اعتراض ہوتا تھا کہ دخول اللام کو اسم کا خاصہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ لام تو فعل میں بھی آتا ہے جیسے لام امر لام تاکید۔ شارح نے ای لام التعریف نکال اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ لام سے مراد لام تعریف ہے اور یہ صرف اسم میں پایا جاتا ہے۔ اللام میں الف و لام عہد کا ہے یا مضاف الیہ کے عوض میں ہے جیسا کہ شارح کی عبارت ای لام التعریف سے دونوں احتمالوں کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ ولو قال دخول حرف التعریف :- اعتراض وارد ہوتا تھا کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ بجائے دخول اللام کے دخول حرف التعریف کہتے تاکہ میم کو بھی شامل ہو جاتا کیونکہ یہ بھی حرف تعریف ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیس من امبر امصیام فی امسفر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میم کا حرف تعریف ہونا مشہور نہیں یا حمیر کی لغت میں میم حرف تعریف ہے کسی اور زبان میں میم حرف تعریف نہیں، اور یہ لغت فصیح نہیں رہ گیا کہ جب یہ فصیح نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تلفظ کیسے فرمایا، حضور کا تو ہر کلام فصیح ہے بلکہ افصح ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قبیلہ حمیر کے ایک شخص نے آپ سے جہاد کے موقع پر جب ماہ رمضان شروع ہوا تو سوال کیا امن امبرم امصیام فی امسفر۔ آپ نے اسی کی زبان میں جواب دیا اور بجائے لام کے میم استعمال کیا تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے اور مخاطب اچھی طرح سمجھ لے

قولہ وفی اختیارہ اللام :- حرف تعریف کے سلسلہ میں نحویوں کے تین مذہب ہیں۔ (۱) سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے ابتداء بالساکن چونکہ دشوار ہے اس لئے شروع میں ہمزہ وصل لاگیا۔ (۲) خلیل کا مذہب ہے کہ حرف تعریف ال ہے بروزن ہل یعنی ہمزہ اور لام دونوں حرف تعریف ہیں۔ (۳) مبرد کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف صرف ہمزہ ہے لام کا اضافہ اس واسطے کیا گیا تاکہ ہمزہ حرف تعریف اور ہمزہ استفہام میں فرق ہو جائے۔

علیها همزة الوصل لتعذر الابتداء بالساکن واما الخلیل فقد ذهب الی ان کهل والمبرد الی انها الهمزة المفتوحة وحدها زیدت اللام للفرق بینها وبین همزة الاستفهام وانما اختص دخول حرف التعریف بالاسم لانه لتعیین معنی مستقل بالمفهومیة یدل علیه اللفظ مطابقة والحرف لایدل علی المعنی المستقل والفعل یدل علیه تضمنا لامطابقة وهذه الخاصة لیست شاملة لجمیع افراد الاسم فان حرف التعریف لایدخل المضمائر واسماء الاشارة وغیرها کالموصولات وکذلک سائر الخواص الخمس المذکورة ههنا و منها دخول الجر انما اختص دخول الجر بالاسم لانه اثر حرف الجر فی المجرور به لفظا

---

مصنف نے سیبویہ کا مذہب اختیار کیا ہے اس لئے فرمایا کہ لام کا داخل ہونا اسم کا خاصہ ہے اس مذہب کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف تنکیر واحد ہے یعنی تنوین، اس لئے حرف تعریف بھی واحد ہونا چاہئے اور وہ لام ہے ہمزہ اگرچہ واحد ہے لیکن وہ وسط کلام میں ساقط ہو جاتا ہے اور علامت کو ساقط نہ ہونا چاہئے، ہمزہ اور لام دونوں کو اگر حرف تعریف مانا جائے تو وہ واحد نہیں۔

قولہ وانما اختص :- لام تعریف اسم کا خاصہ کیوں ہے اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ لام تعریف کی وضع اس لئے ہے کہ وہ ایسے معنی کو متعین کردے جس پر لفظ مطابقۃ دلالت کرتا ہو اور یہ بات صرف اسم میں پائی جاتی ہے کیونکہ حرف تو مستقل معنی پر دلالت ہی نہیں کرتا اور فعل مستقل معنی پر مطابقۃ دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی دلالت تضمنی ہے۔

قولہ وهذه الخاصة لیست شاملة :- یہ فرما رہے ہیں کہ دخول اللام اسم کا خاصہ شاملہ نہیں ہے کہ اس کے تمام افراد کو شامل ہو، چنانچہ اسماء اشارہ، ضمائر، اسماء موصولہ پر لام نہیں آتا، یہاں اسم کے جتنے خواص ذکر کئے گئے ہیں سب کا یہی حال ہے کہ خواص شاملہ نہیں ہیں۔

قولہ ومنها دخول الجر :- یہ اسم کا دوسرا خاصہ ہے، جر کا دخول اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ جر حرف جر کا اثر ہے یعنی جو بھی مجرور ہو گا وہاں حرف جر ضرور ہو گا خواہ لفظوں میں ہو جیسا کہ مجرور بہ میں لفظا ہوتا ہے جیسے مررت بزید یا حرف جر لفظوں میں نہ ہو بلکہ پوشیدہ ہو جیسا کہ مجرور بہ تقدیرا میں ہوتا ہے اس کی مثال غلام زید ہے کہ اس میں لام پوشیدہ ہے اصل میں غلام لزید تھا اور نحویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حرف جر کا دخول اسم ہی کے ساتھ خاص ہے خواہ لفظوں میں ہو یا پوشیدہ، تو جب حرف جر اسم کیساتھ خاص ہے، تو اس کا اثر بھی اسم کے

وفي المجرور به تقديرًا كما في الاضافة المعنوية ودخول حرف الجر لفظا او تقديرًا يختص بالاسم لانه موضوع لافضاء معنى الفعل الى الاسم فينبغي ان يدخل الاسم ليفضي معنى الفعل اليه واما الاضافة اللفظية فهي فرع للمعنوية فينبغي ان لا يخالف الاصل بان يختص بما يخالف ما يختص به الاصل اعني الفعل او يزيد عليه بان يعم الاسم والفعل ومنها دخول التنوين باقسامه الا تنوين الترنم

---

ساتھ خاص ہوگا ورنہ اثر کا مؤثر سے تخلف لازم آئے گا جو باطل ہے۔

قولہ ودخول حرف الجر لفظا او تقديرًا يختص الخ:۔ یہاں سے بتانا چاہتے ہیں کہ حرف جر کا دخول اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف جر کی وضع اس لئے ہے کہ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچا دے اس کا تقاضا یہ ہے کہ حرف جر اسم ہی پر داخل ہو۔

قولہ واما الاضافة اللفظية الخ:۔ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے ابھی بیان کیا ہے کہ جر حرف جر کا اثر ہوتا ہے یعنی جہاں جر ہوگا وہاں حرف جر ضرور ہوگا خواہ لفظوں میں ہو یا تقدیرًا ہو، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اضافت لفظی میں جر تو ہے مگر حرف جر وہاں نہ لفظًا ہوتا ہے نہ تقدیرًا جیسے حسن الوجہ میں الوجہ پر جر ہے لیکن حرف جر یہاں نہیں ہے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اضافت لفظی اضافت معنوی کی فرع ہے اور اضافت معنوی اسم کے ساتھ خاص ہے تو اس کی فرع کو بھی اسم کے ساتھ خاص ہونا چاہیے تاکہ فرع کی مخالفت اصل کے ساتھ لازم نہ آئے اور مخالفت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اضافت معنوی اسم کے ساتھ خاص ہے تو اضافت لفظی کو فعل کے ساتھ خاص کر دیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ اضافت معنوی تو صرف اسم کے ساتھ خاص ہو اور اضافت لفظی کو عام کر دیا جائے فعل اور اسم دونوں میں پائی جائے ان دونوں صورتوں میں فرع کی مخالفت اصل سے لازم آتی ہے، اس لئے ناجائز ہے۔

قولہ ومنها دخول التنوين:۔ یہ اسم کا تیسرا خاصہ ہے۔ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) تمکن (۲) تنکیر (۳) عوض (۴) مقابلہ (۵) ترنم۔ تنوین ترنم اشعار کے آخر میں آتی ہے اس کا کام آواز کو بڑھانا ہے جو لفظ بھی شعر کے آخر میں ہوگا اس میں یہ تنوین مدِ صوت کے لئے آسکتی ہے، خواہ آخر میں فعل ہو یا اسم ہو یا حرف ہو، اس کے علاوہ باقی چار قسمیں اسم کے ساتھ خاص ہیں اور وجہ اختصاص یہ ہے کہ تنوین تمکن اسم کو منصرف کرنے کے لئے آتی ہے اور منصرف ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ تنوین تنکیر اسم کو نکرہ کرنے کے لئے آتی ہے اور نکرہ یا معرفہ ہونا اسم کا خاصہ ہے تنوین عوض مضاف پر مضاف الیہ کے عوض میں آتی ہے اور مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے۔

وسیجیٔ فی اٰخر الکتاب ان شاء الله تعالٰی تعریفه و بیان اقسامه علی وجه یظهر جهة اختصاص ماعدا تنوین الترنم به وجهة عدم اختصاص تنوین الترنم به ومنها الاسناد الیه هو بالرفع عطف الدخول لا علی مدخوله لان المتبادر من الدخول الذکر فی الاول واللحوق بالاخر وکلاهما منتفیان فی الاسناد وکذا فی الاضافة والمراد به کون الشئ مسند الیه وانما اختص هذا المعنی بالاسم لان الفعل قد وضع لان یکون ابداً مسنداً فقط فلو جعل مسنداً الیه یلزم خلاف وضعه ومنها الاضافة ای کون الشئ مضافا بتقدیر

تنوین مقابلہ یہ جمع مونث سالم میں جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں آتی ہے اور جمع مونث سالم اسم ہے۔

قولہ وسیجیٔ فی اٰخر الکتاب ان شاء الله تعریفه الخ :- تنوین کے معنی لغت میں ہیں جعل الشئ ذا نون کسی شئ کو نون والا بنانا اور نحویوں کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے هو نون تتبع حرکة اٰخر الکلمة لا لتاکید الفعل یعنی تنوین ایسے نون کو کہتے ہیں جو کلمہ کی آخری حرکت کے تابع ہو اور تاکید کے لئے نہ ہو۔

قولہ ومنها الاسناد الیه هو بالرفع :- بالرفع سے معلوم ہوا کہ اس کا عطف دخول پر ہے نہ کہ اس کے مدخول پر یعنی خواص کے بیان میں، شروع میں جو عبارت ومنها دخول اللام ہے اس میں دخول مضاف ہے اور لام مضاف الیہ ہے۔ شارح یہ فرمارہے ہیں کہ الاسناد علیہ کا عطف دخول پر ہے جو مضاف ہے اس کے مضاف الیہ پر نہیں ہے ورنہ تقدیر عبارت یہ ہوگی ومنها دخول الاسناد الیه یعنی مسند الیہ کا داخل ہونا اسم کا خاصہ ہے حالانکہ مسند الیہ کے دخول کے کوئی معنی نہیں، دخول حقیقی یہ ہے کہ شروع میں ہو، اگر آخر میں لحوق ہو تو اس کو بھی مجازاً دخول کہدیا جاتا ہے لیکن اسناد الیہ میں ان دونوں صورتوں کا تحقق نہیں ہوتا اس لئے اس کو دخول کا مضاف الیہ نہیں بنا سکتے۔

قولہ والمراد به کون الشئ مسند الیه :- یعنی الاسناد الیہ سے مراد مسند الیہ ہونا ہے مسند ہونا مراد نہیں کیونکہ مسند تو فعل کا خاصہ ہے۔ مسند الیہ ہونا اسم کے ساتھ اس واسطے خاص ہے کہ فعل کی وضع اس لئے ہے کہ وہ ہمیشہ مسند ہوا کرے تو اگر فعل بھی مسند الیہ واقع ہو تو خلاف وضع لازم آئے گا اور حرف میں معنی مستقل نہیں ہوتے اس لئے اس کے مسند الیہ اور مسند ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔

قولہ ومنها الاضافة :- یہ بھی الاسناد الیہ کی طرح مرفوع ہے اور اس کا بھی عطف دخول پر ہے نہ کہ اس کے مدخول پر ورنہ تقدیر عبارت دخول الاضافۃ نکلے گی اور اضافت کے

حرف الجر لا بذکرہ لفظًا ووجہ اختصاصہا بالاسم اختصاص لوازمہا من التعریف والتخصیص والتخفیف بہ وانما فسرنا الاضافۃ بکون الشئ مضافا لان الفعل او الجملۃ قد یقع مضافا الیہ کما فی یوم ینفع الصادقین صدقہم وقد یقال ھذا بتاویل المصدر ای یوم نفع الصادقین فالاضافۃ بتقدیر حرف الجر مطلقا یختص بالاسم وانما قیدناہ بقولنا بتقدیر حرف الجر لئلا ینتقض بقولنا مررت بزید فان مررت مضاف الی زید بواسطۃ حرف الجر لفظا وھو ای الاسم قسمان معرب ومبنی.

دخول کے کوئی معنی نہیں۔ اضافت کے معنی شارح نے بیان کئے ہیں کون الشئ مضافا بتقدیر حرف الجر لا بذکرہ لفظا اضافت اسم کا خاصہ اس واسطے ہے کہ اس کے لوازم یعنی تعریف، تخصیص، تخفیف اسم کے ساتھ خاص ہیں اور لازم جس کے ساتھ خاص ہوتا ہے ملزوم بھی اسی کے ساتھ خاص ہوتا ہے ورنہ لازم کا انفکاک ملزوم سے لازم آئے گا جو باطل ہے تعریف، تخصیص، اضافت معنوی کا خاصہ ہے اور تخفیف اضافت لفظی کا خاصہ ہے، اضافت معنوی میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف معرفہ ہو جائے گا اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں تخصیص حاصل ہوجائیگی اضافت لفظی میں مضاف سے تنوین دور ہو کر کلمہ میں صرف تخفیف حاصل ہوتی ہے۔

قولہ انما فسرنا الاضافۃ :۔ شارح نے اضافت کی تفسیر کون الشئ مضافا سے کی ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ مضاف ہونا تو اسم کے ساتھ خاص ہے لیکن مضاف الیہ ہونا اسم کے ساتھ خاص نہیں، فعل اور جملہ بھی مضاف الیہ واقع ہوا کرتے ہیں جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم۔

قولہ وقد یقال ھذا بتاویل المصدر :۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ جہاں فعل یا جملہ مضاف الیہ واقع ہیں وہاں ان کو مصدر کی تاویل میں کرلیا جائے گا، چنانچہ مثال مذکور میں ینفع معنی نفع مصدر کے ہیں، آیت کی تاویل یہ ہوگی یوم نفع الصادقین صدقہم۔ اس قول کی بناء پر اضافت کے معنی خواہ مضاف ہونے کے کئے جائیں یا مضاف الیہ ہونے کے دونوں صورتیں اسم کے ساتھ خاص ہوں گی۔

قولہ وانما قیدناہ بقولنا بتقدیر حرف الجر :۔ شارح نے اضافت کی تفسیر میں بتقدیر حرف الجر کی قید لگائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اضافت اسم کا خاصہ اس وقت ہے جب مضاف الیہ میں حرفِ جر پوشیدہ ہو اگر لفظوں میں موجود ہو تو پھر اضافت اسم کا خاصہ نہ رہے گی ایسی اضافت تو فعل میں بھی پائی جاتی ہے جیسے مررت بزید میں مررت فعل ہے اور زید کی طرف بواسطہ حرف جر کے مضاف ہے۔

قولہ وھو ای الاسم قسمان معرب ومبنی :۔ اسم کی تعریف اور اس کے ثمرہ یعنی خواص

لانہ لا یخلوا اما ان یکون مرکبا مع غیرہ اولا والاول اما ان یشبہ مبنی الاصل اولا وھذا اعنی المرکب الذی لم یشبہ مبنی الاصل ھو المعرب وما عداہ اعنی غیر المرکب الذی یشبہ مبنی الاصل مبنی
فالمعرب الذی ھو قسم من الاسم المرکب ای الاسم الذی رکب مع غیرہ

---

سے فارغ ہونے کے بعد اسم کی تقسیم کر رہے ہیں، شارح نے ای الاسم قسمان نکال کر اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ہو ضمیر جو اسم کی طرف راجع ہے مبتدا ہے اور اسم عام ہے اور معرب ومبنی میں سے ہر ایک اسم کی قسم ہیں لہٰذا وہ خاص ہوئے، کیونکہ اقسام مقسم سے خاص ہوتے ہیں اور یہ دونوں خبر واقع ہیں اور خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں اس لئے کہ خاص کا حمل عام پر جائز نہیں، شارح نے قسمان نکال کر بتایا کہ ہو کی خبر معرب اور مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی خبر قسمان ہے جو محذوف ہے، قسمان سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسم کی تقسیم جو معرب اور مبنی کی طرف ہے یہ تقسیم کلی کی جزئیات کی طرف ہے تقسیم الکل الی الاجزاء نہیں، کیونکہ قسم کا اطلاق جزئی پر ہوتا ہے نہ کہ جزء پر۔

قولہ لانہ لا یخلوا:۔ اس سے پہلے دعویٰ کیا تھا کہ اسم کی دو قسمیں ہیں، معرب ومبنی، شارح ان دو قسموں میں انحصار کی وجہ بیان کر رہے ہیں، وجہ حصر یہ ہے کہ اسم غیر کیساتھ مرکب ہوگا یا نہیں، اگر مرکب ہو تو پھر مبنی اصل کیساتھ مشابہ ہوگا یا نہیں، اگر مرکب ہو اور مبنی اصل کیساتھ مشابہ نہ ہو تو معرب ہے، اور اس کے علاوہ یعنی مرکب نہ ہو یا مرکب ہو لیکن مبنی اصل کیساتھ مشابہ ہو تو وہ مبنی ہے، معرب کو مبنی پر اسواسطے مقدم کیا کہ اصل اسماء میں یہ ہے کہ وہ معرب ہو، دوسری بات یہ ہے کہ معرب کے مباحث زیادہ ہیں، معرب ومبنی کی وجہ تسمیہ آئندہ معلوم ہو جائے گی، شارح خود بیان کریں گے۔

قولہ فالمعرب الذی ھو قسم من الاسم:۔ اعتراض ہوتا ہے کہ مضارع بھی معرب ہوتا ہے لیکن مصنف نے معرب کی جو تعریف کی ہے وہ مضارع کو شامل نہیں، شارح نے الذی ھو قسم من الاسم نکال کر اس کا جواب دیا ہے کہ یہاں مطلق معرب کی تعریف نہیں کی جارہی ہے بلکہ اسم معرب کی تعریف ہے۔

قولہ المرکب ای الاسم الذی رکب الخ:۔ اعتراض ہوتا تھا کہ معرب کی تعریف فعل ماضی کو شامل ہے مثلاً ضرب زید میں ضرب مرکب ہے اور مبنی اصل کے ساتھ مشابہ نہیں بلکہ خود مبنی الاصل ہے، شارح نے ای الاسم الذی رکب نکال کر جواب دیا کہ مرکب سے مراد اسم مرکب ہے اور فعل ماضی اسم نہیں لہٰذا معرب کی تعریف دخول غیر سے مانع رہی ماضی کو شامل نہ ہوئی۔

ترکیباً یتحقق معہ عاملہ فید خل فیہ زید وقائم وھؤلاء فی قولک زید قائم وقام ھؤلاء بخلاف مالیس بمرکب اصلا من الاسماء المعدودۃ کالف باتا زید،عمرو بکرو بخلاف ماھو مرکب مع غیرہ لکن لاترکیباً یحقق معہ عاملہ کغلام فی غلام زید فان جمیع ذلک من قبیل المبنیات عند المصنف الذی لم یشبہ ای لم یناسب

قولہ ترکیباً یتحقق معہ عاملہ :- یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ غلام زید میں غلام مرکب ہے لیکن مصنف کے نزدیک وہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہے، شارح نے یہ عبارت نکال کر اس کا جواب دیا ہے کہ غیر سے مراد عامل ہے، اب تعریف یہ ہوئی کہ معرب ایسا اسم ہے جس کے ساتھ اس کا عامل پایا جائے اور غلام زید میں عامل نہیں ہے۔

قولہ فید خل فیہ زید وقائم الخ :- معرب کی تعریف پر شارح نے تفریع کی ہے جو ان کی عبارت سے واضح ہے۔

قولہ الذی لم یشبہ ای لم یناسب الخ :- ای لم یناسب ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے معرب کی تعریف المرکب الذی لم یشبہ مبنی الاصل سے کی ہے یعنی جو مرکب مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو وہ معرب ہے اور مشابہت اشتراک فی الکیف کو کہتے ہیں، اب مطلب یہ ہوا کہ جو مرکب مبنی الاصل کے ساتھ کیف میں شریک نہ ہو وہ معرب ہے اور یہ تعریف لفظ این کم صادق ہے جو این زید میں ہے کیونکہ اس ترکیب میں این خبر ہے اور زید مبتدا موخر ہے، مبتدا اور خبر میں عامل معنوی ہوتا ہے یعنی ابتدار تو عامل کے ساتھ ترکیب پائی گئی اور مبنی اصل کے ساتھ کیف میں اشتراک بھی نہیں تو جب معرب کی تعریف اس پر صادق ہے تو اس کو معرب ہونا چاہئے حالانکہ وہ مبنی ہے۔ شارح نے لم یناسب نکال کر اس کا جواب دیا کہ یہاں انتفار خاص سے انتفار عام مراد ہے اس کے لئے قرینہ مبنی کی تعریف ہے، مصنف نے مبنی کی تعریف کی ہے المبنی ماناسب مبنی الاصل معرب اس کے مقابل ہے لہذا اس کی تعریف ہوگی لم یناسب مبنی الاصل تشریح اس کی یہ ہے کہ دو چیزوں میں جو مشترک پائی جاتی ہے اس کی چار قسمیں ہیں (١) مجانست دو چیزیں ایک جنس میں شریک ہوں جیسے انسان اور بقر۔ حیوانیت میں دونوں شریک ہیں حیوان دونوں کے لئے جنس ہے۔ (٢) مماثلث دو چیزیں ایک نوع میں شریک ہوں جیسے زید وعمر یہ دونوں انسانیت میں شریک ہیں اور انسان دونوں کے لئے نوع ہے۔ (٣) مشابہت کسی وصف لازم میں دو چیزیں شریک ہوں جیسے زید اور اسد یہ دونوں وصف شجاعت میں شریک ہیں زید بھی بہادر ہے اور اسد یعنی شیر بھی بہادر ہے (٤) مشاکلۃ صورت اور شکل میں شرکت ہو جیسے فرس کی تصویر کی شرکت اصل فرس کے ساتھ کہ وہ

مناسبة مؤثرة فی منع الاعراب مبنی الاصل ای المبنی الذی هو الاصل فی البناء فالاضافة بیانیة وهو الماضی والامر بغیر اللام والحرف وبهذا

صرف صورت اور شکل میں شریک ہے ۔ ایک پانچویں قسم ہے مناسبت، وہ ان سب سے عام ہے اور چاروں کو شامل ہے ۔ اب شارح کی اس تفسیر کے بعد معرب کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ ایسا مرکب ہے جو مبنی الاصل کے مناسب نہ ہو، اور این چونکہ مبنی اصل یعنی ہمزہ استفہام کے مناسب ہے یعنی ہمزۂ استفہام کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس پر معرب کی تعریف صادق نہ آئے گی ۔ مبنی اصل کے ساتھ مناسبت کی متعدد صورتیں ہیں (۱) مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این کہ یہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے (۲) اپنے معنی کے تمام ہونے میں غیر کا محتاج ہو جیسے اسماء اشارات، اسماء موصولات کہ جب تک مشار الیہ اور صلہ کا ذکر نہ کیا جائے ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے تو یہ حرف کے مناسب ہوئے (۳) مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو جیسے نزال بمعنی انزل کہ یہ مبنی اصل یعنی امر کے موقع میں واقع ہے (۴) اس اسم کے مشاکل ہو جو مبنی اصل کے موقع میں واقع ہوتا ہے جیسے فجار بمعنی الفجور کہ یہ نزال کے مشاکل ہے اور نزال بمعنی انزل امر کے موقع میں واقع ہے اور امر مبنی الاصل ہے ۔ (۵) اس اسم کی جگہ واقع ہو جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہ ہو جیسے منادی مضموم مثلاً یا زید کہ یہ اس کاف خطاب کے موقع میں واقع ہے جو کاف حرف کے مشابہ ہے اور حرف مبنی الاصل ہے (۶) مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جیسے یومئذ کہ یہ مبنی اصل یعنی اذ کی طرف مضاف ہے ۔

قولہ مناسبة مؤثرة فی منع الاعراب :- اعتراض ہوتا تھا کہ غیر منصرف پر معرب کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ اس کو ماضی کے ساتھ مناسبت ہے جس طرح فعل ماضی میں دو فرع ہیں غیر منصرف میں بھی دو فرع ہیں تو جس طرح ماضی مبنی ہے غیر منصرف بھی مبنی ہو جائے گا، اور معرب سے نکل جائے گا جس سے لازم آتا ہے کہ معرب کی تعریف جامع نہ رہی اور مبنی کی تعریف مانع نہ ہوئی، لیکن شارح کی عبارت مناسبة مؤثرة الخ سے اعتراض دفع ہو جائے گا ۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ مناسبت سے ایسی مناسبت مراد ہے جو اعراب کے لئے مانع ہو اگر ایسی مناسبت پائی جائے گی تو کلمہ معرب نہ ہوگا مبنی ہوگا اور اس قسم کی مناسبت کی چھ صورتیں اس سے قبل بیان کر دی گئی ہیں ۔ چونکہ غیر منصرف میں ان چھ صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں پائی جاتی اس لئے غیر منصرف مبنی نہ ہوگا معرب ہی رہے گا، معلوم ہوا کہ معرب اور مبنی کی تعریف پر جو اعتراض وارد کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ۔

قولہ هو الماضی والامر بغیر اللام والحرف :- مبنی اصل یہی تین چیزیں ہیں، صاحب مفصل نے

القید خرج مثل ھؤلاء فی مثل قام ھؤلاء لکونہ مشابھا لمبنی الاصل کما سیجیٔ فی بابہ ان شاء اللہ تعالٰی اعلم ان صاحب الکشاف جعل الاسماء المعدودۃ العاریۃ عن المشابھۃ المذکورۃ معربۃ ولیس النزاع فی المعرب الذی ھو اسم مفعول من قولک اعربت فان ذالک لا یحصل الا باجراء الاعراب علی اخر الکلمۃ بعد الترکیب بل فی المعرب اصطلاحا فاعتبر العلامۃ مجرد الصلاحیۃ لاستحقاق الاعراب بعد الترکیب وھو الظاھر من کلام الامام عبد القاھر واعتبر المصنف مع الصلاحیۃ حصول الاستحقاق بالفعل ولھذا اخذ الترکیب فی تعریفہ واما وجود الاعراب بالفعل فی کون الاسم معربا فلم یعتبرہ احد

جملہ کو بھی مبنی اصل میں شمار کیا ہے، مصنف نے اس سے ان کا رد کیا ہے۔

قولہ اعلم ان صاحب الکشاف الخ:- اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور صاحب مفصل نے معرب کی تعریف کی ہے المعرب مالم یشبہ مبنی الاصل اس میں مرکب کا لفظ نہیں ہے تو پھر مصنف نے معرب کی تعریف میں المرکب کا اضافہ کیوں کیا، اعلم سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ معرب کے بارے میں مصنف کا نظریہ صاحب مفصل سے مختلف ہے صاحب مفصل کے نزدیک اسماء معدودہ یعنی الف، با، تا، زید، عمرو وغیرہ معرب ہیں اگرچہ یہ عامل کے ساتھ نہیں ہیں اس لئے مرکب کا لفظ معرب کی تعریف میں نہیں لاتے، مرکب کا لفظ لانے میں اسماء معدودہ معرب نہ رہتے، کیونکہ ان میں عامل کے ساتھ ترکیب نہیں ہے اور یہ ان کے مسلک کے خلاف تھا۔ مصنف کے نزدیک اسماء معدودہ مبنی ہیں اس لئے معرب کی تعریف میں مرکب کا اضافہ کیا تاکہ اس قید کی وجہ سے اسماء معدودہ معرب سے نکل جائیں اگر ترکیب کی قید نہ لگاتے تو مصنف کے نزدیک بھی اسماء معدودہ معرب ہو جاتے حالانکہ یہ ان کے مسلک کے خلاف ہے۔ مصنف اور علامہ زمخشری کا یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ دراصل اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ کسی کلمہ کو معرب قرار دینے کا معیار کیا ہے تو علامہ زمخشری کے نزدیک معرب کہلانے کے لئے اعراب کے استحقاق کی صلاحیت کافی ہے یعنی جو کلمہ عامل کے آنے کے بعد معرب ہو سکتا ہو تو اس کو عامل کے آنے سے پہلے بھی معرب کہہ سکتے ہیں امام عبد القاہر کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔ مصنف کافیہ کے نزدیک صرف صلاحیت کافی نہیں ہے بلکہ اعراب کا استحقاق بالفعل حاصل ہو جائے اور یہ درجہ عامل کے آنے کے بعد حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مصنف نے معرب کی تعریف میں المرکب کا لفظ بڑھایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ معرب اس کلمہ کو کہیں گے جو اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہو۔

قولہ اما وجود الاعراب بالفعل الخ:- معرب کے بارے میں مصنف اور علامہ زمخشری کا اختلاف اور منشاء اختلاف ابھی بیان کیا گیا ہے، اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ معرب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر جب اعراب آجائے اس وقت معرب کہا جائے، چنانچہ جو کلمہ معرب ہے

ولذلك يقال لم تعرب الكلمة وهي معربة وانما عدل المصنف عما هو المشهور عند الجمهور من ان المعرب ما اختلف اخره باختلاف العوامل لان الغرض من تدوين علم النحو ان يعرف به احوال اواخر الكلمة في التركيب من لم يتتبع لغة العرب ولم يعرف احكامها بالسماع منهم فان العارف باحكامها كذلك مستغن عن النحو ولا فائدة له معتدا بها في معرفة اصطلاحاتهم فالمقصود من معرفة المعرب مثلا ان يعرف انه مما يختلف اخره في كلامهم ليجعل اخره مختلفا فيطابق كلامهم فمعرفة متقدمة على معرفة انه مما يختلف اخره فلوكان معرفة المتقدمة حاصلة بمعرفة هذا الاختلاف وتعريفه به وجب ان يعرف اولاً بانه مما يختلف اخره ليعرف انه مما يختلف اخره فيلزم تقدم الشئ على نفسه فينبغي ان يعرف اولاً بغير ما عرفه

اگر اس کو ساکن پڑھا جائے مثلاً جاء زید میں دال کو ساکن کیا جائے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ نے زید پر اعراب کیوں نہیں ظاہر کیا حالانکہ وہ معرب ہے تو دیکھئے زید ساکن ہے اس پر اعراب نہیں ہے پھر بھی اس کو معرب کہا گیا، معلوم ہوا کہ معرب ہونے کے لئے بالفعل اعراب ضروری نہیں ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اختلاف معرب اصطلاحی میں ہے معرب لغوی میں تو اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ لغت کے اعتبار سے تو کلمہ کو معرب اسی وقت کہا جائے گا جب اس پر اعراب آجائے اور اعراب دینے کے بعد تو سب ہی اس کو معرب کہیں گے جیسا کہ شارح نے بھی اس کو ولیس النزاع في المعرب الذي الخ سے بیان کیا ہے۔

قولہ وانما عدل الخ:۔ مصنف پر اعتراض ہوتا تھا شارح اس کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ جمہور نے تو معرب کی تعریف ما اختلف اخره باختلاف العوامل سے کی ہے تو پھر مصنف نے اس سے عدول کر کے المركب الذي لم يشبه مبني الاصل سے کیوں تعریف کی، جواب کے لئے ایک تمہید بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ علم نحو کی تدوین کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی شخص جس نے لغت عرب کا تتبع نہیں کیا اور نہ ان سے سن کر اس کے احکام کا علم حاصل ہو سکا ایسے شخص کو کلمہ کا حال معلوم ہو جائے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ معرب ہے تاکہ اس کے آخر کو عامل کے آنے کے بعد بدلتا رہے جیسا عامل آئے اس کے مطابق اعراب جاری کرے اور اگر کلمہ مبنی ہے تو اس کے ساتھ مبنی جیسا معاملہ کرے اس کا تقاضا یہ ہے کہ معرب کا علم پہلے سے ہو جانا چاہئے تاکہ جب کلام میں معرب آئے تو اس کے آخر کو عامل کے تقاضے کے مطابق بدل دے، یہ بات مصنف کی تعریف کے اعتبار سے تو حاصل ہو سکتی ہے اور جمہور کی تعریف سے یہ بات نہ حاصل ہو سکے گی کیونکہ جمہور کے نزدیک معرب کے معرفت کی عامل کے آنے سے پہلے کوئی صورت نہیں ہے۔

قولہ فيلزم تقدم الشئ على نفسه الخ:۔ یہ فرما رہے ہیں کہ جمہور کی تعریف سے عدول کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی تعریف کی بنا پر تقدم الشئ علی نفسہ کی خرابی لازم آرہی ہے جس کی تقریر یہ

بہ الجمہور ویجعل ما عرفوہ بہ من جملۃ احکامہ کما فعلہ المص وحکمہ ای من جملۃ احکام المعرب واثارہ المترتبۃ علیہ من حیث ہو معرب ان یختلف اخرہ ای الحرف الذی ہو اخر المعرب ذاتا بان یتبدل حرف بحرف اخر حقیقۃ او حکما اذا کان اعرابہ

ہے کہ شئ کی معرفت جس سے حاصل ہو اس کو مقدم ہونا چاہئے اور جس سے غرض کا علم ہوتا ہو اس کو مؤخر ہونا چاہئے جمہور نے معرب کی غرض کو جس کو مؤخر ہونا چاہئے تعریف کا درجہ دیدیا ہے جس سے تقدم الشئ علی نفسہ لازم آرہا ہے اور یہ باطل ہے اور جو مستلزم ہو باطل کو وہ خود بھی باطل ہوتا ہے، اس خرابی سے بچنے کے لئے مصنف نے معرب کی تعریف المرکب الذی الخ سے کی اور جمہور کی تعریف کو معرب کی غرض قرار دیا جس سے تقدم الشئ علی نفسہ کی خرابی سے بچ گئے۔

قولہ وحکمہ ای من جملۃ احکام المعرب:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ حکم اسم ظاہر ہے جو ہا ضمیر کی طرف مضاف ہے اور قاعدہ ہے کہ اسم ظاہر کی اضافت جب ضمیر کی طرف ہو تو اس میں استغراق ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ معرب کے سارے احکام ان یختلف اخرہ باختلاف العوامل میں منحصر ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے معرب کے بہت سے احکام ہیں جو ان میں داخل نہیں۔ اس کا جواب شارح نے من جملۃ احکام المعرب نکال کر دیا کہ معرب کے احکام بہت ہیں ان میں سے ایک حکم یہ بھی ہے۔

قولہ واثارہ المترتبۃ علیہ:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ حکم تو ذوی العقول کی صفت ہے اس کی نسبت معرب کی طرف درست نہیں، اس کا جواب دیا کہ یہاں حکم سے مراد اثر ہے اب مطلب یہ ہوا کہ معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدل جاتا ہے۔

قولہ من حیث ہو معرب:۔ یعنی عوامل کے اختلاف سے معرب کے آخر میں اختلاف ہونا یہ حکم معرب کا معرب ہونے کی حیثیت سے ہے اگر اس میں کسی دوسری حیثیت کا اعتبار کیا جائے مثلاً فاعل یا مفعول ہونے کا یا حال ہونے کا تو پھر یہ حکم نہ ہوگا، اس حیثیت کے اعتبار سے جو حکم ہونا چاہئے وہ ہوگا مثلاً فاعل ہونے کی حیثیت سے اس پر رفع آئے گا، اسی طرح دوسری حیثیات کا حکم سمجھنا چاہئے

قولہ ان یختلف اخرہ ای الحرف الذی ہو اخر المعرب الخ:۔ عوامل کے اختلاف کی وجہ سے معرب کے آخر میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) ذاتی (۲) صفتی۔ اختلاف ذاتی میں حرف مختلف ہوتا ہے، رفع کی حالت میں جو حرف ہوتا ہے نصب اور جر کی حالت میں وہ دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے، اختلاف صفتی میں ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جاتی ہے پھر یہ اختلاف حقیقۃً ہوگا یا حکماً، لفظاً ہوگا یا تقدیراً، اس طرح سے کل آٹھ صورتیں ہوئیں، چار صورتیں اختلاف ذاتی کی اور

بالحرف او صفة بان يتبدل صفة بصفة اخرى حقيقة او حكما اذا كان اعرابه بالحركة باختلاف العوامل اى بسبب اختلاف العوامل الداخلة عليه في العمل بان يعمل بعض منها خلاف ما يعمل البعض الأخر وانما خصصنا اختلافها بكونه في العمل لئلا ينتقض بمثل قولنا ان زيداً مضروب وانى ضربت زيداً وانى ضارب زيداً فان العامل في زيداً في هذه الصور مختلف بالاسمية والفعلية والحرفية مع ان أخر المعرب لم يختلف باختلافه لفظا او تقديرا نصب على التمييز اى يختلف لفظا أخره

---

چار اختلاف صفتی کی، اب ہر ایک کی مثال لکھی جاتی ہے (۱) اختلاف لفظی حقیقی من جہۃ الذات جیسے جاءنی ابوك، رأیت اباك، مررت بابیك، (۲) لفظی حقیقی من جہۃ الصفۃ جیسے جاءنی زید، رأیت زیداً، مررت بزید، (۳) لفظی حکمی من جہۃ الذات جیسے جاءنی مسلمان ومسلمون ورأیت مسلمَیْنِ ومسلِمِیْنَ ومررت بمسلمَیْنِ ومسلِمِیْنَ مثنیً ومجموعاً، (۴) لفظی حکمی من جہۃ الصفۃ جیسے جاءنی احمد، رأیت احمد ومررت باحمد، (۵) تقدیری حقیقی من جہۃ الذات جیسے جاءنی ابوالقوم ورأیت اباالقوم ومررت بابی القوم، (۶) تقدیری حقیقی من جہۃ الصفۃ جیسے جاءنی فتیً ورأیت فتیً ومررت بفتیً، (۷) تقدیری حکمی من جہۃ الذات نحو جاءنی مسلمو القوم ورأیت مسلمی القوم ومررت بمسلمی القوم، (۸) تقدیری حکمی من جہۃ الصفۃ جیسے جاءنی حبلیٰ ورأیت حبلیٰ ومررت بحبلیٰ۔

قولہ باختلاف العوامل ای بسبب اختلاف العوامل الداخلۃ علیہ فی العمل الخ:۔ شارح نے بسبب لاکر یہ بتایا ہے کہ بار سببیہ ہے، فی العمل کی قید لاکر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے کہا ہے کہ عوامل کے اختلاف سے معرب کے آخر میں اختلاف ہوجاتا ہے حالانکہ ان زیداً مضروب، انی ضربت زیداً، انی ضارب زیداً میں عامل مختلف ہیں پھر بھی زیداً کے آخر میں اختلاف نہیں ہر حال میں منصوب ہی رہا۔ اس کا جواب شارح نے فی العمل سے دیا اختلاف عوامل کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر عامل کا عمل بھی مختلف ہو اور یہاں عامل تو مختلف ہیں لیکن ان سب کا مقتضیٰ نصب ہے اس لئے زیداً کے آخر میں اختلاف نہیں ہوا، شارح نے انما خصصنا اختلافہا سے اس کی توضیح کی ہے۔

قولہ لفظاً او تقدیراً نصب علی التمییز:۔ لفظاً اور تقدیراً پر نصب کی وجہ بیان کررہے ہیں اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ تمییز کی بنا پر منصوب ہو، اس صورت میں اعتراض ہوتا ہے کہ تمییز یا تو محول عن الفاعل ہوتا ہے یا محول عن المفعول ہوتی ہے یعنی اصل کے اعتبار سے یا فاعل ہوتی ہے یا مفعول

او تقدیرہ او علی المصدریۃ ای یختلف اختلاف لفظا او تقدیرا والاختلاف لفظا کما فی قولك جاءنی زیدٌ ورأیت زیداً ومررت بزیدٍ وتقدیراً کما فی قولك جاءنی فتیً ورأیت فتیً ومررت بفتیً فان اصلہ فتیٌ وفتیاً وبفتیٍ انقلبت الیاء الفا فصار الاعراب تقدیریا والاختلاف اللفظی والتقدیری اعم من ان یکون حقیقۃ او حکما کما اشرنا الیہ لئلا ینتقض بمثل قولنا رأیت احمد ومررت باحمد وقولنا رأیت مسلمین ومررت بمسلمین مثنی او مجموعا فانہ قد اختلف العوامل فیہ ولا اختلاف فی اٰخر احمد حقیقۃ بل حکما فان فتحۃ احمد بعد الناصب علامۃ النصب وبعد الجار علامۃ الجر وکذ الحال فی التثنیۃ والجمع فاٰخر المعرب فی ہذہ الصور یختلف باختلاف العوامل حکما لا حقیقۃ فان قلت لا یتحقق الاختلاف لا فی اٰخر المعرب ولا فی العوامل اذا رکب بعض الاسماء المعدودۃ الغیر المشابہۃ لمبنی الاصل مع عاملہ ابتداء اذ لا یترتب علیہ اختلاف الاعراب بل ہناك حدوث الاعراب بدخول العامل قلت ہذا حکم اٰخر من احکام المعرب والاختلاف حکم اٰخر فلو لم یدخل احد الحکمین فی الاٰخر لا فساد فیہ فان للمعرب احکاما کثیرۃ لم تذکر ہٰہنا

---

اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، شارح نے ای یختلف لفظ اٰخرہ لاکر بتایا کہ یہ محول عن الفاعل ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس پر نصب مصدریۃ کی بناء پر ہو یعنی یختلف کا مفعول مطلق ہو، اس صورت میں تقدیر عبارت یختلف اختلاف لفظا او تقدیرا ہوگی

قولہ والاختلاف اللفظی والتقدیری اعم الخ:- اس کو تفصیل سے مع امثلہ کے ابھی بیان کردیا گیا ہے ۔

قولہ فان قلت لا یتحقق الاختلاف الخ:- اعتراض اور جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ معرب کا یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ عوامل کے اختلاف سے اس کا آخر مختلف ہوجاتا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ نہ عامل کا اختلاف ہوتا ہے اور نہ معرب کے آخر میں آتا ہے جیسے کسی معرب میں ابھی عامل داخل ہو، اس سے پہلے کوئی عامل نہ آیا ہو، جیسے کسی شخص نے مثلاً جاءنی زیدٌ کہا تو یہاں جاء عامل ابھی داخل ہوا ہے اور زید پر ابھی اعراب آیا ہے تو یہاں دخولِ عامل ہے اور حدوثِ اعراب ہے نہ عامل مختلف ہے اور نہ معرب کے آخر میں اختلاف ہوا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معرب کے بہت سے احکام ہیں ہم جو بیان کیا ہے یہ بھی معرب کا حکم ہے اور آپ نے جو بیان کیا ہے وہ بھی معرب کا حکم ہے ہم نے معرب کے سارے احکام بیان کرنے کی ذمہ داری نہیں لی، زیادہ سے زیادہ آپ کہیں گے کہ یہ حکم معرب کے خواص شاملہ میں سے نہیں ہے تو نہ ہونے دیجئے ہم نے اس کا دعویٰ کب کیا ہے ۔

فلیکن هذا الحکم ایضا من هذا القبیل غایة الامر ان هذا الحکم لا یکون من خواصه الشاملة الاعراب ما ای حرکة او حرف ف اختلف آخره ای آخر المعرب من حیث هو معرب ذاتا او صفة به ای بتلک الحرکة او الحرف وحین یراد بما الموصولة الحرکة او الحرف لا یرد النقض بالعامل والمعنی المقتضی ولو ابقیت علی عمومها خرجا بالسببیة المفهومة من قوله به فان المتبادر من السبب هو السبب القریب فی العامل والمعنی المقتضی من الاسباب البعیدة وبقید الحیثیة خرج حرکة نحو غلامی لانه معرب علی اختیار المص لکن اختلاف هذه الحرکة علی آخر المعرب لیس من حیث انه معرب بل من حیث انه ما قبل یاء المتکلم وبهذا القدر تم حد الاعراب جمعا ومنعا لکن المص اراد ان ینبه علی فائدة

قوله الاعراب ما ای حرکة او حرف الخ:۔ حرکۃ او حرف نکال کر اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اعراب کی تعریف کی ہے ما اختلف آخرہ یا ختلاف العوامل اور عامل اور معنی مقتضی للاعراب یعنی فاعلیۃ، مفعولیۃ، اضافۃ، ان دونوں کی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہو جاتا ہے حالانکہ عامل اور معنی مقتضی للاعراب میں سے کسی ایک کو بھی اعراب نہیں کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔ شارح نے حرکۃ او حرف کو نکال کر اس کا جواب دیا کہ اعراب کے لئے ضروری ہے کہ حرکت ہو یا حرف اور عامل نہ حرکت ہے نہ حرف یہی حال معنی مقتضی کا ہے، اس لئے یہ دونوں اعراب میں داخل نہ ہوئے۔

قولہ ولو ابقیت علی عمومہا:۔ فرمارہے ہیں کہ اگر ما کو عام رکھا جائے اور حرکت یا حرف کے ساتھ اس کو خاص نہ کیا جائے تو عامل اور معنی مقتضی لفظ بہ میں جو بار سبب کے لئے ہے اس سے اعراب کی تعریف سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ سبب سے مراد سبب قریب ہے اور عامل اور اسی طرح معنی مقتضی یہ دونوں معرب میں اختلاف کے لئے سبب بعید ہیں۔

قولہ وبقید الحیثیۃ الخ:۔ شارح نے اعراب کی تعریف میں اختلف آخرہ کے بعد من حیث ہو معرب کی قید لگائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعراب اس کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے معرب کا آخر معرب ہونے کی حیثیت سے مختلف ہو، یہاں سے اس قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ اس سے غلامی جیسے لفظ میں جو یار متکلم سے پہلے کسرہ ہے اس کو اعراب نہ کہیں گے کیونکہ اس پر کسرہ معرب ہونے کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ یار متکلم کے قبل واقع ہونے کی وجہ سے آیا ہے نحو غلامی سے ہر وہ اسم مراد ہے جو یار متکلم کی طرف مضاف ہو بشرطیکہ وہ جمع مذکر سالم نہ ہو۔

قولہ وبہذا القدر تم حد الاعراب الخ:۔ اعراب کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی گئی الاعراب ما اختلف آخرہ بہ اس عبارت کے بارے میں مصنف کافیہ نے کافیہ کی اپنی شرح میں لکھا ہے وبہذا القدر

اختلاف وضع الاعراب فضم الیہ قولہ لیدل علی المعانی المعتورۃ علیہ فکانہ اراد ھذا المعنی حیث قال لیس ھذا من تمام الحد لانہ خارج عن الحد واللام فی قولہ لیدل متعلق بامر خارج عن الحد یعنی وضع الاعراب المفھوم من فحوی الکلام فانہ بعید عن الفھم غایۃ البعد فاللام فیہ متعلق

---

تم حد الاعراب جمعًا و منعًا، یعنی تعریف کی اتنی عبارت سے اعراب کی تعریف جامع اور مانع ہونے کے اعتبار سے پوری ہوگئی مزید عبارت کی ضرورت نہیں آگے چل کر- لیدل علی المعانی المعتورۃ کا بھی اضافہ کیا ہے اس کے بارے میں فرمایا ہے لیس ھذا من تمام الحد- اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ لیدل الخ کو اعراب کی تعریف سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ تعریف سے بالکل خارج ہے شارح اس کا رد کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خیال درست نہیں اگر اس عبارت کو تعریف کے جامع اور مانع ہونے میں دخل نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تعریف سے اس کا کسی قسم کا تعلق بھی نہیں اس عبارت کو تعریف سے بالکل علیحدہ کردیا جائے اور لیدل کا عامل علیحدہ سے نکالا جائے جیساکہ اس زاعم نے کہا ہے کہ یہاں وضع الاعراب نکالا جائیگا اور لیدل کو اس کے متعلق کیا جائے گا، شارح فرمارہے ہیں کہ اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے لیدل کا تعلق تعریف کی عبارت سے ہے اور اختلف اس کا عامل ہے رہی یہ بات کہ جب اس عبارت کو جامع اور مانع ہونے میں دخل نہیں ہے تو پھر کس مقصد سے اس کو ذکر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اعراب کا مقصد معلوم ہوجائے اور اس کے ساتھ ساتھ اعراب کے اختلاف کی وجہ بھی معلوم ہوجائے چنانچہ بیان کیا ہے کہ اعراب تو اس واسطے وضع کیا گیا ہے کہ اس سے معرب کے آخر کا حال معلوم ہوجائے کہ اس پر رفع ہے یا نصب ہے یا جر ہے اور چونکہ اعراب کا تقاضا کرنے والے معانی یعنی فاعلیۃ، مفعولیۃ، اضافت مختلف ہیں اس لئے اعراب بھی مختلف ہوگئے حاصل یہ ہے کہ مقتضی بالکسر مختلف ہیں اس لئے مقتضیٰ بالفتح بھی مختلف ہوگئے۔

قولہ لیدل علی المعانی المعتورۃ علیہ :- معانی معتورہ سے مراد فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت کے معنی ہیں علیہ میں ہا ضمیر معرب کی طرف راجع ہے، عبارت کا ترجمہ یہ ہوا کہ تاکہ اختلاف یا مابہ الاختلاف ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر باری باری آتے ہیں، علیہ کا عامل معتورہ ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اعتوار کا صلہ علی نہیں آتا بلکہ لہ آتا ہے تو مصنف نے ایسی عبارت کیوں اختیار کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صنعت تضمین کے طور پر اعتوار کو ورود یا استیلاء کے معنی میں لیا گیا ہے، اور ان دونوں کا صلہ علی آتا ہے تضمین کی صورت یہاں پر یہ ہوگی کہ علیہ کو واردۃ یا مستولیا کے متعلق قرار دیا جائے اور اس کو معتورۃ کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے۔

بقولہ اختلف اخرہ یعنی اختلف اخرہ لیدل الاختلاف اومابہ الاختلاف علی المعانی یعنی الفاعلیۃ والمفعولیۃ والاضافۃ المعتورۃ علی صیغۃ اسم الفاعل علیہ ای علی المعرب متعلق بمعتورۃ علی تضمین مثل معنی الورود والاستیلاء یقال اعتوروا الشیٔ وتعاوروہ اذا تداولوہ ای اخذہ جماعۃ واحدۃ بعد واحدۃ علی سبیل المناوبۃ والبدلیۃ لاعلی سبیل الاجتماع فاذا تداولت المعانی المقتضیۃ للاعراب المعرب بمتعاقبۃ متناوبۃ غیر مجتمعۃ لتضادھا فینبغی ان تکون علاماتھا ایضاکذلک فوقع بسببھا اختلاف فی اٰخر المعرب فوضع اصل الاعراب للدلالۃ علی تلک المعانی ووضع بحیث یختلف بہ اٰخر المعرب لاختلاف تلک المعانی وانما جعل الاعراب فی اٰخر الاسم المعرب لان نفس الاسم

---

قولہ لیدل الاختلاف اومابہ الاختلاف :۔ لیدل کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں ان ہی دو احتمال کی طرف شارح نے اشارہ کیا ہے (۱) اختلف فعل سے جو اختلاف مصدر سمجھ میں آرہا ہے وہ ضمیر کا مرجع ہے (۲) مااختلف میں جو لفظ ما ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہو، شارح نے لفظ الاختلاف سے پہلے احتمال کو اور مابہ الاختلاف سے ثانی احتمال کو بیان کیا ہے۔ نیز اعراب کے بارے میں دو مذہب ہیں (۱) اعراب اختلاف کو کہتے ہیں (۲) اعراب مابہ الاختلاف کا نام ہے اس عبارت میں انہی دونوں مذہبوں کی طرف اشارہ ہے مصنف کا مسلک یہ ہے کہ اعراب اختلاف کا نام ہے اس لئے اس احتمال کو پہلے بیان کیا ہے

قولہ یقال اعتوروا الشیٔ الخ :۔ اعتوار کے معنی کی تحقیق ہے اعتوار کے معنی ہیں باری باری سے بدلیت کے طور پر آنا، معرب پر معانی مقتضیہ کا ورود اسی طرح ہوتا ہے فاعلیت، مفعولیت، اضافت کے معنی معرب پر اپنے تضاد کی وجہ سے ایک ساتھ نہیں آتے باری باری سے آتے ہیں باقی عبارت کا حاصل ماقبل میں گذر چکا ہے۔

قولہ انما جعل الاعراب فی اٰخر الاسم الخ :۔ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محل اعراب اسم کے آخر کو کیوں قرار دیا گیا ہے، شروع یا وسط محلِ اعراب کیوں نہیں ہیں، اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اسم تو اپنے مسمّٰی (ذات) پر دلالت کرتا ہے اور اعراب مسمّٰی کی صفت یعنی فاعلیت، مفعولیت، اضافت پر دلالت کرتا ہے، چونکہ مسمّٰی یعنی ذات کا درجہ پہلے ہے اور اس کی صفت کا درجہ بعد میں ہے اس لئے مسمّٰی پر جو دلالت کرتا ہے یعنی اسم پر اسکا درجہ پہلے ہوگا اور صفت پر جو دلالت کرتا ہے یعنی اعراب اسکا محل آخر میں ہونا چاہئے اس لئے محل اعراب اسم کے آخر کو قرار دیا گیا۔

یدل علی المسمی والاعراب علی صفة ولاشك ان الصفة متاخرة عن الموصوف فالانسب ان یکون الدال علیهما ایضا متاخرا عن الدال علیه وهو ماخوذ من اعربه اذا اوضحه فان الاعراب یوضح المعانی المقتضیة او من عربت معدته اذا فسدت علی ان یکون الهمزة للسلب فیکون معناه ازالة الفساد وسمی به لانه یزیل فساد التباس بعض المعانی ببعض وانواعه ای انواع اعراب الاسم ثلثة رفع ونصب وجر هذه الاسماء الثلثة مختصة بالحرکات والحروف الاعرابیة ولا تطلق علی الحرکات البنائیة اصلا بخلاف الضمة والفتحة والکسرة فانها مستعملة فی الحرکات البنائیة غالبا وفی الحرکات الاعرابیة علی قلة فالرفع حرکة کان او حرفا علم الفاعلیة ای علامة کون الشئ فاعلا حقیقة او حکما لیشمل الملحقات بالفاعل ایضا کالمبتدا والخبر وغیرهما والنصب حرکة کان او حرفا علم المفعولیة ای علامة کون الشئ مفعولا

---

قولہ وھو ماخوذ من اعربہ الخ :- اعراب کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ اعراب کے معنی واضح کرنے کے ہیں چونکہ اعراب معانی مقتضیہ یعنی فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت کو واضح کرتا ہے رفع کی وجہ سے فاعل کا، نصب کی وجہ سے مفعول کا، جر کی وجہ سے اضافت کا علم ہوتا ہے اس لئے اعراب کو اعراب کہتے ہیں۔

قولہ او من عربت معدتہ :- اس عبارت سے بھی اعراب کی وجہ تسمیہ بیان کر رہے ہیں کہ اعراب ماخوذ ہے عربت معدتہ سے جس کے معنی فساد کے ہیں، یہ معنی تو مجرد میں ہیں، لیکن اعراب باب افعال کا مصدر ہے اور باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے اس لئے اعراب کے معنی سلب فساد کے ہوئے چونکہ اعراب بھی بعض معانی کا بعض معانی سے التباس کے فساد کو دور کرتا ہے اس لئے اعراب کو اعراب کہتے ہیں اگر اعراب نہ ہوتا تو پتہ نہ چلتا کہ یہ فاعل ہے یا مفعول ہے یا اس میں اضافت کے معنی ہیں۔

قولہ وانواعہ ای انواع اعراب الاسم ثلثة الخ :- اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف نے اعراب کی تین قسمیں بیان کی ہیں حالانکہ جزم بھی تو اعراب ہے، شارح نے جواب دیا کہ مصنف اسم کے اعراب بیان کر رہے ہیں جزم فعل کے ساتھ خاص ہے۔ تین میں اعراب کے منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے۔ اعراب عمدہ پر دلالت کرے گا یا فضلہ پر اگر عمدہ پر دلالت کرے تو وہ رفع ہے اور اگر فضلہ پر دلالت کرتا ہے تو فضلہ پر بالذات دلالت کرتا ہے یا بواسطہ حرف جر اگر بالذات دلالت کرے تو وہ نصب ہے بواسطہ دلالت کرے تو جر ہے۔

حقيقة او حكما ليشمل الملحقات به والجر حركة كان او حرفا علم الاضافة اى علامة كون الشئ مضافا اليه واذا كانت الاضافة بنفسها مصدرا لم تحتج الى الحاق الياء المصدرية اليها كما فى الفاعلية والمفعولية وانما اختص الرفع بالفاعل والنصب بالمفعول والجر بالمضاف اليه لان الرفع ثقيل والفاعل قليل لانه واحدة فاعطى الثقيل القليل والنصب خفيف والمفاعيل كثيرة لانها خمسة فاعطى الخفيف الكثير ولما لم يبق للمضاف اليه علامة غير الجر جعل علامة له العامل لفظيا كان او معنويا ما به يتقوم اى يحصل المعنى المقتضى اى معنى من المعانى المعتورة على المعرب المقتضية للاعراب ففى جاء زيد جاء عامل اذ به حصل معنى الفاعلية فى زيد فجعل الرفع علامة لها وفى رأيت زيدا رأيت عامل اذ به حصل معنى المفعولية فى زيدا فجعل النصب علامة لها وفى مررت بزيد الباء عامل اذ به حصل معنى الاضافة فى زيد فجعل الجر علامة لها فالمفرد المنصرف اى اسم المفرد والذى لم يكن مثنى ولا مجموعا ولا غير منصرف فكزيد ورجل

---

قولہ وانما اختص الرفع الخ:- اس سے قبل بیان کیا ہے کہ الرفع علم الفاعلیۃ والنصب علم المفعولیۃ والجر علم الاضافۃ شارح اس کی وجہ بیان کررہے ہیں، جو شارح کی عبارت سے واضح ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔

قولہ العامل لفظیا کان او معنویا الخ:- یہ تعمیم اسواسطے کی تاکہ تعریف عامل لفظی اور معنوی دونوں کو شامل ہوجائے، معرب کے آخر میں جو اختلاف ہوتا ہے اس کا سبب قریب اعراب ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا اور عامل سبب بعید ہے اس لئے اس کو بعد میں بیان کیا ہے۔

قولہ یتقوم ای یحصل:- تقوم قیام سے ماخوذ ہے جوذی روح کی صفت ہے پھر اس کی اسناد مصنف نے معنی کی طرف کیوں کی، شارح نے بیان کیا کہ یہاں یتقوم کے معنی یحصل کے ہیں اب اعتراض نہ وارد ہوگا۔

قولہ فالمفرد والمنصرف:- اعراب کی تعریف اور اس کی تقسیم کے بعد اعراب کے اعتبار سے اسم کے جتنے اقسام ہیں ان کو بیان کررہے ہیں- اعراب کی دو قسمیں ہیں اعراب بالحرکت اور اعراب بالحرف، ان میں اعراب بالحرکۃ اصل ہے اس لئے پہلے اس کی قسمیں بیان کی ہیں اعراب بالحرکۃ میں بھی اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں (رفع، نصب، جر) میں علیحدہ علیحدہ اعراب آئے اس لئے پہلے اس قسم کے اسماء کا اعراب بیان کررہے ہیں ایسے اسم دو ہیں مفرد منصرف اور جمع مکسر۔

قولہ ای الاسم المفرد:- مفرد سے پہلے الاسم نکال کر بتایا کہ مفرد اسم کی صفت ہے مفرد کا اطلاق چار چیزوں کے مقابلے میں ہوتا ہے (۱) مرکب (۲) تثنیہ وجمع (۳) مضاف (۴) جملہ- یہاں تثنیہ

وكذا الجمع المكسر المنصرف اى الذى لم يكن بناء الواحد فيه سالما ولم يكن غير منصرف كرجال وطلبة فالاعراب فى هذين القسمين من الاسم على الاصل من وجهين احدهما ان الاصل فى الاعراب ان يكون بالحركة والاعراب فيهما بالحركة وثانيهما انه اذا كان الاعراب بالحركة فالاصل ان يكون بالحركات الثلث فى الاحوال الثلث والاعراب فيهما بالحركات الثلث فى الاحوال الثلث فالاعراب فيهما بالضمة رفعا اى حالة الرفع والفتحة نصبا اى حالة النصب والكسرة جرا اى حالة الجر فنصب قوله رفعا ونصبا وجرا على الظرفية بتقدير مضاف ويحتمل النصب على الحالية او المصدرية فالقسم الاول مثل جاءنى رجل ورأيت رجلا ومررت برجل والقسم الثانى مثل جاءنى طلبة ورأيت طلبة

---

اور جمع کے مقابلہ میں ہے ان دونوں کا اعراب بالحرف ہے جیسا کہ آئندہ اس کو بیان کریں گے، منصرف کی قید سے غیر منصرف خارج ہوگیا اس کا اعراب ابھی معلوم ہوجائے گا۔

قولہ وکذا الجمع المکسر:۔ کذا لا کر بتایا کہ جمع مکسر مشبہ ہے اور مفرد منصرف مشبہ بہ ہے یہاں مشبہ کا عطف مشبہ بہ پر ہے۔

قولہ الذی لم یکن بناء الواحد فیہ سالما:۔ یہ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مکسر کسر سے ماخوذ ہے جس کے معنی نقصان کے ہیں لہذا جس جمع کے اندر زیادتی ہو اس کو شامل نہ ہوگی جیسے رجال کہ اس کا واحد رجل ہے اس میں جمع کے وقت الف کی زیادتی کرکے رجال جمع آئی۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں جمع مکسر لغوی مراد نہیں بلکہ جمع مکسر اصطلاحی مراد ہے کہ جس میں واحد کا وزن سالم نہ رہے خواہ اس میں زیادتی ہوئی ہو۔ جیسے رجال یا کمی ہوئی ہو جیسے طلبۃ اس میں تاء علیحدہ کلمہ ہے یہ طالب کی جمع ہے مفرد میں الف تھا جمع میں اس کو حذف کردیا گیا۔

قولہ فالاعراب فی ھذین القسمین:۔ شرح ظاہر ہے۔

قولہ فالاعراب فیھما بالضمۃ:۔ فالاعراب لا کر اشارہ کیا کہ بالضمۃ خبر ہے اور اس کا مبتدا فالاعراب محذوف ہے یہ بھی احتمال ہے فالاعراب مبتدا ہو اور بالضمۃ کا عامل یعربان محذوف ہو، یعربان فعل ضمیر تثنیہ (ھما) اس کا نائب فاعل بالضمۃ اس کے متعلق یعربان فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر الاعراب مبتدا کی خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

قولہ فنصب قولہ رفعا ونصبا وجرا:۔ ان کے نصب میں تین احتمال ہیں (۱) ظرف (۲) حال (۳) مفعول مطلق۔ ظرف کی حالت میں مضاف محذوف ہوگا ای حالۃ الرفع۔ حالۃ النصب۔ حالۃ الجر حال ہونے کی صورت میں ان کو اسم مفعول یعنی مرفوع، منصوب، مجرور کے معنی میں کیا جائے گا تاکہ

وص رت بطلبة جمع المؤنث السالم وهو ما يكون بالالف والتاء واحترز به عن المكسر فانه قد علم بالضمة رفعًا والكسرة نصبًا وجرًا فان النصب فيه تابع للجر اجراءً للفرع على وتيرة الاصل الذی هو جمع المذكر السالم فان النصب فيه تابع للجر كما سيجیٔ ذكره مثل جاء تنى مسلمات و رأيت مسلمات ومررت بمسلمات غير المنصرف بالضمة رفعًا والفتحة نصبًا وجرًا فالجر فيه تابع للنصب لما سنذكره نحو جاءنی احمد ورأيت احمد ومررت باحمد اخوك وابوك وحموك بكسر الكاف لان الحم قريب المرأة من

---

ذوالحال پر حال کا حمل ہو سکے مفعول مطلق کی صورت میں ان سے پہلے ان کے مناسب فعل نکالا جائیگا ای رفع رفعًا۔ نصب نصبًا، جر جرًا۔

قولہ جمع المؤنث السالم :۔ اس میں لفظ مؤنث جمع کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور لفظ سالم جمع کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

قولہ وھو ما یکون بالالف والتاء :۔ بظاہر مصنف کی اس عبارت کا یہ مطلب معلوم ہوتا تھا کہ مفرد مؤنث اور اس کی جمع سالم ہو مکسر نہ ہو تو اس کا اعراب بالضمۃ رفعًا والکسرۃ نصبًا وجرًا ہوگا تو اس سے مرفوعات، منصوبات، مجرورات خارج ہو جائیں گے اور ان کا یہ اعراب نہ ہونا چاہئے کیونکہ ان کا مفرد مذکر ہے یعنی مرفوع، منصوب، مجرور ہے، اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ یہاں جمع مؤنث سالم اصطلاحی مراد ہے یعنی جو جمع الف اور تار کے ساتھ آتی ہو اس کا یہ اعراب ہے خواہ اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث ہو۔

قولہ غیر المنصرف :۔ منصرف کا اعراب اس سے قبل معلوم ہو چکا ہے، اب غیر المنصرف کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ جمع مؤنث سالم اور غیر منصرف ان دونوں کا اعراب بھی بالحرکت ہوتا ہے، لیکن تینوں حالتوں میں علیحدہ علیحدہ حرکت نہیں ہوتی اس لئے ان دونوں کو مفرد منصرف اور جمع مکسر کے بعد لائے ہیں اور غیر منصرف پر جمع مؤنث سالم کو اس واسطے مقدم کیا کہ اس کا اعراب کبھی متغیر نہیں ہوتا اور غیر منصرف کا اعراب ضرورتِ شعری اور اضافت کی وجہ سے یا الف ولام داخل ہونے کے بعد بدل جاتا ہے۔

قولہ اخوک وابوک :۔ اس سے پہلے چار قسمیں بیان کی گئیں جن کا اعراب بالحرکت ہوتا ہے، اب ایسی اقسام کا بیان ہے جن کا اعراب بالحرف ہوتا ہے، سب سے پہلے اسمارستہ مکبرہ کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ ان اسمار کا اعراب رفع کی صورت میں واؤ کے ساتھ نصب الف کے ساتھ اور جر یار کے ساتھ ہوتا ہے مگر اس کے لئے کچھ قیود ہیں (۱) مکبر ہوں، تصغیر کی صورت میں ان کا اعراب حرکت

من جانب زوجها فلا یضاف الا الیها وهو ك والهن الشئ المنکر الذی یستهجن ذکره کالعورة الغلیظة والصفات الذمیمة والافعال القبیحة وهذه الاسماء الاربعة منقوصات واویة وفوك وهو اجوف واوی لامه هاء اذ اصله فوه وذو مال وهو لفیف مقرون بالواوین اذ اصله ذوو وانما اضیف ذو الی الاسم الظاهر دون الکاف لانه لا یضاف الا الی اسماء الاجناس فاعراب هذه الاسماء الستة بالواو رفعاً والالف نصباً والیاء جراً ولکن لا مطلقا بل حال کونها مکبرة اذ مصغرة اعرابها بالحرکات نحو جاءنی أخیك ورأیت أخیّك ومررت بأخیّك وموحدة اذ المثنی والمجموع منها معربان باعراب التثنیة والجمع وانما لم یصرح بهذین القیدین اکتفاءً بالامثلة مضافة لانها اذا کانت مکبرة وموحدة ولم تکن مضافة اصلا فاعرابها بالحرکات نحو جاءنی اخ ورأیت اخاً ومررت باخٍ فینبغی ان تکون مضافة ولکن الی غیر یاء المتکلم لانها اذا کانت مضافة الی یاء المتکلم فحالها کسائر الاسماء المضافة الیها ولم یکتف فی هذا الشرط بالمثال لئلا یتوهم اشتراط اضافتها بکونها الی الکاف وانما جعل اعراب هذه الاسماء بالحروف لانهم لما جعلوا اعراب المثنی وجمع المذکر السالم بالحروف ارادوا ان یجعلوا اعراب

ـــ کے ساتھ ہوگا جیسے جاءنی أُخَیُّكَ ورأیت أُخَیَّكَ ومررت بأُخَیِّكَ (۲) واحد ہوں اگر تثنیہ یا جمع ہوں گے تو تثنیہ جمع جیسا اعراب ہوگا (۳) مضاف ہوں اگر مضاف نہ ہوں گے تب بھی اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاءنی اخ ورأیت اخاً ومررت باخٍ (۴) غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں اگر یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں گے تو دیگر اسماء کا جو اعراب یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں ہوتا ہے وہی اعراب ان کا ہوگا۔ ان قیود میں سے دو قیدیں مکبر اور موحد کو مصنفؒ نے صراحۃً ذکر نہیں کیا مثالوں پر اکتفاء کیا ہے باقی دو قیدیں مضافة الی غیر یاء المتکلم کو صراحۃً ذکر کی ہیں مثالوں پر اکتفاء نہیں کیا اس لئے کہ مثالوں میں اضافت کاف کی طرف ہو رہی ہے اگر مثالوں پر اکتفاء کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ ان اسماء کا یہ اعراب اس وقت ہوگا جب کاف کی طرف مضاف ہوں حالانکہ ایسا نہیں اگر ضمیر غائب یا ضمیر جمع متکلم کی طرف مضاف ہوں تب بھی یہی اعراب ہوگا۔

قولہ وانما اضیف ذو الی الاسم الظاهر:۔ ذو کی اضافت ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف ہوتی ہے ضمیر کی طرف نہیں ہوتی، اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ ذو کی وضع اس لئے ہے کہ وہ اسم جنس کو کسی دوسرے اسم کی صفت قرار دے کیونکہ صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اسم جنس موصوف کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا اس لئے ذو کو واسطہ بنایا گیا تاکہ اس کے ذریعہ اسم جنس کا قیام موصوف کے ساتھ ہوسکے چنانچہ رجل مالٌ نہ کہیں گے بلکہ رجل ذو مال کہیں گے۔

قولہ وانما جعل اعراب هذه الاسماء بالحروف:۔ سوال ہوتا ہے کہ ان اسماء ستہ مکبرہ موحدہ کا اعراب

بعض الاحاد ایضاً کذلک لئلا یکون بینہما و بین الاحاد وحشۃ ومنافرۃ تامۃ وانما اختاروا اسماءً ستۃ لان اعراب کل من المثنی والمجموع ثلثۃ فجعلوا فی مقابلۃ کل اعراب اسماء وانما اختاروا ھذہ الاسماء الستۃ لمشابہتہا المثنی والمجموع فی کون معانیہا منبئۃ عن تعدد لوجود حرف صالح للاعراب فی اواخر حین الاعراب سماعاً بخلاف سائر الاسماء المحذوفۃ الاعجاز کید ودم فانہ لم یسمع فیہما من العرب اعادۃ الحرف المحذوفۃ عند الاعراب المثنی وما یلحق بہ وھو کلا وکذا کلتا ولم یذکرہ لکونہ فرع کلا مضافا ای حال کون کلا وکلتا مضافا الی مضمر وانما قید بذلک لان کلا باعتبار لفظہ مفرد وباعتبار معناہ مثنی فلفظہ یقتضی الاعراب بالحرکات ومعناہ یقتضی الاعراب بالحروف فرعی فیہ کلا الاعتبارین فاذا اضیف الی المظہر الذی ھو الاصل رعی جانب لفظہ الذی ھو الاصل فاعرب بالحرکات التی ھو الاصل لکن تکون حرکاتہ تقدیریۃ لان آخرہ الف تسقط بالتقاء الساکنین نحو جاءنی کلا الرجلین ورأیت کلا الرجلین ومررت بکلا الرجلین واذا اضیف الی المضمر الذی ھو الفرع رعی جانب معناہ الذی ھو الفرع واعرب بالحروف التی ھی الفرع نحو جاءنی کلاھما ورأیت کلیہما ومررت بکلیہما فلذلک قید کون اعرابہ بالحروف بکونہ مضافاً

تو بالحرکۃ ہونا چاہئے کیونکہ مفرد کا اعراب بالحرکۃ ہوتا ہے۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ تمام تثنیہ اور جمع کا اعراب تو بالحروف ہوتا ہے تو اگر تمام مفردات کا اعراب بالحرکۃ ہوتا کسی مفرد کا اعراب بالحروف نہ ہوتا تو تثنیہ، جمع اور مفرد میں نفرت تامہ پیدا ہو جاتی، اس لئے اس نفرت سے بچنے کے لئے بعض مفردات کا بھی اعراب حروف کے ساتھ کیا گیا۔ رہی یہ بات کہ ان چھ اسموں کو کیوں اختیار کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ کی تین حالتیں ہیں رفع، نصب، جر۔ اسی طرح جمع کی تین حالتیں ہیں دونوں کی حالتیں ملا کر چھ حالتیں ہوئیں اس لئے ہر حالت کے مقابلے میں ایک ایک اسم مفرد کو لیا گیا اس لئے چھ اسم ہوتے اور انھیں چھ اسموں کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ اسماء مفردہ میں یہی چھ اسم ایسے تھے جن کو تثنیہ اور جمع کے ساتھ مشابہت ہے جس طرح تثنیہ اور جمع تعدد پر دلالت کرتے ہیں یہ اسماء بھی تعدد پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ ان کے معانی سے واضح ہے نیز ان کے آخر میں ایسا حرف ہے جس میں اعراب بالحروف کی صلاحیت ہے، اسماء محذوفۃ الاعجاز اگرچہ تعدد پر دلالت کرتے ہیں لیکن ان کے آخر کا حرف محذوف ہے اور استعمال میں کبھی بھی اس کا اعادہ نہیں ہوتا اس لئے ان کے اندر اعراب بالحروف کی صلاحیت نہیں ہے۔

قولہ المثنی وما یلحق بہ وھو کلا وکذا کلتا الخ:۔ تثنیہ اور ملحقات کا اعراب بحالت رفع الف کے ساتھ اور بحالت نصب وجر یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کلا اور کلتا ضمیر کی طرف مضاف ہوں ورنہ ان کا اعراب تثنیہ جیسا نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ کلا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے

الی مضمر واثنان وکذا اثنتان و ثنتان فان هذه الالفاظ وان کانت مفردة لکن صورتها صورة التثنیة ومعناها معنی التثنیة فالحقت بها بالالف رفعاً والیاء المفتوح ما قبلها نصباً وجراً کما سیجئ جمع المذکر السالم والمراد به ما سمی به اصطلاحاً وهو الجمع بالواو والنون فیدخل فیه نحو سنین و ارضین مما لم یکن واحدة مذکراً لکن الجمع بالواو والنون وما الحق به وهو اولو الجمع ذو لا عن لفظه وعشرون واخواتها ای نظائرها السبع وهی ثلثون الی تسعین فلیس عشرون جمع عشرة ولا ثلثون جمع ثلثة والا لصح اطلاق عشرین علی ثلثین لانه ثلثة مقادیر العشرة و اطلاق ثلثین علی التسعة لانها ثلثة مقادیر الثلثة وعلی هذا القیاس البواقی وایضاً هذه الالفاظ تدل علی معان معینة ولا تعیین فی الجموع بالواو رفعاً والیاء المکسور ما قبلها نصباً وجراً وانما جعل اعراب المثنی مع ملحقاته

اور معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے اور اضافت کے اعتبار سے بھی دو صورتیں ہیں (۱) اسم ظاہر کی طرف۔ (۲) اسم ضمیر کی طرف، اسم ظاہر کی اضافت اصل ہے اور ضمیر کی طرف فرع اول کی، اسی طرح لفظ اور معنی میں لفظ اصل ہے اور معنی فرع ہے اور کلا کا استعمال بغیر اضافت نہیں ہوتا تو جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو جو اصل ہے تو لفظ کی رعایت کی جائے گی جو کہ اصل ہے اور اعراب بالحرکۃ دیا جائے گا جو اصل ہے اور جب ضمیر کی طرف مضاف ہو جو فرع ہے تو معنی کی رعایت کی جائے گی جو فرع ہے اور اعراب بالحروف دیا جائے گا جو فرع ہے۔ غرضیکہ اگر استعمال میں اصل کی رعایت کی گئی ہے تو اعراب بھی اصل کے مطابق ہوگا اور اگر استعمال فرعی ہے تو اعراب بھی فرعی ہوگا۔

قولہ جمع المذکر السالم:- مذکر مضاف الیہ اور سالم جمع کی صفت ہے، یہاں سے جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات اولو، عشرون، ثلثون وغیرہ کا اعراب بیان کر رہے ہیں، ان کا اعراب بحالت رفع واو کے ساتھ اور بحالت نصب وجر یاء ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا، جمع المذکر السالم کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعراب جب ہوگا کہ مذکر کی جمع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ سنۃ مؤنث لفظی اور ارض مؤنث سماعی ہیں اور ان کی جمع کا بھی یہی اعراب ہے۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ جمع مذکر سالم اصطلاحی مراد ہے اور جمع اصطلاحی وہ جمع ہے جو واو اور نون کے ساتھ ہو خواہ اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث، سالم کی قید سے مکسر کو خارج کرنا مقصود ہے جمع مکسر کا اعراب گذر چکا ہے، عشرون، ثلثون، اربعون وغیرہ جمع نہیں ہیں اس کی وجہ شارح نے خود بیان کی ہے۔

قولہ وانما جعل اعراب المثنی مع ملحقاتہ الخ:- یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تثنیہ اور اس کے ملحقات اسی طرح جمع اور اس کے ملحقات کا اعراب بالحروف اس واسطے دیا گیا ہے کہ تثنیہ اور جمع یہ واحد کی فرع ہیں لہٰذا ان کا یہ اعراب بھی واحد کی فرع کے اعراب کی طرح ہونا چاہئے اور جب ان کا

والجمع مع ملحقاتہ بالحروف لانھما فرعان للواحد وفی اٰخرھما حرف یصلح للاعراب وھو علامۃ التثنیۃ والجمع فناسب ان یجعل ذلک الحرف اعرابھما لیکون اعرابھما فرعاً للاعراب کما انھما فرعان لہ لان الاعراب بالحروف فرع للاعراب بالحرکات ولما جعل اعرابھما بالحروف وکان حروف الاعراب ثلثۃ واعرابھما ستۃ ثلثۃ للمثنی وثلثۃ للمجموع فلو جعل اعراب کل واحد منھما بتلک الحروف الثلثۃ لوقع الالتباس ولو خص المثنی بھا بقی المجموع بلا اعراب ولو خص المجموع بھا بقی المثنی بلا اعراب فوزعت علیھما بان جعلوا الالف علامۃ الرفع فی المثنی لانہ الضمیر المرفوع للتثنیۃ فی الفعل نحو یضربان وضربا والواو علامۃ الرفع فی المجموع لانہ الضمیر المرفوع للجمع فی الفعل نحو یضربون وضربوا وجعلوا اعرابھما بالیاء حال الجر علی الاصل وفرقوا بینھما بان فتحوا ما قبل الیاء فی التثنیۃ لخفۃ الفتحۃ وکثرۃ التثنیۃ وکسروہ فی الجمع لثقل الکسرۃ وقلۃ المجموع وحملوا النصب علی الجر لا علی الرفع لمناسبۃ النصب الجر لوقوع کل منھما فضلۃ فی الکلام ولما فرغ من تقسیم الاعراب الی الحرکۃ والحرف وبیان مواضعھما المختلفۃ شرع فی بیان مواضع الاعراب اللفظی والتقدیری اللذین اشیر الی تقسیمہ الیھما فیما سبق ولما کان التقدیری اقل اشار الیہ اولاً ثم بین ان اللفظی

---

اعراب بالحروف ہے تو حروف تو کل تین ہیں اور تثنیہ اور جمع کی تین تین حالتیں ہیں اس طرح کل چھ صورتیں پیدا ہوئیں تین حالتیں تثنیہ کی اور تین جمع کی اور اعراب کے حروف کل تین ہیں، الف، واو اور یاء، اب اگر ان تین حروف کو تثنیہ اور جمع کا مشترکہ اعراب قرار دیا جائے تو تثنیہ اور جمع میں التباس لازم آئے گا متعین طور پر کسی کو نہ تثنیہ کہہ سکیں گے اور نہ جمع۔ اور اگر یہ تینوں حروف تثنیہ کو دیدیں تو جمع بغیر اعراب کے اور جمع کو دیدیں تو تثنیہ بغیر اعراب کے رہے گا۔ اس لئے اعراب کے ان تینوں حروف کو تثنیہ اور جمع کے درمیان تقسیم کیا گیا، تقسیم کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ الف کو تثنیہ میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ فعل میں رفع کی علامت ہے اور واو کو جمع میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ فعل میں رفع کی علامت ہے اب صرف ایک حرف یاء باقی ہے اور حالتیں چار ہیں تثنیہ کی نصبی اور جری حالت اسی طرح جمع کی بھی دو حالتیں ہیں اس کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ تثنیہ اور جمع کی جری حالت میں یاء لائی گئی اور ان دونوں میں فرق اس طرح کیا گیا کہ تثنیہ میں یاء کا ماقبل مفتوح ہوگا اور جمع میں یاء کا ماقبل مکسور ہوگا اور ان دونوں کی نصبی حالت کو ہر ایک کی جری حالت کے تابع کر دیا گیا۔

قولہ ولما فرغ من تقسیم الاعراب الخ۔ اس سے پہلے اعراب کی تقسیم اعراب بالحرکت اور اعراب بالحروف کی طرف کی تھی اور ان دونوں قسم کے اعراب کبھی لفظی ہوتے ہیں کبھی تقدیری، اس لئے اب ان دونوں کے مواقع بیان کر رہے ہیں اور بیان کی صورت یہ اختیار کی ہے کہ اعراب

فیما عدا ہ فقال التقدیر ای تقدیر الاعراب فیما ای فی الاسم المعرب الذی تعذر الاعراب فیہ ای امتنع ظہورہ فی لفظہ وذلک اذا لم یکن الحرف الذی ھو محل الاعراب قابلا للحرکۃ الاعرابیۃ کما فی الاسم المعرب بالحرکۃ الذی فی آخرہ الف مقصورۃ سواء کانت موجودۃ فی اللفظ کالعصا بلام التعریف او محذوفۃ بالتقاء الساکنین کعصًا بالتنوین فان الالف المقصورۃ فی الصورتین غیر قابلۃ للحرکۃ وکما فی الاسم المعرب بالحرکۃ المضاف الی یاء المتکلم نحو غلامی فانہ لما اشتغل ما قبل یاء المتکلم بالکسرۃ للمناسبۃ قبل دخول العامل امتنع ان یدخل علیہ حرکۃ اخری بعد دخولہ موافقۃ لہا او مخالفۃ فما ذھب الیہ بعض من ان اعراب مثل ھذا الاسم فی حالۃ الجر لفظی غیر مرضی مطلقا ای فی الاحوال الثلث یعنی کون الاعراب تقدیریا فی ھذین النوعین من الاسم المعرب انما ھو فی جمیع الاحوال غیر مختص ببعضہا او استثقل عطف علی تعذر ای تقدیر الاعراب فیما تعذر او فی الاسم الذی استثقل ظہور الاعراب فی لفظہ وذلک اذا کان محل الاعراب قابلا للحرکۃ الاعرابیۃ ولکن

---

تقدیری کے مواقع کو تو متعین طور پر بیان کیا ہے اور اعراب لفظی کے بارے میں واللفظی فیما عداہ کہدیا، اس میں پورا مقصد بھی حاصل ہوگیا اور اختصار بھی ملحوظ رہا۔ اعراب تقدیری کے مواقع دو ہیں (۱) جہاں متعذر ہو۔ (۲) جہاں ثقیل ہو۔ تعذر کا مطلب یہ ہے کہ وہاں اعراب نہ آسکتا ہو اور ثقیل کا مطلب یہ ہے کہ اعراب تو آسکتا ہو لیکن دشوار ہو، جہاں اعراب متعذر ہوتا ہے اس کے دو محل ہیں (۱) اسم مقصور یعنی جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو، خواہ لفظوں میں باقی رہے العصا یا حذف ہو جائے جیسے عصًا (۲) غیر جمع مذکر سالم جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے غلامی، تعذر کی یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں جن میں رفع، نصب، جر تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا، جہاں اعراب ثقیل ہوتا ہے اس کے بھی دو محل ہیں اسم منقوص یعنی جس اسم کے آخر میں یاء ما قبل مکسور ہو خواہ محذوف ہو جائے جیسے قاضٍ یا موجود ہو جیسے القاضی اس میں رفع اور جر کی حالت میں اعراب تقدیری ہوتا ہے نصب میں اعراب تقدیری نہیں ہوتا کیونکہ یاء پر رفع اور کسرہ ثقیل ہوتا ہے فتحہ ثقیل نہیں ہوتا۔ (۲) جمع مذکر سالم جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو، اس میں رفع کی حالت میں اضافت کی وجہ سے حذف ہو جائے گا اس کے بعد واو اور یاء کے جمع ہو جانے کی وجہ سے واو کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام ہو جائے گا اور واو کا وجود ختم ہو جائے گا اب اعراب کس پر آئے اس لئے اعراب تقدیری ہوگیا، نصب اور جر کی حالت میں جمع کا اعراب یاء کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ موجود ہے اس لئے کہ یاء کا ادغام ہی تو ہوا ہے تو کیا ادغام کے بعد مدغم کا وجود ختم ہو جاتا ہے ہرگز نہیں اس لئے یاء جس کے

یکون ظہورہ فی اللفظ ثقیلا علی اللسان کما فی الاسم الذی فی اٰخرہ یاء مکسور ما قبلہا سواء کانت محذوفۃ بالتقاء الساکنین کقاض اوغیر محذوفۃ کالقاضی رفعاً وجراً ای فی حالتی الرفع والجر لا فی حالۃ النصب لاستثقال الضمۃ والکسرۃ علی الیاء دون الفتحۃ ونحو مسلمی عطف علی قولہ کقاض یعنی تقدیر الاعراب للاستثقال قد یکون فی الاعراب بالحرکۃ وقد یکون فی الاعراب بالحرف فی نحو مسلمی بخلاف تقدیر الاعراب للتعذر فانہ مختص بالاعراب بالحرکۃ رفعاً یعنی تقدیر الاعراب فی نحو مسلمی انما ھو فی حالۃ الرفع فقط دون النصب والجر نحو جاء نی مسلمی فان اصلہ مسلموی بسقوط النون بالاضافۃ فاجتمع الواو والیاء والسابق منہما ساکن فانقلبت الواو یاء وادغمت الیاء فی الیاء وکسر ما قبل الیاء فلم یبق علامۃ الرفع التی ھی الواو فی اللفظ فصار الاعراب فی حالۃ الرفع تقدیریا بخلاف حالتی النصب والجر فان الادغام لا یخرج الیاء عن حقیقتہا فان الیاء المدغمۃ ایضاً یاء وقد یکون الاعراب بالحروف تقدیریا فی الاحوال الثلث فی مثل جاء نی ابو القوم ورأیت ابا القوم ومررت بابی القوم فانہ لما سقط حرف الاعراب عن اللفظ بالتقاء الساکنین لم یبق الاعراب لفظاً بل صار تقدیریا واللفظی ای الاعراب المتلفظ بہ

---

ساتھ اعراب دیا گیا ہے چونکہ موجود ہے لہذا اعراب لفظی ہوا نہ کہ تقدیری ۔

قولہ ونحو مسلمی عطف علی قولہ کقاض یعنی تقدیر الاعراب الخ:- ابھی بیان کیا گیا ہے کہ اعراب تقدیری کبھی تعذر کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی ثقل کی وجہ سے، تعذر کی وجہ سے اعراب تقدیری صرف اعراب بالحرکۃ میں ہوتا ہے اور تینوں حالتوں میں ہوتا ہے اور ثقل کی وجہ سے اعراب تقدیری اعراب بالحرکۃ اور اعراب بالحرف دونوں میں ہوتا ہے لیکن تینوں حالتوں میں نہیں ہوتا اعراب بالحرکۃ کی صورت میں رفع اور جر میں تقدیری ہوتا ہے اور اعراب بالحرف کی صورت میں صرف رفع کی صورت میں ہوتا ہے البتہ کبھی کبھی اعراب بالحرف کی صورت میں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہو جاتا ہے جیسے جاء نی ابو القوم ورأیت ابا القوم ومررت بابی القوم لیکن ایسا کم ہوتا ہے ۔

قولہ واللفظی ای الاعراب المتلفظ بہ فیما عداہ:- اعراب تقدیری جن اسموں میں ہوتا ہے ان کا بیان اس سے قبل کیا ہے اس کے علاوہ تمام مواقع اعراب لفظی کے ہیں اس لئے مختصر الفاظ میں واللفظی فیما عداہ کہہ کر اعراب کی بحث کو ختم کر دیا اگر اعراب لفظی کے مقامات کو تفصیل سے بیان کرتے تو تطویل لاطائل تھی جب اختصار کی صورت میں مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو بلا وجہ تطویل سے کیا فائدہ ۔ لفظی کی تفسیر شارح نے الاعراب المتلفظ کے ساتھ اس وجہ سے کی کہ نحو کا قاعدہ ہے جب کسی اسم میں یا نسبتی ہوتی ہے تو اس کا حکم مشتقات کا ہو جاتا ہے اور ہر اسم مشتق کے لئے موصوف ہوتا ہے

فیما عدا ہ یعنی فیما عداہ ای ممّا تعذر فیہ الاعراب او استثقل ولما ذکر فی تفصیل المعرب المنصرف وغیر المنصرف وکان غیر المنصرف اقل من المنصرف فی بمعنی فتہ یعنی فی المنصرف علی قیاس الاعراب التقدیری واللفظی عن وغیر المنصرف واکتفی بتعریفہ فقال ۔

## غیر المنصرف

ما ای اسم معرب فیہ علتان توثران

اس لئے لفظی کا موصوف اعراب نکالا، اب عبارت کے معنی ہوئے ایسا اعراب جس کا تلفظ کیا جاتے ۔

قولہ فیما عداہ :۔ اعتراض ہوتا ہے کہ اعراب تقدیری کے مواقع تو دو قسم کے ہیں (۱) جہاں اعراب متعذر ہو (۲) جہاں ثقیل ہو، اس کا تقاضا تھا کہ فیما عداہما کہا جاتا لیکن مصنفؒ بجائے تثنیہ کی ضمیر کے واحد کی ضمیر لائے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر واحد کی لفظ ما کی طرف راجع ہے جو ما تعذر میں ہے اور وہ واحد ہے اور مذکر ہے اس لئے ضمیر اور مرجع میں عدم مطابقت کا اعتراض وارد نہ ہوگا، اب عبارت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جن اسماء میں اعراب متعذر یا ثقیل ہوتا ہے ان اسموں کے علاوہ میں اعراب لفظی ہوتا ہے تو ما کا مصداق تو کئی اسم ہوئے لیکن وہ لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اس لئے عداہ کی ضمیر اس کی طرف راجع ہو سکتی ہے ۔

غیر المنصرف :۔ اسم معرب کی دو قسمیں ہیں منصرف اور غیر منصرف، مصنف ان دونوں قسموں کو بیان کر رہے ہیں غیر منصرف کے لئے کچھ شرائط ہیں یہی وجہ ہے کہ منصرف کے اعتبار سے غیر منصرف کی تعداد کم ہے اس لئے مصنفؒ نے اس کو مقدم کیا جب غیر منصرف کی معرفت حاصل ہو جائے گی تو اس سے منصرف کا پہچاننا آسان ہو جائے گا ۔

قولہ ما ای اسم معرب :۔ غیر منصرف کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے مافیہ علتان من علل تسع الخ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ ضربت میں بھی دو علتیں ہیں تانیث اور وزن فعل حالانکہ یہ مبنی ہے نہ کہ غیر منصرف، اس کا جواب اسم نکال کر دیا کہ ما اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اسم ہے اور ضربت فعل ہے اسم نہیں ہے، پھر اعتراض ہوتا تھا کہ حضار اسم ہے اور اس میں دو علتیں پائی جاتی ہیں علمیۃ اور تانیث پھر بھی غیر منصرف نہیں ہے بلکہ مبنی ہے ۔ اس کا جواب معرب نکال کر دیا کہ غیر منصرف اسم معرب کی قسم ہے جس اسم معرب میں دو علتیں پائی جائیں گی وہ غیر منصرف ہوگا اور حضار اسم مبنی ہے لہذا اس پر غیر منصرف کی تعریف صادق نہ آئی

قولہ فیہ علتان توثران :۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ قائمۃ میں دو علتیں پائی جاتی ہیں تانیث اور وصفیت پھر بھی غیر منصرف نہیں ہے ۔ اس کا جواب توثران سے دیا ہے کہ

باجتماعہما او استجماع شرائطہما فیہا اثر اسیجیٔ ذکرہ من علل تسع او علۃ واحدۃ منہا ای من تلک التسع تقوم ھذہ العلۃ الواحدۃ مقامہما ای مقام ھاتین العلتین بان تؤثر وحدھا تاثیرہما وھی ای العلل التسع مجموع ما فی ھذین البیتین من الامور التسعۃ لا کل واحد حتی یقال لا یصح الحکم علی العلل التسع بکل واحد من ھذہ الامور وذلک المجموع شعر عدل ووصف وتانیث ومعرفۃ ؛ وعجمۃ ثم جمع ثم ترکیب

---

دوعلتیں ایسی ہوں جو مؤثر ہوں اور قائمۃ میں تانیث مؤثر نہیں ہے کیونکہ تانیث غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ علم ہو اور یہاں علم نہیں ہے۔

قولہ باجتماعہما :۔ اس سے اشارہ کیا کہ دوعلتوں کا مجموعہ مؤثر ہوتا ہے ہر ہر واحد انفرادی طور پر مؤثر نہیں ہے۔

قولہ او استجماع شرائطہما :۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ نوح میں دوعلتیں مؤثر پائی جاتی ہیں عجمہ اور علمیۃ پھر بھی مختار قول پر غیر منصرف نہیں ہے۔ اس کا جواب شارح نے دیا کہ دو علتیں ایسی ہوں، جن میں ان کی تاثیر کے شرائط بھی پائے جاتے ہوں اور عجمہ کی تاثیر کیلئے شرط یہ ہے کہ متحرک الاوسط ہو یا زیادتی علی الثلاثۃ ہو اور لفظ نوح میں ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی۔

قولہ بان تؤثر الخ :۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ قیام کی نسبت علت کی طرف صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ قیام کا تصور تو اجسام میں ہوتا ہے لہذا تقوم کا فاعل علت کو نہیں بنایا جاسکتا وہ تو اعراض کے قبیلے سے ہے نہ کہ اجسام کے، اس کا جواب بان توثر سے دیا ہے کہ قام مقام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس جیسی تاثیر کرے یہاں یہ مطلب ہوگا کہ ہے تو ایک علت لیکن دو علتیں مل کر جو اثر کرتی ہیں یہ تنہا وہ اثر کرتی ہے۔

قولہ وھی ای العلل التسع مجموع الخ :۔ اعتراض ہوتا ہے کہ ھی مبتدا ہے جو علل تسعہ کی طرف راجع ہے اور عدل ووصف وغیرہ یہ خبر ہیں اور خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ نوعلتیں عدل ہے، وصف ہے یعنی ہر ہر واحد نوعلتیں ہیں حالانکہ یہ غلط ہے، شارح نے مجموع کا لفظ نکال کر اس کا جواب دیا ہے کہ نوعلتوں کا مجموعہ جو اس بیت میں مذکور ہے ان کا حمل ھی ضمیر پر ہے ہر ہر واحد کو نوعلتیں نہیں کہا جارہا۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ یہاں عطف مقدم ہے ربط یعنی حکم پر۔

قولہ عدل ووصف الخ :۔ اس سلسلے کے پورے اشعار یہ ہیں۔

والعدول فی عطف هاتین العلتین من الواو الی ثم لمجی والمحافظة علی الوزن والنون زائدة من قبلها الف ؛ ووزن فعل وهذا القول تقریب . فقوله زائدة منصوب علی انه حال اذ المعنی وتمنع النون الصرف حال کونها زائدة وقوله الف فاعل الظرف اعنی من قبلها او مبتدأ خبره الظرف المتقدم ولا یخفی انه لایفهم من هذا التوجیه زیادة الالف مع انها ایضا زائدة ولهذا یعبر عنهما بالالف والنون الزائدتین ولو جعل الالف فاعلا لقوله زائدة والظرف متعلقا بالزیادة واریدبزیادة الالف

موانع الصرف تسع کلما اجتمعت ؛ ثنتان منها فما للصرف تصویب
عدل ووصف وتانیث ومعرفة ؛ وعجمة ثم جمع ثم ترکیب
والنون زائدة من قبلها الف ؛ ووزن فعل وهذا القول تقریب

مطلب ان کا واضح ہے ۔

قولہ والعدول فی عطف هاتین الخ :۔ شبہ ہوتا تھا کہ ثم تراخی کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عجمہ غیر منصرف کا سبب پہلے ہوتا ہے اور جمع بعد میں سبب ہوتا ہے، اسی طرح ثم ترکیب میں اعتراض ہوتا ہے، شارح نے جواب دیا کہ یہاں لفظ ثم محض محافظت وزن کے لئے لایا گیا ہے تراخی کے لئے نہیں ہے بلکہ واو کے معنی میں ہے ۔

قولہ فقولہ زائدة منصوب الخ :۔ اس میں ترکیب کے اعتبار سے کئی احتمال ہیں، پورا مصرع لکھا جاتا ہے تاکہ ترکیب کا سمجھنا آسان ہو۔ والنون زائدة من قبلها الف ۔ (۱) شارح ہندی نے لکھا ہے کہ النون موصوف ہے اور زائدة اس کی صفت ہے اس پر اعتراض ہوا کہ النون معرفہ ہے اور زائدة نکرہ ہے ان دونوں میں تعریف اور تنکیر میں مطابقت نہیں ہو رہی، تو شارح ہندی کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ النون میں الف ولام زائد ہے اور یہ نکرہ ہے جیسا کہ غیر منصرف کے باقی اسباب کو بصورت نکرہ بیان کیا گیا ہے ان میں کسی کو معرف باللام نہیں ذکر کیا گیا یا الف ولام عہد ذہنی کا ہے جو نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے (۲) النون تمنع فعل محذوف کا فاعل ہے اور الصرف مفعول محذوف ہے اور زائدة النون سے حال ہے من قبلها جار ومجرور متعلق ہے کائنة کے اور الف کائنة کا فاعل ہے کائنة اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر حال ثانی النون سے ۔ یا زائدة کی ضمیر سے ۔ اول صورت میں دونوں حال مترادفہ ہوں گے ثانی صورت میں حال متداخلہ ہوں گے (۳) زائدة والنون سے حال ہو، اور من قبلها کائنة کے متعلق ہو کر خبر مقدم اور الف مبتدا مؤخر پھر یہ جملہ اسمیہ خبریہ، محل کے اعتبار سے النون یا زائدة کی ضمیر سے حال واقع ہو۔ ان تینوں صورتوں میں الف کی زیادتی سمجھ میں نہیں آتی حالانکہ وہ بھی زائد ہوتا ہے اس لئے الف ونون زائدتان کہا جاتا ہے ۔ (۴) من قبلها جار ومجرور زائدة کے

قبل النون اشتراکهما فی وصف الزیادة و تقدم الالف علیها فی هذا الوصف فهم زیادتها جمیعًا وهذا کما اذا قلت جاءنی زید راکبًا من قبله اخوه فانه یدل علی اشتراکهما فی وصف الرکوب و تقدم اخیه علیه فی هذا الوصف **قوله** وهذا القول تقریب یعنی ان ذکر العلل بصورة النظم تقریب لها الی الحفظ لان حفظ النظم اسهل او القول بان کل واحد من الامور التسعة علة **قوله** تقریب لا تحقیق اذ العلة فی الحقیقة اثنان منها لا واحد والقول بانها تسع تقریب لها الی الصواب لان فی عددها خلافًا فقال بعضهم انها تسع وقال بعضهم اثنان وقال بعضهم احد عشر لکن القول بانها تسع تقریب لها الی ما هو الصواب من المذاهب الثلثة

---

متعلق ہو اور الف زائدة کا فاعل ہو۔ اس صورت میں بظاہر صرف الف کی زیادتی معلوم ہوتی ہے اور نون کی زیادتی نہیں معلوم ہوتی، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت جاءنی زید راکبًا من قبلہ اخوہ کے مثل ہے جس طرح اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زید اور اس کا بھائی دونوں سوار ہوکر آئے لیکن آنے میں بھائی مقدم تھا اور زید موخر، اسی طرح اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ وصف زیادتی میں الف اور نون دونوں شریک ہیں لیکن الف پہلے ہے اور نون اس کے بعد ہے۔ یہی چوتھی صورت ترکیب کے اعتبار سے صحیح ہے تین ترکیبیں جو پہلے بیان کی گئی ہیں وہ مقصود کے لئے مفید نہیں ہیں۔

**قولہ وھذا القول تقریب** :۔ اعتراض ہوتا ہے کہ ہذا القول مبتدا ہے اور تقریب خبر ہے اور خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے لیکن یہاں صحیح نہیں اس لئے کہ تقریب مصدر ہے اور مصدر کا حمل جائز نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ تقریب مصدر اسم فاعل یعنی مُقرِّب کے معنی میں ہے اس کا صلہ مُقرِّب الی الحفظ یا مقرب الی الصواب نکالا جائے گا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ قول یعنی علتوں کا بہ شکل نظم بیان کرنا یہ یاد کرنے کے زیادہ قریب کرنے والا ہے کیونکہ نظم کو بہ نسبت نثر کے یاد کرلینا بہت آسان ہے۔

**قولہ او القول بان کل واحد من الامور التسعة الخ** :۔ یہ بھی اعتراض مذکور کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تقریب میں یاء نسبتی محذوف ہے اصل عبارت تقریبی ہے جس کے معنی ہیں مجازیؔ یعنی ان نو علتوں میں سے ہر ایک کو علت کہنا یہ قول مجازی ہے حقیقی نہیں ہے کیونکہ علت درحقیقت دو ہی کر ہیں نہ کہ ہر ہر واحد۔

**قولہ تقریب لھا الی الصواب** :۔ کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصرف کے علل کی تعداد میں اختلاف ہے بعض لوگ صرف دو کہتے ہیں بعض لوگ گیارہ کہتے ہیں بعض لوگ نو کہتے ہیں پہلے قول میں تفریط ہے دوسرے میں افراط ہے تیسرا قول درمیانی ہے اور خیر الامور اوسطھا کے قاعدے سے

ثم انہ ذکر امثلۃ العلل المذکورۃ علی ترتیب ذکرھا فی البیتین فقال مثل عُمَرَ مثال للعدل و اَحْمَرَ مثال للوصف وطلحۃ مثال للتانیث وزَیْنَبَ مثال للمعرفۃ وفی ایراد زینب مثالاً للمعرفۃ بعد طلحۃ اشارۃ الی قسمی التانیث اللفظی والمعنوی وابراھیم مثال للعجمۃ ومساجد مثال للجمع ومَعْدِیْ کَرِبَ مثال للترکیب وعمران مثال للالف والنون واحمد مثال لوزن الفعل

---

درمیانی قول جو نو کا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اس وجہ سے مصنف نے نو علتیں بیان کیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر منصرف کی صرف دو علتیں ہیں وہ یہ ہیں (۱) حکایت یعنی فعل سے اسم کی طرف نقل کرنا، جس طرح نقل کرنے سے پہلے اس میں کسرہ اور تنوین نہ داخل ہوتے تھے نقل کرنے کے بعد بھی نہ داخل ہوں گے (۲) ترکیب۔ حکایت صرف وزن فعل میں پائی جاتی ہے خواہ وزن فعل وصف کے ساتھ ہو جیسے اَعلم یا علمیت کے ساتھ ہو جیسے یشکر جب کسی کا علم ہو۔ باقی علتیں ترکیب میں داخل ہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر منصرف کی علتیں گیارہ ہیں تو نو یہی ہیں جن کو مصنف نے بیان کیا ہے اور دو یہ ہیں (۱) تنکیر کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنا جیسا کہ اخفش کا مذہب ہے (۲) الف تانیث کے ساتھ مشابہت یعنی وہ الف تانیث کے لئے نہ ہو اور اسم کے آخر میں آتا ہو خواہ الحاق کے لئے ہو جیسے ارطیٰ کہ یہ جعفر کے ساتھ ملحق ہے، ارطیٰ ایک درخت ہے جس سے کھال کی دباغت ہوتی ہے یا الحاق کے لئے نہ ہو جیسے قبعثریٰ یہ دونوں قسم الف تانیث کے لئے نہیں اس لئے کہ ارطیٰ کا مؤنث ارطاۃ ہے اور قبعثریٰ کا مؤنث قبعثرات ہے، اگر یہ الف تانیث کے لئے ہوتا تو ان کے مؤنث میں تا لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ مصنفؒ نے درمیانی قول جو نو کا ہے اس کو اس وجہ سے اختیار کیا ہے کہ باقی دو قول سقم سے خالی نہیں اس واسطے کہ حکایت یعنی فعل سے نقل ہو کر آنا یہ اَفْکَلُ اور اَعْلَمُ و اَحْمَرُ جیسے لفظ کو شامل نہیں کیونکہ افکل میں فعل کی بناء نہیں پائی جاتی جیسا کہ صحاح میں اس کی تصریح کی اور اعلم، احمر یہ اسم تفضیل کے صیغے ہیں اور اسم تفضیل کا صیغہ خود مستقل ہے وہ فعل سے منقول نہیں ہے اسی طرح گیارہ کا قول بھی ضعیف ہے اس میں دو علتوں کا اضافہ کیا گیا ہے تنکیر کے بعد وصف اصلی کا اعتبار کرنا اور الف تانیث کی مشابہت یہ دونوں درست نہیں اس لئے کہ علمیت کی وجہ سے وصف زائل ہو گیا تھا اب اگر کسی وجہ سے علم زائل ہو جائے اور اسم نکرہ ہو جائے تو وصف کا اعتبار کیسے کر لیا جائے وہ تو زائل ہو چکا تھا الزائل لا یعود اور دوسری علت یعنی الف تانیث کی مشابہت وہ تانیث حکمی میں داخل ہے تو پھر علیحدہ علت قرار دینے کی کیا ضرورت۔

قولہ مثل عمر الخ:۔ غیر منصرف کے نو اسباب بیان کئے ہیں ہر ایک کی ترتیب وار مثال بیان

وحکمہ ای حکم غیر المنصرف والاثر المترتب علیہ من حیث اشتمالہ علی علتین او واحدۃ منھا تقوم مقامھما ان لا کسرۃ فیہ ولا تنوین وذلک لان لکل علۃ فرعیۃ فاذا وقع فی الاسم علتان حصل فیہ فرعیتان فیشبہ الفعل من حیث ان لہ فرعیتین بالنسبۃ الی الاسم احدھما افتقارہ الی الفاعل واخرھما اشتقاقہ من المصدر فمنع منہ الاعراب المختص بالاسم وھو الجر والتنوین الذی ھو علامۃ التمکن وانما قلنا لکل علۃ فرعیۃ لان عدل فرع من المعدول عنہ

کررہے ہیں، شرح ظاہر ہے۔

قولہ وحکمہ :۔ ہا ضمیر غیر منصرف کی طرف راجع ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ حکم تو حاکم کی صفت ہے اس لئے غیر منصرف کی طرف اس کی اضافت صحیح نہیں ہے، اس کا جواب ای الاثر المترتب سے دیا کہ یہاں حکم سے مراد اثر ہے جو غیر منصرف پر غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مرتب ہوتا ہے۔

قولہ من حیث اشتمالہ الخ :۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ آپ نے حکم سے اثر مراد لیا ہے اس پر ہمارا اعتراض ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے بھی حکم کی اضافت غیر منصرف کی طرف نہ ہونی چاہئے کیونکہ حکم سے جب اثر مراد ہے تو اثر کی نسبت مؤثر کی طرف ہوتی ہے اور مؤثر دو علتیں ہیں یا ایک علت جو قائم مقام دو علتوں کے ہے نہ کہ غیر منصرف، اس کا جواب شارح نے من حیث اشتمالہ الخ سے دیا کہ حکم کی نسبت غیر منصرف کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ وہ مشتمل ہے دو علتوں پر یا ایک علت جو قائم مقام دو علتوں کے ہے۔

قولہ ان لا کسرۃ فیہ :۔ اس میں لا نفی جنس ہے اور کسرۃ اس کا اسم ہے فیہ اس کی خبر محذوف ہے۔

قولہ وذلک لان لکل علۃ فرعیۃ :۔ غیر منصرف کا یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین منع ہے اس کی وجہ شارح بیان کررہے ہیں کہ جس طرح فعل کے اندر اسم کے لحاظ سے دو فرع ہیں (۱) معنی مصدری جس کی وجہ سے فعل مصدر کا محتاج ہوتا ہے (۲) فاعل کی طرف نسبت جس میں فعل فاعل کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح غیر منصرف کے اندر دو علتیں پائی جاتی ہیں اور ہر علت اپنے اصل کی فرع ہے اس طرح فرعیت کی وجہ سے غیر منصرف فعل کے مشابہ ہوگیا اور فعل میں کسرہ اور تنوین منع ہے اس لئے غیر منصرف میں بھی منع ہوگا۔

قولہ وانما قلنا لکل علۃ فرعیۃ :۔ اس سے بیان کیا ہے کہ غیر منصرف کے اندر دو علتیں پائی جاتی ہیں اور ہر علت فرع ہے، یہاں سے شارح ہر علت کی اصل بیان کررہے ہیں تاکہ

والوصف فرع الموصوف والتانيث فرع التذكير لانك تقول قائم ثم قائمة والتعريف فرع التنكير لانك تقول رجل ثم الرجل والعجمة في كلام العرب فرع العربية اذ الاصل في كل كلام ان لايخالطه لسان اخر والجمع فرع الواحد والتركيب فرع الافراد والالف النون الزائدتين فرع ما زيد تا عليه ووزن الفعل فرع وزن الاسم لان الاصل في كل نوع ان لايكون فيه الوزن المختص بنوع اخر فاذا وجد فيه هذا الوزن كان فرعا لوزنه الاصلي ويجوز اى لا يمتنع سواء كان ضروريا او غير ضروري صرفه اى جعله في حكم المنصرف بادخال الكسرة والتنوين فيه لاجعله منصرفا حقيقة فان غير المنصرف عند المصنف مافيه علتان اوواحدة تقوم مقامهما وبادخال الكسرة والتنوين لايلزم خلو الاسم عنهما وقيل المراد بالصرف معناه اللغوي

فرعیت اچھی طرح واضح ہو جائے، چونکہ شارح کا بیان واضح ہے اس لئے اس عبارت کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ ویجوز ای لایمتنع :۔ مصنف کی عبارت ہے یجوز صرفہ للضرورة او للتناسب جس کا مطلب یہ ہے کہ منصرف کی مناسبت کی وجہ سے اور ضرورت شعری کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کرنا جائز ہے اور جواز میں دونوں طرف مساوی ہوتی ہیں تو یہ شکل تناسب میں تو درست ہے لیکن ضرورت شعری کی بنا پر تو غیر منصرف کو منصرف کرنا واجب ہے اس لئے یجوز کے معنی ضرورتِ شعری کو شامل نہ ہوئے۔ اس کا جواب شارح نے لایمتنع نکال کر دیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں جواز سے مراد امکانِ عام ہے جو مقید بجانب الوجود ہو، یعنی منصرف پڑھنا ممتنع نہیں خواہ ضروری ہو جیسا کہ ضرورة شعری میں یا ضروری نہ ہو جیسا کہ تناسب کی شکل میں ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ امکان کی دو قسمیں ہیں امکان خاص اور امکان عام، امکان خاص ایسا امکان ہے جس میں سلب ضرورة جانبین سے ہو یعنی نہ اس کا وجود ضروری ہو اور نہ سلب ہی ضروری ہو، امکانِ عام ایسا امکان ہے جس میں سلب ضرورت ایک جانب سے ہو، پھر امکان عام کی دو قسمیں ہیں امکان عام مقید بجانب الوجود اور امکان عام مقید بجانب عدم، اول میں سلب ضرورت ہوتا ہے عدم کی جانب سے یعنی عدم ضروری نہیں خواہ وجود ضروری ہو یا نہ ہو، ثانی میں سلب ضرورت وجود کی جانب سے ہوتا ہے یعنی وجود ضروری نہیں خواہ عدم ضروری ہو یا نہ ہو۔

قولہ صرفہ ای جعلہ فی حکم المنصرف :۔ اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک غیر منصرف کی تعریف یہ ہے کہ جس میں دو علتیں ہوں یا ایک علت ہو جو قائم مقام دو علتوں کے ہو اور کسرہ وتنوین داخل کرنے کی وجہ سے وہ دو علتیں یا ایک علت ختم نہیں ہو جاتیں تو پھر کلمہ منصرف کیسے ہو جائیگا،

لا الاصطلاحی والضمیر فی صرفہ راجع الی الحکم للضرورة ای لضرورة وزن الشعر اور رعایۃ القافیۃ فاذا وقع غیر المنصرف فی الشعر فکثیرا ما یقع من منع صرفہ انکسار یخرجہ عن الوزن او انزحاف یخرجہ عن السلاسۃ اما الاول فکقولہ شعر صُبّت علیّ مصائب لو انھا ۔ صبت علی الایام صرن لیالیا - واما الثانی فکقولہ شعر اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ۔ ہو المسک ماکررتہ یتضوع - فانہ لو فتح نون نعمان من غیر تنوین یستقیم الوزن ولکن یقع فیہ زحاف یخرجہ عن السلاسۃ

لہذا صرفہ کہنا صحیح نہ ہوگا، شارح نے جواب دیا کہ صرفہ کے معنی یہاں جعلہ فی حکم المنصرف کے ہیں یعنی ضرورت شعری یا تناسب کی وجہ سے کلمہ کو منصرف کے حکم میں کرلیا جاتا ہے حقیقۃً منصرف نہیں ہوتا دوسرا جواب یہ ہے کہ صرف سے مراد لغوی معنی ہیں جس کے معنی ہیں پھیرنا اور ہار ضمیر حکم کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی جو غیر منصرف کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا اس حکم کا پھیر دینا ضرورت شعری اور تناسب کی وجہ سے جائز ہے یعنی اس پر کسرہ اور تنوین آسکتا ہے۔

قولہ للضرورۃ الخ:- ضرورت شعری کی وجہ سے غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین آجاتے ہیں، یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر کلمہ غیر منصرف پڑھا جائے تو انکسار یا زحاف واقع ہوتا ہے اور کبھی قافیہ کی رعایت تقاضا کرتی ہے کہ غیر منصرف نہ پڑھا جائے انکسار میں وزن ٹوٹ جاتا ہے زحاف میں وزن تو نہیں ٹوٹتا لیکن سلاست نہیں باقی رہتی۔ انکسار کی مثال جیسے صبت علی مصائبٌ لو انھا اس میں اگر مصائب پر تنوین نہ پڑھی جائے اور اس کو غیر منصرف پڑھا جائے تو متفاعلن کا وزن باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ اس شعر کا وزن متفاعلن چھ مرتبہ ہے یہ اشعار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر انھوں نے کہے تھے، اور اگر کسی اور کے ہیں تو انھوں نے پڑھے تھے اس سے پہلے والا شعر یہ ہے

ماذا علی من شم تربۃ احمد ۔ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صُبّتْ علیّ مصائبٌ لو انھا ۔ صُبّتْ علی الایام صرن لیالیا

ترجمہ:- جس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی خاک پاک کو سونگھ لیا وہ اگر ساری عمر غالیہ خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں یعنی اس کو اس کی حاجت نہیں کہ کوئی دوسری خوشبو سونگھے خواہ غالیہ جیسی قیمتی اور بہترین خوشبو کیوں نہ ہو، مجھ پر ایسی مصیبتیں ڈالی گئی ہیں کہ اگر وہ مصائب دن پر ڈالے جاتے تو دن دن نہ رہتے رات ہو جاتے یعنی مصائب کی تاریکی کی وجہ سے دن کی روشنی ختم ہو جاتی۔ زحاف کی مثال یہ شعر ہے اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ۔ ہو المسک ماکررتہ یتضوع یہ امام شافعیؒ کا شعر ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ کی تعریف کی گئی ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت

کما یحکم بہ سلامۃ الطبع فان قلت الاحتراز عن الزحاف لیس بضروری فکیف یشملہ قولہ للضرورۃ قلنا الاحتراز عن بعض الزحافات اذا امکن الاحتراز عنہ ضروری عند الشعراء واما الضرورۃ الواقعۃ لرعایۃ القافیۃ فکما فی قولہ شعر سلام علی خیر الانام وسید ﷺ حبیب الہ العالمین محمد ﷺ بشیر نذیر ہاشمی مکرم ﷺ عطوف رؤف من یسمی باحمد۔ فانہ لو قال باحمد بالفتح لا یخل بالوزن ولکنہ یخل بالقافیۃ فان حرف الروی فی سائر الابیات الدال المکسورۃ او للتناسب ای ویجوز صرف غیر المنصرف لیحصل التناسب بینہ وبین المنصرف لان رعایۃ التناسب

امام شافعی رحمہ اللہ کوفہ تشریف لے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کسی شاگرد سے کہا کہ امام رحمہ اللہ کے حالات بیان کیجئے انھوں نے بیان کئے اس کے بعد امام شافعیؒ نے فرمایا اور بیان کرو، پھر بیان کیا اس کے بعد پھر کہا اور بیان کرو، اس شخص نے کہا کہ اگر کوئی بات بار بار کہی جاتی ہے تو آدمی سنتے سنتے اکتا جاتا ہے اور آپ بار بار سننے پر اصرار کر رہے ہیں، اس وقت امام شافعیؒ نے یہ شعر کہا تھا۔ اعد ذکر الخ ترجمہ نعمان یعنی ابوحنیفہؒ کا ذکر ہمارے سامنے بار بار کرو، کیونکہ یہ مشک ہے جتنا رگڑو گے اتنا ہی مہکے گا خوشبو دے گا، اس شعر میں اگر نعمان پر تنوین نہ پڑھی جائے اور اس کو غیر منصرف پڑھا جائے تو وزن نہ ٹوٹے گا لیکن سلاست نہ باقی رہے گی جس کو اہل ذوق ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

قولہ فان قلت الاحتراز عن الزحاف الخ:۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ زحاف سے بچنا ضروری نہیں ہے تو پھر للضرورۃ کے تحت میں اس کو کیوں داخل کیا گیا ہے یعنی اس کا فرد کیوں قرار دیا گیا، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بعض زحافات ایسے ہیں کہ تا حد امکان ان سے بچنا ضروری ہوتا ہے اس لئے زحاف کو بھی ضرورت کا فرد قرار دیا جا سکتا ہے۔

قولہ واما الضرورۃ الواقعۃ لرعایۃ القافیۃ:۔ قافیہ کی رعایت کی وجہ سے کبھی کلمہ کو غیر منصرف کے بجائے منصرف پڑھا جاتا ہے جیسے سلام علی خیر الانام الخ تقریر واضح ہے۔

قولہ او للتناسب:۔ کبھی منصرف کی مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کر لیا جاتا ہے جیسے سلاسلاً واغلالاً اس میں سلاسل غیر منصرف ہے کیونکہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہے جیسے مساجد لیکن اغلال کے ساتھ اس کو مناسبت لفظی اور معنوی ہے اس لئے جس طرح اغلال منصرف ہے سلاسل کو بھی منصرف کر لیا گیا۔ مناسبت لفظی تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ مذکور ہے، معنوی مناسبت یہ ہے کہ اغلال بیڑی کو کہتے ہیں اور سلاسل زنجیر کو اور ان دونوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

بین الکلمات ای مھم عند ھم وان لم یصل الی حد الضرورۃ مثل سلاسلا
واغلالا حیث صرف سلاسلا لتناسب المنصرف الذی یلیہ اعنی اغلالا فقولہ سلاسلا و اغلالا
مثال لمجموع غیر المنصرف الذی صرف والمنصرف الذی صرف غیر المنصرف لتناسبہ وما یقوم مقامھما
ای العلۃ الواحدۃ التی تقوم مقام العلتین من العلل التسع علتان مکررتان قامت کل واحدۃ منھما
مقام العلتین لتکرارھما احدھما الجمع البالغ الصیغۃ منتھی الجموع فانہ قد تکرر فیہ الجمعیۃ حقیقۃ
کاکالب فی اساور و اناعیم او حکما کالجموع الموافقۃ لھا فی عدد الحروف والحرکات
والسکنات کمساجد و مصابیح وثانیتھما التانیث لکن لا مطلقاً بل بعض اقسامہ
وھو الفا التانیث المقصورۃ والممدودۃ ای کل واحدۃ منھما کحبلی و حمراء
لانھما لازمتان للکلمۃ وضعاً لا تفارق قانھما اصلا فلا یقال فی حبلی حبل ولا
فی حمراء حمر فیجعل لزومھما للکلمۃ بمنزلۃ تانیث اٰخر فصار التانیث

---

قولہ وما یقوم مقامھما :- غیر منصرف کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ اس میں دو علتیں ہوں یا ایک علت ہو جو قائم مقام دو علتوں کے ہو، یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہو ان کی تعداد دو ہیں (۱) جمع منتہی الجموع۔ (۲) تانیث کے دو الف مقصورہ اور ممدودہ۔ جمع منتہی الجموع دو علتوں کے قائم مقام اس لئے ہے کہ اس وزن پر جو جمع کے صیغے ہیں کچھ تو ایسے ہیں جن میں حقیقۃً تکرار پایا جاتا ہے جیسے اکالب یہ اَکْلُبٌ کی جمع ہے اور وہ کلب کی جمع ہے اور اساور یہ اَسْوِرَۃٌ کی جمع ہے اور اَسْوِرَۃٌ سِوَارٌ کی جمع ہے جس کے معنی کنگن ہیں۔ اَنَاعِیْمُ یہ اَنْعَامٌ کی جمع ہے اور وہ نَعَمٌ کی جمع ہے بمعنی چوپایہ۔ ان تینوں مثالوں میں جمع حقیقۃً مکرر ہے مساجد اور مصابیح ان میں جمع حقیقۃً مکرر نہیں ہے لیکن یہ ان جموع کے وزن پر ہیں جن میں حقیقۃً تکرار ہے مساجد اکالب کے وزن پر ہے اور مصابیح، اناعیم کے وزن پر ہے اور اکالب اور اناعیم میں حقیقۃً جمع مکرر ہے اس لئے ان کے ہم وزن جو کلمے ہوں گے ان میں بھی تکرار جمع کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں قسم کے صیغے تکرار جمع کی وجہ سے دو فرع ہوں گے جس کی وجہ سے فعل کے مشابہ ہو جائیں گے جس طرح فعل میں دو فرعیتیں ہیں اسی طرح اس وزن پر جمع کے جو صیغے آئیں گے ان میں بھی دو فرعیتیں ہو جائیں گی اور فعل کی مشابہت کی وجہ سے کسرہ اور تنوین نہ آئیں گے۔ الف مقصورہ اور ممدودہ ان میں سے ہر ایک دو علتوں کے قائم مقام اس وجہ سے ہے کہ ان کے اندر تانیث وضع کے وقت پائی جاتی ہے اس لئے کلمہ کے لئے لازم ہو جائے گی اور لزوم کی وجہ سے وہ بمنزلہ دوسری تانیث کے سمجھی جائے گی پس گویا کہ تانیث مکرر ہو گئی جس کی

مکررًا بخلاف التاء فانھا لیست لازمة للکلمة بحسب اصل الوضع فانھا وضعت فارقة بین المذکر والمؤنث فلو عرض اللزوم بعارض کالعلمیة مثلا لم یقو قوة اللزوم الوضعی فالعدل مصدر مبنی للمفعول ای کون الاسم معدولا خروجه ای خروج الاسم ای کونه مخرجا

---

جس کی وجہ سے ان دونوں قسم کے الف میں دو فرعیتیں پائی گئیں اور فعل کے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے کسرہ اور تنوین یہاں بھی منع ہو گا۔

قولہ بخلاف التاء :۔ یعنی اگر کلمہ تاء تانیث کی وجہ سے مونث ہو تو وہ تانیث دو علتوں کے قائم مقام نہ ہوگی کیونکہ وضع کے وقت تاء تانیث نہیں پائی گئی اس لئے وہ کلمہ کے لئے لازم نہ ہوگی وہ تو مذکر اور مونث کے درمیان فرق کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ تو چونکہ وہ کلمہ کے لئے لازم نہیں ہوئی اس لئے وہ بمنزلہ دوسری تانیث کے نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کلمہ جو تاء تانیث کی وجہ سے مونث ہے کسی کا علم ہو جائے اور علمیت کی وجہ سے تانیث لازم ہو جائے تب بھی اس کو دو سبب کے قائم مقام نہ کریں گے کیونکہ یہ لزوم عارضی ہے جو علمیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لئے اس کا اعتبار نہ ہو گا اعتبار اس تانیث کا ہوتا ہے جو اصل ہو اور وضع کے وقت ہو وہ یہاں پائی نہیں گئی۔

قولہ فالعدل مصدر مبنی للمفعول :۔ یہ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عدل متکلم کی صفت ہے اور خروج لفظ کی صفت ہے اور یہ دونوں مباین ہیں، لہذا خروج کا حمل عدل پر صحیح نہ ہوگا معلوم ہوا کہ عدل کی تفسیر خروج کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے، شارح نے جواب دیا کہ عدل مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول ہے معدول کے معنی میں ہے اور وہ اسم کی صفت ہے، اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ معدول ذات مع الوصف ہے اور خروج وصف محض ہے اور وصف محض کا حمل ذات مع الوصف پر صحیح نہیں، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غیر منصرف کے جتنے اسباب ہیں وہ سب کے سب وصف محض ہیں اور معدول ذات مع الوصف ہے اس لئے اگر عدل کی تاویل معدول کے ساتھ کی جاتی ہے تو وہ غیر منصرف کا سبب نہ بن سکے گا شارح نے ای کون الاسم معدولا سے ان دونوں اعتراضوں کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ معدول سے مراد اسم کا معدول ہونا ہے اور یہ وصف محض ہے لہذا دونوں اعتراض رفع ہو گئے۔

قولہ خروجه ای خروج الاسم ای کونه مخرجا :۔ خروج الاسم نکال کر یہ بتایا ہے کہ

عن صيغة الاصلية اى عن صورته التى يقتضى الاصل والقاعدة ان يكون ذلك الاسم عليها ولا يخفى ان صيغة المصدر ليست صيغة المشتقات فباضافة الصيغة الى ضمير الاسم خرجت المشتقات كلها وان المتبادر من خروجه عن صيغة الاصلية ان تكون المادة باقية والتغير انما وقع

ضمیر اسم کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ تمام بحث اسم کی ہے اس لئے اگر صراحۃً اسم کا ذکر نہ ہو تب بھی اس کی طرف ضمیر راجع ہوسکتی ہے۔ کونہ مخرجا ایک اعتراض کا جواب ہے کہ عدل کی تاویل کون الاسم معدولاً سے کی گئی ہے اور یہ متعدی ہے اور خروج لازم ہے اور متعدی کی تفسیر لازم کے ساتھ صحیح نہیں ہے اس کا جواب شارح نے دیا کہ خروج سے مراد کون الاسم مخرجا کے ہے اور یہ متعدی ہے لہذا متعدی کی تفسیر متعدی کے ساتھ ہوئی۔

قولہ عن صیغۃ الاصلیۃ ای عن صورتہ:۔ اعتراض ہوتا تھا کہ صیغہ ہیئت اور مادہ کا نام ہے اور اسم ان دونوں کا مجموعہ ہے لہذا اس عبارت کا ترجمہ ہوگا اسم کا یعنی ہیئت اور مادہ کا ہیئت اور مادہ سے نکلنا اس صورت میں اخراج الکل عن الکل لازم آتا ہے جو ناجائز ہے شارح نے عن صورتہ نکال کر اس کا جواب دیا ہے کہ صیغہ سے مراد صورت ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اسم مادہ اور صورت کا مجموعہ ہے اس کا خروج جب صورت سے ہوگا تو اس صورت میں خروج الکل عن الجزء لازم آئے گا اور یہ بھی ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خروج الاسم میں اسم سے پہلے لفظ مادہ مضاف محذوف ہے اب عبارت یہ ہوگی خروج مادۃ الاسم عن صورتہ یعنی مادہ کا اپنی اصلی صورت سے نکلنا اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

قولہ ولا یخفی ان صیغۃ المصدر:۔ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عدل کی تعریف مشتقات پر صادق آتی ہے کیونکہ مشتقات کو اصلی صیغہ یعنی مصدر سے نکالا جاتا ہے، اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ صیغہ کی اضافت ہا ضمیر کی طرف ہو رہی جس کا مرجع اسم ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسم کو اس کی اصلی صورت سے نکالنا عدل ہے اور مشتقات اور مصدر کی صورت علیحدہ علیحدہ ہے لہذا مشتقات کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو اپنی اصلی صورت سے نکالا جاتا ہے۔

قولہ وان المتبادر الخ:۔ اس کا عطف ان المصدر پر ہے اور یہ بھی اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ عدل کی تعریف اسماء محذوفۃ الاعجاز (یعنی اسماء سے آخر کا حرف حذف کردیا گیا ہو) پر صادق آتی ہے جیسے ید دم ان کو ان کی اصل یَدَیٌ اور دَمَوٌ سے نکالا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف کی عبارت عن صیغۃ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خروج صرف صیغہ سے ہوا ہو

فی الصورۃ فقط فلا ینتقض بما حذف عنہ بعض الحروف کالاسماء المحذوفۃ الاعجاز مثل ید ودم فان المادۃ لیست باقیۃ فیھا وان خروجہ عن صیغۃ الاصلیۃ یستلزم دخولہ فی صیغۃ اخریٰ ای مغایرۃ للاولیٰ ولا یبعد ان یعتبر مغایرتھا لھا فی کونھا غیر داخلۃ تحت اصل قاعدۃ کما کانت الاولیٰ داخلۃ تحتہ فخرجت عنہ المغیرات القیاسیۃ واما المغیرات الشاذۃ فلا نسلم انھا مخرجۃ عن الصیغ الاصلیۃ فان الظاہر ان مثل اقوس وانیب من الجموع الشاذۃ

---

مادہ باقی رہے اور اس میں کوئی تغیر نہ ہو اور اسماء محذوفۃ الاعجاز میں مادہ باقی نہیں رہتا۔

قولہ وان خروجہ عن صیغۃ الاصلیۃ الخ:- اس کا عطف بھی ما قبل کی طرح ان صیغۃ المصدر پر ہے اور لا یخفی کا فاعل ہے اس سے بھی اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے اعتراض یہ ہے کہ عدل کی تعریف مغیرات قیاسیہ پر صادق آتی ہے اس لئے کہ ان کو اپنی اصلی صورت سے نکالا جاتا ہے جیسے قال، یقول، مقول مبیع کہ ان کو اپنی صورت یعنی قَوَلَ۔ یَقْوُلُ، مَقْوُوْلٌ، مبیوعٌ سے نکالا گیا ہے حالانکہ یہ معدول نہیں ہیں - اس کا جواب یہ ہے کہ صیغہ اصلیہ یعنی اصل صورت سے نکلنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسری صورت میں داخل ہو اور ان دونوں صورتوں میں فرق ہو، پہلی صورت جس سے نکالا جائے وہ تو قاعدے کے مطابق ہو اور دوسری صورت جس میں داخل کیا گیا ہے وہ قاعدے کے خلاف ہو اور مغیرات قیاسیہ کے اندر دونوں صورتیں اصل کے مطابق ہوتی ہیں یعنی تعلیل سے پہلے جو صورت تھی وہ بھی اصل کے مطابق ہے اور تعلیل کے بعد جو صورت حاصل ہوئی ہے وہ بھی اصل کے مطابق ہے مثلاً قال کی اصل قَوَلَ ہے تو قَوَلَ بھی اصل کے مطابق ہے اور جب اس میں تعلیل کرنے کے بعد قال ہوا تو یہ بھی اصل کے مطابق ہے۔

قولہ واما المغیرات الشاذۃ:- یہاں سے بتانا چاہتے ہیں کہ مغیرات شاذہ پر عدل کی تعریف اس وجہ سے نہیں صادق آتی کہ عدل میں اسم کو اپنی اصلی صورت سے نکال کر غیر اصلی صورت میں داخل کیا جاتا ہے اور مغیرات شاذہ میں شروع ہی سے غیر اصلی صورت میں داخل کر دیا جاتا ہے مثلاً اَقْوُسٌ اور اَنْیُبٌ مغیرات شاذہ میں سے ہیں یہ قوس اور ناب کی جمع ہے یہ دونوں اجوف ہیں قوسٌ اجوف واوی ہے اور نابٌ اجوف یائی ہے اور اجوف جب فَعْلٌ کے وزن پر ہو تو اس کی جمع اَفْعَالٌ کے وزن پر آتی ہے اس لئے قاعدے کے مطابق ان کی جمع اقواس اور انیاب آنی چاہیے لیکن ایسا نہیں کیونکہ اس کی جمع اَقْوُسٌ اور اَنْیُبٌ لائی گئی جو خلاف اصل ہے اور عدل جب ہوتا کہ پہلے اقواس اور انیاب جمع لاتے اس کے بعد اس سے عدول کر کے اقوس

لیست مخرجة عما هو القیاس فیهما اعنی اقواسا و انیابا بل انما جمع القوس و الناب ابتداء علی اقوس و انیب علی خلاف القیاس من غیر ان یعتبر جمعهما اولا علی اقواس و انیاب و اخراج اقوس و انیب عنهما و قال بعض الشارحین قد جوز بعضهم تعریف الشیء بما هو اعم منه اذا کان المقصود تمییزه عن بعض ما عداه فیمکن ان یقال المقصود ههنا تمییز العدل عن سائر العلل لا عن کل ما عداه فحیث حصل بتعریفه هذا التمییز لا بأس بکونه اعم منه فحینئذ لا حاجة فی التصحیح هذا التعریف الی ارتکاب تلک التکلفات و اعلم انا نعلم قطعاً انهم لما وجدوا ثلث و مثلث و اخر و جمع و عمر غیر منصرف و لم یجدوا فیها سبباً ظاهراً غیر الوصفیة او العلمیة احتاجوا الی اعتبار سبب آخر و لم یصلح

اور أنیب لاتے، ان کو شاذ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ جمع خلاف قاعدہ ہے، اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ شاذ کہنے کی وجہ یہ نہیں ہے جو آپ فرماتے ہیں بلکہ شاذ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ اسم کو اصلی صورت سے نکالنے کا جو قاعدہ ہے مجموع شاذ میں اس کے خلاف کیا جاتا ہے اس لئے ان کو شاذ کہتے ہیں۔ شارح نے لا قاعدة للاسم المخرج الخ سے اس کا جواب دیا ہے کہ اسم مخرج کے لئے اصلی صورت سے نکالنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے جس کے خلاف کرنے کی وجہ سے ان کو شاذ کہا جائے، معلوم ہوا کہ شاذ کہنے کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ ان کی جمع خلاف قیاس آئی ہے۔

قولہ وقال بعض الشارحین الخ:۔ بعض شارحین کا ارشاد ہے کہ تعریف کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ معرَّف کو تمام ماسوا سے ممتاز کردے بلکہ کبھی بعض ماسوا سے امتیاز مقصود ہوتا ہے ایسی صورت میں اگر معرِّف، معرَّف سے عام ہو جائے تو کچھ حرج نہیں، یہاں بھی تعریف سے عدل کو غیر منصرف کے باقی اسباب سے امتیاز حاصل ہو گیا ہے بس وہ کافی ہے، لہذا ان تمام تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ واعلم انا نعلم قطعاً الخ:۔ یہاں سے بتانا چاہتے ہیں کہ عدل کی دو قسمیں ہیں تحقیقی اور تقدیری یہ معدول عنہ کے اعتبار سے ہیں ورنہ عدل تو صرف تقدیری یعنی فرضی ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ عدل کا حال غیر منصرف کے باقی اسباب سے جداگانہ ہے، عدل کے علاوہ جو اسباب ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ غیر منصرف کے علاوہ بھی ان کا استعمال ہوتا رہتا ہے ضرورت پر غیر منصرف کا بھی سبب ہو جاتے ہیں اور عدل کا وجود ایسا نہیں ہے کہ غیر منصرف کے علاوہ میں اس کا بھی استعمال ہوتا ہو، اور ضرورت پر غیر منصرف کا بھی سبب بن جایا کرے وہ تو صرف غیر منصرف کی ضرورت کی بنا پر فرض کر لیا جاتا ہے، رہ گئی یہ بات کہ جب عدل محض فرضی ہے اس کا وجود پہلے سے نہیں ہے تو دو قسمیں تحقیقی اور تقدیری کیسے حاصل ہو گئیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی معدول عنہ ہو

للاعتبار الا العدل فاعتبروه فيهما لا انهم تتبعوا للعدل فيما عدا اعمر من هذه الامثلة فجعلوه غير منصرف للعدل وسبب اخر ولكن لابد في اعتبار العدل من امرين احدهما وجود اصل للاسم المعدول وثانيهما اعتبار اخراجه عن ذلك الاصل اذ لا يتحقق الفرعية بدون اعتبار ذلك الاخراج ففي بعض تلك الامثلة يوجد دليل غير منع الصرف على وجود الاصل المعدول عنه فوجوده محقق بلاشك وفي بعضها لا دليل غير منع الصرف فيفرض له اصل ليتحقق العدل باخراجه عن ذلك الاصل فانقسام العدل الى التحقيقي والتقديري انما هو باعتبار كون ذلك الاصل محققا او مقدرا واما اعتبار اخراج المعدول عن ذلك الاصل ليتحقق العدل فلا دليل عليه الا منع الصرف فعلى هذا (قوله تحقيقا معناه خروجا كائنا عن اصل محقق يدل عليه دليل غير منع الصرف كثلث ومثلث والدليل

---

جس کو اس کی اصل قرار دی جائے اور اس سے خروج کی بنا پر عدل کا تحقق ہو سکے اور اس اصل یعنی معدول عنہ کا حال یہ ہے کہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے وجود پر غیر منصرف کے علاوہ بھی دلیل موجود ہوتی ہے یعنی غیر منصرف کے علاوہ بھی اس کا استعمال ہوتا رہتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا استعمال پہلے سے نہیں ہوتا صرف غیر منصرف کی بنا پر عدل کی وجہ سے اس کو فرض کیا جاتا ہے کیونکہ عدل کا وجود اگرچہ فرضی ہے لیکن اس کے لئے معدول عنہ ضروری ہے جیسا کہ اس سے قبل ابھی بیان کیا ہے پہلی قسم کا معدول عنہ حقیقی ہے اور دوسری قسم کا فرضی ہے تو حقیقی اور فرضی معدول عنہ کی قسمیں ہیں اس کے واسطے سے عدل کی بھی قسمیں ہو جاتی ہیں جس عدل کی اصل محقق ہے اس عدل کو تحقیقی کہیں گے اور جس کی اصل مقدر ہے اس عدل کو تقدیری کہیں گے اور خود عدل دونوں صورتوں میں فرضی ہے۔

قولہ تحقیقا معناہ خروجا کائنا عن اصل محقق۔ شارح یہ عبارت نکال کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تحقیقا مصدر ہے اور اسم مفعول یعنی محقق کے معنی میں ہے اس کے بعد یہ خروجا کی صفت ہے۔ خروجا اپنی صفت سے مل کر العدل خروجہ میں خروج مصدر کا مفعول مطلق ہے عن اصل محقق نکال کر یہ بتایا کہ تحقیقا محققا کے معنی میں ہو کر خروج کی حقیقی صفت نہیں ہے بلکہ اس کی اصل محقق ہے اس وجہ سے خروج (عدل) کو بھی محقق کہدیا۔

قولہ کثلث ومثلث۔ یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے اور یہ ابھی آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اس میں عدل تحقیقی اس وجہ سے ہے کہ اس کی اصل محقق ہے یعنی اس کے وجود پر غیر منصرف کے علاوہ بھی دلیل پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ثلث کے معنی میں تکرار ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں تین تین اور قاعدہ

علی اصلهما ان فی معناهما تکرارا دون لفظهما والاصل انه اذا کان المعنی مکررا
یکون اللفظ ایضا مکررا کما فی جاءنی القوم ثلثة ثلثة فعلم ان اصلهما لفظ
مکرر وهو ثلثة ثلثة وکذا الحال فی احاد وموحد وثناء ومثنی الی باع ومربع
بلاخلاف وفیما وراءها الی عشار ومعشر خلاف والصواب مجیئهما والسبب
فی منع صرف ثلث ومثلث واخواتهما العدل والوصف لان الوصفیة العرضیة
التی کانت فی ثلثة ثلثة صارت اصلیة فی ثلث ومثلث لاعتبارها فیما وضعاله

---

ہے کہ جب معنی مکرر ہوں تو لفظ بھی مکرر ہونا چاہئے اور ثلث مکرر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کی اصل ایسا لفظ ہے جو مکرر ہے اور وہ ثلثۃ ثلثۃ ہے مَثْلَثَ کی بھی اصل ثلثۃ ثلثۃ ہے یہی حال احاد، موحد، ثناء، مثنی، ربع، مربع کا ہے جس میں سب نحویوں کا اتفاق ہے اس کے آگے خماس، مخمس، سداس، مسدس، سباع، مسبع، ثمان، مثمن، تساع، متسع، عشار، معشر تک اختلاف ہے شارح نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا حال بھی ثلث اور مثلث کی طرح ہے یعنی ان سب کی اصل لفظ مکرر ہے، احاد، موحد کی اصل واحدۃ واحدۃ۔ ثناء مثنی کی اصل اثنان اثنان وہکذا ثلث اور مثلث اور اسی طرح ان کے اخوات میں ایک سبب تو عدل ہے اور دوسرا سبب وصف ہے اس وجہ سے یہ سب غیر منصرف ہیں، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ غیر منصرف کا سبب تو وصف اصلی ہوتا ہے، اور ان میں وصفیت عارضی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ثلثۃ ثلثۃ اور واحدۃ واحدۃ، اثنان اثنان وغیرہ جو معدول عنہ ہیں ان میں تو بے شک وصفیت عارضی ہے لیکن معدول کے اندر یعنی ثلث ومثلث، احاد، موحد وغیرہ میں وصفیت اصلی ہے کیونکہ عدل کے وقت ان میں وصفیت کا اعتبار کر لیا گیا ہے اور عدل وضع ثانی ہے اس لئے عدل کے وقت جو وصفیت پائی جائے گی اس کا درجہ ایسا ہے جیسا کہ وضع کے وقت پائی گئی اور وضع کے وقت جو وصفیت ہوگی وہ اصل ہوگی۔ و اُخَر۔ اس میں بھی عدل تحقیقی ہے کیونکہ اس کی اصل پر بھی غیر منصرف کے علاوہ دلیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اخر، اخریٰ کی جمع ہے اور اخریٰ مؤنث ہے اس کا مذکر اٰخَر ہے جو اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے استعمال کی تین صورتیں ہیں (۱) لام کے ساتھ (۲) اضافت کے ساتھ (۳) من کے ساتھ۔ اور یہاں ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اضافت والی صورت سے معدول ہونے کا یہاں احتمال نہیں اس لئے کہ مضاف کو جب اضافت سے قطع کیا جاتا ہے تو مضاف کو یا ضمہ پر مبنی کیا جاتا ہے جیسے قبل، بعد یا اس پر تنوین آتی ہے جیسے حینئذٍ، یومئذٍ اور یا اضافت مکرر ہوتی ہے یا تیم تیم عدی،

واخر جمع اخری مونث اٰخر واٰخر اسم التفضیل لان معناہ فی الاصل اشد تاخرا ثم نقل الی معنی غیر وقیاس اسم التفضیل ان یستعمل باللام او الاضافۃ او کلمۃ من وحیث لم یستعمل بواحد منہا علم انہ معدول من احدہا فقال بعضہم انہ معدول عما فیہ اللام ای عن الاخر وقال بعضہم ھو معدول عما ذکر معہ من ای عن اٰخر من وانما لم یذہب الی تقدیر الاضافۃ لانہا توجب التنوین او البناء او اضافۃ اخری مثلہا نحو حینئذ وقبل ویا تیم تیم عدی ولیس فی اخر شئی من ذلک فتعین ان یکون معدولا عن احد الاخرین وجمع جمع جمعاً مونث اجمع وکذلک کتع وتبع وبصع وقیاس فعلاء مونث افعل ان

---

اور یہاں ان میں سے کوئی صورت نہیں ہے اس لئے یہ احتمال درست نہیں ہے اس لئے اس کو الاخر یا اٰخر من سے معدول مانا جائے گا۔ بعض لوگوں نے الاخر معرف باللام سے معدول مانا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اخر ہمیشہ موصوف کے مطابق ہوتا ہے اگر موصوف مفرد ہے تو اخر بھی مفرد موصوف تثنیہ یا جمع ہو تو اخر بھی ایسا ہی ہوگا جیسے رجل اخر، رجلان اٰخران، رجال اٰخرون اسی طرح تذکیر اور تانیث میں بھی اسم تفضیل موصوف کے مطابق ہوتا ہے اور موصوف کے ساتھ ان امور میں مطابقت اسم تفضیل معرف باللام میں ہوتی ہے، بعض لوگوں نے اخر من سے یعنی اس اسم تفضیل سے معدول مانا ہے جس کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں معدول اور معدول عنہ میں تعریف اور تنکیر میں مطابقت باقی رہتی ہے کیونکہ معدول یعنی اخر نکرہ ہے اور اس کا معدول عنہ آخر من یہ بھی نکرہ ہے اور معرف باللام یعنی الاخر والی صورت میں معدول عنہ معرف باللام ہے اور معدول یعنی اخر یہ غیر معرف باللام اور نکرہ ہے اس میں معدول عنہ اور معدول کے درمیان مطابقت نہیں رہتی۔

وجمع —— یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے کیونکہ اس کی اصل یعنی معدول عنہ کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ بھی دلیل پائی جاتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جُمَع جمعاء کی جمع ہے جو اَجْمَعُ کا مؤنث ہے فعلاء جو اَفْعَلُ کا مونث ہے اس کے استعمال کی دو صورتیں ہیں کبھی اس کے استعمال میں معنی وصفی کا لحاظ ہوتا ہے اس صورت میں اس کی جمع فُعْلٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمْرٌ ہے۔ اور کبھی معنی اسمی کا لحاظ ہوتا ہے وصف ملحوظ نہیں ہوتا اس صورت میں اس کی جمع فَعَالَی یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صحاری یا صحراوات، اس قاعدہ کی بناء پر جمعاء کی جمع یا تو جُمْعٌ بروزن فُعْلٌ آتی یا جماعی یا جمعاوات

كانت صفة ان تجمع على فعل كحمراء على حمر وان كانت اسما ان تجمع على فعالى او فعلاوات كصحراء على صحارى او صحروات فاصلها اما جمع اوجماعى اوجمعاوات فاذا اعتبر اخر اجماعن واحدة منها تحقق العدل فاحد السببين فيها العدل التحقيقى والأخر الصفة الاصلية وان صارت بالغلبة فى باب التاكيد اسما فى اجمع واخواته احد السببين وزن الفعل والأخر الصفة الاصلية وعلى ما ذكرنا لايرد الجموع الشاذة كانيب واقوس فانه لم يعتبر اخر اجهما عما هو

---

آنی چاہئے اور جب ان تینوں میں سے کوئی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان ہی تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے، یہ دلیل ایسی ہے کہ اگر اس کو غیر منصرف نہ بھی پڑھا جائے تب بھی ان تینوں میں سے کسی ایک کو اصل ماننا پڑے گا۔ یہی حال اجمع کے اخوات اکتع، ابتع، ابصع کا ہے کہ ان کا مونث کتعاء، بتعاء، بصعاء ہے اور قاعدہ کے مطابق ان کی جمع یا تو کتُعٌ، بتُعٌ، بصُعٌ آتی یا کتاعی یا کتعاوات اور بتاعی یا بتعاوات اور بصاعی یا بصعاوات آتی لیکن جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان ہی میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔

قولہ فاذا اعتبر الخ:۔ یعنی جمع، بتع، بصع کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک سبب ان میں عدل ہے اور دوسرا سبب وصف اصلی ہے اگرچہ اس وقت تاکید میں استعمال کی وجہ سے اسمیت غالب ہے۔

قولہ وفی اجمع الخ:۔ اجمع، اکتع وغیرہ کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک سبب تو وصف اصلی ہے جیسا کہ جمع، کتع وغیرہ میں ہے اور دوسرا سبب وزن فعل ہے۔

قولہ وعلی ماذکرنا الخ:۔ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ جس طرح اخر جمع کے اندر عدل تحقیقی اس وجہ سے پایا جاتا ہے کہ ان کی اصل پر غیر منصرف کے علاوہ بھی دلیل ہے جیسا کہ اس کا بیان تفصیل سے ماقبل میں ہو چکا ہے اسی طرح جموع شاذہ مثلاً اَقْوُسٌ اور اَنْیُبٌ میں بھی عدل تحقیقی ہونا چاہئے کیونکہ ان کی اصل پر بھی غیر منصرف کے علاوہ دلیل پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قوسٌ اور نابٌ کی جمع ہیں اور یہ دونوں فَعْلٌ کے وزن پر ہیں اور قاعدہ ہے کہ اجوف واوی ہو یا یائی اگر فَعْلٌ کے وزن پر ہو تو اس کی جمع افعالٌ کے وزن پر آتی ہے اس لئے قاعدہ کے مطابق قوس اور ناب کی جمع اقواس اور انیاب آنی چاہئے لیکن بجائے اس کے اقوس اور انیب جمع آتی ہے تو معلوم ہوا کہ اقوس اور انیب اقواس اور انیاب سے معدول ہیں اور ان میں بھی عدل تحقیقی ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا

القیاس فیہما کالانیاب والاقواس کیف ولو اعتبر جمعہما اولا علی انیاب و اقْوُاس فلاسنذ وذ فی ہذہ الجمعیۃ ولا قاعدۃ للاسم المخرج لیلزم من مخالفتہا الشذوذ فمن این یحکم فیہما بالشذوذ ومن ہذا تبین الفرق بین الشاذ والمعدول او تقدیراً ای خروجاً کائناً عن اصل مقدر مفروض یکون الداعی الی تقدیرہ وفرضہ منع الصرف لا غیر کعُمَرَ وکذلک زفر فانہما لما وجدا غیر منصرف

---

جواب دعلی ماذکی نا سے شارح دے رہے ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ عدل کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ اس کی کوئی اصل ہو جس کو معدول عنہ کہا جاتا ہے دوسری چیز یہ ضروری ہے کہ اصل سے نکالنے کا اعتبار کیا جائے یہاں اصل کے وجود پر تو دلیل ہے لیکن اصل سے نکالنے کا اعتبار نہیں کیا گیا یعنی ایسا نہیں کیا گیا کہ قوس اور ناب کی جمع پہلے اقواس اور انیاب آئی ہو بعد میں اس سے عدول کر کے اقوس اور انیب لائے ہوں، بلکہ شروع سے خلاف قیاس قوس اور ناب کی جمع اقوسٌ اور انیب آئی ہے۔ اس قسم کے جمع کو شاذ کہنے کی وجہ یہی ہے کہ ان کی جمع خلاف قیاس ہے۔

قولہ ولا قاعدۃ للاسم المخرج :- ایک اعتراض ہو سکتا تھا اس کو دور کر رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ جموع شاذہ کو اس وجہ سے شاذ نہیں کہا جاتا کہ وہ خلاف قیاس ہے بلکہ شاذ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسم معدول کو اپنے معدول عنہ سے نکالنے کا جو طریقہ ہے جموع شاذہ میں اس کے خلاف کیا گیا ہے اس وجہ سے شاذ کہتے ہیں۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ معدول کو اپنی اصل سے نکالنے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے جس کے خلاف کرنے کی وجہ سے شاذ کہا جائے، معلوم ہوا کہ شاذ کہنے کی وجہ وہی ہے جو مذکور ہوئی کہ یہ جمع خلاف قیاس ہے۔

قولہ او تقدیرا - ای خروجا کائنا عن اصل مقدر مفروض :- اس کی تشریح تحقیقا کے ضمن میں ہو چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح تحقیقا محقق کے معنی میں ہو کر خروجاً کی صفت ہے اور خروجاً مفعول مطلق ہے خرجہ کا جو عدل کی تعریف میں مذکور ہے، اسی طرح تقدیراً کی ترکیب ہے، اور اس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محقق اور مقدر ہونا دراصل معدول عنہ کی صفت ہیں اسکے واسطے سے عدل کی بھی صفت ہو جاتی ہیں، عدل تحقیقی کا مطلب یہ بیان کیا گیا تھا کہ اسکی اصل یعنی معدول عنہ محقق ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود پر غیر منصرف کے علاوہ بھی دلیل ہو، اس لحاظ سے عدل تقدیری کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی اصل مقدر ہے یعنی اس کے وجود پر غیر منصرف کے علاوہ کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ غیر منصرف کی وجہ سے عدل فرض کیا گیا اور عدل بغیر معدول عنہ کے

ولم يوجد فيهما سبب ظاهر الا العلمية اعتبر فيهما العدل ولما توقف اعتبار العدل على وجود الاصل ولم يكن فيهما دليل على وجوده غير منع الصرف قدر فيهما ان اصلهما عامر وزافر عدلا عنهما الى عمر وزفر ومثل باب قطام المعدولة عن قاطمة واراد بابها كل ما هو على فعال علما للاعيان المؤنثة من غير

---

نہیں ہوسکتا اس لئے معدول عنہ بھی فرض کرلیا گیا، عدل کی ان دونوں قسموں میں فرق یہ ہوا کہ عدل تحقیقی میں عدل تو فرضی ہوتا ہے اور معدول عنہ حقیقی ہوتا ہے اور عدل تقدیری میں عدل اور معدول عنہ دونوں فرضی ہوتے ہیں۔ عدل تقدیری کی مثال عمر ہے کہ اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے لیکن غیر منصرف کے لئے دو سبب کی ضرورت ہے اور عمر میں صرف علمیت ہے اور غیر منصرف کے اسباب میں سے کوئی اور سبب اس میں نہیں ہے اس لئے مجبوراً دوسرا سبب عدل مانا گیا۔ چونکہ عدل کے معنی ہیں اپنی اصلی صورت سے نکلنا اس لئے اس کی اصل بھی فرض کرنی پڑی کہ اس کی اصل عامر ہے اس سے عدول کرکے عمر کیا گیا اسی طرح زفر کو سمجھئے۔

قولہ ومثل باب قطام:- اس سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جو فَعَال کے وزن پر ہو، مونث کا علم ہو، آخر میں راء نہ ہو تو ایسے کلمہ میں بھی بعض بنی تمیم کے نزدیک عدل تقدیری ہوتا ہے کیوں ہوتا ہے اس کیلئے تفصیل کی ضرورت ہے، توضیح اسکی یہ ہے کہ فعال کی چار قسمیں ہیں (۱) فعال جو امر کے معنی میں ہو جیسے نزال بمعنی انزل، اسکے مبنی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کیونکہ یہ مبنی اصل کے معنی میں ہے، (۲) فعال جو مصدر معرفہ کے معنی میں ہو جیسے فجار بمعنی الفجور (۳) جو مؤنث کی صفت ہو جیسے فَسَاقِ فاسقۃ کے معنی میں جس کے معنی ہیں بدکار عورت یہ دونوں بھی مبنی ہیں کیونکہ ان دونوں کو فَعَالِ بمعنی امر کے ساتھ وزن اور عدل میں مشابہت ہے (۴) فعال جو مونث کا علم ہو خواہ ذوات الراء ہو یا نہ ہو اس میں اختلاف ہے۔ اہل حجاز دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں لیکن ان میں صرف دو سبب ہیں علم اور تانیث اور مبنی ہونے کے لئے محض دو سبب کا ہونا کافی نہیں بلکہ مبنی اصل کیساتھ مشابہت کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے مشابہت پیدا کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ اس کو نزال بمعنی انزل (امر) کے مشابہ قرار دیا گیا اور نزال کے اندر دو چیزیں ہیں (۱) فعال کا وزن (۲) عدل کیونکہ اس کو انزل صیغہ امر سے معدول کیا گیا ہے جو مبنی الاصل ہے چونکہ اہل حجاز کے نزدیک وہ کلمات جو فعال کے وزن پر ہوں اور مؤنث کا علم ہوں خواہ ذوات الراء ہوں یا نہ ہوں، دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں اس لئے وہ دونوں میں عدل مانتے ہیں تاکہ وزن اور عدل دونوں میں نزال کیساتھ مشابہت ہوجائے اور جس طرح نزال مبنی ہے یہ بھی مبنی ہوجائیں،

ذوات الراء فی لغة بنی تمیم فانهم اعتبروا العدل فی هذا الباب حملا له علی ذوات الراء
فی الاعلام المؤنثة مثل حضار وطمار فانهما مبنیتان ولیس فیهما الاسببان العلمیة والتانیث
والسببان لایوجبان البناء فاعتبروا فیهما العدل لتحصیل سبب البناء فلما اعتبروا
فیهما العدل لتحصیل سبب البناء اعتبروا فیما عداهما مما جعلوه معربا غیر منصرف
ایضا حملا له علی نظائره مع عدم الاحتیاج الیه لتحقق السببین لمنع الصرف العلمیة
والتانیث فاعتبار العدل فیه انما هو للحمل علی نظائره لا لتحصیل سبب منع
الصرف ولهذا یقال ذکر باب قطام ههنا لیس فی محله لان الکلام فیما قدر
فیه العدل لتحصیل سبب منع الصرف وانما قال فی تمیم لان الحجازیین

---

اکثر بنی تمیم کے نزدیک ذوات الراء اور غیر ذوات الراء میں فرق ہے ذوات الراء کو وہ مبنی پڑھتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک عدل ماننا ضروری ہے تاکہ نزال کے ساتھ وزن اور عدل دونوں میں مشابہت تامہ ہو جائے جس کی وجہ سے ان کو مبنی قرار دینا صحیح ہو جائے غیر ذوات الراء کو یہ لوگ مبنی نہیں پڑھتے بلکہ غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لئے دو سبب کافی ہیں اور ان میں دو سبب علم اور تانیث موجود ہیں اس لئے عدل کی ضرورت نہیں لیکن ذوات الراء میں عدل ان کے نزدیک بھی بناء کی ضرورت کی وجہ سے مانا گیا ہے اس لئے غیر ذوات الراء میں باوجود عدم ضرورت کے محض نظائر پر حمل کرنے کی وجہ سے عدل مانا گیا تاکہ ذوات الراء اور غیر ذوات الراء دونوں کا حکم یکساں ہو جائے۔

اقل بنی تمیم ذوات الراء اور غیر ذوات الراء دونوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک دونوں میں عدل کی ضرورت نہیں، کیونکہ غیر منصرف کے لئے دو سبب کی ضرورت ہے اور ان میں دو سبب موجود ہیں

قولہ ولهذا یقال ذکر باب قطام الخ:- مصنف پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اس کو بیان کر رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ یہاں تو اس کا بیان ہے کہ کسی کلمہ کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہو، اور اسکے اندر صرف ایک سبب پایا جاتا ہو تو دوسرا سبب عدل مان لیا جاتا ہے خواہ تحقیقی ہو یا تقدیری تاکہ غیر منصرف پڑھنا صحیح ہو اور باب قطام میں جو عدل مانا جاتا ہے وہ اپنے نظائر پر حمل کرنے کے لئے نہ غیر منصرف کا سبب حاصل کرنے کے لئے اس لئے یہاں اس کو ذکر نہ کرنا چاہیے، اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مصنف عدل تقدیری کے اعتبار کی تمام صورتوں کا احاطہ کرنا چاہتے ہیں کہ کبھی اس کا اعتبار غیر منصرف کے سبب ہونے کے لئے کیا جاتا ہے جیسے عمر، زفر، اور کبھی مبنی

یبنونہ فلایکون مما نحن فیہ والمراد من بنی تمیم اکثرھم فان الاقلین منھم لم یجعلوا ذوات الراء مبنیۃ بل جعلوھا غیر منصرفۃ فلاحاجۃ الی اعتبار العدل فیھا لتحصیل سبب البناء وحمل ما عداھا علیھا الوصف وھو کون الاسم دالا علی ذات مبھمۃ ماخوذۃ مع بعض صفاتھا سواء کانت ھذہ الدلالۃ بحسب الوضع مثل احمر فانہ موضوع لذات ما اخذت مع بعض صفاتھا التی ھی الحمرۃ او بحسب الاستعمال مثل اربع فی مررت بنسوۃ اربع فانہ موضوع لمرتبۃ معینۃ من مراتب العدد فلا وصفیۃ فیہ بحسب الوضع بل قد تعرضہ الوصفیۃ کما فی المثال المذکور فانہ لما اجری فیہ علی النسوۃ التی ھی من قبیل المعدودات لا الاعداد علم ان معناہ مررت بنسوۃ موصوفۃ باربعیۃ وھذا معنی وصفی عرض لہ فی الاستعمال لا اصلی بحسب الوضع والمعتبر فی سببیۃ منع الصرف ھو الوصف الاصلی لاصالتہ لا العرضی لعرضیتہ فلذلک قال المصنف

---

ہونے کے لئے کیا جاتا ہے اور کبھی نظائر پر حمل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

قولہ الوصف وھو کون الاسم الخ:۔ یہ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ وصف ذات ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں اسم دال علی ذات مبھمۃ ماخوذۃ مع بعض صفاتھا اور غیر منصرف کے اسباب اوصاف اور اعراض سے ہیں۔ اس کا شارح کون الاسم سے جواب دے رہے ہیں اب وصف کے معنی اسم دال علی ذات مبھمۃ نہیں بلکہ کون الاسم دالا علی ذات مبھمۃ ہوئے چونکہ کون مصدر ہے اور مصدر وصف پر عرض اور وصف ہوتا ہے معلوم ہوا کہ یہاں وصف کی ذات مراد نہیں بلکہ غیر منصرف کے دیگر اسباب کی طرح یہ بھی عرض اور وصف ہے۔ وصف کے اندر دلالت ذات مبہمہ پر کبھی وضع کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے احمر کہ یہ ایسی ذات پر دلالت کررہا ہے جس میں حمرت یعنی سرخی پائی جاتی ہے یا یہ دلالت باعتبار استعمال کے ہو جیسے اربع جو مررت بنسوۃ اربع میں ہے۔ یہاں اربع میں وصفیت عارضی ہے اصلی نہیں ہے اس لئے کہ اربع عدد معین پر دلالت کرتا ہے اور وصف میں تعیین نہیں ہوتی اس لئے اربع میں وصف اصلی نہیں ہو سکتا لیکن مثال مذکور مررت بنسوۃ اربع میں اربع نسوۃ کی صفت ہے اور صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے وہ یہاں درست نہیں کیونکہ اربع عدد ہے اور نسوۃ معدود ہے حمل کی صورت میں عدد اور معدود کا اتحاد لازم آتا ہے۔ اس لئے تاویل کی جائے گی کہ اصل عبارت مررت بنسوۃ موصوفۃ باربع ہے اس طرح اربع کے اندر عارضی طور پر وصف کے معنی پیدا ہوگئے

شرطہ ای شرط الوصف فی سببیۃ منع الصرف ان یکون وصفا فی الاصل الذی هو الوضع بان یکون وضعہ علی الوصفیۃ لان تعرضہ الوصفیۃ بعد الوضع فی الاستعمال سواء بقی علی الوصفیۃ الاصلیۃ او زالت عنہ فلا تضرہ بان تخرجہ عن سببیۃ منع الصرف الغلبۃ ای غلبۃ الاسمیۃ علی الوصفیۃ ومعنی الغلبۃ اختصاصہ ببعض افرادہ بحیث لا یحتاج فی الدلالۃ علیہ الی قرینۃ کما ان اسود کان موضوعا لکل ما فیہ سواد ثم کثر استعمالہ فی الحیۃ السوداء

---

قولہ شرطہ ان یکون فی الاصل :- اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ وصف کی دو قسمیں ہیں اصلی اور عارضی ۔ یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غیر منصرف کے سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہے جو وضع کے وقت ہو، اگر وضع کے وقت وصف نہ ہو بعد میں استعمال کی صورت میں اس کے اندر وصفیت آگئی ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اور اگر وضع کے وقت ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہوگئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ وصف بدستور غیر منصرف کا سبب رہے گا، یہی مطلب ہے مصنف کے قول فلا تضرہ الغلبۃ کا۔

قولہ ومعنی الغلبۃ :- اسمیت کے غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسم اپنے بعض افراد کیساتھ اسطرح خاص ہوجائے کہ اس فرد پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کی ضرورت نہ ہو جیسے لفظ اسود کہ یہ کالے سانپ کیساتھ اسطرح خاص ہے کہ جب لفظ اسود بولا جائیگا تو کالے سانپ ہی کیطرف ذہن جاتا ہے، اگر اسکے خلاف کا قرینہ پایا جائے تو جیسا قرینہ ہوگا اسکے لحاظ سے دوسرے معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں جیسے کہا جائے کہ فلاں کے سر پر اسود بہت عمدہ بندھی ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت اسود سے مراد سیاہ عمامہ ہوگا۔

قولہ ببعض افرادہ :- اس قید سے ایک اعتراض دفع ہوگیا، وہ اعتراض یہ ہے کہ اگر اسمیت کا غلبہ وصفیت کے لئے مضر نہیں ہوتا اور اس حالت میں بھی وصف اصلی غیر منصرف کا سبب بدستور رہتا ہے تو اگر رجل ابیض کا نام اسود رکھ دیا جائے تو آپ کے قول کے مطابق اب بھی وصف کا اعتبار رہے گا، اس لئے اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ اس کا وصف اصلی اور وزن فعل ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ علمیت اور وزن فعل ہے ۔ معلوم ہوا کہ غلبہ اسمیت مضر ہے اس کی وجہ سے وصفیت اصلیہ باقی نہیں رہتی ۔ شارح نے جو ببعض افرادہ کی قید لگا دی ہے اس سے یہ اعتراض دور ہوجائے گا کیونکہ اختصاص اپنے ہی بعض افراد کے ساتھ ہونا چاہئے، اور رجل ابیض اسود کے افراد سے نہیں ہے۔

بحيث لايحتاج في الفهم عنه الى قرينة فلذلك المذكور من اشتراط اصالة الوصفية وعدم مضرة الغلبة صرف لعدم اصالة الوصفية باربع في قولهم مررت بنسوة اربع وامتنع من الصرف لعدم مضرة الغلبة اسود وارقم حيث صارا اسمين للحية الاول للحية السوداء والثاني للحية التي فيها سواد وبياض وادهم حيث صار اسما للقيد من الحديد لما فيه من الدهمة اعني السواد فان هذه الاسماء وان خرجت عن الوصفية بغلبة الاسمية لكنها بحسب اصل الوضع اوصاف لم يهجر استعمالها في معانيها الاصلية ايضاً بالكلية فالمانع من الصرف في هذه الاسماء الصفة الاصلية ووزن الفعل واما عند استعمالها في معانيها الاصلية فلا اشكال في منع صرفها لوزن الفعل والوصف في الاصل والحال وضعف منع افعى اسما للحية على عدم وصفيته لتوهم اشتقاقه من الفعوة

قولہ فلذلك صرف :- اس سے ماقبل یہ بیان کیا گیا ہے کہ غیر منصرف کے سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہے اگر اصل میں یعنی وضع کے وقت وصف ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہو جائے تو اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا وصف اصلی کا اعتبار رہیگا اور وہ غیر منصرف کا سبب بدستور رہے گا اور اگر اصل وضع میں وصف نہ تھا بعد میں استعمال کے وقت عارضی طور پر وصفیت پیدا ہوگئی ہے تو ایسے وصف کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ اربع کے اندر اصل وضع میں وصفیت نہ تھی، اس کی وضع تو عدد کے لئے ہے لیکن مررت بنسوۃ اربع میں عارضی طور پر وصفیت آگئی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور اس کو غیر منصرف نہ پڑھیں گے اس کی تقریر اور توضیح ماقبل میں گذر چکی ہے، اور اسود، ارقم، ادہم کے اندر وضع کے وقت وصفیت تھی بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہوگئی ہے تو اس غلبہ کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ کلمات بدستور غیر منصرف رہیں گے، ان کلمات میں اسمیت کا غلبہ اس طرح ہوا ہے کہ اسود کالے سانپ کا اور ارقم چتکبرے سانپ کا اور ادہم بیڑی کا نام ہو گیا ہے لیکن جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ اس غلبہ کا کوئی اثر نہیں، اس لئے یہ کلمات وصف اصلی اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہیں اگر معنی اسمی میں ان کا استعمال نہ ہو بلکہ اپنے معانی اصلیہ میں استعمال ہو جس میں اسمیت کا شائبہ نہ ہو تو پھر ان کا غیر منصرف ہونا بالکل ظاہر ہے کہ وصف اصلی اور وصف حالی کے ساتھ دوسرا سبب وزن فعل ہے

قولہ وضعف منع افعی الخ :- اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ آپ نے وصف کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اگر اصل وضع میں

التی هی الخبث وکذلك منع اجدل للصقر علمی عَلم وصفیته لتوهم اشتقاقه من الجدل بمعنی القوة واخیل للطائر ای لطائر ذی خیلان علی عَلم وصفیته لتوهم اشتقاقه من الخال ووجه ضعف منع الصرف فی هذه الاسماء عدم الجزم بکونها اوصافا اصلیة فانها لم یقصد بها المعانی الوصفیة مطلقا لافی الاصل ولافی الحال مع ان الاصل فی الاسم الصرف التانیث اللفظی الحاصل بالتاء لابالالف فانه

---

وصف پایا جاتا ہو اور بعد میں اسمیت کا غلبہ ہو جائے تو وہ مضر نہیں ہے وصف اصلی کا اعتبار کرکے وہ غیر منصرف کا سبب ہو سکتا ہے اس قول کی بنا پر افعی، اجدل، اخیل کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے کیونکہ ایک سبب ان میں وصف اصلی ہے اور دوسرا سبب وزن فعل ہے کیونکہ ان میں اگرچہ اسمیت غالب ہے چنانچہ افعی سانپ کا نام ہو گیا ہے اور اجدل شکرا کا نام ہے اخیل ایک پرندہ کا نام ہے جس کے پروں میں تل جیسا نشان ہوتا ہے لیکن آپ کے نزدیک غلبہ اسمیت مضر نہیں وصف اصلی کا اعتبار کرکے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے تو پھر اس میں ضعف کی کیا بات ہے۔ مصنف اس کا جواب دے رہے ہیں، جواب کی عبارت وضعف منع افعی ہے، اس سے دو باتیں سمجھ میں آرہی ہیں ایک یہ کہ ان کو غیر منصرف پڑھا جا سکتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے، غیر منصرف اسوجہ سے پڑھا جا سکتا ہے کہ ان میں ہر ایک کے اندر وصفیت کا گمان ہے، افعی کے اندر اسوجہ سے کہ اسکو فعوۃ سے مشتق مانا ہے جسکے معنی خبث کے ہیں اور یہ معنی وصفی ہیں اسیطرح اجدل کو جدل سے مشتق مانا ہے جس کے معنی قوت کے ہیں اور اخیل کو خال سے مشتق مانا جائے جس کے معنی تل کے ہیں، بہر حال ان کے اندر معانی وصفیہ کا گمان ہے اس لئے غیر منصرف پڑھنے کی گنجائش ہے۔ دوسری بات جو سمجھ میں آرہی ہے کہ غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر وصفیت کا صرف وہم ہے یقین نہیں ہے کیونکہ ان کا استعمال معنی وصفیہ میں نہ پہلے ہوا ہے اور نہ اب ہے تو جب تک کوئی یقینی وجہ غیر منصرف کی نہ پائی جائے تو کلمہ کو منصرف ہی پڑھا جانا چاہئے کیونکہ اسماء میں اصل انصراف ہے۔

قولہ التانیث بالتاء ؒ۔ تانیث کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی، پھر تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں تانیث لفظی بالتاء اور بالالف المقصورہ والممدودہ۔ تانیث کی یہ سب قسمیں غیر منصرف کا سبب ہوتی ہیں، تانیث جو الف مقصورہ اور ممدودہ سے حاصل ہوتی ہے اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کسی قسم کی شرط نہیں، تانیث لفظی بالتاء اور تانیث معنوی کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرائط ہیں، لیکن ان دونوں کی شرائط میں فرق ہے اس لئے ان کو تفصیل سے

لاشرط له شرطه فی سببیة منع الصرف العلمیة ای علمیة الاسم المؤنث لیصیر التانیث لازماً لان الاعلام محفوظة عن التصرف بقدر الامکان ولان العلمیة وضع ثان وکل حرف وضعت الکلمة علیه لاینفك عن الکلمة والتانیث المعنوی کذلك ای کالتانیث اللفظی بالتاء فی اشتراط العلمیة فیه الاان بینهما فرقا فانها فی التانیث اللفظی بالتاء شرط لوجوب منع الصرف وفی المعنوی شرط لجوازه ولا بد فی وجوبه من شرط اخر کما اشار الیه بقوله وشرطه تحتم تاثیره ای شرط وجوب تاثیر التانیث المعنوی فی منع الصرف احد الامور الثلثة الزیادة علی الثلثة ای زیادة حروف الکلمة علی ثلثة مثل زینب اوتحرك الحرف الاوسط من حروفها الثلثة مثل سقر او العجمة مثل ماه وجور وانما اشترط فی وجوب تاثیر التانیث المعنوی احد الامور الثلثة لیخرج الکلمة بثقل

---

بیان کررہے ہے۔ تانیث بالتار کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ علم ہو خواہ مذکر کا ہو جیسے طلحہ یہ مرد کا نام ہے یا مؤنث کا ہو جیسے فاطمہ، علمیت کی شرط اس وجہ سے ہے کہ جب کلمہ علم ہو جائے گا تو اس میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو سکے گا اور تانیث لازم ہو جائے گی زائل نہ ہو سکے گی، نیز علمیت کلمہ کے لئے وضع ثانی کا درجہ رکھتی ہے اور وضع کے وقت جتنے حروف ہوتے ہیں وہ محفوظ رہتے ہیں ان میں تغیر نہیں ہوتا اس طرح سے تانیث کے اندر قوت پیدا ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف کا سبب بن جائے گی۔

قولہ والمعنوی کذلك :- یعنی جس طرح تانیث لفظی بالتار میں علمیت شرط ہے، اسی طرح تانیث معنویہ کے اندر بھی شرط ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ تانیث لفظی میں شرط وجوب ہے اور تانیث معنوی میں شرط جواز ہے اگر تانیث بالتار کے ساتھ علمیت پائی جائے گی تو اس کا غیر منصرف پڑھنا ضروری ہے تانیث معنوی کے ساتھ پائی جائے گی تو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے واجب نہیں۔

قولہ وشرطہ تحتم تاثیرہ الخ :- ابھی بیان کیا گیا ہے کہ تانیث معنوی کے ساتھ اگر علمیت پائی جائے گی تو اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہے واجب نہیں اب اس کے وجوب کی شرط بیان کررہے ہیں کہ تانیث معنوی کے تاثیر کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ علی سبیل منع الخلو تین باتوں میں سے کوئی بات ہونی چاہئے اور وہ یہ ہیں زیادت علی الثلثہ، تحرک الاوسط، عجمہ۔ یہ امور ایسے ہیں جن کی وجہ سے کلمہ کے اندر ثقل پیدا ہو جائے گا اور یہی ثقل

الامور الثلثة عن الخفة التی من شانہا ان تعارض ثقل احد السببین فتزاحم تاثیرہ وثقل الاولین ظاهر وکذا العجمة لان لسان العجم ثقیل علی العرب فہند یجوز صرفہ نظرا الی انتفاء شرط تحتم تاثیر التانیث المعنوی اعنی احد الامور الثلثة ویجوز عدم صرفہ نظرا الی وجود السببین فیہ دون زینب وسقر علما لطبقة من طبقات النار وماہ وجور علمین لبلدتین ممتنع صرفہا اما زینب فللعلمیة والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وهو الزیادة علی الثلثة واما سقر فللعلمیة والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وهو تحرک الاوسط واما ماہ وجور فللعلمیة والتانیث المعنوی مع شرط تحتم تاثیرہ وهو العجمة فان سمی بہ ای بالمونث المعنوی مذکر فشرطہ فی سببیة منع الصرف الزیادة علی الثلثة لان الحرف الرابع فی حکم تاء التانیث

---

باعث بنے گا غیر منصرف کے سبب بننے کا، زیادت علی الثلاثہ اور تحرک الاوسط کا ثقل تو ظاہر ہے کہ تین سے زائد والا کلمہ بہ نسبت تین حرف والے کلمہ کے ثقیل ہے اسی طرح تحرک الاوسط ساکن الاوسط کے مقابلے میں ثقیل ہے، عجمہ میں ثقل اس وجہ سے ہے کہ ہر زبان والے پر دوسری زبان کا کلمہ ثقیل ہوتا ہے اس لئے اہل عرب پر عجمی زبان کا کلمہ ثقیل ہوگا، اگر ان تین باتوں میں سے کوئی بات نہ ہوگی تو کلمہ ثلاثی اور ساکن الاوسط اور عربی ہوگا جس کی وجہ سے خفت حاصل ہوگی جو غیر منصرف کا سبب بننے کے معارض ہوگی۔

قولہ فہند یجوز صرفہ :۔ شرائط مذکورہ پر تفریع کر رہے ہیں کہ ہند میں غیر منصرف کے جواز کی شرط پائی جاتی ہے یعنی تانیث اور علمیت اس وجہ سے اس کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے اور شرط وجوب نہیں پائی جاتی اس وجہ سے غیر منصرف پڑھنا واجب نہیں ہے اور زینب، سقر، ماہ، جور میں شرط جواز یعنی علمیت اور تانیث کے ساتھ ساتھ شرط وجوب بھی پائی جاتی ہے اس وجہ سے غیر منصرف پڑھنا واجب ہے زینب میں زیادت علی الثلثہ ہے سقر میں تحرک الاوسط ہے ماہ اور جور میں عجمہ ہے۔

قولہ فان سمی بہ مذکر :۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں تانیث لفظی اور معنوی پھر تانیث کی دو قسمیں ہیں الف مقصورہ اور الف ممدودہ یہ دونوں غیر منصرف کا سبب بلا شرط ہیں تانیث بالتاء میں شرط ہے کہ وہ علم ہو خواہ مذکر کا علم ہو یا مؤنث کا دونوں صورتوں میں وہ غیر منصرف کا سبب رہے گی کیونکہ اس میں علامت تانیث لفظوں میں موجود ہے، اس عبارت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تانیث معنوی کے ساتھ مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو پھر اس کے

قائم مقامها فقدم وهو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی اذا سمی به رجل منصرف لان التانيث الاصلی زال بالعلمية للمذكر من غير ان يقوم شئ مقامه والعلمية وحدها لا تمنع الصرف وعقرب وهو مؤنث معنوی سماعی باعتبار معناه الجنسی اذا سمی به رجل ممتنع صرفها لانه وان زال التانيث بعلميته للمذكر فالحرف الرابع قائم مقامه بدليل انه اذا صغر قدم ظهر التاء المقدرة كما تقتضيه قاعدة التصغير فيقال قديمة بخلاف عقرب فانه اذا صغر يقال عقيرب من غير اظهار التاء لان الحرف الرابع قائم مقامه فعقرب اذا سمی به رجل امتنع صرفه للعلمية والتانيث الحكمی المعرفة ای التعريف لان سبب منع الصرف هو وصف التعريف لا ذات

---

غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ زیادت علی الثلثہ ہو تحرک الاوسط یا عجمہ ہونا کافی نہیں ہے کیونکہ زیادت علی الثلثہ میں جو چوتھا حرف ہوگا وہ تانیث کے قائم مقام ہو جائے گا جس کی وجہ سے حکماً اس کی تانیث باقی رہے گی اور تحرک الاوسط اور عجمہ میں کوئی ایسی صورت نہیں ہے جس کی وجہ سے تانیث حکمی کے وجود کا حکم لگایا جائے۔

قولہ فقدم منصرف الخ۔ ماقبل میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر تفریع ہے کہ اگر تانیث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر منصرف پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں زیادت علی الثلثہ ہو اور یہ شرط قدم میں نہیں پائی جاتی ہے اس لئے وہ منصرف ہے اور عقرب کے اندر پائی جاتی ہے اس لئے وہ غیر منصرف ہے۔ رہی یہ بات کہ زیادت علی الثلثہ کی صورت میں اس کی کیا دلیل ہے کہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تصغیر کی صورت ایسی ہوتی ہے جس میں حروف اصلی اگر محذوف بھی ہوتے ہیں تو موجود ہو جاتے ہیں اگر حروف اصلی میں سے کوئی حرف نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ اس کا کوئی قائم مقام ہے جس کی وجہ سے حرف اصلی کے لانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اس قاعدے کی بناء پر جب ہم نے دیکھا کہ قدم کی تصغیر قدیمۃ آتی ہے اور عقرب کی عقیرب، اس سے معلوم ہوا کہ قدم میں کوئی ایسا حرف نہیں ہے جو تاء تانیث کے قائم مقام ہوتا ورنہ تصغیر میں تاء نہ آتی اور عقرب کے اندر قائم مقام ہے جس کی وجہ سے عقرب میں تصغیر کے وقت تاء تانیث کے لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

قولہ المعرفۃ ای التعریف:۔ اس سے ایک اعتراض کو دفع کرنا مقصود ہے، اعتراض یہ ہے کہ معرفہ تو ذات ہے اور غیر منصرف کے اسباب اوصاف کے قبیل سے ہیں، شارح نے جواب دیا کہ معرفہ سے مراد تعریف ہے اور یہ وصف ہے۔

المعرفة شرطها ای شرط تاثیرها فی منع الصرف ان تکون علمیة ای کون هذا النوع من جنس التعریف علی ان یکون الیاء مصدریة او منسوبة الی العلم بان تکون حاصلة فی ضمنه علی ان یکون الیاء للنسبة وانما جعلت مشروطة بالعلمیة لان تعریف المضمرات والمبهمات لایوجد الا فی المبنیات ومنع الصرف من احکام المعربات والتعریفات باللام او الاضافة یجعل غیر المنصرف منصرفا کما سیجیئ فلا یتصور کونه

---

قولہ شرطها ان تکون علمیة :۔ مصنف کی اس عبارت پر اعتراض ہوتا ہے کہ ان تکون میں اِن ناصبہ مصدریہ ہے جس کی وجہ سے تکون کون کے معنی میں ہوگا اور علمیة میں بھی یار مصدریہ ہے اس کو بھی کون کی تاویل میں کیا جائے گا اب عبارت کی تاویل یہ ہوگی شرطها کونها کونها علما اس میں تکرار کون ہے جو صحیح نہیں دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب اس کی تاویل کونها علما سے ہوئی تو اس میں علما کون کی خبر ہے جس کا حمل اس کے اسم پر ضروری ہے اور کون کا اسم ضمیر ہے جو معرفہ کی طرف راجع ہے اور معرفہ کو تعریف کے معنی میں لیا گیا ہے جیسا کہ شارح نے المعرفہ کے بعد ای التعریف سے اس کی وضاحت کی ہے اور تعریف وصف ہے جس پر علما ذات کا حمل نہیں ہو سکتا، شارح نے دونوں اعتراضوں کا جواب ای کون هذا النوع من جنس التعریف سے دیا ہے جواب کی تقریر یہ ہے کہ علمیة مؤول ہے ہذا النوع کے ساتھ جس کا مطلب یہ ہے کہ معرفہ غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگا جب کہ اس کی سات قسموں میں سے علم والی قسم پائی جائے باقی اقسام غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتے جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب آجائے گی، اور جب اس کی تاویل ہذا النوع کے ساتھ کی گئی تو کون کے اسم پر حمل درست ہو گیا اور تکرار کون بھی لازم نہ آئے گا، دوسرا جواب او منسوبة الی العلم سے دیا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یا مصدریہ ہے بلکہ یا نسبت کے لئے ہے اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی شرطها کونها منسوبة الی العلم، اس تقدیر پر تکرار کون نہیں ہے اور منسوبة کا حمل بھی کون کے اسم پر صحیح ہو جائے گا۔

قولہ وانما جعلت الخ :۔ یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ معرفہ کے لئے علمیت کو کیوں شرط قرار دیا ہے معرفہ کی باقی قسموں کا غیر منصرف کے سبب بننے میں کیوں اعتبار نہیں اس کی وجہ شارح بیان کر رہے ہیں کہ معرفہ کے جو باقی اقسام ہیں ان میں تین قسمیں یعنی مضمرات، اسمار اشارہ، اسمار موصولہ تو مبنی ہیں اسلئے وہ غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتے، کیونکہ غیر منصرف معرب ہے اور معرب اور مبنی میں تضاد ہے ایک شئی اپنی ضد کا سبب کیسے بن سکتی ہے، اور

سببا لمنع الصرف فلم یبق الا التعریف العلمی وانما جعل المعرفة سببا والعلمیة شرطها ولم یجعل العلمیة سببا کما جعل البعض لان فرعیة التعریف للتنکیر اظهر من فرعیة العلمیة له العجمة وهی کون اللفظ مما وضعه غیر العرب ولتاثیرها فی منع الصرف شرطان

---

معرفہ کی دو قسمیں معرف باللام اور معرف بالاضافت یہ غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کردیتی ہیں اس لئے یہ دونوں بھی غیر منصرف کا سبب نہیں ہوسکتیں، معلوم ہوا کہ معرفہ کے اقسام میں سے صرف علم ایسا ہے جو غیر منصرف کا سبب ہوسکتا ہے۔

قولہ انما جعل المعرفة سببا الخ:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ جب معرفہ کے اقسام میں سے صرف علم غیر منصرف کا سبب ہے تو مصنف کو اسقدر طول دینے کی کیا ضرورت تھی، شروع سے کہدیتے کہ غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب علم ہے اس کا جواب شارح دے رہے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر منصرف کے جتنے اسباب ہیں سب کا مدار فرعیت پر ہے یعنی ہر سبب کی کوئی نہ کوئی اصل ہے اور یہ سبب اس کی فرع ہے تو یہاں یہ کہنا کہ معرفہ جو غیر منصرف کا سبب ہے یہ نکرہ کی فرع ہے یہ زیادہ ظاہر ہے بہ نسبت اسکے کہ یہ کہا جائے کہ علم نکرہ کی فرع ہے اس وجہ سے مصنف رحمہ نے معرفہ کو غیر منصرف کا سبب قرار دیا اور علم کو اس کی شرط کہا۔

قولہ العجمة وهی کون اللفظ:۔ یہ بھی اعتراض مشہور کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ عجمہ ذات ہے اور غیر منصرف کے جتنے اسباب ہیں وہ وصف ہیں، اس کا جواب شارح وهی کون اللفظ الخ سے دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کون کی تاویل کے بعد یہ وصف ہوگیا ذات نہیں رہا۔

قولہ ولتاثیرها فی منع الصرف:۔ اس عبارت کو لاکر شارح نے بتایا کہ آگے جو شرط بیان کی جارہی ہے وہ عجمہ کے وجود کے لئے نہیں ہے بلکہ غیر منصرف میں تاثیر کے لئے ہے۔

قولہ شرطان:۔ عجمہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے دو شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو کیونکہ عجمی لفظ کا ادا کرنا اہل عرب پر دشوار ہوگا اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ آسانی کے لئے کچھ تغیر کرنا چاہیں تو علم ہونے کی وجہ سے کوئی تغیر نہ کرسکیں اور کلمہ کے اندر ثقل بدستور باقی رہے گا اور یہی ثقل باعث ہوگا غیر منصرف کے سبب بننے کا، البتہ علم میں تعمیم ہے خواہ حقیقۃً علم ہو جیسے ابراہیم کہ یہ عجم میں بھی علم ہے یا حکماً علم ہو یعنی عجم میں تو علم

شرطها الاول ان تكون علمية اى منسوبة الى العلم فى اللغة العجمية بان تكون متحققة فى ضمن العلم فى العجم حقيقة كابراهيم اوحكما بان ينقله العرب من لغة العجم الى العلمية من غير تصرف فيه قبل النقل كقالون فانه كان فى العجم اسم جنس سمى به احد رواة القراء لجودة قرائته قبل ان يتصرف فيه العرب فكانه كان علما فى العجمة وانما جعلت شرطا لئلا يتصرف فيها العرب مثل تصرفاتهم فى كلامهم فتضعف فيه العجمة فلا تصلح سببا لمنع الصرف فعلى هذا لو سمى بمثل لجام لايمتنع صرفه لعدم العلمية فى العجمة وشرطها الثانى احد الامرين تحرك الحرف الاوسط او الزيادة على الثلثة اى على ثلثة احرف لئلا يعارض الخفة

---

نہ رہا ہو لیکن جب اسکو نقل کیا گیا ہو تو اہل عرب نے اس میں کوئی تغیر نہ کیا ہو تو اس کو بھی حکما علم کہا جائیگا کیونکہ اگر حقیقۃ علم ہوتا تو اس میں کچھ تغیر نہ ہو سکتا تھا اسی طرح اس میں بھی تغیر نہیں ہوا اس لئے یہ علم حکمی ہوا جیسے قالون کہ عجم میں تو ہر اچھی چیز کو کہتے ہیں لیکن عرب میں ایک قاری کا نام ان کی جودت قرارت کی وجہ سے رکھا گیا تو یہ اگرچہ عجم میں علم نہ تھا نقل کے بعد علم ہوا ہے لیکن نقل کے وقت اس میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا اس لئے اس کو بھی حکما علم کہا جائے گا اور یہ بھی غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے کافی ہے۔ دوسری شرط دو امروں کے درمیان دائر ہے تحرک الاوسط ہو یا زیادتی علی الثلثۃ ہو، دونوں امر ایسے ہیں جس کی وجہ سے کلمہ ثقیل ہوتا ہے اور ثقل ہی غیر منصرف کے سبب بننے کا باعث ہوتا ہے اور اگر ان دونوں امروں میں سے کوئی امر نہ پایا جائے تو کلمہ خفیف ہوگا اور خفت سبب بننے کے معارض ہوگی اور جب غیر منصرف کا سبب نہ پایا جائے گا تو اس کا غیر منصرف پڑھنا درست نہ ہوگا۔

قولہ ان تکون علمیۃ ای منسوبۃ الی العلم:۔ اس سے اشارہ کیا کہ علمیۃ میں یا نسبت کی ہے یا مصدر کی نہیں ہے کہ تکرار کون لازم آئے، اس کی تفصیل اس سے قبل المعنی فۃ شرطها ان تکون علمیۃ کے تحت گذر چکی ہے۔

قولہ فعلی ھذا لو سمی بلجام الخ:۔ چونکہ عجمہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ عجمی زبان میں علم ہو، خواہ حقیقۃ ہو یا حکما جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے اور لجام یہ عجمی زبان کا لفظ ہے جو اصل میں لگام ہے یہ علم نہیں ہے اور عربیت کی طرف جب اس کو نقل کیا گیا تو اس میں تصرف کیا گیا گاف کو جیم سے بدل دیا گیا ہے اس لئے حکما بھی علم نہیں کہا جا سکتا، لہذا اس کو غیر منصرف نہ پڑھا جائے گا۔

احد السببین فنوح منصرف هذا تفریع بالنظر الی الشرط الثانی فانصراف نوح انما هو لانتفاء الشرط الثانی وهذا اختیار المص لان العجمة سبب ضعیف لانه امر معنوی فلا یجوز اعتبارها مع سکون الاوسط واما التانیث فان له علامة مقدرة تظهر فی بعض التصرفات فله نوع قوة فجاز ان یعتبر مع سکون الاوسط وان لا یعتبر فان قلت قد اعتبرت العجمة فی ماه وجور مع سکون الاوسط فیما سبق فلم لم تعتبرها ههنا قلنا اعتبارها فیما سبق انما هو لتقویة سببین آخرین لئلا یقاوم سکون الاوسط احدهما فلا یلزم

---

قولہ فنوح منصرف :۔ یہ تفریع ہے شرط ثانی کے انتفاء پر شرط ثانی یہ تھی کہ تحرک الاوسط یا زیادۃ علی الثلثۃ ہو، اور نوح میں ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہے اسلئے یہ منصرف ہے

قولہ هذا اختیار المصنف :۔ علامہ زمخشری وغیرہ نے نوح کو ہند پر قیاس کر کے منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھا ہے، مصنف کے نزدیک نوح کو منصرف پڑھا جائے گا غیر منصرف نہ پڑھا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ عجمہ ایک امر معنوی ہے اس کا اثر لفظوں میں ظاہر نہیں ہوتا اس وجہ سے اس کی سببیت میں ضعف ہے ساکن الاوسط کے ساتھ اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اور ہند کے اندر ایک سبب تو علم ہے اور وہ قوی سبب ہے دوسرا سبب تانیث معنوی ہے وہ اگرچہ تانیث لفظی کے اعتبار سے کمزور ہے لیکن بعض صورتوں میں اس کا اظہار ہو جاتا ہے جیسے تصغیر کی صورت میں اس لئے اس میں کچھ نہ کچھ قوت ہے اس لئے ساکن الاوسط کے ساتھ اس کا اعتبار کر لیا جائے گا اور اس کا غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہو گا لہٰذا نوح کو ہند پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

قولہ فان قلت قد اعتبرت العجمة الخ :۔ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ ساکن الاوسط کے ساتھ عجمہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا حالانکہ ماہ اور جور بھی تو ساکن الاوسط ہیں ان میں عجمہ کا اعتبار کیا گیا ہے اسی طرح نوح میں ساکن الاوسط کیساتھ عجمہ کا اعتبار کر کے اسکو غیر منصرف کیوں نہیں پڑھا جاتا، اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ ماہ اور جور میں دو سبب پہلے سے موجود ہیں علم اور تانیث معنوی لیکن تانیث معنوی سبب ضعیف ہے کیونکہ سکون اوسط کی خفت اس کے معارض ہے اس لئے اس کی تقویت کے لئے عجمہ کا اعتبار کر لیا گیا ہے تاکہ تانیث معنوی کی تاثیر میں قوت پیدا ہو جائے عجمہ کو مستقل سبب نہیں قرار دیا گیا اور نوح کے اندر عجمہ کا اگر اعتبار ہوتا تو مستقل سبب ہونے کی حیثیت سے ہوتا اور سکون اوسط کے ساتھ وہ مستقل سبب نہیں بن سکتا، تو اگر ماہ اور جور میں کسی سبب کی تقویت کے لئے سکون اوسط کے ساتھ عجمہ کا اعتبار کیا گیا ہے تو اس سے یہ کہاں

من اعتبارها لتقویۃ سبب اٰخر اعتبار سببیتہا بالاستقلال وشتر وھو اسم حصن بدیاربکی وابراھیم ممتنع صرفھما لوجود الشرط الثانی فیھما فان فی شتر تحرک الاوسط وفی ابراھیم الزیادۃ علی الثلثۃ وانما خص التفریع بالشرط الثانی لان غرضہ التنبیہ علی ماھو الحق عندہ من انصراف نحو نوح ولھذا اقدم انصرافہ مع انہ متفرع علی انتفاء الشرط الثانی والاولیٰ تقدیم ماھو متفرع علی وجودہ کما لا یخفیٰ واعلم ان اسماء الانبیاء علیہم السلام ممتنعۃ عن الصرف الا ستۃ

---

لازم آتا ہے کہ سکون اوسط کے ساتھ مستقل سبب بھی اس کو قرار دیا جائے لہذا یہ قیاس صحیح نہیں

قولہ وشتر وابراھیم ممتنع :۔ یہ شرط ثانی کے وجود پر متفرع ہے شتر کے اندر تحرک الاوسط ہے اور ابراہیم کے اندر زیادت علی الثلثہ ہے۔

قولہ انما خص التفریع :۔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مصنف نے بیان کیا ہے کہ عجمہ غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کے اندر دو شرطیں پائی جائیں (۱) علم (۲) اور تحرک الاوسط یا زیادت علی الثلثہ، لیکن تفریع کے وقت شرط اول پر کوئی تفریع نہیں کی اور شرط ثانی پر تفریع کی تو پہلے اس کے عدم پر تفریع کی اور وجود پر بعد میں کی حالانکہ ترتیب کا تقاضا تھا کہ وجود پر جو متفرع ہے اس کو پہلے بیان کرتے اور جو عدم پر متفرع ہے اس کو بعد میں بیان کرتے، شارح اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ مصنفؒ کا مقصد یہاں شرائط پر تفریع نہیں ہے بلکہ ان کو نوح جیسے لفظ کے انصراف کو بیان کرنا تھا اور وہ متفرع ہے شرط ثانی کے عدم پر اس لئے اس کو مقدم کیا اور جب شرط ثانی کے عدمی پہلو پر تفریع کی تو اس کے وجودی پہلو پر جو متفرع ہے اس کو بھی بیان کر دیا تاکہ کم از کم ایک شرط کے دونوں رخ سامنے آجائیں۔

قولہ اعلم ان اسماء الانبیاء :۔ شارح بتانا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ناموں میں سے کتنے نام منصرف ہیں اور کتنے غیر منصرف ہیں، فرماتے ہیں کہ چھ اسماء منصرف ہیں باقی غیر منصرف فارسی میں ایک شاعر نے ان کو نظم کیا ہے وہ شعر یہ ہے۔ ؎

گر ہمی خواہی کہ دانی اسم ہر پیغمبرے ؛ تاکدام است اے برادر نزد نحوی منصرف
صالح و ہود و محمد با شعیب و نوح و لوط ؛ منصرف دان و دگر باقی ہمہ لاینصرف

محمد، صالح، شعیب، ہود یہ چار اسماء تو اس وجہ سے منصرف ہیں کہ ان میں صرف ایک سبب علم ہے دوسرا کوئی سبب نہیں اسباب تسعہ میں سے صرف عجمہ کا احتمال تھا لیکن چونکہ یہ عربی ہیں اس لئے یہ بھی احتمال ختم ہوگیا اور تنہا علم سے کوئی کلمہ غیر منصرف نہیں ہوتا اور نوح اور لوط اگرچہ عجمی ہیں

محمد و صالح و شعیب و ھود لکونھا عربیۃ و نوح و لوط لخفتھما و قیل ان ھودًا کنوح لان سیبویہ قرنہ معہ ویؤیدہ مایقال من ان العرب من ولد اسمٰعیل و من کان قبل ذلک فلیس بعربی و ھود قبل اسمٰعیل فیمایذکر فکان کنوح الجمع وھو سبب قائم مقام السببین شرطہ ای شرط قیامہ مقام السببین صیغۃ منتھی الجموع وھی صیغۃ التی کان اولھا مفتوحًا وثالثھا الفا وبعد الالف حرفان او ثلثۃ اوسطھا ساکن وھی التی لاتجمع جمع التکسیر مرۃ اخرٰی ولھذا اسمیت صیغۃ منتھی الجموع لانھا جمعت

لیکن عجمہ کے لئے علم ہونے کے ساتھ یہ شرط ہے کہ تحرک الاوسط ہو یا زیادت علی الثلثہ ہو، اور ان دونوں میں دو باتوں میں سے کوئی بات نہیں ہے اس لئے یہ منصرف ہیں۔

قولہ قیل ان ھودًا کنوح الخ:۔ اس سے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ہود کے منصرف ہونے کی وجہ اس کا عربی ہونا ہے اس قول میں اس کو رد کیا ہے کہ اہل عرب تو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ہود علیہ السلام کا زمانہ حضرت اسماعیلؑ سے پہلے کا ہے اس لئے وہ عربی نہیں ہے معلوم ہوا کہ ہود کے منصرف ہونے کی وجہ اس کا عربی ہونا نہیں بلکہ یہ نوح کی طرح ساکن الاوسط ہے اس وجہ سے منصرف ہے۔

قولہ الجمع:۔ یہ تنہا دو سببوں کے قائم مقام ہے اس کے ساتھ دوسرے سبب کے ملانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ دو سببوں کے قائم مقام اس وقت ہوگا جب یہ دو باتیں پائی جائیں (۱) صیغہ منتہی الجموع کا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں تا نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہا ہو جاتی ہے۔

قولہ وھی الصیغۃ التی الخ:۔ صیغہ منتہی الجموع ایسے صیغہ کو کہتے ہیں جس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں تو پہلا مکسور ہو جیسے مَسَاجِد اور اگر الف کے بعد تین حرف ہوں تو درمیان کا حرف ساکن ہو جیسے مصابیح ـــ شارح وھی الصیغۃ الخ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صیغہ سے مراد وزن عروضی ہے یعنی حرکات اور سکنات میں مساوات ہو وزن صرفی مراد نہیں کہ زائد کے مقابلہ میں زائد ہو اور اصلی کے مقابلے میں حرف اصلی ہو، اس صورت میں ضوارب، جوافر، اساور، اناعیم جمع منتہی الجموع میں داخل ہوجائیں گے اس واسطے کہ یہ مساجد اور مصابیح کے وزن پر ہیں۔

قولہ وھی التی لا تجمع جمع التکسیر مرۃ اخرٰی:۔ پہلی تعریف جمع منتہی الجموع کی لفظ کے اعتبار سے ہے اور یہ معنی کے اعتبار سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وزن پر جو جمع ہوگی اس کی جمع تکسیر کا سلسلہ آگے نہ چل سکے گا تو گویا کہ اس کے جمع کی حد ختم ہوگئی اسی وجہ سے

فی بعض الصور فی تبین تکسیرًا فانتھی تکسیرھا المغیر للصیغۃ فاما جمع السلامۃ فانہ لایغیر الصیغۃ فیجوز ان تجمع جمع السلامۃ کما تجمع ایامن جمع ایمن علی ایامنین و صواحب جمع صاحبۃ علی صواحبات وانما اشترطت لتکون صیغۃ مصونۃ عن قبول التغیر فتؤثر بغیر ھاء منقلبۃ عن تاء التانیث حالۃ الوقف والمراد بھا تاء التانیث باعتبار ما یؤل الیہ حالۃ الوقف فلا یرد نحو فوارہ جمع فارھۃ وانما اشترط کونھا بغیر ھاء لانھا لو کانت مع ھاء کانت علی زنۃ المفرد ذات ککفی ازنۃ فانھا علی زنۃ کراھۃ وطواعۃ بمعنی الکراھۃ والطاعۃ فید خل فی قوۃ جمعیتہ فتور ولاحاجۃ الی اخراج نحو مدائنی

---

اس کو منتہی الجموع کہا گیا ہے۔

قولہ واما جمع السلامۃ الخ:- مطلب یہ ہے کہ اس وزن پر جو صیغہ جمع کا ہوگا، اسکی جمع جمع تکسیر تو اب نہ آسکے گی کیونکہ اس سے وزن میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور تغیر پیدا ہو جانے سے اس میں استحکام باقی نہ رہے گا اور جب استحکام نہ ہوگا تو دو سبب کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، اور جمع سلامت میں صیغہ تغیر سے محفوظ رہتا ہے اس لئے جو جمع کا صیغہ اس وزن پر ہوگا اس کی جمع سلامت آگے بھی آسکتی ہے جیسے یمین کی جمع ایمن پھر اس کی جمع ایامن اور ایامن کی جمع ایامنین آتی ہے اسی طرح صاحبۃ کی جمع صواحب اور صواحب کی جمع صواحبات آتی ہے۔

قولہ بغیر ھاء:- جمع جو غیر منصرف کے دو سببوں کے قائم مقام ہے اس کے لئے ایک شرط تو یہ تھی کہ صیغہ منتہی الجموع کا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہا، ہو جاتی ہے کیونکہ ایسی تاء کی وجہ سے کلمہ مفرد کے وزن پر ہو جائے گا جس کی وجہ سے جمعیت میں فتور پیدا ہو جائے گا اور دو سببوں کے قائم مقام نہ بن سکے گا جیسے فرازنۃ کہ یہ کراھیۃ کے وزن پر ہے جو کراہت کے معنی میں ہے اس میں صیغہ منتہی الجموع کا ہے لیکن تاء کو قبول کرنے کی وجہ سے غیر منصرف نہیں ہے۔

قولہ ولاحاجۃ الی اخراج مدائنی الخ:- اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنف کو ایک قید یہ بھی لگانی چاہئے اور کہنا چاہئے بغیر یاء النسبۃ تاکہ اس سے مدائنی جیسا کلمہ خارج ہو جائے کیونکہ اس میں صیغہ منتہی الجموع کا ہے اور ہا بھی نہیں ہے تو مصنف کے بیان کردہ شرائط پائے جانے کی وجہ سے اس کو غیر منصرف ہونا چاہئے حالانکہ وہ منصرف ہے معلوم ہوا کہ یاء نسبتی بھی غیر منصرف ہونے سے مانع ہے اس لئے اس قید کا ہونا ضروری ہے۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ مدائنی جمع ہی نہیں ہے تو جب وہ جمع میں داخل نہیں ہے تو اخراج کی کیا ضرورت ہے یہ تو

فانہ مفرد محض لیس جمعاً لا فی الحال و لا فی المآل و انما الجمع مدائن وھو لفظ آخر بخلاف فرازنۃ فانھا جمع فرزین او فرزان بکسر الفاء فعلم مما سبق ان صیغۃ منتھی الجموع علی قسمین احدھما مایکون بغیرھاء و ثانیھما مایکون بھاء فاما ماکان بغیرھاء فممتنع صرفہ لوجود شرط تاثیرھا کمساجد مثال لما بعد الفہ حرفان و مصابیح مثال لما بعد الفہ ثلثۃ احرف اوسطھا ساکن و اما فرازنۃ و امثالھا مما ھی علی صیغۃ منتھی الجموع مع الھاء فمنصرف لفوات شرط تاثیر الجمعیۃ وھو کونھا بلاھاء وحضاجر علما للضبع ھذا جواب سوال مقدر تقدیرہ ان حضاجر علم جنس للضبع یطلق علی الواحد و الکثیر کما ان اُسامۃ علم جنس للاسد فلا جمعیۃ فیہ و صیغۃ منتھی الجموع لیست من اسباب منع الصرف بل ھی شرط للجمعیۃ فینبغی ان یکون منصرفا لکنہ غیر منصرف و تقریر الجواب ان حضاجر حال کونہ علما للضبع غیر منصرف لا للجمعیۃ الحالیۃ بل للجمعیۃ الاصلیۃ لانہ منقول عن الجمع فانہ کان فی الاصل جمع حضجر بمعنی عظیم البطن سمی بہ الضبع مبالغۃ فی عظم بطنھا کان کل فرد منھا جماعۃ من ھذا الجنس فالمعتبر فی منع صرفہ ھو الجمعیۃ الاصلیۃ

---

مفرد ہے جمع نہیں، مدائن البتہ جمع ہے وہ دوسرا لفظ ہے مدائن سے اس کا کیا تعلق بخلاف فرازنۃ کہ یہ فرزین یا فرزان کی جمع ہے (یہ شطرنج کی ایک گوٹ کا نام ہے جس کو وزیر کہتے ہیں) تو اس میں اگرچہ صیغہ منتہی الجموع کا ہے لیکن ہا کو قبول کرنے کی وجہ سے منصرف ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

قولہ وحضاجر علما للضبع :- یہ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے جمع کو غیر منصرف کا سبب اور صیغہ منتہی الجموع کو اس کی شرط قرار دیا ہے اور حضاجر میں وزن تو ہے لیکن جمع نہیں ہے تو جب اس میں جمعیت نہیں پائی جاتی تو غیر منصرف نہ ہونا چاہئے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ حضاجر اگرچہ بجو کا اسم جنس ہے اور جمع نہیں ہے لیکن یہ جمع سے منقول ہے کیونکہ حضجر بروزن قمطر کی جمع ہے جس کے معنی عظیم البطن کے ہیں، حاصل یہ ہے کہ اس میں اگرچہ اس وقت جمع کے معنی نہیں ہیں لیکن اصل میں جمع ہونے کی وجہ سے اس میں جمعیت کا اعتبار کر کے غیر منصرف پڑھا گیا ہے

قولہ کان کل فرد منھا جماعۃ من ھذا الجنس :- یعنی حضاجر جو بجو کا علم جنس ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے اس کی خوراک تنہا کئی جانوروں کی خوراک کے برابر ہوتی ہے گویا کہ ہر فرد اس کا بڑے پیٹ والوں کی ایک جماعت ہے۔

فائدہ :- اسم کی تین قسمیں ہیں (۱) اسم جنس، جس میں افراد سے قطع نظر کر کے مفہوم کلی کے لئے وضع ہو جیسے لفظ اسد کہ اس کو حیوان مفترس کی ماہیت کے لئے وضع کیا گیا ہے افراد کا

فان قلت لاحاجة فی منع صرفہ فان فیہ العلمیة والتانیث لان الضبع ھی انثی الضبعان قلنا علمیة غیر مؤثرة والا لکان بعد التنکیر منصرفا والتانیث غیر مسلم لانہ علم لجنس الضبع مذکرا کان او مؤنثا وانما اکتفی المصنف فی التنبیہ علی اعتبار الجمعیة الاصلیة بھذا القول ولم یقل الجمع شرطہ ان یکون فی الاصل کما قال فی الوصف لئلا یتوھم ان الجمعیة کالوصف قد تکون اصلیة معتبرة وقد تکون عارضة غیر معتبرة ولیس الامر کذلک اذ لا یتصور العروض فی الجمعیة

---

لحاظ نہیں کیا گیا۔ (۲) علم جنس اس کی وضع بھی ماہیئت کے لئے ہوتی ہے لیکن وضع کے وقت ماہیئت کے ساتھ خصوصیات ذہنیہ کا لحاظ کیا جاتا ہے جیسے حضاجر کہ اس کی وضع ضبع کے لئے ہے لیکن ہمیں اس کے عظیم البطن ہونے کا لحاظ کیا گیا ہے۔ (۳) علم جنس کی وضع ذات معینہ کے لئے ہو یعنی وضع کے وقت اس کی تشخصات خارجیہ کا لحاظ کیا گیا ہو۔

قولہ فان قلت :- ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ حضاجر کے غیر منصرف ہونے میں اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ اس میں اگرچہ ضبع کے علم کے وقت جمعیت باقی نہیں رہی لیکن چونکہ اصل میں جمع ہے اس لئے جمعیت اصلیہ کا اعتبار کر کے اس کو غیر منصرف پڑھا گیا۔ اس تاویل کے بغیر بھی اس کے غیر منصرف ہونے کے اسباب ہیں یعنی علمیت اور تانیث کیونکہ ضبع ضبعان کا مؤنث ہے ان دونوں کا اعتبار کر کے غیر منصرف کیوں نہیں پڑھتے۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس میں نہ تو علمیت کی تاثیر مسلم ہے اور نہ تانیث کا وجود مسلم، علمیت کی تاثیر تو اس لئے مسلم نہیں کہ جہاں علمیت کا اثر ہوتا ہے وہاں اگر علمیت زائل کر دی جائے تو کلمہ منصرف ہو جاتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے اگر حضاجر سے علمیت زائل کر دی جائے اور اس کو نکرہ کر لیا جائے تب بھی غیر منصرف رہتا ہے معلوم ہوا کہ اس کے غیر منصرف ہونے میں علمیت کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح تانیث بھی مسلم نہیں کیونکہ حضاجر جنس ضبع کا علم جنس ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث۔

قولہ انما اکتفی المصنف :- اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مصنف نے جمعیت اصلیہ کے اعتبار کرنے میں لانہ منقول عن الجمع کا عنوان کیوں اختیار کیا وصف اصلی کے اعتبار کرنے میں جو عنوان اختیار کیا تھا اور کہا تھا الوصف شرطہ ان یکون فی الاصل وہی طریقہ یہاں بھی اختیار کرتے اور کہتے الجمع شرطہ ان یکون فی الاصل۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ وصف والا طریقہ اختیار کرنے میں یہ وہم کیا جا سکتا تھا کہ جس طرح وصف کی دو قسمیں ہیں اصلی اور عارضی اور غیر منصرف کے سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہے عارضی کا نہیں، اسی طرح جمع کی بھی دو قسمیں

وسراویل جواب عن سوال مقدر تقدیرہ ان یقال قد تفصّیت عن الاشکال الوارد علی قاعدۃ الجمع بحضاجر بجعل الجمع اعم من ان یکون فی الحال او فی الاصل فما تقول فی سراویل فانہ اسم جنس یطلق علی الواحد والکثیر ولا جمعیۃ فیہ لا فی الحال ولا فی الاصل فاجاب بانہ قد اختلف فی صرفہ ومنعہ منہ فھو اذا لم یصرف وھو الاکثر فی موارد الاستعمال فیرد بہ الاشکال علی قاعدۃ الجمع کما قلت فقد قیل فی التفصی عنہ انہ اسم اعجمی لیس بجمع لا فی الحال ولا فی الاصل حمل فی منع الصرف علی موازنہ ای علی ما یوازنہ من الجموع العربیۃ کاناعیم ومصابیح فانہ فی حکمھا من حیث الوزن فھو وان لم یکن من قبیل الجمع حقیقۃ لکنہ من قبیلہ حکمًا فالجمعیۃ علی ھذا التقدیر

---

ہوتی ہوں گی جمع اصلی اور عارضی حالانکہ جمع عارضی کوئی چیز نہیں جمع کی تو بس ایک قسم ہے اصلی، عارضی کا تو اس میں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ وسراویل الخ:- اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ حضاجر کے غیر منصرف پڑھنے کے بارے میں جب اعتراض ہوا کہ اس میں صرف صیغہ جمع کا ہے اور جمع کے معنی نہیں پائے جاتے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ جمع اس وقت بے شک نہیں ہے لیکن جمع سے منقول ہے جس کا حاصل یہ تھا کہ جمع حالی تو بے شک نہیں لیکن جمع اصلی چونکہ پائی جاتی ہے اس لئے غیر منصرف پڑھا گیا، لیکن سراویل میں تو اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں کیونکہ اس میں نہ جمع حالی ہے اور نہ اصلی، یعنی یہ جمع کبھی نہیں رہا۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس میں دو مذہب ہیں ایک مذہب تو یہ ہے کہ وہ منصرف ہے اس صورت میں تو اعتراض ہی نہیں وارد ہوتا، جیسا کہ اس کو اس عبارت کے آخر میں اپنے قول واذا صرف فلا اشکال سے بیان کیا ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ سراویل غیر منصرف ہے اس صورت میں اشکال ہوگا کیونکہ جب جمع نہیں ہے تو کیوں غیر منصرف پڑھا جاتا ہے شارح فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل دو طرح سے کی گئی ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ لفظ عجمی ہے عربی نہیں ہے لیکن عرب کے کلمات جو اس وزن پر ہیں وہ غیر منصرف ہیں اس لئے ان پر حمل کر کے اس کو بھی غیر منصرف پڑھا جاتا ہے، اگرچہ جمع نہیں ہے کیونکہ جو کچھ بھی پابندیاں ہیں وہ عربی کلمات کے لئے ہیں نہ کہ عجمی کلمات کے لئے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ عربی کلمہ ہے اس میں اعتراض ہوگا کہ جب عربی کلمہ ہے تو اس صورت میں غیر منصرف پڑھنے کے لئے جمع کا ہونا ضروری ہے اور وہ مفقود ہے تو پھر غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں جمع حقیقۃً تو نہیں ہے لیکن یہ فرض کرایا جائے گا کہ یہ سروالۃ کی جمع ہے

اعم من ان تكون حقيقة او حكما فبناء هذا الجواب على تعميم الجمعية لا على زيادة سبب اخر على الاسباب التسعة وهو الحمل على الموازن وقيل هو اسم عربي ليس بجمع تحقيقا لانه اسم جنس يطلق على الواحد والكثير لكنه جمع سروالة تقديرًا وفرضًا فانه لما وجد غير منصرف ومن قاعدتهم ان هذا الوزن بدون الجمعية لم يمنع الصرف قد رحفظا لهذه القاعدة انه جمع سروالة فكانه سمى كل قطعة من السراويل سروالة ثم جمعت سروالة على سراويل واذا صرف اى سراويل لعدم تحقق جمعيته تحقيقا والاصل في الاسماء الصرف فلا اشكال بالنقض به على قاعدة الجمع ليحتاج الى التفصى عنه نحو جوار اى كل جمع منقوص على فواعل

---

پائجامہ کا ہر ہر ٹکڑا سروالۃ ہے اور پورا پائجامہ سراویل ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ غیر منصرف کا سبب تو جمع منتہی الجموع ہے البتہ اس میں تعمیم ہے خواہ اس میں جمع حقیقی ہو یا فرضی ۔

قولہ فبناء هذا الجواب الخ:۔ اس سے پہلے یہ تاویل کی گئی ہے کہ سراویل عجمی لفظ ہے لیکن عرب کے کلمات جو اس وزن پر ہیں وہ غیر منصرف ہیں اس لئے اس کو بھی غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ غیر منصرف کے مشہور اسباب تو نو ہیں جن کو اس سے قبل بیان کیا گیا ہے لیکن تمہاری تاویل سے ایک جدید انکشاف ہوا کہ حمل علی الموازن بھی غیر منصرف کا سبب ہوتا ہے شارح اپنے قول فبناء هذا الجواب سے اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ اس تاویل میں جمعیت کے اندر تعمیم کی گئی ہے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں خواہ حقیقی ہو یا حکمی ۔ اور سراویل جمع حقیقی تو نہیں ہے لیکن حکمی ہے اس میں کسی جدید سبب کا اضافہ نہیں کیا گیا لہذا اعتراض مذکور لغو ہے ۔

قولہ ونحو جوار :۔ اس سے قبل بیان کیا ہے کہ سراویل کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں اختلاف ہے چونکہ جوار جیسے لفظ کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں بھی اختلاف ہے اس مناسبت سے سراویل کے بعد اس کو بیان کر رہے ہیں، نحو جوار سے مراد ہر وہ جمع ہے جو فواعل کے وزن پر ہو خواہ ناقص واوی ہو جیسے الدواعی یا ناقص یائی ہو جیسے الجواری، مصنف فرماتے ہیں کہ اس قسم کی جمع کا حکم رفعی اور جری حالت میں یاء کے حذف اور تنوین کے داخل ہونے میں قاض کی طرح ہے حالت نصبی کا بیان بعد میں آرہا ہے، مصنف کی عبارت میں مختلف اعتراضات ہیں، ان کے جواب کے بعد اس عبارت کی تشریح کی جائے گی ۔ اعتراض (۱) جوار کی تشبیہ قاض کے ساتھ صحیح نہیں کیونکہ جوار جمع ہے اور قاض مفرد ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ حکم میں ہے

یا ئیا کان او واویا کالجواری والدواعی رفعاً وجراً ای فی حالتی الرفع والجر کقاض ای حکمہ حکم قاض بحسب الصورۃ فی حذف الیاء عنہ وادخال التنوین علیہ تقول جاء تنی جوار ومررت بجوار کما تقول جاءنی قاض ومررت بقاض وامافی

نہ کہ صیغہ میں (۲) حکم میں بھی تشبیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قاضٍ کے منصرف ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور جوارٍ کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ انصراف اور عدم انصراف میں، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح قاضٍ میں بحالت رفع وجر یاء حذف ہو جاتی ہے اور تنوین آجاتی ہے اسی طرح ان دونوں حالتوں میں جوار جیسے کلمہ میں یاء حذف ہو جائے گی اور تنوین آجائے گی (۳) صورت کے اعتبار سے بھی تشبیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جوار کی صورت تعلیل سے پہلے فواعل کی ہے جو جمع ہے اور قاضٍ کی صورت تعلیل سے پہلے فاعل کی ہے جو کہ مفرد ہے، اس کا جواب ابھی مذکور ہوا ہے کہ صورت کے اعتبار سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ قاض کی طرح جوار میں بھی رفعی اور جری حالت میں یاء حذف ہو جائیگی اور تنوین آجائے گی۔

اس کے بعد سمجھئے کہ مصنف نے جوار جیسے لفظ کا طریقہ استعمال تو بیان کیا کہ اس کو بحالت رفع اور جر قاض کی طرح پڑھا جائے گا یعنی یاء حذف کر دیں گے اور تنوین کے ساتھ پڑھیں گے لیکن اس کے انصراف اور عدم انصراف کو نہیں بیان کیا حالانکہ اس کا بیان یہاں زیادہ مناسب تھا کیونکہ کلام منصرف اور غیر منصرف کے بارے میں ہو رہا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اس کے انصراف اور عدم انصراف میں اختلاف تھا اس لئے مصنف نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے طریقہ استعمال پر اکتفاء کیا اور انصراف و عدم انصراف کی طویل بحث کو چھوڑ دیا۔ اب حسب بیان شارح اس کی توضیح سنئے! شارح فرماتے ہیں کہ جوار جیسے لفظ کو بحالت نصب غیر منصرف پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ اس حالت میں یاء پر فتحہ ہوگا جو کہ خفیف ہے اس میں تعلیل کی ضرورت نہیں ہے اس لئے جمعیت تو اس میں موجود ہی ہے اور حالت نصبی میں تعلیل نہ ہونے کی وجہ سے صیغہ منتہی الجموع کا بھی اپنی صورت پر باقی ہے اس لئے غیر منصرف پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں البتہ حالت رفعی اور جری میں اس کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں اختلاف ہے جس کو شارح بخلاف حالتی الرفع والجر سے بیان کر رہے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جوارٍ جیسے کلمہ میں بحالت رفع وجر انصراف اور عدم انصراف کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ کا انصراف اور عدم انصراف تعلیل پر مقدم ہے یا تعلیل ان دونوں پر مقدم ہے تشریح اس

حالة النصب فالیاء متحرکة مفتوحة نحو رأیت جواری فلا اشکال فی حالة النصب لان الاسم غیر منصرف للجمعیة مع صیغة منتھی الجموع بخلاف حالتی الرفع والجر فانه قد اختلف فیه فذھب بعضھم الی ان الاسم منصرف والتنوین فیه تنوین الصرف لان الاعلال المتعلق بجوھر الکلمة مقدم علی منع الصرف الذی ھو من احوال الکلمة

---

کی یہ ہے کہ کلمہ کے احوال کو دیکھ کر پہلے اسکے منصرف یا غیر منصرف پڑھنے کا فیصلہ کیا جائیگا یعنی دیکھا جائیگا کہ اس میں غیر منصرف کے اسباب ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس کو غیر منصرف پڑھا جائے گا اگر دو سبب نہیں ہیں تو منصرف پڑھا جائے گا، اس کے بعد دونوں صورتوں میں دیکھا جائے گا کہ تعلیل کی ضرورت ہے یا نہیں اگر ہے تو تعلیل کی جائے گی ورنہ نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ تعلیل تو کلمہ سے ثقل کو زائل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور اس کا علم کہ ثقل ہے یا نہیں تلفظ کے بعد ہو سکتا ہے اور تلفظ کے وقت یا تو اس کو منصرف پڑھیں گے یا غیر منصرف اس کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ انصراف یا عدم انصراف تعلیل پر مقدم ہے ۔

بعض نحوی کہتے ہیں کہ تعلیل مقدم ہے اس کے بعد انصراف یا عدم انصراف کا فیصلہ ہوگا تعلیل کے بعد اگر دو سبب ہوں گے تو غیر منصرف ہوگا ورنہ منصرف ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تعلیل کا تعلق ذات سے ہے اور منصرف یا غیر منصرف کلمہ کی صفت ہے اور صفت مؤخر ہوتی ہے ذات سے لہذا جس کا تعلق ذات سے ہے (تعلیل) اس کو مقدم کیا جائے گا اور جس کا تعلق صفت سے ہے (منصرف یا غیر منصرف ہونا) اس کو مؤخر کیا جائے گا ۔ اس کے بعد اب مصنف کے عبارت کی تشریح کی جاتی ہے ۔

قولہ فذھب بعضھم الی ان الاسم منصرف والتنوین فیہ تنوین الصرف الخ :۔ بعض سے مراد زجاج اور سیبویہ ہیں اس کی بنیاد اس پر ہے کہ تعلیل مقدم ہے انصراف یا عدم انصراف پر اس قول کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ تعلیل مقدم ہے اس لئے جوارٍ جیسے کلمہ کی بحالت رفع یہ تعلیل کی گئی کہ جوارٍ اصل میں جواریٌ ہے یعنی یاء پر ضمہ اور تنوین ہے، اور یاء پر ضمہ دشوار ہوتا ہے اس لئے اس کو ساکن کیا اس کے بعد اجتماع ساکنین ہوا یاء اور تنوین کے درمیان اس لئے یاء کو گرا دیا جوارٍ ہوا بروزن سلام وکلام اور یہ وزن مفرد کا ہے تو جب صیغہ منتہی الجموع کا باقی نہ رہا جو شرط ہے غیر منصرف کے لئے تو پھر اس کو منصرف پڑھا جائے گا اس مذہب کی بناء پر یہ کلمہ تعلیل سے پہلے تو اس وجہ سے منصرف ہے کہ اصل اسم میں انصراف ہے اور تعلیل کے بعد جمع کا وزن باقی نہیں رہتا اس لئے منصرف ہے ۔

بعد تمامها فاصل جوارٍ فی قولک جاءتنی جوارٍ جواریُ بالضم او التنوین بناء علی ان الاصل فی الاسم الصرف فبنی الاعلال علی ما هو الاصل ثم اسقطت الضمة للثقل والیاء لالتقاء الساکنین فصار جوارٍ علی وزن سلامٍ وکلامٍ فلم یبق علی صیغة منتهی الجموع فهو بعد الاعلال ایضاً منصرف والتنوین فیه للصرف کما کان قبل الاعلال لکن ذلک ذهب بعضهم الی انه بعد الاعلال غیر منصرف لان فیه الجمعیة مع صیغة منتهی الجموع لان المحذوف بمنزلة المقدر ولهذا لایجری الاعراب علی الراء والتنوین فیه تنوین العوض فانه لما اسقط تنوین الصرف عوض من الیاء المحذوفة او عن حرکتها هذا التنوین

قولہ وذهب بعضهم الی انه بعد الاعلال غیر منصرف الخ:۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ جمہور نحویوں کا مسلک یہی ہے۔ اس مذہب کی بنیاد بھی وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی کہ تعلیل مقدم ہے انصراف یا عدم انصراف پر لیکن تعلیل کے بعد یہ حضرات اس جیسے کلمہ کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اس قول کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ اصل اسم میں انصراف ہے لہذا تعلیل سے پہلے تو منصرف پڑھا جائے گا لیکن تعلیل کے بعد اس کو غیر منصرف پڑھیں گے کیونکہ معنی جمع کے تو اس میں ہر حال میں موجود ہی ہیں، رہ گیا صیغہ منتہی الجموع کا کہ تعلیل کے بعد بظاہر وہ وزن باقی نہیں رہا لیکن حکماً اس کو موجود مانا جائے گا، کیونکہ یاء جس کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اس کو موجود فرض کیا جائے گا المقدر کالملفوظ کے قاعدے سے گویا کہ یاء موجود ہے اور یاء جب موجود ہے تو صیغہ منتہی الجموع کا پایا گیا تو جب جمع اپنی شرط کے ساتھ موجود ہے تو پھر اس کو غیر منصرف کیوں نہ پڑھا جائے، ان حضرات نے جو دعوی کیا ہے کہ یاء کو موجود فرض کیا جائے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یاء بالکل موجود نہیں ہے بلکہ نسیاً منسیاً ہے تو جوارٍ کی راء آخر کلمہ ہوگی اور آخر کلمہ پر اعراب جاری ہوتا ہے لہذا عامل کے تقاضے کی بناء پر اس پر رفع، نصب، جر تینوں اعراب آنا چاہئے حالانکہ بحالت رفع ونصب وجر تینوں حالتوں میں اس میں راء پر کسرہ ہی رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ راء کو آخری کلمہ نہیں قرار دیا گیا اور یاء جو آخری کلمہ تھی اس کو موجود مانا گیا ہے۔

قولہ والتنوین فیه تنوین العوض:۔ جن حضرات نے تعلیل کے بعد جوارٍ جیسے کلمہ کو غیر منصرف قرار دیا ہے ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ غیر منصرف ہے تو اس میں تنوین کیوں ہے شارح جواب دے رہے ہیں کہ یہ تنوین صرف نہیں ہے جو غیر منصرف کے لئے مانع ہو، بلکہ یہ تنوین عوض کی ہے، یعنی تعلیل کے بعد جب یاء کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تو اس یاء محذوف کے یا اس کی حرکت کے عوض علی اختلاف القولین یہ یاء لائی گئی ہے۔

قولہ عوض من الیاء المحذوفة او عن حرکتها الخ:۔ اس میں اختلاف ہے کہ جوارٍ جیسے کلمہ میں

وعلى هذا القياس حالة الجر بلا تفاوت في لغة بعض العرب اثبات الياء في حالة الجر كما في حالة النصب كقول مررت بجواري كما تقول رأيت جواري وبناء هذه اللغة على تقديم منع الصرف على الاعلال فانه حينئذ تكون الياء مفتوحة في حالة الجر والفتحة خفيفة فما وقع فيه اعلال واما في حالة الرفع فاصل جوارٍ جواري بالضمة بلا تنوين حذفت الضمة للثقل وعوض عنهما التنوين ـ

---

جو تنوین عوض کی ہے یہ یار محذوفہ کے عوض میں ہے یا اس کی حرکت کے، اس میں سیبویہ اور خلیل کا مذہب یہ ہے کہ یہ تنوین یار محذوفہ کے عوض میں ہے اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ یار محذوفہ کی حرکت کے عوض میں یہ تنوین آئی ہے۔ سیبویہ اور خلیل کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تنوین کی وجہ سے تو یار کو حذف کیا گیا ہے تو پھر تنوین اس کے عوض میں کیسے آسکتی ہے اس لئے مبرد کا مذہب صحیح ہے۔

قولہ وعلى هذا القياس حالة الجر:۔ چونکہ اس مذہب کی بنیاد اس پر ہے کہ تعلیل کو مقدم کیا جائے گا اس کے بعد انصراف یا عدم انصراف کا فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ تفصیل سے ابھی اس کا بیان گذر چکا ہے، اس لئے جر کی حالت میں جوار کی اصل جواری یار کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ ہوگی اور جس طرح یار پر رفع دشوار ہوتا ہے اسی طرح کسرہ بھی دشوار ہوتا ہے اس لئے جو تعلیل رفع کی حالت میں ہوئی وہی تعلیل جر کی حالت میں ہوگی کہ کسرہ یار پر دشوار ہے اس لئے اس کو ساقط کر دیا اب اجتماع ساکنین ہوا یار اور تنوین کے درمیان اس لئے یار کو گرا دیا جوارٍ ہوگیا، اور جس طرح رفع کی حالت میں اس مذہب میں دو جماعتیں تھیں بعض لوگ یعنی زجاج اور سیبویہ اس کو تعلیل سے پہلے اور تعلیل کے بعد دونوں حالتوں میں منصرف پڑھتے ہیں اسی طرح جر کی حالت میں بھی قبل تعلیل اور بعد تعلیل منصرف پڑھیں گے کیونکہ صیغہ منتہی الجموع کا وزن نہ رہنے کی وجہ سے مفرد کا وزن ہوگا اور اس جیسے کلمہ کے غیر منصرف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ صیغہ منتہی الجموع کے وزن پر ہو، اور جو لوگ بحالت رفع قبل تعلیل منصرف پڑھتے ہیں اور بعد تعلیل غیر منصرف وہ حضرات بحالت جر بھی قبل تعلیل منصرف پڑھیں گے اور بعد تعلیل غیر منصرف ۔

قولہ وفي بعض لغة العرب:۔ یہ کسائی اور ابو عمرو بصری وغیرہ کا مسلک ہے اس کی بنیاد اس پر ہے کہ انصراف یا عدم انصراف تعلیل پر مقدم ہے۔ اس مذہب کا حاصل یہ ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ کلمہ کو منصرف پڑھا جائے یا غیر منصرف اگر دو سبب یا ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے پائے جاتے ہوں تو غیر منصرف پڑھیں گے ورنہ منصرف پڑھیں گے،

فسقطت الیاء لالتقاء الساکنین فصار جوار وعلی ھذہ اللغۃ لا اعلال الا فی حالۃ واحدۃ بخلاف اللغۃ المشھورۃ فان فیہ الاعلال فی حالتین کما عرفت الترکیب وھو صیرورۃ کلمتین او اکثر کلمۃ واحدۃ من غیر حرفیۃ جزء فلا یرد النجم وبصری علمین شرطہ العلمیۃ لیامن من الزوال فیحصل لہ قوۃ فیؤثر بھا فی منع الصرف

---

اس کے بعد تعلیل کی ضرورت ہوگی تو کریں گے ورنہ نہیں، اس اصل کی بنیاد پر جوارٍ جیسے کلمہ کو دیکھا تو اس میں جمع منتہی الجمع مع اپنے صیغہ کے ہے اس لئے غیر منصرف ہونے کا فیصلہ کیا گیا اور غیر منصرف کا اعراب جر کی حالت میں یاء مفتوح کے ساتھ ہے جیسا کہ نصب میں ہوتا ہے اور یاء پر فتحہ دشوار نہیں ہوتا اس لئے اس میں جس طرح نصب کی حالت میں تعلیل نہیں ہوئی جر کی حالت میں بھی نہ ہوگی، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں غیر منصرف کی صورت میں فتحہ بغیر تنوین کے آئے گا اور فتحہ یاء پر دشوار نہیں۔ اس لئے تعلیل کی ضرورت نہیں، خلاصہ یہ کہ اس لغت میں نصب اور جر کی حالت میں تعلیل نہ ہوگی صرف رفع کی حالت میں ہوگی اور لغۃ مشہورہ میں رفع اور دونوں حالتوں میں ہوگی صرف نصب کی حالت میں نہ ہوگی۔

قولہ الترکیب :۔ غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب ترکیب ہے اس کا بیان کر رہے ہیں اصطلاح نحو میں ترکیب اس کو کہتے ہیں کہ دو یا دو سے زائد کلموں کو بغیر کسی حرف کے جزء ہوئے ایک کرلیا جائے۔

قولہ فلا یرد النجم وبصری :۔ اعتراض ہوتا تھا کہ النجم اور بصری جیسی مثالوں میں ترکیب پائی جاتی ہے اس لئے ان کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے حالانکہ یہ منصرف ہیں۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ ترکیب کی تعریف میں من غیر حرفیۃ جزء کی قید لگی ہے کہ کوئی حرف جزء نہ ہو، اور یہاں النجم میں الف لام جزء ہے اور بصری میں یاء جزء ہے اس لئے ایسی ترکیب غیر منصرف کا سبب نہ ہوگی،

قولہ شرطہ العلمیۃ :۔ جس طرح غیر منصرف کے دیگر اسباب اپنی تاثیر میں موقوف ہیں شرائط پر کہ اگر وہ شرطیں پائی جائیں گی تو غیر منصرف کا سبب بنیں گے ورنہ نہیں۔ اسی طرح ترکیب بھی مشروط ہے اسکے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ علم ہو کیونکہ ترکیب میں اجزاء کا باہمی ربط ہوتا ہے اور اصل یہ ہے کہ ہر جزء مستقل بغیر ارتباط اور احتیاج کے پایا جائے کیونکہ ہر لفظ کی وضع علی الانفراد ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ ترکیب ایک عارضی شئ ہے جب تک عارض پایا جائے گا اس وقت تک اس کا وجود ہے عارض زائل ہوگا تو ترکیب بھی زائل ہو جائے گی اس لئے علمیت کی شرط لگائی گئی تاکہ ترکیب کے اندر استحکام پیدا ہو جائے اور زوال سے محفوظ ہو جائے لان الاعلام لا تغیر۔

وان لایکون باضافة لان الاضافة تخرج المضاف الی الصرف او الحکمہ فکیف تؤثر فی المضاف الیہ مایضادہ اعنی معنی الصرف ولا اسناد لان الاعلام المشتملة علی الاسناد من قبیل المبنیات نحو تابط شرا فانہا باقیة فی حالة العلمیة علی ما کانت علیہا قبل العلمیة فان التسمیة بہا انما ہی لدلالتہا علی قصة غریبة فلو تطرق الیہا التغیر یمکن ان تفوت تلک الدلالة واذا کانت من قبیل المبنیات فکیف یتصور فیہا منع الصرف الذی ہو من احکام المعربات فان قلت کان علی المصنف ان یقول وان لایکون الجزء الثانی من المرکب صوتا ولا متضمنا بحرف العطف لیخرج مثل سیبویہ ونفطویہ ومثل خمسة عشر وستة عشر علمین قلنا کانہ اکتفی فی ذٰلک بما ذکرہ فیما بعد انہما من قبیل

قولہ وان لایکون باضافة ولا اسناد :- ترکیب کی دوسری شرط ہے پہلی وجودی تھی اور یہ عدمی ہے اور یہ قید اس لئے لگائی کہ ترکیب اضافی میں اضافت مضاف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کر دیتی ہے تو جب بنا بنایا غیر منصرف اضافت کی وجہ سے منصرف ہو جاتا ہے تو یہ ابتداءً غیر منصرف کا سبب کیسے ہو سکتی ہے ۔ اور ترکیب اسنادی جو علم پر مشتمل ہو وہ مبنیات کے قبیل ہے اور انصراف یا عدم انصراف معرب کے قبیل سے ہے اس لئے ترکیب اسنادی غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی

قولہ نحو تابط شرا :- اس کے معنی ہیں اس نے بغل میں شیر لے لیا اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص جنگل سے لکڑیاں چن کر ایک گٹھر باندھ کر لایا، گھر میں جب وہ لکڑی کا گٹھڑ ڈالا گیا تو اس کے اندر سانپ نکلا اس وقت کسی نے یہ جملہ کہا تھا، اس کے بعد اس کا یہی نام مشہور ہو گیا اب اگر اس کے اندر کسی قسم کا تغیر کیا جائے تو اس قصہ عزیبہ پر دلالت فوت ہو جائے گی ۔

قولہ فان قلت :- اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف نے عدمی شرط صرف دو بیان کی ہیں کہ ترکیب اضافی نہ ہو اور اسنادی نہ ہو، ان کو چاہئے تھا کہ اس میں اضافہ کرکے یہ بھی کہتے وان لایکون الجزء الثانی من المرکب صوتا ولا متضمنا بحرف العطف ۔ یعنی مرکب کا جزء ثانی صوت نہ ہو اور نہ حرف عطف کو متضمن ہو تا کہ اس سے سیبویہ ونفطویہ اور خمسة عشر وستة عشر جب کسی کا علم ہو جائیں تو اس قسم کے کلمات غیر منصرف ہونے سے خارج ہو جائیں کیونکہ یہ سب مبنی ہیں لیکن ان کا خروج جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ ان دو قیدوں کا اضافہ کیا جاتا ۔

قولہ قلنا کانہ اکتفی الخ :- اعتراض مذکور کا جواب دے رہے ہیں کہ مرکب کی ان دونوں قسموں کا بیان مبنیات میں کیا ہے اس لئے یہاں ان کے اخراج کے لئے قید لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور مرکب اسنادی کا بیان مبنیات کی بحث میں نہیں کیا اس لئے یہاں ان کے اخراج کی ضرورت پیش آئی ۔

المبنيات واما الاعلام المشتملة على الاسناد فلم يذكر بناءها اصلاً فلذلك احتاج الى اخراجها مثل بعلبك فانه علم لبلدة مركب من بعل هو اسم صنم وبك وهو اسم صاحب هذه البلدة جعلا اسما واحدا من غير ان يقصد بينهما نسبة اضافية اواسنادية او غيرهما الالف والنون المعدودتان من اسباب منع الصرف تسميان مزيدتين لانهما من الحروف الزوائد وتسميان مضارعتين ايضاً لمضارعتهما لالفي التانيث في منع دخول تاء التانيث عليهما وللنحاة خلاف فى ان سببيتهما لمنع الصرف اما لكونهما مزيدتين وفرعيتهما للمزيد عليه واما لمشابهتهما لالفي التانيث

---

قولہ مثل بعلبك :- یہ مرکب ہے اور علم ہے نہ اس میں ترکیب اضافی ہے نہ اسنادی، اس لئے یہ غیر منصرف ہے اس کی وجہ تسمیہ شارح کی عبارت سے واضح ہے۔

قولہ الالف والنون :- یہ بھی غیر منصرف کا سبب ہیں لیکن سبب اس وقت ہوں گے جب کہ زائد ہوں حسان میں الف و نون پائے جاتے ہیں لیکن وہ اصلی ہیں زائد نہیں ہیں اس لئے غیر منصرف نہیں، ان کو زائدتین اس لئے کہا جاتا ہے کہ دونوں حروف زوائد میں سے ہیں جن کا مجموعہ الیوم تنساہ ہے۔ ان کو مضارعتین بھی کہتے ہیں اس کے معنی مشابہت کے ہیں چونکہ یہ دونوں تانیث کے الف مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ تاء تانیث کے نہ آنے میں مشابہ ہیں اس وجہ سے ان کو مضارعتین بھی کہا جاتا ہے جس طرح الف مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ تاء تانیث نہیں آتی، اسی طرح الف و نون زائدتین کے ساتھ بھی تاء تانیث نہیں آتی۔

قولہ وللنحاۃ خلاف :- ابھی یہ بیان ہوا ہے کہ الف و نون کو زائدتین بھی کہا جاتا ہے اور مضارعتین یعنی مشابہتین بھی، اب بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نحویوں کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کا زائد ہونا غیر منصرف کا سبب ہے یا الف ممدودہ اور الف مقصورہ کی مشابہت سبب ہے۔ دونوں صحیح ہیں کیونکہ غیر منصرف کی سببیت کا مدار فرعیت پر ہے ہر سبب کسی نہ کسی کی فرع ہے جیسا کہ اپنے موقع پر ماقبل میں اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور یہ بات دونوں صورتوں میں موجود ہے کیونکہ مزید فرع ہے مزید علیہ کی اسلئے کہ الف و نون جس اسم کے آخر میں زائد کئے گئے ہیں وہ اسم اصلی ہوگا اور یہ دونوں اس کی فرع ہوں گے، اسی طرح مشبہ فرع ہوتا ہے مشبہ بہ کی تو الف و نون چونکہ الف مقصورہ اور ممدودہ کے مشابہ ہیں اس لئے یہ دونوں تانیث کے دونوں الف مقصورہ اور ممدودہ کی فرع ہوں گے۔

والراجح هو القول الثاني ثم انهما ان کانتا فی اسم یعنی به ما یقابل الصفة فان الاسم المقابل للفعل والحرف اما ان لایدل علی ذات ما لوحظ معها صفة من الصفات کرجل وفرس او یدل کاحمر وضارب ومضروب فالاول یسمی اسما والثانی صفة فالمراد بالاسم المذکور ههنا هو هذا المعنی لا الاسم الشامل للاسم والصفة

---

قولہ والراجح هو القول الثانی :- یعنی راجح یہ ہے کہ الف ونون کا تانیث کے دو الف مقصورہ اور ممدودہ کی مشابہت جو تاء تانیث کے نہ آنے میں ہے وہ غیر منصرف کا سبب ہے اس لئے کہ آگے چل کر جہاں تفریع کریں گے وہاں یہ کہا ہے کہ ندمانۃ منصرف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تاء آگئی ہے جس کی وجہ سے الف مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ مشابہت باقی نہیں رہی اگر ان کا زاید ہونا غیر منصرف کا سبب ہے تو ندمانۃ کو غیر منصرف ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس میں الف و نون موجود ہیں اور زاید ہیں معلوم ہوا کہ الف مقصورہ اور ممدودہ کی مشابہت غیر منصرف کا سبب ہے۔

قولہ ثم انهما ان کانتا فی اسم الخ :- الف و نون کے استعمال کی دو صورتیں ہیں، کبھی تو اسم کے آخر میں آتے ہیں اور کبھی صفت کے آخر میں، اگر اسم کے آخر میں آئیں تو شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، اور اگر صفت کے آخر میں آئیں تو بعض کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو یعنی آخر میں تاء نہ آئے اور بعض کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آئے۔

قولہ یعنی به ما یقابل الصفة :- ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ نحویوں کی اصطلاح میں اسم کی تعریف کی گئی ہے ما دل علی معنی فی نفسه غیر مقترن باحد الازمنة الثلاثة یہ بات صفت میں بھی پائی جاتی ہے تو جب صفت بھی اسم میں داخل ہے تو اس کو بعد میں ذکر کرنا یعنی او صفة کہنا عبث ہے تو پھر مصنف نے اس کو کیوں ذکر کیا، شارح اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اسم کے دو معنی ہیں ایک عام جو فعل اور حرف کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور ایک معنی خاص جو صفت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں معنی ثانی مراد ہیں دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ یہاں صفت اسم کی قسم نہیں بلکہ قسیم ہے اس لئے تقابل صحیح ہوگیا، اسی کو شارح نے فان الاسم المقابل للفعل والحرف اما ان لایدل الخ سے بیان کیا ہے اس کا مطلب واضح ہے اس لئے تشریح کی ضرورت نہیں خلاصہ اس کا تحریر کر دیا ہے۔

فشرطہ ای شرط الالف والنون فی منعہما من الصرف فی افراد الضمیر باعتبار انہما سبب واحد او شرط ذلک الاسم فی امتناعہ من الصرف العلمیۃ تحقیقا للزوم زیادتہا ولیمتنع دخول التاء فیتحقق شبہہما بالفی التانیث کعمران او کانتا فی صفۃ فانتفاء فعلانۃ ای ان کان الالف والنون فی صفۃ فشرطہ انتفاء فعلانۃ یعنی امتناع دخول تاء التانیث علیہ لیبقی مشابہتہما لالفی التانیث علی حالہا ولذا انصرف عریان مع انہ صفۃ لان مونثہ عریانۃ وقیل شرطہ وجود فعلی لانہ متی کان مونثہ فعلی لایکون فعلانۃ فیبقی مشابہتہما لالفی التانیث علی حالہا ومن ثم ای ومن اجل المخالفۃ فی الشرط اختلف فی رحمن فی انہ منصرف او

---

قولہ فشرطہ ای شرط الالف والنون فی منعہما من الصرف الخ:۔ شارح نے یہاں دو باتیں بیان کی ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ علمیت کی شرط الف ونون کے وجود کے لئے نہیں ہے بلکہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے ہے، دوسری بات یہ ہے کہ شرط میں ضمیر الف ونون کی طرف راجع ہے اس میں اشکال ہوتا تھا کہ مرجع تو تثنیہ ہے اور ضمیر واحد کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ الف ونون علیحدہ علیحدہ غیر منصرف کا سبب نہیں ہیں بلکہ دونوں مل کر ایک سبب ہیں اس لئے واحد کی ضمیر لائے

قولہ العلمیۃ تحقیقا للزوم زیادتہا الخ:۔ علمیت کے ساتھ مشروط ہونے کی وجہ بیان کررہے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ الف ونون غیر منصرف کا سبب کیوں ہے اس میں دو قول بیان کئے گئے ہیں بعض کا قول ہے کہ زاید ہونے کی وجہ سے سبب ہیں بعض کہتے ہیں کہ تانیث کے دونوں حالت الف کیساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے اس کی تفصیل ماقبل میں گذرچکی ہے بہرصورت علمیت کی شرط اس لئے ضروری ہے کہ اگر زیادتی کی وجہ سے سبب ہے تو اس کی زیادتی مستحکم ہوجائے اور اگر مشابہت کی وجہ سے سبب ہے تو مشابہت قوی ہوجائے کیونکہ علم ہوجانے کے بعد کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا جو حال ہے وہ باقی رہتا ہے۔

قولہ او کانتا فی صفۃ فانتفاء فعلانۃ:۔ یعنی اگر الف ونون صفت میں یعنی ایسی ذات میں پائے جائیں جس میں وصف کا لحاظ کیا گیا ہو تو اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی مونث میں تاء نہ آئے انتفاء فعلانۃ کا یہی مطلب ہے جب تاء نہ آئے گی تو تانیث کے دونوں الف کے ساتھ مشابہت اپنے حال پر باقی رہے گی جس طرح الف مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ تانیث نہیں آتی الف ونون کے ساتھ بھی نہ آئے گی۔

قولہ شرطہ وجود فعلی:۔ اس قائل کا بھی منشاء یہی ہے کہ الف ونون کے ساتھ تاء نہ آسکے

قولہ ومن ثم اختلف فی رحمن الخ:۔ ابھی آپ کے سامنے عرض کیا گیا ہے کہ انتفاء فعلانۃ اور وجود فعلی کے قائلین کی منشاء واحد ہے کہ مونث میں تاء نہ آئے لیکن تعبیر کا فرق ہے اس کا اثر رحمن میں ظاہر ہوگا کیونکہ رحمن کی مونث نہیں آتی، تو جن کے نزدیک انتفاء فعلانۃ شرط ہے

غیر منصرف فانه لیس له مونث لارحمیٰ ولارحمانة لانه صفة خاصة لله تعالیٰ لایطلق علیٰ غیرہ تعالیٰ لاعلیٰ مذکر ولاعلیٰ مؤنث فعلیٰ مذهب من شرط انتفاء فعلانة فهو غیر منصرف وعلیٰ مذهب من شرط وجود فعلیٰ فهو منصرف دون سکران فانه لاخلاف فی منع صرفه لوجود الشرط علی المذهبین فانه مؤنثه سکریٰ لاسکرانة وددون ندمان فانه لاخلاف فی صرفه لانتفاء الشرط علی المذهبین لان مونثة ندمانة لاندمیٰ هذا اذاکان ندمان بمعنی الندیم واما اذاکان بمعنی النادم فهو غیر منصرف بالاتفاق لان مؤنثه ندمیٰ لاندمانة وزن الفعل وهوکون الاسم علیٰ وزن یعد من اوزان الفعل وهذاالقدر لایکفی فی سببیة منع الصرف بل شرطه فیهما احد الامرین اماان یختص فی اللغة العربیة به ای بالفعل بمعنی انه لایوجد فی الاسم العربی

ان کے نزدیک تو غیر منصرف ہے کیونکہ جب مؤنث نہیں آتی تو کسی وزن پر نہ آئے گی لہذا انتفاء فعلانہ کی شرط پائی گئی اور جن کے نزدیک وجود فعلیٰ کی شرط ہے ان کے نزدیک منصرف ہے اس لئے جب رحمٰن کی مونث ہی نہیں آتی تو فعلیٰ کے وزن پر کس طرح آجائے گی۔

قولہ دون سکران وندمان :۔ سکران کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں دونوں فریق اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں کیونکہ دونوں فریق کی شرط پائی جاتی ہے انتفاء فعلانہ بھی ہے اور وجود فعلیٰ بھی کیونکہ اس کی مؤنث سکریٰ بروزن فعلیٰ آتی ہے سکرانہ بروزن فعلانہ نہیں آتی اسی طرح ندمان کے منصرف ہونے میں دونوں فریق متفق ہیں کیونکہ دونوں فریق کی شرط نہیں پائی جاتی اس کی مونث ندمانہ آتی ہے ندمیٰ نہیں آتی لیکن یہ واضح رہے کہ ندمان کا منصرف ہونا اس وقت ہے جب کہ وہ ندیم بمعنی مصاحب ہو، اور اگر وہ نادم کے معنی میں ہو تو وہ دونوں فریق کے نزدیک غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مؤنث ندمیٰ ہے ندمانہ نہیں ہے۔

قولہ وزن الفعل وهو کون الاسم الخ :۔ شارح نے وهو کون الاسم نکال کر مشہور اعتراض کا جواب دیا ہے کہ غیر منصرف کے اسباب تو اوصاف کے قبیل سے ہیں اور وزن فعل ذات ہے اس کا جواب کون الاسم سے دیا کہ وزن فعل کون الاسم الخ کی تاویل میں ہوکر وصف ہے، لہذا غیر منصرف کا سبب بننا صحیح ہو جائے گا۔

قولہ شرطہ ان یختص الخ :۔ وزن فعل غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگا جب کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو یعنی وہ اسم ایسے وزن پر ہو جو اوزان فعل میں سے شمار کیا جاتا ہے اور اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ وضع تو اس کی فعل کے لئے ہو اور اسم عربی میں اس کا استعمال فعل سے منقول ہوکر ہوتا ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فعل کے علاوہ اسم میں استعمال ہی نہ ہوتا ہو، اس شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اس کی وضع فعل کے لئے ہے اسم کے

الا منقولا من الفعل کشمر علیٰ صیغۃ الماضی المعلوم من التشمیر فانہ نقل من ھذہ الصیغۃ وجعل علما للفرس وکذلک بذّر لماء وعثّر لموضع وخصّم لرجل افعال نقلت الی الاسمیۃ و اما نحو یقم اسماء لصبغ معروف وھو العندم وشلّم علما لموضع بالشام فھو من الاسماء العجمیۃ المنقولۃ الی العربیۃ فلا یقدح فی ذلک الاختصاص

---

لئے نہیں ہوئی اس لئے اسم میں اس کا استعمال خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ثقیل ہوگا جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف کا سبب بن سکے گا کیونکہ غیر منصرف کے تمام اسباب کی بنا ثقل ہی پر ہے۔ ہر سبب کے اندر ثقل ضرور پایا جاتا ہے۔

قولہ کشمر:۔ یہ وزن فعل کے ساتھ مختص ہونے کی مثال ہے یہ ماضی معروف کا صیغہ ہے اس کا مصدر تشمیر ہے جس کے معنی ہیں دامن سمیٹنا اس کے بعد اسم کی طرف منقول ہوکر تیز رفتار گھوڑے کا نام ہوگیا اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ آدمی جب تیز دوڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو دامن سمیٹتا ہے۔ یہ حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا اس میں وزن فعل اور علمیت ہے۔ اس لئے غیر منصرف ہے۔

قولہ بذر:۔ یہ تبذیر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فضول خرچی کرنا اس کے بعد اسم کی طرف منقول ہوکر پانی کا نام ہوگیا وجہ مناسبت یہ ہے کہ اسراف میں بھی آدمی مال پانی کی طرح بیدریغ خرچ کرتا ہے بذر چاہ زمزم کا نام ہے۔

قولہ عثّر:۔ یہ تعثیر سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں منہ کے بل گرنا اب اسم کی طرف منقول ہوکر ٹیلہ کا نام ہوگیا ہے وجہ مناسبت یہ ہے کہ آدمی ٹیلہ سے پھسل کر منہ کے بل گرتا ہے۔

قولہ خصّم:۔ یہ تخصیم سے ہے اس کے معنی منہ بھر کھانے کے ہیں اس کے بعد بنی تمیم خاندان کے ایک شخص عمرو بن عبوس کا نام ہوگیا یہ شخص ایکدم سے بہت سا کھانا منہ میں بھر لیتا تھا، یہ سب اسماء فعل سے نقل کئے گئے ہیں۔

فائدہ:۔ اوزان فعل آٹھ ہیں دو مشترک ہیں اسم اور فعل کے درمیان (۱) ثلاثی مجرد معروف جیسے فرس، رجب (۲) رباعی مجرد معروف جیسے جعفر۔ اور چھ فعل کے ساتھ خاص ہیں جو فعل سے منقول ہوکر اسم میں پائے جائیں گے (۱) ثلاثی مجرد مجہول (۲) رباعی مجرد مجہول (۳) ثلاثی مزید معروف (۴) ثلاثی مزید مجہول (۵) رباعی مزید معروف (۶) رباعی مزید مجہول۔

قولہ واما نحو بقم الخ:۔ اس سے قبل مصنف کی عبارت تھی شرطہ ان یختص بہ ای بالفعل اس میں شارح نے ان یختص کے بعد فی اللغۃ العربیۃ کی قید لگائی تھی واما نحو بقم الخ سے اس قیدکا

ومثل ضرب على البناء للمفعول اذ جعل علما الشخص فانه ايضا غير منصرف للعلمية ووزن الفعل وانما قيل نا بالبناء للمفعول فانه على البناء للفاعل غير مختص بالفعل ولم يذهب الى منع صرفه الا بعض النحاة او يكون غير مختص ولكن يكون فى اوله

---

فائدہ بیان کرنا چاہتے ہیں یا یوں کہیے کہ اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ آپ نے کہا تھا کہ فعل کے ساتھ اس وزن کے خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم میں اس کا استعمال ابتدائً نہ ہوتا ہو بلکہ فعل سے منقول ہو کر استعمال ہو، اور ہم دیکھتے ہیں کہ بقم اور شلم یہ دونوں بغیر فعل سے نقل کئے ہوئے ابتدائً ہی اسم میں مستعمل ہیں۔ بقم ایک رنگ کا نام ہے جس کو عندم دم الاخوین کہا جاتا ہے، اور شلم بیت المقدس کا نام ہے۔ شارح جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اختصاص کی شرط اسم عربی میں لگائی ہے کہ اسم عربی میں اس وزن کا استعمال ابتدائً نہ ہو بلکہ فعل سے منقول ہو کر ہو اسمائے عجمیہ میں یہ شرط نہیں ہے اور بقم اور شلم اور اس طرح کے جو بھی اسماء ہیں جن کا استعمال اسم میں شروع ہی سے بغیر فعل سے نقل کئے ہوئے پایا جاتا ہے یہ اسمائے عجمیہ میں سے ہیں لہذا اختصاص میں قادح نہ ہوں گے۔

قولہ ومثل ضرب على البناء للمفعول:۔ بناء مفعول مجہول کے صیغہ کو کہتے ہیں یہ قید اس لئے لگائی کہ ثلاثی مجرد معروف کا وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ فائدہ کے تحت اس کی تفصیل آچکی ہے

قولہ ولم يذهب الى منع صرفه الا بعض النحاة:۔ بعض نحاۃ سے مراد یونس اور عیسی ابن عمر نحوی ہیں

قولہ او يكون غير مختص ولكن يكون فى اوله الخ:۔ مصنف کی عبارت شرطه ان يختص به او يكون فى اوله زیادۃ الخ ہے، شارح نے او یکون کے بعد غیر مختص ولکن یکون کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ قضیہ منفصلہ حقیقیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یہ دونوں جمع نہ ہوں گی اور نہ دونوں کا ارتفاع ہوگا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دونوں اجتماع ہو جاتا ہے جیسے یزید اور یشکر، کہ یہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے شروع میں فعل والی زیادتی بھی ہے یعنی یاء شروع میں موجود ہے معلوم ہوا کہ یہ قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو ہے منفصلہ حقیقیہ نہیں ہے۔ شرط ثانی کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر اس کے شروع میں ایسی زیادتی ہو جو فعل کے شروع میں ہوتی ہے یعنی حروف اتین میں سے کوئی حرف اس کے شروع میں ہو اور اخیر میں تاء نہ آئے۔ فعل جیسی زیادتی کی وجہ سے اس وزن کو فعل کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جائے گی اور تاء کے نہ لاحق ہونے کی وجہ سے اسمیت کا

ای فی اول وزن الفعل واول ماکان علی وزن الفعل بزیادة ای زیادة حرف او حرف زائد من حروف اتین کزیادتہ ای مثل زیادة حرف اوحرف زائد فی اول الفعل غیرقابل ای حال کون وزن الفعل اوماکان علی وزنہ غیرقابل للتاء لانہ یخرج الوزن بھذہ التاء لاختصاصہا بالاسم عن اوزان الفعل

---

غلبہ نہ ہونے پائے گا۔

قولہ فی اولہ ای فی اول وزن الفعل اواول ماکان علی وزن الفعل :۔ شارح نے اولہ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال بیان کئے مرجع وزن فعل ہو یا وہ اسم ہو جو فعل کے وزن پر ہو لیکن پہلا مرجع مجازی ہے دوسرا حقیقی کیونکہ زیادتی فعل کے وزن پر نہیں ہوتی بلکہ اس اسم پر زیادتی ہوتی ہے جو فعل کے وزن پر ہو، یہ ضرور ہے کہ جو مرجع مجازی ہے وہ صراحۃ مذکور ہے اور جو مرجع حقیقی ہے وہ صراحۃ مذکور نہیں ہے۔

قولہ ای زیادة حرف اوحرف زائد :۔ اس سے قبل مصنف کی عبارت فی اولہ میں ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو احتمال بیان کئے تھے کہ ضمیر یا تو وزن فعل کی طرف راجع ہے یا ماکان علی وزن الفعل کیطرف جس طرح اس میں دو احتمال ہیں اسی طرح مصنف کی اس عبارت بزیادة میں بھی دو احتمال ہیں اگر اولہ کی ضمیر وزن فعل کی طرف راجع ہو تو زیادة کی تاویل زیادة حرف کے ساتھ ہوگی یہ ترکیب اضافی ہے اس میں زیادة کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہوگی جس کی طرف شارح نے حرف کا اضافہ کرکے اشارہ کیا ہے۔ اور اگر اولہ کی ضمیر ماکان علی وزن الفعل کی طرف راجع ہو تو پھر زیادة کی تاویل حرف زاید کے ساتھ ہوگی یہ ترکیب توصیفی ہے اس میں زیادة مصدر کو اسم فاعل زاید کے معنی میں لیا گیا ہے چونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اس لئے شارح نے اس سے قبل حرف نکال کر اس کے موصوف کی طرف اشارہ کیا ہے

قولہ کزیادتہ ای مثل زیادة حرف اوحرف زائد :۔ شارح نے لفظ مثل نکال کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ کاف اسمی ہے مثل کے معنی میں ہے اور اپنے ماقبل زیادة کی صفت ہے اس میں زیادتہ کی ضمیر وزن فعل کی طرف راجع ہے۔

قولہ غیرقابل ای حال کون وزن الفعل اوماکان علی وزنہ الخ :۔ اس سے اشارہ کیا ہے کہ غیرقابل ترکیب میں اولہ کی ضمیر سے حال واقع ہے۔

قولہ للتاء :۔ اس قید کے ساتھ اس واسطے مقید کیا کہ جو اسم کے فعل کے وزن پر ہے اور اس

ولو قال غیر قابل للتاء قیاسا وبالاعتبار الذی امتنع من الصرف لاجلہ لم یرد علیہ اربع اذا سمی بہ فان لحوق التاء بہ للتذکیر فلا یکون قیاسا ولا اسود فان مجیٔ التاء فی اسودۃ للحیۃ الانثی لیس باعتبار الوصف الاصلی الذی لاجلہ یمتنع من الصرف بل باعتبار غلبۃ الاسمیۃ العارضیۃ ومن ثم ای ومن اجل اشتراط عدم قبول التاء امتنع احمر عن الصرف لوجود الزیادۃ المذکورۃ مع عدم قبول التاء وانصرف یعمل لقبولہ التاء لمجیٔ یعملۃ للناقۃ القویۃ علی العمل والسیر

---

کے شروع میں اتین کے حروف میں سے کوئی حرف پایا جاتا ہے لیکن اس کے آخر میں تار لاحق ہوتی ہو تو پھر یہ وزن فعل کا وزن نہ رہے گا کیونکہ اسم کے ساتھ تار لاحق ہوگئی اور جب وزن فعل نہ رہے گا تو غیر منصرف کا سبب بھی نہ بن سکے گا۔

قولہ ولو قال غیر قابل للتاء قیاسا الخ:۔ شارح فرمارہے ہیں کہ مصنف کو چاہئے تھا کہ غیر قابل للتاء کے آگے ان دو قیدوں کا بھی اضافہ کردیتے ایک تو قیاسا کا اضافہ کرتے اور دوسری قید یہ لگا دیتے وبالاعتبار الذی امتنع من الصرف لاجلہ اس اضافہ کا فائدہ یہ ہوتا کہ اربعٌ اور اسودٌ جیسے لفظ کے ذریعہ جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ نہ وارد ہوتا، اعتراض یہ ہے کہ اربع جب کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے اس کو غیر منصرف پڑھا جائیگا حالانکہ اس کے آخر میں تار آتی ہے تو اگر قیاسا کا اضافہ مصنف کردیتے تو اس اعتراض کا جواب یہ دیدیا جاتا کہ اس میں تار قیاسی نہیں ہے کیونکہ تار قیاسی تو تانیث کے لئے ہوتی ہے اور اربعۃ میں تار تانیث کے لئے نہیں ہے بلکہ مذکر کی ہے چنانچہ اربعۃ رجال کہا جاتا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسود غیر منصرف پڑھا جاتا ہے حالانکہ اس میں تار قیاسی ہے کیونکہ مونث سانپ کے لئے اسودۃ کہا جاتا ہے تو اگر مصنف بالاعتبار الذی امتنع من الصرف لاجلہ کی قید لگادیتے تو یہ اعتراض نہ وارد ہوتا کیونکہ اسود کو غیر منصرف اس کے وصف اصلی کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے اور اس میں تار غلبۂ اسمیت کی وجہ سے آئی ہے پس جس اعتبار سے اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے اس اعتبار سے اس میں تار نہیں آتی اور جس اعتبار سے تار آتی ہے اس اعتبار سے یہ غیر منصرف نہیں ہے۔

قولہ ومن ثم الخ:۔ اس سے قبل وزن فعل کو غیر قابل للتاء کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اب اس شرط کے وجود اور عدم پر تفریع کررہے ہیں احمر کا غیر منصرف ہونا شرط کے وجود پر متفرع ہے کہ اس میں حروف اتین میں سے ایک حرف پایا جاتا ہے اور آخر میں تار نہیں آتی

وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ ای کل اسم غیر منصرف تکون فیہ علمیۃ مؤثرۃ فی منع الصرف بالسببیۃ المحضۃ او مع الشرطیۃ بسبب اٰخر واحترز بذلک عما تجامع الفی التانیث او صیغۃ منتھی الجموع فان کل واحد منھما کاف فی منع الصرف لاتاثیر فیہ للعلمیۃ اذا نکر بان یؤول العلم بواحد من الجماعۃ المسماۃ بہ نحو ھذا زید و رأیت زیدا اٰخر

---

اس لئے غیر منصرف ہے اور یعمل میں زیادتی مذکور تو ہے لیکن تا آخر میں آتی ہے اور یعملۃ کہا جاتا ہے اس لئے منصرف ہے، عرب میں یعملۃ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو کام میں اور چلنے میں بہت قوی ہو۔

قولہ وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ الخ:- ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں کہ جو اسم غیر منصرف ایسا ہو کہ اس میں علمیت مؤثر ہو جب اس کو نکرہ کر لیا جائے یعنی اس کی علمیت زائل کر دیں تو وہ منصرف ہو جائے گا اس کی وجہ ابھی معلوم ہو جائے گی۔

قولہ بالسببیۃ المحضۃ او مع الشرطیۃ بسبب اٰخر:- غیر منصرف میں علمیت کے مؤثر ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ صرف سبب ہو اور کسی دوسرے سبب کے لئے شرط نہ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ سبب بھی ہو اور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو، دو سبب ایسے ہیں جہاں علمیت صرف سبب ہے اور شرط نہیں ہے وہ عدل اور وزن فعل ہیں، چار مقام ایسے ہیں جہاں علمیت سبب اور شرط دونوں ہے وہ چار جگہ یہ ہیں، ترکیب، تانیث بالتاء، تانیث معنوی، عجمہ، ان میں علمیت مستقل سبب ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے شرط بھی ہے۔

قولہ واحترز بذلک الخ:- مصنف نے علمیۃ کے بعد مؤثرۃ کا اضافہ کیا تھا، شارح اس قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ جہاں علمیت مؤثر نہیں ہے یعنی نہ سبب ہے نہ شرط اگر وہاں علمیت زائل کر دی جائے تو اس کا کوئی اثر نہ ہوگا جیسے الف مقصورہ اور الف ممدودہ، جمع منتہی الجموع ان میں اگر علمیت پائی جائے خواہ نہ پائی جائے یہ غیر منصرف رہیں گے کیونکہ علمیت ان کے ساتھ جمع تو ہوتی ہے لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہے نہ سبب ہے نہ شرط، کیونکہ یہ خود دو سببوں کے قائم مقام ہیں ان کے غیر منصرف ہونے میں کسی اور سبب کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ اذا نکر:- علمیت کے نکرہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ علمیت کو زائل کر دیا جائے اور اس کا تشخص ختم کر دیا جائے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے اس کی توضیح کے لئے مصنف نے ھذا زید و رأیت زیدا اٰخر مثال بیان کی ہے پہلی مثال میں زید معرفہ ہے دوسری مثال میں زید نکرہ ہے آخر اس کی صفت لاکر نکارت کو بیان

فانہ ارید بہ المسمی بزید او یجعل عبارۃ عن الوصف المشتھر صاحبہ بہ نحو قولھم لکل فرعون موسی ای لکل مبطل محق معرف لماتبین ای ظھر حین بین اسباب منع الصرف وشرائطھا فیما سبق من انھا ای العلمیۃ لاتجامع موثرۃ الاما ای السبب الذی ھی ای العلمیۃ شرط فیہ وذلک فی التانیث بالتاء لفظا او معنی والعجمۃ والترکیب والالف والنون المزیدتین فان کل واحد من ھذہ الاسباب الاربعۃ مشروط بالعلمیۃ الا العدل ووزن الفعل استثناء مما بقی من الاستثناء الاول ای لاتجامع غیر ماھی شرط فیہ الا العدل ووزن الفعل

---

کیا ہے کیونکہ لفظ آخر ہمیشہ نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے اس میں زید علم اور مشخص نہیں ہے کیونکہ زید نام کی جماعت کا ایک غیر معین فرد مراد ہے، علمیت کے زائل کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے کوئی مشخص فرد نہ مراد ہو بلکہ اس کا وصف مشہور مراد لیا جائے جیسے لکل فرعون موسی میں فرعون کی ذات مراد نہیں ہے اس کا مشہور وصف مبطل مراد ہے اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ان کا وصف مشہور یعنی محق مراد ہے، اب اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر باطل پرست کے مقابلے کے لئے ایک حق پرست ہوتا ہے جو باطل کی طاقت کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

قولہ لماتبین :۔ اس سے پہلے جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ جس اسم غیر منصرف میں علمیت موثر ہو کر پائی جاتی ہو خواہ صرف سبب ہو یا سبب کے ساتھ دوسرے سبب کے لئے شرط ہو، ان دونوں صورتوں میں جب علمیت کو زائل کر دیا جائے تو وہ اسم منصرف ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ جہاں علمیت سبب اور شرط دونوں ہے وہاں علمیت کے زوال کے بعد سبب ہونے کی حیثیت سے کوئی سبب نہ باقی رہے گا اور جہاں علمیت شرط نہیں ہے صرف سبب ہے وہاں علمیت کے زائل ہونے کے بعد ایک سبب باقی رہے گا اور تنہا ایک سبب سے اسم غیر منصرف نہیں ہوتا۔

قولہ الا العدل ووزن الفعل استثناء مما بقی من الاستثناء الاول الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ واحد ہے اور مستثنیٰ متعدد ہیں ایک الا ماھی شرط فیہ اور دوسرا الا العدل ووزن الفعل اور دونوں کے درمیان حرف عطف بھی نہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ دو مستثنیٰ کے درمیان اگر حرف عطف نہ لایا جائے تو ثانی مستثنیٰ پہلے مستثنیٰ سے بدلِ غلط واقع ہوتا ہے جس کا مطلب یہاں یہ ہوگا کہ الاماھی شرط فیہ کو غلطی سے ذکر کر دیا ہے مقصود صرف الا العدل ووزن الفعل ہے گویا کہ اصل عبارت یہ ہے

فان العلمیۃ تجامعھا موثرۃ کما فی عمرو احمد ولیست شرطا فیھما کما فی ثلث واحمر وھما ای العدل ووزن الفعل متضادان

لا تجامع موثرۃ الا العدل ووزن الفعل جس کا مطلب یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف دو سببوں میں پائی جاتی ہے ایک عدل اور دوسرا وزن فعل حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ جس طرح علمیت ان دو سببوں میں موثر ہے ان کے علاوہ چار سبب اور ہیں وہاں بھی مؤثر ہے وہ چار یہ ہیں ترکیب، تانیث بالتاء، تانیث معنوی، عجمہ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مستثنیٰ متعدد ہیں مستثنیٰ منہ متعدد ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ لا تجامع موثرۃ الا ماھی شرطہ فیہ یہ عبارت علیحدہ ہے الا العدل ووزن الفعل سے اس کا تعلق نہیں ہے اس میں ایک مستثنیٰ منہ ہے اور ایک مستثنیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف انھیں اسباب میں پائی جاتی ہے جن میں شرط ہے اس عبارت سے ایک قضیہ سالبہ مفہوم ہوتا ہے کہ جہاں علمیت شرط نہیں ہے وہاں مؤثر ہو کر نہ پائی جائے گی یہ مستثنیٰ منہ ہوگا اور الا العدل ووزن الفعل اس کا مستثنیٰ ہے اب اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں علمیت شرط نہیں ہے وہاں مؤثر ہو کر نہ پائی جائیگی لیکن عدل اور وزن فعل یہ دو سبب ایسے ہیں کہ جن میں علمیت شرط نہیں ہے لیکن موثر ہے یعنی سبب واقع ہے معلوم ہوا کہ الا العدل ووزن الفعل کا مستثنیٰ منہ علیحدہ ہے اور الا ماھی شرطہ فیہ کا علیحدہ ہے لہذا اعتراض مذکور نہیں وارد ہو سکتا۔

قولہ فی عمرو احمد ؛۔ عمر میں علم اور عدل ہے احمد میں علم اور وزن فعل ہے اسی طرح ثلث اور احمر کو سمجھئے۔

قولہ وھما ای العدل ووزن الفعل متضادان الخ:۔ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ تم نے جو ما فیہ علمیۃ موثرۃ اذا نکر صرف سے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے یہ ہم کو مسلم نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت علم اور عدل اور وزن فعل تینوں کا اجتماع ہو جائے اس وقت اگر علمیت کو زائل کر دیا جائے تو کلمہ منصرف نہ ہوگا بلکہ عدل اور وزن فعل کے پائے جانے کی وجہ سے اب بھی غیر منصرف رہے گا معلوم ہوا کہ تمہارا کلیہ صحیح نہیں ہے مصنف نے وھما متضادان سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ عدل اور وزن فعل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے لہذا علم کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک ہوگا دونوں نہ پائے جائیں گے معلوم ہوا کہ ہمارا قاعدہ صحیح ہے۔

لان الاسماء المعدولة بالاستقراء علی اوزان مخصوصة لیس شئ منها من اوزان الفعل المعتبرة فی منع الصرف فلا یکون معها ای لا یوجد منها شئ من الامر الدائر بین مجموع هذین السببین وبین احدهما فقط الا احدهما فقط لا مجموعهما

---

قولہ لان الاسماء المعدولة الخ:- مصنف نے دھما متضادان سے بیان کیا ہے کہ عدل اور وزن فعل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں شارح اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ نحویوں نے جب ان الفاظ کا تتبع کیا جن میں عدل پایا جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی فعل کے وزن پر نہیں ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے، اوزان عدل کو ایک شاعر نے اس نظم میں جمع کیا ہے۔

اوزان عدل را تو تمامی شش شمر ؛ مَفْعَلُ، فُعَلُ مثالہا مَثْلَثُ، عُمَرُ
فَعَلُ است مثل اَمْسِ فُعَالُ ست چوں ثُلَث ؛ مثل فَعَالِ داں تو قَطَامِ وفَعَلُ سَحَرُ

قولہ فلا یکون معها ای لا یوجد منها شئ من الامر الدائر الخ:- لا یکون کی تفسیر لا یوجد کے ساتھ کر کے یہ بتایا ہے کہ کان تامہ ہے مصنف کی عبارت فلا یکون معها الا احدهما پر اعتراض کیا جاتا ہے، شارح اس کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ لا یکون کی ضمیر یا تو مطلق سبب کی طرف راجع ہوگی یا عدل اور وزن فعل دونوں کے مجموع کی طرف راجع ہوگی یا احدہما یعنی عدل اور وزن فعل میں سے لا علی التعیین کسی ایک کیطرف راجع ہوگی اور یہ تینوں احتمال باطل ہیں اگر مطلق سبب کی طرف راجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ غیر منصرف کے اسباب میں سے علمیت کے ساتھ سوائے عدل اور وزن فعل کے کوئی اور سبب نہیں پایا جاتا حالانکہ یہ خلاف واقع ہے جیسا کہ اس سے قبل معلوم ہوا کہ علمیت چھ اسباب میں پائی جاتی ہے چار میں سبب اور شرط دونوں ہے اور دو جگہ یعنی عدل اور وزن فعل میں صرف سبب ہے شرط نہیں ہے اور اگر لا یکون کی ضمیر عدل اور وزن فعل کے مجموع کی طرف راجع ہے تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی کیونکہ مرجع تثنیہ ہے اور ضمیر واحد کی ہے اور اگر احدہما یعنی عدل یا وزن فعل میں سے کسی ایک کی طرف راجع ہے تو استثناء الشئ من نفسہ یا استثناء الکل من الکل لازم آتا ہے کیونکہ لا یکون کی ضمیر مستثنیٰ منہ ہے اور وہ احدہما ہے اور مستثنیٰ بھی احدہما ہے۔ شارح نے اس کا جواب دیا کہ لا یکون کی ضمیر کا مرجع الامر الدائر ہے اور وہ واحد ہے اس لئے ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہوگئی اور چونکہ وہ امر عدل اور وزن فعل کے مجموعہ اور احدہما فقط کے درمیان دائر ہے اس لئے استثناء الشئ من نفسہ

فاذا نكر غير المنصرف الذى احد اسبابه العلمية بقى بلاسبب اى لم يبق فيه سبب من حيث هو سبب فيما هى شرط فيه من الاسباب الاربعة المذكورة لانه قد انتفى احد السببين الذى هو العلمية بذاتها والسبب الأخر المشروط بالعلمية من حيث وصف سببية فلا يبقى فيه سبب من حيث هو سبب او على سبب واحد فيما هى ليست بشرط فيه من العدل وو زن الفعل هذا وقد قيل على قوله وهما متضادان ان اصمت بكسرتين علما للمفازة من اوزان الفعل مع وجود العدل فيه فانه امر من صمت يصمت وقياسه ان يجئ بضمتين فلما جاء بكسرتين علم انه معدول عنه والجواب ان هذا امر غير محقق لجواز ورود اصمت بكسرتين وان لم يشتهر فالاولى ان التى تحقق فيها العدل تحقيقا كان او تقديرا لم تجامع من وزن الفعل وايضا قد عرفت فيما تقدم ان مجرد وجود اصل محقق لايكفى فى اعتبار العدل التحقيقى بدون اقتضاء منع الصرف اياه واعتبار خروج الصيغة عن ذلك الاصل وههنا لايقتضيه لوجود السببين فى اصمت وراء العدل وهما العلمية والتانيث ثم انه اشار الى استثناء مثل احمر علما اذا نكر عن هذه القاعدة

---

لازم نہ آئے گا کیونکہ مستثنیٰ منہ تو دونوں کا مجموعہ اور احدہما فقط ہے جو عام ہے اور مستثنیٰ احدہما فقط ہے جو خاص ہے تو استثناء خاص کا عام سے ہوا نہ کہ استثناء الشئ من نفسہ۔

قولہ فاذا نکر بقی بلاسبب او علی سبب واحد الخ :۔ ماقبل پر تفریع کر رہے ہیں جس کی تشریح اس سے قبل گذر چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

قولہ وقد قیل علی قولہ متضادان :۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ تم نے کہا ہے کہ عدل اور وزن الفعل دونوں متضاد ہیں حالانکہ اِصمِت میں دونوں جمع ہیں وزن فعل تو ظاہر ہے اور عدل اس وجہ سے کہ یہ باب نصر سے ہے جس کا امر اُصمت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بروزن اُنصر ہونا چاہیئے اور جب اس وزن پر نہیں آیا بلکہ کسرہ کے ساتھ آیا تو معلوم ہوا کہ اُصمت بضم الہمزہ سے معدول ہے۔ اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ اس میں عدل کا قول درست نہیں کیونکہ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ ضرب اور نصر دونوں بابوں سے آتا ہو لہذا ہر ایک اصل پر ہے کوئی کسی سے معدول نہیں۔ نیز محض اصل کا پایا جانا عدل کے اعتبار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ کوئی مقتضی ہو جو اصل سے عدول کا تقاضا کرتا ہو اور یہاں کوئی مقتضی نہیں۔ کیونکہ اس میں دو سبب علم اور تانیث موجود ہیں تو پھر خواہ مخواہ عدل کی کیا ضرورت ہے۔

على قول سيبويه بقوله وخالف سيبويه الاخفش المشهور هو ابو الحسن تلميذ سيبويه ولما كان قول التلميذ اظهر مع موافقته لما ذكره من القاعدة جعله اصلاً واسند المخالفة الى الاستاذ وان كان غير مستحسن تنبيها على ذلك في انصراف مثل احمر علما اذا نكر والمراد بمثل احمر ما كان معنى الوصفية فيه قبل العلمية ظاهرة غير خفي فيدخل فيه سكران وامثاله ويخرج عنه افعل التاكيد نحو اجمع فانه منصرف عند التنكير بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه قبل العلمية لكونه بمعنى كل وكذلك افعل التفضيل المجرد عن من التفضيلية فانه بعد التنكير منصرف بالاتفاق لضعف معنى الوصفية فيه حتى صار افعل اسما وان كان معه من فلا ينصرف بالاخلاف لظهور معنى الوصفية فيه بسبب من التفضيلية

---

قولہ وخالف سیبویہ الاخفش ۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے یہ سیبویہ کے شاگرد ہیں ان کی بات صحیح ہے اور سیبویہ کی بات درست نہیں اس لئے مخالفت کی اسناد استاد کی طرف کی ہے یہاں مصنف نے حق اور باطل کا لحاظ کیا ہے استاد اور شاگرد کی نسبت کی رعایت نہیں کی ۔مصنف نے اس عبارت کو لاکر یہ بتایا کہ مافیہ علمیۃ موثرۃ اذا نکر صرف سے جو قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ جس اسم غیر منصرف میں علمیت موثر ہو کر پائی جاتی ہے جب اس کو نکرہ کرلیا جائے یعنی علمیت زائل کردی جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا اب وخالف سیبویہ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ قاعدہ احمر جیسے لفظ کے علاوہ دوسرے اسم میں تو اتفاقی ہے لیکن مثل احمر میں اختلاف ہے ۔ مثل احمر سے ہر وہ اسم غیر منصرف مراد ہے جس میں علمیت سے پہلے معنی وصفی ظاہر طور پر پائے جاتے ہوں اس میں کسی قسم کا خفا نہ ہو، ایسے اسم میں سیبویہ کا مسلک یہ ہے کہ جب اس میں علمیت زائل ہو جائے گی تو وصف اصلی پھر لوٹ آئے گا جس کی وجہ سے کلمہ غیر منصرف رہے گا پہلے علمیت اور دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف تھا اب وصف اور کسی دوسرے سبب کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا، اخفش کا مسلک جمہور کے موافق ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جب وصف اصلی زائل ہو چکا اور قاعدہ ہے الزائل لا یعود تو پھر وصف اصلی اب کیسے عود کرے گا ۔

قولہ المراد بمثل احمر الخ ۔ اس عبارت سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مثل احمر سے مراد وہ کلمہ نہیں جو اَفعَلُ کے وزن پر ہو بلکہ اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں علمیت سے پہلے معنی وصفی مؤثر طور پر پائے جاتے ہوں خواہ اَفعَلُ کا وزن ہو یا نہ ہو اور اگر افعل کا وزن ہو لیکن اس میں معنی وصفی کمزور ہوں تو اس کو سیبویہ بھی علمیت کے زوال کے بعد منصرف پڑھتے ہیں

اعتبارًا للصفية الاصلية ای انما خالف سيبويہ الاخفش لاجل اعتبارہ الوصفية الاصلية بعد التنكير فانہ لما زالت العلمية بالتنكير لم يبق فيہ مانع من اعتبار الوصفية فاعتبرها وجعلہ غير منصرف للصفة الاصلية وسبب آخر كوزن الفعل والالف والنون المزيدتين فان قلت كما انہ لا مانع من اعتبار الوصفية الاصلية لاباعث على اعتبارها ايضًا فلم اعتبرها وذهب الى ما هو خلاف الاصل اعنى منع الصرف قيل الباعث على اعتبارها امتناع اسود وارقم مع زوال الوصفية

---

چنانچہ سکران اور ندمان اگرچہ افعل کے وزن پر نہیں ہیں لیکن ان میں وصف کے معنی ظاہر طور پر پائے جاتے ہیں اس لئے اگر یہ دونوں کسی کا علم ہوں اور علمیت زائل ہوجائے تو سیبویہ کے نزدیک ان کا وصف اصلی لوٹ آئیگا اور وہ اس کو غیر منصرف پڑھیں گے اور اجمع اگرچہ افعل کے وزن پر ہے لیکن یہ اگر کسی کا علم ہو اور بعد میں علمیت زائل ہوجائے تو سیبویہ کے نزدیک بھی اس کو منصرف پڑھیں گے اس لئے کہ وصف کے معنی اس میں کمزور ہیں کیونکہ تاکید کے لئے ہے اور کل کے معنی میں ہے جس میں وصف نہیں ہے اسی طرح افعل اسم تفضیل جو من تفضیلیہ سے خالی ہو اس میں وصفیت نہیں ہے بلکہ وہ بمنزلہ ایک اسم کے ہے اس لئے وہ بھی سب کے نزدیک حتیٰ کہ سیبویہ کے نزدیک بھی منصرف ہے اور اگر افعل اسم تفضیل من کے ساتھ ہو اس میں وصفیت چونکہ ظاہر ہے اور زائل بھی نہیں ہوئی اس لئے وہ سب کے نزدیک غیر منصرف ہے۔

قولہ اعتبارًا للصفة الاصلية :۔ یہ خالف کا مفعول لہ ہے سیبویہ نے مثل احمر میں تنکیر کے بعد منصرف ہونے میں جو اختلاف کیا ہے اس کی وجہ بیان کررہے ہیں سیبویہ علمیت کے زائل ہونے کے بعد وصف اصلی کا اعتبار احمر جیسی مثال میں کرتے ہیں اس لئے وصف اور ایک دوسرے سبب کی وجہ سے اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اعتبارًا للصفة الاصلية سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ خالف کا فاعل سیبویہ ہے اخفش نہیں ہے کیونکہ مفعول لہ کا فاعل اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہوتا ہے اور تنکیر کے بعد صفت اصلی کا اعتبار کرنے والا سیبویہ ہے۔ معلوم ہوا کہ خالف کا فاعل بھی سیبویہ ہے لہذا یہ توجیہ یہاں نہ چل سکے گی کہ خالف کا فاعل اخفش کو قرار دیا جائے اور سیبویہ کو مفعول مقدم کہا جائے تاکہ مخالفت کی اسناد شاگرد کی طرف ہو استاد کی طرف نہ ہو ۔ اس کا بیان پہلے بھی ہوچکا ہے۔

قولہ فان قلت كما انہ لا مانع الخ :۔ یہ اعتراض سیبویہ پر ہوتا ہے کہ تنکیر کے بعد علمیت کے زائل ہوجانے کی وجہ سے وصف اصلی کے اعتبار کرنے کے لئے کوئی مانع اگرچہ نہیں رہا لیکن

عنهما حينئذ وفيه بحث لان الوصفية لم تزل عنهما بالكلية بل بقي فيهما شائبة من الوصفية لان الاسود اسم للحية السوداء والارقم اسم للحية التى فيهما سواد و بياض وفيهما شمة من الوصفية فلا يلزم من اعتبار الوصفية فيهما اعتبارها فى احمر بعد التنكير لانها قد زالت بالكلية واما الاخفش فذهب الى انه منصرف فان الوصفية قد زالت بالعلمية والعلمية بالتنكير والزائل لا يعتبر من غير ضرورة فلم يبق فيه الاسبب واحد هو وزن الفعل والالف والنون وهذا القول اظهر ولما اعتبر سيبويه الوصف الاصلى بعد التنكير وان كان زائلا لزمه ان يعتبره فى حال العلمية ايضاً فيمتنع نحو حاتم من الصرف للوصف الاصلى والعلمية فاجاب عنه المصنف بقوله ولا يلزمه اى سيبويه من اعتباره الوصفية الاصلية بعد التنكير فى مثل احمر علماً باب حاتم اى كل علم كان فى الاصل وصفا مع بقاء العلمية بان اعتبر فيه ايضاً

---

باعث بھی تو نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ وصف کا اعتبار کر کے اس کو غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے جب کہ اسم کے اندر اصل انصراف ہے تو جب تک عدم انصراف کا قوی سبب نہ ہو تو اس کو منصرف پڑھنا چاہئے قیل الباعث سے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ سیبویہ نے مثل احمر کو اسود اور ارقم پر قیاس کیا ہے کہ ان دونوں میں غلبہ اسمیت کی وجہ سے وصفیت زائل ہو چکی ہے لیکن پھر بھی وصف اصلی کا اعتبار کر کے اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

قولہ وفیہ بحث :۔ سیبویہ پر اعتراض ہے کہ مثل احمر کا قیاس اسود اور ارقم پر صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں وصفیت بتمامہ زائل نہیں ہوئی بلکہ اس میں وصفیت کا شائبہ باقی ہے کیونکہ اسود ہر سانپ کو نہیں کہتے بلکہ صرف کالے سانپ کو کہتے ہیں اسی طرح ارقم صرف اس سانپ کو کہتے ہیں جس میں سیاہی اور سفیدی ہو یعنی چتکبرا ہو، اور مثل احمر میں تو وصفیت تنکیر کے بعد بالکل زائل ہو چکی ہے لہذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔

قولہ واما الاخفش :۔ اخفش کا مسلک جمہور کے مطابق ہے اس کا بیان ماقبل میں ہو چکا ہے

قولہ ولا یلزمہ باب حاتم الخ :۔ ایک اعتراض کا جواب ہے جو اخفش کی طرف سے سیبویہ پر وارد کیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ سیبویہ نے جس طرح احمر جیسی مثال میں تنکیر کے بعد یعنی علمیت کے زائل ہونے کے بعد وصفیت کا اعتبار کیا ہے حالانکہ وصفیت زائل ہو چکی تھی تو حاتم جیسی مثال میں بھی وصفیت کا اعتبار کر لیتے یعنی علمیت کے ساتھ وصف کا اعتبار کر کے اس کو بھی غیر منصرف پڑھتے۔ باب حاتم سے مراد ہر وہ کلمہ ہے جو اصل میں

الوصفية الاصلية وحكم بمنع صرفه للعلمية والوصفية الاصلية لما يلزم في باب حاتم على تقدير منعه من الصرف من اعتبار للتضادين يعني الوصفية والعلمية فان العلم للخصوص والوصف للعموم في حكم واحد وهو منع الصرف لفظ واحد بخلاف ما اذا اعتبرت الوصفية الاصلية مع سبب آخر كما في اسود وارقم فان قلت التضاد انما هو بين الوصفية المحققة والعلمية لا بين الوصفية الاصلية الزائلة والعلمية فلو اعتبرت الوصفية الاصلية والعلمية في منع صرف مثل حاتم فلا يلزم اجتماع

---

وصف ہو اور علمیت اس میں باقی ہو، شارح اس کا جواب دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ باب حاتم میں اگر وصفیت کا اعتبار کیا جاتا ہے تو متضاد چیزوں کا ایک حکم میں اعتبار کرنا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اور متضاد چیزیں وصفیت اور علمیت ہیں ان میں تضاد اسوجہ سے ہے کہ علم خصوص کیلئے ہے اور وصف عموم کے لئے۔

قولہ فی حکم واحد:۔ وہ حکم واحد ایک لفظ کا غیر منصرف پڑھنا ہے یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ حکم واحد سے مراد غیر منصرف ہے اور غیر منصرف میں تو وصفیت اور علمیت دونوں کا اعتبار کیا گیا ہے عمر میں علمیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور ثلث، مثلث میں وصفیت کا اعتبار کیا گیا ہے اور عمر اور ثلث ومثلث غیر منصرف ہیں، معلوم ہوا کہ آپ کا یہ کہنا کہ غیر منصرف میں وصفیت اور علمیت کا اعتبار کرنا صحیح نہیں ورنہ تضاد لازم آئے گا یہ صحیح نہیں ہے، شارح جواب دے رہے ہیں کہ حکم واحد سے مراد لفظ واحد کا غیر منصرف ہونا ہے اور عمر اور ثلث یہ دو لفظ علیحدہ علیحدہ ہیں ایک میں علمیت ہے اور ایک میں وصفیت ہے۔

قولہ فان قلت التضاد الخ:۔ اخفش کے اعتراض پر سیبویہ کی طرف سے جو جواب دیا گیا ہے کہ وصفیت اور علمیت کے اعتبار کرنے میں تضاد لازم آتا ہے اس لئے باب حاتم میں ان دونوں کا اعتبار کر کے غیر منصرف نہیں پڑھا گیا۔ اس جواب پر اعتراض ہوتا ہے جس کو فان قلت الخ سے بیان کیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ دو متضاد چیزوں کو ایک وقت میں اگر جمع کیا جائے تو محال ہے اور باب حاتم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ علمیت اور وصفیت دونوں ایک وقت میں حقیقۃ موجود نہیں ہیں یہاں تو صرف علمیت حقیقۃ موجود ہے اور وصف کا صرف اعتبار کیا جائے گا وہ حقیقۃ موجود نہیں، حاصل یہ ہے کہ یہاں علمیت حقیقی اور وصف اعتباری ہے ان میں کوئی تضاد نہیں، تضاد ہے علمیت حقیقی اور وصف حقیقی میں وہ یہاں موجود نہیں۔

المتضادین قلنا تقدیر احد الضدین بعد زوالہ مع ضد اخر فی حکم واحد وان لم یکن من قبیل اجتماع المتضادین لکنہ شبیہ بہ فاعتبارھما معًا غیر مستحسن وجمیع الباب ای باب غیر المنصرف باللام ای بدخول لام التعریف علیہ او الاضافۃ ای اضافۃ الی غیرہ ینجر ای یصیر مجرورًا بالکسر ای بصورۃ الکسر

---

قولہ قلنا الخ :- اعتراض مذکور کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں حقیقۃً تو تضاد نہیں ہے لیکن شبہ تضاد ہے اور جہاں تک ہو سکے اس سے بھی احتراز کرنا چاہئے

قولہ وجمیع الباب :- الباب سے مراد غیر منصرف کا باب ہے، یہاں سے ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ غیر منصرف پر اگر لام تعریف آجائے یا غیر منصرف کو مضاف کیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں جر کی حالت میں اس میں فتحہ نہ آئے گا بلکہ جر آئے گا ۔

قولہ ای باب غیر المنصرف :- اس سے اشارہ کیا کہ الباب میں الف و لام عہد کا ہے یا مضاف الیہ کے عوض میں ہے ۔

قولہ ای بدخول لام التعریف :- مصنف کی عبارت باللام میں اعتراض ہوتا تھا کہ باء اور لام دونوں حرف ہیں اور حرف کا دخول حرف پر نہیں ہوتا، شارح نے اللام سے پہلے دخول لاکر بتایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور باء لام پر نہیں داخل بلکہ دخول پر داخل ہے اور وہ مضاف ہے اللام کی طرف ۔ اس کے بعد ایک اعتراض اور ہوتا ہے کہ لام جارہ ۔ لام ابتداء، لام امر اگر غیر منصرف پر داخل ہوتے ہیں تو غیر منصرف پر جر نہیں آتا مثلاً المال لاحمد میں احمد پر لام جارہ داخل ہے لیکن احمد پر کسرہ نہیں آیا ۔ شارح نے لام التعریف لاکر اس کا جواب دیا ہے کہ لام سے مراد لام تعریف ہے، لہذا یہ سب لام خارج ہوگئے ۔

قولہ ای اضافۃ الی غیرہ :- یہ بھی اعتراض کا جواب ہے ۔ اعتراض یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ اضافت کی صورت میں غیر منصرف پر جر آجاتا ہے حالانکہ غلام احمد میں غلام مضاف ہے احمد غیر منصرف کی طرف پھر بھی احمد پر جر نہیں آیا ۔ اس کا جواب شارح نے دیا کہ اضافت کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصرف مضاف ہو تو اس پر جر کی حالت میں کسرہ آجائے گا اور مثال مذکور میں احمد جو غیر منصرف ہے وہ مضاف الیہ ہے مضاف نہیں ہے ۔

قولہ ای بصورۃ الکسر :- یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جو مصنف کی عبارت ینجر بالکسر پر وارد ہوتا ہے، اعتراض یہ ہے کہ جر معرب کی حرکت کو اور کسر مبنی کی حرکت کو کہتے ہیں

لفظا او تقدیرا و انما لم یکتف بقولہ ینجر لان الانجرار قد یکون بالفتح ولابان یقول ینکسر لان الکسر یطلق علی الحرکات البنائیۃ ایضا وللنحاۃ خلاف فی ان ھذا الاسم

---

اور مصنف نے یہاں دونوں کو جمع کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر منصرف پر لام تعریف داخل ہو یا اس کو مضاف کیا جائے تو وہ معرب اور مبنی دونوں ہو جائے گا حالانکہ یہ باطل ہے اور مقصود کے بھی خلاف ہے۔ اس کا جواب شارح بصورۃ الکسر سے دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دخول لام اور اضافت کی وجہ سے وہ مجرور ہو جائے گا اور معرب رہے گا جیسا کہ ینجر سے سمجھا جا رہا ہے اور بالکسر سے اس کے مبنی ہونے کا شبہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس حالت میں اس میں کسرہ کی صورت ہو گی حقیقۃً اس پر کسرہ کا اطلاق نہ کیا جائے گا۔

قولہ لفظا او تقدیرا:۔ اعتراض ہوتا تھا اس کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ مررت بالحبلی میں حبلی غیر منصرف ہے اور اس میں الف، لام داخل ہے اور مررت بحبلکم میں حبلی غیر منصرف مضاف ہے پھر بھی اس میں کسرہ نہیں ہے۔ اس کا شارح نے جواب دیا ہے کہ کسرہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری اور ان دونوں مثالوں میں کسرہ تقدیری پایا جاتا ہے۔

قولہ وانما لم یکتف الخ:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ نے ینجر کے بعد بالکسر لا کر خواہ مخواہ عبارت کو طویل کر دیا ہے صرف ینجر کہدیتے تب بھی مقصد حاصل ہو جاتا، شارح کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ینجر سے مقصود حاصل نہ ہوتا کیونکہ غیر منصرف پر تو جر آیا ہی کرتا ہے خواہ لام اس پر داخل ہو یا نہ ہو، اسی طرح وہ مضاف ہو یا نہ ہو البتہ جر فتح کی صورت میں ہوتا ہے جب اس پر لام داخل ہو جائے یا وہ مضاف ہو تو اس پر جر کسرہ کی صورت پر آئے گا اس مقصد کے لئے بالکسر کا اضافہ کیا۔ اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے تو پھر صرف ینکسر کہدینا کافی تھا ینجر بالکسر کہنے کی کیا ضرورت تھی، اس کا جواب شارح اپنی عبارت لان الکسر الخ سے دے رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف ینکسر کہتے تو یہ شبہ کیا جا سکتا تھا کہ دخول لام اور اضافت کی وجہ سے غیر منصرف کسرہ پر مبنی ہو جائے گا کیونکہ کسر کا اطلاق مبنی کی حرکت پر ہوتا ہے۔

قولہ وللنحاۃ خلاف الخ:۔ غیر منصرف پر لام کے داخل ہونے کے بعد یا اس کے مضاف ہونے کے بعد وہ منصرف ہو جائے گا یا غیر منصرف رہے گا اس میں نحویوں کا اختلاف ہے اس کو واضح کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بعض نحوی تو اس حالت میں اس کو منصرف پڑھتے ہیں خواہ اس میں دو سبب باقی ہوں یا نہ ہوں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ غیر منصرف

فی ھذہ الحالۃ منصرف او غیر منصرف فمنھم من ذھب الی انہ منصرف مطلقاً لان عدم انصرافہ انما کان لمشابھتہ الفعل فلما ضعفت ھذہ المشابھۃ بدخول ماھو من خواص الاسم اعنی اللام او الاضافۃ قویت جھۃ الاسمیۃ فرجع الی اصلہ الذی ھو الصرف فدخلہ الکسر دون التنوین لانہ لا یجتمع مع اللام والاضافۃ ومنھم من ذھب الی انہ غیر منصرف مطلقا والممنوع من غیر المنصرف بالاصالۃ ھو التنوین وسقوط الکسر انما ھو بتبعیۃ التنوین حیث ضعفت مشابھتہ للفعل لم تؤثر الافی سقوط التنوین دون تابعہ الذی ھو الکسر الحالہ وسقط التنوین لامتناعہ من الصرف ومنھم من ذھب الی ان العلتین ان کانتا باقیتین مع اللام او الاضافۃ کان الاسم غیر منصرف

---

تو فعل کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے اور دخول لام اور اضافت یہ اسم کا خاصہ ہے اس وجہ سے ان دونوں حالتوں میں فعل سے مشابہت کمزور ہوجائے گی اور اسمیت کی جہت قوی ہوجائے گی جس کی وجہ سے کلمہ اپنی اصلی حالت کیطرف لوٹ جائیگا، یعنی منصرف ہوجائے گا اور اس پر کسرہ آجائے گا اور تنوین اس وجہ سے نہ آئے گی کہ لام اور اضافت کے ساتھ تنوین جمع نہیں ہوتی ۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ دخول لام اور اضافت کے بعد کلمہ غیر منصرف رہے گا خواہ دوسبب باقی ہوں یا نہ ہوں، ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس حالت میں آپ کے نزدیک جب کلمہ غیر منصرف ہے تو اس پر کسرہ نہ آنا چاہئے کیونکہ غیر منصرف میں تنوین اور کسرہ دونوں ممنوع ہیں ۔ اس کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ غیر منصرف میں ممنوع بالذات تنوین ہے وہ اب بھی نہیں ہے اور کسرہ چونکہ تنوین کے تابع ہوتا ہے کیونکہ اکثر جگہ کسرہ بغیر تنوین کے نہیں آتا اور دخول لام اور اضافت کی وجہ سے غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ اگرچہ کمزور ہوگئی ہے لیکن بالکل ختم نہیں ہوئی، اس کمزوری کا یہ اثر ہوگا کہ کسرہ جو بالتبع ممنوع تھا وہ آجائے گا اور مشابہت بالکل ختم نہیں ہوئی اس لئے جو بالذات ممنوع تھا وہ اب بھی ممنوع رہے گا، حاصل یہ ہے کہ تنوین چونکہ تمکن یعنی اسم کے منصرف ہونے کی علامت ہے اس وجہ سے وہ غیر منصرف میں بالذات ممتنع ہے اور لام کے داخل ہونے اور مضاف ہونے کے بعد بھی تنوین نہیں آتی اس لئے جس طرح کلمہ ان دو حالتوں سے پہلے غیر منصرف تھا ان دونوں کے بعد بھی غیر منصرف رہے گا ۔ تیسرا مذہب ان دونوں کے بین بین ہے وہ یہ ہے کہ غیر منصرف کا مدار دو علتوں پر ہے اس لئے اگر دخول لام اور اضافت

وان زال التامعًا اوزالت احدٰہما کان منصرفًا وبیان ذلک ان العلمیۃ تزول باللام والاضافۃ فان کانت العلمیۃ شرطًا للسبب الاٰخرزالتامعًا کمافی ابراھیم وان لم تکن شرطاکمافی احمد زالت احدٰہما ان لم تکن ھناک علمیۃ کمافی احمر بقیت العلتان علی حالہما وھذا القول انسب بماعرف بہ الاسم غیرالمنصرف

کے بعد دو علتیں موجود ہوں تو اس کو غیر منصرف پڑھیں گے اور اگر دونوں نہ ہوں یا ان دو میں سے ایک علت نہ ہو تو کلمہ منصرف ہوجائے گا۔

رہ گئی یہ بات یہ کیسے معلوم ہو کہ دخول لام اور اضافت کے بعد دو علتیں باقی ہیں یا نہیں اس کے لئے شارح نے دبیان ذلک سے اس کا معیار بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لام اور اضافت کی وجہ سے علمیت زائل ہوجاتی ہے تو جہاں علمیت شرط اور سبب دونوں ہے جیساکہ تانیث لفظی اور معنوی، ترکیب، عجمہ یا صرف سبب ہے شرط نہیں جیسا کہ عدل اور وزن فعل میں تو ان چھ مقامات میں سے کسی میں بھی لام داخل ہوجائے یا اس کو مضاف کردیا جائے تو علمیت کے زائل ہوجانے کی وجہ سے کلمہ میں دو سبب باقی نہ رہیں گے اس لئے وہ منصرف ہوجائے گا۔

اور ان چھ اسباب کے علاوہ غیر منصرف کے کسی سبب میں علمیت نہ شرط ہے نہ سبب ہے اس لئے اگر ان چھ کے علاوہ کسی بھی سبب سے کلمہ غیر منصرف ہوا ہے اور اس میں لام داخل ہو یا مضاف ہو تو وہ غیر منصرف رہے گا کیونکہ اس کا کوئی سبب زائل نہیں ہوا۔ شارح نے اس تیسرے مذہب کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے ھذا القول انسب الخ۔

# المرفوعاتُ

جمع المرفوع لا المرفوعة لان موصوفه الاسم وھو مذکر لا یعقل ویجمع ھذا الجمع مطرداً صفة المذکر الذی لا یعقل کالصافنات للذکور من الخیل وجمال سجلات ای ضخمات وکالایام الخالیات ھو ای المرفوع الدال علیه المرفوعات

اس سے قبل معرب کی تقسیم انصراف اور عدم انصراف کے اعتبار سے تھی اب اعراب کے اقسام کے اعتبار سے تقسیم کر رہے ہیں، مرفوعات کو مرفوع، منصوب اور مجزوم تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے، رفع کی صورت میں مبتداء ہوگا اور خبر ھذہ محذوف ہوگی تقدیر عبارت یہ ہوگی المرفوعات ھذہ اگر اس کا عکس ہو تو یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ منصوب پڑھنے کی صورت میں اس کو مفعول قرار دیا جائے گا خذ یا اشرع فعل کا، اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی خذ المرفوعات یا اشرع المرفوعات۔ جزم کی صورت میں اس کو بمنزلہ فصل کے قرار دیا جائے گا اور لفظ فصل میں کوئی اعراب جاری نہیں ہوتا۔ مرفوعات عمدہ ہیں منصوبات اور مجرورات فضلہ ہیں اس لئے مرفوعات کے بیان کو مقدم کیا اور جمع اس وجہ سے لائے کہ اس کے اقسام کثیر ہیں۔

المرفوعات مرفوع کی جمع ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مرفوع مذکر ہے اس کی جمع مونث کیسے آسکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مرفوع اسم کی صفت ہے اور لفظ اسم غیر ذوی العقول میں سے ہے اور غیر ذوی العقول کی صفت کی جمع الف وتاء کے ساتھ آتی ہے جیسے خیل صافنات، جمال سجلات ان میں خیل اور جمال غیر ذوی العقول ہیں اور خیل کی صفت صافن مذکر ہے اور اس کی جمع صافنات ہے اسی طرح جمال کا مفرد جمل ہے اس کی صفت سجل ہے بمعنی عظیم اور اس کی جمع سجلات۔

ای ضخمات یہ سجلات کی تفسیر ہے اس کے معنی ہیں موٹے، بڑے۔

قولہ کالایام الخالیات :۔ خالیات جمع ہے خالی کی یہ مذکر ہے اور یوم کی صفت ہے چونکہ لفظ یوم غیر ذوی العقول میں سے ہے لہذا اس کی صفت خالی کی جمع خالیات آگئی

قولہ ھو ای المرفوع الدال علیه المرفوعات :۔ الدال علیه المرفوعات اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ھو سے پہلے المرفوعات مذکور ہے وہ ضمیر ھو کا مرجع نہیں

لان التعریف انما یکون للماهیۃ لا للافراد اوما اشتمل ای اسم اشتمل علی علم الفاعلیۃ ای علامۃ کون الاسم فاعلا وھی الضمۃ والواو والالف

نہیں بن سکتا اس لئے کہ ھو ضمیر مذکر ہے اور مفرد ہے المرفوعات جمع ہے اور مونث ہے لہذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی اس کا مرجع مرفوع ہو سکتا ہے لیکن وہ مذکور نہیں، حاصل یہ ہے کہ جو مذکور ہے وہ مرجع نہیں بن سکتا جو مرجع بن سکتا ہے وہ مذکور نہیں، شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ ھو ضمیر مرفوع کی طرف راجع ہے اور وہ المرفوعات کا مدلول ہے چونکہ دال مذکور ہے اس لئے حکما مدلول کو بھی مذکور سمجھا جائے گا۔

قولہ لان التعریف انما یکون للماهیۃ الخ:۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے اگر مصنف بجائے ھو کے ہی لاتے تو مرفوعات اس کا مرجع ہوتا اور وہ مذکور ہے، اس میں اس تاویل کی ضرورت نہ ہوتی کہ ضمیر ھو کا مرجع مرفوع ہے جس پر المرفوعات دلالت کرتا ہے، شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اگر مرفوعات کو مرجع بنایا جاتا ہے تو چونکہ وہ جمع ہے اور جمع کی دلالت افراد پر ہوتی ہے تو یہ تعریف افراد کی ہوتی حالانکہ تعریف ماہیئت کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی۔

قولہ ما اشتمل ای اسم اشتمل:۔ شارح نے لفظ اسم لاکر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ لفظ ما میں عموم ہے اسم، فعل، حرف سب کو شامل ہے۔ لہذا یہ تعریف اسم مرفوع کے آخر میں جو حرف ہوتا ہے اس کو بھی شامل ہو جائے گی مثلاً جاءنی زید میں زید کی دال پر جو کہ حرف ہے اس پر مرفوع کی تعریف صادق آئے گی کیونکہ وہ بھی علامت رفع پر یعنی ضمہ پر مشتمل ہے حالانکہ وہ حرف ہے اور حرف مرفوع نہیں ہوتا مرفوع تو صرف اسم ہوتا ہے۔ شارح نے لفظ اسم لاکر اس کا جواب دیا کہ ما سے مراد اسم ہے اور زید کی دال اسم نہیں ہے لہذا اس کو مرفوع نہ کہا جائے گا۔ رہی یہ بات کہ جب ما عموم کے لئے ہے تو پھر اس سے صرف اسم مراد لینے کا کوئی قرینہ ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث اسم کی ہے اس لئے یہ قرینہ ہے کہ ما سے مراد اسم لیا جائے۔

قولہ علی علم الفاعلیۃ ای علامۃ کون الاسم فاعلا:۔ علم کے کئی معانی آتے ہیں، (۱) شخص معین جیسے زید (۲) پہاڑ کو بھی عربی میں علم کہتے ہیں (۳) علامت۔ شارح نے ای علامۃ لاکر بتایا کہ یہاں علم سے مراد علامت ہے۔ کون الاسم فاعلا لاکر بتایا کہ فاعلیت میں یاء مصدریہ ہے نسبتی نہیں ہے یاء مصدریہ کی علامت یہ ہے کہ اسکو کون سے تعبیر کیا جاتا ہے

والمراد باشتمال الاسم علیها ان یکون موصوفا بها لفظاً اوتقدیراً او محلاً
ولاشك ان الاسم موصوف بالرفع المحلی اذ معنی الرفع المحلی انه فی محل

---

اور جس کے ساتھ یہ یار لاحق ہوتی ہے وہ کون کی خبر واقع ہوتا ہے جیسے اس عبارت میں یار فاعل کے ساتھ لاحق ہے اور تعبیر کے وقت فاعل کون کی خبر واقع ہے اور منصوب ہے یار نسبتی میں یار کو لفظ منسوب سے تعبیر کرتے ہیں اور یار جس کے ساتھ لاحق ہے اس کی طرف بواسطہ الی کے منسوب کو مضاف کرتے ہیں جیسے بصری میں یار کو منسوب سے تعبیر کیا اور بصرہ کی طرف بواسطہ الی کے مضاف کر کے منسوب الی البصرہ کہا۔

قولہ والمراد باشتمال الاسم الخ:۔ اشتمال کی کئی صورتیں ہوتی ہیں (۱) اشتمالِ کل علی الجزء (۲) اشتمالِ ظرف علی المظروف (۳) اشتمالِ موصوف علی الصفۃ (۴) اشتمالِ ذی الحال علی الحال۔ شارح نے اس عبارت سے بتایا کہ یہاں اشتمال موصوف علی الصفۃ مراد ہے یعنی جس طرح موصوف صفت پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح اسم فاعلیت کی علامت یعنی ضمہ، واو، الف پر مشتمل ہوتا ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اشتمال کی یہ قسم اگر مراد لی جائے تو اسم موصوف ہوگا اور حرکات اور حروف اعرابیہ یعنی ضمہ، واو، الف یہ صفت ہوں گے اور صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے تو اس صورت میں حرکات اور حروف اعرابیہ کا حمل اسم پر ہوگا حالانکہ اسم مستقل ہے اور حرکات و حروف اعرابیہ غیر مستقل ہیں لہذا غیر مستقل کا حمل مستقل پر لازم آئے گا جو ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرکات اور حروف اعرابیہ اوصاف نہیں مثل اوصاف کے ہیں۔ یعنی جس طرح صفت موصوف کے بعد ہوتی ہے اسی طرح علامت فاعلیۃ یعنی حرکات اور حروف اعرابیہ اسم کے بعد ہوتے ہیں تو جب حرکات اور حروف اعرابیہ وصف نہیں ہیں بلکہ مثل وصف کے ہیں تو اسم درحقیقت موصوف نہ ہوگا بلکہ مثل موصوف کے ہوگا اور حمل صفت کا موصوف پر ہوتا ہے نہ کہ مثل صفت کا مثل موصوف پر، لہذا اشکال مذکور وارد نہ ہوگا، لفظاً جیسے جاءنی زید۔ تقدیراً جیسے جاءنی فتیً۔ محلاً جیسے قام ھؤلاء۔

قولہ ولاشك ان الاسم موصوف بالرفع المحلی:۔ شارح ہندی نے رفع محلی کا انکار کیا ہے شارح جامی اس کو رد کر رہے ہیں کہ یہ انکار صحیح نہیں کیونکہ اسم رفع محلی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، رفع محلی کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس جگہ اسم معرب ہوتا تو وہ مرفوع ہوتا خواہ لفظاً رفع آتا یا تقدیراً جیسا کہ ماقبل میں اس کی مثالیں گذر چکی ہیں رفع محلی

لوکان ثمہ معرب لکان مرفوعًا لفظًا او تقدیرًا فکیف یختص الرفع بما عدا الرفع المحلی وھو یبحث مثلاعن احوال الفاعل اذا کان مضمرًا متصلاکما سیجئ فمنہ ای من المرفوع اومما اشتمل علی علم الفاعلیۃ الفاعل وانما قدمہ لانہ اصل المرفوعات عند الجمھور لانہ جزء الجملۃ الفعلیۃ التی ھی اصل الجمل

---

کی مثال قام ھولاء ہے کہ اگر ھولاء مبنی کی جگہ کوئی اسم معرب ہوتا تو اس پر اعراب آتا مثلاً زید ہوتا تو اس پر اعراب لفظی آتا۔ فتیٰ ہوتا تو اس پر اعراب تقدیری آتا۔

قولہ فکیف یختص :۔ مطلب یہ ہے کہ جب رفع محلی کا وقوع ہوتا ہے جیساکہ مثال مذکور سے معلوم ہوا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ رفع کی صرف دو صورتیں ہیں لفظی اور تقدیری اور رفع محلی کوئی چیز نہیں۔

قولہ وھو یبحث عن احوال الفاعل :۔ مطلب یہ ہے کہ آگے چل کر مصنف جب فاعل کے احوال بیان کریں گے تو وہاں جس صورت میں فاعل ضمیر متصل ہوتا ہے اس کے بھی احوال بیان کریں گے، اور ضمیر متصل مبنی ہے اور وہ فاعل واقع ہوتی ہے اور فاعل پر رفع ہوتا ہے تو یہ ضمیر بھی مرفوع ہوگی اور ظاہر ہے کہ ضمیر متصل پر رفع محلی ہوگا۔

قولہ فمنہ ای من المرفوع اومما اشتمل علی علم الفاعلیۃ :۔ منہ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں (۱) اس کا مرجع مرفوع ہے جو المرفوعات کے ضمن میں سمجھا جاتا ہے جیسا ھو ما اشتمل میں ضمیر ھو کا مرجع مرفوع ہے اس صورت میں دونوں ضمیروں کے مرجع میں اتحاد ہوگا (۲) ما اشتمل میں جو لفظ ما ہے جس سے اسم مراد ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہو، اس صورت میں ضمیر کا مرجع قریب ہوگا اور صراحۃً مذکور ہوگا۔

قولہ وانما قدمہ :۔ اس میں اختلاف ہے کہ مرفوعات میں اصل کیا ہے فاعل یا مبتداء جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فاعل اصل ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جزء ہوتا ہے جو تمام جملوں میں اصل ہے کیونکہ جملہ سے مقصود ہے مخاطب کو فائدہ پہنچانا اور جملہ فعلیہ میں زمانہ بھی معلوم ہو جاتا ہے اس لئے اس سے مخاطب کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ فاعل کا عامل فعل ہوتا ہے اور وہ لفظی ہوتا ہے اور مبتداء کا عامل معنوی ہوتا ہے اور لفظی قوی ہے بہ نسبت معنوی کے۔ دوسرا مذہب علامہ زمخشری وغیرہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ مرفوعات میں اصل مبتداء ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مبتداء اپنی اصلی حالت پر ہے کیونکہ مسند الیہ کے اندر تقدیم اصل ہے اور مبتداء مقدم ہوتا ہے بخلاف فاعل کے

ولان عاملہ اقوی من عامل المبتدا و قیل اصل المرفوعات المبتدا لانہ باق علی ما ھو الاصل فی المسند الیہ وھو التقدم بخلاف الفاعل و لانہ یحکم علیہ بکل حکم جامد اومشتق فکان اقوی بخلاف الفاعل فانہ لایحکم علیہ الابالمشتق وھو ای الفاعل ما ای اسم حقیقۃً او حکماً لیدخل فیہ مثل قولھم اعجبنی ان ضربت زیداً

---

کہ وہ اگرچہ مسند الیہ ہے لیکن موخر ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مبتدا پر ہر قسم کا حکم لگایا جاتا ہے خواہ مشتق ہو یا جامد جیسے زید قائم۔ اس میں قائم مشتق ہے اور جیسے ہذا حجر، اس میں حجر جامد ہے بخلاف فاعل کے کہ اس میں صرف مشتق کا حکم لگایا جاتا ہے۔ بہرحال دونوں فریق کے پاس اپنے مسلک پر دلائل ہیں، مصنف نے چونکہ جمہور کا مسلک اختیار کیا ہے اس لئے مرفوعات کے بیان میں فاعل کو مقدم کیا ہے اور جمہور کی طرف سے مصنف مخالفین یعنی علامہ زمخشری وغیرہ کا جواب یہ دیں گے کہ مسند الیہ کے اندر تقدیم اصل ہے یہ مسلم ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ تقدیم سے کوئی مانع نہ ہو، اور فاعل کے اندر تقدیم سے یہ مانع ہے کہ اگر فاعل کو مقدم کرتے ہیں تو مبتدا کے ساتھ التباس لازم آتا ہے اس صورت میں پتہ نہ چلے گا کہ اس کو فاعل کہیں یا مبتدا، دوسری دلیل علامہ زمخشری وغیرہ کی یہ تھی کہ مبتدا پر ہر قسم کا حکم لگایا جاتا ہے یعنی مشتق اور جامد دونوں محکوم بہ ہوتے ہیں اور فاعل کا محکوم بہ صرف مشتق ہوتا ہے۔ اس کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ تمہارے قول سے یہ معلوم ہوا کہ مبتدا کا محکوم بہ عام ہے اور عموم قوت کی دلیل نہیں یعنی عام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قوی بھی ہو، اور فاعل کا محکوم بہ مشتق ہے اور وہ قوی ہے اگرچہ عام نہیں ہے لہذا فاعل کو مبتدا پر ترجیح دی جائے گی۔

قولہ وھو ما اسم حقیقۃً او حکماً:۔ فاعل کی تعریف کر رہے ہیں، مصنف کی تحریر کے مطابق فاعل کی تعریف یہ ہے فاعل ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی طرف ایسے فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی جائے جو اس اسم پر مقدم ہو اور اسم کے ساتھ قائم ہو خواہ اس سے صادر ہو جیسے قتل زیدٌ عمرًا یا صادر نہ ہو جیسے مات زیدٌ۔ اب حسب بیان شارح اس کی شرح کی جاتی ہے۔

قولہ ای اسم حقیقۃً او حکماً:۔ اس تعمیم سے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اعجبنی ان ضربت زیداً میں ان ضربت فاعل ہے حالانکہ وہ اسم نہیں بلکہ جملہ ہے اور اسم مفرد ہوتا ہے، اس کا جواب اس عبارت سے دے رہے ہیں کہ یہ مصدر

أُسند الیہ الفعل بالاصالۃ لابالتبعیۃ لیخرج عن الحد توابع الفاعل وکذا المراد فی جمیع حدود المرفوعات والمنصوبات والمجرورات غیر التابع بقرینۃ ذکر التوابع بعدھا او شبھہٗ ای ما یشبہہ فی العمل وانما قال ذلک لیتناول فاعل اسم الفاعل والصفۃ المشبھۃ والمصدر واسم الفعل وافعل التفضیل والظرف

---

کی تاویل میں ہوکر اسم مفرد ہے اس کی تقدیر اعجبنی ضربک زیداً ہے اور ضرب اسم مفرد ہے
قولہ بالاصالۃ لابالتبعیۃ :- اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ فاعل کی تعریف اس کے توابع مثلاً معطوف وغیرہ پر بھی صادق آتی ہے جیسے جاءنی زید وعمرو اس میں عمرو معطوف ہے اور فاعل کی تعریف اس پر صادق ہے کیونکہ اس سے پہلے فعل جاءنی ہے جو عمرو کی طرف مسند ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اسناد سے مراد اسناد بالاصالۃ ہے نہ کہ بالتبع اور معطوف کی طرف جو اسناد ہوتی ہے وہ معطوف علیہ کے تابع ہوکر ہوتی ہے، لہٰذا یہاں عمرو کی طرف جو جاء کی اسناد ہے وہ زید کی طرف اسناد کے تابع ہے، رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اسناد سے مراد اسناد بالاصالۃ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ توابع کا مستقل بیان آگے آرہا ہے یہ قرینہ ہے کہ مرفوعات اور منصوبات، مجرورات کی تعریف میں توابع مراد نہ ہوں گے لہٰذا کسی بھی مرفوع یا منصوب یا مجرور کی تعریف کی جائے گی تو اس کے توابع اس میں داخل نہ ہوں گے۔
قولہ او شبھہٗ :- یہ او تنویع کے لئے ہے، تشکیک کے لئے نہیں اس سے فاعل کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے (۱) فعل کی اسناد اس کی طرف ہو (۲) شبہ فعل کی اسناد اس کی طرف ہو، شبہ فعل سے مراد ایسا اسم ہے جو فعل کے ساتھ عمل میں مشابہ ہو، جس طرح فعل عمل کرتا ہے وہ اسم بھی عمل کرتا ہے۔ اس تعمیم کا فائدہ یہ ہے کہ فاعل کی تعریف، اسم فاعل، صفت مشبہ، مصدر، اسم فعل، اسم تفضیل کے فاعل کو شامل ہوجاتی گی جیسے زید قائم ابوہ - زید حسن وجہہ - اعجبنی ضرب زید عمروا - رُوید زیداً - زید أضربُ من عمرو - فی الدار زید - ان امثلہ میں قائم اسم فاعل اور ابوہ اس کا فاعل ہے حسن صفت مشبہ اور وجہہ اس کا فاعل ہے اعجبنی ضرب زید میں ضرب مصدر ہے اور زید اس کا فاعل ہے جس کی طرف ضرب مصدر کی اضافت ہورہی ہے۔ روید زیدًا میں روید اسم فعل ہے اور امہل کے معنی میں ہے اس میں انت ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ زید اضرب من عمرو اس میں اضرب اسم تفضیل ہے اس کا فاعل ہو اس میں پوشیدہ ہے

وقدم ای الفعل اوشبهه علیه ای علی ذلك الاسم واحترز به عن نحو فی زید ضرب لانه مما اسند الیه الفعل لان الاسناد الی ضمیر شئ اسناد الیه فی الحقیقة لکنه مؤخر عنه والمراد تقدیمه علیه وجوبا لیخرج عنه المبتداء المقدم علیه خبره نحو کریم من یکرمك فان قلت قد یجب تقدیمه اذا کان المبتداء نکرة والخبر ظرفا نحو فی الدار رجل

---

فی الدار زید میں فی الدار کے عامل استقر کا زید فاعل واقع ہے، ظرف خود عامل نہیں ہوتا، چونکہ یہ اپنے عامل کی جگہ میں ہوتا ہے اس لئے عمل کی نسبت مجازاً اس کی طرف کردی جاتی ہے

قولہ وقدم :- یعنی فعل یا شبہ فعل جو اسم کی طرف مسند ہے اس کو اس اسم پر مقدم کیا گیا ہو، اس سے احتراز ہے زید ضرب جیسی مثال سے اس میں زید کی طرف ضرب کی اسناد ہو رہی ہے کیونکہ ضرب کا فاعل ہو ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور کسی شئ کی ضمیر کی طرف اسناد کرنا ایسا ہے جیسا کہ خود اسی شئ کی طرف اسناد ہو، اس لئے زید کی طرف اس میں اسناد تو ہے لیکن جس فعل کی اسناد ہو رہی ہے وہ مقدم نہیں ہے بلکہ مؤخر ہے جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے۔

قولہ والمراد تقدیمہ علیہ وجوبا الخ:- ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ فاعل کی تعریف ایسے مبتدار پر صادق آتی ہے جس کی خبر شبہ فعل ہو اور اس پر مقدم ہو جیسے کریم من یکرمك اس میں لفظ من موصول ہے اور یکرمک جملہ فعلیہ خبریہ اس کا صلہ ہے موصول صلہ مل کر مبتدار مؤخر ہے اور کریم اس کی خبر مقدم ہے لیکن اس مبتدار پر فاعل کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ من سے پہلے شبہ فعل مقدم ہے اور اس کی اسناد من کی طرف ہو رہی ہے لہذا من کو فاعل کہنا چاہئے حالانکہ وہ فاعل نہیں بلکہ مبتدار ہے، شارح اس عبارت سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ فاعل کی تعریف میں جس فعل یا شبہ فعل کی اسناد اس کی طرف ہو اس فعل یا شبہ فعل کا مقدم کرنا واجب ہے اور مثال مذکور میں کریم شبہ فعل کا مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔

قولہ فان قلت قد یجب تقدیمہ الخ:- یہ بھی ایک اعتراض ہے جس کا جواب قلت سے دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ اگر مبتدار نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو تو خبر کا مقدم کرنا واجب ہے تو چونکہ اس خبر کا عامل فعل یا شبہ فعل ہوگا اور اس میں ایک ضمیر ہوگی جو مبتدار کی طرف راجع ہوگی تو ایسے مبتدار پر فاعل کی تعریف صادق آتی ہے لہذا فاعل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی، مثلاً فی الدار رجل میں رجل مبتدار مؤخر ہے اور فی الدار جو اس کی خبر مقدم ہے اس میں جار ومجرور کا عامل استقر فعل یا مستقر یا ثابت، کائن وغیرہ اسم فاعل مانا جائے گا اور اس میں

قلت المراد وجوب تقديم نوعه وليس نوع الخبر مما يجب تقديمه بخلاف نوع ما اسند الى الفاعل على جهة قيامه اى اسنادًا واقعًا على طريقة قيام الفعل او شبهه به اى بالفاعل فطريق قيامه به ان يكون على صيغة المعلوم او على ما فى حكمها كاسم الفاعل والصفة المشبهة واحترز بهذا القيد عن مفعول مالم يسم فاعله كزيد فى ضرب زيد على صيغة المجهول والاحتياج الى هذا القيد انما هو على مذهب من لم يجعله داخلا فى الفاعل كالمصنف واما على مذهب من جعله داخلا فيه كصاحب المفصل فلا حاجة الى هذا القيد

---

ایک ضمیر ہے جو رجل کی طرف راجع ہے لہذا رجل پر فاعل کی یہ تعریف صادق آئی کہ یہ اسم ہے اور اس کی طرف فعل یا شبہ فعل مسند ہے اور مقدم ہے، اس کا جواب شارح نے یہ دیا ہے کہ فاعل کی طرف جس کی اسناد ہو اس کی نوع ایسی ہو جس کا مقدم کرنا واجب ہوتا ہے اور خبر کی نوع ایسی نہیں جس کا ابتدار پر مقدم کرنا واجب ہو، کسی عارض کی بنار پر تقدیم واجب ہو جائے تو یہ امر آخر ہے، بخلاف فعل یا شبہ فعل کے کہ ان کی نوع ایسی ہے کہ فاعل پر مقدم کرنا واجب ہے۔

قولہ على جهة قيامه اى اسنادًا واقعًا الخ:۔ اسنادًا واقعًا لاکر اشارہ کیا کہ یہ ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہے على جهة قيامه کا تعلق اسنادًا کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس کا عامل واقعًا نکالا اور واقعًا اسنادًا کی صفت ہے اسنادًا اپنی صفت سے مل کر اسند کا مفعول مطلق ہے جہۃ کی تفسیر طریقہ کے ساتھ کرکے یہ بتایا کہ یہاں جہت سے جہات ستہ مراد نہیں ہیں۔

قولہ فطريق قيامه الخ:۔ فاعل کے ساتھ فعل یا شبہ فعل کے قائم ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فاعل کی طرف جس کی اسناد ہو رہی ہے وہ معروف کا صیغہ ہو مجہول نہ ہو، اس سے مفعول مالم یسم فاعلہ کو نکالنا مقصود ہے کیونکہ اس کی طرف فعل مجہول کی اسناد ہوتی ہے۔

قولہ والاحتياج الى هذا القيد الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور مفصل میں على جهة قيامه کی قید نہیں تو پھر مصنفؒ نے اس کو کیوں ذکر کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف اور صاحب مفصل کے درمیان اختلاف ہے، صاحب مفصل کے نزدیک مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل ہی کے حکم میں ہے اس لئے اس نے یہ قید نہیں لگائی تاکہ فاعل کی تعریف میں مفعول مالم یسم فاعلہ بھی داخل رہے اور مصنف کافیہ کے نزدیک مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل سے خارج ہے اس لئے مصنف نے یہ قید لگا کر فاعل کی تعریف سے اس کو خارج کر دیا۔

بل یجب ان لایقید به مثل زید فی قام زید فهذا امثال لما اسند الیه الفعل ومثل ابوه فی زید قائم ابوه فهذا امثال لما اسند الیه شبه الفعل والاصل فی الفاعل ای ماینبغی ان یکون الفاعل علیه ان لم یمنع مانع ان یلی الفعل المسند الیه ای یکون بعده من غیران یتقدم علیه شئی اٰخرومن معمولاته لانه کالجزء من الفعل لشدة احتیاج الفعل الیه ویدل علی ذلک اسکان اللام فی ضربت لانه لدفع توالی اربع حرکات فیما هو بمنزلة کلمة واحدة فلذلک الاصل الذی یقتضی تقدم الفاعل علی سائر معمولات الفعل جاز ضرب غلامه زید لتقدم مرجع الضمیر

---

قولہ والاصل فی الفاعل الخ :- اصل کے مختلف معانی آتے ہیں (۱) قاعدہ کلیہ (۲) دلیل (۳) جدار (دیوار) (۴) مناسب ۔ شارح نے ای ماینبغی الخ سے یہ بتایا کہ یہاں اصل سے مراد مناسب ہے
قولہ ان لم یمنع مانع :- یعنی فاعل کے لئے جو اصل بیان کی گئی ہے کہ جو فعل اس فاعل کی طرف مسند ہے فاعل اس فعل کے متصل ہو، یہ اصل اس وقت ہے جب کہ کوئی مانع نہ ہو اگر اتصال سے کوئی مانع ہوگا تو اس اصل پر عمل نہ ہوگا جیسے ضربک زید میں زید فاعل اپنے فعل ضرب کے ساتھ اس وجہ سے متصل نہیں ہے کہ اس میں ک ضمیر مفعول کا اتصال اس سے قبل ہو رہا ہے اب اگر زید کو ضرب کے ساتھ متصل کرتے ہیں تو ضمیر متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا ۔
قولہ ای یکون بعده الخ :- یعنی فاعل کا فعل کے ساتھ متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے بعد فاعل واقع ہو اور فعل کے معمولات میں سے کوئی معمول فاعل پر مقدم نہ ہو۔
قولہ لانہ کالجزء من الفعل الخ :- اصل مذکور کی علت بیان کر رہے ہیں کہ فاعل کا فعل کے ساتھ اتصال اس لئے مناسب ہے کہ فاعل فعل کے جزء کی طرح ہے کیونکہ فاعل کی طرف فعل کی احتیاج بہ نسبت دیگر معمولات کے زیادہ ہے بغیر فاعل کے فعل کے معنی تام نہیں ہوتے ۔
قولہ ویدل علی ذلک اسکان اللام الخ :- اس سے پہلے یہ دعوی کیا تھا کہ فاعل فعل کے جزء کی طرح ہے اس کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ جب فعل کے ساتھ ضمیر فاعل مرفوع متصل لاحق ہو تو لام کلمہ ساکن ہو جاتا ہے جیسے ضَرَبْتُ میں بار لام کلمہ کو ساکن کیا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ فاعل کو فعل کا جزء قرار دے کر ایک کلمہ کرلیا گیا ہے اور ایک کلمہ میں چار حرکتیں لگا تار نہ آنی چاہئیں ۔
قولہ فلذلک :- اصل مذکور پر تفریع کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ اصل یہ ہے کہ فاعل فعل کے متصل ہو، اس لئے ضرب غلامہ زید جائز ہے کیونکہ زید فاعل ہے اور

وهو زید رتبۃ فلا یلزم الاضمار قبل الذکر مطلقا بل لفظا فقط وذلک جائز وامتنع ضرب غلامہ زیدا لتاخر مرجع الضمیر وهو زید لفظا ورتبۃ فیلزم الاضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃ وذلک غیر جائز خلافا للاخفش وابن جنی ومستندهما فی ذلک قول الشاعر۔ شعر

جزی ربہ عنی عدی بن حاتم ؎ جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

واجیب عنہ بان هذا لضرورۃ الشعر او المراد عدم جوازہ فی سعۃ الکلام وبانہ

---

وہ مرتبہ کے اعتبار سے ضرب کے متصل ہے لہذا غلامہ کی ضمیر زید کی طرف لوٹتی ہے اس میں اضمار قبل الذکر صرف لفظا لازم آئے گا رتبۃً لازم نہ آئے گا اور یہ ناجائز نہیں ۔

قولہ وامتنع ضرب غلامہ زیدا :۔ امتناع کی وجہ یہ ہے کہ غلامہ فاعل ہے جو اپنے فعل کے ساتھ متصل ہے اس میں ضمیر زیداً کی طرف راجع ہے اور زیداً مفعول بہ ہے اور موخر ہے، اس لئے اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ دونوں طرح لازم آئے گا جو ناجائز ہے ۔

قولہ خلافا للاخفش وابن جنی :۔ خلافا خالف فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، اس سے قبل یہ معلوم ہوا کہ اضمار قبل الذکر اگر لفظاً اور رتبۃ دونوں طرح لازم آئے تو ناجائز ہے، اس میں اخفش اور ابن جنی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ناجائز نہیں ہے، ان کی دلیل اس بارے میں شاعر کا یہ قول ہے ۔ ؎

جزی ربہ عنی عدی بن حاتم ؎ جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس شعر میں ربہ کی ضمیر عدی بن حاتم کی طرف راجع ہے جو کہ مفعول ہے اور موخر ہے تو اگر اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃ ناجائز ہوتا تو شاعر اپنے کلام میں اس کو کیوں اختیار کرتا۔ شارح نے اس کا جواب دیا ہے کہ شاعر نے ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا ہے اور اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃ نثر کلام میں ناجائز ہے ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم کو یہ مسلّم نہیں کہ ربہ کی ضمیر عدی کی طرف راجع ہے بلکہ جزی فعل سے جو الجزاء مصدر سمجھ میں آتا ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی جزی رب الجزاء ۔ شعر کی ترکیب یہ ہے، جزی فعل ربہ مضاف ومضاف الیہ مل کر جزی کا فاعل عنی جار ومجرور جزی کے متعلق، عدی مضاف ابن حاتم مضاف ومضاف الیہ مل کر عدی کی صفت، موصوف، صفت مل کر جزی کا مفعول ۔ جزاء الکلاب جزاء مضاف الکلاب موصوف العادیات صفت، موصوف، صفت سے مل کر جزاء کا مضاف الیہ، مضاف اور مضاف الیہ مل کر جزی فعل کا مفعول مطلق، جزی فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ صورۃً اور معنیً انشائیہ ہوا ۔ وقد فعل یہ بھی جملہ فعلیہ خبریہ صورۃ اور معنی انشائیہ ہے ۔

لانسلم ان الضمیر یرجع الی العدی بل الی المصدر الذی یدل علیہ الفعل ای جزی رب الجزاء واذا انتفی الاعراب الدال علی فاعلیۃ الفاعل ومفعولیۃ المفعول بالوضع لفظا فیہما ای فی الفاعل المتقدم ذکرہ صریحا وفی ضمن الامثلۃ والمفعول المتقدم ذکرہ فی ضمن الامثلۃ والقرینۃ ای الامر الدال علیہما لابالوضع اذلایعمد ان یطلق علی ماوضع بازاء شئی انہ قرینۃ علیہ فلایرد علیہ ان ذکر الاعراب مستغنی عنہ

---

ترجمہ- جزادے جزار کارب یا عدی بن حاتم کا رب میری طرف سے عدی بن حاتم کو بھونکنے والے کتوں جیسی جزار۔

قولہ واذا انتفی الاعراب الخ:- اس سے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ فاعل کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے فعل کے متصل ہو اور فعل کے دیگر معمولات پر مقدم ہو لیکن اس سے تقدیم کا وجوب نہیں ثابت ہوتا، اب بیان کر رہے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے لیکن یہ تقدیم یا تاخیر کسی عارض کی بنار پر ہوگی — یہاں تقدیم کے وجوب کی چار صورتیں بیان کی ہیں (۱) فاعل اور مفعول پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ جو فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہو وہ بھی منتفی ہو، (۲) فاعل ضمیر متصل ہو، (۳) فاعل کا مفعول الّا کے بعد واقع ہو، (۴) فاعل کا مفعول انما کے بعد واقع ہو۔ اب ہر ایک کی وجہ بیان کی جاتی ہے، پہلی صورت میں اگر فاعل کی تقدیم واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس لازم آئے گا یہ نہ معلوم ہو گا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول ہے۔ دوسری صورت میں فاعل کی تقدیم اس وجہ سے واجب ہے کہ جب فاعل ضمیر متصل ہے تو اگر مقدم نہ کریں اور موخر کردیں تو اس صورت میں اتصال نہ رہیگا اور متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا، تیسری صورت میں تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے الّا کے بعد جو واقع ہوگا اس میں حصر ہوگا اس لئے مفعول پر حصر کی صورت میں فاعل کا مقدم کرنا واجب ہوگا اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو فاعل پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔ چوتھی صورت میں تقدیم فاعل کی وجہ یہ ہے کہ انما کا حال یہ ہے کہ جس پر حصر ہوتا ہے اس کو آخر میں لاتے ہیں تو اگر فاعل کا حصر مفعول پر ہے تو فاعل کو مقدم کریں گے اور مفعول کو موخر کریں گے ورنہ مقصود کے خلاف لازم آئے گا اس کے بعد حسب بیان شارح عبارت کی تشریح ملاحظہ فرمایئے۔

قولہ اذا انتفی الاعراب لفظا فیہما والقرینۃ:- اعراب کی دلالت فاعلیت اور مفعولیت وضعی ہے اور قرینہ کی دلالت ان دونوں پر غیر وضعی ہے۔

قولہ فلایرد علیہ الخ:- اعتراض ہوتا تھا کہ قرینہ عام ہے اور اعراب خاص ہے قرینہ بغیر

اذا القرینۃ شاملۃ وھی اما لفظیۃ نحو ضربت موسیٰ حبلیٰ او معنویۃ نحو اکل الکمثری یحییٰ
او کان الفاعل مضمرًا متصلًا بالفعل بارزًا کضربت زیدًا او مستکنًا کزید ضرب
غلامہ بشرط ان یکون المفعول متاخرًا عن الفعل لئلا ینتقض بمثل زید اضربت
او وقع مفعولہ ای مفعول الفاعل بعد الّا بشرط توسطھا بینھما فی صورتی التقدیم
والتاخیر نحو ما ضرب زید الا عمرا او بعد معناھا نحو انما ضرب زید عمرًا

---

اعراب کے بھی پایا جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ انتفاء عام انتفاء خاص کو مستلزم ہوتا ہے تو جب انتفاء قرینہ سے انتفاء اعراب بھی سمجھ میں آجائے گا تو پھر انتفی الاعراب کہنے کی کیا ضرورت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں عام وخاص کی نسبت نہیں ہے بلکہ دونوں میں تبائن ہے جیسا کہ ان کی تعریف سے معلوم ہوا کہ اعراب کی دلالت وضعی ہے اور قرینہ کی دلالت غیر وضعی ہے تو جب ان دونوں میں تبائن ہے تو پھر ایک کے ذکر سے دوسرے کا استغناء نہ ہوگا، دونوں کے انتفاء کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا ضروری ہے۔

قولہ وھی اما لفظیۃ الخ:۔ قرینہ کی دو قسمیں ہیں لفظیہ اور معنویہ، قرینہ لفظیہ کی مثال ضربت موسیٰ حبلیٰ ہے اس میں تاء تانیث فاعل کے مونث ہونے پر دلالت کرتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس میں حبلیٰ فاعل ہے اگر اس کو موخر کر دیا جائے تب بھی اس کا فاعل ہونا معلوم ہو جائے گا قرینہ معنویہ کی مثال اکل الکمثری یحییٰ ہے اس میں کمثری (ایک پھل) مفعول ہے اور یحییٰ فاعل ہے یہاں از روئے عقل یہ سمجھ لیا جائے گا کہ یحییٰ فاعل ہے کیونکہ کھانے کی صلاحیت اس کے اندر ہے۔

قولہ بشرط ان یکون المفعول متاخرًا الخ:۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ تم نے کہا کہ فاعل ضمیر متصل ہو تو مفعول پر اس کو مقدم کریں گے اور زید اضربت میں فاعل ضمیر متصل ہے لیکن اس کو مفعول پر مقدم نہیں کیا گیا بلکہ مفعول فاعل اور فعل دونوں پر مقدم ہے، اس کا شارح نے جواب دیا ہے کہ فاعل ضمیر متصل ہو تو اس کو مفعول پر مقدم کرنا اس وقت واجب ہے جب مفعول فعل سے موخر ہو تو اس میں ترکیب یہ ہوگی کہ فاعل جو ضمیر متصل ہے اس کو مفعول پر مقدم کریں گے اور مفعول کو موخر کریں گے تاکہ متصل کا منفصل ہونا لازم نہ آئے اور مثال مذکور میں مفعول فعل پر مقدم ہے اور فاعل بدستور فعل کے ساتھ متصل ہے اس لئے فاعل کی تقدیم واجب نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں متصل کا منفصل ہونا لازم نہیں آتا۔

قولہ بشرط توسطھا بینھما فی صورتی التقدیم والتاخیر الخ:۔ یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ تم نے کہا ہے کہ جب مفعول الّا کے بعد واقع ہو تو اس صورت میں

وجب تقديمه اى تقديم الفاعل على المفعول فى جميع هذه الصور اما فى صورة انتفاء الاعراب فيهما والقرينة فللتحرز عن الالتباس واما فى صورة كون الفاعل ضميرا متصلا فلفوات الاتصال الانفصال واما فى صورة وقوع المفعول بعد الا لكن بشرط توسطها بينهما فى صورتى التقديم والتاخير فلئلا ينقلب الحصر المطلوب فان المفهوم من قوله ماضرب زيد الا عمرا انحصار ضاربية زيد فى عمرو مع جواز ان يكون عمرو مضروبا لشخص آخر والمفهوم من قوله ماضرب عمرا الا زيد انحصار مضروبية عمرو فى زيد مع جواز ان يكون زيد ضاربا لشخص آخر فلو انقلب احدهما بالاخر لانقلب الحصر المطلوب وانما قلنا بشرط توسطها بينهما فى صورتى التقديم والتاخير لانه لو قدم المفعول على الفاعل مع الا فيقال ماضرب الا عمرا زيد فالظاهر ان معناه انحصار ضاربية زيد فى عمرو اذ الحصر انما هو فيما يلى الا فلا ينقلب الحصر

---

فاعل کا مقدم کرنا واجب ہے اور ماضرب الا عمرا زید میں عمرا مفعول الا کے بعد واقع ہے پھر بھی فاعل کا مقدم کرنا واجب نہیں بلکہ فاعل موخر ہے جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے۔ اس کا جواب شارح اس عبارت سے دے رہے ہیں کہ اس صورت میں فاعل کی تقدیم کے واجب ہونے میں یہ شرط ہے کہ لفظ الا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہو، اور اس صورت میں الا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع نہیں ہے بلکہ فعل اور مفعول کے درمیان واقع ہے اور یہ شرط فاعل کی تقدیم اور تاخیر دونوں صورتوں میں ضروری ہے یعنی جب فاعل کو مفعول پر مقدم کریں اس وقت یہ شرط ہے کہ الا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہو، اس میں فاعل الا سے پہلے ہوگا اور مفعول بعد میں تاکہ فاعل کا حصر مفعول پر ہو اور جب فاعل کا موخر کرنا واجب ہو جیسا کہ اس کا بیان آئندہ آرہا ہے تو اس صورت میں بھی الا ان دونوں کے درمیان ہو البتہ تاخیر کی صورت میں مفعول الا سے پہلے ہوگا اور فاعل الا کے بعد ہوگا تاکہ مفعول کا حصر فاعل میں ہو۔

قولہ اما فی صورۃ انتفاء الاعراب فیهما الخ:۔ جن صورتوں میں فاعل کی تقدیم واجب ہے اس کی وجہ بیان کررہے ہیں ہم اس کو اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں۔

قولہ وانما قلنا بشرط توسطها بینهما الخ:۔ اس سے پہلے شارح نے او وقع مفعولہ بعد الا کے بعد کہا تھا بشرط توسطها بینهما فی صورتی التقدیم والتاخیر۔ اس شرط کی وجہ بیان کررہے ہیں اور ہم نے اس سے پہلے اس کو بیان کردیا ہے۔

المطلوب فلا یجب تقدیم الفاعل لکن لم یستحسنہ بعضہم لان من قبیل قصر الصفۃ قبل تمامہا وانما قلنا الظاہر ان معناہ کذ الاحتمال ان یکون معناہ ماضرب احد احدا الا عمرًا زید فیفید انحصار صفۃ کل واحد منہما فی الاٰخر وھو ایضًا خلاف المقصود واما وجوب تقدیمہ علیہ فی صورۃ وقوع المفعول بعد معنی الا لان الحصر ھھنا فی الجزء الاخیر فلو اخر الفاعل لانقلب المعنی قطعًا واذا اتصل بہ ای بالفاعل ضمیر مفعول نحو ضرب زیدا غلامہ او وقع ای الفاعل بعد الا المتوسطۃ

قولہ وانما قلنا الظاہر :- اس سے قبل فالظاہر ان معناہ الخ سے بیان کیا تھا کہ اگر مفعول کو مع الا کے فاعل پر مقدم کردیا جائے مثلا ماضرب الا عمرًا زید کہا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی زید کی ضاربیت کا انحصار عمرو کی مضروبیت میں ہے جس طرح ماضرب زید الا عمرا کی صورت میں ہے کیونکہ حصر اس اسم میں ہوتا ہے جو الا کے متصل ہو خواہ فاعل ہو یا مفعول۔ اس لئے اگر یہ صورت ہو تو مقصود کے خلاف لازم نہ آئے گا لیکن بعض حضرات نے جیسے اخفش، عبد القادر، سکاکی وغیرہ نے اس کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس میں قصر صفت قبل تمامہا لازم آتا ہے یعنی فاعل کے ذکر سے پہلے فاعلیت کا حصر لازم آرہا ہے اور یہ اگرچہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں۔

وانما قلنا الظاہر :- ظاہر سے جو مفہوم ہوتا ہے اس کا مطلب بیان کیا جاچکا ہے شارح کے لفظ ظاہر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی دوسرا احتمال بھی ہے اگرچہ ظاہر نہیں ہے۔ اس عبارت سے وہ دوسرا احتمال بیان کررہے ہیں کہ جس طرح ماضرب الا عمرًا زید میں بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ زید کی ضاربیت کا انحصار عمرو کی مضروبیت میں ہے اسی طرح ایک احتمال اس عبارت میں یہ بھی ہے کہ اس عبارت کی تقدیر یہ ہو ماضرب احدٌ احدًا الا عمرًا زید اس صورت میں جانبین سے انحصار ہوگا یعنی زید کی ضاربیت کا حصر عمرو کی مضروبیت میں اور عمرو کی مضروبیت کا حصر زید کی ضاربیت میں۔

قولہ واذا اتصل بہ ای بالفاعل ضمیر مفعول الخ :- اس سے پہلے وہ صورتیں بیان کی تھیں جہاں فاعل کا مقدم کرنا مفعول پر واجب ہے۔ اب وہ صورتیں بیان کررہے ہیں جہاں مفعول کا مقدم کرنا فاعل پر واجب ہے اس کی بھی چار صورتیں ہیں۔ (۱) فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو یعنی وہ ضمیر مفعول کی طرف راجع ہو جیسے ضرب زیدًا غلامہ اس صورت میں مفعول کا مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر مفعول کو فاعل کے بعد ذکر کیا جائے اور ضرب غلامہ زیدًا کہا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظًا ورتبۃً دونوں طرح سے لازم آئے گا۔ (۲) فاعل الا کے بعد واقع ہو، اس صورت میں مفعول کا انحصار فاعل میں ہوتا ہے جیسے ماضرب عمرًا الا زید اگر فاعل کو مقدم

بینهما فی صورتی التقدیم والتاخیر نحو ما ضرب عمرا الا زید وفائدة هذا القید مثل ما عرفت آنفا او وقع الفاعل بعد معناها ای معنی الا نحو انما ضرب عمرًا زیدٌ او اتصل مفعوله به بان یکون المفعول ضمیرًا متصلا بالفعل وهو ای الفاعل غیر ضمیر متصل به نحو ضربك زید وجب تاخیره ای تاخیر الفاعل عن المفعول فی جمیع هذه الصور اما فی صورة اتصال ضمیر المفعول به لئلا یلزم الاضمار قبل الذکر لفظا ورتبة واما فی صورة وقوعه بعد الا ومعناها لئلا ینقلب الحصر المطلوب واما فی صورة کون المفعول ضمیرا متصلا والفاعل غیر متصل لمنافاة الاتصال الانفصال بتوسط الفاعل الغیر المتصل بینه وبین الفعل بخلاف ما اذا کان الفاعل ایضا ضمیرا متصلا فانه حینئذ یجب تقدیم الفاعل نحو ضربتك. وقد یحذف الفعل الرافع للفاعل لقیام قرینة دالة علی تعیین المحذوف جوازا ای حذفا جائزا

---

کر دیا جائے تو فاعل کا حصر مفعول پر ہو جائے گا جو خلاف مقصود ہے (۳) انما کے ساتھ فاعل اور مفعول کا استعمال ہو اور مفعول کا حصر فاعل میں ہو تو اس صورت میں فاعل کا موخر کرنا واجب ہے جیسے انما ضرب عمرا زید، اس میں عمر کی مضروبیت کا حصر زید کی ضاربیت پر ہو رہا ہے اگر فاعل کو مقدم کر دیں گے تو ضاربیت کا حصر عمر کی مضروبیت میں ہوگا اور یہ مقصود کے خلاف ہے (۴) فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو اور فاعل کی ضمیر متصل نہ ہو جیسے ضربک زید تو اس صورت میں بھی فاعل کا موخر کرنا واجب ہے اگر فاعل کو مقدم کر دیں گے تو ک ضمیر جو متصل ہے اس کو فعل سے علیحدہ بیان کرنا پڑے گا اور اس صورت میں متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا۔

قولہ اما فی صورة اتصال ضمیر المفعول الخ:۔ صور مذکورہ میں تاخیر فاعل کے واجب ہونے کی وجوہ بیان کر رہے ہیں۔ ہم نے ہر ایک کی وجہ ان صورتوں کے ساتھ بیان کر دی ہے۔

قولہ وقد یحذف الفعل الخ:۔ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جو فعل فاعل کے لئے رافع ہے کبھی اس کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ قرینہ سے اس کا علم ہو جائے۔

قولہ جوازا ای حذفا جائزا:۔ اس سے شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ جوازا کا موصوف حذفا محذوف ہے اور وہ یحذف کا مفعول مطلق ہے۔ جوازا کو جائزا کے معنی میں اس وجہ سے کیا گیا تاکہ اس کا محذوفا کی صفت بننا صحیح ہو جائے کیونکہ جوازا مصدر ہے اور مصدر صفت نہیں بن سکتا جہاں کہیں بھی مصدر صفت ہوتا ہے تو اس کو اسم فاعل کے معنی میں کیا جاتا ہے،

فی مثل زید ای فیما کان جوابا لسوال محقق لمن قال من قام سائلا عمن یقوم به القیام فیجوز ان تقول زید بحذف قام ای قام زید ویجوز ان تقول قام زید بذکرہ وانما قدر الفعل دون الخبر لان تقدیر الخبر یوجب حذف الجملة وتقدیر الفعل حذف احد جزئیہا والتقلیل فی الحذف اولی وکذا یحذف الفعل جوازا فیما کان جوابا لسوال مقدر نحو قول الشاعر فی مرثیة یزید بن نہشل لیبک علی البناء المفعول یزید ھو مرفوع علی انہ مفعول مالم یسم فاعلہ ضارع ای عاجز ذلیل وھو فاعل الفعل المحذوف ای یبکیہ ضارع بقرینة السوال المقدر وھو من یبکیہ واما علی روایة لیبک یزید علی البناء للفاعل ونصب یزید فلیس مما نحن فیہ لخصومة متعلق بضارع ای یبکیہ من یذل ویعجز عن مقاومة الخصماء لانہ کان ظہیرا للعجزة والاذلاء واخر البیت ومختبط مما تطیح الطوائح

---

قولہ فی مثل زید ای فیما کان جوابا لسوال محقق الخ:۔ قرینہ کی وجہ سے فعل کے محذوف ہونے کی مثال بیان کررہے ہیں، چنانچہ اس مثال میں سوال محقق قرینہ ہے اسلئے فعل کو حذف کردیا گیا۔

قولہ انما قدر الفعل:۔ یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ یہاں زید سے پہلے فعل مقدر مانا جائے اور اس کی اصل قام زید نکالی جائے یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کی اصل زید قام ہو، اس صورت میں زید مبتداء اور قام فعل، فاعل مل کر زید کی خبر ہو، اس صورت میں یہ مثال خبر کے محذوف ہونے کی ہوگی نہ کہ فعل کے جس کا زید کو فاعل بنایا جائے، شارح لان تقدیر الخبر الخ سے جواب دے رہے ہیں کہ حذف میں تقلیل اولی ہے اور اگر فعل کو بعد میں نکال کر اس کو زید مبتداء کی خبر قرار دیا جاتا ہے تو جملہ کا حذف لازم آتا ہے کیونکہ اس صورت میں تمام فعل اور اس میں ضمیر ہو فاعل ہے پھر فعل، فاعل مل کر زید کی خبر ہے، اور اگر زید سے پہلے فعل نکالا جائے تو اس صورت میں صرف فعل کا حذف لازم آئے گا نہ کہ جملہ کا کیونکہ زید فاعل موجود ہے۔

قولہ وکذا یحذف الفعل الخ:۔ اس سے پہلے مثال تھی جہاں سوال محقق کے جواب میں فعل کو حذف کیا گیا ہے، اب بیان کررہے ہیں کہ کبھی سوال مقدر کے جواب میں بھی فعل کو حذف کردیا جاتا ہے جیسے ۔ لیبک یزید ضارع لخصومة ٭ ومختبط مما تطیح الطوائح ترجمہ چاہئے کہ رویا جائے یزید اور اس کو ایسا شخص روئے جو دشمن سے انتقام لینے سے عاجز ہے اور وہ شخص روئے جو بے وسیلہ سوال کرتا تھا اس وجہ سے کہ ہلاک کردینے والی چیزوں نے اس کے مال کو ہلاک کردیا اور مال حاصل کرنے والے اسباب کو بھی ہلاک کردیا۔

والمختبط السائل من غیر وسیلة والاطاحة الاهلاك والطوائح جمع مطیحة على غیر القیاس کلواقح جمع ملقحة ومما یتعلق بمختبط وما مصدریة یعنی ویبکیه ایضا من یسال بغیر وسیلة من اجل اهلاك المهلکات ماله ومایتوسل به الی تحصیل المال لانه کان معطی السائلین بغیر وسیلة وقد یحذف الفعل الرافع للفاعل لقرینة دالة علی تعیینه وجوبا ای حذفا واجبا فی مثل قوله تعالی وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ ای فی کل موضع حذف الفعل ثم فسر لرفع الابهام الناشی من الحذف فانه لو ذکر المفسر لم یبق المفسر مفسرا بل صار حشوا بخلاف المفسر

ترکیب۔ لیبک فعل مجہول زید اس کا نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، ضارع یبکیہ فعل محذوف کا فاعل کا ضمیر مفعول بہ لخصومۃ جار و مجرور مل کر ضارع شبہ فعل کے متعلق۔ ضارع شبہ فعل اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، ومختبط الخ میں واو عاطفہ مختبط شبہ فعل من جارہ ما مصدریہ تطیح فعل طوائح فاعل، فعل فاعل ملکر مصدر کی تاویل میں ہوکر مجرور جار مجرور مل کر مختبط کے متعلق، مختبط شبہ فعل اپنے متعلق سے مل کر معطوف ضارع معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر یبکیہ کا فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس مثال میں ولیبک یزید کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ یزید کو کون شخص روئے ضارع لخصومۃ الخ سے اس کا جواب دیا گیا، یہاں سوال مقدر میں یبکی فعل ہے جواب میں بھی یہی فعل ہے اس لئے سوال مقدر کے قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یحذف الفعل کے آگے شارح نے الرافع للفاعل نکال کر اشارہ کیا کہ فعل سے مراد اس کا وصف ہے یعنی فاعل کو رفع دینے والا خواہ فعل ہو یا شبہ فعل۔

قولہ وجوبا ای حذفا واجبا:۔ حذفا واجبا نکالنے کی وہی وجہ ہے جو حذفا جائزا کی ہے یہاں سے بتانا چاہتے ہیں کہ کبھی فعل کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے جب حذف کا قرینہ موجود ہو اور محذوف کا قائم مقام بھی پایا جائے جیسے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ الخ یہاں احد سے پہلے فعل کے حذف کا قرینہ لفظ ان ہے کیونکہ اِنْ حرف شرط ہے اس کا دخول فعل پر ہوتا ہے اگر فعل نہ لایا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں کوئی فعل محذوف ہے اس کے بعد استجارک یہ فعل محذوف کی تفسیر ہے اب اگر فعل محذوف کو جو مفسَّر ہے ذکر کیا جاتا ہے تو مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع لازم آئے گا اور وہ ایسی صورت میں ناجائز ہے یعنی جس صورت میں فعل کے حذف کے بعد ابہام پیدا ہو جائے اور اس ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کی تفسیر لائی جائے اور اگر بغیر حذف کے ابہام واقع ہو تو اس صورت میں مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع ناجائز نہیں جیسے جاءنی رجل ای زید

الذی فیہ ابہام دون حذفہ فانہ یجوز الجمع بینہ وبین مفسرہ کقولک جاءنی رجل ای زید فتقدیر الأیۃ وان استجارک احد من المشرکین استجارک فاحد فیہا فاعل فعل محذوف وجوبا وھو استجارک الاول المفسر باستجارک الثانی وانما وجب حذفہ لان مفسرہ قائم مقامہ مغن عنہ ولا یجوز ان یکون احد ھی فوعًا بالابتداء لامتناع دخول حرف الشرط علی الاسم بل لابد لہ من الفعل وقد یحذفان ای الفعل والفاعل معًا دون الفاعل وحدہ فی مثل نعم جوابًا لمن قال اقام زید ای نعم قام زید فحذفت الجملۃ الفعلیۃ وذکر نعم فی مقامہا وھذا الحذف جائز بقرینۃ السوال لا واجب لعدم قیام مایودی موادہ فی مقامہ کالمفسر فیلزم فی الکلام استدراک وانما قدرت الجملۃ الفعلیۃ لا الاسمیۃ بان یقال ای نعم زید قام لیکون الجواب مطابقا للسوال فی کونہ جملۃ فعلیہ واذا تنازع الفعلان بل العاملان اذ التنازع یجری فی غیر الفعل ایضا نحو زید معط ومکرم عمرًا وبکر کریم وشریف ابوہ واقتصر علی الفعل لاصالتہ فی العمل وانما قال الفعلان مع ان التنازع قد یقع فی اکثر من فعلین اقتصارًا علی اقل مراتب التنازع وھو الاثنان ظاھرًا ای اسمًا ظاھرًا

---

یہاں رجل کے مذکور ہونے کی صورت میں بھی ابہام پایا جاتا ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کونسا رجل آیا زید سے اس کی تفسیر کر کے ابہام کو دور کر دیا یہاں مفسَّر یعنی رجل اور مفسِّر یعنی زید دونوں موجود ہیں۔

قولہ وقد یحذفان :۔ کبھی فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر دیا جاتا ہے یہاں بھی قرینہ کی شرط ہے

قولہ فی مثل نعم :۔ یعنی جس سوال کے جواب میں نعم آتا ہو وہاں فعل اور فاعل دونوں کو حذف کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اقام زید اگر کہا جائے اور اس کا جواب نعم سے دیا جائے تو یہاں نعم کے بعد قام زید کو حذف کر دیا گیا ہے۔

قولہ اذا تنازع الفعلان بل العاملان :۔ عاملان نکال کر بتایا کہ فعلان سے مراد دو عامل ہیں خواہ فعل ہوں یا شبہ فعل۔ فعلان اس لئے کہا کہ عمل میں فعل اصل ہے اور فعلان تثنیہ صیغہ لائے یہ تنازع کے اقل مرتبہ کو بیان کیا ہے۔

فائدہ :۔ تنازع جس طرح مرفوعات میں ہوتا ہے منصوبات اور مجرورات میں بھی ہوتا ہے البتہ مرفوعات میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کو مرفوعات کی بحث میں ذکر کیا۔

قولہ ظاھرًا ای اسمًا ظاھرًا :۔ اسما لا کر بتایا کہ ظاہرًا صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے

واقعا بعد هما ای بعد الفعلین اذ المتقدم علیہما او المتوسط بینہما معمول للفعل الاول اذ ھو یستحقہ قبل الثانی فلا یکون فیہ مجال التنازع ومعنی تنازعہما فیہ انہما بحسب المعنی یتوجہان الیہ ویصح ان یکون ھو مع وقوعہ فی ذلک الموضع معمولا لکل واحد منہما علی البدل فحینئذ لا یتصور تنازعہما فی الضمیر المتصل لان المتصل الواقع بعدھما یکون متصلا بالفعل الثانی وھو مع کونہ متصلا بالفعل الثانی لا یجوز ان یکون معمولا للفعل الاول کما لا یخفی واما الضمیر المنفصل الواقع بعدھما

---

ظاہرًا کی قید کا فائدہ آئندہ معلوم ہوگا۔

قولہ واقعا بعد ھما :۔ بعدہما سے پہلے واقعا لا کر بتایا کہ بعدہما ظرف ہے اس کا عامل واقعًا محذوف ہے۔

قولہ بعد ھما ای بعد الفعلین :۔ یعنی دو عاملوں کا تنازع ایسے اسم ظاہر میں ہو جو دونوں کے بعد ہو، اگر دونوں سے مقدم ہو جیسے زیدًا ضربت واکرمت یا دونوں کے درمیان میں ہو جیسے ضربت زیدًا واکرمت تو ان دونوں صورتوں میں تنازع نہ ہوگا بلکہ فعل اول عامل ہوگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں ثانی کو عمل کا حق ہی نہیں پہنچتا۔

قولہ ومعنی تنازعہما :۔ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ تنازع تو ذی روح کی صفت ہے دو عاملوں میں اس کا تحقق کس طرح ہوگا، شارح اس عبارت سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ تنازع کے معنی مخاصمت کے نہیں ہیں بلکہ توجہ کے ہیں شارح نے اس توجہ کی تشریح کردی ہے۔

قولہ فحینئذ لا یتصور تنازعہما الخ :۔ یعنی تنازع کی تفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ تنازع اسم ظاہر میں ہوگا ضمیر میں نہیں، ضمیر متصل میں تو تنازع اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ ضمیر جس عامل کے ساتھ متصل ہوگی وہی عمل کرے گا عامل اول کے ساتھ متصل ہے تو وہ عمل کرے گا، عامل ثانی کے ساتھ متصل ہے تو ثانی عمل کرے گا۔ ضمیر منفصل میں تنازع ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ الا کے بعد واقع ہو لیکن قطع تنازع کی جو شکل ہے وہ ممکن نہیں کیونکہ قطع تنازع کی صورت یہ ہے کہ بصریین کے نزدیک چونکہ فعل ثانی کو عمل دیا جاتا ہے اس لئے فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائیں گے اور کوفیین کے نزدیک فعل اول کو عمل دیا جاتا ہے اس لئے فاعل کی ضمیر فعل ثانی میں لائیں گے اور یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں مثلاً ماضرب واکرم الا انا میں اگر ضمیر کسی بھی فعل میں مع الا کے لاتے ہیں تو حرف کا اضمار لازم آتا ہے کیونکہ الا حرف ہے اور بغیر الا

نحو ماضرب واکرم الاانا ففیہ تنازع لکن لایمکن قطعہ بماھوطریق القطع عندھم وھواضمارالفاعل فی الاول عند البصریین وفی الثانی عندالکوفیین لانہ لایمکن اضمارہ مع الا لانہ حرف لایصح اضمارہ ولابد ونہ لفساد المعنی لانہ یفید نفی الفعل عن الفاعل والمقصود اثباتہ لہ وھی اذالمقصود بالتنازع ھھنامایکون طریق قطعہ اضمارالفاعل فلھذااختصہ بالاسم الظاھر واماالتنازع الواقع فی الضمیر المنفصل فعلی مذھب الکسائی یقطع بالحذف واما علی مذھب الفراء اوفیعملان معاواماعلی مذھب غیرھمافلایمکن قطعہ لان طریق القطع عندھم الاضماروھو ممتنع کماعرفت فقد یکون ای تنازع الفعلین فی الفاعلیۃ بان یقتضی کل منھماان یکون الاسم الظاھر فاعلاًلہ فیکونان متفقین فی اقتضاء الفاعلیۃ مثل ضربنی واکرمنی زید وقد یکون تنازعھمافی المفعولیۃ بان یقتضی کل منھما ان یکون الاسم الظاھر مفعولا فیکونان متفقین فی اقتضاء المفعولیۃ مثل ضربت واکرمت زیداً وقد یکون تنازعھما فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ وذلک یکون علی وجھین احدھماان یقتضی کل منھمافاعلیۃ اسم ظاھر

---

کے ضمیر لاتے ہیں تو معنی فاسد ہو جائیں گے کیونکہ ماضرب واکرم الاانا کے معنی ہیں نہیں مارا اور نہیں اکرام کیا لیکن میں نے اس میں فعل کا فاعل کے لئے اثبات ہے اور جب بغیر الا کے انا ضمیر ان میں پوشیدہ مانی جائے گی تو ان کے معنی ہوں گے کہ میں نے نہ مارا ہے اور نہ اکرام کیا ہے تو اس صورت میں فعل کی نفی ہو جائے گی۔

قولہ واماالتنازع الواقع فی الضمیر المنفصل الخ:۔ اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ضمیر منفصل میں جو تنازع واقع ہوتا ہے اس کے قطع کی تو بصریین اور کوفیین کے نزدیک کوئی صورت نہیں جیساکہ ابھی اس کا بیان ہوا۔ لیکن کسائی کے نزدیک اس کے قطع کی یہ صورت ہے کہ ضمیر کسی فعل میں نہ لائی جائے گی بلکہ اس کو حذف کر دیا جائے گا اور فراء کہتے ہیں کہ اس مجبوری کی حالت میں دونوں کو عمل دیا جائے گا اگرچہ اس میں دو علتوں کا توارد معمول واحد پر لازم آتا ہے مگر ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا۔

قولہ فقد یکون فی الفاعلیۃ الخ:۔ تنازع کی چار صورتوں کا بیان ہے۔ (۱) دونوں عامل کا تنازع فاعلیت میں ہو یعنی اسم ظاہر کو دونوں عامل اپنا فاعل بنانا چاہتے ہوں جیسے ضربنی واکرمنی زید اس میں ضرب اور اکرم دونوں ہی زید کو فاعل بنانا چاہتے ہیں

ومفعولية اسم ظاهر اخر فيكونان متفقين في ذلك الاقتضاء مثل ضرب واهان زيد عمرًا وليس هذا قسمًا ثالثًا من التنازع بل هو اجتماع القسمين الاولين وثانيهما ان يقتضى احد الفعلين فاعلية اسم ظاهر والأخر مفعولية ذلك الاسم الظاهر بعينه ولاشك في اختلاف اقتضاء الفعلين في هذه الصورة وهذا هو القسم الثالث المقابل للاولين فقوله مختلفين لتخصيص هذه الصورة بالارادة يعنى قد يكون تنازع الفعلين واقعًا في الفاعلية والمفعولية حال كون الفعلين مختلفين في الاقتضاء وذلك لايتصور الا اذا كان الاسم الظاهر المتنازع فيه واحدًا وانما لم يورد مثالا للقسم الثالث لانه اذا اخذ فعل من المثال

---

(۲) دونوں کا تنازع مفعولیت میں ہو جیسے ضربت واکرمت زیدًا۔ (۳) فاعلیت اور مفعولیت دونوں میں تنازع ہو اور پہلا عامل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہو اور دوسرا مفعول بنانا چاہتا ہو جیسے ضربنی واکرمت زیدًا (۴) اس کا عکس کہ پہلا مفعول بنانا چاہتا ہو اور دوسرا فاعل جیسے ضربت واکرمنی زید۔

قولہ مختلفین:۔ اس سے پہلے عبارت ہے وقد یکون تنازعهما فی الفاعلية والمفعولية اس کی دو صورتیں ہیں (۱) دونوں عامل ایک اسم ظاہر کو اپنا اپنا فاعل بنانا چاہتے ہوں، اور دوسرے اسم ظاہر کو دونوں عامل مفعول بنانا چاہتے ہوں جیسے ضرب واہان زیدٌ عمرًا اس میں ضرب اور اہان دونوں زید کو اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں اور عمرًا کو مفعول بنانا چاہتے ہیں (۲) اسم ظاہر ایک ہی ہو اور دو عاملوں میں سے ایک عامل اس اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہو، اور دوسرا عامل اس کو مفعول بنانا چاہتا ہو، مصنف نے مختلفین کا لفظ لاکر اسی صورت کو متعین کیا ہے کہ دونوں عاملوں کا تقاضا اس اسم ظاہر کے بارے میں مختلف ہو، اس کی پہلی صورت جس کی مثال ضرب واہان زیدٌ عمرًا ہے یہ کوئی علیحدہ قسم نہیں ہے تنازع کی پہلی اور دوسری قسم کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے آسانی کے واسطے اس کو علیحدہ قسم قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح سے چار قسمیں تنازع کی ہو جاتی ہیں۔

قولہ وانما لم یورد مثالا للقسم الثالث الخ:۔ تیسری قسم یہ نکلتی ہے کہ دو اسم ظاہر ہوں، ایک اسم ظاہر کے بارے میں دونوں عامل فاعلیت میں تنازع کریں اور دوسرے اسم ظاہر کے بارے میں مفعولیت میں تنازع کریں، شارح یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مصنف نے اس تیسری قسم کی مثال نہیں بیان کی اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تنازع کی پہلے قسم کی مثال کا کوئی ایک فعل

الاول وفعل من المثال الثانی حصل مثال للقسم الثالث وذلک یتصور علی وجوہ کثیرۃ مثل ضربنی وضربت زیداً واکرمنی واکرمت زیداً وضربنی واکرمت زیداً واکرمنی وضربت زیداً وغیر ذلک مما یکون الاسم الظاهر فیہ مرفوعاً فیختار النحاۃ البصریون اعمال الفعل الثانی لقربہ مع تجویز اعمال الاول ویختار النحاۃ الکوفیون الاول ای اعمال الفعل الاول مع تجویز اعمال الثانی لسبقہ وللاحتراز عن الاضمار قبل الذکر فان اعملت الفعل الثانی کما ہو مذہب البصریین وبدأبہ لانہ المذہب المختار الاکثر استعمالاً اضمرت الفاعل فی الفعل الاول اذا اقتضی الفاعل لجواز الاضمار قبل الذکر فی العمدۃ بشرط التفسیر

---

جس میں دونوں عامل فاعل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور دوسرے قسم کی مثال کا کوئی ایک فعل جس میں دونوں عامل مفعول کا تقاضا کرتے ہیں لیا جائے تو تیسری قسم کی مثال بن جائے گی اور اس کی بہت سی صورتیں نکلتی ہیں جس کو شارح نے وذلک یتصور علی وجوہ کثیرۃ نے مع امثلہ بیان کیا ہے۔ ان کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے (۱) ضربنی وضربت زیداً، اس میں پہلی مثال کا پہلا فعل اور دوسری مثال کا پہلا فعل لیا گیا ہے (۲) اکرمنی واکرمت زیداً اس میں پہلی مثال کا دوسرا فعل اور دوسری مثال کا دوسرا فعل ہے (۳) ضربنی واکرمت زیداً۔ اس میں پہلی مثال کا پہلا فعل اور دوسری مثال کا دوسرا فعل ہے (۴) اکرمنی وضربت زیداً۔ اس میں پہلی مثال کا دوسرا فعل اور دوسری مثال کا پہلا فعل ہے۔

قولہ وغیر ذلک مما یکون فیہ مرفوعاً۔ یعنی ان امثلہ مذکورہ کا عکس کرکے اسم ظاہر کو رفع پڑھا جائے تو چار مثالیں اور نکل آئیں گی جیسے ضربت وضربنی زید۔ اکرمت واکرمنی زید۔ اکرمت وضربنی زید۔ ضربت واکرمنی زید۔

قولہ فیختار النحاۃ البصریون:۔ تنازع فعلین میں بصرہ اور کوفہ کے نحاۃ کا مشہور اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل بیان کررہے ہیں اس میں تو دونوں فریق کا اتفاق ہے کہ دو عاملوں میں سے جس کو چاہے عمل دیا جائے جائز ہے لیکن مختار اور پسندیدہ کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ بصریین ثانی فعل کے عمل کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ قریب ہے اور نحاۃ کوفہ فعل اول کے عمل کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ پہلے ہے نیز اس میں اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آتا۔

قولہ فان اعملت الفعل الثانی الخ۔ مصنفؒ کو بصریین کا مذہب پسند ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا بصریین کا مذہب یہ ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے گا اس کے بعد دیکھا جائے کہ فعل اول اگر فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو اسم ظاہر کے موافق فعل ثانی میں ضمیر لائی جائے گی اسم ظاہر مفرد ہے

وللزوم التکرار بالذکر وامتناع الحذف علی وفق الاسم الظاهر الواقع بعد الفعلین ای علی موافقته افراداً وتثنیة وجمعاً وتذکیراً وتانیثاً لانه مرجع الضمیر والضمیر یجب ان یکون موافقا للمرجع فی هذه الامور دون الحذف لانه لایجوز حذف الفاعل الا اذا سد شئ مسده خلافا للکسائی فانه لایضمر الفاعل بل یحذفه تحرزاً عن الاضمار قبل الذکر ویظهر اثر الخلاف فی نحو ضرباني واکرمني الزیدان عند البصریین وضربني واکرمني الزیدان عند الکسائی وجاز ای اعمال الفعل الثانی مع اقتضاء الفعل الاول الفاعل خلافا للفراء فانه لایجوز اعمال الفعل الثانی

---

تو مفرد کی ضمیر تثنیہ ہے تو تثنیہ کی ضمیر۔ جمع ہے تو جمع کی ضمیر لائی جائے گی جیسے ضربني واکرمني زید۔ ضرباني واکرمني الزیدان، ضربوني واکرمني الزیدون، ان امثلہ میں ثانی فعل کو عمل دیا گیا ہے، اس لئے وہ ہر حال میں مفرد ہے اور پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق ضمیر لائی گئی ہے اس لئے تثنیہ کی صورت میں ضرباني اور جمع کی صورت میں ضربوني لایا گیا۔ اسم ظاہر کے موافق ضمیر لانے کی وجہ یہ ہے کہ اسم ظاہر اس ضمیر کا جو فعل ثانی میں ہے مرجع واقع ہے اور ضمیر کا اپنے مرجع کے موافق ہونا ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ اسم ظاہر تو بعد میں واقع ہے اور فعل اول اس سے پہلے ہے اس میں ضمیر اگر اسم ظاہر کی طرف راجع ہوگی تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس کا جواب شارح نے اپنی عبارت لجواز اضمار قبل الذکر فی العمدة بشرط التفسیر سے دیا ہے کہ فعل ثانی کے عمل دینے کی صورت میں فعل اول میں ضمیر لانے میں اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن یہ عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اور آگے جو اسم ظاہر آرہا ہے اس سے ضمیر کی تفسیر ہو جائے گی اس لئے اس کو گوارہ کیا گیا، اگر ذکر کیا جاتا ہے تو تکرار لازم آتا ہے حذف کرتے ہیں تو فاعل کا حذف لازم آتا ہے۔

قولہ خلافا للکسائی :۔ کسائی بصریین کے موافق ہیں کہ فعل ثانی کو عمل دینا اولی ہے لیکن فعل اول اگر فاعل کا تقاضا کرے تو اس میں وہ فاعل کی ضمیر نہیں لاتے بلکہ فاعل کو حذف کر دیتے ہیں لیکن یہ حذف نسیاً منسیا نہ ہوگا بلکہ حذف بمعنی مقدر ہے۔

قولہ ویظهر اثر الخلاف الخ:۔ یعنی کسائی کا جو نحاۃ بصرہ سے اس خاص صورت میں اختلاف ہے اس کا اثر ضرباني واکرمني الزیدان عند البصریین اور ضربني واکرمني الزیدان عند الکسائی میں ظاہر ہوگا بصریین پہلے فعل میں ضمیر لاتے ہیں اس لئے ضرباني تثنیہ کا صیغہ لایا جائے گا کیونکہ اسم ظاہر الزیدان تثنیہ ہے اور کسائی کے نزدیک چونکہ فاعل کی ضمیر نہ لائی جائے گی بلکہ فاعل کو حذف کر دیا جائے گا اس لئے دونوں فعل مفرد ہوں گے۔

قولہ وجاز خلافا للفراء :۔ یعنی اگر فعل اول فاعل کا تقاضا کرے تو اس صورت میں بھی

عند اقتضاء الاول الفاعل لانہ یلزم علی تقدیر اعمالہ اما الاضمار قبل الذکر کما ھو مذھب الجمھور او حذف الفاعل کما ھو مذھب الکسائی بل یجب عندہ اعمال الفعل الاول فان اقتضی الثانی الفاعل اضمرتہ وان اقتضی المفعول حذفتہ او اضمرتہ تقول ضربنی واکرمانی الزیدان ولا یلزم حینئذ محذور وقیل روی عنہ تشریک الرافعین او اضمارہ بعد الظاھر کما فی صورۃ تاخیر الناصب تقول ضربنی واکرمنی زید ھو وضربنی واکرمت زیداً ھو وروایۃ المتن غیر مشھورۃ عنہ وحذفت المفعول تحرزاً عن التکرار لو ذکر وعن الاضمار قبل الذکر فی الفضلۃ

---

بصریین کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دینا اولی ہے لیکن فراء کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک اس صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں انکی دلیل یہ ہے کہ فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں یا تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے یا فاعل کا حذف لازم آتا ہے جیسا کہ کسائی کا مذہب ہے لہٰذا ایسی صورت میں فعل اول کو عمل دیا جائے گا اس کے بعد دیکھا جائے گا اگر فعل ثانی فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو اس میں فاعل کی ضمیر لائیں گے اس میں نہ تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور نہ فاعل کا حذف لازم آتا ہے اور اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو اگر اس کو حذف کرنا چاہیں تو حذف کر دیں اور چاہیں تو ضمیر لائی جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

قولہ وقیل روی عنہ تشریک الی افعلین الخ:۔ فراء کے نزدیک قطع تنازع کی ایک صورت تو وہ ہے جس کا بیان ابھی ہوا ہے دو صورتیں اس سے اور بھی مروی ہیں ان کو بیان کر رہے ہیں ایک یہ کہ اگر دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں تو دونوں کو اسم ظاہر میں شریک کر دیا جائے یعنی دونوں کو عمل دیا جائے یا ئل تو فعل ثانی کو دیا جائے اور فعل اول کے فاعل کی ضمیر اسم ظاہر کے بعد لائی جائے جیسے ضربنی واکرمنی زید ھو اس میں زید اکرمنی کا فاعل ہے اور ضربنی کا فاعل ھو ضمیر ہے جو زید کے بعد ہے اور اس کی طرف راجع ہے۔

قولہ کما ھو فی تاخیر الناصب:۔ یعنی اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور فعل اول فاعل کا تو اس صورت میں بھی عمل تو ثانی کو دیا جائے گا اور اسم ظاہر اس کا مفعول ہوگا اور فعل اول کے لئے ضمیر اسم ظاہر کے بعد لائی جائے گی جیسے ضربنی واکرمت زیداً ھو۔

قولہ وحذفت المفعول:۔ یعنی فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں فعل اول اگر مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے حذف کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی تو مفعول کو حذف کر دیا جائے گا اس واسطے کہ اگر اس کو ذکر کرتے ہیں تو تکرار لازم آئے گا ضمیر لاتے ہیں تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آئیگا

لواضمران استغنی عنہ والا ای وان لم یستغن عنہ اظہرت ای المفعول نحو حسبنی منطلقا وحسبت زیداً منطلقا لانہ لا یجوز حذف احد مفعولی باب حسبت ولا یجوز اضمارہ لئلا یلزم الاضمار قبل الذکر فی الفضلۃ وان اعملت الفعل الاول کما ھو مختار الکوفیین اضمرت الفاعل فی الفعل الثانی لو اقتضاہ نحو ضربنی واکرمنی زید اذا جعلت زید افاعل ضربنی واضمرت فی اکرمنی ضمیرا راجعًا الی زید لتقدمہ رتبۃ فلا محذور فیہ حینئذ لاحذف الفاعل ولا الاضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃ بل لفظا فقط وھو جائز واضمرت المفعول فی الفعل

---

قولہ والا اظہرت :- اور اگر فعل اول کے مفعول کو حذف نہ کرسکیں مثلاً وہ افعال قلوب میں سے ہو تو پھر مفعول کو ظاہر کیا جائے گا، کیونکہ قطع تنازع کی تین صورتیں ہیں (۱) اضمار (۲) حذف (۳) ذکر۔ ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر فضلہ میں لازم آئے گا، حذف کی صورت میں فعل قلب کے مفعول کا حذف لازم آئے گا جو ناجائز ہے لامحالہ تیسری شکل اختیار کی جائے گی یعنی اس کو ذکر کیا جائے گا جیسے حسبنی منطلقا وحسبت زیداً منطلقا یہاں زید اور منطلقا دونوں میں تنازع ہے زید کے بارے میں حسبنی چاہتا ہے کہ میرا فاعل ہو اور حسبت چاہتا ہے کہ میرا مفعول ہو، بصریین کے مذہب کی بناء پر فعل ثانی کو عمل دیا گیا ہے اور زید اکو اس کا مفعول قرار دیا گیا اور حسبنی فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائے جو زید کی طرف راجع ہے اضمار قبل الذکر چونکہ عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے لہذا ضمیر لانے میں کوئی خرابی نہیں۔ منطلقا کے بارے میں دونوں فعل تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارا مفعول واقع ہو۔ عمل ثانی کو دیا گیا اب اگر حسبنی کے اندر ضمیر مفعول کی لاتے ہیں تو اضمار قبل الذکر فضلہ میں لازم آتا ہے اس لئے مجبوراً حسبنی کے بعد اس کو ذکر کرنا پڑا۔

قولہ وان اعملت الفعل الاول :- یہاں سے نحاۃ کوفہ کا مسلک بیان کر رہے ہیں کوفیین کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا اولی ہے فعل اول کو عمل دینے کے بعد دیکھا جائے کہ فعل ثانی اگر فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو اس میں فاعل کی ضمیر لائی جائے اس میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبۃً نہیں اور یہ جائز ہے۔ اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو مختار قول یہ ہے کہ اس مفعول کی ضمیر لائی جائے حذف نہ کیا جائے اور اضمار قبل الذکر اس صورت میں بھی صرف لفظاً ہے رتبۃً نہیں جیسے ضربنی واکرمتہ زید اس میں زید ضربنی کا فاعل ہے اور اکرمت فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا تھا اس کی ضمیر لے آئے اور یہ ضمیر زید کی طرف راجع ہے جو مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ یہ فعل اول ضربنی کا فاعل ہے لہذا اس کے متصل ہوگا اگرچہ لفظاً موخر ہے۔

الثانی لو اقتضاه علی المذهب المختار ولم تحذفه وان جاز حذفه لئلا یتوهم ان مفعول الفعل الثانی مغایر للمذکور ویکون الضمیر حینئذ راجعاً الی لفظ متقدم رتبۃ کما تقول ضربنی واکرمتہ زید الا ان یمنع مانع من الاضمار کما هو القول المختار ومن الحذف کما هو القول الغیر المختار فتظهر المفعول فانہ اذا امتنع الاضمار والحذف لا سبیل الا الی الاظهار نحو حسبنی وحسبتهما منطلقین الزیدان منطلقا حیث اعمل حسبنی فجعل الزیدان فاعلا لہ ومنطلقا مفعولا لہ واضمر المفعول الاول فی حسبتهما واظهر المفعول الثانی وهو منطلقین لمانع وهو انہ لو اضمر مفردا خالف المفعول الاول ولو اضمر مثنی خالف المرجع وهو قولہ

---

قولہ علی المذهب المختار :- مصنف نے یہ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جائز تو یہ بھی ہے کہ مفعول کو حذف کردیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بجائے حذف کرنے کے فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر لائی جائے کیونکہ حذف کرنے میں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ فعل ثانی کا مفعول یہ اسم ظاہر نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا اسم ہو۔

قولہ الا ان یمنع مانع :- یعنی اگر فعل ثانی میں اس کے مفعول کی نہ تو ضمیر لاسکیں اور نہ حذف کرسکیں تو پھر اس کے مفعول کو ذکر کرنا ہوگا جیسے حسبنی وحسبتہما منطلقین الزیدان منطلقا۔ یہاں الزیدان اور منطلقا دونوں میں تنازع ہے زیدان کے بارے میں حسبنی فعل اول چاہتا ہے کہ میرا فاعل ہو۔ اور حسبت فعل ثانی کا تقاضا ہے کہ میرا مفعول ہو، اس تنازع کو اس طرح رفع کیا گیا ہے کہ فعل اول کو عمل دے کر زیدان کو حسبنی کا فاعل قرار دیا گیا اور فعل ثانی جو مفعول کا تقاضا کرتا ہے اس میں مفعول کی ضمیر لائی گئی۔ دوسرا تنازع منطلقا میں ہے حسبنی اور حسبت دونوں چاہتے ہیں کہ میرا مفعول ہو اس لئے کوفیین کے مسلک کی بناء پر فعل اول کا مفعول اس کو قرار دیا گیا اور فعل ثانی کا تقاضا اس طرح پورا کیا گیا کہ اس کے ساتھ دوبارہ اس کو ذکر کرنا پڑا کیونکہ یہ افعال قلوب میں سے ہے اس کے مفعول کو حذف نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ضمیر بھی یہاں نہیں لاسکتے کیونکہ اگر مفرد کی ضمیر لاکر منطلقا کی طرف راجع کرتے ہیں تو ضمیر اور مرجع میں تو مطابقت ہو جائے گی لیکن حسبت کے دونوں مفعولوں میں مطابقت نہ ہوگی کیونکہ اس کا مفعول اول ہما ضمیر تثنیہ ہے اور اگر تثنیہ کی ضمیر لاتے ہیں تو حسبت کے دونوں مفعولوں میں مطابقت ہو جائے گی لیکن ضمیر اور اس کے مرجع میں مطابقت نہ ہوگی کیونکہ مرجع منطلقا ہے اور وہ مفرد ہے قطع تنازع کی یہی تین صورتیں ہیں اضمار۔ حذف ۔ ذکر۔ جب پہلی دو صورتیں یہاں

منطلقا ولا يخفى انه لايتصور التنازع فى هذه الصورة الا اذا لاحظت المفعول الثانى اسنادلا على اتصاف ذات ما بالانطلاق من غير ملاحظة تثنيته وافراده والا فالظاهر انه لاتنازع بين الفعلين فى المفعول الثانى لان الاول يقتضى مفعولا مفردًا والثانى مفعولا مثنى فلايتوجهان الى امر واحد فلاتنازع و لما استدل الكوفيون على اولوية اعمال الفعل الاول بقول امرى القيس شعر ولوانما اسعى لادنى معيشة ÷ كفانى ولم اطلب قليل من المال - حيث قالوا قد توجه الفعلان اعنى كفانى ولم اطلب الى اسم واحد وهو قليل من المال

---

نہ نکل سکیں تو مجبوراً ذکر کرنا پڑا۔

قولہ ولا یخفی انہ لایتصور الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مثال مذکور میں منطلقا میں تنازع کی صورت نہیں ہے اس لئے کہ حسبنی فعل اول مفعول مفرد کا تقاضا کرتا ہے اور حسبت چاہتا ہے کہ میرا مفعول ثانی تثنیہ ہو کیونکہ اس کا مفعول اول تثنیہ ہے لہذا دونوں توجہ ایک اسم ظاہر کی طرف نہ ہوئی بلکہ منطلقا مفرد ہونے کی وجہ سے حسبنی فعل اول کا مفعول واقع ہوگا حسبت کی توجہ اس کے بارے میں نہیں ہے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ منطلقا سے یہ خاص لفظ مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل اول اور فعل ثانی کا تنازع ایسی ذات کے بارے میں ہے جس کے اندر انطلاق کی صفت پائی جاتی ہو خواہ وہ مفرد ہو یا تثنیہ اسی کو شارع نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

قولہ ولما استدل الکوفیون الخ:۔ کوفیین کا مسلک تو معلوم ہی ہے کہ وہ فعل اول کے عمل کو پسند کرتے ہیں، اس پر انھوں نے استدلال کیا ہے کہ امرا القیس شاعر جس کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے اس نے اپنے شعر ولو انما اسعی لادنی معیشۃ ÷ کفانی ولم اطلب قلیل من المال میں پہلے فعل اول کو عمل دیا ہے اور قلیل من المال کو کفانی فاعل قرار دیا ہے لم اطلب کا مفعول نہیں بنایا، معلوم ہوا کہ فعل اول ہی کو عمل میں ترجیح دی جائیگی ورنہ ایسا فصیح و بلیغ شاعر اس کو نہ اختیار کرتا۔ مصنفؒ بصریین کے طرفدار ہیں اس لئے اس کا جواب دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں قلیل من المال میں تنازع نہیں لم اطلب اس کو اپنا مفعول نہیں بنانا چاہتا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ لفظ لو اپنے مدخول مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے یہی حال اس کے مدخول پر جو معطوف ہو اس کا ہے کہ اگر وہ مثبت ہے تو منفی اور منفی ہے تو مثبت ہو جائے گا۔ اس قاعدہ کی بنا پر یہاں لو کا مدخول اسعی ہے جو شرط ہے اور کفانی

فاقتضى الاول رفعه بالفاعلية والثانی نصبه بالمفعولية وامرؤ القيس الذی هو افصح شعراء العرب اعمل الاول فلو لم يكن اعمال الاول اولی لما اختاره اذ لاقائل بتساوی الاعمالين فاجاب المصنف عن طرف البصريين وقال وقول امرئ القيس. كفانی ولم اطلب قليل من المال ؛ ليس منه ای من باب التنازع لفساد المعنى على تقدير توجه كل من كفانی ولم اطلب الی قليل من المال لاستلزامه عدم السعی لادنى معيشة وانتفاء كفاية قليل من المال وثبوت طلبه المنافی لكل منهما وذلك لان لو تجعل بدخولها المثبت شرطا كان او جزاء او معطوفا على احدهما منفيا والمنفی من ذلك مثبتا فعلى هذا ينبغی ان يكون مفعول لم اطلب محذوفا ای لم اطلب العز والمجد كما يدل عليه البيت المتاخر اعنی قوله شعر ولكنما اسعى لمجد مؤثل ؛ وقد يدرك المجد المؤثل امثالی - وحينئذ يستقيم المعنى يعنی انا لا اسعى لادنى معيشة ولا يكفينی قليل من المال ولكنی اطلب

---

ہے جو جزاء ہے یہ دونوں مثبت ہیں اس لئے منفی ہو جائیں گے اسعیٰ لم اسعیٰ کے معنی میں اور کفانی لم یکفنی کے معنی میں ہوگا و لم اطلب کا عطف کفانی پر ہے اور وہ منفی ہے اس لئے وہ مثبت یعنی اطلب کے معنی میں ہوگا۔ اس تشریح کے بعد سنئے کہ اگر قلیل من المال میں کفانی اور لم اطلب کا تنازع واقع ہو تو شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ میں تھوڑی معیشت (تھوڑے مال) کی کوشش نہیں کرتا اور نہ تھوڑا مال مجھ کو کافی ہے اور میں تھوڑے مال کو طلب کرتا ہوں، ظاہر ہے کہ یہ صریح تناقض ہے کہ تھوڑے مال کے طلب کی نفی کر رہا ہے اور اس کے بعد اس کا اثبات کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں تنازع نہیں ہے قلیل من المال کفانی کا فاعل ہے اور لم اطلب اس کو مفعول نہیں بنانا چاہتا بلکہ اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ العز والمجد ہے جیسا کہ اس کے بعد والے شعر سے سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے ؎

ولكنما اسعى لمجد مؤثل ؛ وقد يدرك المجد المؤثل امثالی

اب دونوں شعروں کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں تھوڑی معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ تھوڑا مال مجھ کو کافی ہے اور میں عزت اور بزرگی کو طلب کرتا ہوں۔ ولکنما اسعیٰ الخ اور لیکن میں مستحکم شرافت اور بزرگی کی کوشش کرتا ہوں اور کبھی مجھ جیسے لوگ پائیدار بزرگی کو پا لیتے ہیں۔

المجد الاثیل الثابت وا سعی لہ مفعول مالم یسم فاعلہ ای مفعول فعل او شبہ فعل لم یذکر فاعلہ وانما لم یفصلہ عن الفاعل ولم یقل ومنہ کما فصل المبتداء حیث قال ومنھا المبتدأ لشدۃ اتصالہ بالفاعل حتی سماہ بعض النحاۃ فاعلا کل مفعول حذف فاعلہ ای فاعل ذلک المفعول وانما اضیف ای المفعول لملابسۃ کونہ فاعلا لفعل متعلق بہ واقیم ھو ای المفعول مقامہ ای مقام الفاعل فی اسناد الفعل او شبہہ الیہ وشرطہ ای شرط مفعول مالم یسم فاعلہ فی حذف فاعلہ واقامتہ مقام الفاعل اذا کان عاملہ فعلا ان تغیر صیغۃ الفعل الی فعل ای الی الماضی المجھول او یفعل ای الی المضارع المجھول فیتناول

---

قولہ مفعول مالم یسم فاعلہ ای مفعول فعل الخ:۔ فاعل حقیقی سے فارغ ہونے کے بعد فاعل حکمی کو بیان کررہے ہیں، شارح نے ای مفعول فعل الخ سے بیان کیا ہے کہ ما سے مراد عام ہے خواہ فعل ہو یا شبہ فعل ہو جس طرح ان دونوں کے لئے فاعل ہوتا ہے اسی طرح نائب فاعل بھی ہوتا ہے ترجمہ یہ ہوگا مفعول ایسے فعل یا شبہ فعل کا جس کا فاعل نہ ذکر کیا گیا ہے۔

قولہ وانما لم یفصلہ:۔ مصنفؒ نے مرفوعات کے اقسام میں سے ہرایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے اور منہ یا منہا کے ذریعہ فصل کیا ہے یہاں مفعول مالم یسم فاعلہ میں یہ طریقہ نہیں اختیار کیا اور فاعل سے اس کو جدا نہیں کیا شارح اس کی وجہ بیان کررہے ہیں کہ فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہ میں اتصال بہت ہے بعض نحویوں نے تو اس کو فاعل ہی میں شمار کیا ہے اس شدۃ اتصال کی وجہ سے ایک ہی فصل میں ان دونوں کو جمع کردیا۔

قولہ کل مفعول حذف فاعلہ:۔ مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف کررہے ہیں کہ فعل کے فاعل کو حذف کرکے مفعول کو اس کی جگہ رکھدیا جائے تو ایسے مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں۔

قولہ وانما اضیف الی المفعول الخ:۔ مصنفؒ کی عبارت حذف فاعلہ میں فاعل کو ہ ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور اس کا مرجع مفعول ہے جس کے معنی ہوئے فاعل کا مفعول حالانکہ مفعول فعل کا ہوتا ہے نہ کہ فاعل کا، شارح جواب دے رہے ہیں کہ یہ اضافت اس ملابست اور تعلق کی بنا پر ہے جو فاعل اور مفعول کے درمیان ہے اور وہ یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں ہی فعل کے متعلقات میں سے ہیں فاعل سے فعل کا تعلق صدور کا ہے کہ وہ فاعل سے صادر ہوتا ہے اور مفعول سے فعل کا تعلق وقوع کا ہے یعنی فعل اس پر واقع ہوتا ہے اور ایک متعلق کی نسبت دوسرے متعلق کی طرف اگر کردی جائے تو کوئی حرج نہیں ایسا عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔

قولہ وشرطہ ای شرط مفعول مالم یسم فاعلہ:۔ یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کی شرط۔ فاعل کے

مثل افتعل و استفعل و یفتعل و یستفعل و غیرھا من الافعال المجہولۃ المزید فیھا
ولا یقع موقع الفاعل المفعول الثانی من مفعولی باب عَلِمْتُ لانہ مسند الی
المفعول الاول اسنادًا تامًا فلو اسند الفعل الیہ و لا یکون اسنادہ الا تامًا لزم
کونہ مسندا و مسند الیہ معًا مع کون کل من الاسنادین تاما بخلاف اعجبنی
ضرب زید عمرًا لان احد الاسنادین و ھو اسناد المصدر غیر تام ولا المفعول
الثالث من مفاعیل باب اَعْلَمْتُ اذ حکمہ حکم المفعول الثانی من باب علمت فی کونہ
مسندًا و المفعول لہ بلا لام لان النصب فیہ مشعر بالعلیۃ فلو اسند الیہ لفات النصب

حذف کرنے اور مفعول کو اس کے قائم مقام کرنے میں یہ ہے کہ فعل کا صیغہ ماضی مجہول اور مضارع مجہول کی طرف متغیر کر دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ عامل فعل ہو، اگر عامل شبہ فعل ہو جیسے زید مضروب غلامہ اس وقت یہ شرط نہیں ہے۔ فُعِلَ سے مراد ہر ماضی مجہول اور یُفْعَلُ سے مراد ہر مضارع مجہول ہے خواہ ثلاثی مجرد ہو یا مزید فیہ یا رباعی ہو۔

قولہ ولا یقع المفعول الثانی الخ۔ یہاں سے ان مفاعیل کی تفصیل بیان کر رہے ہیں جو فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کا مفعول ثالث فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، باب علمت سے مراد وہ فعل ہے جو دو مفعول کی طرف متعدی ہو اور دوسرا مفعول عین اول ہو یعنی دونوں کا مصداق ایک ہو۔ اور باب اعلمت سے مراد وہ فعل ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور تیسرا مفعول عین ثانی ہو یعنی دوسرے اور تیسرے مفعول کا مصداق ایک ہو، باب علمت کا مفعول ثانی مفعول اول کیطرف مسند ہوتا ہے، اور باب اعلمت کا مفعول ثالث مفعول ثانی کیطرف مسند ہوتا ہے اور دونوں کی اسناد تام ہے اب اگر ان کو مفعول مالم یسم فاعلہ بنایا جاتا ہے اور فاعل کے قائم مقام کیا جاتا تو یہ مسند الیہ ہوں گے اور وہ بھی اسناد تام ہوتی ہے تو اس صورت میں ایک ہی شئی کا اسناد تام کیساتھ مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئیگا اسناد تام کی قید اس لئے لگائی کہ اگر دو اسنادوں میں سے کوئی اسناد ناقص ہو تو اس وقت ایک ہی شئی اگر مسند اور مسند الیہ ہو تو کوئی حرج نہیں جیسے اعجبنی ضرب زید عمرًا کہ یہاں ضرب مصدر مسند الیہ ہے اور اعجبنی کا فاعل ہے یہ اسناد تو تام ہے اور یہی ضرب مصدر زید کے اعتبار سے مسند ہے لیکن یہ اسناد ناقص ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں، مسند الیہ ہے اسناد تام کے اعتبار سے اور مسند ہے اسناد ناقص کے اعتبار سے۔

قولہ المفعول لہ:۔ مفعول لہ بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مفعول لہ اپنے منصوب ہونے کی وجہ سے اس کا نصب علت ہونے پر دلالت کرتا ہے اگر اس کو فاعل کے

والاشعار بخلاف ما اذا کان مع اللام نحو ضرب للتادیب والمفعول معہ کذلک۔ ای کل من المفعول لہ والمفعول معہ کذلک ای کالمفعول الثانی والثالث من باب علمت واعلمت فی انھما لایقعان موقع الفاعل اما المفعول لہ فلما عرفت واما المفعول معہ فلانہ لایجوز اقامتہ مقام الفاعل مع الواو التی اصلھا العطف وھی دلیل الانفصال والفاعل کالجزء من الفعل ولابدون الواو فانہ لم یعرف حینئذ کونہ مفعولا معہ واذا وجد المفعول بہ فی الکلام مع غیرہ من المفاعیل التی یجوز وقوعھا موقع الفاعل تعین ای المفعول بہ لہ ای لوقوعہ موقع الفاعل لشدۃ شبھہ

قائم مقام کر دیا جائے تو اس پر رفع آئے گا اس صورت میں علت پر دلالت نہ ہوگی اور مفعول لہ ہونا سمجھ میں نہ آئے گا۔ شارح نے المفعول کے بعد بلالام کی قید لگائی اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک لفظوں میں لام جس پر داخل ہوتا ہے وہ بھی مفعول لہ ہے جیسے ضرب للتادیب تو ایسی صورت میں مصنف کے مسلک پر اس مفعول لہ کو فاعل کے قائم مقام کیا جا سکتا ہے اور وہ نائب فاعل بن سکتا ہے جمہور اس کو جار و مجرور کہتے ہیں مفعول لہ نہیں کہتے۔

قولہ والمفعول معہ کذلک ای کل من المفعول لہ والمفعول معہ الخ:- شارح نے کل من الخ سے یہ بتایا کہ لفظ کذلک المفعول لہ اور المفعول معہ دونوں کی خبر ہے ان دونوں کے بارے میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ باب علمت کے مفعول ثانی اور باب اعلمت کے مفعول ثالث کی طرح مفعول لہ اور مفعول معہ کا بھی حال ہے یہ دونوں بھی فاعل کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، مفعول لہ کیوں نہیں قائم مقام ہو سکتا اس کی وجہ ابھی بیان کی گئی ہے۔ مفعول معہ فاعل کے قائم مقام اس لئے نہیں ہو سکتا کہ مفعول معہ ایسے مفعول کو کہتے ہیں جو واو بمعنی مع کے بعد واقع ہو اب اگر مفعول معہ کو فاعل کے قائم مقام کیا جائے تو اگر واو کے ساتھ کیا جاتا ہے تو واو عطف کے لئے آتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف آپس میں مغایر ہوتے ہیں اس لئے واو کا تقاضا ہے کہ انفصال ہو اور چونکہ فاعل فعل کے لئے جزء ہوتا ہے اس لئے جو فاعل کے قائم مقام ہوگا وہ بھی جزء کے مانند ہوگا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اتصال ہو اور ان دونوں میں منافات ہے اس لئے واو کے ساتھ فاعل کے قائم مقام ہونے کی صورت نہیں، اگر بغیر واو کے قائم مقام کیا جاتا ہے تو اس کا مفعول معہ ہونا نہ سمجھا جائے گا۔

فائدہ:- مصنف نے لفظ کذلک لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کا مفعول ثالث جو فاعل کے قائم مقام نہیں ہوتے ان کی علت اور ہے اور مفعول لہ اور مفعول معہ کے فاعل کے قائم مقام نہ ہونے کی علت ان کے علاوہ ہے

قولہ واذا وجد المفعول بہ الخ:- یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جتنے مفاعیل فاعل کے قائم مقام

بالفاعل فی توقف تعقل الفعل علیہما فان الضرب مثلا کما انہ لا یمکن تعقلہ بلا ضارب کذلک لا یمکن تعقلہ بلا مضروب بخلاف سائر المفاعیل فانہا لیست بہذہ الصفۃ تقول ضرب زید باقامۃ المفعول بہ مقام الفاعل یوم الجمعۃ ظرف زمان امام الامیر ظرف مکان ضربا شدیداً مفعول مطلق للنوع باعتبار الصفۃ وفائدۃ وصف الضرب بالشدۃ التنبیہ علی ان المصدر لا یقوم مقام الفاعل بلا قید مخصص اذ لا فائدۃ فیہ لدلالۃ الفعل علیہ فی دارہ جار ومجرور شبیہ بالمفاعیل اقیم مقام الفاعل مثلہا فتعین زید وان لم یکن ای وان لم یوجد فی الکلام المفعول بہ فالجمیع ای جمیع ما سوی المفعول بہ سواء فی جواز وقوعہا موقع الفاعل والمفعول الاول من باب اعطیت ای الفعل المتعدی الی مفعولین ثانیہما غیر الاول اولی بان

---

ہو سکتے ہیں یعنی نائب فاعل بن سکتے ہیں اگر کسی ترکیب میں وہ سب جمع ہو جائیں تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول بہ کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس کو فاعل کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اس لئے کہ فعل کا سمجھنا جس طرح فاعل پر موقوف ہوتا ہے اسی طرح مفعول بہ پر بھی موقوف ہوتا ہے باقی مفاعیل اس درجہ کے نہیں ہیں، اس کی مثال ضرب زید یوم الجمعۃ۔ امام الامیر ضربا شدیداً فی دارہ ہے۔ اس میں زید مفعول بہ ہے یوم الجمعۃ ظرف زمان ہے۔ امام الامیر ظرف مکان ہے ضربا موصوف صفت مل کر مفعول مطلق ہے فی دارہ یہ جار مجرور ہے یہ سب ہی فاعل کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن زید چونکہ مفعول بہ ہے اس لئے اسی کو فاعل کے قائم مقام کیا گیا۔ مثال مذکور میں ضربا کے آگے شدیداً کی قید کا اضافہ کرکے یہ اشارہ کیا کہ مفعول مطلق اس وقت فاعل کے قائم مقام ہو سکتا ہے جب کہ اس کی صفت لائی جائے۔

قولہ وان لم یکن فالجمیع سواء:۔ اس کے بعد شارح نے وان لم یوجد لاکر بتایا کہ یہ کان تامہ ہے خبر کی ضرورت نہیں، اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ترکیب میں مفعول بہ نہ ہو تو پھر فاعل کے قائم مقام ہونے میں سارے مفاعیل برابر ہیں کسی کو ترجیح نہیں۔

قولہ والاول من باب اعطیت الخ:۔ باب اعطیت سے ہر وہ فعل مراد ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور ثانی اول کے غیر ہو یعنی دونوں مفعولوں کا مصداق علیحدہ علیحدہ ہو۔ اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ باب اعطیت کے دو مفعولوں میں سے جس کو چاہیں فاعل کے قائم مقام کر دیں لیکن مفعول اول کو قائم مقام فاعل کے کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں فاعلیت کے معنی پائے جاتے ہیں مثلاً اعطی زید درہما میں زید لینے والا ہے اور درہم کو لیا گیا ہے۔

یقام مقام الفاعل من المفعول الثانی لان فیہ معنی الفاعلیۃ بالنسبۃ الی الثانی لانہ عاط ای اخذ نحو اعطی زید درھمًا مع جواز اعطی درھم زیدًا وذلک عند الامن من اللبس واما عند عدمہ فیجب اقامۃ المفعول الاول نحو اعطی زید عمرًا ومنھا المبتدا او الخبر فی بعض النسخ ومنہ یعنی من جملۃ المرفوعات او من جملۃ المرفوع المبتدا والخبر جمعھما فی فصل واحد للتلازم الواقع بینھما علی ما ھو الاصل فیھما واشتراکھما فی العامل المعنوی فالمبتداء ھو الاسم لفظاً او تقدیرًا لیتناول نحو ان تصوموا خیر لکم المجرد عن العوامل اللفظیۃ ای الذی لم یوجد فیہ عامل لفظی اصلاً

---

قولہ ومنھا المبتداء والخبر :۔ کافیہ کے بعض نسخوں میں منہ المبتداء والخبر۔ ہا ضمیر مرفوعات کی طرف راجع ہے اور ہ ضمیر مرفوع کی طرف مبتدار اور خبر مرفوعات کی علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں لیکن مصنف نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں تلازم ہے مبتدار بغیر خبر کے اور خبر بغیر مبتدار کے نہیں پائے جاتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے یعنی ابتداء اس وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا۔

قولہ فالمبتداء ھو الاسم لفظاً او تقدیرًا :۔ مبتدار کی تعریف کر رہے ہیں مبتدار ایسا اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو خواہ عامل لفظی ہو یا تقدیری ہو، یہ مبتدار کی پہلی قسم کی تعریف ہے شارح نے لفظاً او تقدیرًا کا اضافہ کر کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ان تصوموا خیر لکم میں ان تصوموا مبتدار ہے حالانکہ وہ اسم نہیں بلکہ فعل ہے اس کا جواب شارح نے دیا کہ اسم عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری اور ان تصوموا مصدر کی تاویل میں ہو کر اسم ہے۔ اس لئے اس کا مبتدار بننا صحیح ہے۔

قولہ المجرد :۔ اعتراض مبتدار کی تعریف میں کیا گیا ہے کہ وہ ایسا اسم ہے جو عامل لفظیہ سے خالی کیا گیا ہو جیسا کہ لفظ مجرد سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ مجرد تجرید سے بنایا گیا ہے جس کے معنی خالی کرنے کے ہیں اور یہ مستلزم ہے کہ پہلے وہ داخل ہو، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مبتدار پر عامل لفظی تھا بعد میں اس کو خالی کیا گیا ہے حالانکہ یہ خلاف واقع ہے کیونکہ مبتدار میں تو عامل لفظی آتا ہی نہیں۔ اس کا عامل معنوی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی امکان کو وجود کے درجہ میں فرض کر لیا جاتا ہے جیسے ضیق فم البیر یعنی کنویں کے منھ کو تنگ رکھو کشادہ نہ کرو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے کشادہ کرو بعد میں تنگ کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ کنواں بناتے وقت اس کے منھ کے کشادہ کرنے کا جو احتمال ہے وہ نہ ہونے پائے بلکہ اس کو بنانے ہی کے وقت تنگ کر کے بناؤ۔ اسی طرح مبتدار میں بطور فرض کے اگر عامل لفظی آسکتا ہو تو نہ آنے پائے مبتدار بناتے وقت ہی سے اس کو عامل لفظی سے خالی رکھا جائے۔

واحترز بہ عن الاسم الذی فیہ عامل لفظی کاسمی انّ وکان وکانہ اراد بالعامل اللفظی ما یکون موثرا فی المعنی لئلا یخرج عنہ بحسبك درھم مسنداً الیہ واحترز بہ عن الخبر وثانی قسمی المبتدا الخارج عن ھذا القسم فانھما لا یکونان الا مسندین او الصفۃ سواء کانت مشتقۃ کضارب ومضروب وحسن او جاریۃ مجراھا کقریشی الواقعۃ بعد حرف النفی کما ولا او الف الاستفھام ونحوہ کھل وما ومن وعن سیبویہ جواز الابتداء بھا من غیر استفھام و نفی مع قبح والاخفش

فائدہ:- عوامل میں الف ولام آنے کی وجہ سے اس کی جمعیت باطل ہوگئی اب جمع کے معنی اس میں باقی نہ رہے بلکہ استغراق افراد کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ عوامل لفظیہ کے جتنے افراد ہیں سب سے خالی ہو یعنی ایک بھی عامل لفظی نہ آئے۔

قولہ وکانہ اراد:- اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے بحسبک درہم بالاتفاق مبتدا ہے حالانکہ یہ عامل لفظی سے خالی نہیں اس پر بار جارہ داخل ہے۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ عامل لفظی سے مراد یہ ہے کہ وہ عامل معنی میں اثرانداز ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ بار زائدہ ہے اس کے یہاں پر کوئی معنی نہیں۔

قولہ مسنداً الیہ:- اس قید سے خبر اور مبتدار کی دوسری قسم کو خارج کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مسند ہوتے ہیں مسند الیہ نہیں ہوتے۔

قولہ او الصفۃ الواقعۃ الخ:- یہ مبتدار کی دوسری قسم کی تعریف ہے۔ مبتدار کی دوسری قسم یہ ہے کہ صفت کا صیغہ حرف نفی یا ہمزہ استفہام یا ہل، ما، من، متیٰ، این وغیرہ کے بعد واقع ہو، اور اس کے بعد جو اسم ظاہر یا اس کے قائم مقام ضمیر منفصل کو رفع دے۔

قولہ سواء کانت مشتقۃ:- اس عبارت سے اعتراض محذوف کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ مبتدار کی دوسری قسم کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اَ قریشی انت میں قریشی مبتدار ہے حالانکہ وہ صفت کا صیغہ نہیں ہے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ صفت سے مراد عام ہے۔ خواہ صفت مشتق ہو جیسے ضارب، مضروب، حَسَنٌ وغیرہ یا قائم مقام مشتق ہو، اور قریشی اگرچہ صفت مشتقہ نہیں ہے لیکن مشتق کے حکم میں ہے کیونکہ اس کے آخر میں یار نسبتی ہے اور جس اسم کے ساتھ یار نسبتی لاحق ہوتی ہے وہ اسم مشتق کے حکم میں ہوتا ہے۔

قولہ وعن سیبویہؒ:- سیبویہ کے نزدیک صفت کا صیغہ بغیر حرف نفی اور استفہام کے بھی مبتدار بن سکتا ہے لیکن قبیح ہے اور اخفش کے نزدیک بغیر قباحت کے مبتدار بننا صحیح ہے۔ ان کا استدلال شاعر کے قول خبیر نحن عند الناس منکم سے ہے اس میں خبیر صفت ہے اور مبتدا ہے

یری ذلك حسناً وعلیه قول الشاعر ع فخیر نحن عند الناس منکم: فخیر مبتداء ونحن فاعله ولوجعل خیر خبراً عن نحن لفصل بین اسم التفضیل ومعموله الذی هو من باجنبی وهو غیر جائز لضعف عمله بخلاف مالوکان فاعلالکونه کالجزء رافعة لظاهر ومایجری مجراه وهوالضمیر المنفصل لئلایخرج عنه نحو قوله تعالٰی أراغب انت عن الٰهتی یا ابراهیم واحترزبه عن نحو أقائمان الزیدان لان أقائمان رافع لضمیر عائد الی الزیدان ولوکان رافعاً لهذا الظاهر لم یخبر تثنیة مثل زید قائم مثال للقسم الاوّل من المبتداء وما قائم الزیدان مثال للصفة الواقعة بعد حرف النفی وأقائم الزیدان مثال للصفة الواقعة

---

اور نحن اس کا فاعل ہے حالانکہ خیر سے پہلے نہ حرف نفی ہے اور نہ استفہام ہے اسکا جواب یہ دیا جاسکتا تھا کہ اخفش کا استدلال اس قول سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ خیر خبر مقدم ہو اور نحن مبتدا مؤخر ہو، شارح اپنے قول ولوجعل خیر خبراً الخ سے اخفش کی طرفداری کر رہے ہیں کہ یہ احتمال صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر خیر کو نحن کی خبر قرار دیا جائے تو اس صورت میں اسم تفضیل یعنی خیر اور اس کے معمول یعنی منکم کے درمیان نحن مبتداء کے ذریعہ فصل لازم آئے گا اور یہ فصل بالاجنبی ہے جو ناجائز ہے اور اگر نحن کو خیر کا فاعل بنایا جائے تو فصل بالاجنبی نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں نحن خیر کا فاعل ہوگا اور فاعل اجنبی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے عامل کے جزء کی مانند ہوتا ہے۔

قولہ رافعة لظاهر ومایجری مجراه:- اسم ظاہر کے قائم مقام ضمیر منفصل ہے اس عبارت کا اضافہ اس واسطے کیا تاکہ أراغب انت عن الٰهتی جیسی مثال اس میں داخل ہو جائے یعنی جہاں صفت کے بعد اسم ظاہر کے بجائے ضمیر منفصل واقع ہو اور صفت کا صیغہ اس کو رفع دے تو ایسی صفت بھی مبتدا کی دوسری قسم کہلائے گی جیسے مثال مذکور میں راغب صفت کا صیغہ ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہے اور انت ضمیر منفصل اس کی وجہ سے مرفوع ہے۔

قولہ واحترزبه عن نحو أقائمان الخ:- لظاہر کی قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ اقائمان الزیدان میں اگرچہ قائمان صفت کا صیغہ ہے اور ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہے لیکن اسم ظاہر اس کی وجہ سے مرفوع نہیں ہے بلکہ ضمیر کو رفع دیا ہے اس لئے مبتدا کی دوسری قسم سے یہ خارج ہے اس میں قائمان خبر مقدم ہے اور الزیدان مبتدا مؤخر ہے۔

بعد حرف الاستفهام فان طابقت الصفة الواقعة بعد حرف النفي والاستفهام اسمًا مفردًا مذكورًا بعدها نحو ما قائم زيد وأقائم زيد واحترز به عما اذا طابقت مثنى نحو أقائمان الزيدان او مجموعًا نحو أقائمون الزيدون فانها حينئذٍ خبر ليس الا جاز الامران كون الصفة مبتدا وما بعدها فاعلها يسد مسد الخبر وكون ما بعدها مبتدا والصفة خبرًا مقدمًا عليه فههنا ثلث صور احدها أقائمان الزيدان ويتعين حينئذ ان يكون الزيدان مبتدا وأقائمان خبرًا مقدمًا عليه وثانيتها أقائم الزيدان وتيعين حينئذ ان يكون الزيدان فاعلًا للصفة قائمًا مقام الخبر وثالثتها أقائم زيد ويجوز فيه الامران كما عرفت والخبر هو المجرد اى هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية لان الكلام في

---

قولہ فان طابقت مفردًا الخ:۔ یعنی جو صفت حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہو وہ اپنے بعد آنے والے اسم ظاہر مفرد کے مطابق ہو یعنی جس طرح وہ اسم ظاہر مفرد ہے اسی طرح صفت کا صیغہ بھی مفرد ہو تو اس میں دو امر جائز ہیں (۱) صفت کا صیغہ مبتدا ہو اور اسم ظاہر اس کا فاعل قائمقام خبر ہو۔ (۲) اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو اور صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو۔ اس کی مثال ماقائم زید اور أقائم زید ہے۔ مفردًا کی قید احترازی ہے۔ یعنی یہ دو صورتیں مذکور ہوئیں اس وقت جائز ہیں جب صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں اور اگر صفت اور اسم ظاہر میں مطابقت تو ہو لیکن مفرد ہونے میں نہیں بلکہ دونوں تثنیہ ہوں یا جمع ہوں جیسے أقائمان الزیدان، أقائمون الزیدون تو اس میں صرف ایک صورت جائز ہے کہ اسم ظاہر مبتداء مؤخر ہو اور صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو، چنانچہ زیدان مبتدا مؤخر اور قائمان خبر مقدم ہے یہی حال أقائمون الزیدون کا ہے اور اگر صفت اور اسم ظاہر میں سرے سے مطابقت ہی نہ ہو مخالفت ہو صفت کا صیغہ تو مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو تو اس صورت میں اسم ظاہر صفت کا فاعل ہو کر قائم مقام خبر ہوگا۔ جیسے أقائم الزیدان۔

قولہ الخبر ہو المجرد:۔ مبتدا کی خبر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند ہو اور اس صفت کے مغایر ہو جو حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع ہو، خبر کی تعریف میں مسند کی قید سے مبتدا سے احتراز ہے اور المغایر للصفۃ المذکورہ سے مبتدا کی دوسری قسم سے احتراز ہے

قولہ ای ہو الاسم المجرد الخ:۔ شارح نے یہ عبارت نکال کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ خبر کی یہ تعریف فعل پر صادق آتی ہے جیسے یضرب زید میں یضرب

مرفوعات الاسم فلا یصدق علی یضرب فی یضرب زید انہ المجرد المسند بہ المغایر للصفۃ المذکورۃ لانہ لیس باسم المسند بہ ای ما یوقع بہ الاسناد واحترز بہ عن القسم الاول من المبتداء لانہ مسند الیہ لا مسند بہ المغایر للصفۃ المذکورۃ فی تعریف المبتداء واحترز بہ عن القسم الثانی من المبتداء اولک ان تقول المراد المسند بہ الی المبتداء او تجعل الباء فی بہ بمعنی الی والضمیر المجرور راجعًا الی المبتداء علی التقدیرین یخرج بہ القسم الثانی من المبتداء ویکون قولہ المغایر للصفۃ المذکورۃ تاکیدا واعلم ان العامل فی المبتداء والخبر ھو الابتداء ای تجرید الاسم عن العوامل اللفظیۃ لیسند الی شئی او یسند الیہ شئی فمعنی الابتداء

---

کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یضرب عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور مسند ہے صفت مذکورہ کے مغایر بھی ہے حالانکہ یہ خبر نہیں ہے بلکہ فعل، فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہے لہذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ خبر کے لئے اسم ہونا ضروری ہے اور یضرب اسم نہیں ہے فعل ہے اور قرینہ یہ ہے کہ اس وقت کلام اسم کے مرفوعات میں ہو رہا ہے نہ کہ فعل کے مرفوعات میں۔

قولہ ای ما یوقع بہ الاسناد الخ:۔ اعتراض کا جواب۔ اعتراض یہ ہے کہ مسند ماخوذ ہے اسناد سے اور یہ متعدی بنفسہ ہے لہذا اس کو بار کے ذریعہ متعدی کرنے کی کیا ضرورت، اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ مسند وقوع کے معنی کو متضمن ہے اور وقوع لازم ہے اس لئے اس کو بار کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے اس کی تقدیر عبارت ما یوقع بہ الاسناد ہے۔ مسند بہ کی قید کا فائدہ گذر چکا ہے۔

قولہ ولک ان تقول المراد المسند بہ الخ:۔ شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مصنف کی عبارت المسند بہ کے بعد الی المبتداء کی قید مقدر مانی جائے یا مسند بہ میں بار کو الی کے معنی میں لیا جائے اور ضمیر مجرور مبتدار کی طرف راجع ہو تو پھر المغایر للصفۃ المذکورہ کی قید جو آگے آرہی ہے اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ الی المبتداء مقدر ماننے کے بعد ترجمہ یہ ہوگا خبر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مبتدار کی طرف مسند ہو اور ظاہر ہے کہ صفت مذکورہ خود مبتدار کی دوسری قسم ہے مبتدار کی طرف مسند نہیں۔ اور مسند بہ میں بار کو الی کے معنی میں لینے کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا خبر ایسا اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مبتدار کی طرف مسند ہو، غرضیکہ ان دونوں توجیہوں کے بعد المغایر للصفۃ المذکورہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی البتہ بطور تاکید کے ذکر کیا جائے تو گنجائش ہے۔

قولہ واعلم ان العامل فی المبتداء الخ:۔ اس سے پہلے مبتدار اور خبر کا بیان تھا اور ان

عامل فی المبتداء والخبر رافع لهما عند البصريين واما عند غيرهم فقال بعضهم الابتداء عامل فی المبتداء والمبتداء فی الخبر وقال آخرون ان كل واحد من المبتداء والخبر عامل فی الآخر وعلى هذا لا يكونان مجردين عن العوامل اللفظية واصل المبتداء ای ما ينبغی ان يكون المبتداء عليه اذا لم يمنع مانع

---

دونوں کو مرفوعات سے شمار کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان پر رفع آتا ہے اور رفع اعراب ہے وہ بغیر عامل کے نہیں آتا اس لئے شارح مبتداء اور خبر کے عامل کو اس عبارت سے بیان کر رہے ہیں کہ ان دونوں میں ابتداء عامل ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے ابتداء کا عامل ہونا مبتداء میں تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ مبتداء شروع میں ہوتا ہے لیکن خبر میں ابتداء کا عامل ہونا نہیں سمجھ میں آتا کیونکہ خبر مبتداء کے بعد آتی ہے۔ شارح ای تجرید الاسم الخ سے اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ ابتداء کے لغوی معنی (یعنی شروع میں آنا) مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہیں یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا تاکہ اس کی اسناد کسی شئی کی طرف کی جائے جیسا کہ خبر یا اس کی طرف کسی شئی کی اسناد ہو جیسا کہ مبتداء اور اس معنی کے اعتبار سے ابتداء مبتداء اور خبر دونوں میں عامل ہے کیونکہ یہ دونوں اسم ایسے ہیں جو عوامل لفظیہ سے خالی ہیں ایک مسند ہے اور ایک مسند الیہ۔

قولہ واما عند غیرھم :۔ ابھی آپ نے یہ پڑھا ہے کہ ابتداء عامل ہے مبتداء اور خبر میں اور ان دونوں کے لئے رافع ہے یہ بصریین کا مذہب تھا ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک ابتداء دونوں میں عامل نہیں ہے سیبویہ وغیرہ کے نزدیک ابتداء مبتداء میں عامل ہے اور مبتداء خبر میں عامل ہے۔ کسائی وغیرہ کہتے ہیں کہ مبتداء خبر میں عامل ہے اور خبر مبتداء میں۔ سیبویہ کے مذہب کی بناء پر خبر عامل لفظیہ سے خالی نہیں اور کسائی کے مذہب کی بناء پر مبتداء اور خبر دونوں عامل لفظیہ سے خالی نہ ہوں گے، مصنفؒ کو بصریین کا مذہب پسند ہے اسلئے دونوں کی تعریف میں المجردعن العوامل اللفظیہ کہا۔

قولہ واصل المبتداء ای ما ینبغی الخ :۔ اصل کے معنی قاعدہ کلیہ کے آتے ہیں جس کے معنی یہ ہوں گے کہ مبتداء کے بارے میں قاعدہ کلیہ ہے یہ کہ وہ ہمیشہ مقدم ہوا کرے اس کے خلاف جائز نہ ہو اس کا مقتضی یہ ہے کہ قائم زید اور فی دارہ زید ترکیب ناجائز ہو حالانکہ یہ ترکیب بالاتفاق جائز ہے۔ شارح نے اصل کی تفسیر ما ینبغی کے ساتھ کر کے بتایا کہ اصل کے معنی یہاں مناسب کے ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ مبتداء کے مناسب یہ ہے کہ وہ مقدم ہو۔

قولہ اذا لم یمنع مانع :۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے

التقدیم علی الخبر لفظا لان المبتدا ذات والخبر حال من احوالها والذات مقدمة علی احوالها ومن ثم ای ومن اجل ان الاصل فی المبتداء التقدیم لفظا جاز قولهم فی دارہ زید مع کون الضمیر عائدا الی زید المتاخر لفظا لتقدمه رتبة لاصالة التقدیم وامتنع قولهم صاحبها فی الدار لعود الضمیر الی الدار.

---

کہ مبتدا کیلئے تقدیم مناسب ہے بلکہ بعض مرتبہ تو مبتدا کو مقدم کرنا ناجائز ہے جیسے فی الدار رجل میں رجل مبتدا ہے اور اسکو مقدم کرنا جائز نہیں ورنہ اس کا مبتدا ہونا صحیح نہ ہوگا۔ اذالم یمنع مانع سے شارح نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مبتدا کی تقدیم کا راجح ہونا اس وقت ہے جب کوئی مانع نہ ہو اور یہاں رجل کی نکارت مانع تقدیم ہے کیونکہ نکرہ میں جب تک تخصیص نہ کی جائے اس کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہے اور یہاں خبر کو مقدم کرکے رجل میں تخصیص پیدا کی گئی ہے۔

قولہ التقدیم علی الخبر لفظا:۔ یعنی مبتدا کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ خبر پر لفظ کے اعتبار سے بھی مقدم ہو مرتبہ کے اعتبار سے تو ہمیشہ مقدم ہوتا ہے جب خبر سے مؤخر ہوتا ہے تو یہ تاخیر صرف لفظی ہوتی ہے مرتبہ کے اعتبار سے تو اس وقت بھی مقدم ہے۔

قولہ لان المبتداء:۔ مبتدا کا مقدم ہونا اس وجہ سے اصل ہے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر اس کا ایک حال ہے اور ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے اس وجہ سے مبتدا کو خبر پر مقدم ہونا چاہیئے

قولہ ومن ثم جاز فی دارہ زید:۔ اصل مذکور پر تفریع ہے کہ چونکہ مبتدا کی اصل تقدیم ہے اس لئے ترکیب مذکور جائز ہے حالانکہ دارہ میں ضمیر زید کی طرف راجع ہے اور وہ مؤخر ہے لیکن زید مبتدا ہے اور مبتدا کا درجہ یہ ہے کہ وہ مقدم ہو اس لئے مرتبہ کے اعتبار سے جب زید مقدم ہے تو اضمار قبل الذکر صرف لفظا لازم آئے گا رتبۃً نہ لازم آئے گا اور یہ جائز ہے۔ شارح نے فی دارہ سے پہلے قولہم لاکر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ فی دارہ زید یہ جاز کا فاعل ہے لیکن اس کا فاعل ہونا صحیح نہیں کیونکہ یہ جملہ ہے اور فاعل مفرد ہوا کرتا ہے اس کا جواب شارح نے دیا کہ فی دارہ زید قول کی تاویل میں ہوکر مفرد ہے لہذا اس کا فاعل بننا صحیح ہے۔

قولہ وامتنع قولہم صاحبہا فی الدار:۔ یہ بھی اصل مذکور پر تفریع ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صاحبہا مبتدا ہے اور اپنی اصل پر ہے یعنی مقدم ہے لیکن اس میں ضمیر الدار کی طرف راجع ہے جو خبر کے حیز میں ہے اور ضمیر سے مؤخر ہے لہذا اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً دونوں طرح لازم آیا اور یہ ناجائز ہے۔ یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ فی الدار مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے کیونکہ اصل تو مبتدا کی تقدیم ہے نہ کہ خبر کی، لہذا مبتدا اگر کہیں لفظ کے اعتبار سے مؤخر ہو تو وہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ لفظ

وهو فی حیز الخبر الذی اصله التاخیر فیلزم عود الضمیر الی المتاخر لفظا و رتبة وهو غیر جائز وقد یکون المبتداء نکرة وان کان الاصل فیه ان یکون معرفةً لان للمعرفة معنیً معینا والمطلوب المهم الکثیر الوقوع فی الکلام انما هو الحکم علی الامور المعینة ولکنه لایقع نکرة علی الاطلاق بل اذا تخصصت تلك النکرة بوجه ما من وجوه التخصیص یقل اشتراکها فتقرب من المعرفة مثل قوله تعالیٰ ولَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ فان العبد متناول للمومن والکافر وحیث وصف بالمومن تخصص بالصفة فجعل مبتداء وخیر خبره ومثل قولك أرجل فی الدار ام امرأة فان المتکلم بهذا الکلام

کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر ہے لیکن مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے۔ اشتغ کے بعد قولہم کے اضافہ کی وہی وجہ ہے جو اس سے پہلے جاز کے بعد قولہم لانے کی ہے۔

قولہ وهو فی حیز الخبر:۔ یعنی دار جو صاحبہا کی ضمیر کا مرجع ہے وہ حیز خبر میں ہے یعنی خبر کے تحت ہے خود خبر نہیں کیونکہ خبر تو فی الدار کا مجموعہ ہے نہ کہ تنہا دار۔

قولہ وقد یکون المبتداء نکرةً الخ:۔ قد تقلیل کے لئے آتا ہے اس کو لاکر اشارہ کیا کہ مبتداء میں اصل تو یہ ہے کہ معرفہ ہو کیونکہ معرفہ ایک معین شئی ہے اور مقصود یہی ہے کہ امر معین پر حکم لگایا جائے کلام عرب میں یہی کثیر الوقوع بھی ہے دوسری بات یہ ہے کہ مبتداء محکوم علیہ ہے اور محکوم علیہ جب معلوم نہ ہو تو اس پر حکم کس طرح لگایا جاسکتا ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مبتداء ہمیشہ معرفہ ہی ہوا کرے لیکن نکرہ میں اگر تخصیص کرلی جائے تو خاص ہونے کی وجہ سے اس میں اشتراک کم ہو جائے گا اور معرفہ کے قریب ہو جائے گا اس لئے ایسا نکرہ بھی مبتداء ہو سکتا ہے۔ اب تخصیص کی صورتیں بیان کررہے ہیں (۱) صفت کی وجہ سے تخصیص ہو جیسے ولعبد مومن خیر من مشرک اس میں عبد نکرہ تھا مومن اور غیر مومن دونوں کو شامل تھا لفظ مومن کی وجہ سے خاص ہو گیا اور مبتداء بن گیا۔ (۲) متکلم کے علم کے اعتبار سے تخصیص ہو جیسے أرجل فی الدار ام امرأة اس میں رجل اور امرأة نکرہ ہیں لیکن قاعدہ ہے کہ ہمزہ استفہام اور لفظ اَمْ کے ذریعہ وہاں سوال ہوتا ہے جہاں متکلم کو دو امروں میں سے ایک کا غیر متعین طور پر علم ہوتا ہے اور اس کے سوال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ متعین طور پر بتا دیا جائے کہ وہ کونسا امر ہے مثلاً مثال مذکور میں سائل کو یہ معلوم ہے کہ مرد اور عورت میں سے کوئی نہ کوئی گھر میں ہے اب وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ متعین کردیا جائے کہ وہ مرد ہے یا عورت، اس صورت میں چونکہ متکلم کو کچھ نہ کچھ علم ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے اس لئے مثال مذکور میں بھی رجل اور امرأة میں تخصیص پیدا ہوگئی اور ان کا مبتداء ہونا صحیح ہو گیا۔ (۳) نکرہ نفی کے تحت میں واقع ہو،

یعلم ان احدھما فی الدار فیسائل المخاطب عن تعینہ فکانہ قال ای من الامرین المعلوم کون احدھما فی الدار کائن فیھما فکل واحد منھما تخصص بھذہ الصفۃ فجعل رجل مبتداء و فی الدار خبرہ و مثل قولک ما احد خیرمنک فان النکرۃ فیھا وقعت فی حیز النفی فافادت عموم الافراد وشمولھا فتعینت وتخصصت فانہ لاتعدد فی جمیع الافراد بل ھو امر واحد ولکن اکل نکرۃ فی الاثبات قصد بھا العموم نحو تمرۃ خیرمن جرادۃ ومثل قولھم شراھرذاناب

---

اس وجہ سے تخصیص ہو کیونکہ نکرہ جب نفی کے تحت ہوتا ہے تو وہ عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے یعنی حکم تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور عام من حیث العام متعین اور مشخص ہوتا ہے اس میں تمام افراد کا مجموعہ امر واحد ہو جاتا ہے اور امر واحد مشخص ہوتا ہے اس میں ابہام نہیں رہتا اس لئے اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔

قولہ ولکن اکل نکرۃ فی الاثبات الخ:- اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ نکرہ جب نفی کے تحت واقع ہو تو اس میں تخصیص ہو جاتی ہے اس کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہے اب ترقی کرکے کہنا چاہتے ہیں کہ نکرہ اگر اثبات میں ہو اور اس میں عموم ہو جائے تو وہ بھی مذکورہ تاویل کی بناء پر مبتدا ہو سکتا ہے جیسے تمرۃ خیرمن جرادۃ ہر کھجور ٹڈی سے بہتر ہے یہ حکم کسی خاص کھجور کا نہیں بلکہ ہر کھجور کے لئے عام ہے اس لئے تمرۃ کا مبتدا واقع ہونا صحیح ہوگیا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اس کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ٹڈی کے بارے میں یہ مسئلہ کسی سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں ٹڈی کو مار دے تو کیا حکم ہے انھوں نے جواب دیا کہ ہر ٹڈی کے بدلے میں ایک درہم دیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ تو بڑی مشکل ہو جائے گی اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا تمرۃ خیرمن جرادۃ کہ ایک ٹڈی کے بدلے میں ایک کھجور دی جائے کھجور ٹڈی سے زیادہ بہتر ہے۔ (۴) فاعل جیسی تخصیص ہو یعنی جس طرح فعل کے ذکر کرنے کے بعد ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ اس کے بعد جو ذکر کیا جائے گا اسی کے اندر اس فعل کے صادر ہونے کی صلاحیت ہے دوسرے کے اندر نہیں اور ایک کے لئے اثبات اور غیر سے نفی اسی کو تخصیص کہتے ہیں۔ شراھرذاناب میں اسی قسم کی تخصیص ہے رہی یہ بات کہ شراھرذاناب میں شر کو فاعل کے ساتھ کونسی مشابہت ہے کہ اس میں فاعل جیسی تخصیص آگئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شراھرذاناب کے معنی وہی ہیں جو ما اھرذاناب الا شر کے ہیں اور اس میں تخصیص ہے جیسا کہ ظاہر ہے اسی طرح شراھرذاناب میں بھی تخصیص ہو جائے گی کیونکہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ما اھرذاناب الا شر میں تو تخصیص ما اور الا کی

لتخصصه بما يتخصص به الفاعل لشبهه به اذ يستعمل في موضع ما اهر ذا ناب الا شر وما يتخصص به الفاعل قبل ذكره هو صحة كونه محكوما عليه بما اسند اليه فانك اذا قلت قام علم منه ان ما يذكر بعده امر يصح ان يحكم عليه بالقيام فاذا قلت رجل فهو في قوة رجل موصوف بصحة الحكم عليه بالقيام واعلم ان المهر للكلب بالنباح المعتاد قد يكون خيراً كما اذا كان مجي حبيب مثلاً وقد يكون شراً كما اذا كان مجي عدو والمهر له بنباح غير معتاد يتشاأم به فيكون شرا لا خيرا فعلى الاول يصح القصر بالنسبة الى الخير فمعناه شر لا خير اهر ذا ناب وعلى الثاني لا يصح فيقدر وصف حتى يصح القصر فيكون المعنى شرٌ عظيم لا حقير اهر ذا ناب وهذا مثل يضرب لرجل قوى

وجہ سے پائی جاتی ہے کیونکہ ما اور الا سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور شر اہر ذا ناب میں ما اور الا نہیں ہے تو پھر اس میں تخصیص کیسے حاصل ہو سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شر اہر ذا ناب اصل میں اہر شر ذا ناب تھا اور شر اہر کی ضمیر ہو سے بدل ہے یعنی ہو ضمیر فاعل ہے اور شر اس سے بدل واقع ہے اور بدل فاعل حکمی ہوتا ہے اس کا درجہ فعل کے بعد ہوتا ہے تو جب اس کو فعل پر مقدم کر دیں گے تو تقدیم ما حقہ التاخیر سے تخصیص پیدا ہو جائے گی۔ حاصل یہ ہے کہ ما اہر ذا ناب الا شر اور شر اہر ذا ناب دونوں عبارتوں میں تخصیص ہے پہلی میں ما اور الا کی وجہ سے اور ثانی میں تقدیم ما حقہ التاخیر کی وجہ سے اور یہ دونوں طریقے تخصیص کے ہیں جیسا کہ فن میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

قولہ وما يتخصص به الفاعل الخ:۔ اس کی تقریر (۱۴) کے شروع میں گذر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فعل کے ذکر کرنے کے بعد جب فاعل ذکر کیا جائے گا تو اس سے معلوم ہوگا کہ یہی اسم ہے جس سے فاعل کا صدور ہوا ہے اس کا غیر نہیں مثلاً جب قام کہا تو اس سے اسکا علم ہو گیا کہ اس کے بعد جس کو ذکر کیا جائے گا اس کے اندر قیام کی صلاحیت ہے تو جب رجل کہا تو یہ عبارت اس درجہ کی ہوئی جیسے یہ کہا جائے قام رجل موصوف بصحۃ الحکم علیہ بالقیام یعنی ایسا آدمی کھڑا ہوا جس پر قیام کا حکم لگانا صحیح ہے۔

قولہ اعلم ان المهر الخ:۔ اس سے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ شر اہر ذا ناب میں فاعل جیسی تخصیص اس صورت میں ہے جب کتا معتاد آواز میں بھونکے اس حالت میں کتے کے بھونکنے کا سبب کبھی خیر ہوتا ہے جب کتا اپنے جانے پہچانے شخص کو دیکھ کر بھونکے اور کبھی بھونکنے کا سبب شر ہوتا ہے جب اجنبی کو دیکھ کر بھونکے تو اس صورت میں عبارت کا مطلب یہ ہوگا کتے کو شر نے بھونکایا ہے نہ کہ خیر نے تو اس میں شر کا اثبات ہے اور خیر کی نفی ہے اسی کو تخصیص کہتے ہیں۔ اور اگر کتا غیر معتاد آواز سے بھونکے تو اس کا سبب صرف شر ہوتا ہے خیر نہیں ہوتا لہذا اس صورت میں ایک کا اثبات ہے اور اس کے

ادرکہ العجز فی حادثۃ و مثل قولك فی الدار رجل لتخصصہ بتقدیم الخبر لانہ اذا قیل فی الدار علم ان ما یذکر بعدہ موصوف بصحۃ استقرارہ فی الدار فھو فی قوۃ التخصیص بالصفۃ و مثل قولك سلام علیك لتخصصہ بالنسبۃ الی المتکلم إذ اصلہ سلمت سلاما علیك فحذف الفعل وعدل الی الرفع لقصد الدوام والاستمرار فکانہ قال سلامی ای سلام من قبلی علیك

---

غیر کی نفی نہیں ہوسکتی کیونکہ شر کے علاوہ خیر کا احتمال ہی نہیں تو پھر خیر کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے اس لئے اس صورت میں تخصیص کے لئے یا تو یہ کیا جائے کہ یہاں صفت محذوف ہے اصل میں شر عظیم اہر ذاناب ہے صفت کو حذف کر دیا گیا ہے یا یہ کہا جائے کہ شر میں تنوین تعظیم کیلئے ہے دونوں کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تخصیص صفت کی وجہ سے ہے یہ ایک مثل ہے اس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کوئی بہت بہادر شخص کسی معاملہ میں پریشان ہو جائے اور اس کا حل سمجھ میں نہ آرہا ہو۔ (۵) خبر کے مقدم ہونے کی وجہ سے تخصیص ہو جیسے فی الدار رجل اس کی تقدیر رجل موصوف بصحۃ استقرارہ فی الدار ہے اس کا درجہ تخصیص بالصفۃ جیسا ہے جس طرح صفت کی وجہ سے تخصیص ہوتی ہے اس میں بھی اسی طرح کی تخصیص ہے یہ شارح کی تقریر کا حاصل ہے۔ تخصیص کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خبر کا درجہ مبتدا سے موخر ہوتا ہے توجب اس کو مقدم کر دیں گے تو تقدیم ما حقہ التاخیر سے تخصیص پیدا ہوجائیگی

فائدہ :- خبر کے مقدم ہونے کی وجہ سے جو تخصیص ہوتی ہے وہ اسوقت ہے جب خبر ظرف ہو جیسا کہ مثال مذکور میں ہے ورنہ تخصیص نہ ہوگی چنانچہ قائم رجل میں تخصیص نہیں ہے۔ (۶) متکلم کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے تخصیص ہو جیسے سلام علیک اس میں سلام نکرہ ہے لیکن تخصیص کی وجہ سے مبتدا بننا صحیح ہو گیا اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یا متکلم کی طرف نسبت ہے اور یہ سلامی علیک کے معنی میں ہے اور یہ معرفہ ہے لہذا جو اس کے معنی میں ہوگا وہ بھی معرفہ ہوگا، رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ سلامی علیک کے معنی میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اصل سلمت سلاما علیک ہے اس میں سلاما مفعول مطلق ہے اور سلمت فعل کے ضمن میں جو سلام مصدر ہے اس کی تاکید واقع ہے توجس طرح موکَّد (اسم مفعول) متکلم کی طرف منسوب ہے اسی طرح موکِّد (اسم فاعل) بھی متکلم کی طرف منسوب ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام علیک سلامی علیک کے معنی میں ہے، اس کی دوسری تقریر اس طرح سمجھئے کہ اس کی اصل سلمت سلاما علیک ہے یہ جملہ فعلیہ ہے اس سے عدول کر کے جملہ اسمیہ کیا گیا، اس کی صورت یہ کی گئی کہ سلمت فعل کو حذف کیا گیا اور سلاما مصدر کے نصب کو رفع سے بدلا گیا کیونکہ اس کو مبتدا بنانا ہے اور مبتدا پر رفع آتا ہے اس طرح سے یہ سلام علیک ہوا جملہ اسمیہ

هذا هو المشهور فيما بين النحاة وقال بعض المحققين منهم مدار صحة الاخبار النكرة على الفائدة لا على ما ذكره من التخصيصات التي يحتاج في توجيهها تمها الى هذه التكلفات الركيكة الواهية فعلى هذا يجوز ان يقال كوكب انقض الساعة لحصول الفائدة ولا يجوز ان يقال رجل قائم لعدمه وهذا القول اقرب الى الصواب ولما كان الخبر المعرف فيما سبق مختصا بالمفرد لكونه قسما من الاسم فلم يكن الجملة داخلة فيه اراد ان يشير الى ان خبر المبتداء قد يقع جملة ايضا فقال والخبر قد يكون جملة اسمية مثل زيد ابوه قائم وفعلية مثل زيدٌ قام ابوه ولم يذكر الظرفية لانها

---

کی طرف عدول کی وجہ یہ پیش آئی ہے کہ سلام علیک جملہ دعائیہ ہے اور دعاء کے لئے استمرار مناسب ہے اور استمرار پر جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے نہ کہ فعلیہ۔

فائدہ:۔ ہر جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت نہیں کرتا بلکہ جس کو جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنایا جاتا ہے وہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ هذا هو المشهور الخ:۔ یعنی نکرہ بغیر تخصیص کے مبتداء نہیں واقع ہوتا یہ عام طور پر نحاۃ کے یہاں مشہور ہے بعض نحاۃ کے نزدیک تخصیص معیار نہیں بلکہ دار و مدار افادہ پر ہے اگر نکرہ مخصصہ نہ ہو اور مخاطب کو اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہو تو بغیر تخصیص کے اس کو مبتداء بنا سکتے ہیں، جیسے کوکب انقض الساعة چونکہ ہر شخص کو ستارہ ٹوٹنے کا علم نہیں ہوتا اس لئے ہو سکتا ہے مخاطب کو اس کا علم نہ ہو اور متکلم کے کہنے سے علم ہوا ہو اس لئے اس کا مبتداء بنا صحیح ہے اور رجل قائم میں رجل کا مبتداء بنا صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا علم تو ہر شخص کو ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی دنیا میں کھڑا ہوگا مخاطب کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

قولہ وهذا القول اقرب:۔ شارح کو بعض محققین کی رائے پسند ہے اس عبارت سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں اور پسند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تخصیصات مذکورہ میں کتنے تکلفات اختیار کرنے پڑتے ہیں اس کا مشاہدہ آپ نے کر لیا اور بعض محققین کا معیار ان تکلفات سے پاک ہے

قولہ ولما كان الخبر المعرف الخ:۔ یہ تمہید ہے مصنف کے قول والخبر قد یکون جملة الخ اس عبارت میں یہ بیان کیا ہے کہ خبر کی تعریف ہے الاسم المجرد عن العوامل اللفظية المسند به المغاير للصفة المذكورة۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر اسم کی قسم ہے اور اسم مفرد ہوتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ خبر ہمیشہ مفرد ہو جملہ نہ ہو اسلئے مصنفؒ نے والخبر قد یکون جملةً لا کر بیان کیا کہ خبر کبھی کبھی جملہ بھی ہوتی ہے خواہ جملہ اسمیہ ہو جیسے زید ابوہ قائم یا جملہ فعلیہ ہو جیسے زید قام ابوہ جملہ ظرفیہ کو اس لئے نہیں ذکر کیا کہ

راجعة الى الفعلية واذا كان الخبر جملة والجملة مستقلة بنفسها لا تقتضى الارتباط بغيرها فلابد فى الجملة الواقعة خبرًا عن المبتدا من عائد يربطها به وذلك العائد اما ضمير كما فى المثالين المذكورين او غيره كاللام فى نعم الرجل زيدٌ او وضع المظهر موضع المضمر نحو الحاقة ما الحاقة او كون الخبر تفسيرا للمبتدا نحو قل هو الله احد وقد يحذف العائد اذا كان ضميرا لقيام قرينة نحو البر الكر بستين درهمًا والسمن منوان بدرهم اى الكر منه ومنوان منه بقرينة ان بائع البر والسمن لا يسعّر غيرهما

---

اس کا عامل فعل نکالا جاتا ہے اس لئے وہ جملہ فعلیہ میں داخل ہے اسی طرح جملہ شرطیہ بھی چونکہ اپنی جزاء کے تابع ہوتا ہے اور جزاء کبھی جملہ فعلیہ ہوتی ہے اور کبھی اسمیہ اس لئے جملہ شرطیہ بھی ان دونوں جملوں میں داخل ہے۔

قولہ فلابد من عائد :۔ خبر جب جملہ واقع ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جملہ مستقل ہوتا ہے وہ ماقبل کا محتاج نہیں ہوتا اور خبر کا مبتداء سے ربط ہوتا ہے اس لئے جملہ ہونے کی صورت میں کوئی رابط ہونا چاہئے جس سے خبر کا مبتداء کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے اسی رابط کو عائد کہتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں (۱) ضمیر جو مبتداء کی طرف راجع ہو جیسے دو مذکورہ مثالوں میں ابوہ کی ضمیر زید مبتداء کی طرف راجع ہے۔ (۲) لام جیسے نعم الرجل زید میں اس میں زید مبتداء موخر ہے اور نعم الرجل خبر مقدم ہے اس میں الرجل پر جو الف لام ہے اس کی وجہ سے نعم الرجل کا ربط زید سے پیدا ہو گیا کیونکہ یہ الف ولام عہد کا ہے جس سے خاص مرد کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہاں زید ہے۔ (۳) وضع المظہر موضع المضمر اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لانا جیسے الحاقۃ ما الحاقۃ اس کی اصل الحاقۃ ما ہی ہے ہی ضمیر الحاقۃ مبتداء کی طرف راجع ہے اس کو ہٹا کر الحاقۃ اسم ظاہر رکھ دیا اس سے بھی مبتداء سے ربط پیدا ہو گیا (۴) کون الخبر تفسیرا للمبتداء خبر کا مبتداء کی تفسیر واقع ہونا جیسے قل ہو اللہ احد اس میں ضمیر ہو مبتداء ہے اور اللہ احد خبر ہے جو ہو مبتداء کی تفسیر ہے مفسَّر اور تفسیر کے درمیان ربط ہوتا ہے۔

قولہ وقد یحذف :۔ یعنی مبتداء اور خبر کے درمیان جو رابط ہوتا ہے اگر قرینہ پایا جائے تو اس کو حذف کر دیتے ہیں لیکن ہر رابط کو حذف نہیں کرتے صرف ضمیر کو حذف کرتے ہیں جیسے البر الکر بستین درہما ایک کر گندم ساٹھ درہم کا السمن منوان بدرہم دو من (دو سیر گھی) ایک درہم کا ان دونوں مثالوں میں البر اور السمن مبتداء ہیں ان کا مابعد ان کی خبر ہے جس میں منہ رابط ہے جو الکر اور منوان کے بعد تھا اس کو قرینہ کی وجہ سے حذف کر دیا اور قرینہ یہ ہے کہ گندم اور گھی کا

وما وقع ظرفا ای الخبر الذی وقع ظرف زمان او مکان او جارا و مجرورا فالاکثر من النحاۃ وھم البصریون علی انہ ای الخبر الواقع ظرفا مقدر ای مؤول بجملۃ بتقدیر الفعل فیہ لانہ اذا قدر فیہ الفعل یصیر جملۃ بخلاف ما اذا قدر فیہ اسم الفاعل کما ھو مذھب الاقل وھم الکوفیون فانہ یصیر حینئذ مفردا ووجہ الاکثر ان الظرف لابد لہ من متعلق عامل فیہ الاصل فی العمل ھو الفعل فاذا وجب التقدیر فالاصل اولی ووجہ الاقل انہ خبر والاصل فی الخبر الافراد ثم ان الاصل فی المبتدا التقدیم وجاز تاخیرہ لکنہ قد یجب لعارض کما اشار الیہ بقولہ واذا کان المبتدا او مشتملا علی مالہ صدر الکلام ای علی معنی وجب لہ صدر الکلام کالاستفہام فانہ یجب حینئذ تقدیمہ حفظا لصدارتہ مثل من ابوک فان من مبتدا او مشتمل علی مالہ

بیچنے والا فروخت کرتے وقت انھیں کا نرخ بتائے گا کسی دوسری چیز کا نہ بیان کرے گا۔ من کے معنی اردو میں سیر کے ہیں اور کُرٌ ایک پیمانہ ہے جو بارہ وسق کا ہوتا ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا اور ایک صاع ہمارے دیار میں تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے۔

قولہ وما وقع ظرفا الخ:۔ یعنی خبر اگر ظرف زمان ہو یا مکان یا جار مجرور تو اکثر نحاۃ یعنی بصریین کا مذہب یہ ہے کہ اس کو جملہ کے ساتھ مؤول کیا جائے گا یعنی ایسی خبر کا عامل فعل نکالا جائے گا کیونکہ فعل ہی کے مقدر ماننے کی صورت میں یہ خبر جملہ بن سکتی ہے، بصریین کی دلیل یہ ہے کہ عمل میں فعل اصل ہے تو جب عامل کو مقدر ماننا ہے تو جو اصل ہے اس کو مقدر مانا جائے۔ کوفہ کے نحاۃ ایسی خبر میں اسم فاعل مقدر مانتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ خبر میں اصل یہ ہے کہ مفرد ہو اور یہ اسم فاعل کی تقدیر میں ہو سکتی ہے فعل کی تقدیر میں نہیں ثمرہ اختلاف زید فی الدار میں یہ ہوگا کہ بصریین کے نزدیک فی الدار کا عامل حَصَلَ فعل ہوگا اور کوفیین کے نزدیک حاصلٌ عامل نکالا جائے گا۔

قولہ واذا کان المبتدا او مشتملا الخ:۔ مبتدا کے اندر اصل تو یہ ہے کہ وہ مقدم ہو لیکن تاخیر بھی جائز ہے جیسا کہ اس سے پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے، اب بیان کر رہے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہوتا ہے تاخیر جائز نہیں اور کبھی موخر کرنا واجب ہوتا ہے تقدیم جائز نہیں پہلے تقدیم کے واجب ہونے کی صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ (۱) اذا کان المبتدا مشتملا الخ یعنی جب مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو (شروع میں آنا) چاہتا ہے تو اس صورت میں مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے تاکہ اس کی صدارت باقی رہے جیسے من ابوک میں من حرف استفہام ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ شروع کلام میں آئے اس لئے اس کو مقدم کیا ترکیب میں یہ مبتدا ہے اور ابوک

صدر الكلام وهو الاستفهام فان معناه اهذا ابوك ام ذاك وابوك خبره وهذا مذهب سيبويه وذهب بعض النحاة الى ان ابوك مبتداء لكونه معرفة ومن خبره الواجب تقديمه على المبتداء لتضمنه معنى الاستفهام او كانا اى المبتداء والخبر معرفتين متساويين فى التعريف او غير متساويين ولا قرينة على كون احدهما مبتداء والآخر خبرًا نحو زيد ن المنطلق

---

خبر ہے۔ یہاں اعتراض کیا جاتا ہے کہ من نکرہ ہے اس کا مبتدا ر بننا صحیح نہیں۔ فان معناہ سے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ اہذا ابوک ام ذاک کی تاویل میں ہے اور ہذا اسی ذاک یہ دونوں معرفہ ہیں لہذا لفظ من بھی معرفہ ہوگا، نکرہ نہ رہے گا اس لئے اس کا مبتدا بننا صحیح ہوگیا۔

قولہ وهذا مذهب سيبويه :۔ یعنی من کا مبتدار ہونا اور ابوک کا خبر ہونا سیبویہ کا مذہب ہے، بعض نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ ابوک مبتدار ہے کیونکہ اس میں کاف ضمیر کی طرف اضافت ہے اور ضمیر معرفہ ہے اور جو معرفہ کی طرف مضاف ہو وہ بھی معرفہ ہوتا ہے اس لئے اس کا معرفہ ہونا مناسب ہے اور من نکرہ ہونے کی وجہ سے خبر ہے یہ مذہب جمہور نحاۃ کا ہے لیکن ضعیف ہونے کی وجہ سے شارح نے اس کو بعض النحاة سے تعبیر کیا ہے۔

قولہ او كانا معرفتين الخ :۔ جب مبتدار اور خبر دونوں معرفہ ہوں خواہ معرفہ ہونے میں دونوں مساوی ہوں یا دونوں میں مساوات نہ ہو بلکہ تفاوت ہو اور ان میں سے ایک کے معرفہ ہونے اور دوسرے کے خبر ہونے پر قرینہ ہو تو مبتدار کا مقدم کرنا واجب ہے اگر ایسا نہیں کرتے اور یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ جس کو چاہے مبتدار بنایا جاتے اور جس کو چاہے خبر تو اس میں مبتدار اور خبر کے درمیان التباس لازم آئے گا یہ نہ پتہ چلے گا کہ ان میں کس کو مبتدار کہا جائے اور کس کو خبر۔ ولا قرينة اس سے معلوم ہوا کہ مبتدار اور خبر اگر دونوں معرفہ ہوں اور قرینہ سے مبتدار کا مبتدار ہونا اور خبر کا خبر ہونا معلوم ہوجائے تو پھر مبتدار کا مقدم کرنا واجب نہیں کیونکہ التباس کا اندیشہ نہیں ہے جیسے بنونا بنو ابنائنا اس مثال میں مبتدار اور خبر دونوں معرفہ ہیں پھر بھی مبتدار یعنی بنو ابنائنا کو مقدم نہیں کیا گیا بلکہ وہ موخر ہے اور بنونا خبر مقدم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ از روئے عقل ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہاں اپنے بیٹوں کے بیٹوں (یعنی پوتوں کو اپنا بیٹا کہا جاتا ہے، بیٹوں کو پوتا نہیں کہا جاتا اس لئے بنو ابنائنا اگرچہ موخر ہے لیکن مبتدار اسی کو قرار دیا جائے گا۔

قولہ نحو زيد ن المنطلق :۔ یہ اس کی مثال ہے کہ اس میں دونوں اسم معرفہ ہیں اور قرینہ موجود نہیں جس سے ایک کا مبتدار ہونا اور دوسرے کا خبر ہونا معلوم ہوجاتے اس لئے متعین کرنا پڑا کہ جو مقدم ہے وہی مبتدار ہے اور اس کی تقدیم واجب ہوگئی۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس

او کانا متساویین فی اصل التخصیص لا فی قدرہ حتی لو قیل غلام رجل صالح خیر منک لوجب تقدیمہ ایضا مثل افضل منی افضل منک رفعا للاشتباہ

---

مثال میں کوئی قرینہ نہیں ہے جس سے مبتدا اور خبر کا علم ہو جائے بلکہ اس میں قرینہ موجود ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جو ذات ہے اس کو مبتدا بنایا جاتا ہے اور وصف کو خبر بنایا جاتا ہے اور مثال مذکور میں زید ذات ہے اور المنطلق وصف ہے اس لئے زید کو مبتدا بنایا جائے گا خواہ مقدم ہو یا موخر اور المنطلق کو خبر بنایا جائے گا خواہ مقدم ہو یا موخر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زید اگرچہ ذات ہے لیکن المسمی بزید کی تاویل ہو کر اس کو وصف بنایا جا سکتا ہے اور المنطلق اگرچہ وصف ہے لیکن اس پر الف لام موصول بمعنی الذی ہے اور موصول اپنے صلہ سے مل کر ذات بن جاتا ہے جب ان میں سے ہر ایک کے اندر ذات اور وصف دونوں کا احتمال ہے تو پھر ہر ایک مبتدا بھی بن سکتا ہے اور خبر بھی معلوم ہوا کہ معترض کا یہ کہنا کہ یہاں قرینہ موجود ہے لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق نہ ہوئی۔ یہ صحیح نہیں، کیونکہ ہمارے تفصیلی بیان سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس مثال میں کوئی قرینہ نہیں ہے جس سے کسی ایک کا مبتدا ہونا اور دوسرے کا خبر ہونا معلوم ہو جائے اس لئے یہ طے کرنا پڑا کہ جو مقدم ہے اس کو مبتدا بنایا جائے اور یہ تقدیم التباس سے بچنے کے لئے واجب ہو گئی۔

قولہ او کانا متساویین :۔ یہ تیسرا موقع ہے جس میں مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں نکرہ مختصہ ہوں اور دونوں نفس تخصیص میں مساوی ہوں خواہ مقدار تخصیص میں تفاوت ہو تو اس صورت میں مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے جیسے افضل منک افضل منی (جو تجھ سے افضل ہے وہ مجھ سے بھی افضل ہے)، اس مثال میں مبتدا اور خبر تخصیص میں مساوی ہیں اگرچہ مقدار تخصیص میں افضل منی زیادہ ہے کیونکہ متکلم کی ضمیر بہ نسبت مخاطب کی ضمیر کے تعریف میں بڑھی ہوئی ہے۔

قولہ حتی لو قیل غلام رجل صالح خیر منک الخ :۔ اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ مبتدا اور خبر اگر تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے تقدیم کے واجب ہونے کے لئے مقدار تخصیص میں مساوات ضروری نہیں اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ غلام رجل صالح خیر منک میں غلام رجل مبتدا ہے اور خیر منک خبر ہے، یہ دونوں تخصیص میں مساوی ہیں اگرچہ مقدار تخصیص غلام میں زیادہ ہے کیونکہ اس کی اضافت نکرہ مختصہ کی طرف ہے اور خیر میں یہ بات نہیں۔ لیکن مقدار تخصیص میں زیادتی کی وجہ سے اس کو یہ حق نہیں ہو گیا کہ اس کو مبتدا ہر حال میں بنایا جائے خواہ وہ موخر ہو یا مقدم ہو بلکہ یہ جس طرح مبتدا بن سکتا ہے خبر بھی ہو سکتا ہے اسی طرح خیر منک مبتدا

وکان الخبر فعلا لہ ای للمبتداء احترازعما لایکون فعلا لہ کما فی قولک زید قام ابوہ فانہ لایجب فیہ تقدیم المبتداء لجواز قام ابوہ زید لعدم الالتباس مثل زید قام وجب تقدیمہ ای تقدیم المبتداء علی الخبر فی ہذہ الصور اما فی الصور الاول فلما ذکرناہ واما فی الصورۃ الاخیرۃ فلئلا یلتبس المبتداء بالفاعل اذا کان الفعل مفرداً مثل زید قام فانہ اذا قیل قام زید التبس المبتداء بالفاعل وبالبدل عن الفاعل اذا کان مثنی او

---

اور دونوں ہوسکتا ہے، معلوم ہوا کہ غلام رجل کہ مبتداء بنانے میں مقدار تخصیص میں زیادتی کو دخل نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ غلام رجل اور خیر منک چونکہ دونوں تخصیص میں مساوی ہیں اس لئے ہر ایک مبتدا بھی ہوسکتا ہے اور خبر بھی اگر ان کو اسی حال میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی ایک کو متعین کرکے مبتداء بنا کر اس کی تقدیم کو واجب نہیں قرار دیا جاتا تو التباس بین المبتداء والخبر لازم آئے گا جس کو کئی بار بیان کیا جاچکا ہے اس لئے ان میں سے کسی ایک کو تو مبتداء کے لئے متعین کرنا ہی ہے مثال مذکور میں غلام رجل کو متعین کیا گیا اس لئے اس کو مبتداء قرار دیں گے اور التباس سے بچنے کے لئے تقدیم کو واجب کہا جائے گا اگر خیر کو مبتداء بنایا جاتا تو اس کی تقدیم واجب ہوتی اور غلام رجل صالح کو باوجود زیادتی تخصیص کے خبر بنایا جاتا تو اس کی تاخیر واجب ہوتی ایسا نہیں ہے کہ اس میں زیادتی تخصیص کی وجہ سے مؤخر ہونے کی صورت میں بھی مبتداء ہی بناتے۔

قولہ اوکان الخبر فعلا لہ :- یہ چوتھا مقام ہے جہاں مبتداء کی تقدیم واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خبر مبتداء کا فعل ہو یعنی خبر ایسا کام ہو جو مبتداء سے وجود میں آیا ہو تو ایسی صورت میں مبتداء کا مقدم کرنا واجب ہے اگر مقدم نہیں کرتے تو اس کا التباس فاعل کے ساتھ لازم آئے گا جیسے زید قام اس میں قام خبر ہے اور قیام کا وجود زید سے ہوا ہے اس میں اگر زید مبتداء کو موخر کیا جائے اور قام جو خبر ہے اس کو مقدم کیا جائے اور قام زید کہا جائے تو پتہ نہ چلے گا کہ زید فاعل ہے یا مبتداء اس لئے التباس سے بچنے کے لئے یہاں بھی مبتداء کی تقدیم واجب ہوگی۔ جاننا چاہئے کہ مبتداء کا التباس فاعل کے ساتھ اس وقت ہوگا جب فعل مفرد ہو اگر فعل تثنیہ یا جمع ہو تو فاعل سے التباس لازم نہ آئے گا بلکہ فاعل کے بدل کے ساتھ لازم آئیگا مثلاً الزیدان قاما، الزیدون قاموا میں مبتداء کو موخر کردیں اور خبر کو مقدم کردیں اور قاما الزیدان قاموا الزیدون کہیں تو پتہ نہ چلے گا کہ زیدان اور زیدون مبتداء ہیں یا قاما کی ضمیر ھما اور قاموا کی ضمیر ھم سے بدل ہیں تو ان مثالوں میں فاعل کے ساتھ التباس مبتداء کا نہیں فاعل کے بدل کے ساتھ ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ فعل میں تثنیہ اور جمع کی جو علامت ہے یعنی تثنیہ میں الف اور جمع میں واو وہ اس لئے ہے کہ اس سے معلوم ہوجائے کہ ان کے بعد جو اسم ظاہر ان کا فاعل آرہا ہے وہ تثنیہ یا جمع ہے تو ان حضرات کے نزدیک فعل کے تثنیہ اور جمع کی صورت میں بھی فاعل ہی کے ساتھ التباس لازم آئیگا

مجموعًا فانہ اذا قیل فی مثل الزیدان قاما و الزیدون قاموا قاما الزیدان وقاموا الزیدون یحتمل ان یکون الزیدان والزیدون بدلاً عن الفاعل فالتبس المبتداء بہ او بالفاعل علی ھذا التقدیر ایضا علی قول من یجوز کون الالف والواو حرفا دالا علی تثنیۃ الفاعل وجمعہ کالتاء فی ضربت ھند واذا تضمن الخبر المفرد ای الذی لیس بجملۃ صورۃ سواء کان بحسب الحقیقۃ جملۃ او غیر جملۃ مالہ صدر الکلام ای معنی وجب لہ صدر الکلام کالاستفہام مثل این زید فزید مبتداء واین اسم متضمن للاستفہام خبرہ وھو ظرف فان قدر بفعل کان الخبر جملۃ حقیقۃ مفردًا صورۃً وان قدر باسم الفاعل کان الخبر مفردًا صورۃً وحقیقۃ

---

کیونکہ اسم ظاہر خود ان کا فاعل ہے ان کے فاعل سے بدل نہیں ۔

قولہ و اذا تضمن الخبر المفرد الخ :۔ اس سے قبل وہ مقامات بیان کئے گئے تھے جہاں مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے اور وہ چار تھے، اب ان مقامات کو بیان کیا جا رہا ہے جہاں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے اور وہ بھی چار ہیں ۔ (۱) اذا تضمن الخبر المفرد مالہ صدر الکلام ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خبر مفرد ایسی شئی کو متضمن ہو جس کے لئے صدارت کلام یعنی شروع میں آنا ضروری ہو تو اس وقت خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے این زید اس میں این استفہام کیلئے ہے جس کا شروع میں آنا ضروری ہے اس لئے اس کی صدارت کو باقی رکھنے کے لئے باوجود خبر ہونے کے مقدم کرنا واجب ہے تاخیر کی صورت میں صدارت باقی نہ رہے گی ۔

قولہ الذی لیس بجملۃ الخ :۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے ۔ اعتراض یہ ہے کہ تم نے کہا ہے کہ خبر مفرد اگر مالہ صدر الکلام کو متضمن ہو تو اس کی تقدیم واجب ہے اور اس کی مثال بیان کی ہے این زید اس میں ہمارا اعتراض یہ ہے کہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ این خبر تو ہے لیکن مفرد نہیں اس لئے کہ ابھی اس سے کچھ پہلے یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خبر ظرف ہو اس کو جملہ کے ساتھ مقدر کیا جاتا ہے یعنی اس کا عامل فعل نکالا جائے تو جب این کا عامل فعل ہے اور وہ اس کی وجہ سے جملہ کی تقدیر میں ہے اور مفرد نہیں ہے تو اس کو اس قاعدہ مذکورہ کی مثال بنانا صحیح نہ ہوگا شارح اپنی اس عبارت سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ مفرد سے یہ مراد ہے کہ صورت کے اعتبار سے جملہ نہ ہو خواہ حقیقۃً جملہ ہو جیسا کہ بصریین کا مذہب ہے کہ وہ ظرف کا عامل فعل نکال کر اس کو جملہ کہتے ہیں یا حقیقۃً بھی جملہ نہ ہو جس طرح صورۃً جملہ نہیں ہے جیسا کہ کوفیین کا مذہب ہے کہ وہ ظرف کا عامل اسم فاعل نکالتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل واقع ظرفًا کے تحت گذر چکی ہے بہر حال ان

وعلى التقديرين ليس بجملة صورة واحترز به عن نحو زيد اين ابوه اذ لا تبطل بتاخيره صدارة ماله صدر الكلام لتصدره في جملته او كان الخبر بتقديمه مصححا له اى للمبتداء من حيث انه مبتداء فبتقديمه يصح وقوعه مبتداء مثل في الدار رجل فان في الدار خبر تخصص المبتداء بتقديمه كما عرفت فلو اخر بقي المبتداء نكرة غير مخصوصة او كان لمتعلقه بكسر اللام اى كان لمتعلق الخبر التابع له بتبعية يمتنع

---

دو مذہبوں میں سے کسی پر بھی عمل کیا جائے این کے بارے میں دونوں ہی متفق ہیں کہ صورت کے اعتبار سے جملہ نہیں ہے ۔

قولہ واحترز به عن نحو زيد اين ابوه الخ :- مصنفؒ نے خبر کو مفرد کے ساتھ مقید کیا تھا اس قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر ماله صدر الكلام کو متضمن تو ہو لیکن مفرد نہ ہو تو پھر اس کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں جیسے زید این ابوہ اس میں زید مبتدا ہے اور این ابوہ خبر ہے اور باوجودیکہ وہ ماله صدر الكلام یعنی استفہام کو متضمن ہے پھر بھی مبتدا سے موخر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خبر کا مقام تو یہی ہے کہ مبتدا سے موخر ہو کسی عارض کی بناء پر اس کو مبتدا سے مقدم کر دیا جاتا ہے یہاں وہ عارض نہیں ہے کیونکہ جس جملہ میں این ہے اس کے شروع میں ہے تو جب اس کی صدارت پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تو خواہ مخواہ اپنے مقام سے ہٹا کر مبتدا پر مقدم کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔

قولہ او كان الخبر بتقديمه مصححا له الخ :- یہ دوسرا موقع ہے جہاں خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خبر ایسی ہے کہ اگر اس کو مقدم نہ کیا جائے تو مبتدا کا مبتدا بننا صحیح نہ ہو جیسے في الدار رجل اس میں رجل نکرہ ہے اور مبتدا ہے اور نکرہ محضہ کا مبتدا بننا صحیح نہیں اس میں تخصیص کی ضرورت ہے اس لئے في الدار کو جو خبر ہے مقدم کر دیا گیا تاکہ تقدیم ما حقه التاخير سے رجل میں تخصیص پیدا ہو جائے اس کی تفصیل گذر چکی ہے ۔

قولہ او كان لمتعلقه ضمير في جانب المبتداء الخ :- یہ تیسرا موقع ہے جہاں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر مبتدا میں کوئی ضمیر ایسی ہو جو خبر کے متعلق کی طرف راجع ہو تو اس صورت میں خبر کا مبتدا پر مقدم واجب ہے ورنہ اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم آئے گا جیسے على التمرة مثلها زبدًا اس میں مثلها زبدًا مبتدا ہے اور على التمرة خبر ہے تمرة متعلق خبر ہے جس کی طرف مثلها کی ضمیر راجع ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تنہا تمرۃ کو علی سے علیحدہ کر کے مقدم کر دیں اس لئے على التمرة جو خبر ہے اس کو مقدم کرنا واجب ہوا تاکہ اضمار قبل الذکر نہ لازم آئے ۔

قولہ اى كان لمتعلق الخبر التابع له بتبعية الخ :- یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض

معہا تقدیمہ علی الخبر فلا یرد نحو علی اللہ عبدہ متوکل ضمیر کائن فی جانب المبتدا راجع الی ذلک المتعلق اذ لو اخر لزم الاضمار قبل الذکر لفظا ومعنی مثل علی التمرۃ مثلہا زبدا فقولہ مثلہا ای مثل التمرۃ مبتدا وفیہ ضمیر لمتعلق الخبر وھو التمرۃ لان الخبر ھو قولہ علی التمرۃ والتمرۃ متعلق بہ مثل تعلق الجزء بالکل او کان الخبر خبرا عن ان المفتوحۃ الواقعۃ مع اسمہا وخبرہا المؤول بالمفرد مبتدا اذ فی تاخیرہ خوف لبس انّ المفتوحۃ بالمکسورۃ فی التلفظ لامکان الذھول عن الفتحۃ لخفائہا وفی الکتابۃ مثل عندی انک قائم وجب تقدیمہ ای تقدیم الخبر علی المبتدا فی جمیع ھذہ الصور لماذکرنا وقد یتعدد الخبر من غیر تعدد المخبر عنہ فیکون

یہ ہے کہ تم نے جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ خبر کے متعلق کے لئے اگر مبتدا میں ضمیر ہو گی تو خبر کا مقدم کرنا واجب ہے یہ قاعدہ علی اللہ عبدہ متوکل جیسی مثال سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ اس میں عبدہ مبتدا ہے اور متوکل خبر ہے۔ علی اللہ متوکل کے متعلق ہے اور عبدہ مبتدا میں ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے جو متوکل خبر کے متعلقات میں سے ہے پھر بھی خبر مقدم نہیں ہے۔ شارح اس عبارت سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ متعلقِ خبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا تابع ہو کہ اپنے تابع ہونے کی حالت میں خبر پر مقدم نہ ہوسکتا ہو اس وقت خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے ورنہ نہیں اور یہاں علی اللہ جار مجرور اگرچہ خبر کا متعلق اور تابع ہے لیکن خبر یعنی متوکل پر اس کو مقدم کرنا صحیح ہے کیونکہ ظرف اور جار مجرور میں ایسی وسعت ہے کہ عامل پر مقدم ہو جائے تو جب اس کی تقدیم خبر پر جائز ہے تو صرف اتنے حصہ کو مبتدا پر مقدم کر دیں گے پوری خبر کو مقدم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

قولہ او کان خبرا عن ان الخ:۔ یہ چوتھا موقع ہے جہاں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انّ مفتوحہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا اور اس کی کوئی خبر ہو تو اس صورت میں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے جیسے عندی انک قائم اس میں انّ اپنے اسم وخبر سے مل کر مبتدا مؤخر اور عندی اپنے عامل سے مل کر خبر مقدم ہے اگر اس کو مؤخر کر دیں تو عبارت ہو گی انک قائم عندی اس میں انک کے شروع میں آنے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس کو انّ بالکسر سمجھ لے لہذا التباس سے بچنے کے لئے اس کا مؤخر ہونا اور خبر کا مقدم ہونا ضروری ہے اگر تلفظ میں کوئی رعایت کر دے اور اس کو اَنّ بالفتح پڑھے تو کتابت میں جو التباس ہو گا اس کا تحفظ نہیں ہوسکتا اس لئے بہرحال خبر کی تقدیم ضروری ہے۔

قولہ وقد یتعدد الخبر الخ:۔ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبتدا تو ایک ہی رہتا ہے اور اس کی خبریں متعدد ہوتی ہیں خواہ دو ہوں یا اس سے زاید اور یہ تعدد کبھی لفظ

اثنين فصاعدا و ذلك التعدد اما بحسب اللفظ و المعنى جميعًا و يستعمل ذلك على وجهين بالعطف مثل زيد عالم و عاقل و بغير العطف مثل زيد عالم عاقل و اما بحسب اللفظ فقط نحو هذا حلو حامض فانهما في الحقيقة خبر واحد اى مز و في هذه الصورة ترك العطف اولى و نظر بعض النحاة الى صورة التعدد وجوز العطف و لايبعد ان يقال مراد المصنف بتعدد الخبر ما يكون بغير عاطف لان التعدد بالعاطف لاخفاء به لا في الخبر و لا في المبتداء و لا في غيرهما و ايضا المتعدد بالعطف ليس بخبر بل هو من توابعه و لهذا اورد في المثال الخبر المتعدد بغير عاطف و لو جعل التعدد اعم

---

اور معنی دونوں اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی لفظ کے اعتبار سے تو تعدد ہوتا ہے معنی کے اعتبار سے نہیں ہوتا، جو تعدد لفظا اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں کبھی ان کے درمیان حرف عطف آتا ہے جیسے زید عالم و عاقل اور کبھی حرف عطف نہیں آتا جیسے زید عالم، عاقل اور جہاں تعدد صرف لفظ کے اعتبار سے ہو معنی کے اعتبار سے نہ ہو تو اس صورت میں حرف عطف نہ لانا بہتر ہے کیونکہ حقیقت میں تعدد ہی نہیں صرف لفظی تعدد ہے جیسے ہذا حلو حامض، حلو حامض کے معنی کھٹ مٹھا ہے ان دونوں کے معنی علیحدہ علیحدہ مقصود نہیں بلکہ دونوں کو ملاکر معنی واحد مراد ہے بعض نحویوں نے صورت کے اعتبار سے تعدد کو دیکھ کر عطف بھی جائز رکھا ہے ان کے نزدیک حلو و حامض کہنا درست ہے۔

قولہ و لایبعد ان یقال الخ:۔ یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ تعدد جب لفظا اور معنی دونوں اعتبار سے ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں عطف کے ساتھ اور بغیر عطف کے تو مصنفؒ نے صرف بغیر عطف والی مثال کیوں بیان کی ہے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مصنف کا مقصود یہاں اس تعدد کو بیان کرنا ہے جو بغیر عاطف کے ہو اس لئے صرف اسی کی مثال پر اکتفاء کیا اور جو تعدد عطف کے ساتھ ہوتا ہے اس میں کوئی خفاء نہیں تو بیان کرنے کی کیا ضرورت ایسا تعدد تو مبتدا اور خبر دونوں میں ہوتا ہے البتہ جو تعدد بغیر عطف کے ہو وہ مبتدا میں نہیں ہوتا اس لئے وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ تعدد خبر میں بھی نہ ہوتا ہوگا تو مصنفؒ نے اس وہم کو دور کردیا کہ ایسا نہیں بلکہ تعدد بغیر عطف کے خبر میں ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس خبر میں تعدد عطف کے ساتھ ہو وہ در اصل خبر میں تعدد نہیں خبر تو صرف معطوف علیہ ہے باقی اس پر معطوف اور تابع ہیں۔ اور اگر تعدد کو عام رکھا جائے اور ہر قسم کا تعدد مراد لیا جائے خواہ بالعطف ہو یا بغیر عطف کے تو مصنف کا تعدد بغیر عطف کی مثال پر اکتفاء کرنا اس وجہ سے ہے کہ اس میں خفاء تھا

فالاقتصار علیہ لذلك وقد يتضمن المبتداء معنى الشرط وهو سببية الاول للثاني او للحكم به فلا يرد عليه نحو وما بكم من نعمة فمن الله فيشبه المبتداء الشرط في سببيته للخبر كسببية الشرط للجزاء فيصح دخول الفاء في الخبر ويصح عدم دخوله فيه نظرا الى مجرد تضمن المبتداء معنى الشرط واما اذا قصد الدلالة على ذلك المعنى في اللفظ فيجب دخول الفاء فيه واما اذا لم تقصد فلم يجب دخوله فيه بل يجب

---

اس لئے اس کی مثال بیان کی اور جو تعدد عطف کے ساتھ ہوتا ہے اس میں خفاء نہیں اس لئے اس سے تعرض نہیں کیا۔

قولہ وقد يتضمن المبتدا معنى الشرط الخ:۔ اس سے پہلے مبتداء اور خبر کے علیحدہ علیحدہ احکام بیان کئے ہیں، اب دونوں کے مشترک احکام بیان کرتے ہیں کہ کبھی مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو اس وقت خبر جزاء کے مشابہ ہوگی اس لئے اس پر فاء کا داخل کرنا صحیح ہے۔

قولہ وهو سببية الاول للثاني الخ:۔ معنی شرط کا مطالب بیان کر رہے ہیں کہ شرط کے معنی سے یہ مراد ہے کہ اول ثانی کے وجود کے لئے سبب ہو یا ثانی کے ساتھ حکم لگانے کا سبب ہو شارح نے للحکم بالثانی لاکر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ ما بکم من نعمۃ فمن اللہ میں ما بکم من نعمۃ مبتدا ہے اور فمن اللہ خبر ہے تو یہاں شرط کے معنی یعنی اول کا سبب ہونا ثانی کے وجود کے لئے سبب نہیں کیونکہ اس مثال میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو نعمتیں بندوں کو پہنچتی ہیں وہ اللہ کی جانب سے نعمتوں کے صدور کا سبب ہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے کہ اللہ کی طرف سے نعمتوں کا صادر ہونا یہ سبب ہے بندوں تک نعمتوں کے پہنچنے کا۔ شارح نے اس عبارت سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ شرط کے معنی میں تعمیم ہے کہ اول ثانی کے وجود کے لئے سبب ہو یا ثانی کے ساتھ حکم لگانے کا سبب ہو اور مثال مذکور میں حکم لگانے کا سبب ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ بندوں تک نعمتوں کا پہنچنا یہ اس بات پر حکم لگانے کا سبب ہے کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔

قولہ واما اذا قصد الدلالة الخ:۔ اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت یصح دخول الفاء فی الخبر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہو تو فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں درست ہے حالانکہ ایسا نہیں اس واسطے کہ اگر مبتداء کی دلالت معنی سببیت پر مقصود ہو تو فاء کا لانا واجب ہے مقصود نہ ہو تو فاء کا نہ لانا واجب ہے بس یہی دو احتمال ہیں وجوب یا امتناع، یہ تیسرا احتمال جواز کا جو مصنف نے بیان کیا ہے کہ فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں جائز ہے یہ صحیح نہیں، اس عبارت سے شارح جواب دے رہے ہیں کہ جو مبتداء شرط کے معنی کو

علامہ وذلک المبتدا المتضمن معنی الشرط اما الاسم الموصول بفعل اوظرف ای الذی جعلت صلتہ جملۃ فعلیۃ اوظرفیۃ مؤولۃ بجملۃ فعلیۃ ھٰھنا بالاتفاق وانما اشترط ان تکون صلتہ فعلا اوظرفا مؤولا بالفعل لیتاکد مشابھۃ الشرط لان الشرط لایکون الافعلا وفی حکم الاسم الموصول المذکور الاسم الموصوف بہ

---

متضمن ہو، اس میں تین اعتبار ہیں (۱) مبتدار کی دلالت معنی سببیت پر مقصود ہو یہ بشرط شئی کا مرتبہ ہے یعنی شرط ہے کہ دلالت ہو اس وقت خبر پر فار کا لانا واجب ہے (۲) مبتدار کی دلالت معنی سببیت پر مقصود نہ ہو، یہ مرتبہ بشرط لاشئی کا ہے یعنی شرط ہے کہ دلالت مقصود نہ ہو اس میں فار کا نہ لانا واجب ہے (۳) دلالت اور عدم دلالت میں سے کوئی بھی مقصود نہ ہو، یہ مرتبہ لابشرط شئی کا ہے اس میں فار کا لانا اور نہ لانا دونوں درست ہے مصنف نے اسی مرتبہ کا لحاظ کرکے یصح کہا ہے ۔

قولہ وذلک الاسم الموصول الخ:۔ یہاں سے مبتدار کے وہ اقسام بیان کررہے ہیں جو شرط کے معنی کو متضمن ہوتے ہیں اوران کی خبر پر فار آتی ہے یہ پہلی قسم ہے اس کا مطلب یہ ہے مبتدار اسم موصول ہو اوراس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو یا جملہ ظرفیہ ہو جس کی تاویل جملہ فعلیہ کے ساتھ ہو، اول کی مثال الذی یاتینی فلہ درہم اس میں صلہ جملہ فعلیہ ہے جملہ ظرفیہ کی مثال الذی فی الدار فلہ درہم ہے اس میں فی الدار کا عامل فعل نکالا جائے گا مثلا استقر وغیرہ اس میں نحاۃ بصرہ اور کوفہ دونوں متفق ہیں کہ ایسے موقع میں فعل ہی عامل نکالا جائے اختلاف خبر کی صورت میں ہے ۔فی الدار اپنے عامل سے مل کر اسم موصول کا صلہ ہے ان دونوں مثالوں میں مبتدار شرط کے معنی کو متضمن ہے اس لئے اس کی خبر فلہ درہم میں فار لائی گئی کیونکہ خبر جزار کے معنی کو متضمن ہے ۔

قولہ وانما اشترط ان تکون الخ:۔ مصنف نے یہ شرط لگائی ہے کہ جو اسم موصول شرط کے معنی کو متضمن ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا صلہ فعل ہو اور اگر ظرف ہو تو اس کا عامل فعل ہونا ضروری ہے (مؤول بالفعل کا یہی مطلب ہے) شارح اس کی وجہ بیان کررہے ہیں کہ یہ شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مبتدار کی مشابہت شرط کے ساتھ موکد ہوجائے اس لئے کہ شرط ہمیشہ فعل ہوا کرتی ہے

قولہ وفی حکم الاسم الموصول الخ:۔ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح اسم موصول مذکور کی خبر میں فار آتی ہے اسی کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جس کی صفت یہ اسم موصول مذکور ہو اس کی مثال اللہ پاک کا قول ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ہے اس میں الذی تفرون منہ موصول، صلہ مل کر الموت کی صفت ہے موصوف صفت سے مل کر ان کا اسم ہے جو ان کے داخل ہونے سے پہلے مبتدار تھا جتنے عوامل اسم اور خبر کا تقاضا کرتے ہیں وہ اسم اور خبر عوامل کے داخل

او النکرۃ الموصوفۃ بھما ای باحدھما و فی حکمھا الاسم المضاف الیھا مثل الذی یاتینی ھذا امثال للاسم الموصول بفعل او الذی فی الدار ھذا امثال للاسم الموصول بظرف فلہ درھم اما مثال الاسم الموصوف بالاسم الموصول المذکور فقولہ تعالیٰ قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم و مثل کل رجل یاتینی ھذا امثال للاسم الموصوف بفعل او کل رجل فی الدار ھذا امثال للاسم الموصوف بظرف فلہ درھم و اما مثال الاسم المضاف الی النکرۃ الموصوفۃ باحدھما فقولک کل غلام رجل یاتینی او فی الدار فلہ درھم و لیت و لعل من الحروف المشبھۃ بالفعل اذا دخلا علی المبتدا الذی یصح دخول الفاء علی خبرہ مانعان عن دخولہ علیہ

ہونے سے قبل مبتدا اور خبر تھے اس واسطے ان کے ساتھ معاملہ مبتدا اور خبر جیسا کیا جاتا ہے۔

قولہ او النکرۃ الموصوفۃ بھما :۔ یہ دوسرا موقع ہے جس میں مبتدا متضمن معنی شرط کی خبر پر فاء آتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نکرہ کی صفت جملہ فعلیہ یا ظرفیہ ہو اور موصوف صفت سے مل کر اس کو مبتدا بنایا جائے تو اس کی خبر میں فاء آتی ہے جیسے کل رجل یاتینی فلہ درہم اس میں رجل نکرہ ہے اور اس کی صفت یاتینی جملہ فعلیہ ہے موصوف صفت سے مل کر مبتدا متضمن معنی شرط اور فلہ درہم اس کی خبر متضمن معنی جزاء ہے اور جیسے کل رجل فی الدار یہ مثال اس نکرہ کی ہے جو موصوف ہے اور فی الدار اپنے عامل کے ساتھ مل کر جملہ ظرفیہ ہو کر اس کی صفت ہے موصوف صفت سے مل کر مبتدا ہے اور فلہ درہم اس کی خبر ہے۔ اسی نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم ہے جو اس نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہو کر مبتدا ہو ایسا اسم جب مبتدا ہوگا تو اس کی خبر میں بھی فاء آئے گی جیسے کل غلام رجل یاتینی او فی الدار فلہ درہم ماقبل کے مثالوں میں ممثل لہ سے مثال کا انطباق جس طرح کیا گیا ہے اس مثال میں بھی وہی طریقہ ہے۔ مصنف اور شارح کے بیان کے مطابق جو مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے اور اس وجہ سے اس کی خبر پر فاء آتی ہے اس کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) مبتدا اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو، (۲) مبتدا اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ ظرفیہ ہو، (۳) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی صفت ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو، (۴) مبتدا ایسا اسم ہو جس کی صفت ایسا اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ ظرفیہ ہو، (۵) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو، (۶) مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو، (۷) مبتدا ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو، (۸) مبتدا ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو۔

قولہ و لیت و لعل مانعان الخ :۔ جو مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی خبر پر فاء آتی ہے اگر ایسے مبتدا پر لیت اور لعل داخل ہو جائیں گے تو پھر اس کی خبر پر فاء نہ آئے گی

لان صحۃ دخولہ علیہ انما کانت لمشابھۃ المبتدإ و الخبر للشرط و الجزاء ولیت و لعل تزیلان تلک المشابھۃ لانھما تخرجان الکلام من الخبریۃ الی الانشائیۃ والشرط والجزاء من قبیل الاخبار وذلک المنع انما ھو بالاتفاق من النحاۃ فلا یقال لیت او لعل الذی یاتینی او فی الدار فلہ درھم فان قیل باب کان و باب علمت ایضا مانعان بالاتفاق فما وجہ تخصیص لیت و لعل قیل تخصیصھما ببیان الاتفاق انما ھو من بین الحروف المشبھۃ لا مطلقا ووجہ ذلک التخصیص لاھتمام ببیان الاختلاف الواقع فیھا والحق بعضھم قیل ھو سیبویہ ان المکسورۃ بھما

---

اس واسطے کہ فار کا دخول خبر پر تو اس وجہ سے ہے کہ ایسا مبتدار شرط کے مشابہ ہوتا ہے اور خبر جزار کے مشابہ ہوتی ہے لیت اور لعل کی وجہ سے یہ مشابہت ختم ہو جائے گی کیونکہ شرط اور جزار اخبار کے قبیل سے ہیں اور لیت اور لعل انشار کی قبیل سے ہیں۔

قولہ بالاتفاق :۔ یعنی لیت اور لعل کا خبر میں فار کے دخول سے مانع ہونا نحاۃ کا متفقہ فیصلہ ہے اس وجہ سے لیت او لعل الذی یاتینی او فی الدار فلہ درہم نہ کہا جائے گا۔

قولہ فان قیل الخ :۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح لیت اور لعل بالاتفاق دخولِ فار سے مانع ہیں باب کان اور باب علمت بھی بالاتفاق مانع ہیں تو پھر ان کو کیوں نہیں بیان کیا صرف لیت اور لعل کو کیوں بیان کیا ہے۔

قولہ قیل تخصیصھما :۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ یہاں تمام موانع کا احاطہ مقصود نہیں ہے بلکہ حروف مشبہ بالفعل میں جو دخول فار سے مانع بالاتفاق ہیں ان کو بیان کرنا ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی کیا خصوصیت کہ اس کو بیان کے ساتھ خاص کیا۔

قولہ وجہ ذلک التخصیص :۔ سے شارح نے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل میں کتنے حروف مانع ہیں اس میں بڑے درجے کی نحویوں کا اختلاف ہے اس لئے اس اختلاف کی اہمیت کے پیش نظر حروف مشبہ بالفعل کو بیان کے ساتھ خاص کیا۔

قولہ والحق بعضھم الخ :۔ بعض حضرات نے اس بعض کا مصداق سیبویہ کو قرار دیا ہے انھوں نے اِنَّ مکسورہ کو لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح لیت اور لعل دخول فار سے مانع ہیں اِنَّ مکسورہ بھی مانع ہے لیکن اصح یہ ہے کہ اِنَّ مکسورہ مانع نہیں ہے اس لئے کہ اِنَّ کی وجہ سے کلام خبریت سے خارج ہو کر انشار نہیں ہو جاتا اس کی تائید اللہ پاک کے قول اِنَّ الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم الآیۃ سے ہوتی ہے

ای بلیت ولعل فی المنع عن دخول الفاء علی الخبر والاصح انها لا تمنع عنه لانها لا تخرج الکلام عن الخبریة الی الانشائیة یؤیدہ قوله تعالیٰ ان الذین کفروا وماتوا وهم کفار فلن یقبل من احدهم فان قیل قد الحق بعضهم انّ المفتوحة ولکن بلیت ولعل فما وجه تخصیص إنّ المکسورة بالالحاق قیل بعضهم الذی الحق ان بهما هو سیبویه فاعتد بقوله وذکرہ ولم یعتد بقول من سواہ فلم یذکرہ مع ان کلا القولین لایساعدهما القراٰن وکلام الفصحاء فما یدل علی عدم منع ان المکسورة عن دخول الفاء علی الخبر ما سبق ومایدل علی عدم منع ان المفتوحة ولکن عن دخول الفاء قوله تع واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وقول الشاعر شعر فوالله ما فارقتکم قالیاً لکم ۔ ولکن ما یقضی فسوف یکون وقد یحذف المبتدأ لقیام قرینة لفظیة او عقلیة جوازًا ای حذفًا جائزًا لا واجبًا

---

اس میں فلن یقبل إنّ کی خبر ہے اور اس میں فار داخل ہے۔

قوله فان قیل قد الحق بعضهم ان المفتوحة الخ:- اعتراض یہ ہے کہ بعض حضرات نے أنّ مفتوحہ اور لکن کو بھی لیت ولعل کے ساتھ لاحق کیا ہے اور ان دونوں کو بھی خبر میں فار کے دخول سے مانع قرار دیا ہے جس طرح لیت اور لعل مانع ہیں، تو پھر مصنفؒ نے إنّ بالکسر کو الحاق کے ساتھ کیوں خاص کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ إنّ بالکسر کو لیت ولعل کے ساتھ لاحق کرنے والے سیبویہ ہیں اس وجہ سے ان کے قول کا احترام کرتے ہوئے إنّ کے الحاق کو بیان کردیا ہے اگرچہ ان کی بات بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اللہ پاک کا قول اس پر شاہد ہے اور أنّ اور لکن کو لیت ولعل کے ساتھ لاحق کرنے والے اس درجے کے نہیں ہیں، بات نہ ان کی صحیح ہے اور نہ سیبویہ کی، سیبویہ کی بات کا غلط ہونا آیت قرآنی سے ابھی بیان کیا گیا ہے أنّ بالفتح کا مانع نہ ہونا بھی اللہ پاک کے قول واعلموا انما غنمتم من شئی فأنّ لله خمسه سے ثابت ہے اور لکن کے مانع نہ ہونے پر شاعر کا یہ قول شاہد ہے۔ ؎
فوالله ما فارقتکم قالیاً لکم ۔ ولکن ما یقضی فسوف یکون ۔ آیت میں فأنّ لله خبر ہے اور اس پر فار داخل ہے۔ شعر میں فسوف یکون خبر ہے اور اس پر فا، داخل ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ خدا کی قسم میں نے تم سے جدائی کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں اختیار کی بلکہ بات یہ ہے کہ خدا کا فیصلہ کوئی ٹال نہیں سکتا مقدر میں جدائی لکھی تھی وہ ہو کر رہی۔

قوله وقد یحذف المبتدأ:- کبھی مبتدار کو قرینہ لفظیہ یا عقلیہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً حذف کردیا جاتا ہے اس کی مثال آگے آرہی ہے کبھی کبھی مبتدار کا حذف واجب ہوجاتا ہے جس کو شارح اپنی عبارت وقد یجب حذفہ سے بیان کررہے ہیں، مبتدار کا حذف اس وقت واجب ہوتا ہے

وقد یجب حذفہ اذا قطع النعت بالرفع نحو الحمد للّٰہ اہل الحمد ای ھو اھل الحمد وانما وجب حذفہ لیعلم انہ کان فی الاصل صفۃ فقطع لقصد المدح او الذم او غیر ذلک فلو ظہر المبتدأ لم یتبین ذلک ویجب حذفہ ایضاً عند من قال فی نعم الرجل زید ان تقدیرہ ھو زید کقول المستھل ای المبتدأ المحذوف جوازاً مثل المبتدأ المحذوف فی مقول المستھل المبصر للھلال الرافع صوتہ عند ابصارہ الھلال واللّٰہ ای ھذا الھلال واللّٰہ بالقرینۃ الحالیۃ ولیس من باب حذف الخبر بتقدیر الھلال

---

جب صفت کو موصوف سے جدا کر کے اس پر رفع دیا جائے جیسے الحمد للہ اہل الحمد اس میں اہل الحمد لفظ اللہ کی صفت ہے جس پر جر آنا چاہئے مگر موصوف سے اس کو جدا کر کے مرفوع پڑھا گیا ہے اس کی تقدیر ھُوَ اہل الحمد ہے اس صورت میں مبتدا کا حذف اس واسطے واجب ہے کہ جب مبتدا لفظوں میں نہ ہوگا تو موصوف اور صفت کے درمیان کوئی حائل لفظوں میں نہ ہوگا پھر بھی صفت کا اعراب موصوف کے مطابق نہ ہوگا تو لامحالہ ذہن میں یہ بات آئے گی کہ آخر کیا بات ہے یہ صفت اپنے موصوف کے اعراب میں کیوں مطابق نہیں کوئی خاص وجہ معلوم ہوتی ہے اور وہ خاص وجہ مدح یا ذم یا ترحم کا قصد ہے علی الترتیب ان کی مثالیں یہ ہیں الحمد للہ اہل الحمد، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، ارحم علی العبد المسکین، اگر مبتدا کو حذف نہ کیا جائے تو یہ مقصود حاصل نہ ہوگا کیونکہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر مستقل جملہ ہوگا صفت کا موصوف کے ساتھ اعراب میں مطابقت کا سوال ہی ذہن میں نہ پیدا ہوگا۔

قولہ وقد یجب حذفہ ایضا عند من قال فی نعم الرجل :۔ نعم الرجل زید کی ترکیب میں دو مذہب ہیں بعض لوگ مخصوص بالمدح کو جیسے یہاں زید ہے مبتدا محذوف کی خبر مانتے ہیں اور اس کی تقدیر ھُوَ زید نکالتے ہیں ان کے نزدیک مبتدا کا حذف واجب ہے کیونکہ نعم الرجل علیحدہ جملہ ہے اور یہ علیحدہ جملہ ہے اور جملہ کے لئے دو جزء ضروری ہیں ایک مسند اور ایک مسند الیہ اور یہاں صرف زید خبر موجود ہے معلوم ہوا کہ اس کا مسند الیہ یعنی مبتدا محذوف ہے اور یہ حذف اس لئے واجب ہے تاکہ نعم الرجل اور زید میں جو بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہیں فصل نہ لازم آئے مبتدا مذکور ہوگا تو فصل یقینی ہے اور جو لوگ مخصوص بالمدح جیسے مثال مذکور میں زید، کو مبتدا موخر اور نعم الرجل فعل فاعل کو خبر مقدم قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک کوئی جزء محذوف نہ ہوگا۔

قولہ کقول المستھل الخ :۔ اس سے پہلے متن تھا وقد یحذف المبتدأ لقیام قرینۃ جوازاً اس کی یہ مثال ہے لیکن مصنف کی اس عبارت پر اعتراض ہوتا ہے کہ مثال تو بیان کی جا رہی ہے مبتدا محذوف کی اور مستھل کا قول الھلال واللہ خبر ہے اس کو مبتدا محذوف کہنا صحیح نہیں ہے، شارح اپنی عبارت

هذا الان مقصود المستهل تعيين شئ بالاشارة والحكم عليه بالهلالية ليتوجه اليه الناظرون ويروه كما يراه وانما اتى بالقسم جريا على عادة المستهلين غالبا ولئلا يتوهم نصب الهلال عند الوقف وقد يحذف الخبر جوازا اى حذفا جائزا لقيام قرينة من غير اقامة شئ مقامه مثل الخبر المحذوف جوازا فى قولك خرجت فاذا السبع فان تقديره على المذهب الصحيح كما نص عليه صاحب اللباب

---

ای المبتدا لقیام قرینة جوازا الخ سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے المبتدا المحذوف فی مقول المستهل الخ یعنی مبتدا محذوف مستہل کے مقولہ الهلال واللہ میں ہے الهلال واللہ سے پہلے ہذا مبتدا محذوف ہے جس کو قرینہ حالیہ کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ ہذا کو شروع میں نکال کر مبتدا بنایا جائے، ہوسکتا ہے کہ اس کی اصل الهلال ہذا ہو، اس صورت میں الهلال مبتدا اور ہذا خبر ہے تو یہ خبر کے محذوف ہونے کی مثال ہوئی نہ کہ مبتدا محذوف کی، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہذا کو خبر بنایا جاتا ہے تو مستہل کا مقصود فوت ہو جائے گا۔ مستہل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک شئ کو اشارہ کے ذریعہ متعین کر دے اس کے بعد اس پر چاند ہونے کا حکم لگائے تاکہ چاند دیکھنے والے اس طرف متوجہ ہوں اور جس طرح مستہل نے چاند دیکھ لیا ہے وہ حضرات بھی دیکھ لیں۔

قولہ وانما اتی بالقسم الخ۔ اعتراض ہوتا تھا کہ مبتدا محذوف کی مثال کے لئے تو صرف الهلال کافی ہے کہ الهلال خبر ہے اور ہذا مبتدا محذوف ہے واللہ لانے کی کیا ضرورت، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ چاند دکھانے والوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقع پر قسم کھایا کرتے ہیں ان کی عادت کی بناء پر اس کو لائے ہیں مثال میں اس کو دخل نہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر لفظ واللہ نہ لاتے تو الهلال پر وقف ہوتا اور وہ ساکن ہوتا اس صورت میں وہم ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اس کو فعل محذوف رأیت کا مفعول سمجھتا اور اصل عبارت اس کے نزدیک رأیت الهلال ہوتی۔ رأیت کو حذف کر دیا اور الهلال وقف کی وجہ سے ساکن ہو گیا، واللہ لا کر اس وہم کو دور کر دیا۔

قولہ وقد یحذف الخبر جوازا الخ۔ جوازا کا جائزا کے معنی میں کرنے اور اس سے پہلے حذفا نکالنے کی وجہ اس سے پہلے گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے، اس سے پہلے مبتدا کے حذف کا بیان تھا، اب خبر کے حذف کو بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر قرینہ صرف موجود ہو خبر کا کوئی قائم مقام نہ ہو تو خبر کو جوازاً حذف کر دیا جائے گا جیسے خرجت فاذا السبع اس میں خبر واقف محذوف ہے تقدیر عبارت

خرجت فاذا السبع واقف علی ان یکون اذا ظرف زمان للخبر المحذوف من غیر ساد مسدہ ای ففی وقت خروجی السبع واقف وقد یحذف الخبر لقیام قرینۃ وجوبًا ای حذفًا واجبًا فیما التزم ای فی ترکیب التزم فی موضعہ ای موضع الخبر غیرہ ای غیر الخبر وذلک فی اربعۃ ابواب علی ما ذکرہ المصنف اولہا المبتدا الذی بعد لولا مثل لولا زید لکان کذا ای لولا زید موجود لان لولا لامتناع الشیٔ لوجود غیرہ فیدل علی الوجود وقد التزم فی موضع الخبر جواب لولا فیجب حذفہ لقیام قرینۃ والتزام قائم مقامہ ھذا اذا کان الخبر عامًا واما اذا کان خاصًا فلا یجب۔

---

یہ ہے خرجت ففی وقت خروجی السبع واقف اس صورت میں اذا مفاجات زمانی کے لئے ہوگا جیسا صاحب لباب کا قول ہے اور اگر اذا مفاجات مکانی کے لئے ہو تو تقدیر عبارت اس طرح ہوگی، خرجت ففی مکان السبع (میں نکلا پس میرے آنے کی جگہ میں درندہ ہے) اس صورت میں خبر محذوف نہ ہوگی۔

قولہ وقد یحذف وجوبًا الخ۔ کبھی خبر کا حذف واجب ہوتا ہے جب قرینہ کے ساتھ اس کا قائم مقام بھی ہو، مصنف کے بیان کے مطابق اس کے چار باب ہیں (۱) مثل لولا زید لکان کذا، یعنی جس جگہ لولا کے بعد مبتدا ہو اور لولا کی خبر افعال عامہ (کون، ثبوت، وجود، حصول) میں سے ہو تو وہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ یہاں قرینہ ہے اور قائم مقام بھی ہے قرینہ تو خود لولا ہے کیونکہ لولا کی وضع اس لئے ہے کہ وہ وجود اول کی وجہ سے ثانی کے امتناع پر دلالت کرے چونکہ لولا وجود پر دلالت کرتا ہے اس قرینہ کی وجہ سے موجود خبر کو حذف کردیا گیا اور جواب لولا یعنی لکان کذا اس کے قائم مقام ہے اس لئے یہ حذف واجب ہوگیا۔

قولہ ھذا اذا کان الخبر عامًا الخ:۔ یعنی خبر کا حذف اس وقت واجب ہوگا جب کہ وہ افعال عامہ سے ہو جن کو شاعر نے اپنے اس قول میں جمع کیا ہے۔ ؎ افعال عامہ نزد ارباب عقول: کون است وثبوت است ووجود است وحصول۔ اگر خبر افعال عامہ سے نہ ہو افعال خاصہ میں سے ہو تو پھر حذف واجب نہیں، جیسے امام شافعیؒ کے اس قول میں موجود ہے، فرماتے ہیں ؎ ولولا الشعر بالعلماء یزری: لکنت الیوم اشعر من لبید۔ اس میں الشعر مبتدا ہے اور یزری اس کی خبر موجود ہے کیونکہ افعال عامہ سے نہیں ہے اس سے پہلے یہ شعر ہے۔ لولا الخشیۃ الٰہ حسن عندی: جعلت الناس کلھم عبیدی۔ دونوں شعروں کا ترجمہ یہ ہے، اگر اللہ پاک کا خوف مجھ کو نہ ہوتا تو تمام لوگوں کو میں غلام بنا لیتا۔ اور اگر شعر گوئی علماء کو عیب نہ لگاتی تو میں آج

حذفه کمافی قوله شعر ولولا الشعر بالعلماء یزری ؛ لکنت الیوم اشعر من لبید
هذا علی مذهب البصریین وقال الکسائی الاسم الواقع بعدها فاعل بفعل
مقدر ای لولا وجد زید وقال الفراء لولا هی الرافعة للاسم الذی بعدها ـ
وثانیها کل مبتدا کان مصدرا صورۃً او بتاویله منسوبا الی الفاعل او المفعول او کلیهما

---

لبید سے بڑھ کر شاعر ہوتا۔ حضرت لبیدؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں بہت فصیح بلیغ شاعر تھے۔

قولہ هذا امذهب البصریین :۔ یعنی لولا کے بعد مبتدا کا ہونا اور اس کی خبر کا واجب الحذف ہونا بصریین کے نزدیک ہے، کسائی کہتے ہیں کہ لولا کے بعد جو اسم ہوتا ہے وہ مبتدا نہیں ہوتا فاعل ہوتا ہے اس کی تقدیر لولا وجد زید ہے، فرار کا مذہب یہ ہے کہ لولا اسماء افعال میں سے ہے لہٰذا وہ خود اس اسم کے لئے رافع ہوگا ان کے نزدیک لولا وجد کے معنی میں ہوگا۔ (۲) یہ دوسرا موقع ہے جہاں مبتدار کی خبر کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو مبتدا مصدر ہو خواہ حقیقۃً مصدر ہو یا تاویل کے بعد مصدر ہو اور اس مصدر کی نسبت فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف ہو پھر اس کے بعد کوئی اسم ہو جو فاعل یا مفعول یا دونوں سے حال واقع ہو یا مبتدا اسم تفضیل ہو جس کی اضافت مصدر مذکور کی طرف ہو تو ان دونوں صورتوں میں خبر کا حذف واجب ہوگا، مصنفؒ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے شارح کے بیان کردہ احتمال کے مطابق اس کی بارہ صورتیں نکلتی ہیں لیکن ہر ایک کا ذہن اس کی طرف نہیں جاتا، نہ شارح نے اسکی ایسی تفصیل کی ہے آپ ان احتمالات کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے ان میں جو خبر اور عامل حال مقدر ہے اس کو بھی بیان کیا گیا ہے اور مثال کا ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ طالب علم اچھی طرح سمجھ جائے (۱) مبتدا مصدر حقیقی فاعل کی طرف منسوب ہو اور فاعل سے حال واقع ہو جیسے ذہابی راجلاً، تقدیر خبر مع تقدیر عامل۔ حاصل اذا کنت راجلاً ہے ترجمہ میرا جانا حاصل ہوا جب کہ میں پیدل چلنے کی حالت میں تھا، یعنی پیدل جانا ہوا۔ (۲) مبتدا حقیقی مفعول کی طرف منسوب ہو اور مفعول سے حال واقع ہو، جیسے ضربُ زیدٍ قائماً تقدیر خبر مع تقدیر عامل حاصل اذا کان قائماً اس میں ضرب مصدر ہے جو زید مفعول کی طرف منسوب ہے اور قائماً مفعول سے حال واقع ہے ترجمہ زید کو مارنا اس کے کھڑے ہونے کی حالت میں حاصل ہوا، (۳) مصدر حقیقی فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہو اور حال دونوں سے واقع ہو جیسے ضربی زیداً قائمین تقدیر خبر مع تقدیر عامل حال حاصل اذا کنا قائمین ہے اس میں ضرب مصدر ہے یار ضمیر فاعل ہے اور زیداً مفعول ہے مصدر ان دونوں کی طرف منسوب ہے اور قائمین دونوں سے حال ہے اگر صرف فاعل یا مفعول سے حال ہو تو قائماً کہا جائے گا، ترجمہ میرا مارنا زید کو ہم دونوں کے کھڑے ہونے کی حالت میں حاصل ہوا، یہ تین صورتیں اس مبتدا کی ہیں جو مصدر حقیقی ہے اور یہی تین صورتیں ایسے

وبعدہ حال اوکان اسم تفضیل مضافا الیٰ ذلک المصدر وذلک مثل ذھابی راجلا وضرب زید قائما اذا کان زید مفعولا بہ ومثل ضربی زیداً قائما او قائمین وان ضربت زیداً قائماً واکثر شربی السویق ملتوتاً واخطب مایکون الامیر قائما. فذھب البصریون الی ان تقدیرہ ضربی زیداً حاصل اذا کان قائماً فحذف حاصل

---

مبتدا رکی بھی نکلیں گی جو مصدر تاویلی ہے (۱) مصدر تاویلی منسوب الی الفاعل ہو، اور فاعل سے حال واقع ہو جیسے ان ضربت قائما اس میں ضربت صیغہ متکلم ہے جو اَن کی وجہ سے مصدر ہو کر ضربی کے حکم میں ہو گیا قائماً ضمیر متکلم سے حال ہے (۲) مصدر تاویلی منسوب الی المفعول ہو، اور مفعول سے حال واقع ہو، جیسے اَن ضُرِبَ زیدٌ قائماً اس میں فعل ماضی مجہول ہے اَن کی وجہ سے مصدر ہو گیا اور نائب فاعل کی طرف منسوب ہے اور نائب فاعل مفعول کے درجہ میں ہوتا ہے۔ (۳) مصدر تاویلی فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہو جیسے اَن ضربتُ زیداً قائمین اس میں ضربت اَن کی وجہ سے مصدر تاویلی ہے، اور فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہے اور قائمین ان دونوں سے حال ہے، اسی مثال میں اگر تنہا فاعل یا تنہا مفعول سے حال قرار دیں تو قائماً کہا جائے گا جیسا کہ مصدر حقیقی کی صورت میں اس کو بیان کر دیا گیا ہے ان احتمالات میں بھی تقدیر خبر مع تقدیر عامل حال ہے. اور ترجمہ تین مذکورہ صورتوں کی طرح ہے یہ چھ صورتیں ہوئیں۔ یہی چھ صورتیں اس وقت بھی ہوں گی جب اسم تفضیل مبتدا ہو اور ان دو قسم کے مصدروں کی طرف منسوب ہو، ہر ایک کی مثال بیان کی جاتی ہے تقدیر خبر مع عامل حال اسی طرح ہو گی جیسا کہ ان مذکورہ چھ مثالوں میں گذری۔ ترجمہ بھی آسان ہے اس لئے امثلہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے ترتیب وار ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمایئے (۱) اسم تفضیل مصدر حقیقی کی طرف مضاف ہو اور وہ مصدر منسوب الی الفاعل ہو جیسے اکثر شربی قائماً۔ (۲) منسوب الی المفعول ہو جیسے اکثر ضربی قائمٌ۔ (۳) دونوں کی طرف منسوب ہو جیسے اکثر شربی السویق ملتوتاً (میرا ستو پینا اکثر اس حال میں ہوتا ہے جب وہ تر کر دیا گیا ہو) (۴) اسم تفضیل مصدر تاویلی کی طرف مضاف ہو اور مصدر تاویلی منسوب الی الفاعل یا منسوب الی المفعول ہو یا دونوں کی منسوب ہو جیسے اخطب مایکون الامیر قائماً۔ (۵) مصدر تاویلی منسوب الی المفعول ہو جیسے اکثر ان ضُرِبَ زید قائماً۔ (۶) مصدر تاویلی فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہو جیسے اکثر اَن ضربت زیداً قائماً ان امثلہ میں ما اور اَن مصدریہ ہیں جو فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتے ہیں۔

تشریح:۔ ذہابی راجلاً اصل میں ذہابی حاصل اذا کنت راجلاً ہے ذہابی مبتدا ہے،

کما تحذف متعلقات الظرف نحو زید عندک فبقی اذا کان قائما ثم حذف اذا مع شرطہ العامل فی الحال واقیم الحال مقام الظرف لان فی الحال معنی الظرف فیہ فالحال قائم مقام الظرف القائم مقام الخبر فیکون الحال قائما مقام الخبر قال الرضی ھذا ماقیل فیہ وفیہ تکلفات کثیرۃ والذی یظھرلی ان تقدیرہ نحوضربی زیداً یلابسہ قائما اذا اردت الحال عن المفعول وضربی زیداً یلابسنی قائما اذا کانت عن الفاعل اولاثم نقول حذف المفعول الذی ھو ذوالحال فبقی ضربی زیداً یلابس قائما ویجوز حذف ذی الحال مع قیام القرینۃ کما تقول الذی ضربت قائما زید ای ضربتہ ثم حذف یلابس الذی ھو خبر المبتداء والعامل فی الحال وقام الحال

---

حاصل خبر ہے اس کو حذف کر دیا اور اس کے اذاکنت کو اس کے قائم مقام کر دیا پھر اس ظرف کو مع اس کے عامل حذف کر دیا اور قائما حال کو اس کے قائم مقام کر دیا کیونکہ حال اور ظرف میں مناسبت ہے حال میں ظرف کے معنی پائے جاتے ہیں، حاصل یہ ہوا کہ حال قائم مقام ظرف کے اور ظرف قائم مقام خبر کے لہذا حال بواسطہ ظرف کے خبر کے قائم مقام ہو جائے گا اور جب خبر کا قائم مقام موجود ہے تو اس کا حذف ہو گیا اسی طرح تمام مثالوں میں سمجھنا چاہئے۔

قولہ قال الرضی ھذا ماقیل الخ:۔ اس سے پہلے امثلہ مذکورہ میں جو تقدیر عبارت بیان کی گئی وہ بصریین کے مسلک کی بناء پر تھی، رضی کا قول ہے کہ ان میں بہت تکلفات ہیں جیسا کہ ظاہر ہے ایک تکلف تو یہ ہے کہ ان میں ظرف کو پورے جملہ کے ساتھ حذف کیا گیا ہے اس مقام کے علاوہ کہیں ایسا نہیں ہوا، دوسری بات یہ ہے کہ ان سب مثالوں میں کان ناقصہ کو تامہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ ناقصہ اصل ہے، اسی طرح حال کو ظرف کے قائم مقام کرنے کی دوسری جگہ نظیر نہیں ملتی اس لئے رضی اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں کہ حال کا عامل یلابسنی یا یلابسہ نکالا جائے اس صورت میں تینوں مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی مثلاً ضربی زیداً قائما کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ضربی زیداً یلابسنی قائما اگر ضرب کے مضاف الیہ یا متکلم فاعل سے حال قرار دیں اور اگر زیداً مفعول سے حال واقع کیا جائے تو یلابسہ نکالا جائے گا، اس میں پہلے تو مفعول کی ضمیر کو جو یلابس کے فعل کے ساتھ ہے حذف کیا گیا اور قرینہ یا متکلم اور ضمیر غائب کی ہے کیونکہ یہ ضمیر ذوالحال ہے اور ذوالحال کو قرینہ قائم ہونے کے وقت حذف کرنا جائز ہے اس کے بعد فعل کو جو حال میں عامل ہے حذف کیا گیا اور حال کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور یہ اکثر ہوتا ہے کہ حال کو اس کے عامل کے قائم مقام کر دیا کرتے ہیں جیسے راشداً مھدیاً میں راشداً حال کے عامل مثلاً سر کو

مقامه کما تقول راشداً مهدیاً ای سری راشداً مهدیاً فعلی هذا یکونون مستریحین من تلك التکلفات البعیدة وقال الکوفیون تقدیره ضربی زیداً اقائماً حاصل بجعل قائماً من متعلقات المبتداء ویلزمهم حذف الخبر من غیرسد شیٔ مسده وتقیید المبتداء المقصود عمومه بدلیل الاستعمال وذهب الاخفش الی ان الخبر الذی سد الحال محله مصدر مضاف الی صاحب الحال ای ضربی زیداً ضربه قائماً وذهب بعضهم الی ان هذا المبتداء لاخبر له لکونه بمعنی الفعل اذ المعنی

---

حذف کر کے راشداً کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے ۔

قولہ وقال الکوفیون الخ :۔ ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ خبر کو حال کے بعد محذوف مانا جائے اور حال کو متعلقات مبتداء سے قرار دیا جائے یعنی مبتداء سے اس کو حال بنایا جائے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ضربی زیداً قائماً حاصل لیکن کوفیوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کی توجیہ کی بناء پر ایک خرابی تو یہ لازم آتی ہے کہ مبتداء جس میں عموم مقصود ہے اس کو مقید کر دیا جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اسم جنس معرفہ ہو اور اس میں تخصیص کا کوئی قرینہ نہ ہو تو اس میں عموم مقصود ہوتا ہے یہاں ضرب مصدر ہے جو یا ضمیر متکلم معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے اس میں قاعدہ سے عموم ہونا چاہیے کسی حالت کے ساتھ اس کو مقید نہ کرنا چاہیے اور یہاں قیام کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے، دوسری خرابی یہ ہے کہ خبر کو حذف کیا گیا اور اس کا کوئی قائم مقام نہیں ۔

قولہ وذهب الاخفش :۔ امام اخفش اس بات میں تو بصریین کے موافق ہیں کہ خبر مبتداء کے متعلقات میں سے نہیں بلکہ متعلقات خبر سے ہے لیکن بصریین کے نزدیک خبر افعال عامہ (کون، ثبوت، وجود، حصول) میں نکالی جائے گی اور اخفش افعال خاصہ میں سے نکالتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک خبر مصدر نکالی جائے گی جو مبتداء کے معنی میں ہو اور ذوالحال کی طرف مضاف ہو کیونکہ محذوف کو مذکور کی جنس سے ہونا چاہیے، اخفش کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ضربی زیداً ضربہ قائماً اس میں خبر یعنی ضربہ کو جو قائماً میں عامل ہے حذف کر دیا اور حال کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا، اخفش کے مذہب میں یہ خامی ہے کہ مصدر عامل ضعیف ہے اس کا حذف جائز ہے ۔

قولہ وذهب بعضهم :۔ یہ ابن باشا کا قول ہے ان کا قول یہ ہے کہ اس قسم کے مبتداء کے لئے خبر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسا مبتداء فعل کے معنی میں ہوتا ہے مثلاً مثال مذکور ضربی زیداً قائماً اضرب زیداً قائماً کے معنی میں ہے، اس قول کو بھی پسند نہیں کیا گیا اس لئے کہ مبتداء اگر تاویل کے بعد فعل کے معنی میں ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنی حقیقت سے بھی نکل جائے اور

ماضرب زیدٌ الا قائمًا وثالثها کل مبتدا اشتمل خبره علی معنی المقارنة وعطف علیہ شئ بالواو التی بمعنی مع وذلك مثل کل رجل وضیعتہ ای کل رجل مقرون مع ضیعتہ فهذا الخبر واجب حذفہ لان الواو یدل علی الخبر الذی هو مقرون واقیم المعطوف فی موضعہ ورابعها کل مبتدا یکون مقسمًا بہ وخبره القسم وذلك مثل لعمرك لافعلن کذا ای لعمرك وبقاؤك قسمی ای ما اقسم بہ فلاشك ان لعمرك یدل علی القسم المحذوف وجواب القسم قائم مقامہ فیجب حذفہ والعَمرو العُمر بمعنی

---

اس کو خبر کی ضرورت نہ باقی رہے کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کی تاویل میں ہو جانے سے وہ اپنی حقیقت سے نہیں نکل جاتی۔

قولہ وثالثها کل مبتدا الخ:- یہ تیسرا موقع ہے جہاں مبتدا کی خبر کو وجوبًا حذف کیا جاتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب مبتدا کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو اور مبتدا پر کسی اسم کا عطف ایسے واو کے ذریعہ کیا جائے جو مع کے معنی میں ہو تو ایسے مبتدا کی خبر کا حذف کرنا واجب ہوگا جیسے کل رجل وضیعتہ یہاں مبتدا کی خبر مقرون ہے جو مقارنت کے معنی پر مشتمل ہے اور مبتدا یعنی کل رجل پر واو بمعنی مع کے ذریعہ ضیعتہ کا عطف کیا گیا ہے تو چونکہ واو بمعنی مع خبر یعنی مقرون پر دلالت کرتا ہے اور معطوف معطوف علیہ کے قائم مقام ہے اس لئے قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں اس لئے حذف واجب ہو گیا۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ مبتدا پر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو اسی صورت میں معطوف اپنے معطوف علیہ یعنی مبتداء کے قائم مقام تو ہو سکتا ہے لیکن خبر کے قائم مقام اس کو کیسے کیا جا سکتا ہے مثلاً مثال مذکور میں ضیعتہ کا عطف کل رجل مبتدا پر ہے لہذا اس کو مبتدا کے قائم مقام تو کر سکتے ہیں لیکن خبر یعنی مقرون کے قائم مقام نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر تو اس کا عطف مبتدا پر معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کا عطف خبر کی ضمیر یعنی مقرون کی ضمیر پر ہے جو مقرون کا نائب فاعل ہے اور مبتدا کی طرف راجع ہے تو جب اس کا عطف حقیقت کے اعتبار سے خبر کی ضمیر پر ہے تو اس کا خبر کے قائم مقام کرنا صحیح ہے۔

قولہ ورابعها کل مبتدا الخ:- یہ چوتھا موقع ہے جہاں خبر کا حذف واجب ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مبتداء مقسم بہ ہو اور اس کی خبر لفظ قسم ہو تو خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔ جیسے لعمرک لافعلن کذا اس کی اصل لعمرک قسمی لافعلن کذا ہے اس میں لعمرک مبتداء ہے جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اور لفظ قسمی خبر ہے اس کو حذف کر دیا گیا ہے اس لئے کہ لام قسم پر دلالت کرتا ہے۔ اور جواب قسم اس کا قائم مقام ہے تو قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے خبر کا حذف واجب ہو گیا۔ عَمرو بالفتح اور عُمر بالضم دونوں کے معنی ایک ہیں لیکن جب لام کے ساتھ

واحد و لایستعمل مع اللام الا المفتوح لان القسم موضع التخفیف لکثرۃ استعماله خبراِنّ واخواتها ای من المرفوعات خبراِنّ واخواتها ای اشباهها من الحروف الخمس الباقیۃ وھی اَنّ وکاَنّ ولکنّ ولیت ولعلّ وھو مرفوع بھذہ الحروف لا بالابتداء.

---

استعمال کیا جائے تو عین کو صرف فتح پڑھا جائے گا ضمہ نہ پڑھا جائے کیونکہ قسم کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور کثرت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے اور فتحہ اخف الحرکات ہے۔

قولہ خبراِن واخواتها ای من المرفوعات خبراِن واخواتها الخ:۔ شارح نے من المرفوعات نکال کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر مرفوعات کی مستقل ایک قسم ہے جیسا کہ بصریین کا مذہب ہے، کوفیین کہتے ہیں کہ اِنّ اور اس کے اخوات صرف اسم میں عامل ہیں خبر جس طرح پہلے عامل معنوی کی وجہ سے مرفوع تھی ان حروف کے بعد بھی عامل معنوی کی وجہ سے مرفوع رہے گی ان حروف کا اثر خبر میں نہ ہوگا، شارح نے رد کیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان حروف کے داخل ہونے سے پہلے خبر پر رفع عامل معنوی کی وجہ سے تھا جیسا کہ مبتدا پر رفع عامل معنوی کی وجہ سے تھا لیکن جب یہ حروف مبتدا اور خبر پر داخل ہوئے تو دونوں پر ان ہی حروف کا اثر ہوگا عامل معنوی کا اثر دونوں سے ختم ہو جائے گا، لہذا اب خبر پر رفع ان حروف کی وجہ سے آئے گا نہ کہ عامل معنوی کی وجہ سے۔ شارح نے اخوات کی تفسیر اشباہ سے اس واسطے کی تاکہ اس سے مشہور اعتراض کو دفع کرے، اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اخوات کا تعلق تو ذوی العقول سے ہے لہذا اِنّ کے لئے اخوات کا اثبات کیسے ہوگا، اس کا جواب دیا کہ اخوات سے مراد اشباہ ہے جس طرح اخوات ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں اسی طرح یہ حروف بھی آپس میں عمل کے اندر ایک دوسرے کے مشابہ ہیں تو چونکہ اخوات کے لئے مشابہت لازم ہے اس لئے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا۔ ان حروف کو حروف مشبہ بالفعل بھی کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حروف کو فعل کے ساتھ لفظاً ومعنی دونوں طرح سے مشابہت ہے۔ لفظی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی ہوتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی ایسے ہیں کہ بعض کے اندر تین حروف ہیں جیسے اِنّ، اَنّ، لیتَ، اور بعض کے اندر چار حروف ہیں جیسے لعلّ، کاَنّ، لکنّ معنوی مشابہت یہ ہے کہ ان کے معنی بھی فعل کے معنی کی طرح ہیں چنانچہ اِنّ اور اَنّ کے معنی تحقق کے ہیں کاَنّ کے معنی تشبہ، لیتَ بمعنی تمنی، لعلّ بمعنی ترجی، لکنّ بمعنی استدرک ہے، اور جب ان کو فعل کے ساتھ مشابہت ہے تو ان کا عمل بھی فعل کے مشابہ ہوگا اور قاعدہ ہے کہ مشبہ فرع ہے مشبہ بہ کی اس لئے ان کا عمل بھی فرع ہونا چاہئے فعل کے عمل کی اور فعل کا اصلی

علی المذہب الاصح لانہا لما شابہت الفعل المتعدی کما یجیئ عملت رفعاً ونصباً مثلہ ہو ای خبر ان واخواتہا المسند الی شئ اخر بعد دخول احد ہذہ الحروف علیہما فقولہ المسند شامل لخبر کان وخبر المبتداء وخبر لا التی لنفی الجنس وغیرہا وبقولہ بعد دخول ہذہ الحروف خرج جمیعہا عنہ والمراد بدخول ہذہ الحروف علیہما ورودہا علیہما لا یراث اثر فیہما لفظاً ومعنی فلا ینتقض التعریف بمثل یقوم فی قولنا ان زید ایقوم ابوہ فان یقوم ہہنا من حیث اسنادہ الی ابوہ لیس مما یدخل علیہ ان بہذا المعنی بل انما دخل علی جملۃ یقوم ابوہ

---

عمل یہ ہے کہ مرفوع مقدم ہو منصوب پر۔ اور فرعی یہ ہے کہ منصوب مقدم ہو مرفوع پر اس لئے ان حروف کا عمل فرعی ہونے کی وجہ سے پہلے منصوب لایا جائے گا جو ان کا اسم ہوگا اور مرفوع کو بعد میں لایا جائے گا جو ان کی خبر ہوگی۔

قولہ علی المذہب الاصح :- اس سے بصریین کا مذہب مراد ہے اس کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے

قولہ ہو المسند بعد دخول احد ہذہ الحروف :- خبر ان اور اس کے اخوات کی تعریف یہ ہے کہ جو ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ ہذہ الحروف سے پہلے لفظ احد نکال کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ کی عبارت ہو المسند بعد دخول ہذہ الحروف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اور اس کے اخوات کی خبر وہ ہے کہ جو ان تمام حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے اس لئے کہ ان حروف میں سے ہر ایک اپنی اپنی خبر پر داخل ہوتا ہے ایسا نہیں کہ ایک کی خبر پر سب داخل ہوتے ہوں کیونکہ اس میں توارد عللِ مختلفہ کا محل واحد پر لازم آتا ہے جو ناجائز ہے۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں ہذہ الحروف سے پہلے لفظ احد محذوف ہے جو ہذہ الحروف کی طرف مضاف ہے مصنف کا قول المسند جنس ہے جو مبتداء کی خبر اور کان اور اس کے اخوات کی خبر اسی طرح لانفی جنس وغیرہ کی خبروں کو شامل ہے اور بعد دخول ہذہ الحروف یہ فصل ہے اس سے یہ سب خبریں خارج ہو جائیں گی۔

قولہ والمراد بدخول ہذہ الحروف الخ :- شارح اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے خبر ان اور اس کے اخوات کی جو تعریف کی ہے وہ دخول غیر سے مانع نہیں ہے اس لئے کہ ان زیداً یقوم ابوہ جیسی مثال میں یقوم پر یہ صادق ہے کہ وہ مسند ہے ان کے داخل ہونے کے بعد، لہٰذا اس کو ان کی خبر کہنا چاہئے حالانکہ تنہا یقوم ان کی خبر نہیں خبر تو یقوم ابوہ پورا جملہ ہے، اس کا جواب شارح اس عبارت سے دے رہے ہیں جواب کا

فلا یحتاج الی ان یجاب عنہ بان المراد بالمسند المسند الی اسماء ھذہ الحروف ویلزم منہ استدراک قولہ بعد دخول ھذہ الحروف ولا الی ان یجاب بان المراد بالمسند الاسم المسند فیحتاج الی تاویل الجملۃ بالاسم حیث یکون خبرھا جملۃ مثل اِنّ زیدًا یقوم مثل قائم فی اِنّ زیدًا قائم فانہ المسند بعد دخول ھذہ الحروف۔ وامرہ کامر الخبر المبتدا ای حکمہ کحکم الخبر المبتدا فی اقسامہ من کونہ مفردًا وجملۃ ونکرۃً ومعرفۃً وفی احکامہ من کونہ واحدا ومتعددا ومثبتا ومحذوفا وفی شرائطہ

---

حاصل یہ ہے کہ دخول سے مراد ہے اثر کرنا اور مثال مذکور میں اِنّ کا اثر پورے جملہ یقوم ابوہ پر ہے نہ کہ تنہا یقوم پر اور وہ اثر مثال مذکور میں یہ ہے کہ قیام اب کو محقق طور پر زید کے لئے ثابت کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات تنہا یقوم سے نہیں ظاہر ہوتی۔

قولہ فلا یحتاج الی ان یجاب الخ:۔ اعتراض مذکور کا بعض حضرات نے جو جواب دیا ہے شارح اس کو رد کرتے ہیں، شارح ہندی نے یہ جواب دیا ہے کہ مسند سے مراد یہ ہے کہ ان حروف کے اسمار کی طرف مسند ہو اور مثال میں مذکور میں یقوم کی اسناد ابوہ کی طرف ہے اِنّ کے اسم زیدًا کی طرف نہیں ہے شارح اس جواب کو رد کر رہے ہیں کہ اگر اس کا یہ مطلب ہے تو پھر بعد دخول ہذہ الحروف کی قید بیکار ہے اس لئے کہ ان حروف کے اسم کی طرف اسناد تو جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب یہ داخل ہوں اور ان کے اسم کا اسم ہونا اور خبر کا خبر ہونا متعین ہو جائے اور تم نے دخول کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کے اعتبار سے تو اس عبارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا مقصد تو لفظ دخول ہی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
بعض حضرات نے اعتراض مذکور کا یہ جواب دیا ہے کہ مسند سے مراد اسم مسند ہے اور مثال مذکور اِنّ زیدًا یقوم ابوہ میں مسند فعل ہے، شارح اس جواب کو بھی رد کر رہے ہیں کہ تمہارا یہ جواب ہر جگہ نہ چل سکے گا جہاں خبر جملہ ہو وہاں تم کو تاویل کرنی پڑے گی کیونکہ اسم تو مفرد ہوتا ہے اور جملہ مفرد نہیں ہوتا مثلاً اِنّ زیدًا یقوم میں یقوم اِنّ کی خبر ہے حالانکہ وہ اسم نہیں کیونکہ اسم مفرد ہوتا ہے اور یہ فعل، فاعل مل کر جملہ ہے، یہاں لامحالہ جملہ کو اسم کی تاویل میں کرنا پڑے گا، حاصل یہ ہے کہ ان دونوں جوابوں میں تکلف تھا اس لئے شارح نے ان دونوں کو رد کیا ہے۔

قولہ وامرہ کامر خبر المبتدا:۔ یعنی اِنّ وغیرہ کی خبر مبتدا کی خبر کے مشابہ ہے اور یہ مشابہت احکام، اقسام، شرائط سب ہی امور میں ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح مبتدا کی خبر کی قسمیں ہیں اور وہ مفرد، جملہ، نکرہ، معرفہ ہوتی ہے اسی طرح اِنّ کی خبر کا حال ہے وہ بھی مفرد اور جملہ، نکرہ معرفہ ہوتی ہے اور جس طرح مبتدا کی خبر کے احکام ہیں کہ وہ کبھی واحد ہوتی ہے کبھی متعدد اور کبھی موجود ہوتی

من انہ اذا کان جملۃ فلابد من عائد ولا یحذف الا اذا علم والمراد ان امرہ کامرہ
بعد ان یصح کونہ خبرا لوجود شرائطہ وانتفاء موانعہ ولا یلزم من ذلک ان کل مایصح
ان یکون خبرا للمبتداء یصح ان یقع خبرا لباب ان حتی یرد انہ یجوز ان یقال
این زید ومن ابوک ولا یجوز ان یقال ان این زیدا وان من اباک ا لا فی
تقدیمہ ای لیس امرہ کامر خبر المبتداء فی تقدیمہ فانہ لا یجوز تقدیمہ علی الاسم
وقد جاز تقدیم الخبر علی المبتداء وذلک لان ہذہ الحروف فروع علی الفعل فی العمل

---

ہے کبھی محذوف اسی طرح ان حروف کی خبر کا حال ہے اور انّ وغیرہ کی خبر کے لئے بھی وہ شرطیں ہیں جو مبتداء کی خبر کے لئے ہیں مثلاً جب خبر جملہ ہو تو عائد کا ہونا ضروری ہے جس سے ان حروف کے اسم کے ساتھ ربط پیدا ہو جائے جیسے مبتداء کی خبر اگر جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے اور یہ عائد بغیر قرینہ کے حذف نہ کیا جائے گا۔

قولہ والمراد ان امرہ الخ:۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت وامرہ کامر خبر المبتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے اندر مبتداء کے خبر بننے کی صلاحیت ہے وہ انّ وغیرہ کی بھی خبر ہو سکتی ہے حالانکہ ایسا نہیں چنانچہ این زید اور من ابوک کہنا صحیح ہے اس میں این خبر ہے زید کی اور من خبر ہے ابوک کی اور یہ بالکل درست ہے لیکن ان این زیدا اور ان من اباک کہنا صحیح نہیں ہے یعنی ان مثالوں میں این کو اور من کو انّ کی خبر قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ این اور من صدارت کلام کو چاہتے ہیں ان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ شروع کلام میں آئیں اور جب انّ کو ان پر مقدم کر کے اس کی خبر قرار دیں گے تو صدارت فوت ہو جائے گی، دوسری بات یہ ہے کہ انّ تحقیق کے لئے ہے جس سے کلام کی تاکید ہوتی ہے اور این ومن استفہام کے لئے ہیں جو تردد پر دلالت کرتے ہیں، اس تضاد کی وجہ سے ان دونوں کے ساتھ انّ کا لانا درست نہیں ہے۔

قولہ الا فی تقدیمہ الخ:۔ مطلب یہ ہے انّ وغیرہ کی خبر مبتداء کی خبر کے ساتھ اقسام، احکام شرائط میں تو مشابہ ہے لیکن تقدیم کے بارے میں مشابہت نہیں ہے، مبتداء کی خبر تو مبتداء پر مقدم ہو سکتی ہے لیکن انّ حروف مشبہ بہ فعل کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہیں ہو سکتی کیونکہ ان حروف کا عمل فعل کے عمل کی فرع ہے اور عمل فرعی میں ترتیب یہ ہے کہ منصوب پہلے ہوگا اور مرفوع بعد میں اور حروف مشبہ بہ فعل عامل ضعیف ہیں لہٰذا ان کے عمل کی جو ترتیب ہے کہ منصوب پہلے ہو اور مرفوع بعد میں ہو اگر یہ ترتیب ہے تو یہ عمل کریں گے ورنہ نہیں۔ اور خبر کو مقدم کر دینے میں یہ ترتیب باقی نہ رہے گی کیونکہ خبر مرفوع ہوتی ہے اس کو مقدم کر دیں گے تو مرفوع مقدم اور منصوب موخر ہو جائے گا جو ان کے عمل کو

فادیں ان یکون عملہا فرعیًا ایضا والعمل الفرعی للفعل ان یتقدم المنصوب علی المرفوع والاصلی ان یتقدم المرفوع علی المنصوبات فلما اعملت العمل الفرعی لم یتصرف فی معمولیہما بتقدیم ثانیہما علی الاول کما یتصرف فی معمولی الفعل لنقصانہا عن درجۃ الفعل الا ان یکون الخبر ظرفًا ای لیس اسم کاسم خبر المبتدا فی تقدیمہ الا اذا کان ظرفا فان حکمہ اذا حکمہ فی جواز التقدیم اذا کان الاسم معرفۃ نحو قولہ تعالٰی اِنَّ اِلَیْنَا اِیَابَھُمْ وفی وجوبہ اذا کان الاسم نکرۃ نحو اِنَّ من البیان لسحرًا واِنَّ من الشعر لحکمۃ وذلک لتوسعہم فی الظرف ما لا یتوسع فی غیرہا خبر لا التی الکائنۃ لنفی الجنس ای لنفی صفتہ اذ لا رجل قائم مثلا لنفی القیام عن الرجل لا لنفی الرجل

---

باطل کردے گا، لہذا فعل کے معمولوں میں تو تصرف کیا جا سکتا ہے خواہ مرفوع پہلے لایا جائے اور منصوب بعد میں یا اس کا عکس کر دیا جائے ہر صورت میں وہ عمل کرے گا کیونکہ وہ عامل قوی ہے لیکن اِنَّ وغیرہ کے معمولوں میں تصرف نہیں کیا جا سکتا ہے ان میں جو ترتیب رکھی گئی ہے عمل کے لئے وہ ترتیب ضروری ہے۔

قولہ الا ان یکون ظرفا الخ:۔ اس سے پہلے مصنف کی عبارت الا فی تقدیمہ سے یہ ثابت ہوا تھا کہ حروف مشبہ بہ فعل کی خبر اگر ان حروف کے اسم پر مقدم کر دی جائے تو یہ حروف عمل نہ کریں گے اس عبارت سے ایک صورت کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کر رہے ہیں کہ اگر ان حروف کی خبر ظرف ہو تو وہ ان حروف کے اسم پر مقدم ہو سکتی ہے اس کی تقدیم ان حروف کے عمل کو باطل نہ کرے گی، جیسے ان الینا ایابہم، ان من البیان لسحرا، ان من الشعر لحکمۃ، ان امثلہ میں الینا، من البیان، من الشعر یہ خبر واقع ہیں اور اسم پر مقدم ہیں مگر ظرف کی وجہ سے یہ تقدیم جائز ہے اور قادح عمل نہیں۔ لان الظرف یتوسع فیہ ما لا یتوسع فی غیرہ یہ آپ کو معلوم ہے کہ نحاۃ کے یہاں جار ومجرور کو بھی ظرف کہا جاتا ہے اس لئے مثال ممثل لہ کے مطابق ہے۔

قولہ خبر لا التی لنفی الجنس الخ:۔ لا نفی جنس کی خبر بھی مرفوعات میں سے ہے یہ لا اِنَّ کے مشابہ ہے اس واسطے اس کو ان کے بعد بیان کیا اور وہ مشابہت یہ ہے کہ اِنَّ اثبات کی تاکید کے لئے آتا ہے اور یہ لا نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے تاکید میں دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہے اس صورت میں ایک دوسرے کی نظیر ہوتے یا یہ کہا جائے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک اثبات کی تاکید کرتا ہے دوسرا نفی کی تاکید کرتا ہے اور اثبات ونفی ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ایک دوسرے کی ضد ہونا یہ بھی ایک قسم کی مناسبت ہے اس لئے اِنَّ کی خبر کے بعد لا نفی جنس کی خبر کو بیان کیا۔ شارح نے لنفی الجنس کے بعد لنفی صفۃ الجنس نکالا اور اس کی وجہ بھی بیان

نفسہ هو المسند الی شئ اخرهذا شامل لخبر المبتداء وخبر انّ وكانَ وغيرها بعد دخولها ای بعد دخول لا فخرج به سائر الاخبار والمراد بدخولها ما عرفت فی خبران فلا يرد نحو يضرب فی لا رجل يضرب ابوه نحو لاغلام رجل ظريف وانما عدل عن المثال المشهور وهو قولهم لا رجل فی الدار لاحتمال حذف الخبر وجعل فی الدار صفة بخلاف ما ذكره لان غلام رجل معرب منصوب لا يجوز ارتفاع صفته على ما هو الظاهر فيها ای فی الدار خبر بعد خبر لاظرف ظريف ولا حال لان الظرافة لا يتقيد بالظرف ونحوه وانما اتى به لئلا يلزم الكذب بنفی ظرافة

---

کردی ہے کہ لا، دراصل جنس کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس کے صفت کی نفی کرتا ہے مثلاً لا رجل فی الدار میں رجل کی نفی نہیں بلکہ رجل کے استقرار فی الدار کی نفی ہے۔

قولہ هو المسند بعد دخولها الخ:- لفظ مسند ہر خبر کو شامل ہے خواہ کسی کی خبر ہو بعد دخولها کی قید کے بعد لا، نفی جنس کی خبر کے علاوہ سب خبریں نکل گئیں۔

قولہ والمراد بدخولها الخ:- انّ وغیرہ کی خبر پر جو اعتراض کیا گیا تھا اسی قسم کا اعتراض یہاں بھی وارد ہوتا ہے، اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ لا رجل یضرب ابوہ میں یضرب پر یہ صادق ہے کہ وہ لا، کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے لہذا اس کو لا، نفی جنس کی خبر کہنا چاہئے حالانکہ خبر یضرب ابوہ پورا جملہ ہے نہ کہ تنہا یضرب، جواب کی تفصیل انّ کی خبر کے بیان میں گذر چکی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دخول سے مراد ہے اثر۔ لا، نفی جنس کا اثر یضرب ابوہ پورے پر ہے نہ کہ تنہا یضرب پر تو جس پر اثر ہے وہ خبر ہے اور جو خبر نہیں اس پر لا، کا اثر بھی نہیں۔

قولہ لاغلام رجل ظريف فيها:- اس میں غلام رجل مضاف الیہ مل کر لا، کا اسم ہے اور ظریف خبر اول ہے فیہا خبر ثانی ہے ظریف کے بعد فیہا کا اضافہ اس واسطے کیا تاکہ خلاف واقع لازم نہ آئے کیونکہ فیہا کے نہ ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوتا کہ کسی مرد کا غلام ظریف نہیں ہے حالانکہ یہ کذب ہے بہت سے لوگوں کے غلام ظریف ہوتے ہیں سب ہی بے وقوف نہیں ہوتے، فیہا کے اضافہ سے یہ خرابی لازم نہ آئیگی کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عقلمند غلام گھر میں نہیں ہے باہر گیا ہے، دوسرا فائدہ فیہا کے اضافہ سے یہ ہے کہ اس سے لا، نفی جنس کی دو قسم کی خبروں کا بیان ہو جائیگا ظریف غیر ظرف کی مثال ہے اور فیہا ظرف کی مثال ہے۔

قولہ انما عدل عن المثال المشهور الخ:- ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ لا، نفی جنس کے خبر کی مشہور مثال لا رجل فی الدار ہے اس سے عدول کر کے نئی مثال کیوں بیان کی شارح

كل غلام رجل وليكون مثالا لنوعي خبرها الظرف وغيره ويحذف خبر لا هذه حذفًا كثيرًا اذا كان الخبر عامًا كالموجود والحاصل لدلالة النفي عليه نحو لا اله الا الله اى لا اله موجود الا الله وبنو تميم لا يثبتونه اى لا يظهرون الخبر في اللفظ لان الحذف عندهم واجب او المراد انهم لا يثبتونه اصلا لا لفظا ولا تقديرا فيقولون معنى قولهم لا اهل ولا مال انتفى الاهل والمال فلا يحتاج الى تقدير خبر وعلى التقديرين يحملون ما يرى خبرا في مثل لا رجل قائم على الصفة دون الخبر

---

اس عبارت سے عدول کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ مثال مشہور میں خبر کا التباس صفت سے لازم آتا تھا کیونکہ اس میں احتمال تھا کہ فی الدار کائن کے متعلق ہو کر رجل کی صفت ہو اور خبر محذوف ہو تو چونکہ مثال مشہور اپنے ممثل لہ میں نص نہیں ہے اس لئے اس سے عدول کر کے ایسی مثال بیان کی جس میں خبر کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں۔

قولہ ویحذف حذفا کثیرًا :- کثیرًا سے پہلے حذفًا کال کر یہ بتایا ہے کہ یہ موصوف صفت مل کر یحذف فعل کا مفعول مطلق ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ لا کی خبر جب افعال عامہ میں سے ہو تو اس کو کثرت سے حذف کر دیا جاتا ہے کیونکہ لا نفی کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شئی ہو جس کی نفی کی جائے ورنہ نفی کا تحقق نہ ہوگا تو چونکہ نفی منفی پر دلالت کرتی ہے اس لئے اگر ذکر نہ کریں تب بھی کوئی حرج نہیں جیسے لا الہ الا اللہ یہاں لا کی خبر موجود محذوف ہے۔

قولہ وبنو تمیم لا یثبتونہ :- اس عبارت کے دو مطلب ہیں (۱) بنو تمیم لا نفی جنس کے خبر تو مانتے ہیں لیکن لفظوں میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک اس کی خبر کا حذف واجب ہے (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ لا نفی جنس کی خبر کا وجود ہی نہیں تسلیم کرتے نہ لفظاً نہ تقدیرًا اور کہتے ہیں کہ لا نفی جنس دراصل اسم فعل ہے انتفی کے معنی میں ہے، اس وجہ سے اس کا اسم بمنزلہ فاعل کے ہے جس کے ساتھ وہ تمام ہو جائے گا خبر کی ضرورت ہی نہیں، ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لا کی خبر لفظوں میں موجود ہے وہاں آپ کیا تاویل کریں گے جیسے لا رجل قائم یہاں قائم لا نفی جنس کی خبر ہے اس قسم کی مثالوں کا بنو تمیم یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صفت ہے، خبر نہیں، پھر اعتراض ہوتا ہے کہ صفت اور موصوف کا اعراب یکساں ہونا چاہئے اور یہاں رجل پر نصب ہے اور قائم پر رفع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قائم رجل کی صفت محل کے اعتبار سے ہے اور رجل محلاً مرفوع ہے کیونکہ مبتداء کی جگہ میں ہے، لیکن ان تمام تاویلوں کے باوجود بنو تمیم کی بات دل کو نہیں لگتی اس لئے کہ اگر یہ لا اسم فعل کے معنی میں ہے تو اس کے بعد رفع آنا چاہئے

اسم ما ولا المشبھتین بلیس فی معنی النفی والدخول علی المبتدا والخبر وھی اذا عملا عملہ ھو المسند الیہ ھذا شامل للمبتدا ولکل مسند الیہ بعد دخولہما خرج بہ غیر اسم ما ولا وبما عرفت من معنی الدخول لایرد مثل ابوہ فی ما زید ابوہ قائم مثل ما زید قائما ولا رجل افضل منک وانما اتی بالنکرۃ بعد لا لان لا لا تعمل الا فی النکرۃ بخلاف ما فانہا تعمل فی النکرۃ والمعرفۃ

---

منصب کیوں آتا ہے۔

قولہ اسم ما ولا المشبھتین بلیس الخ:۔ یہ مرفوعات کی آٹھ قسموں میں سے آخری قسم ہے ما ولا لیس کے ساتھ دو چیزوں میں مشابہ ہیں (۱) نفی کے معنی میں اور مبتدا اور خبر پر داخل ہونے میں اس لئے ان کو مشابہ بلیس کہا جاتا ہے اور اسی مشابہت کی وجہ سے ان کا عمل بھی لیس جیسا ہے جس طرح لیس اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے یہ دونوں بھی اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اسم ما ولا مشابہ بلیس کی تعریف یہ ہے کہ جو ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو، لفظ مسند الیہ ہر مسند الیہ کو شامل ہے جیسے مبتدا ان وغیرہ کا اسم، مصنف نے بعد دخولہا لاکر ما ولا کے اسم کے علاوہ سب کو خارج کر دیا۔

قولہ وبما عرفت من معنی الدخول الخ:۔ اعتراض مشہور کا جواب ہے، اعتراض کی تقریر وہی ہے جو اس سے پہلے اِنّ اور لا نفی جنس کے بیان میں گذری، اس کا حاصل یہ ہے کہ ما زید ابوہ قائم میں ابوہ ما کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہے حالانکہ وہ ما کا اسم نہیں ہے ما کا اسم تو زید ہے اور ابوہ قائم پورا جملہ اس کی خبر ہے لہذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دخول سے مراد اثر ہے اور ما کا اثر ابوہ قائم پورے جملہ پر اس حیثیت سے ہے کہ اس کو اسم کی طرف مسند کر دے لہذا پورا جملہ ما کی خبر ہے اور زید اس کا اسم ہے۔

قولہ وانما اتی بالنکرۃ بعد الخ:۔ مصنفؒ ما کے اسم کو معرفہ لائے اور کہا ما زید قائما اور لا کے اسم کو نکرہ لائے اور لا رجل افضل منک کہا، شارح اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ لا کا عمل نکرہ میں ہوتا ہے معرفہ میں نہیں ہوتا اس لئے لا کے بعد نکرہ ذکر کیا، ما کا عمل معرفہ اور نکرہ دونوں میں ہوتا ہے لیکن مصنف نے ما کے بعد صرف ایک مثال معرفہ کی بیان کی ہے نکرہ کی مثال نہیں بیان کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تو معرفہ ہے اور نکرہ اس کی فرع ہے جس کا عمل اصل پر ہوتا ہے فرع پر بدرجہ اولی ہوگا، رہی یہ بات کہ لا کا عمل نکرہ کے ساتھ کیوں خاص ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لا جنس کی نفی کے لئے آتا ہے اور جنس کے لئے نکرہ ہونا ضروری ہے اس لئے لا کا دخول ہمیشہ نکرہ پر ہوگا۔

هذہ اللغۃ اهل الحجاز و اما بنو تمیم فلا یثبتون لهما العمل ویقولون الاسم والخبر بعد دخولهما مرفوعان بالابتداء کما کانا قبل دخولهما و علی لغۃ اهل الحجاز ورد القراٰن نحو ما هذا بشرا و هو ای عمل لیس فی لا دون ما شاذ قلیل لنقصان مشابهۃ لا بلیس لان لیس لنفی الحال ولا لیس کذلک فانہ للنفی مطلقاً بخلاف ما فانہ ایضاً لنفی الحال فیقتصر عمل لا علی مورد السماع نحو قولہ

---

قولہ هذہ اللغۃ الحجاز :- یعنی ما اور لا کا عامل ہونا یہ اہل حجاز کی لغت ہے بنو تمیم کے نزدیک ما اور لا عامل نہیں ہیں مبتداء اور خبر جس طرح مرفوع تھے ما اور لا کے آنے کے بعد بھی مرفوع رہیں گے ان کی دلیل یہ ہے کہ عامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک نوع کے ساتھ خاص ہو اور ما اور لا ایک نوع کے ساتھ خاص نہیں اسم اور فعل دونوں پر داخل ہوتے ہیں، دوسرا استدلال ان کا شاعر کا قول ہے ؎ وملهفهف کالغصن قلت لہ انتسب ٭ فاجاب ما قتل المحب حرام
اگر ما عامل ہوتا تو حرام پر نصب آتا حالانکہ اس پر رفع ہے۔

قولہ وعلی لغۃ اهل الحجاز ورد القراٰن :- شارح اہل حجاز کی تائید کر رہے ہیں کہ اہل حجاز کا مسلک صحیح ہے قرآن پاک سے اسکی تائید ہوتی ہے ارشاد باری ہے ماہذا بشرا اس میں بشرا پر نصب ما کے خبر ہونے کی وجہ سے ہے اور جب ما کا عامل ہونا ثابت ہو گیا تو لا کا بھی عامل ہونا ثابت ہو جائے گا کیونکہ جو عامل مانتے ہیں وہ دونوں کو عامل مانتے ہیں جو نہیں مانتے وہ دونوں کو نہیں مانتے ایسا کوئی قول نہیں ہے کہ ایک عامل ہو اور دوسرا نہ ہو، اہل حجاز کی طرف سے بنو تمیم کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ما اور لا کا دخول اسم اور فعل پر علیحدہ علیحدہ حیثیت سے ہے، ما و لا اسم پر جو داخل ہوتے ہیں وہ ما و لا وہ نہیں جو فعل پر داخل ہوتے ہیں اسی طرح اس کا عکس ہے، لہذا یہ اپنی اپنی نوع کے ساتھ خاص ہوئے۔ شعر سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مثال مذکور میں حرام ما کی خبر ہے قاعدہ سے اس پر نصب آنا چاہئے لیکن ضرورت شعری کیوجہ سے اس پر رفع آیا ہے اور منظوم کلام میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔

قولہ وهو ای عمل لیس فی لا دون ما شاذ :- یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ لا کی مشابہت لیس کے ساتھ کمزور ہے اس لئے لیس کا عمل لا میں شاذ ہے، مشابہت کی کمزوری اس وجہ سے ہے کہ لیس تو حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور لیس میں کسی زمانہ کی قید نہیں مطلق نفی کے لئے آتا ہے خواہ ماضی ہو یا حال ہو یا استقبال، اور ما بھی لیس کی طرح حال کی نفی کے لئے آتا ہے اس لئے ما کے عمل میں کوئی قید نہیں البتہ لا کا عمل مورد سماع پر محدود رہے گا جہاں کلام عرب میں اس کا عمل سنا گیا ہے

شعری من صد عن نیرانها ؛ فانا ابن قیس لا براح - ای لا براح لی ولا یجوز ان تکون لنفی الجنس لانها اذا کانت لنفی الجنس لا یجوز فیما بعدها الرفع مالم یتکرر ولا تکرار فی البیت اعلم ان المراد بالمسند والمسند الیہ فی ہذہ التعریف مایکون مسندا او مسند الیہ بالاصالۃ لا بالتبعیۃ بقرینۃ ذکر التوابع فیما بعد

---

وہیں عمل کرے گا دوسری جگہ نہیں، جیسے مندرجہ ذیل شعر میں لا کا عمل دیا گیا ہے۔

من صد عن نیرانها ؛ فانا ابن قیس لا براح۔ اس میں براح لا کا اسم ہے اور لی اس کی خبر محذوف ہے یہ شعر سعد ابن مالک کا ہے وہ اپنی شجاعت کو بیان کر رہے ہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص لڑائی کی آگ سے اعراض کرتا ہے اور جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا وہ نہ شریک ہو، میں تو قیس کا بیٹا ہوں جس کی شجاعت مشہور ہے میں جنگ سے روگردانی نہ کروں گا۔

قولہ ولا یجوز ان تکون لنفی الجنس الخ:۔ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ شارح نے لا مشابہ بلیس کے عمل کی یہ مثال بیان کی ہے کہ لا براح میں لا مشابہ بلیس ہے اور براح پر رفع اس کے اسم کی وجہ سے ہے کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ یہ لا مشابہ بلیس ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ لا نفی جنس کا ہو، لہذا مثال ممثل لہ کے مطابق نہ ہوئی مشکل سے لا مشابہ بلیس کے عمل کی یہ مثال ملی تھی اس میں بھی دوسرا احتمال نکل آیا، شارح یہ جواب دے رہے ہیں کہ شعر میں لا نفی جنس کا احتمال نہیں ہے کیونکہ براح پر رفع ہے اور لا نفی جنس کے بعد رفع اس وقت آتا ہے جب لا مکرر ہو اور یہاں تکرار نہیں ہے اس لئے لا نفی جنس کا احتمال باطل ہو گیا اور لا کا مشابہ بلیس ہونا محقق ہو گیا معلوم ہوا کہ مثال ممثل لہ کے مطابق ہے۔

قولہ اعلم ان المراد الخ:۔ شارح یہاں سے جو بیان کرنا چاہتے ہیں اس کا بیان مرفوعات کے شروع میں ہو چکا ہے اس عبارت کو لا کر اسی گذری ہوئی بات کی یاد دہانی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مرفوعات کے اقسام میں جہاں بھی مسند الیہ اور مسند کا ذکر آیا ہے اس سے ایسا مسند الیہ اور مسند مراد ہے جو بالاصالۃ ہو، لہذا ان کے توابع پر وہ حکم نہ لگایا جائے گا جو ان پر لگایا جاتا ہے مثلاً کوئی مسند الیہ اگر کسی عامل کا اسم ہے تو اس کے تابع کو اس عامل کا اسم نہ کہا جائیگا بلکہ اس تابع کا جو درجہ ہے اسی درجہ پر رکھا جائے گا مثلاً صفت ہے تو یہ کہا جائے گا کہ فلاں عامل کے اسم کی یہ صفت ہے یا معطوف ہے یا بدل ہے وغیرہ۔ اسی طرح اگر کوئی مسند کسی عامل کی خبر ہے تو اس کے تابع کو اس عامل کی خبر نہ کہا جائے گا بلکہ اس تابع کا اس مسند سے جس قسم کا تعلق ہے اس کا اطلاق اس پر ہوگا مثلاً وہ مسند کی صفت ہے تو صفت کہا جائے گا بدل ہے تو بدل کہا جائے گا وہکذا۔

فلا ینتقض بالتوابع و لما فرغ من المرفوعات شرع فی المنصوبات وقدمها علی المجرورات لکثرتھا ولخفۃ النصب فقال

# المنصُوبَات

ھو ما اشتمل علی علم المفعولیۃ قد تبین شرحہ بما ذکر فی المرفوعات والمراد بعلم المفعولیۃ علامۃ کون الاسم مفعولاً حقیقۃ او حکماً وھی اربع الفتحۃ والکسرۃ والالف والیاء

قولہ و لما فرغ من المرفوعات الخ:۔ مرفوعات ختم ہو گئے اب منصوبات اور مجرورات کا بیان ہوگا منصوبات کو مجرورات پر مقدم کرنے کی شارح نے دو وجہیں بیان کی ہیں (۱) منصوبات کثیر ہیں اور کثرت کے لئے عزت ہے قلت پر۔ (۲) نصب بہ نسبت جر کے خفیف ہے۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ قلیل مقدم ہوتا ہے کثیر پر لہٰذا مجرورات کو منصوبات پر مقدم ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قلیل اگر کثیر کا جزو ہو یا قلیل کے ذکر سے کثیر کا علم ہو جاتا ہو تو اسوقت قلیل کو کثیر پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں، مجرور منصوب کا جزو نہیں، اور مجرور کے ذکر سے منصوب کا علم نہیں ہوتا۔

## المنصوبات

کلام کے اندر مرفوعات کا درجہ منصوبات اور مجرورات سے افضل ہے اس لئے مرفوعات کو مقدم کیا منصوبات اکثر فاعل کے ساتھ مذکور ہوتے ہیں اس لئے مرفوعات کے بعد منصوبات کو بیان کیا، منصوبات منصوب کی جمع ہے، مؤنث کے ساتھ جمع لانے کی وجہ مرفوعات میں گذر چکی ہے۔

قولہ ھو ما اشتمل علی علم المفعولیۃ الخ:۔ منصوبات کے ضمن میں جو منصوب سمجھ میں آتا ہے اس کی طرف ھُوَ ضمیر راجع ہے، منصوب کی تعریف یہ ہے منصوب اس کو کہتے ہیں جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔

قولہ المراد بعلم المفعولیۃ الخ:۔ اعتراض ہوتا تھا کہ شی کی علامت تو اس کے ساتھ خاص ہوتی ہے، لہٰذا مفعول کی علامت یعنی نصب مفعول کے ساتھ خاص ہونی چاہئے۔ حالانکہ یہ علامت جس طرح مفعول کے اندر پائی جاتی ہے حال، مستثنیٰ، تمیز وغیرہ دیگر منصوبات میں بھی پائی جاتی ہے۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ مفعول سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً مفعول ہو یا حکماً۔ اس تعمیم کی وجہ سے مفاعیل

نحو رأیت زیداً او مسلمات دابک ومسلین ومسلین فمنہ ای من المنصوب او مما اشتمل علی علم المفعولیۃ المفعول المطلق سمی بہ لصحۃ اطلاق صیغۃ المفعول علیہ من غیر تقیید ہ بالباء او فی او مع او اللام بخلاف المفاعیل الاربعۃ الباقیۃ فانہ لایصح اطلاق صیغۃ المفعول علیھا الابعد تقییدھا بواحدۃ منھا فیقال المفعول بہ او فیہ او معہ او لہ وھو ای المفعول المطلق اسم ما فعلہ فاعل فعل والمراد بفعل الفاعل ایاہ قیامہ بہ بحیث یصح اسنادہ الیہ لان یکون مؤثراً فیہ موجداً ایاہ فلایرد علیہ مثل

---

خمسہ کے علاوہ جو دیگر منصوبات ہیں وہ بھی حکماً مفعول میں داخل ہو جائیں گے۔

قولہ فمنہ ای من المنصوب :۔ ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں، منصوبات سے جو منصوب سمجھ میں آتا ہے اس کی طرف راجع ہو یا ما اشتمل میں ما موصولہ کی طرف راجع ہو، اس کا مفصل بیان مرفوعات میں گذر چکا ہے۔ منصوبات میں سے مفعول مطلق کو پہلے بیان کیا کیونکہ یہ مطلق ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے باقی مفاعیل میں قید ہے جیسا کہ شارح نے بیان کیا ہے اور مطلق مقدم ہوتا ہے مقید پر اس واسطے مفعول مطلق کو پہلے بیان کیا۔

قولہ وھو ای المفعول المطلق اسم ما فعلہ فاعل فعل :۔ یہاں سے مفعول مطلق کی تعریف کر رہے ہیں، پوری تعریف ہم آخر میں بیان کر دیں گے پہلے شارح کی عبارت کی تشریح ہو جائے۔

قولہ والمراد بفعل الفاعل ایاہ الخ :۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف جامع نہیں ہے اس سے مفعول مطلق کے بہت سے افراد خارج ہو جائیں گے مثلاً مات موتا جسم جسامۃ، شرف شرافۃ۔ ان امثلہ میں موتا، جسامۃ، شرافۃ مفعول مطلق ہیں لیکن ان پر تعریف صادق نہیں ہے کیونکہ مفعول مطلق کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ فعل مذکور کے فاعل نے اس کو کیا ہو اور یہاں اس کا تحقق نہیں ہے اس لئے کہ موت، جسامۃ اور شرافۃ کو ان کے فعل کے فاعل نے نہیں کیا۔ شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ اعتراض ایک غلط فہمی کی بنا پر ہے غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ فعل الفاعل کا مطلب یہ ہے کہ فاعل سے فعل کا صدور ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے فعل الفاعل کا مطلب یہ ہے کہ فعل کا فاعل کے ساتھ قیام ہو، اور امثلہ مذکورہ میں موت، جسامۃ، شرافۃ کا قیام اپنے اپنے فاعل کے ساتھ ہے۔ اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ فعل منفی کے مفعول مطلق پر تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ یہاں فاعل کے ساتھ فعل کا قیام نہیں ہوتا بلکہ عدمِ قیام ہے، اس کا جواب دیا ہے کہ قیام سے مراد یہ ہے کہ فعل کی اسناد فاعل کی طرف صحیح ہو خواہ اسناد ایجابی ہو یا سلبی، مثلاً ما ضربت ضرباً میں ضرب کی طرف اسناد اگرچہ سلبی ہے لیکن صحیح ہے۔

مات موتا وجسم جسامة وشرف شرفا انما زید لفظ الاسم لان ما فعله الفاعل هو المعنی والمفعول المطلق من اقسام اللفظ ویدخل فیه المصادر کلہا مذکور صفة للفعل وھو اعم من ان یکون مذکورا حقیقة کما اذا کان مذکورا بعینہ نحو ضربت ضربا او حکما اذا کان مقدرا نحو فضرب الرقاب او اسما فیہ معنی الفعل نحو ضارب ضربا وخرج بہ المصادر التی لم یذکر فعلہا لاحقیقة ولاحکما نحو الضرب واقع علی زید بمعناہ صفة ثانیة

---

قولہ انما زید لفظ الاسم الخ:۔ شارح نے مفعول مطلق کی تعریف میں ما فعلہ فاعل فعل سے پہلے لفظ اسم کا اضافہ کیا ہے اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ اضافہ ایک اعتراض کے جواب کے سلسلے میں ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفعول مطلق معنی کے قبیل سے ہے کیونکہ ما فعلہ فاعل فعل تو معنی ہے نہ کہ لفظ حالانکہ مفعول مطلق معنوی چیز نہیں بلکہ اس کا تعلق الفاظ سے ہے کیونکہ نحوی الفاظ سے بحث کرتا ہے نہ کہ معنی سے شارح نے لفظ اسم لاکر اس اعتراض کو دفع کیا ہے کہ ما فعلہ فاعل فعل مفعول مطلق نہیں بلکہ اس کا اسم مفعول مطلق ہے اور اسم لفظ کے قبیل سے ہے لہذا اعتراض مذکور وارد نہ ہوگا۔

قولہ وھو اعم من ان یکون مذکورا حقیقة الخ:۔ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ فعل مذکور کی قید سے ایسے تمام مفعول مطلق خارج ہو گئے جن کا فعل مذکور نہیں ہے جیسے فضرب الرقاب یہ مفعول مطلق ہے لیکن اس کا مفعول مذکور نہیں۔ نیز کبھی مفعول مطلق کا عامل فعل نہیں ہوتا بلکہ اسم ہوتا ہے جیسے ضارب ضربا، یہاں عامل تو ہے لیکن فعل نہیں ایسا مفعول مطلق بھی فعل مذکور کی قید سے خارج ہو جائے گا۔ شارح کی اس تعمیم سے دونوں قسم کے اعتراض دور ہو جائیں گے تعمیم کا حاصل یہ ہے کہ مذکور سے عام مراد ہے خواہ حقیقة مذکور ہو جیسے ضربت ضربا یا حکما مذکور ہو یعنی مقدر ہو جیسے فضرب الرقاب میں اضربوا مقدر ہے اسی طرح فعل میں بھی تعمیم ہے خواہ فعل صریح ہو یا اسم ہو جس میں فعل کے معنی ہوں جیسے ضارب ضربا۔

قولہ وخرج بہ المصادر الخ:۔ مذکور کی قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ اس سے وہ تمام مصادر مفعول مطلق ہونے سے خارج ہو گئے جن کا فعل نہ حقیقة مذکور ہے اور نہ حکما جیسے الضرب واقع علی زید اس میں ضرب مصدر ہے لیکن اس کا فعل نہ حقیقة مذکور ہے اور نہ حکماً۔

قولہ بمعناہ:۔ یہ فعل کی ثانی صفت ہے مفعول مطلق کی تعریف میں جو قیود بیان کی گئی ہیں ان میں آخری قید ہے ان قیود کے اعتبار سے مفعول مطلق کی تعریف یہ ہوگی۔ مفعول مطلق اس اسم کا نام ہے جس کو فعل یا معنی فعل کے فاعل نے کیا ہو خواہ وہ فعل حقیقة مذکور ہو یا حکما نیز وہ فعل اس اسم کے

للفعل ولیس المراد بہ ان الفعل کائن بمعنی ذلک الاسم فان معنی الاسم جزء معناہ بل المراد ان معنی الفعل مشتمل علیہ اشتمال الکل علی الجزء فخرج بہ مثل تادیبا فی قولک ضربتہ تادیبا فانہ وان کان مما فعلہ فاعل فعل مذکور لکنہ لیس مما یشتمل علیہ معنی الفعل وکذلک خرج بہ مثل کراھتی فی نحو کرھت کراھتی فان للکراھۃ اعتبارین احدھما کونھا بحیث قامت بفاعل الفعل المذکور واشتق منھا فعل اسند الیہ ولاشک ان معنی الفعل مشتمل علیھا حینئذ وثانیھما کونھا بحیث وقع علیھا فعل الکراھۃ فاذا ذکرت بعد الفعل بالاعتبار الاول کما فی

---

معنی میں ہو۔

قولہ ولیس المراد بہ الخ:۔ بمعناہ کی قید پر اعتراض ہے کہ اس قید کی بنا پر مفعول مطلق کی تعریف اپنے کسی فرد پر صادق نہیں آتی کیونکہ معناہ کی ضمیر اسم کی طرف راجع ہے جس کا شارح نے مافعلہ سے پہلے اضافہ کیا ہے اور اس اسم کا مصداق مفعول مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فعل مفعول مطلق کے معنی میں ہو، حالانکہ فعل مفعول مطلق کے معنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل کل ہے اور مفعول مطلق جزء ہے۔ کل جزء کے معنی میں نہیں ہوتا، شارح اس عبارت سے جواب دے رہے ہیں کہ اسم کے معنی میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے معنی اس اسم کے معنی پر اس طرح مشتمل ہوں جیسے کل کا اشتمال جزء پر ہوتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ فعل کے معنی اور اس اسم کے معنی متحد ہو جائیں۔

قولہ فخرج بہ مثل تادیبا:۔ بمعناہ کی قید کا فائدہ بیان کر رہے ہیں توضیح اس کی یہ ہے مصنف کے قول بمعناہ سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مفعول مطلق کے معنی اور اس فعل کے معنی آپس میں متحد ہوتے ہیں جس سے اشکال یہ ہوتا ہے کہ ضربتہ تادیبا میں تادیب اور ضرب دونوں کا مصداق ایک ہی ہے تادیب کے لئے کوئی علیحدہ کام نہیں کیا گیا بلکہ ضرب ہی تادیب ہے لہذا اس کو مفعول مطلق کہنا چاہئے حالانکہ یہ مفعول لہ ہے۔ شارح فرما رہے ہیں کہ معناہ کا جب یہ مطلب ہے کہ فعل مفعول مطلق کے معنی پر مشتمل ہو جس طرح کل جزء پر مشتمل ہوتا ہے تو پھر ضربتہ تادیبا سے اعتراض نہ وارد ہوگا کیونکہ ضربت فعل ہے وہ تادیبا پر مشتمل نہیں ہے یعنی تادیب ضرب کا جزء نہیں بلکہ اس کا عین ہے۔

قولہ وکذلک خرج بہ مثل کراھتی:۔ اس عبارت سے بھی ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف مانع نہیں بعض مفعول بہ اس میں داخل ہو جائیں گے جیسے کرہت کراہتی میں کراہتی پر یہ صادق ہے کہ فعل مذکور کے فاعل نے اس کو کیا ہے اور فعل اس پر مشتمل ہے اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ کراہت میں دو اعتبار ہیں

قولك كرهت كراهة فهو مفعول مطلق واذا ذكرت بعده بالاعتبار الثاني كما في قولك كرهت كراهتي فهو مفعول به لا مفعول مطلق اذ ليس ذلك الفعل مشتملا عليه بهذا الاعتبار بل هو واقع عليه وقوع الفعل على المفعول به فخرج بهذا الاعتبار عن الحد وانطبق الحد على المحدود جامعا ومانعا وقد يكون المفعول المطلق للتاكيد ان لم يكن في مفهومه زيادة على مايفهم من الفعل والنوع ان دل على بعض انواعه والعدد ان دل على عدده مثل جلست جلوسا للتاكيد وجلسة بكسر الجيم للنوع وجلسة بفتحها للعدد فالاول اى الذى للتاكيد لا يثنى ولا يجمع لانه دال على الماهية المعراة عن الدلالة على التعدد والتثنية والجمع يستلزمان التعدد فلا يقال جلست جلوسين او جلوسات الا اذا قصد به النوع او العدد بخلاف اخويه اللذين

---

جس اعتبار سے مفعول مطلق ہے اس اعتبار سے مفعول بہ نہیں اور جس اعتبار سے مفعول بہ ہے اس اعتبار سے مفعول مطلق نہیں، اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ اس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہے اور فعل اس پر مشتمل ہے تو یہ مفعول مطلق ہے مفعول بہ نہیں اس وقت کرہت کراہۃ کہا جائے گا اس کا ترجمہ ہوگا میں نے مکروہ سمجھا مکروہ سمجھنا۔ اور اگر یہ اعتبار کیا جائے کہ فعل کراہت اس پر واقع ہے تو مفعول بہ ہوگا مفعول مطلق نہ ہوگا اسوقت کرہت کراہتی کہا جائیگا اسکا ترجمہ ہوگا میں نے اپنے بُرا سمجھنے کو بُرا سمجھا۔

قولہ وقد یکون للتاکید:۔ مفعول مطلق کی تعریف کے بعد اس کے اقسام بیان کررہے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں (۱) تاکید کے لئے ہو، اگر مفعول صرف اس معنی پر دلالت کرے جو فعل سے سمجھے جاتے ہیں جیسے جلست جلوسا (۲) نوع کے لئے ہو جو معنی فعل سے سمجھے جاتے ہیں اس کیساتھ ساتھ نوع پر بھی دلالت کرے جیسے جلست جلسۃ القاریٔ میں قاری کے بیٹھنے کی طرح بیٹھا، اس میں جلسۃ اس معنی پر بھی دلالت کرتا ہے جو جلست سے سمجھے جاتے ہیں اور بیٹھنے کی ہیئت پر بھی دلالت کرتا ہے (۳) عدد کے لئے جو معنی فعل سے سمجھے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ عدد پر بھی دلالت کرے جیسے جلست جلسۃ یہاں بھی جلسۃ جلست کے معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ عدد پر بھی دلالت کرتا ہے اس کے معنی ہیں میں ایک مرتبہ بیٹھا۔

قولہ فالاول لا یثنی ولا یجمع:۔ جو مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے وہ تثنیہ، جمع نہیں لایا جاتا اس لئے کہ وہ ماہیئت پر دلالت کرتا ہے اور ماہیئت میں تعدد نہیں، تثنیہ اور جمع کے لئے تعدد ضروری ہے اگر اس صورت میں نوع یا عدد کا ارادہ کیا جائے تو البتہ تثنیہ اور جمع لاسکتے ہیں۔

قولہ بخلاف اخویہ:۔ یعنی مفعول مطلق اگر نوع یا عدد کے لئے ہو تو اس کا تثنیہ اور جمع آئے گا جیسے

ھما للنوع والعدد نحو جلست جلستین جلسات بکسر الجیم او فتحھا وقد یکون المفعول المطلق بغیر لفظہ ای مغایر اللفظ فعلہ اما بحسب المادۃ مثل قعدت جلوسا واما بحسب الباب نحو انبتہ اللہ نباتا وسیبویہ یقدر لہ عاملا من بابہ ای قعدت وجلست جلوسا وانبتہ اللہ فنبت نباتا وقد یحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق لقیام قرینۃ جوازاً کقولک لمن قدم من سفر خیر مقدم ای قدمت قدوما خیر مقدم فخیر اسم تفضیل ومصدریتہ باعتبار الموصوف او المضاف الیہ

---

جلست جلستین وجلسات بکسر الجیم نوع کے لئے اور بفتح الجیم عدد کے لئے ۔

قولہ وقد یکون بغیر لفظہ :۔ یعنی کبھی مفعول مطلق اپنے فعل کے لفظ میں مغایر ہوتا ہے فعل کے الفاظ کچھ ہوتے ہیں اور مفعول مطلق کے الفاظ اس کے خلاف ہوتے ہیں اس مغائرت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی مادہ کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے قعدت جلوسا کبھی باب کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے انبتہ اللہ نباتا۔ فعل باب افعال سے ہے اور مفعول مطلق ثلاثی مجرد سے ہے کبھی باب اور مادہ دونوں اعتبار سے ہوتی ہے جیسے فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ بغیر لفظہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مفعول مطلق اور اس کے فعل میں لفظی مغائرت تو ہوسکتی ہے معنی کے اعتبار سے نہیں ہوسکتی اگر معنی کے اعتبار سے مغائرت ہوگی تو مفعول مطلق نہ ہوسکے گا ۔

قولہ وسیبویہ یقدر لہ عاملا :۔ سیبویہ کے نزدیک مفعول مطلق اور اس کے فعل میں لفظی مغائرت بھی نہ ہونی چاہیے جہاں کہیں ایسا ہوگا وہاں وہ تاویل کرتے ہیں اور اسی باب اور مادہ کا عامل نکالتے ہیں چنانچہ امثلہ مذکورہ میں قعدت جلوسا میں جلست نکالیں گے نباتا سے پہلے نبت اور خیفۃ سے پہلے خاف نکالیں گے ۔ مصنفؒ نے قعدت جلوسا ایسے مفعول مطلق کی مثال بیان کی ہے جو اپنے فعل کے صرف لفظ میں مغائر ہے معنی میں مغائر نہیں ہے لیکن یہ مثال اس وقت صحیح ہوگی جب قعود اور جلوس کے معنی مطلقا بیٹھنا ہو، اور اگر قعود کے معنی لیٹنے سے بیٹھنا اور جلوس کے معنی قیام سے بیٹھنا ہو، تو پھر ان دونوں میں مغائرت لفظی اور معنوی دونوں ہوگی اس صورت میں جلوسا کا مفعول مطلق بننا صحیح نہ ہوگا ۔

قولہ وقد یحذف الفعل الناصب الخ :۔ اگر کوئی قرینہ پایا جائے تو مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے جیسے سفر سے واپس آنے والے کے لئے بطور اکرام خیر مقدم کہا جائے اصل عبارت قدمت قدوما خیر مقدم ہے اس میں قدوما موصوف اور خیر مقدم صفت ہے موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کیا اس کے بعد قرینہ حالیہ کی وجہ سے قدمت فعل کو حذف کر دیا،

لان اسم التفضیل لہ حکم ما اضیف الیہ ووجوبا ای حذفا واجبا سماعا ای سماعیا موقوفا علی السماع لاقاعدۃ لہ یعرف بھا نحو سقیا ای سقاک اللہ سقیا ورعیا ای رعاک اللہ رعیا وخیبۃ ای خاب خیبۃ من خاب الرجل خیبۃ اذا لم ینل ماطلب وجدعا ای جدع جدعا والجدع قطع الانف والاذن والشفۃ والید وحمدا ای حمدت حمدا شکرا ای شکرت شکرا وعجبا ای عجبت عجبا فانہ لم یوجد فی کلامھم استعمال الافعال العاملۃ فی ھذہ المصادر وھذا معنی وجوب الحذف سماعا قیل علیہ قد قالوا احمدت اللہ حمدا وشکرتہ شکرا وعجبت عجبا فاجاب بعضھم

---

اس میں اشکال ہوتا ہے کہ خیر تو اسم تفضیل ہے مصدر نہیں ہے تو اس کا مفعول مطلق بنا کیسے صحیح ہوگا شارح اس کا جواب ومصدریتہ سے دے رہے ہیں کہ اس کی مصدریت یا تو اس کے موصوف کے اعتبار سے ہے کیونکہ موصوف قدوما ہے اور وہ مصدر ہے یا مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ تقدّم مصدر میمی ہے۔

قولہ ووجوبا سماعا:۔ وجوبا واجبا کے معنی میں ہے اور حذفا مصدر محذوف کی صفت ہے، حذفا یحذف کا مفعول مطلق ہے وجوبا کو واجبا کے معنی میں کرنے کی وجہ اس سے پہلے گذر چکی ہے۔ اس عبارت میں یہ بیان کیا ہے کہ کبھی مفعول مطلق کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں (۱) سماعی (۲) قیاسی۔ سماعی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں اہل عرب نے ان مقامات میں حذف کیا ہے اس لئے حذف کیا جاتا ہے، قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے قاعدہ مقرر ہے وہ قاعدہ جہاں پایا جائے گا حذف کرنا واجب ہوگا، حذف سماعی کی مندرجہ ذیل مثالیں مصنف نے بیان کی ہیں۔ (۱) سقیا ای سقاک اللہ سقیا (اللہ تجھ کو سیراب کرے سیراب کرنا)، (۲) رعیا ای رعاک اللہ رعیا (اللہ پاک تیری حفاظت کرے حفاظت کرنا)، (۳) خیبۃ ای خاب خیبۃ (نا امید ہوا وہ نا امید ہونا)، (۴) جدعا ای جدع جدعا جدع کے معنی ہیں ناک، کان، ہاتھ، ہونٹ کاٹنا، بددعا کے وقت میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے لفظی ترجمہ یہ ہوگا ناک کان وغیرہ کاٹا جائے کاٹا جانا (۵) حمدا ای حمدت حمدا (میں نے تعریف کی تعریف کرنا)، (۶) شکرا ای شکرت شکرا (میں نے شکر ادا کیا شکر ادا کرنا)، (۷) عجبا ای عجبت عجبا (میں نے تعجب کیا تعجب کرنا) ان امثلہ میں مفعول مطلق کے عامل کا استعمال اہل عرب سے نہیں سنا گیا۔

قولہ قیل علیہ قد قالوا الخ:۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ امثلہ مذکورہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے افعال کو سماعا حذف کیا گیا ہے اور یہ حذف واجب ہے حالانکہ ان کا استعمال

بان ذلک لیس من کلام الفصحاء وبعضهم بان وجوب الحذف انما هو فیما استعمل باللام نحو حمداً له وشکراً له وعجباً له وقد یحذف الفعل الناصب للمفعول المطلق حذفا واجبا قیاسا ای حذفا قیاسیا یعلم له ضابط کلی یحذف معه الفعل لزوما فی مواضع متعددة منها ای من هذه المواضع موضع ما وقع ای مفعول مطلق وقع مثبتا ارید اثباته لا نفیه فانه لو ارید نفیه نحو ما زید یسیر سیرا لایجب حذفه بعد نفی داخل علی اسم لا یکون المفعول المطلق خبرا عنه او بعد معنی نفی داخل علی اسم لایکون

فعل کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور حمدت اللہ، شکرتہ شکراً، عجبت عجباً کہا جاتا ہے، اس اعتراض کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ فصحاء کا کلام نہیں ہے، بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ان مصادر کا استعمال جب لام کے ساتھ ہوتا ہے اس وقت فعل کا حذف واجب ہے مثلاً حمداً لہ، شکراً لہ، عجباً لہ کہا جاتے۔ اس جواب پر اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف کی مثالوں میں تو لام موجود نہیں لہذا فعل کا حذف نہ ہونا چاہئے تو پھر کیوں حذف کیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان امثلہ میں لام تھا اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

قولہ وقیاسا ای حذفا قیاسیا۔ حذفا نکال کر اشارہ کیا کہ موصوف محذوف ہے قیاسا مصدر ہے وہ حذفا کی صفت نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو قیاسیا کے معنی میں لیا گیا، اس عبارت سے ان مواقع کو بیان کر رہے ہیں جہاں مفعول مطلق کے فعل کو قیاسا حذف کرنا واجب ہے ایسے مواقع تو بہت ہیں لیکن مصنف نے مشہور مقامات کو بیان کیا ہے۔

قولہ منہا مثبتا بعد نفی الخ:۔ من تبعیضیہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مواقع جہاں مفعول مطلق کے عامل کو قیاسا حذف کرنا واجب ہے بہت ہیں لیکن یہاں ان میں سے بعض مقامات مشہورہ کو بیان کیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے بیان کیا ہے اور شارح کا لفظ متعددة سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے اگر ان مقامات کے علاوہ اور مقامات نہ ہوتے تو منحصرة کہتے قاعدہ کی تشریح سے پہلے شارح نے مصنف کی عبارت ما وقع سے پہلے جو موضع کا لفظ ذکر کیا ہے اس کی وجہ معلوم کیجئے اس اضافہ میں ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ منہا میں من تبعیضیہ بعض کے معنی میں ہے اور ہا ضمیر مواضع کی طرف راجع ہے تقدیر عبارت ہوئی بعض المواضع اور یہ ترکیب میں مبتدا ہے اور ما وقع خبر ہے اور خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے وہ یہاں صحیح نہیں اس لئے کہ ما سے مراد مفعول مطلق ہے نہ کہ موضع اس لئے اس کا حمل بعض المواضع پر نہیں ہو سکتا شارح نے موضع کا نکال کر جواب دیا ہے کہ بعض المواضع پر ما وقع کا حمل نہیں ہو رہا بلکہ موضع ما وقع کا حمل ہو رہا ہے اب کوئی اشکال نہ رہا یا اعتراض کی تقریر اس طرح کی جائے کہ ما وقع مبتدا مؤخر ہے اور منہا

المفعول المطلق خبرا عنہ ای من ذلک الاسم وانما قال علی اسم لانہ لو دخل علی فعل نحو ما سرت الا سیرا او انما سرت سیرا لا یکون منہ وانما وصف الاسم بان یکون المفعول المطلق خبرا عنہ لانہ لوکان خبرا عنہ نحو ما سیری الا سیر شدید لکان مرفوعا علی الخبریۃ او وقع المفعول المطلق مکررا ای فی موضع الخبر عن اسم

---

خبر مقدم ہے خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے اور یہاں منہا کا حمل ما وقع پر صحیح نہیں کیونکہ منہا میں ضمیر راجع ہے مواضع کی طرف اور ما وقع کا مصداق مفعول مطلق ہے، شارح نے موضع کا لفظ نکال کر جواب دیا، جو ظاہر ہے آئندہ بھی شارح موضع کا لفظ نکالیں گے سب جگہ یہ تقریر ملحوظ رہے، قاعدہ کی توضیح یہ ہے کہ جب مفعول مطلق مثبت ہو یعنی اس کے اثبات کا ارادہ کیا جائے اور نفی یا معنی نفی یعنی انما کے بعد ہو اور وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ واقع ہو سکتا ہو، پہلے فوائد قیود ملاحظہ کیجئے بعد میں مثال بیان کی جائے گی پہلی قید مثبت کی ہے یعنی مفعول مطلق سے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو، اگر نفی کا ارادہ کیا جائے تو فعل کا حذف کرنا واجب نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جب مثبت ہوگا تو اس وقت ضروری ہے کہ اس کا حمل اس اسم پر ہو جس پر حرف نفی یا معنی نفی داخل ہے لیکن مفعول مطلق چونکہ مصدر ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے اس لئے اس کا حمل نہ ہو سکے گا اور حمل کا نہ ہونا قرینہ ہوگا فعل کے محذوف ہونے کا، اور اگر مفعول مطلق منفی ہو تو اس میں حمل کی ضرورت نہیں اس لئے حمل کا نہ ہونا فعل کے حذف کے لئے قرینہ نہ ہوگا اور بغیر قرینہ کے حذف جائز نہیں آگے مثال سے اس کی توضیح ہو جائے گی، دوسری قید ہے کہ وہ نفی یا معنی نفی اسم پر داخل ہو، اس لئے کہ اگر فعل پر داخل ہو تو ایسی صورت میں فعل موجود ہوگا اور وہی مفعول مطلق کا عامل ہوگا یہاں حذف ہی نہیں پایا جائے گا حذف کا واجب ہونا تو بعد کی چیز ہے جیسے ما سرت الا سیرا یا انما سرت سیرا ان مثالوں میں فعل موجود ہے جو سیرا پر عمل کر رہا ہے، تیسری قید یہ ہے کہ جس اسم پر نفی یا معنی نفی داخل ہے مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ ہو سکتا ہو، اگر خبر ہو سکتا ہے تو اس صورت میں مفعول مطلق نہ ہوگا بلکہ خبر کی بنا پر مرفوع ہوگا اس لئے فعل کے حذف ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں باقی رہتا جیسے ما سیری الا سیر شدید اس میں سیر شدید خبر ہے اس لئے اس پر رفع ہے۔

قولہ او وقع مکررا:- یہ دوسرا موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا قیاسا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو تو اس کے فعل کا حذف واجب ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اذا دکت الارض دکا دکا میں مفعول مطلق مکرر ہے پھر بھی فعل محذوف نہیں ہے۔ شارح اپنی عبارت ای فی موضع الخبر عن اسم الخ سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس میں ایک شرطیہ ہے کہ

لایصح وقوعہ خبرًا عنہ فلایرد نحو دکت الارض دکًا دکًا وانما جمع بین الضابطتین لاشتراکھما فی وقوع بعد اسم لایکون خبرًا عنہ نحو ما انت الاسیرًا ای تسیر سیرًا وما انت الاسیر البرید ای تسیر سیر البرید ھذان مثالان لما وقع مثبتا بعد نفی وانما اورد مثالین تنبیھا علی ان الاسم الواقع موقع الخبر ینقسم الی المنکرۃ والمعرفۃ او الی ماھو فعل للمبتداء والی مایشبہ بہ فعلہ او الی مفرد ومضاف

---

مکرر ہونے کے ساتھ یہ بات بھی اس میں پائی جائے کہ وہ مبتداء کی خبر کی جگہ ہو لیکن خبر واقع نہ ہو سکے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے لفظ الارض ہے اور وہ مبتداء نہیں کہ دکًا دکًا اس کی خبر کی جگہ ہو، بلکہ الارض نائب فاعل ہے۔

قولہ وانما جمع بین الضابطتین الخ:۔ مصنفؒ نے دو ضابطے یہاں پر ذکر کئے جن میں مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے اور ان دونوں کو حرف عطف کے ذریعہ ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے علیحدہ علیحدہ نہیں بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ضابطے اس بات میں شریک ہیں کہ مفعول مطلق ایسے اسم کے بعد واقع ہے کہ اس کی خبر کی جگہ میں ہونے کے باوجود خبر نہیں واقع ہو سکتا یہ قید پہلے ضابطے میں ہے اور دوسرے میں بھی اس اشتراک کی وجہ سے ایک جگہ جمع کر دیا ان دونوں جگہوں میں فعل کا حذف کیوں واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی جگہ ما اور الّا کی وجہ سے حصر کی صورت ہے اور دوسری جگہ تکرار ہے ان دونوں سے مقصود دوام اور استمرار ہے۔ اور فعل چونکہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اس کی موجودگی میں دوام نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو حذف کرنا واجب ہوا۔

قولہ نحو ما انت الاسیرًا وما انت الاسیر البرید:۔ یہ دونوں مثالیں پہلے ضابطہ کی ہیں ان دونوں مثالوں میں ضابطہ کی سب شرطیں موجود ہیں سیرًا مفعول مطلق ہے اور مثبت ہے کیونکہ نفی اور الّا کے بعد اثبات ہوتا ہے نفی کے بعد ہے اس سے پہلے ما نافیہ ہے اور حرف نفی انت اسم پر داخل ہے اور سیرا اس کی خبر کی جگہ ہے لیکن خبر نہیں اس لئے کہ خبر کا حمل ہوتا ہے اور یہ مصدر ہے اس کا حمل ذات پر نہیں ہو سکتا ہے یہ ساری شرائط موجود ہیں اس لئے سیرًا مفعول مطلق سے پہلے تسیر فعل محذوف مانا جائے گا اور یہ حذف واجب ہوگا تاکہ دوام و استمرار حاصل ہو، اس قاعدے کی دو مثالیں بیان کی ہیں شارح نے اس کی وجوہ بیان کی ہیں مفعول مطلق جو خبر کی جگہ میں واقع ہو اور خبر نہ ہو وہ کبھی نکرہ ہوتا ہے جیسا کہ پہلی مثال میں اور کبھی معرفہ ہوتا ہے جیسے دوسری مثال میں، اسی طرح کبھی تو وہ مفعول مطلق مبتداء کا کام ہوتا ہے جیسا کہ پہلی مثال میں سیرًا انت یعنی مخاطب کا

وانما انت سیرًا ای تسیر سیرًا مثال لما وقع بعد معنی النفی و زیدٌ اسیرًا سیرًا ای یسیر سیرًا مثال لما وقع مکررًا ومنها ای من المواضع التی یجب حذف الفعل الناصب للمفعول المطلق فیھا ما وقع ای موضع مفعول مطلق وقع تفصیلا لاثر مضمون جملۃ متقدمۃ والمراد بمضمون الجملۃ مصدرھا المضاف الی الفاعل اوالمفعول وباثرہ غرضہ المطلوب منہ وبتفصیل الاثر بیان انواعہ المحتملۃ مثل قولہ تعالیٰ فشدوا الوثاق فاما منا بعد ای بعد شد الوثاق واما فداء فقولہ فشدوا الوثاق جملۃ مضمونھا شد الوثاق والغرض المطلوب من شد الوثاق

---

کام ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بتدار کے کام کو تشبیہ دی جاتی ہے یعنی بتدار مشبہ ہوتا ہے اور مفعول مطلق مشبہ بہ ہوتا ہے جیسے دوسری مثال میں بتدار کے فعل یعنی سیر کو مفعول یعنی سیر البرید کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

قولہ وانما انت سیرًا:۔ یہ مثال ہے جس میں مفعول مطلق معنی نفی کے بعد واقع ہے، اس میں بھی وہ ساری شرائط مذکورہ پائی جاتی ہیں، اس لئے اس کے فعل تسیر کا حذف واجب ہوا۔

قولہ وزیدٌ اسیرًا سیرًا:۔ یہ مثال ہے جس میں مفعول مطلق مکرر ہے۔

قولہ ومنھا ما وقع تفصیلا الخ:۔ اس ضابطے کی عبارت کے الفاظ کا مطلب پہلے بیان کیا جاتا ہے بعد میں ضابطے کی تشریح کی جائے گی۔ مضمون جملہ سے مراد وہ مصدر ہے جو جملہ سے مفہوم ہوتا ہے اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو، فائدہ کا مدار اگر فاعل پر ہے تو اضافت فاعل کیطرف ہوتی ہے اور اگر مدار فائدہ کا مفعول پر ہے تو مفعول کی طرف اضافت ہوتی ہے، اور مضمون جملہ کے اثر سے مراد اس کی غرض وغایت ہے اور اثر کی تفصیل سے مراد اس کی انواع محتملہ کا بیان ہے، اس ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق اپنے سے پہلے والے مضمون جملہ کی غرض اور فائدہ کا بیان واقع ہو وہاں اس کے فعل کا حذف واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کا نصب یہ قرینہ ہے کہ اس کا کوئی عامل ہے اگرچہ لفظوں میں نہیں ہے اور پہلا والا جملہ یہ عامل محذوف کے قائمقام ہوگا تو چونکہ یہاں قرینہ اور قائم مقام دونوں پائے جاتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جہاں یہ دونوں موجود ہوں تو عامل کا حذف واجب ہوتا ہے اس لئے مفعول مطلق کے عامل کا حذف واجب ہوا، یا یہ کہا جائے کہ مفعول مطلق کا نصب یہ حذف کا قرینہ ہے کیونکہ نصب عامل کا تقاضا کرتا ہے اور عمل میں فعل اصل ہے اور خود مفعول مطلق یہ عامل کے قائم مقام ہے اس لئے فعل کا حذف واجب ہوا، جیسے فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء اس میں شدوا الوثاق جملہ ہے اس کا مضمون جملہ شد الوثاق (بیڑیوں سے جکڑنا یا باندھنا) ہے اس کی غرض یا تو منّ ہے یعنی مشرکین پر

اما المن او الفداء ففصل الله سبحانه هذا الغرض المطلوب بقوله فاما منا بعد واما فداء ای اما تمنون منا بعد الشد واما تفدون فداء ومنها ای من تلک المواضع ما وقع ای موضع مفعول مطلق وقع للتشبیه ای لان یشبه به امر اخر واحترز به عن نحو لزید صوت صوت حسن لانه لم یقع للتشبیه علاجا ای حال کونه دالا علی فعل من افعال الجوارح واحترز به عن نحو لزید زهد زهد الصلحاء لان الزهد لیس من افعال الجوارح بعد جملة واحترز به عن نحو صوت زید

---

احسان کرنا اور بغیر معاوضہ کے ان کو چھوڑ دینا ہے یا فداء ہے یعنی کچھ لے کر چھوڑنا ہے اور مفعول مطلق یعنی منّا اور فداءً اسی غرض کی تفصیل واقع ہے اس لئے ان دونوں کے فعل کو حذف کر دیا گیا منّاً سے پہلے تمنون اور فداء سے پہلے تفدون محذوف ہے۔

قولہ ومنها ما وقع للتشبیه علاجا الخ:- یہ چوتھا موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو یعنی اس کے ساتھ کسی شئی کو تشبیہ دی جائے اور وہ افعال جوارح یعنی اعضاء ظاہری سے صادر ہونے والے افعال میں سے کسی فعل پر دلالت کرے نیز وہ جملہ کے بعد ہو اور وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو جو مفعول مطلق کے معنی میں ہو، اسی طرح اس اسم کے صاحب پر بھی مشتمل ہو یعنی جس کے ساتھ اس اسم کے معنی قائم ہوں وہ بھی مذکور ہو، اتنی قیود جس مفعول مطلق کے ساتھ پائی جائیں وہاں اس کے فعل کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ جو جملہ مفعول مطلق سے پہلے ہے اس سے فعل کے معنی پر دلالت ہوتی ہے یہ اس کے حذف کا قرینہ ہوگا اور مفعول مطلق اس کے قائم مقام ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے فعل کا حذف واجب ہو جائے گا اگر یہ قیود نہ پائی جائیں تو وہاں فعل کی ضرورت ہی نہ ہوگی اس لئے حذف کا سوال ہی نہیں ہوتا فعل کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جب مفعول مطلق کا وجود ہوتا اور ان قیود کے نہ پائے جانے کے وقت مفعول مطلق درحقیقت مفعول مطلق نہیں بلکہ وہ ترکیب کچھ اور واقع ہوگا جیسا کہ شارح کی مثالوں سے ظاہر ہے۔

اب فوائد قیود کا بیان سنئے۔ سب سے پہلی قید تشبیہ کی ہے اس قید سے لزید صوت صوت حسن جیسی مثال سے احتراز ہے اس لئے کہ اس جگہ تشبیہ نہیں ہے یعنی صوت حسن کے ساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دی جا رہی بلکہ یہ ترکیب میں اپنے ماقبل یعنی صوت سے بدل ہے دوسری قید علاجاً ہے اس کا مطلب بیان کیا جا چکا ہے اس سے احتراز ہے لزید زہد زہد الصلحاء جیسی مثال سے، اس لئے کہ زہد قلب کا فعل ہے۔ افعال جوارح سے نہیں ہے۔ زہد کے معنی ہیں دنیا سے بے رغبتی۔ تیسری قید بعد جملۃ ہے اس سے احتراز ہے صوت زید صوت حمار جیسی مثال سے، اس لئے کہ صوت حمار سے پہلے صوت زید ہے اور وہ جملہ نہیں،

صوت حمار مشتملۃ تلك الجملۃ علی اسم کائن بمعناہ ای بمعنی المفعول المطلق و احترز بہ عن نحو مررت بزید فاذا لہ ضرب صوت حمار و علی صاحبہ ای صاحب ذلك الاسم ای الذی قام بہ معناہ و احترز بہ عن نحو مررت بالبلد فاذا بہ صوت صوت حمار نحو مررت بہ فاذا لہ صوت صوت حمار ای یصوت صوت حمار من صات الشئ صوتا بمعنی صوت تصویتا فصوت حمار مصدر وقع للتشبیہ علاجًا

---

صوت زید مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتداء ہے اور صوت حمار اس کی خبر ہے، چوتھی قید مشتملۃ علی اسم بمعناہ ہے اس سے احتراز ہے مررت بزید فاذا لہ ضرب صوت حمار جیسی مثال سے، کیونکہ اس میں صوت حمار سے پہلے لہ ضرب جملہ تو ہے لیکن اس میں ایسا اسم نہیں جو صوت کے معنی پر مشتمل ہو، کیونکہ ضرب اور صوت کے معنی ایک نہیں، اس میں صوت حمار ضرب سے بدل واقع ہے۔ پانچویں قید وصاحبہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت مجازاً مفعول مطلق جس کو کہا جاتا ہے اس سے پہلے والے جملہ میں ایسا اسم ہو جو مفعول مطلق کے معنی پر مشتمل ہو اور اس اسم کے صاحب پر بھی مشتمل ہو یعنی وہ اسم جس کے ساتھ قائم ہے وہ بھی مذکور ہو، اس قید سے احتراز ہے مررت بالبلد فاذا لہ صوت صوت حمار جیسی مثال سے، اس میں ماقبل کی چاروں شرطیں پائی جاتی ہیں صرف اخیر کی شرط موجود نہیں کیونکہ لہ صوت میں صوت تو موجود ہے جو صوتِ حمار کے معنی پر مشتمل ہے لیکن صوت جس کے ساتھ قائم ہے یعنی جس کی آواز ہے وہ موجود نہیں کیونکہ لہ میں ضمیر بلد کی طرف راجع ہے اس کے ساتھ صوت قائم نہیں اس لئے کہ صوت تو ذی روح میں پائی جاتی ہے اور بلد ذی روح نہیں۔

قولہ نحو مررت بہ فاذا لہ صوت صوت حمار الخ:۔ اس مثال میں ضابطہ مذکورہ کی پانچوں قیدیں پائی جاتی ہیں، صوت حمار مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہے اس میں لہ ضمیر کے مرجع مثلاً زید کی آواز کو صوت حمار کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے اور افعال جوارح سے ہے کیونکہ آواز عضو ظاہری یعنی منہ سے صادر ہوتی ہے اور لہ صوت جملہ ہے جس کے بعد یہ واقع ہے اور یہ جملہ ایسے اسم (صوت) پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے اور یہ اسم اپنے صاحب پر بھی مشتمل ہے یعنی یہ اسم جس ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بھی مذکور ہے اور وہ لہ میں ضمیر کا مرجع مثلاً زید ہے اس مثال میں سب قیدیں موجود ہیں اس لئے مفعول مطلق یعنی صوت حمار سے پہلے یصوتُ فعل محذوف ہے اور اس کا حذف واجب ہے جس کی وجہ ضابطہ کے شروع میں گذر چکی ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے والے جملہ سے فعل کے معنی مستفاد ہوتے ہیں کیونکہ فعل کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں معنی مصدری۔ نسبت الی فاعل ما۔ اقتران بالزمان اور صوت حمار جو مفعول مطلق ہے اس سے پہلے والا جملہ یعنی اذا لہ صوت ان تینوں پر دلالت کرتا ہے اذا۔ اقتران بالزمان پر

بعد جملۃ ھی قولہ لہ صوت وھی مشتملۃ علی اسم بمعنی المفعول المطلق وھو صوت ومشتملۃ علی صاحبہ ذلک الاسم وھو الضمیر المجرور فی قولہ ونحو مررت بہ فاذا لہ صراخ صراخ الثکلی ای یصرخ صراخ الثکلی وھی ام اُمّ ماتت ولدھا ومنھا ای من تلک المواضع ما وقع ای موضع مفعول مطلق وقع مضمون جملۃ لا محتمل لہا ای لہذہ الجملۃ غیرہ ای غیر المفعول المطلق نحو لہ علی الف درھم اعترافا ای اعترفت اعترافا

---

دلالت کرتا ہے، لہ نسبت الی فاعل ما پر دلالت کرتا ہے اور صوت معنی مصدری پر دال ہے تو جب اس جملہ سے فعل کے معنی مستفاد ہوتے ہیں تو یہ جملہ فعل کے حذف کا قرینہ ہو جائے گا اور مفعول مطلق اس کے قائمقام ہو جائے گا اور یہ معلوم ہی ہے کہ جب قرینہ اور قائم مقام دونوں پائے جاتے ہیں تو حذف واجب ہو جاتا ہے اس لئے یہاں فعل کا حذف واجب ہوا۔ یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ صوت حمار کو مفعول مطلق کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مفعول مطلق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فعل کے معنی میں ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ فعل یصوت ہے جو مطلق صوت پر دلالت کرتا ہے اور صوت حمار میں صوت مقید ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صوت حمار کو مجازاً مفعول مطلق کہا گیا ہے حقیقۃً مفعول مطلق صوتا ہے اور صوت حمار اس کی صفت ہے موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائمقام کیا گیا اور اسی کو مفعول مطلق کہدیا گیا۔

قولہ ونحو مررت بہ فاذا لہ صراخ صراخ الثکلی :- یہ ضابطہ مذکورہ کی دوسری مثال ہے اس سے پہلے یصرخ فعل محذوف ہے، دو مثالیں بیان کر کے اس بات کیطرف اشارہ کیا کہ مفعول مطلق کبھی مصدر تاویلی ہوتا ہے اور کبھی مصدر حقیقی ہوتا ہے، پہلی مثال میں صوت حقیقۃً مصدر نہیں بلکہ تصویتاً کے معنی میں ہو کر مصدر ہے جس کی طرف شارح نے صات الشئی صوتا بمعنی صوت تصویتا سے اشارہ کیا ہے، اور دوسری مثال میں مفعول مطلق مصدر حقیقی ہے کیونکہ صراخ حقیقۃً مصدر ہے جس کے معنی ہیں چیخنا، مثال مکرر لانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ضابطے میں مفعول مطلق کبھی نکرہ کی طرف مضاف ہوگا جیسا کہ پہلی مثال میں صوت مضاف ہے حمار کی طرف اور وہ نکرہ ہے اور کبھی معرفہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسا کہ دوسری مثال میں صراخ مضاف ہے الثکلی کی طرف جو معرفہ ہے۔

قولہ ومنھا ما وقع مضمون جملۃ لا محتمل لہا الخ :- یہ پانچویں جگہ ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون یعنی خلاصہ ہو کہ اس جملہ میں مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہ ہو دونوں کا مفہوم ایک ہی ہو مغایرت اعتباری بھی نہ ہو جیسے لہ علی الف درہم اعترافا، اس میں اعترافا مفعول مطلق ہے اپنے فعل محذوف یعترف کا اس کے معنی ہیں اقرار کرنا اور اس سے پہلے والے جملہ کا مطلب بھی اقرار ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ کے ساتھ

فاعترا فامصدر وقع مضمون جملة وهی له علی الف درهم لان مضمونه الاعتراف و لا محتمل له سواه ویسمی هذا النوع من المفعول المطلق تاکید النفسه ای لنفس المفعول المطلق لانه انما یؤکد نفسه وذاته لاامراً ایغایره ولو بالاعتبار ومنها ماوقع مضمون جملة لها ای لهذه الجملة محتمل غیره ای غیر المفعول المطلق نحو زید قائم حقًا ای احق حقا من حق یحق اذا ثبت ووجب فحقا مصدر وقع مضمون جملة وهی قوله زید قائم ولها محتمل غیره لانها تحتمل الصدق والکذب والحق والباطل ویسمی هذا النوع من المفعول المطلق تاکیداً الغیره لانه من حیث هو منصوص علیه بلفظ المصدر

---

کسی کے لئے اقرار کرے تو قاضی اس کو دس ہزار دلادے گا اس میں اقرار کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال کسی اعتبار سے نہیں پایا جاتا۔

قولہ ویسمی تاکیداً لنفسہ :۔ یعنی مفعول مطلق کی اس قسم مذکورہ کا نام تاکید لنفسہ ہے کیونکہ جب مفعول مطلق کے معنی اور اس سے پہلے والے جملہ کے معنی ایک ہی ہیں تو مفعول مطلق سے تاکید خود اس کے ذات ہی کی ہوئی کسی امر مغایر کی تاکید نہیں ہے، اس قاعدے میں مفعول مطلق کے فعل کا حذف اس لئے واجب ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے والا جملہ فعل محذوف پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ حذف پر قرینہ ہوگا اور مفعول مطلق اپنے فعل محذوف کے قائمقام ہے اس لئے قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے حذف واجب ہوگا۔

قولہ ومنہا ماوقع مضمون جملۃ لہا محتمل غیرہ الخ:۔ یہ چھٹی جگہ ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہے، یہ پانچویں جگہ کے برعکس ہے یعنی اس میں مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ ہوتا ہے جس میں مفعول مطلق کے غیر کا بھی احتمال ہے جیسے زید قائم حقا ای احق حقا، یہاں حقًا مفعول مطلق اپنے ماقبل جملہ زید قائم کا خلاصہ ہے کیونکہ جس طرح حقًا سے حق ہونا یعنی صحیح ہونا سمجھ میں آتا ہے اسی طرح زید قائم سے بھی حق ہونا سمجھ میں آتا ہے یعنی یہ کہ زید کے لئے قیام کا ثبوت صحیح ہو لیکن زید قائم چونکہ جملہ ہے اور جملہ کے اندر صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لئے جملہ کے اندر تو حق یعنی صدق کے علاوہ کذب کا بھی احتمال ہوا اور مفعول مطلق یعنی حقا میں صرف صدق ہے کذب کا احتمال نہیں، اس اعتبار سے موکَّد یعنی جملہ اور موکِّد یعنی مفعول مطلق میں من وجہ مغایرت پائی گئی اس وجہ سے اس کا نام تاکید لغیرہ ہوا۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ تاکید تو ہمیشہ اپنے نفس کی ہوتی ہے غیر کی نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی تاکید اپنے نفس ہی کی ہے لیکن جس کی تاکید ہو رہی ہے اس میں غیر کا احتمال تھا اس لئے اس کا نام تاکید لغیرہ ہوا، مثلاً مثال مذکور زید قائم حقا میں زید قائم کے اندر جو احتمال اس کے صدق یعنی حق ہونے کا ہے

ـ لکن نفسه من حیث هو محتمل الجملة فالمؤکد اسم مفعول من حیث اعتبار وصف الاحتمال فیه یغائر المؤکد اسم فاعل من حیث انه منصوص علیه بالمصدر ویحتمل ان یکون المراد انه تاکید لاجل غیره لیندفع وعلیٰ هذا ینبغی ان یکون المراد بالتاکید لنفسه انه تاکید لاجل نفسه لیتکرر ویتقرر حتی یحسن التقابل ومنها ما وقع مثنی ای علیٰ صیغة التثنیة وان لم یکن للتثنیة بل للتکریر والتکثیر ولابد فی تتمیم هذه القاعدة من قید الاضافة ای مثنی مضافاً الی الفاعل والمفعول لئلا یرد مثل قوله تعالیٰ ثم ارجع البصر کرتین ای رجعاً مکرراً کثیراً وفی جعل المثال من تتمة التعریف ـــ

---

حقا اس کی تاکید کرتا ہے دوسرا احتمال جملہ ہونے کی وجہ سے جو کذب کا ہے حقا اس کی تاکید نہیں کرتا اس لئے تاکید تو اپنے نفس ہی کی ہوئی لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اسم مفعول مؤکد محتمل ہے اور اسم فاعل مؤکد متیقن اس تھوڑے سے فرق کی وجہ سے اس کو تاکید لغیرہ کہا گیا، دوسرا جواب یہ ہے کہ لغیرہ میں لام تعلیلیہ ہے اب اس کے معنی ہوں گے لاجل غیرہ یعنی لاجل اندفاع غیرہ اس صورت میں تاکید لغیرہ کے معنی ہوتے یہ تاکید غیر کے دور کرنے کے لئے ہے چنانچہ مثال مذکور میں زید قائم کے اندر جملہ ہونے کی وجہ سے جو صدق کے ساتھ کذب کا بھی احتمال تھا حقا نے صدق کے احتمال کو مؤکد کر کے کذب کے احتمال کو دور کر دیا۔

قولہ وعلیٰ هذا ینبغی الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تاکید لغیرہ میں لام تعلیل کے لئے مان کر اس کے معنی لاجل غیرہ کے ہوتے تو پھر تاکید لنفسہ کے معنی لاجل نفسہ کے ہوں گے تاکہ تقابل صحیح ہو جائے۔

قولہ ومنها ما وقع مثنی الخ:۔ یہ ساتویں جگہ ہے جہاں مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ ہو یعنی تثنیہ کی صورت میں ہو لیکن تثنیہ کے معنی میں نہ ہو بلکہ تکریر اور تکثیر کے لئے ہو، ایسی صورت میں فعل کا حذف واجب ہوگا جس کی وجہ آگے بیان کی جائے گی، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ مفعول مطلق تثنیہ کی صورت میں ہوتا ہے پھر بھی فعل محذوف نہیں ہوتا جیسے ثم ارجع البصر کرتین میں کرتین تثنیہ ہے اور اس کا فعل ارجع محذوف نہیں ہے مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک قید ہے جو رہ گئی ہے کہ وہ تثنیہ کا صیغہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور کرتین مضاف نہیں ہے اس لئے اعتراض مذکور وارد نہ ہوگا۔

قولہ وفی جعل المثال الخ:۔ شارح جامی نے اعتراض مذکور کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ مصنف سے سہوا یہ قید رہ گئی ہے کہ تثنیہ کا صیغہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو، شارح ہندی نے مصنف کی حمایت کی ہے یہ فرمایا کہ اس ضابطے کی مصنف نے جو مثال لبیک اور سعدیک بیان کی ہے اس میں اضافت پائی جاتی ہے اس وجہ سے مصنف نے ضابطہ میں اس قید کو نہیں بیان کیا، شارح جامی اس قول کا رد

لافادة هذا القيد تكلف مثل لبيك اصله الب لك البابين اى اقيم لخدمتك وامتثال امرك ولا ابرح عن مكاني اقامة كثيرة متتالية فحذف الفعل واقيم المصدر مقامه ورد الى الثلاثي بحذف زوائده ثم حذف حرف الجر من المفعول واضيف المصدر اليه ويجوز ان يكون من لب بالمكان بمعنى الب فلا يكون محذوف الزوائد وعلى هذا القياس سعديك اى اسعدك اسعادا بعد اسعاد بمعنى اعينك الا ان اسعد يتعدى بنفسه بخلاف الب فانه يتعدى باللام المفعول به هو ما وقع اى هو اسم

---

کررہے ہیں کہ مثال تو قاعدہ کے بعد اس کی توضیح کے لئے ہوتی ہے قاعدے کی تکمیل کے لئے مثال کو تتمہ بنانا صحیح نہیں۔

قولہ مثل لبیك :۔ یہ قاعدہ مذکورہ کی مثال ہے اس کی اصل اُلِبّ لک البابین ہے اس کے معنی ہیں میں آپ کی خدمت کے لئے بار بار اور کثرت سے کھڑا ہوں یہاں سے نہ ہٹوں گا اس میں تصرف اس طرح کیا گیا کہ اُلبّ فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کیا گیا پھر مصدر سے حروف زوائد کو حذف کر کے مجرد کیا گیا تو لبین ہوا اس کے بعد لک سے لام کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر کے ک ضمیر کی طرف لبین کو مضاف کیا گیا ہے اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اس طرح سے لبیک ہوا، یہاں فعل کا حذف اس وجہ سے واجب ہے کہ مفعول مطلق کا نصب قرینہ ہے کہ اس کا کوئی عامل ضرور ہے جس کی وجہ سے نصب آیا ہے اور خود مفعول مطلق اس کا قائم مقام ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں پایا گیا اس لئے حذف واجب ہو گیا۔

قولہ وسعدیك :۔ ضابطہ مذکورہ کی یہ دوسری مثال ہے یہ اصل میں اسعدک اسعادین تھا اس کا ترجمہ ہے میں تیری مدد کرتا ہوں بار بار مدد کرنا، اس میں تصرف اس طرح کیا گیا کہ پہلے تو فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائمقام کیا گیا پھر مصدر سے زوائد حذف کر کے مجرد کیا گیا تو سعدین ہوا، اس کے بعد اس کو کاف ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا اور اضافت کی وجہ سے نون حذف کیا گیا اس طرح سے اس کی موجودہ شکل سعدیک ہو گئی۔ یہاں بھی فعل کے حذف ہونے کی وہی وجہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی، مصنفؒ نے اس ضابطے کی دو مثالیں بیان کی ہیں ایک میں مصدر لام کے ذریعہ متعدی ہے اور دوسرے میں بغیر لام کے متعدی بنفسہ ہے۔

قولہ المفعول به هو ما وقع اى هو اسم ما وقع الخ :۔ مفعول بہ کی تعریف میں بھی مفعول مطلق کی طرح اعتراض ہوتا ہے کہ ما وقع علیہ فعل الفاعل تو معنوی چیز ہے اور مفعول بہ کا تعلق الفاظ سے ہے شارح نے لفظ اسم لا کر اس اعتراض کا جواب دیا کیونکہ اسم لفظ ہے یہ اعتراض اور جواب بالکل اسی طرح کا

ما وقع علیہ فعل الفاعل ولم یذکر الاسم اکتفاء بما سبق فی المفعول المطلق المراد بوقوع فعل الفاعل علیہ تعلقہ بہ بلا واسطۃ حرف الجر فانھم یقولون فی ضربت زیدا ان الضرب واقع علی زید ولا یقولون فی مررت بزید ان المرور واقع علیہ بل متلبس بہ فخرج بہ المفاعیل الثلثۃ الباقیۃ فانہ لا یقال فی واحد منھا ان الفعل وقع علیہ بل فیہ او لہ او معہ والمفعول المطلق بما یفھم من مغایرتہ لفعل الفاعل فان المفعول المطلق عین فعلہ والمراد بفعل الفاعل فعل اعتبر اسنادہ الی ما ھو فاعل

---

ہے جیسا کہ مفعول مطلق میں ذکر کیا گیا ہے وہاں مصنف نے لفظ اسم ذکر کر دیا تھا اسی پر اکتفاء کر کے یہاں ذکر نہیں کیا۔

قولہ المراد بوقوع الفعل الخ:- اعتراض ہوتا تھا کہ ایاک نعبد میں ایاک مفعول بہ مقدم ہے لیکن اس پر مفعول بہ کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ مفعول بہ کی تعریف یہ ہے کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہو اور یہاں ایاک سے مراد ذات باری ہے جس پر عبادت کا فعل واقع نہیں ہے بلکہ اس کے لئے عبادت ہوتی ہے اس پر واقع نہیں ہوتی، شارح جواب دے رہے ہیں کہ وقوع سے مراد تعلق ہے اور مثال مذکور میں عبادت کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے، پھر اعتراض ہوتا ہے کہ تعلق مراد لینے کی صورت میں مررت بزید میں زید پر مفعول بہ کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ زید کے ساتھ مرور کا تعلق ہے، شارح نے بلا واسطۃ حرف الجر سے اس اعتراض کا جواب دیا کہ فعل کا تعلق مفعول کے ساتھ بغیر حرف جر کے واسطے کے ہو اور یہاں مرور کا تعلق زید کے ساتھ حرف جر کے واسطے سے ہے۔ مفعول بہ کی تعریف ما وقع علیہ فعل الفاعل سے کر کے باقی مفاعیل کو خارج کیا ہے کیونکہ ان مفاعیل میں سے کوئی ایسا نہیں جس پر یہ صادق آئے کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہے بلکہ ان میں بجائے علیہ کے مفعول فیہ میں فیہ، مفعول لہ میں لہ، مفعول معہ میں معہ لایا جائے گا، اور جس طرح مفعول بہ کی تعریف سے مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ خارج ہوتے اسی طرح مفعول مطلق بھی خارج ہے کیونکہ مفعول بہ کی تعریف ما وقع علیہ فعل الفاعل سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل اور ہے اور جس پر واقع ہے وہ اور ہے، ان دونوں میں اتحاد نہیں مغایرت ہے اور مفعول مطلق اپنے فعل کے معنی میں ہوتا ہے لہذا اس میں اور اس کے فعل میں اتحاد ہو گا مغایرت نہ ہوگی۔

قولہ والمراد بفعل الفاعل فعل اعتبر اسنادہ الخ:- اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مفعول بہ کی تعریف ضُرِبَ زید میں زید پر صادق ہے کیونکہ زید پر فاعل کا فعل یعنی ضَرْب واقع ہے حالانکہ زید مفعول بہ نہیں بلکہ وہ نائب فاعل ہے لہذا یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی، اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ فعل سے ایسا فعل مراد ہے جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو اور یہاں

حقیقۃ او حکما فخرج بہ مثل زید فی ضرب زید علی صیغۃ المجہول فانہ لم یعتبر اسنادہ الی فاعلہ ولا یشکل بمثل اعطی زید درہما فانہ یصدق علی درہما انہ وقع علیہ فعل الفاعل الحکمی المعتبر اسناد الفعل الیہ فان مفعول مالم یسم فاعلہ فی حکم الفاعل وبما ذکرنا ظہر فائدۃ ذکر الفاعل فلا یرد انہ لو قال ما وقع علیہ الفعل لکان اخصر نحو ضربت زیدا فان زیدا قد وقع علیہ بلا واسطۃ حرف الجر فعل اعتبر اسنادہ الی الفاعل الذی ہو ضمیر المتکلم وقد یتقدم المفعول بہ علی الفعل العامل فیہ لقوۃ الفعل فی العمل فیعمل فیہ متقدما ومتاخرا اما جوازا مثل اللہ اعبد ووجہ الحبیب اتمنی واما وجوبا فیما تضمن معنی الاستفہام او الشرط نحو من رأیت ومن تکرم یکرمک ہذا اذا لم یکن مانع من التقدیم

---

ضرب زید میں ایسی اسناد نہیں پائی جاتی کیونکہ فاعل معلوم ہی نہیں تو پھر اس کی طرف اسناد کس طرح ہو سکتی ہے۔

قولہ ولا یشکل بمثل اعطی زید درہما۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ اعطی زید درہما میں درہما بالاتفاق مفعول بہ ہے حالانکہ مفعول بہ کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی کیونکہ زید اعطی کا فاعل نہیں ہے نائب فاعل ہے، اس کے جواب کی طرف شارح نے پہلے ہی اپنی عبارت فاعل حقیقۃ او حکما سے اشارہ کر دیا تھا کہ جس فاعل کی طرف فعل کی اسناد کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فاعل حقیقۃ ہو یا حکما اور اعطی زید درہما میں اعطی کی اسناد زید کی طرف ہو رہی ہے اور زید فاعل حکمی ہے۔

قولہ وبما ذکرنا ظہر فائدۃ ذکر الفاعل:۔ اس سے ایک اشکال کو دور کر رہے ہیں، اشکال یہ ہوتا تھا کہ مصنفؒ تو اختصار پسند ہیں اپنی کتاب میں اس کا بہت لحاظ کیا ہے لیکن مفعول بہ کی تعریف میں اختصار کا لحاظ نہیں کیا تعریف کے لئے ما وقع علیہ الفعل کہہ دینا کافی تھا فاعل کا لفظ لانے کی کیا ضرورت تھی شارح جواب دے رہے ہیں کہ اگر فاعل کا ذکر نہ کیا جاتا تو فاعل میں تعمیم کیسے ہوتی اور اعطی زید درہما کا اشکال کیسے دور ہوتا اس اشکال کے جواب کا دارومدار فاعل کی تعمیم پر ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

قولہ وقد یتقدم المفعول بہ:۔ یعنی مفعول بہ کبھی اپنے عامل فعل پر مقدم ہو جاتا ہے کیونکہ فعل عامل قوی ہے وہ اپنے معمول پر ہر حال میں عمل کرے گا خواہ معمول مقدم ہو یا مؤخر۔ اور یہ تقدیم مفعول کی کبھی تو جائز ہوتی ہے جیسے وجہ الحبیب اتمنی میں اور کبھی واجب ہوتی ہے مثلاً مفعول بہ استفہام یا شرط کو متضمن ہو جیسے من رأیت (تونے کس کو دیکھا) اس میں من استفہامیہ ہے اس لئے مقدم کرنا واجب ہے اور من تکرم یکرمک میں من شرط کو متضمن ہے اس لئے مقدم کرنا واجب ہے۔

قولہ ہذا اذا لم یکن مانع الخ:۔ اعتراض ہوتا ہے کہ من البران تکف لسانک میں لسانک مفعول بہ ہے لیکن اس کا مقدم کرنا اپنے فعل پر جائز نہیں اس کا جواب دے رہے ہیں کہ تقدیم کا جواز اس وقت ہے

کوقوعہ فی حیزان نحو من البران تکف لسانك وقد یحذف الفعل العامل فی المفعول بہ لقیام قرینۃ مقالیۃ او حالیۃ جوازا نحو زیدا لمن قال من اضرب ای اضرب زیدا فحذف الفعل للقرینۃ المقالیۃ التی ھی السوال ونحو مکۃ للمتوجہ الیھا ای ترید مکۃ فحذف الفعل للقرینۃ الحالیۃ ووجوبا فی اربعۃ مواضع تخصیصھا بالذکر لیس للحصر لوجوب الحذف فی باب الاغراء والمنصوب علی المدح او الذم او الترحم بل لکثرۃ مباحثھا بالنسبۃ الی ھذہ الابواب الاول من تلك المواضع الاربعۃ سماعی مقصور علی السماع لایتجاوز عن امثلۃ

---

جب کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے کیونکہ ان کی وجہ سے فعل مضارع مصدر کے معنی میں ہو جائے گا اور مصدر عامل ضعیف ہے اپنے معمول مقدم پر عمل نہیں کر سکتا۔

قولہ وقد یحذف الفعل الخ:۔ اور کبھی مفعول بہ کے عامل فعل کو قرینہ مقالیہ یا حالیہ کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ مقالیہ کی مثال جیسے کسی نے سوال کیا مَنْ اَضرب (میں کس کو ماروں) اور اس کے جواب میں زیداً کہا جائے تو یہاں زیداً سے پہلے اِضرب فعل محذوف ہو گا کیونکہ سوال میں فعل مذکور تھا قرینہ حالیہ کی مثال جیسے کوئی شخص مکہ کے قصد سے سامان لے کر نکلا اور اس سے کہا جائے مکہ تو یہاں مکہ سے پہلے ترید فعل محذوف ہے کیونکہ مسافر کی حالت سے پتہ چل گیا کہ وہ سفر کا ارادہ کر رہا ہے۔

قولہ ووجوبا الخ:۔ اور کبھی مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے، مصنفؒ نے اس کے چار مواقع بیان کئے ہیں، شارح نے فرمایا کہ ان چار مقامات کی تخصیص کثرت مباحث کی وجہ سے ہے تحدید کے لئے نہیں ہے کیونکہ ان چار مقامات کے علاوہ بھی کچھ مقامات ہیں جن میں مفعول بہ کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے باب اغراء میں (جہاں کسی کام پر ابھارنا مقصود ہو) جیسے اخاک اخاک یہاں اَلْزِم فعل محذوف ہے، اسی طرح منصوب علی المدح یا منصوب علی الذم اور منصوب علی الترحم میں بھی فعل کا حذف واجب ہے اول کی مثال جیسے الحمد للہ الحمید یہاں الحمید سے پہلے اعنی فعل محذوف ہے ثانی کی مثال جیسے اتانی زید الفاسق یہاں فاسق سے پہلے اعنی فعل محذوف ہے تیسرے کی مثال جیسے مررت بزید المسکین یہاں مسکین سے پہلے اعنی یا ارحم محذوف ہے۔

قولہ الاول من تلك المواضع الخ:۔ ان چار مقامات میں سے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے پہلی جگہ سماعی ہے اس میں قیاس کو دخل نہیں، جن مثالوں میں اہل عرب سے حذف سنا گیا ہے وہیں حذف کیا جاتے گا دوسری جگہ نہیں ان میں پہلی مثال اِمْرَأً و نفسہ ہے یہاں امرأ سے پہلے اترک فعل محذوف ہے آدمی کو اس کے نفس کے ساتھ چھوڑ دو، مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنی حرکت سے کسی طرح باز نہیں آتا اور سمجھانے کا کوئی اثر نہیں تو اس کے پیچھے نہ پڑو، دوسری مثال انتھوا خیراً لکم

محذوفۃ مسموعۃ بان یقاس علیھا امثلۃ اخری نحو امرٔ ونفسہ ای اترك امرٔ ونفسہ انتھوا خیرا لکم ای انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیرا لکم وھو التوحید واھلا وسھلا ای اتیت اھلا ای مکانا ماھولا معمورا لاخرابا او اھلا لا اجانب ووطیت سھلا من البلاد لاحزنا والموضع الثانی من تلك المواضع الاربعۃ المنادی وھو المطلوب اقبالہ ای توجھہ الیك بوجھہ او بقلبہ کما اذا نادیت مقبلا علیك بوجھہ حقیقۃ مثل یا زید او حکما مثل یا سماء ویا جبال ویا ارض فانھا نزلت اولا منزلۃ من لہ صلاحیۃ الندا

اس کی اصل انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیرا لکم ہے اس میں نصاریٰ سے خطاب ہے وہ تین خدا مانتے ہیں اور ان سے خطاب قرینہ ہے کہ کس چیز سے رد کا جارہا ہے اس لئے عن التثلیث کو حذف کر دیا خیرا مفعول بہ ہے اس سے پہلے اقصدوا محذوف ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ تین خدا ماننے سے باز آجاؤ اور اپنے لئے بھلائی (توحید) کا قصد کرو، تیسری مثال اہلا وسہلا ہے اہلا سے پہلے آتیت فعل محذوف ہے اور سہلا سے پہلے وطیت (از سمع) محذوف ہے اہل دو چیزوں کے مقابلے میں بولا جاتا ہے (۱) ویران اور غیر آباد جگہ کے مقابلے میں (۲) اغیار اور اجانب کے مقابلے میں، پہلی صورت میں اہل کے معنی ہیں آباد جگہ اس لئے اہل بمعنی ماہول ہوگا اس سے پہلے مکانا موصوف محذوف ہوگا معنی یہ ہوں گے تو آباد جگہ میں آیا ویرانہ میں نہیں آیا۔ اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تو اپنے عزیزوں اور دوستوں میں آیا اجنبیوں میں نہیں آیا، مطلب یہ کہ یہاں تجھ کو کسی قسم کی دقت اور پریشانی نہ ہوگی، سہلا کے معنی نرم زمین کے ہیں جو سخت کے مقابلے میں ہے معنی یہ ہوئے کہ تو نرم زمین پر چلا ہے سخت پر نہیں، اس کا مطلب ماقبل کے قریب قریب ہے کہ یہاں تجھ کو ہر قسم کا آرام دیا جائے گا تو اپنوں میں آیا ہے غیروں میں نہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ کر۔ ان تمام امثلہ میں فعل محذوف ہے ہر ایک کو مثال میں ظاہر کر دیا گیا ہے اور حذف پر دلیل صرف سماع ہے۔

قولہ الثانی المنادی :۔ دوسرا موقع جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے منادیٰ ہے منادیٰ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہو جو ادعوا فعل کے قائم مقام ہو خواہ وہ حرف لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً۔

قولہ ای توجھہ الیك بوجھہ او بقلبہ :۔ اقبال کے معنی توجہ کے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں، توجہ بالوجہ اور توجہ بالقلب۔ جس کو ندا دی جارہی ہے اگر وہ پہلے سے متکلم کی طرف متوجہ نہ تھا بلکہ پشت کئے کھڑا تھا تو اس وقت ندا کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ متکلم کی طرف اپنا رخ کرلے یہ توجہ بالوجہ ہے جس کو توجہ وجہی کہتے ہیں اور اگر وہ شخص متوجہ تو تھا لیکن اندیشہ ہو کہ یہ کسی اور خیال میں مست ہے بات اچھی طرح نہ سنے گا ایسے شخص کو حرف ندا کے ذریعہ متوجہ کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا رجحان ہر طرف سے ہٹا کر ہماری بات کی

ثم ادخل علیہا حرف النداء وقصد ندائُہا فہی فی حکم من یطلب اقبالہ بخلاف المندوب لانہ المتفجع علیہ ادخل علیہ حرف النداء لمجرد التفجع لا لتنزیلہ منزلۃ المنادی وقصد ندائہ فخرج بہذا القید عن تعریف المنادی ولہذا افرد المصنف احکامہ بالذکر فیما بعد وفیہ تحکم فان المندوب ایضا کما قال بعضہم منادی المطلوب اقبالہ حکما علی وجہ التفجع فاذا قلت یا محمداہ فکانک تنادیہ وتقول لہ تعال فانا مشتاق الیک فالاولی ادخالہ تحت المنادی کما فعلہ صاحب المفصل وقیل الظاہر

---

طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے اور دل سے بات سنے اسکو توجہ بالقلب یعنی توجہ قلبی کہتے ہیں پھر توجہ کی دو قسمیں اور ہیں توجہ حقیقی اور توجہ حکمی۔ اگر منادی میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہو یعنی وہ ذوی العقول میں سے ہو تو وہ توجہ حقیقی ہے جیسے یا زید یا رجل اور اگر منادی ذوی العقول میں سے نہیں ہے تو پہلے اس کو ذوی العقول کی جنس سے فرض کیا جائے گا اس کے بعد منادی بنایا جائے گا اس کو توجہ حکمی کہتے ہیں جیسے یا سماء یا جبال یا ارض۔

قولہ بخلاف المندوب :- یہ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ جب توجہ عام ہے حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہے تو پھر مندوب کو بھی منادی میں داخل کرنا چاہیے کیونکہ جس تاویل سے غیر ذوی العقول کو منادی بنایا جا سکتا ہے اسی تاویل سے مندوب کو بھی منادی بنا لیا جائے اور بمنزلہ منادی فرض کر کے اس کو بھی توجہ حکمی کے طور پر متوجہ کیا جا سکتا ہے۔ شارح اس کا اب اپنی اس عبارت سے دے رہے ہیں کہ مندوب میں تو تفجع ہوتا ہے توجہ ہوتی ہی نہیں جب اس میں مطلق توجہ کا تحقق ہی نہیں تو توجہ حکمی کے تحت اس کو کیسے داخل کیا جا سکتا ہے، معلوم ہوا کہ مندوب منادی سے خارج ہے اور مستقل ایک قسم ہے یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس کے احکام علیحدہ بیان کئے ہیں۔

قولہ وفیہ تحکم :- شارح نے بخلاف المندوب سے اعتراض مذکور کا جواب تو دیدیا لیکن خود شارح کو یہ پسند نہیں ہے کہ مندوب کو منادی سے خارج کیا جائے، اس لئے وفیہ تحکم سے اعتراض کر رہے ہیں کہ غیر ذوی العقول کو تاویل کر کے منادی میں داخل کرنا اور مندوب کو منادی سے خارج کرنا اور تاویل کے بعد بھی داخل نہ کرنا یہ تحکم اور زبردستی کا فیصلہ ہے شارح نے تحکم کی تقریر فان المندوب ایضا کما قال بعضہم الخ سے اور اس کی تائید صاحب مفصل کے مسلک اور سیبویہ کے کلام سے کی ہے، بعض حضرات نے مصنفؒ کی حمایت میں تحکم کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یا سماء یا جبال جیسی مثالیں حقیقۃً منادی نہیں ہیں تاویل کے بعد مجازاً ان کو منادی قرار دیا گیا ہے اور یہ چونکہ کثیر الوقوع نہیں ہیں لہذا ان کو علیحدہ قسم نہ قرار دے کر منادی کے ساتھ ملحق کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ اور مندوب کثیر الوقوع ہے اہل عرب

من كلام سيبويه ايضاً انه داخل في المنادى بحرف نائب مناب أدعوا من الحروف الخمسة وهي يا و ايا و هيا و اي والهمزة واحترز به عن نحو ليقبل زيدٌ لفظاً او تقديراً تفصيل للطلب اي طلباً لفظياً بان تكون آلة الطلب لفظية نحو يا زيد او تقديرياً بان تكون آلته مقدرة نحو يوسف اعرض عن هذا او للنيابة اي نيابة لفظية بان يكون النائب ملفوظاً او تقديرية بان يكون النائب مقدراً كما في المثالين المذكورين او للمنادى والمنادى الملفوظ مثل يا زيد والمقدر مثل الا يا اسجدوا اي الا يا قوم اسجدوا وانتصاب المنادى عند سيبويه على انه مفعول به وناصبه الفعل المقدر واصل يا زيد ادعو زيداً فحذف الفعل حذفاً لازماً لما

---

بکثرت اس کا استعمال کرتے ہیں لہٰذا اس کی شان کے مناسب یہ ہے کہ اس کو مستقل قسم قرار دیا جائے، تاویل کر کے اس کو اس کے مرتبہ سے ہٹا کر منادی کے ساتھ ملحق کر کے اس کے تابع نہ بنایا جائے۔

قولہ بحرف نائب مناب ادعوا۔ یعنی منادی میں جو توجہ مقصود ہے وہ ایسے حرف کے ذریعہ ہو جو ادعو کے قائم مقام ہو اگر کوئی حرف ایسا ہو جس سے توجہ تو مطلوب ہو لیکن وہ ادعو کے قائمقام نہ ہو سکے تو وہ اس سے خارج ہے جیسے لیقبل زید چاہیے کہ زید متوجہ ہو۔

قولہ لفظا او تقدیراً۔ اس کے نصب میں کئی احتمال ہیں لیکن شارح نے جتنے احتمال یہاں بیان کئے ہیں ہم صرف انہیں کی شرح پر اکتفاء کرتے ہیں (۱) منادی کی تعریف میں لفظ المطلوب جو طلب پر دلالت کرتا ہے لفظا اور تقدیرا اس طلب کی تفصیل ہو اس صورت میں لفظا لفظیا کے معنی میں ہو کر طلبا محذوف کی صفت ہے طلب لفظی کا مطلب یہ ہے کہ آلہ طلب یعنی حرف ندا لفظوں میں موجود ہو جیسے یا زید اور طلب تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ آلہ طلب مقدر ہو یعنی حرف ندا لفظوں میں موجود نہ ہو مقدر ہو جیسے یوسف اعرض عن ہذا یہاں یوسف سے پہلے یا حرف ندا محذوف ہے (۲) منادی کی تعریف میں جو نائب کا لفظ ہے اس کی تفصیل ہو، نائب سے مراد حرف ندا ہے اس لئے نائب لفظی یا تقدیری کا مطلب یہ ہوگا کہ حرف ندا لفظوں میں یا مقدر ہو، اس کی مثالیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں (۳) منادی کی تفصیل ہو یعنی منادی لفظی ہو یا تقدیری، منادی ملفوظ کی مثال جیسے یا زید اور منادی مقدر کی مثال جیسے الا یا اسجدوا یہاں قوم منادی محذوف ہے اصل عبارت یا قوم اسجدوا ہے۔

قولہ وانتصاب المنادی الخ۔ منادی کے منصوب ہونے کے بارے میں تین مذہب ہیں۔
(۱) سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ منادی پر نصب فعل مقدر کی بناء پر ہے (۲) مبرد کے نزدیک منادی حرف ندا کی وجہ سے منصوب ہوگا جو قائم مقام فعل کے ہے (۳) ابو علی کا مذہب یہ ہے کہ حرف ندا اسماء افعال کے قبیل سے ہے اس وجہ سے حرف ندا اسم فعل ہونے کی وجہ سے منادی کو نصب دے گا

لکثرۃ استعمالہ ولدلالۃ حرف النداء علیہ وافادتہ فائدتہ وعند المبرد و مجرف النداء لسدّہ مسد الفعل وقال ابو علی فی بعض کلامہ ان یا واخواتھا اسماء الافعال فعلی ھذین المذھبین لا یکون من ھذا الباب ای مما انتصب المفعول بہ بعامل واجب الحذف وعلی المذاھب کلھا مثل یازید جملۃ ولیس المنادی احد جزای الجملۃ فعند سیبویہ جزأ الجملۃ ای الفعل والفاعل مقدران وعند المبرد حرف النداء قائم مقام احد جزائی الجملۃ ای الفعل والفاعل مقدر وعند ابی علی احد جزئیھا اسم الفعل والاٰخر ضمیر مستتر فیہ ویبنی ای المنادی قدم بیان البناء والخفض والفتح علی النصب لقلتھا بالنسبۃ الی النصب ولطلب الاختصار فی بیان النصب بقولہ وینصب ماسواھا

علی مایرفع بہ ای علی الضمۃ او الالف او الواو

---

مبرد اور ابو علی کے مذہب کی بنا پر منادی کے منصوب ہونے میں فعل کو کوئی دخل نہیں ہے اس لئے ان دونوں کے مذہب پر منادی مفعول بہ نہ ہوگا اور ہماری اس بحث سے خارج ہوگا یعنی منادی کو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ مفعول بہ ہے اور اس کا فعل وجوبا محذوف ہے لیکن مصنف نے سیبویہ کا مذہب اختیار کیا ہے اور ان کے نزدیک منادی فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے چنانچہ یازید کی اصل ان کے نزدیک ادعو زیدا ہے ادعو فعل کو حذف کردیا گیا اور یہ حذف واجب ہے کیونکہ کثرت استعمال اس کے لئے قرینہ ہے اور حرف نداء اس کے قائم مقام ہے اس لئے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے اس کا حذف واجب ہوگیا۔

قولہ وعلی المذاھب کلھا الخ:۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ منادی کے منصوب ہونے کی خواہ کوئی بھی وجہ ہو جس کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے، یہ طے ہے کہ حرف نداء جس پر داخل ہوتا ہے وہ اپنے مدخول سے مل کر جملہ ہے اور جملہ کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں مسند الیہ اور مسند اور منادی نہ مسند الیہ ہے نہ مسند ہے، پھر یا زید کس طرح جملہ ہوگا اس کی توجیہ ائمہ ثلثہ مذکورہ کے نزدیک مختلف ہے۔ سیبویہ کے نزدیک جملہ کے دونوں جزو یعنی فعل اور فاعل مقدر ہیں یعنی ادعو فعل محذوف ہوگا جو فعل با فاعل ہے جملہ ہونے میں نہ حرف نداء کو دخل ہے اور نہ منادی کو۔ اور مبرد کے نزدیک حرف نداء فعل کے قائم مقام ہے اور فاعل مقدر ہے۔ ابو علی کے نزدیک کوئی جزء مقدر نہیں کیونکہ ان کے نزدیک حرف نداء اسم فعل ہے اس میں ایک ضمیر مستتر ہوگی لہذا ایک جزء تو اسم فعل ہو جائے گا جس میں فعل کے معنی ہیں اور دوسرا جزء ضمیر مستتر کی ہے جو فاعل ہے۔

قولہ ویبنی علی مایرفع بہ الخ:۔ منادی کے مختلف حالات ہیں کبھی مبنی ہوتا ہے، کبھی مجرور ہوتا ہے،

التی یرفع بھا المنادی فی غیر صورۃ النداء او الفعل مسند الی الجار والمجرور اعنی بہ ولا ضمیر فیہ

کسی وقت مفتوح ہوتا ہے اور کسی وقت منصوب ہوتا ہے اور منادی میں اصل نصب ہے ، اس لئے مصنف کو چاہئے تھا کہ پہلے نصب کی صورتیں بیان کرتے لیکن اس کو سب سے آخر میں بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ نصب کی صورتیں زیادہ ہیں اور نصب کے علاوہ مبنی، مجرور، مفتوح کی صورتیں کم ہیں تو جن کی کم ہیں ان کو پہلے بیان کر دینے سے فائدہ یہ ہوگا کہ نصب کی صورتیں بالتفصیل نہ بیان کرنی پڑیں گی بلکہ یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ مذکورہ صورتوں کے علاوہ سب صورتیں نصب کی ہیں جیسا کہ مصنفؒ آگے چل کر فرمائیں گے وینصب ماسواہما - شارح نے مصنف کی عبارت علی ما یرفع بہ کے بعد ای علی الضمۃ او الالف او الواو کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ رفع کی دو قسمیں ہیں کبھی حرکت کے ساتھ رفع ہوتا ہے کبھی حرف کے ساتھ مفرد پر رفع بالحرکۃ ہوگا جس کو علی الضمۃ سے تعبیر کیا ہے اور تثنیہ میں الف کے ساتھ اور جمع میں واو کے ساتھ رفع ہوگا جس کو او الالف او الواو سے تعبیر کیا ہے ۔

قولہ التی یرفع بھا المنادی فی غیر صورۃ النداء الخ :- یہ عبارت ایک اعتراض کے جواب میں ہے - اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مصنف کی عبارت یبنی علی ما یرفع میں اجتماع متضادین لازم آتا ہے اس لئے کہ یبنیٰ اور یرفع دونوں میں ضمیریں منادی کی طرف راجع ہیں آگے چل کر ان کان مفرداً معرفۃ سے شرط بیان کی ہے جس سے عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اگر منادی مفرد معرفہ ہو تو مبنی بھی ہوگا اور مرفوع بھی ہوگا حالانکہ ان دونوں میں تضاد ہے اس لئے مرفوع ہونا معرب ہونے کی علامت ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حالت میں منادی مبنی اور معرب دونوں ہو، شارح اس عبارت سے جواب دے رہے ہیں کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حرف نداء داخل ہونے سے پہلے اس اسم پر جن علامات کے ساتھ رفع آتا تھا حرف نداء داخل ہونے کے بعد یعنی منادی ہونے کے بعد اب منادی ان علامات پر مبنی ہو جائے گا یعنی مفرد کی صورت میں ضمہ پر مبنی ہوگا اور تثنیہ کی صورت میں الف پر اور جمع کی صورت میں واو پر مبنی ہوگا - تو جب ہر ایک کا وقت مختلف ہے تو اجتماع کہاں ہوا، معرب ہوگا حرف نداء سے پہلے اور مبنی ہوگا حرف نداء کے داخل ہونے کے بعد لہذا اس میں کوئی استحالہ نہیں ، البتہ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب مبنی کا حکم حرف نداء کے داخل ہونے کے بعد ہے اور رفع یعنی معرب کا حکم حرف نداء کے داخل ہونے سے پہلے ہے تو پھر یرفع کی ضمیر منادی کی طرف کیسے راجع ہو سکتی ہے رفع کی حالت میں تو منادی ہوتا ہی نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجاز ما یؤول ہے چونکہ اسی اسم کو حرف نداء داخل ہونے کے بعد منادی ہونا تھا اس لئے پہلے ہی سے منادی کہہ دیا ۔

قولہ او الفعل مسند الی الجار والمجرور الخ :- مصنف کی عبارت یبنی علی ما یرفع بہ پر جو اعتراض

وارجاع الضمیر الی الاسم غیر ملایم لسوق الکلام ان کان ای المنادی مفرداً ای لایکون مضافاً ولا شبہ مضاف وھو کل اسم لایتم معناہ الا بانضمام امر اٰخر الیہ معرفة قبل النداء او بعدہ وانما بنی المفرد والمعرفة لوقوعہ موقع الکاف الاسمیة المشابہة لفظا ومعنی لکاف الخطاب الحرفیة وکونہ مثلھا فی الافراد والتعریف وذلک لان یا زید بمنزلة ادعوک وھذہ الکاف ککاف ذلک لفظا ومعنی

---

وارد ہوتا تھا کہ اس میں اجتماع متضادین لازم آتا ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے شارح اپنی اس عبارت سے اعتراض کا دوسرا جواب دے رہے ہیں کہ یرفع کا نائب فاعل بہ جار مجرور کو بنایا جائے جیسا کہ المفعول بہ میں بہ المفعول کا نائب فاعل ہے توجب اس کا نائب فاعل بہ ہے اور اس میں کوئی ضمیر نہیں ہے تو پھر اعتراض ہی نہیں وارد ہوتا کیونکہ اعتراض کی بنیاد تو ضمیر ہی تھی کہ یرفع میں ضمیر منادی کی طرف راجع ہے وہ اس کا نائب فاعل ہے اور یبنی کا بھی نائب فاعل منادی ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی حالت میں منادی مبنی بھی ہو اور معرب بھی جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کیا جاچکا ہے اب جب یرفع میں ضمیر ہی نہیں تو پھر اعتراض کی بھی کوئی صورت نہیں۔

قولہ وارجاع الضمیر الی الاسم الخ:- بعض حضرات نے اعتراض مذکور کا یہ جواب دیا ہے کہ یرفع میں ضمیر تو مانی جائے لیکن اس کا مرجع منادی نہ ہو بلکہ مطلق اسم ہو، عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ منادی کو مبنی کیا جاتا ہے اس علامت پر جس پر اسم کو رفع دیا جاتا ہے جس میں کوئی اشکال نہیں، شارح اس جواب کو پسند نہیں کررہے اس لئے رد کرتے ہیں کہ یہ توجیہ سوق کلام کے مناسب نہیں بحث تو ہورہی ہے منادی کی تو پھر مطلق اسم کی طرف ضمیر راجع کرنا کیسے درست ہوگا۔

قولہ ان کان مفرداً ای لایکون مضافاً الخ:- شارح نے ای لایکون مضافا الخ سے یہ بتایا ہے کہ یہاں مفرد سے مراد اسم ہے جو مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں بولا جاتا ہے تثنیہ اور جمع کا مقابل مراد نہیں۔

قولہ انما بنی المفرد والمعرفة الخ:- منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ بیان کررہے ہیں کہ منادی کاف اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی کاف حرفی کے مشابہ ہے لفظا اور معنی اور کاف حرفی مبنی الاصل ہے اس لئے اس کی مشابہت کی وجہ سے کاف اسمی مبنی ہوا، اور کاف اسمی کی جگہ منادی واقع ہوتا ہے اس لئے وہ بھی مبنی ہوگیا، کاف اسمی اس کاف کو کہتے ہیں جس کی جگہ اسم آسکے جیسے ادعوک کا کاف کہ یہاں کاف کو ہٹاکر ادعو زیداً کہہ سکتے ہیں اور کاف حرفی ہمیشہ حرف ہی رہتا ہے اس کو ہٹاکر کوئی اسم اس کی جگہ نہیں رکھ سکتے جیسے ذلک کا کاف کہ اس کے بجائے کوئی اسم نہیں آسکتا۔

وانما قلنا ذلك لان الاسم لايبنى الالمشابهة الحرف او الفعل و لايبنى لمشابهة الاسم المبنى مثل يا زيد ويا رجل مثالان لما هو مبنى على الضمة او لهما معرفة قبل النداء وثانيهما معرفة بعد النداء ويا زيدان مثال المبنى على الالف ويا زيدون مثال المبنى على الواو ويخفض اى يجر المنادى بلام الاستغاثة اى بلام تدخله وقت الاستغاثة وهى لام التخصيص ادخلت على المستغاث دلالة على انه مخصوص من بين امثاله بالدعاء

---

اس کو ایک مثال سے سمجھئے مثلاً یا زید میں زید منادی ہے اور یا، حرف ندا ہے تو اس میں حرف یا، ادعو کے قائم مقام ہے اور زید "ک" یعنی کاف مخاطب کے قائمقام ہے اور یہ کاف ذلک کے کاف کے مشابہ ہے جو حرف ہونے کی وجہ سے مبنی الاصل ہے اور کاف اسمی اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہے اور اس کی جگہ اسم ظاہر زید واقع ہے لہذا وہ بھی مبنی ہوا، شارح نے منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے میں اتنی تطویل کی کہ منادی اس وجہ سے مبنی ہے کہ وہ کاف اسمی کی جگہ ہے اور کاف اسمی کاف حرف کے مشابہ ہے لفظاً اور معنی اور چونکہ کاف حرفی مبنی ہے اس لئے کاف اسمی جو اس کے مشابہ ہے وہ مبنی ہوا، اور اس کی جگہ منادی واقع ہے لہذا وہ بھی مبنی ہوا، اس تطویل کی وجہ اپنی عبارت وانما قلنا ذلک الخ سے بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تطویل اس لئے ہے کہ اگر صرف یہ کہتے کہ منادی مفرد معرفہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی مبنی ہے لہذا منادی مفرد معرفہ بھی مبنی ہوگا تو یہ صحیح نہ ہوتا اس لئے کہ مبنی الاصل تو حرف اور فعل ہے تو جو بھی اسم مبنی ہوتا ہے وہ ان میں سے کسی ایک کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے اسم مبنی کی مشابہت کی وجہ سے نہیں ہوتا، اور کاف اسمی کاف حرفی کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی تو ہے لیکن مبنی الاصل نہیں اس لئے اس کی مشابہت کی وجہ سے منادی مبنی نہ ہوسکے گا، شارح نے جو عبارت اختیار کی ہے اس کی تقریر اس طرح ہوگی کہ منادی مفرد معرفہ اس وجہ سے مبنی ہے کہ وہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہے اور کاف اسمی کاف حرفی کے مشابہ ہے اور کاف حرفی مبنی الاصل ہے اس لئے اس کی مشابہت کی وجہ سے کاف اسمی مبنی ہوگا اور کاف اسمی کی جگہ یہ منادی واقع ہوتا ہے لہذا منادی بواسطہ کاف اسمی کے کاف حرفی کے مشابہ ہوا جو مبنی الاصل ہے اس طرح سے منادی مفرد معرفہ مبنی الاصل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوگیا۔

قولہ ویخفض ای یجر المنادی الخ:- منادی پر اگر لام استغاثہ داخل ہوگا تو منادی مجرور ہوجائے گا، استغاثہ کے معنی فریاد چاہنے کے ہیں یہ لام مستغاث پر اس لئے داخل ہوتا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ اس مقصد کے لئے مستغاث کو خاص کیا گیا ہے اسی سے مقصد کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے سے یہ توقع نہیں ہے شارح نے یخفض کی تفسیر یجر کے ساتھ کر کے اعتراض کا جواب

مثل یالزید وانما فتحت لئلا یلتبس بالمستغاث لہ اذا حذف المستغاث نحو یا المظلوم ای یا القوم فانہ لو لم تفتح لام المستغاث لم یعلم ان المظلوم فی ھذا المثال مستغاث او مستغاث لہ ولم یعکس الامر لان المنادی المستغاث واقع موقع کاف الضمیر التی تفتح لام الجر معہا نحو لک بخلاف المستغاث لہ لعدم وقوعہ موقع الضمیر فان عطفت علی المستغاث بغیر یا نحو یالزید ولعمرو وکسرت لام المعطوف لان الفرق بینہ و بین المستغاث لہ حاصل بعطفہ علی المستغاث وان عطفت مع یا فلابد من فتح لام المعطوف

---

دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ خفض تو خافض کی صفت ہے تو پھر منادی کی طرف اس کی نسبت کیسے صحیح ہوگی تو اس کا جواب دیا کہ بجر کے معنی میں ہے اور انجرار منادی کی صفت ہے۔

قولہ مثل یالزید الخ۔ اس مثال میں زید منادی ہے لام استغاثہ کی وجہ سے مجرور ہے اس پر اعتراض ہے کہ لام استغاثہ تو لام جارہ ہے اور لام جارہ جب اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو اس لام پر کسرہ آتا ہے اور منادی بھی اسم ظاہر ہے تو پھر اس لام پر فتحہ کیوں پڑھا جاتا ہے اس کا جواب شارح اپنی عبارت انما فتحت الخ سے دے رہے ہیں جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مستغاث کو حذف کر کے مستغاث لہ کو اس کی جگہ پر قائم کر دیتے ہیں اور مستغاث لہ پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر کسرہ ہوتا ہے تو اگر مستغاث کے لام کو بھی کسرہ دیتے تو مستغاث کے حذف کی صورت میں یہ نہ پتہ چلتا کہ یہ مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے لہذا التباس سے بچنے کے لئے یہ کیا گیا کہ مستغاث کے لام کو فتحہ دیا گیا اور مستغاث لہ کے لام کو کسرہ دیا گیا کہ کسی صورت میں التباس لازم نہ آئے خواہ مستغاث محذوف ہو یا مذکور شارح نے مثال دے کر اس کی توضیح کر دی ہے اس کے شرح کی ضرورت نہیں، اس کے بعد پھر اعتراض ہوتا ہے کہ التباس ہی سے بچنا ہے تو اس کا عکس کر دیا جاتا کہ مستغاث کے لام کو کسرہ دیا جاتا اور مستغاث لہ کے لام کو فتحہ دیا جاتا اس کا جواب شارح نے ولم یعکس الامر سے دیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ منادی مستغاث کاف ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف ضمیر پر جب لام داخل ہوتا ہے تو اس لام پر فتحہ ہوتا ہے اس لئے منادی مستغاث کے لام پر بھی فتحہ دیا گیا اور مستغاث لہ کاف ضمیر کی جگہ نہیں واقع ہوتا اس لئے اس کے لام کو اپنی اصل پر رکھا گیا یعنی کسرہ دیا گیا۔

قولہ فان عطف علی المستغاث بغیر یا الخ۔ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مستغاث کے لام کو فتحہ اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ مستغاث لہ کے ساتھ التباس نہ لازم آئے تو اگر ایسی کوئی صورت ہو جس میں التباس نہ لازم آتا ہو تو پھر مستغاث کے لام پر کسرہ آسکتا ہے مثلاً مستغاث پر بغیر حرف ندا کے عطف کیا جائے جیسے کہا جائے یالزید ولعمرو تو عمر کے لام پر کسرہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے کہ

ایضاً نحو یالزید ویالعمرو وانما اعرب المنادی بعد دخول لام الاستغاثة لان علة بنائه کانت مشابهته للحرف واللام الجارة من خواص الاسم فبدخولها ضعف فاعرب علی ماهو الاصل فیه قیل قد یخفض المنادی بلامی التعجب والتهدید ایضا فلام التعجب نحو یالماء ویالدواهی ولام التهدید نحو یالزید لاقتلنک فلم اهمل المصنف ذکرهما وکیف یصدق قوله فیما بعد وینصب ماسواهما کلیا

اس کا عطف لزید پر ہے اور یہ مستغاث ہے تو ظاہر ہے کہ مستغاث پر جس کا عطف ہوگا وہ بھی مستغاث ہوگا مستغاث لہ ہونے کا احتمال نہیں اس لئے لعمرو کے لام کو کسرہ دینے میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں اور اگر حرف ندار کے ساتھ عطف کیا جائے مثلاً مثال مذکور میں یالزید ویالعمرو کہا جائے تو پھر معطوف یعنی لعمرو کے لام کو کسرہ نہیں دے سکتے کیونکہ حرف ندار کے اعادہ کی وجہ سے یہ بھی احتمال ہے کہ یالزید پر اس کا عطف ہو اس سے علیحدہ ہو اس لئے اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ لعمرو مستغاث نہ ہو بلکہ مستغاث لہ ہو، اور اصل عبارت اس طرح ہو یالقوم لعمرو اے قوم عمرو کی فریاد رسی کردم تو اگر ایسا ہو اور لعمرو کے لام کو کسرہ دیا گیا تو پھر مستغاث کے ساتھ التباس لازم آئے گا اور پتہ نہ چلے گا کہ یالعمرو مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے اس التباس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ لعمرو کے لام کو فتحہ دیا جائے تاکہ اس کا مستغاث ہونا متعین ہو جائے اور مستغاث لہ ہونے کا شبہ باقی نہ رہے۔

قولہ انما اعرب المنادی الخ:۔ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ ابھی آپ نے بیان کیا ہے کہ منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے لیکن لام استغاثہ کے داخل ہونے کے بعد آپ نے اپنی رائے بدل دی اور اس پر جر کا حکم لگا دیا حالانکہ اس صورت میں بھی وہ مفرد معرفہ ہے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ منادی مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی مشابہ ہے کاف حرفی کے تو بواسطہ کاف اسمی کے منادی مشابہ ہو گیا کاف حرفی کے اور حرف مبنی الاصل ہے تو جو حرف کے مشابہ ہوگا وہ بھی مبنی ہو جائے گا تو منادی مفرد معرفہ کا مبنی ہونا حرف کی مشابہت کی بنا پر تھا اور لام استغاثہ لام جار ہے جو اسم کا خاصہ ہے اس لئے اس لام کے دخول کی وجہ سے حرف کے ساتھ مشابہت ضعیف ہو گئی اس لئے اسم کا جو اصل حال ہے یعنی معرب ہونا اس پر اس کو قائم کر کے معرب کیا گیا اور لام کی وجہ سے جر دیا گیا۔

قولہ قیل قد یخفض المنادی الخ:۔ یہ اعتراض ہے جو مصنف پر وارد ہوتا ہے اعتراض یہ ہے کہ منادی جس طرح لام استغاثہ کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے اسی طرح لام تعجب اور لام تہدید کی وجہ سے بھی مجرور ہوتا ہے تو پھر مصنف نے ان دونوں کو کیوں نہیں بیان کیا نیز آگے چل کر مصنف نے کہا ہے وینصب ما سواہما جس کا مطلب یہ ہے کہ منادی مبنی اور منادی مستغاث کے علاوہ باقی سب صورتوں

واجیب بان کلا من بابین اللامین لام الاستغاثۃ کان المھدّ د اسم فاعل یستغیث بالمھدد اسم مفعول لیحضر فینتقم منہ ویستریح من الم خصومتہ وکان المتعجب یستغیث بالمتعجب منہ لیحضر فیقضی منہ العجب ویتخلص منہ واجیب عن لام التعجب بوجہ اٰخر ذکرہ المصنف فی الایضاح وھو ان المنادی فی قولھم یا للماء ویا للدواھی لیس الماء ولا الدواھی وانما المراد یا قوم او یا ھولاء اعجبوا للماء وللدواھی ولا یخفی علیک ان القول بحذف المنادی علی تقدیر کسر اللام ظاھر

میں منادی پر نصب آئے گا یہ ان کا قول صحیح نہ ہوگا کیونکہ جس منادی پر لام تعجب اور لام تہدید داخل ہوتا ہے وہ منادی نہ مبنی ہے اور نہ مستغاث ہے پھر بھی منصوب نہیں، لام تعجب کی مثال یا للماء یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جہاں پانی کی امید نہ ہو پھر وہاں بکثرت پانی مل جائے اور یا للدواہی یہ اس وقت کہا جاتا ہے جہاں اچانک ایسی مصیبتیں پیش آجائیں جس کا کوئی حل نہ سمجھ میں آرہا ہو، لام تہدید کی مثال جیسے یا لزید لاقتلنک اس میں زید کو دھمکی دے کر کہتا ہے کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، حاصل اعتراض یہ ہے کہ لام استغاثہ کے ساتھ ان دونوں قسم کے لام کو بھی مصنفؒ کو ذکر کرنا چاہئے، شارح اپنی عبارت واجیب بان کلا من بابین اللام الخ سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ دونوں لام بھی لام استغاثہ ہی میں داخل ہیں اس سے علیحدہ نہیں، ان دونوں حالتوں میں توجیہ یہ ہوگی کہ مہدِّد (اسم فاعل) مہدَّد (اسم مفعول) سے فریاد چاہتا ہے تاکہ وہ حاضر ہو جائے اور اس سے انتقام لے کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرے۔ اسی طرح لام تعجب کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ متعجب (تعجب کرنے والا) متعجب منہ (جس سے تعجب کیا جاتا ہے) یہ فریاد کر رہا ہے کہ وہ اس کے سامنے آجائے تاکہ وہ اپنے تعجب کو ظاہر کرکے اس سے چھٹکارا پائے۔

قولہ واجیب عن لام التعجب الخ:- اس سے پہلے جو جواب دیا گیا ہے وہ جواب لام تعجب اور لام تہدید دونوں کے لئے واقع تھا، یہ جواب صرف لام تعجب کے لئے واقع ہے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس اسم پر لام تعجب داخل ہے وہ حقیقۃً منادی نہیں ہے بلکہ منادی محذوف ہے اور مستغاث لہ کو اس کی جگہ قائم کر دیا ہے مثلاً یا للماء اور یا للدواہی میں ماء اور دواہی منادی نہیں ہے، اس کا منادی یا قوم اور یا ہولاء ہے وہ محذوف ہے اور للماء اور للدواہی مستغاث لہ ہے۔

قولہ ولا یخفی علیک ان القول الخ:- جواب مذکور پر اعتراض ہے کہ یا للماء اور یا للدواہی میں یہ کہنا کہ منادی محذوف ہے اور یہ مستغاث لہ ہیں اس وقت صحیح ہے جب ان کے لام کو کسرہ پڑھا جائے اور اگر فتحہ پڑھا جائے تو یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ اگر یہ مستغاث لہ ہیں تو ان کے لام پر

واما على تقدير فتحها فمشكل لانتفاء ما يقتضي فتحها حينئذ كما هو الظاهر مما سبق ويفتح اى يبنى المنادى على الفتح لالحاق الفها اى الف الاستغاثة باخره لاقتضاء الالف فتح ماقبلها ولا لام فيه حينئذ لان اللام يقتضى الجر والالف الفتح فبين اثريهما تناف فلا يحسن الجمع بينهما مثل يا زيداه بالحاق الهاء به للوقف وينصب ماسواهما اى وينصب بالمفعولية ماسوى المنادى المفرد المعرفة والمنادى المستغاث مع اللام او الالف لفظا او تقديرا ان كان معربا قبل دخول حرف النداء لان علة النصب وهى

---

فتحہ کیوں ہے فتحہ تو منادی مستغاث پر آتا ہے اس کا جواب شارح نے تو نہیں دیا دوسرے شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ ان میں منادی ہمیشہ محذوف رہتا ہے کبھی مذکور نہیں ہوتا اس کی جگہ یہ مستغاث لہ رہتا ہے تو گویا کہ مستغاث لہ منادی ہوا اور منادی پر جو لام آتا ہے وہ مفتوح ہوتا ہے اس لئے یہ لام مفتوح ہے۔

قولہ ویفتح لالحاق الفہا الخ:۔ جب منادی کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو تو منادی فتحہ پر مبنی ہوگا اس لئے کہ الف کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے فتحہ کے علاوہ کوئی دوسری حرکت نہیں آسکتی، اور جب الف استغاثہ آئے تو لام استغاثہ داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ الف کا تقاضا ہوگا کہ اس کا ماقبل مفتوح ہو اور لام استغاثہ کا تقاضا ہوگا کہ وہ مجرور ہو، اور ان دونوں میں منافات ہے۔

قولہ وینصب ماسواهما الخ:۔ اس سے پہلے منادی کی تین صورتیں بیان کی ہیں (۱) منادی مفرد معرفہ جو علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے (۲) منادی مستغاث بالالف یہ فتحہ پر مبنی ہوتا ہے (۳) منادی مستغاث باللام یہ معرب اور مجرور ہوتا ہے مبنی نہیں ہوتا۔ لیکن مصنف نے مستغاث کی دونوں صورتوں کو ایک ہی شمار کیا ہے اس لئے ان دونوں کو ملاکر ایک ہی صورت ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ماسواہما میں ہما ضمیر تثنیہ کی لائے اس کا مرجع منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث ہے خواہ مستغاث باللام ہو یا مستغاث بالالف ہو، اس لئے عبارت کا مطلب یہ ہوگا منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث کے علاوہ باقی صورتوں میں منادی معرب ہوگا اور مفعولیت کی بنار پر نصب آئے گا خواہ لفظا نصب ہو جیسے یا عبداللہ یا تقدیرا ہو جیسے یا فتی القوم اس لئے کہ نصب کی علت مفعولیت ہے وہ ثابت ہے اور کوئی وجہ ایسی نہیں پائی جاتی جو اس حالت سے اس کو بدل دے جیسا کہ اس سے پہلے تین صورتیں گذریں کہ ان میں چونکہ مغیر پایا جاتا تھا اس لئے منادی پر نصب نہیں آیا ان تینوں کا بیان بالتفصیل گذر چکا ہے۔

قولہ ان کان معربا قبل دخول حرف النداء الخ:۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے فرمایا ہے کہ منادی مفرد معرفہ اور منادی مستغاث کے علاوہ میں منادی معرب ہوگا

المفعولیۃ متحققۃ فیہ وما غیرہ مغیّرۃ عن حالہ وما سوی المفرد المعرفۃ اما لایکون مفرداً بان یکون مضافا او شبہ مضاف واما ما یکون مفرداً ولکن لایکون معرفۃ واما ما لا یکون مفرداً ولا معرفۃ فالقسم الاول وھو ما لایکون مفرداً لکونہ مضافا مثل یا عبد اللہ والقسم الثانی وھو ما لایکون مفرداً لکونہ شبہ مضاف مثل یا طالعاجبلاً والقسم الثالث وھو ما یکون مفرداً ولکن لایکون معرفۃ مثل یا رجلاً مقولاً لغیر معین ای لرجل غیر معین وھذا توقیت لنصب رجلا لا تقیید لہ لانہ منصوباً لایحتمل المعین

---

اور اس پر نصب آئے گا حالانکہ یا یوم ینفع الصادقین صدقھم میں یوم نہ مفرد معرفہ ہے کیونکہ مضاف ہے اور نہ مستغاث ہے پھر بھی معرب نہیں بلکہ مبنی ہے کیونکہ لفظ یوم جب جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے تو مبنی ہوتا ہے، شارح نے ان کان معربا سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن صورتوں میں منادی کے معرب ہونے کا حکم لگایا ہے اس کے لئے شرط یہ ہے وہ منادی ہونے سے پہلے مبنی نہ ہو اور یوم مثال مذکور میں حرف نداء داخل ہونے سے پہلے ہی سے مبنی ہے۔

قولہ وما سوی المفرد المعرفۃ :۔ مفرد معرفہ کے علاوہ جو صورتیں ہیں ان کو بیان کر رہے ہیں (۱) مفرد نہ ہو بلکہ مضاف ہو جیسے یا عبد اللہ۔ (۲) مشابہ مضاف ہو جیسے یا طالعاً جبلاً۔ مشابہ مضاف کا مطلب پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جس طرح مضاف محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا بغیر مضاف الیہ کے مضاف کے معنی تام نہیں ہوتے، اسی طرح جو اسم ایسا ہو کہ بغیر دوسرے اسم کے ملائے اس کے معنی نہ سمجھے جائیں اس کو مشابہ مضاف کہتے ہیں اور مثال مذکور میں طالعا ایسا ہی ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں چڑھنے والا تو جب تک کوئی چیز ایسی ذکر کی جائے جس پر چڑھا جاتا ہو اس وقت تک طالعا کے معنی نہ سمجھ میں آئیں گے، اس لئے یہ مشابہ مضاف ہوا، اس کے معنی ہیں اے پہاڑ پر چڑھنے والے۔ (۳) معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو جیسے یا رجلاً جس وقت غیر معین شخص کو ندا دی جائے، مثلاً ایک نابینا شخص یا رجلاً کہے کیونکہ وہ کسی معین شخص کو نہیں پکارتا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص آجائے اور میرا مقصد پورا کرے۔ (۴) نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو جیسے یا حسنا وجہہ ظریفاً اس میں حسناً مفرد نہیں ہے بلکہ مشابہ مضاف ہے کیونکہ بغیر وجہہ کے اس کے معنی پورے نہیں ہوتے اور معرفہ نہیں بلکہ نکرہ ہے یہی وجہ ہے کہ ظریفاً نکرہ اس کی صفت ہے اگر حسنا معرفہ ہوتا تو اس کی صفت نکرہ نہ آتی۔

قولہ وھذا توقیت لنصب رجلا لا تقیید الخ :۔ مصنف نے تیسری قسم کی مثال بیان کرتے وقت یا رجلاً کے آگے لغیر معین کہا ہے اس سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ رجلاً پر نصب ہونے کی حالت میں دو احتمال ہیں کبھی معین کے لئے ہوتا ہے اور کبھی غیر معین کے لئے حالانکہ منصوب ہونے کی صورت میں

والة سوالى إليه وهو مالا يكون مفرداً ولا معرفة مثل ياحسنا وجهه ظريفا ولم يورد المصنف لهذا القسم مثالا إذ حيث اتضح انتفاء كل من القيدين بمثال سهل تصور انتفائهما معاً فلا حاجة الى ايراد مثال له على انفراده مع ان المثال الثاني يحتمله فيمكن ان يراد بقوله يا طالعاً جبلا هذه العبارة اعم من ان يراد بها معين او غير معين فامثلة الاقسام باسرها مذكورة وهذه الامثلة كلها مثال لما سوى المستغاث ايضا فلا حاجة الى ايراد مثال له على حدة

---

معین نہیں ہوسکتا اگر معین ہوتا تو معرفہ ہوجاتا اور چونکہ مفرد ہے اسلئے مفرد اور معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوتا اس پر نصب کیوں آتا ـــــ اسلئے شارح اس وہم کو دور کر رہے ہیں کہ یہ شبہ اس غلط فہمی کی وجہ سے ہے کہ غیر معین کو رجلا کیلئے قید سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ تقیید نہیں بلکہ توقیت ہے یعنی رجلا کے نصب کا وقت بیان کیا گیا ہے کہ اس پر نصب اس وقت آئے گا جب غیر معین کیلئے ہو اگر معین کیلئے ہو تو نصب نہ آئے گا کیونکہ اس صورت میں معرفہ ہوجائے گا اور معرفہ کی حالت میں مبنی ہوگا نہ کہ معرب اور جب معرب نہ ہوگا تو نصب کیسے آسکتا ہے۔

قولہ ولم یورد المصنف الخ ماسوی مفرد معرفہ کی چار صورتیں ہیں مصنفؒ نے تین صورتوں کی مثالیں بیان کی ہیں چوتھی صورت کہ نہ مفرد ہو نہ معرفہ ہو اسکی مثال نہیں بیان کی، شارح اسکی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ مفرد معرفہ میں ایک قید تو افراد کی ہے یعنی اسکا مفرد ہونا اور دوسری قید تعریف کی ہے یعنی اس کا معرفہ ہونا ان دو قیدوں میں سے ہر ایک قید کے انتفاء کی مثالیں مصنفؒ نے بیان کر دی ہیں یا عبداللہ، مفرد نہ ہونے کی مثال ہے اور یا رجلا معرفہ نہ ہونے کی مثال ہے جب علیحدہ علیحدہ ہر قید کے انتفاء کی مثالیں معلوم ہوگئیں تو دونوں قیدوں کے مجموعہ کے انتفاء کی مثال کا سمجھنا آسان ہوگیا اس کی مستقل مثال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہم نے اس کی مثال یاحسنا وجہہ ظریفا بیان کر دی ہے آپ اس مثال کو اس کے ممثل لہ سے منطبق کر لیجئے۔

قولہ وھذہ الامثلۃ کلھا امثال ماسوی المستغاث ایضاً الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ نے بیان کیا تھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مستغاث کے علاوہ جو صورتیں ہیں ان میں منادیٰ منصوب ہوگا اور مثالیں جتنی یہاں بیان کی ہیں وہ سب منادیٰ مفرد معرفہ کے علاوہ کی ہیں یعنی یہ مثالیں سب ایسی ہیں جن میں منادیٰ مفرد معرفہ نہیں ہے وہ مثالیں نہیں بیان کیں جن میں منادیٰ مستغاث باللام و بالالف نہ ہو شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ سب مثالیں جس طرح ماسوی منادیٰ مفرد معرفہ کی ہیں اسی طرح ماسوی مستغاث کی بھی ہیں ان میں سب مثالیں ایسی ہیں جن میں جس طرح

وتوابع المنادى المبنى على ما يرفع به المفردة حقيقة او حكما انما قيد المنادى بكونه مبنيا لان توابع المنادى المعرب تابعة للفظه فقط وقيد ناالمبنى بكونه على ما يرفع به لان توابع المستغاث بالالف لايجوز فيها الرفع نحو يا زيداه وعمراه والاعمراه ولان المتبوع مبنى على الفتح وقيد التوابع بكونها مفردة لانها لو لم تكن مفردة لا حقيقة ولا حكما كانت مضافة بالاضافة المعنوية وحينئذ لا يجوز فيها الا النصب وانما جعلنا المفردة اعم من ان تكون مفردة حقيقة بان لا تكون مضافة معنوية ولا لفظية ولا شبه مضاف او حكما بان تكون مضافة لفظية او مشبهة بالمضاف فانهما لما انتفت فيهما الاضافة المعنوية كانتا فى حكم المفردة لتدخل فيهما المضافة بالاضافة اللفظية والمشبهة بالمضاف لانهما كالتوابع المفردة فى جواز الرفع والنصب

---

منادی مفرد معرفہ نہیں ہے اسی طرح مستغاث باللام و بالالف بھی نہیں ہے اسلئے اسکی علیحدہ مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

قولہ وتوابع المنادى المبنى الخ منادی کے حالات سے فارغ ہوکر اس کے توابع کا حال بیان کرتے ہیں پہلے منادی مبنی کے توابع کا حال بیان کر رہے ہیں بعد میں منادی معرب کے توابع کے حالات بیان کریں گے اس عبارت میں جو قیود ہیں پہلے ان فوائد کو بیان کئے جاتے ہیں بعد میں عبارت کی تشریح کیجائے گی لفظ مبنی منادی کی صفت ہے اور مفردہ توابع کی صفت ہے، منادی کو مبنی کے ساتھ اسواسطے مقید کیا کہ آنیوالا حکم ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ منادی معرب کے توابع پر جاری نہ ہوگا کیونکہ منادی معرب کے توابع صرف منادی کے لفظ کے تابع ہوتے ہیں محل کے تابع نہیں ہوتے۔ اس کے بعد شارح نے مبنی کو علی ما یرفع کے ساتھ مقید کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنیوالا حکم اس منادی کے توابع پر جاری ہوگا جو علامت رفع پر مبنی ہو یعنی منادی مفرد معرفہ کے توابع پر جاری ہوگا اگر منادی مستغاث بالالف ہو تو وہ فتحہ پر مبنی ہوتا ہے علامت رفع پر مبنی نہیں ہوتا اسلئے آنیوالا حکم اسکے توابع پر نہ جاری ہوگا کیونکہ ان کے متبوع یعنی منادی مستغاث پر صرف فتحہ ہے رفع نہیں تو جب متبوع پر رفع نہیں تو تابع پر رفع کیسے آئے گا۔ توابع کو مفردہ کے ساتھ مقید کیا اسلئے کہ اگر منادی مبنی کے توابع مفرد نہ ہوں تو آنیوالا حکم ایسے توابع پر جاری نہ ہوگا جس کی تفصیل وقید التوابع بکونہا مفردۃً سے شارح خود بیان کر رہے ہیں۔ اس کے بعد سمجھئے کہ مفرد سے مراد یہاں عام ہے خواہ حقیقۃً مفرد ہو یا حکماً۔ حقیقۃً مفرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسمیں کسی قسم کی اضافت نہ پائی جائے نہ اضافت معنوی ہو نہ اضافت لفظی ہو بلکہ شبہ مضاف بھی نہ ہو اور مفرد حکمی کا مطلب یہ ہے کہ اسمیں اضافت لفظی پائی جائے یا شبہ مضاف ہو آنیوالا حکم ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ چونکہ مفرد حکمی کو بھی شامل ہے اسلئے شارح نے مفرد میں تعمیم کی، کیونکہ مفرد حکمی میں اضافت معنوی نہیں ہوتی اسلئے اسکو بھی مفرد حقیقی کے حکم میں شامل

نحو یازید الحسن الوجہ والحسن الوجہ ویازید الحسن وجہہ والحسن وجہہ
ولما لم یجر الحکم الاٰتی فی التوابع کلہا بل فی بعضہا ولم یجر فیما ہو جار فیہ مطلقا بل
لابد فی بعضہا من قید فصل التوابع الجاری ہٰذا الحکم فیہا وصرح بالقید فیما ہو محتاج الیہ
فقال من التاکید ای المعنوی لان التاکید اللفظی حکمہ فی الاغلب حکم الاوّل اعرابًا و
بناءً نحو یازید زید وقد یجوز اعرابہ رفعًا ونصبًا وکان المختار عند المصنف وذلک ولذلک
لم یقید التاکید بالمعنوی والصفۃ مطلقا وعطف البیان کذلک والمعطوف بحرف

---

کرلیا گیا اور ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ کا حکم اسپر بھی نافذ کردیا گیا مفرد حکمی کی مثالیں شارح نے بیان کی ہیں انکو مثل لئے پر منطبق کرلیجئے یازید الحسن الوجہ اضافت لفظی کی مثال ہے اور یازید الحسن وجہہ یہ شبہ مضاف کی مثال ہے اب مصنفؒ کی عبارت کا مطلب اسطرح ادا کیا جائیگا کہ جو منادی علامت رفع پر مبنی ہے اسکے توابع جو مفرد ہوں خواہ حقیقۃً مفرد ہوں یا حکماً ان پر ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ کا حکم جاری ہوگا۔

قولہ لما لم یجر الحکم الاٰتی الخ۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ توابع منادی کا حکم ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ جو آگے آرہا ہے یہ حکم تمام توابع میں جاری نہیں اور جن توابع میں یہ حکم جاری ہے ان میں بعض ایسے ہیں جنمیں قید ہے اسلئے مصنف اسکی تفصیل کررہے ہیں اس تفصیل میں ان توابع کی تعیین کریں گے جنمیں یہ حکم پایا جاتا ہے اور جنمیں قید کیلئے ضرورت ہے انمیں قید بیان کریں گے: من التاکید وغیرہ سے اس کو بیان کریں گے ــــــ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تاکید صفت عطف بیان میں تو مطلقاً پایا جاتا ہے انمیں کوئی قید نہیں ہے اور اس معطوف میں پایا جاتا ہے جسپر یاء کا داخل ہونا ممتنع ہے یعنی جو معطوف معرف باللام ہو، اسمیں معطوف کو بحرف الممتنع دخول یاء علیہ کیساتھ مقید کیا گیا ہے مطلق معطوف کا یہ حکم نہیں ہے مصنفؒ کے نزدیک مطلق تاکید میں یہ حکم پایا جاتا ہے خواہ تاکید معنوی ہو یا لفظی ہو اسی وجہ سے اسمیں معنوی کی قید نہیں لگائی لیکن شارح نے جمہور کی اتباع میں تاکید کو معنوی کیساتھ مقید کیا ہے جسکا مطلب یہ ہوگا کہ تاکید لفظی کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ تاکید لفظی کا حکم اکثر استعمال میں وہی ہوتا ہے جو اسکے موکد کا ہوتا ہے اگر موکد معرب ہے تو تاکید معرب ہوگی اگر موکد مبنی ہے تو تاکید بھی مبنی ہوگی ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ دونوں حکم اسپر جاری نہ ہوں گے۔

قولہ وقد یجوز اعرابہ الخ۔ تاکید کے بارے میں شارح نے اپنا مسلک تو معنوی کی قید لگاکر بیان کردیا کہ یہ حکم صرف تاکید معنوی پر جاری ہوگا تاکید لفظی کو شامل نہ ہوگا اس عبارت سے دوسرے بعض حضرات کا مسلک بیان کررہے ہیں کہ ان کے نزدیک تاکید لفظی پر بھی رفع اور نصب جائز ہے۔

قولہ والصفۃ مطلقا الخ یعنی اٰنیوالا حکم مطلق صفت میں جاری ہوگا خواہ مدح کیلئے ہو یا ذم کیلئے موضحہ ہو یا غیر موضحہ۔ عام ہو یا خاص ہو اسی طرح اس میں لام ہو یا نہ ہو۔

قولہ وعطف البیان مطلقا الخ یہ حکم مطلق عطف بیان میں جاری ہوگا خواہ لام کیساتھ ہو یا نہ ہو

الممتنع دخول یا علیہ یعنی المعرف باللام بخلاف البدل والمعطوف الغیر الممتنع دخول یا علیہ فان حکمہما غیر حکمہما کما سیجیٔ ترفع حملاً علی لفظہ الظاہر او المقدر لان بناء المنادی عرضی فیشبہ المعرب فیجوز ان یکون تابعہ تابعاً للفظہ وتنصب حملاً علی محلہ لان حق تابع المنادی المبنی ان یکون تابعاً لمحلہ وھو ھٰھنا منصوب المحل بالمفعولیۃ مثل یا تیم اجمعون واجمعین فی التاکید ویا زید العاقل والعاقل فی الصفۃ واقتصر علی مثالہما لانہما اکثر واشہر ویا غلام بشر وبشراً فی عطف البیان ویا زید والحارث

قولہ ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ الخ یہ ہے وہ حکم جو منادی مبنی کے توابع پر جاری ہوتا ہے اس میں لفظہ اور محلہ میں ضمیر منادی کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ جو منادی علامت رفع پر مبنی ہے اس کے توابع مفردہ کا یہ حکم ہے کہ ان میں منادی کے لفظ اور محل دونوں کی رعایت کیجائیگی منادی پر لفظاً تو رفع ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس لئے اس کے لفظ کے اعتبار سے ان کے مذکورہ توابع پر رفع پڑھا جائے گا کیونکہ منادی کا مبنی ہونا تو عارضی ہے اس کی اپنی اصلی حالت یہ ہے کہ معرب ہو کیونکہ اسم کی اصل معرب ہے اور معرب کا تابع لفظ کے تابع ہوتا ہے اور جیسا کہ ابھی بیان کیا ہے کہ منادی باعتبار لفظ کے مرفوع ہے لہذا اس کا تابع بھی مرفوع ہوگا۔ اور منادی کے محل کی رعایت یہ ہے کہ منادی مفعول کی جگہ واقع ہوتا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے اسلئے منادی محلاً منصوب ہوگا اور محل کی رعایت کی بنا پر اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

قولہ الظاہر او المقدر الخ یہ دونوں اپنے ماقبل لفظ کی صفت ہیں اس منادی کی دو حالتوں کو بیان کیا ہے کہ منادی کا لفظ کبھی ظاہر ہوتا ہے اس وقت اعراب لفظوں میں آتا ہے جیسے یا زید اور کبھی منادی کا لفظ مقدر ہوتا ہے اس وقت اعراب پوشیدہ ہوتا ہے جیسے یا فتی یہاں اس کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ منادی پر خواہ اعراب لفظی ہو یا تقدیری ہو بہر صورت وہ لفظاً مرفوع ہے اسلئے اس کے تابع پر رفع ہوگا اور تابع کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا اس کا لفظ ظاہر ہے تو اعراب لفظی ہوگا اگر مقدر ہے تو اعراب تقدیری ہوگا۔

قولہ مثل یا تیم اجمعون واجمعین الخ یہ تاکید کی مثال ہے اس میں تیم کی تاکید میں رفع کی صورت میں اجمعون پڑھا جائے گا اور نصب کی صورت میں اجمعین پڑھا جائیگا ان دونوں کی وجہ ماقبل میں گذرچکی ہے

قولہ مثل یا زید العاقل والعاقل الخ یہ صفت کی مثال ہے مصنف نے تابع کی چار قسمیں اس سے پہلے بیان کی ہیں تاکید، صفت، عطف بیان، معطوف معرف باللام لیکن مثال صرف صفت کی بیان کی ہے شارح نے اسکی وجہ بیان کی ہے کہ صفت کا استعمال کثیر ہے اور وہی زیادہ مشہور ہے اس لئے مصنف نے اسکی مثال پر اکتفاء کیا، البتہ شارح نے اسکی تلافی کردی ہے اور سب کی مثالیں بیان کردی ہیں تاکید اور صفت کی مثال تو گذرچکی۔

والحارث فی المعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیہ والخلیل بن احمد وھو استاذ سیبویہ فی المعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیہ یختار الرفع مع تجویزہ النصب لان المعطوف بحرف فی الحقیقۃ منادیٰ مستقل فینبغی ان یکون علی حالۃ جاریۃ علیہ علی تقدیر مباشرۃ حرف النداء لہ وھی الضمۃ او مایقوم مقامہا ولکن لما لم یباشرہ حرف النداء جعلت تلک الحالۃ اعنی البناء فصارت رفعا وابو عمرو بن العلاء النحوی القاری المقدم علی الخلیل المختار فیہ النصب مع تجویزہ الرفع فانہ لما امتنع فیہ تقدیر حرف النداء بواسطۃ اللام لایکون منادیٰ مستقلا فلہ حکم التبعیۃ وتابع المبنی

---

عطف بیان کی مثال یاغلام بشرٌ وبشرًا اسمیں بشر غلام کا عطف بیان ہے اور اسپر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ معطوف معرف باللام کی مثال یازید والحارث والحارث ہے۔

قولہ والخلیل فی المعطوف الخ یہ خلیل ابن احمد سیبویہ کے استاذ ہیں اور ابوعمر و بصری نحوی اور قاری سے مشہور ہیں یہ خلیل سے پہلے کے لوگوں میں ہیں ان دونوں کا مسلک بھی جمہور نحویوں کی طرح ہے یہ بھی منادیٰ مبنی کے توابع مفردہ پر ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ کے قائل ہیں البتہ ان دونوں میں ترجیح کے اعتبار سے اختلاف ہے وہ بھی ہر تابع میں نہیں صرف معطوف باللام میں ـــــ خلیل ایسے معطوف میں رفع کو اختیار کرتے ہیں اور ابوعمر و بصری نصب کو اختیار کرتے ہیں خلیل ابن احمد کی دلیل یہ ہے کہ معطوف دراصل مستقل منادیٰ ہے کیونکہ حرف عطف حرف ندار کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن یہاں وہ معرف باللام ہے جس کی وجہ سے حرف ندار اسپر داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ الف ولام حرف تعریف ہے اس سے بھی کلمہ معرفہ ہو جاتا ہے اور حرف ندار بھی حرف تعریف ہے اس لئے معرف باللام کے ساتھ اگر حرف ندار داخل ہوتا تو تعریف کے دو آلے ایک اسم پر جمع ہو جاتے اور یہ ناجائز ہے ـــــ بہر حال معطوف معرف باللام پر حرف ندار تو داخل نہ ہو سکے گا اسلئے ہم یہ نہیں کہتے کہ اسکو مستقل منادیٰ کا درجہ دیدیا جائے لیکن اسکو اس کے درجے سے بالکل گرا کر خالص تابع کے درجے میں بھی نہ رکھا جائے ـــــ تشریح اسکی یہ ہے کہ اگر معطوف پر الف لام داخل نہ ہوتا تو وہ مستقل منادیٰ ہوتا اور مفرد، معرفہ ہونے کی وجہ سے علامت رفعہ پر مبنی ہوتا یعنی مفرد میں ضمہ تثنیہ میں الف، جمع میں واؤ آتا لیکن معرف باللام ہونے کی وجہ سے حرف ندار نہ آیا جس کیوجہ سے ایسا منادیٰ نہ بن سکا، لیکن کچھ ایسی صورت اختیار کی جائے کہ اس کا منادیٰ پن نہ ختم ہو کچھ اثر منادیٰ کا باقی رہے اسکی شکل یہی ہے جو ہم نے تجویز کی ہے کہ اسکو مبنی تو نہ قرار دیجئے معرب کر دیجئے لیکن معرب کرنے کے بعد اسکو مرفوع رکھئے ـــــ ابوعمر و بصری فرماتے ہیں کہ معطوف پر جب معرف باللام ہونیکی وجہ سے حرف ندار نہیں آسکتا تو اس کو خواہ مخواہ منادیٰ بنانے کی کیوں کوشش کیجارہی ہے وہ تو خالص تابع ہے اور

تابع احلہ ومحلہ النصب وابو العباس المبرد ان کان المعطوف المذکور کالحسن اى کاسو الحسن فى جواز نزع اللام عنہ فکالخلیل اى فابو العباس مثل الخلیل فى اختیار رفعہ لامکان جعلہ منادٰى مستقلا بنزع اللام عنہ والا اى وان لم یکن المعطوف المذکور کاسو الحسن فى جواز نزع اللام عنہ مثل النجم والصعق فکابى عمرو اى فابو العباس مثل ابى عمرو فى اختیار النصب لامتناع جعلہ منادٰى مستقلا والمضاف عطف

---

چونکہ منادی مبنی ہے اور مبنی کا تابع محل کے تابع ہوتا ہے اور منادی مفعول ہونے کی وجہ سے محل کے اعتبار سے منصوب ہے اس لئے معطوف پر نصب آنا چاہئے۔

قولہ ابو العبّاس الخ یہ مبرد کی کنیت ہے اس سے پہلے خلیل اور ابو عمر کا معطوف معرف باللام کے بارے میں جو معمولی اختلاف بیان کیا گیا ہے مبرد اس میں ثالث کی حیثیت سے محاکمہ کر رہے ہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ اگر اس معطوف معرف باللام میں الف ولام ایسا ہے جیسا کہ الحسن میں یعنی وہ الف و لام جدا ہو سکتا ہے تو اس صورت میں خلیل کے مذہب کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ الف ولام کے جدا ہونے کی وجہ سے معطوف کو مستقل منادی بنانا ممکن ہے لہذا مستقل منادی کی رعایت کرتے ہوئے اسمیں رفع مختار ہوگا۔ اور اگر معطوف کا الف لام الحسن کے الف لام کی طرح نہیں ہے بلکہ النجم اور الصعق کے لام کی طرح ہے یعنی کلمہ سے جدا نہیں ہو سکتا تو ابو عمرو کے مذہب کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ ایسے معطوف کو مستقل منادی نہیں بنایا جاسکتا اس لئے خالص تابع کا حکم ہوگا اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ منادی مبنی کا تابع محل کے تابع ہوگا اور منادی کا محل مفعولیت کی بنا پر نصب کا ہے اس لئے اس کے تابع یعنی معطوف مذکور پر بھی نصب آئے گا اور اسی کو راجح قرار دیا جائے گا۔

مثال مذکور الحسن اور النجم سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض علم ایسے ہیں جن سے الف ولام جدا ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن سے الف ولام جدا نہیں ہو سکتا اس کا معیار یہ ہے کہ اگر علم کے وضع کے وقت الف ولام موجود تھا تو چونکہ وہ کلمہ کا جزء ہو جاتا ہے اسلئے ایسا الف ولام جدا نہیں ہو سکتا اگر وضع کے وقت موجود نہ ہو تو وہ جدا ہو سکتا ہے اسکی علامت یہ ہے کہ وہ کلمہ صفت مشبہ ہو جیسے الحسن یا مصدر ہو جیسے الفضل

قولہ والمضاف الخ آپ کو یاد ہوگا کہ مصنف نے منادی مبنی کے توابع میں مفردہ کی قید لگائی تھی تو ابتک ان توابع کا حکم بیان کیا گیا ہے جو مفرد ہیں اب توابع کا حکم بیان کر رہے ہیں جو مضاف ہیں اور مضاف سے مراد یہ ہے کہ اسمیں اضافت معنوی پائی جائے۔ کیونکہ جو اضافت لفظی کے ساتھ مضاف ہو یا شبہ مضاف ہو وہ مفرد حکمی میں داخل ہے اور مفرد حکمی کا حکم مفرد حقیقی کی طرح ترفع علی لفظہ وتنصب علی محلہ ہے۔ مضاف ہونے کی حالت میں توابع مذکورہ میں نصب اسلئے آتا ہے کہ اگر یہ توابع منادی

علی المفردة ای وتوابع المنادی المبنی علی مایرفع به المضافة بالاضافة الحقیقیة تنصب لانها اذا وقعت منادی تنصب فنصبها اذا وقعت توابع اولی لان حرف النداء لایباشرها مثل یاتیم کلهم فی التاکید ویازید ذاالمال فی الصفة ویارجل اباعبد الله فی عطف البیان ولایجیٔ المعطوف بحرف الممتنع دخول یاعلیه مضافا لان اللام یمتنع دخولها علی المضاف بالاضافة الحقیقیة والبدل والمعطوف غیر ماذکر ای غیر المعطوف الذی ذکر من قبل وهو الممتنع دخول یاعلیه فغیره المعطوف

---

ہوتے تو مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے تو جب منادی کی حالت میں نصب آتا تو تابع ہونے کی حالت میں بدرجہ اولی نصب آنا چاہیئے ان سب کی مثالیں یہ ہیں یاتیم کلہم یہ تاکید کی مثال ہے اس میں کلہم پر صرف نصب جائز ہے صفت کی مثال یازید ذاالمال اس میں ذاالمال زید کی صفت ہے اس پر بھی نصب ہی رہے گا عطف بیان کی مثال یارجل اباعبداللہ ہے اسمیں اباعبداللہ عطف بیان ہے جس پر نصب ہی متعین ہے معطوف معرف باللام کی مثال نہیں بیان کی کیونکہ معطوف معرف باللام اضافت حقیقی کے طور پر مضاف نہیں ہوسکتا اور یہ حکم ایسے ہی مضاف کا ہے جس میں اضافت حقیقیہ ہو۔

قولہ والبدل والمعطوف غیر ماذکر الخ اسکی عبارت تھوڑی سی پیچیدہ ہے اسلئے پہلے اسکی ترکیب معلوم کیجئے البدل معطوف علیہ اور لفظ المعطوف مبدل منہ اور غیرماذکر بدل ہے مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر معطوف معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر مبتدا اول حکمہ مبتدا ثانی، حکم المنادی مبتدا ثانی کی خبر یہ مبتدا اپنی خبر سے ملکر مبتدا اول کی خبر، مبتدا اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ مصنف نے منادی مبنی کے توابع خمسہ میں سے تاکید، صفت، عطف بیان معطوف معرف باللام کا حکم ابتک بیان کیا ہے، اسکے بعد بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا حکم بیان کرتے ہیں اگر تابع بدل ہے یا معطوف غیر معرف باللام ہے تو ان دونوں کا حکم ایسا ہے جیسے مستقل منادی کا ہوتا ہے کیونکہ مبدل منہ اور بدل میں مقصود بدل ہوتا ہے تو منادی جو مبدل منہ ہے وہ مقصود نہ ہوا بلکہ تابع جو بدل ہے وہ مقصود ہوا تو درحقیقت مقصود بالنداء بدل ہوا اسلئے اسکو منادی قرار دیا جائے گا تو جو حکم منادی کا ہونا چاہیئے وہ حکم بدل کا ہوگا۔ ــــــ اسی طرح جب معطوف معرف باللام نہیں ہے تو اسپر حرف نداء داخل ہوسکتا ہے اور وہ منادی مستقل بن سکتا ہے تو جب منادی بن سکتا ہے تو اسکے ساتھ منادی جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ ــــــ مصنفؒ بدل اور معطوف غیر معرف باللام کے حکم میں مطلقا کا لفظ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ ان دونوں کا حکم ہر حال میں مستقل منادی کا ہوگا خواہ مفرد ہوں یا مضاف ہوں یا مشابہ مضاف ہوں۔

الذی لایمتنع دخول یا علیہ حکمہ ای حکم کل واحد منہما حکم المنادی المستقل الذی باشرہ حرف النداء وذلک لان البدل ھو المقصود بالذکر والاول کالتوطیۃ لذکرہ والمعطوف المخصوص منادی مستقل فی الحقیقۃ ولا مانع من دخول حرف النداء علیہ فیکون حرف النداء مقدرًا فیہ مطلقًا ای حال کون کل واحد منہما مطلقًا فی ھذا الحکم غیر مقید بحال من الاحوال ای سواء کانا مفردین او مضافین او مضارعین للمضاف او نکرتین فالبدل مثل یا زید عمرو ویا زیدُ اخاعمرو ویا زیدُ طالعًا جبلاً ویا زید رجلاً صالحًا والمعطوف مثل یا زید وعمرو ویا زید واخاعمرو ویا زید وطالعًا جبلاً ویا زید ورجلاً صالحًا والعلم ای العلم المنادی المبنی علی الضم اما کونہ منادیً فلان الکلام

---

بدل کی مثالیں یہ ہیں۔ یا زید عمرو اس میں عمرو بدل ہے اور مفرد ہے اسلئے مرفوع ہے یا زید اخاعمرو اس میں اخاعمرو بدل ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا زید طالعا جبلا اس میں بدل مشابہ مضاف ہے اسلئے منصوب ہے یا زید رجلاً صالحًا اس میں بدل نکرہ ہے اسلئے منصوب ہے اسمیں رجلاً کے بعد صالحًا لاکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بدل جب نکرہ ہو تو اس کی صفت لانا ضروری ہے جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ میں۔

معطوف کی مثالیں یہ ہیں یا زید وعمرو اس میں معطوف مفرد ہے اس لئے مرفوع ہے یا زید واخاعمرو اس میں معطوف مضاف ہے اور منصوب ہے یا زید وطالعًا جبلاً اس میں معطوف مشابہ مضاف ہے یا زید ورجلاً صالحًا اس میں معطوف نکرہ ہے اس لئے منصوب ہے اس مثال میں رجلا کے بعد صالحًا کی قید ضروری نہیں بدل کی صورت میں صالحًا کا اضافہ کیا تھا غالبًا اس کی موافقت میں یہاں بھی اضافہ کردیا۔

**قولہ والعلم المنادی المبنی الخ** اس سے پہلے مصنفؒ نے بیان کیا ہے کہ منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اب بطور استثناء کے بیان کر رہے ہیں کہ یہ حکم ہر منادی کا نہیں ہے اگر منادیٰ مفرد معرفہ علم ہو اور ابن یا ابنۃ کے ساتھ موصوف ہو اور ابن یا ابنۃ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو ایسے منادی پر جائز تو ضمہ بھی ہے لیکن فتحہ مختار ہے اس واسطے کہ اس قسم کا منادی کثیر الوقوع ہے اور کثرت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے اور فتحہ اخف الحرکات ہے اس لئے فتحہ مختار ہوا۔

شارح نے العلم کے بعد المنادی المبنی علی الضم کا اضافہ کیا ہے اور ان دونوں قیدوں کا فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ منادی کی قید تو اس لئے لگائی ہے کہ اس وقت کلام منادی میں ہو رہا ہے اور مبنی علی الضم کی قید اس لئے لگائی ہے کہ مصنف نے ایسے منادی کا حکم بیان کیا ہے یختار فتحہ یعنی اس پر فتحہ مختار ہے لفظ یختار سے سمجھ میں آتا ہے کہ فتحہ واجب نہیں ہے ضمہ کی بھی گنجائش ہے

فیہ واما کونہ مبنیا علی الضم فلما یفہم من اختیار فتحہ المبنی عن جواز ضمہ فان جواز الضمۃ لا یکون الا فی المبنی علی الضم الموصوف بابن مجرد عن التاء او ملحوق بہا اعنی ابنۃ بلا تخلل واسطۃ بین الابن وموصوفہ کما ھو المتبادر الی الفہم فیحرج عنہ مثل یا زید الظریف ابن عمرو مضافا ای حال کون ذلک ابن مضافا الی علم آخر فکل علم یکون کذلک یجوز فیہ الضم کما عرفت من قاعدۃ بناء المفرد علی ما یرفع بہ لکن یختار فتحہ لکثرۃ وقوع المنادی الجامع لہذہ الصفات والکثرۃ مناسبۃ للتخفیف فخففوہ بالفتحۃ التی ھی حرکتہ الاصلیۃ لکونہ مفعولا بہ واذا نودی المعرف باللام ای اذا ارید نداؤہ

---

اور ضمہ اسی منادیٰ میں آتا ہے جو مبنی علی الضم ہو اس لئے منادیٰ کے بعد مبنی علی الضم کی قید لگائی۔

**قولہ الموصوف بابن مجرد عن التاء الخ** شارح نے یہ عبارت لاکر یہ بتایا کہ ابن سے مراد عام ہے خواہ تاء کیساتھ ہو یا بغیر تاء کے یعنی مذکر ہو یا مونث یا ابن ہو یا ابنۃ ہو، بنت نہ ہو، ایک قید اور بڑھائی ہے کہ علم موصوف اور اس کی صفت یعنی ابن کے درمیان کوئی فصل نہ ہو ورنہ یہ حکم نہ ہوگا جیسے یا زید الظریف ابن عمرو تو اس صورت میں فتحہ جائز تک نہیں مختار ہونا تو بعد کی چیز ہے لہذا زید پر صرف رفع پڑھا جائیگا البتہ ظریف چونکہ صفت ہے اور تابع ہے لہذا زید کے لفظ کے اعتبار سے ظریف پر رفع پڑھا جائے گا۔ اور محل کے اعتبار سے نصب پڑھا جائے گا۔

**قولہ واذا نودی المعرف باللام الخ** معرف باللام چونکہ معرفہ ہے اس پر حرف نداء بغیر فصل کے نہیں آسکتا ورنہ دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم آئے گا اسلئے حرف نداء اور منادی معرف باللام کے درمیان فصل ضروری ہے اور فصل کیلئے ایّ یاء تنبیہ کیساتھ یا ایّ اور ھذا دونوں کا مجموعہ عام طور پر لاتے ہیں اور واسطہ بنانے میں ان الفاظ کو اختیار کرنیکی خاص وجہ بھی ہے وہ یہ کہ ایّ میں ابہام ہے اور ابہام تقاضا کرتا ہے تعیین کا تو اس سے شوق پیدا ہوگا کہ منادی متعین ہو اور ہاء کو نداء سے مناسبت ہے کیونکہ ہاء تنبیہ کیلئے ہے اور نداء بھی تنبیہ ہے لہذا نداء تنبیہ مکرر ہو جانے سے منادی جلد متوجہ ہوگا۔ اور کبھی فصل کیلئے ایّ اور ھذا دونوں کو جمع کر دیتے ہیں اس لئے کہ ایّ میں ابہام زیادہ ہے اور ھذا میں کم ہے اس سے منادی کی تعیین بتدریج ہوگی اور دونوں میں چونکہ ابہام ہے اس لئے تکرارِ مبہم منادی میں زیادتی شوق کا باعث ہوگا اور نداء سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ منادی جلد متوجہ ہو جائے۔

**قولہ ای اذا ارید نداؤہ الخ** شارح نے مصنف کی عبارت اذا نودی المعرف باللام کے بعد اس عبارت کا اضافہ ایک وہم کو دور کرنے کیلئے کیا ہے وہم یہ ہوتا ہے کہ مصنف کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معرف باللام کو جب منادی بنا دیا جائے تو اس وقت ایّ وغیرہ کا فصل ضروری ہے

قیل مثلا یایہا الرجل بتوسط ای مع ھاء التنبیہ بین حرف النداء والمنادی المعرف باللام تحرزًا عن اجتماع آلتی التعریف بلافاصلۃ ویاھذا الرجل بتوسط ھذا ویا ایھذا الرجل بتوسط الامرین معًا والتزموا یعنی العرب رفع الرجل مثلا وان کان صفۃ وحقہا جواز الوجہین الرفع والنصب کمامر لانہ ای الرجل مثلا ھو المقصود بالنداء فالتزم رفعہ لتکون حرکتہ الاعرابیۃ موافقۃ للحرکۃ البنائیۃ التی ھی علامۃ المنادی فتدل علی انہ ھو المقصود بالنداء وھذا بمنزلۃ المستثنی عن قاعدۃ جواز الوجہین فی صفۃ المنادی ولہذا لم یذکر ھناک ما یخرج صفۃ الاسم المبہم عن تلک القاعدۃ

---

توجب وہ منادی ہو چکا تو فصل سے کیا فائدہ اس عبارت سے وہ وہم دور ہو گیا کہ ابھی منادی بنایا نہیں گیا بنانے کا ارادہ ہو تو فصل ضروری ہے۔

قولہ قیل مثلا یایہا الرجل الخ مثلا لاکر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ اذا نودی المعرف باللام شرط ہے اور وہ عام ہے ہر معرف باللام کو شامل ہے اور یایہا الرجل خاص ہے اور خاص کا ترتب عام پر نہیں ہوتا اس لئے جزاء شرط پر مرتب نہ ہوئی مثلاً لاکر اس کا جواب دیا کہ یایہا الرجل سے یہ خاص عبارت مراد نہیں بلکہ بطور مثال کے اس کو بیان کیا ہے لہذا جس طرح شرط عام ہے جزاء بھی عام ہے اب اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی معرف باللام ہو جب اس کو منادی بنایا جائے گا خواہ الرجل ہو یا کوئی اور تو اس میں فصل لانا ضروری ہے اس کے بعد مثال اس قاعدہ کی توضیح کیلئے ہے تخصیص کیلئے نہیں

قولہ والتزموا رفع الرجل الخ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مثال مذکور یا ایہا الرجل میں یاء حرف نداء ایہا پر داخل ہے لہذا منادی ایہا ہوا جو مفرد معرفہ ہے اور الرجل اسکی صفت ہوئی اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ منادی مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے اور اسکی صفت پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اسلئے الرجل پر بھی رفع اور نصب جائز ہونا چاہیئے حالانکہ اسپر صرف رفع جائز ہے نصب جائز نہیں اس کا جواب دے رہے ہیں کہ قاعدے سے تو دونوں اعراب آنا چاہیئے لیکن الرجل مقصود بالنداء ہے اسلئے اس کے ساتھ صفت جیسا معاملہ نہیں کیا گیا اور حقیقۃً منادی بھی نہیں اسلئے حقیقی منادی جیسا بھی معاملہ نہیں کیا گیا اگر منادی جیسا معاملہ ہوتا تو چونکہ یہ مفرد معرفہ ہے لہذا ضمہ پر مبنی ہوتا اور الرجل کو ضمہ پر مبنی نہیں کیا گیا لیکن مقصود بالنداء ہے اسکی بھی رعایت ضروری ہے اسلئے ایسا کیا گیا کہ الرجل کو رفع دیا گیا کیونکہ منادی مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے اور رفع ضمہ کے مطابق ہے اس طرح سے الرجل حقیقۃً منادی بھی نہ ہوا اور رفع کی وجہ سے اس کے مقصود بالنداء ہونے پر دلالت بھی ہو گئی۔

قولہ وھذا المنزلۃ المستثنی عن قاعدۃ الخ اس عبارت کا مطلب سمجھنے سے پہلے

وتوابعه بالجر عطف على الرجل أي والتزموا رفع توابع الرجل مضافة أو مفردة نحو يا أيها الرجل الظريف ويا أيها الرجل ذو المال لأنها توابع منادى معرب وجواز الوجهين إنما يكون في توابع المنادى المبني وقالوا بناءً على قاعدة تجويز اجتماع حرف النداء مع اللام وهي اجتماع أمرين أحدهما كون اللام عوضا عن محذوف وثانيهما اللزوم ومنها الكلمة يا الله لأن أصله الإله فحذفت الهمزة وعوضت اللام عنها ولزمت الكلمة فلا يقال في سعة الكلام لاه ولما لم يجتمع هذان الأمران في موضع آخر اختص هذا الاسم بذلك الجواز ولهذا قال صاحب

---

یہ بات ذہن نشیں کر لیجئے کہ ماقبل میں منادی مبنی کے توابع کے احکام بیان کرنیکے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منادی مبنی کی صفت پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں اس کا تفصیلی بیان آپ پڑھ چکے ہیں اسی قاعدہ کی بناء پر الا یا ایہا الرجل میں الرجل پر بھی رفع اور نصب جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایہا کی صفت ہے اور ایہا منادی مبنی ہے شارح اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ منادی مبہم کی صفت اس قاعدہ سے مستثنی ہے اسمیں یہ دو وجہیں جاری نہ ہوں گی اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو مصنف کو چاہئے تھا کہ توابع منادی کے بیان میں ایسی قید بیان کر دیتے جس سے منادی مبہم کی صفت اس حکم سے خارج ہو جاتی مثلا جہاں توابع کی فہرست بیان کی ہے اس صفت کے آگے یہ قید لگا دیتے ان لم تکن صفة للمنادی المبهم۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ چونکہ منادی مبہم کا بیان مستقل طور سے کرنا تھا اسلئے وہاں قید نہیں لگائی اس کو شارح نے ولہذا لم یذ ہناک الخ سے بیان کیا ہے۔

قولہ وتوابعہ الخ توابع پر جر ہے اور اس کا عطف الرجل پر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی والتزموا رفع الرجل و رفع توابعہ یعنی الرجل کے توابع پر بھی صرف رفع پڑھا جائے گا نصب جائز نہیں خواہ توابع مفرد ہوں یا مضاف ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ الرجل معرب ہے اور رفع و نصب کا جواز منادی مبنی کے توابع میں ہے منادی معرب کے توابع میں نہیں۔

قولہ وقالوا یا اللہ خاصة الخ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ابھی قاعدہ بیان کیا گیا کہ معرف باللام کو منادی اسوقت بنایا جائے گا جبکہ حرف نداء اور منادی کے درمیان ایّ وغیرہ کے ذریعہ فصل ہو جائے ورنہ دو آلہ تعریف کا اجتماع لازم آئے گا اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ لفظ اللہ معرف باللام ہے اور اسپر حرف نداء بغیر فصل کے آتا ہے چنانچہ یا اللہ کہا جاتا ہے یا ایہا اللہ نہیں کہا جاتا۔

اس کا جواب دے رہے ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس کلمہ میں لام کسی محذوف کے عوض میں ہو اور کلمہ کیلئے لازم ہو جائے ایسا کلمہ اس قاعدہ مذکورہ سے مستثنی ہے اسمیں حرف نداء بغیر فصل کے آجائے گا اور لفظ اللہ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں لفظ اللہ کی اصل الالٰہ ہے اِلٰہ کا ہمزہ حذف کر کے لام اسکے

واما مثل النجو والصعق وان كانت اللام لازمة فيه لكن ليست عوضًا عن محذوف واما الناس وان كانت اللام فيه عوضا عن الهمزة لان اصله الاناس لكن ليست لازمة للكلمة لانه يقال ناس فى سعة الكلام فلا يجوز ان يقال يا النجو ويا الناس ولعدم جريان هذه القاعدة فى التى فى قوله شعر من اجلك يا التى تيمت قلبى : وانت بخيلة بالوصل عنى : لان لامها ليست عوضا عن محذوف وان كانت لازمة للكلمة حكموا عليه بالشذوذ وفى الغلامان فى قوله ع فيا الغلامان اللذان فرّا : لانتفاء الامرين كليهما حكموا بانه اشذ شذوذًا او لذلك اى وجاز ذلك فى مثل يا تيم تيم عدى اى فى تركيب تكرر فيه المنادى

---

عوض میں آیا آل لاہ ہوا پھر لام کا لام میں ادغام کر دیا گیا اللہ ہوا اور اللہ چونکہ علم ہے اسلئے لام اس کا جزء ہوگیا اس سے جدا نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ سعتِ کلام یعنی نثر میں لام عوض کو جدا کر کے لاہ نہیں کہہ سکتے شعر میں البتہ جائز ہے اسمیں تو بہت سی ناجائز چیزیں ضرورت کی بنا پر جائز ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں کہ لام عوض کیلئے ہوا ور کلمہ کیلئے لازم ہو جائے حرف لفظ اللہ میں پائی جاتی ہیں دوسرے کلمہ میں نہیں پائی جاتیں اس لئے مصنف نے خاصۃً کہا کہ معرف باللام میں حرف نداء کا بغیر فصل کے آنا صرف لفظ اللہ میں جائز ہے دوسرے کلمہ میں جائز نہیں۔

قولہ النجو والصعق الخ میں لام لازم تو ہے مگر عوض میں نہیں اسلئے یا النجم اور یا الصعق نہیں کہہ سکتے اور ناس میں لام عوض کا ہے کیونکہ اصل الاناس ہے اناس کا ہمزہ حذف ہوا اور اسکی جگہ لام لائے پھر لام کا لام میں ادغام کر دیا گیا لیکن کلمہ کیلئے لازم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ سعتِ کلام میں اس کو ناس لکھا جاتا ہے۔ اور شاعر کے قول من اجلک یا التی تیمت قلبی : وانت بخیلة بالوصل عنی : التی میں لام کلمہ کیلئے لازم تو ہے کسی محذوف کے عوض میں نہیں اسلئے اس کو شاذ کہا جاتا ہے۔

ترجمہ :- اے وہ محبوبہ جس نے میرے دل کو پامال کیا تیری وجہ سے (یہ مصائب برداشت کر رہا ہوں) اور تو مجھ سے ملاقات تک کرنے کیلئے تیار نہیں اس میں بھی بخل کرتی ہے۔

الغلامان اللذان فرا میں الغلامان پر لام نہ عوض کا ہے اور نہ کلمہ کیلئے لازم ہے اسلئے اسکو اشد شذوذ کہا گیا ہے۔ پورا شعر اسطرح ہے۔ فیا الغلامان اللذان فرّا : ایاکما ان تکسبا شرًا : اے دونو بھاگنے والے غلامو : شر اور بھلائی کرنے سے بچو۔

قولہ وذلک فی مثل یا تیم تیم عدی الضم والنصب الخ مثل یا تیم الخ سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں منادی جو صورت کے اعتبار سے مفرد معرفہ ہو اور مکرر بھی ہو اور ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو ایسے منادی میں اول میں ضمہ بھی جائز ہے اور نصب بھی۔ اور ثانی میں صرف نصب جائز ہے

المفرد المعرفة صورةً وفي الثاني اسم مجرور بالاضافة ففي الاول الضم والنصب وفي الثاني
النصب فحسب اما الضم في الاول فلانه منادى مفرد معرفة كما هو الظاهر والنصب على
انه مضاف الى عدي المذكور وتيم الثاني تاكيد لفظي فاصل بين المضاف والمضاف اليه وذلك
مذهب سيبويه او مضاف الى عدي المحذوف بقرينة المذكور وذلك مذهب المبرد
والسيرافي اجاز الفتح مكان النصب على ان يكون في الاصل يا تيم بالضم تيم عدي ففتح اتباعا
لنصب الثاني كما في يا زيد بن عمرو وتعين النصب في الثاني لانه اما تابع مضاف او تابعٌ مضافٌ
وتمام البيت يا تيم تيم عدي لا اباكم ؛ لا يلقينكم في سوءة عمر ؛ والبيت لجرير حين اراد

---

اسمیں ضمہ تو اسلئے جائز ہے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اور نصب اسلئے جائز ہے کہ وہ عدی مذکور کی طرف مضاف ہے جیسا کہ سیبویہ کا مذہب ہے یا عدی محذوف کی طرف مضاف ہے جیسا کہ مبرد کا مذہب ہے اور تیم ثانی تیم اول کی تاکید لفظی ہے اسمیں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ تیم اول مضاف ہے اور عدی مضاف الیہ ہے اور تیم ثانی کی وجہ سے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آتا ہے جو ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اجنبی کا فصل ناجائز ہے اور تاکید اجنبی نہیں ہے یہ تاکید اور مؤکد دونوں ایک ہی ہیں۔

قولہ والسیرافی اجاز الفتح الخ سیبویہ اور مبرد کا مذہب معلوم ہو چکا ہے اب تیسرا مذہب سیرافی کا ہے یہ فرماتے ہیں کہ تیم اول پر ضمہ اور نصب کے جواز کے ساتھ فتحہ بھی جائز ہے کیونکہ تیم ثانی منصوب ہے اسکی اتباع میں اول پر فتحہ بھی پڑھا جا سکتا ہے جس طرح یا زید ابن عمرو میں زید مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے ضمہ پر مبنی ہے لیکن اس کی صفت ابن پر مضاف ہونے کی وجہ سے نصب ہے اسلئے اسکی اتباع میں زید پر بھی فتحہ پڑھ سکتے ہیں۔

قولہ وتعین النصب فی الثانی الخ تیم اول میں تو ضمہ اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں اور سیرافی کے نزدیک فتحہ کی بھی گنجائش ہے لیکن ثانی تیم میں صرف نصب جائز ہے کیونکہ اگر تیم اول عدی کی طرف مضاف ہے تو منادی مضاف ہوا اور منادی مضاف خود منصوب ہوتا ہے اسلئے اس کا تابع یعنی تیم ثانی جو تاکید ہے اسپر بھی نصب ہوگا۔ اور اگر عدی کی طرف تیم اول کو مضاف نہ مانا جائے ثانی تیم کو مضاف مانا جائے تو یہ تابع مضاف ہوا اور منادی مبنی کا تابع جو مضاف ہو اسمیں صرف نصب ہوتا ہے

قولہ وتمام البیت الخ پورا شعر یہ ہے یا تیم تیم عدی لا اباکم ؛ لا یلقینکم فی سوءة عمر۔
عمر تیمی شاعر نے جریر کی ہجو کا ارادہ کیا تھا جریر کو کسی طرح علم ہو گیا اس لئے قبیلہ بنی تیم کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ تم عمر کو میری ہجو کرنے سے روکو ورنہ تم سب کے اتر ے پتر ے کھول کر رکھ دوں گا یعنی تم سب

عمر التیمی الشاعر ان یھجوہ فقال جریر خطابا بالبنی تیم لا تترکوا عمر ان یھجونی فیلقیکم فی سوءۃ ای مکروہ من قبلی یعنی مہاجاتہ ایاھو والمنادی المضاف الی یاء المتکلم یجوز فیہ وجوہ اربعۃ فتح الیاء مثل یاغلامی وسکونھا مثل یاغلامی واسقاط الیاء الکتفاءً بالکسرۃ اذا کان قبلھا کسرۃ احتراز عن نحو یافتای مثل یاغلام وقلبھا الفًا نحو یاغلاما وھذان ان الوجھان یقعان غالبًا فی النداء لان النداء موضع تخفیف لان المقصود غیرہ فیقصد الفراغ

---

کی ہجو کروں گا جس سے تم ذلیل ہو جاؤ گے۔

قولہ یعنی مہاجاتہ ایاھو الخ ہاء ضمیر جریر کی طرف راجع ہے اور ہم ضمیر بنو تیم کی طرف یہ سوءۃ کی تفسیر ہے جریر کا ہجو کرنا بنو تیم کی ترجمہ اسکا یہ ہے کہ اے بنو تیم حرامیوتم کو عمر کسی برائی اور مصیبت میں نہ بتلا کردے ـــــ شارح نے یاتیم تیم عدی کے بعد فی ترکیب تکرر فیہ المنادی المفرد المعرفۃ صورۃ کا اضافہ کرکے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے جسکو شروع میں بیان کر دیا گیا ہے یہاں اسوقت صورۃ کے اضافہ کیوجہ بیان کرنا ہے یہ دراصل ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ مثال مذکور یاتیم تیم عدی میں تیم اول تو عدی کی طرف مضاف ہے اسلئے یہ منادی مضاف ہوا نہ کہ مفرد معرفہ اسلئے فی ترکیب تکرر الخ سے جو قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اسکی یہ مثال کیسے ہو سکتی ہے اس کا جواب صورۃ سے دیا کہ چونکہ تیم اول کیساتھ مضاف الیہ متصل نہیں ہے اسلئے صورت کے اعتبار سے اسکو مفرد کہا گیا اگرچہ واقع میں وہ مضاف ہے۔ اس صورت میں اعتراض کی بنیاد المنادی المفرد المعرفہ کا لفظ ہوگا۔ ـــــ اعتراض کی دوسری تقریر یہ ہے کہ مثال مذکور میں منادی مکرر نہیں ہے کیونکہ تیم ثانی تو تاکید ہے نہ کہ منادیٰ۔ منادی تو صرف تیم اول ہے لہذا یہ مثال منادی مکرر کی نہ ہوئی اس کا جواب صورۃً سے دیا کہ تیم ثانی صورت میں تیم اول کے مماثل ہے اس لئے منادی کو صورت کے اعتبار سے مکرر کہہ دیا۔ اس صورت میں اعتراض کی بنیاد تکرر فیہ المنادی کا لفظ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ المنادی المضاف الی یاء المتکلم الخ شارح نے المضاف سے پہلے المنادی لاکر یہ بتایا کہ وجوہ اربعہ کا جواز صرف اس منادی میں ہے جو یاء متکلم کیطرف مضاف ہو ہر ایسا اسم جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اور منادی نہ ہو اسمیں یہ چاروں وجوہ جائز نہیں۔ وہ چاروں وجوہ یہ ہیں (۱) یاء کا فتحہ جیسے یاغلامی (۲) یاء کا سکون جیسے یاغلامی (۳) یاء کو حذف کرکے کسرہ پر اکتفاء جیسے یاغلام لیکن اسمیں شرط یہ ہے کہ یاء کا ماقبل مکسور ہو اگر یاء سے پہلے کسرہ نہ ہو تو پھر یاء کو حذف کرکے کسرہ پر اکتفاء جائز نہیں جیسے یافتای کہ اسمیں یاء کا ماقبل مکسور نہیں ہے اسلئے یاء کا حذف جائز نہیں ہے (۴) یاء کو الف سے بدلنا جیسے یاغلاما۔

قولہ وھذان الوجھان الخ اس سے اخیر کی دو صورتیں یعنی تیسری اور چوتھی صورت کی طرف

من النداء بسرعة ليتخلص الى المقصود من الكلام فخفف ياغلامی بوجهين حذف الياء وابقاء الكسرة دليلا عليه وقلب الياء الفا لان الالف والفتحة اخف من الياء والكسرة وهما اے هذان الوجهان وان واقعين فی المنادی المضاف الى ياء المتكلم لكن لا يقعان فی كل منادی كذلك بل فيما غلب عليه الاضافة الى ياء المتكلم واشتهر بها لتدل الشهرة على الياء المغيرة بالحذف او القلب فلا يقال ياعد و ياعدا وقد جاء شاذا فی المنادی ياغلام بالضم اكتفاء بالفتحة عن الالف ويكون المنادی المضاف الى ياء المتكلم

---

اشارہ ہے، شارح کا مقصد یہ ہے کہ وجوہ اربعہ توسب کے سب اس منادی کیساتھ خاص ہیں جو یاء متکلم کیطرف مضاف ہو، لیکن اخیر کی دونوں صورتیں بہ نسبت پہلی دو صورتوں کے کثیر الوقوع ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ حرف نداء لاکر آواز دینا اور صرف پکارنا مقصود نہیں ہوتا نداء دیکر منادی کو متوجہ کرکے اس سے اپنا مقصد پورا کرنا ہوتا ہے، اوران دو صورتوں میں تخفیف زیادہ ہے ایک یہ کہ یاء کو حذف کرکے کسرہ پر اکتفاء کیا جائے کیونکہ کسرہ کی وجہ سے معلوم ہوجائے گا کہ یہاں یاء محذوف ہے اگر یاء محذوف نہ ہوتی تو اس اسم میں کسرہ نہ ہوتا بلکہ ضمہ ہوتا کیونکہ یہ منادی مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اس میں یاء کے حذف کی وجہ سے تخفیف ہوئی ۔ دوسری صورت یہ کہ یاء کو الف سے بدل دیا جائے اسمیں تخفیف کی صورت یہ ہوئی کہ یاء کو الف سے بدلا گیا ہے اور الف بہ نسبت یاء کے خفیف ہے، نیز الف سے پہلے فتحہ ہے اگر یاء کو الف سے نہ بدلتے تو اس سے پہلے کسرہ ہوتا اور کسرہ کے اعتبار سے فتحہ خفیف ہے ۔

قولہ وهما اى هذان الوجهان الخ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آپ نے تخفیف منادی کے سلسلے میں یہ فرمایا ہے کہ آخر کی دو صورتیں کثیر الوقوع ہیں لیکن بعض صورتیں منادی کی ایسی ہیں کہ منادی یاء متکلم کیطرف مضاف ہے پھر بھی یہ دو صورتیں ان میں جائز نہیں کثیر تو کیا ہوتیں مثلا یاعدوی میں یاء کو حذف کرکے کسرہ پر اکتفاء کرنا اور یاعدو کہنا جائز نہیں اسی طرح یاء کو الف سے بدلنا اور یاعدوا کہنا جائز نہیں ۔ ـــــ شارح اس کا جواب دیتے ہیں کہ ان کا وقوع ایسے منادی میں ہوتا ہے کہ جس کی اضافت یاء متکلم کی طرف مشہور ہو اور کثیر الوقوع ہو اور عدو کی اضافت یاء متکلم کی طرف نہ مشہور ہو اور نہ کثیر الوقوع ہے کون اس کو اچھا سمجھے گا کہ دشمن کی نسبت اپنی طرف کرکے یاعدوی کہے ۔

قولہ وقد جاء شاذا فی المنادی الخ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ جو منادی یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں آپ نے صرف چار وجہیں تخفیف کی بیان کی ہیں

بالهاء فی هذه الوجوه کلها وقفا ای فی حالة الوقف تقول یا غلامیہ و یا غلامیہ و یا غلامہ و یا غلاماہ فرقا بین الوقف والوصل وقالوا ای العرب فی محاوراتھم یا ابی یا امی علی وجوہ الاربعۃ کسائر ما اضیف الی یاء المتکلم مع وجوہ اخر زائدۃ علیہا لکثرۃ استعمال ندائہما فی کلامہم کما اشار الیہا بقولہ و یا ابت و یا امت ای قالوا یا ابت و یا امت ایضا بابدال الیاء بالتاء فتحا وکسرا ای حال کون التاء مفتوحۃ علی وفق حرکۃ الیاء او

---

حالانکہ ایک پانچویں صورت بھی جائز ہے کہ الف کو حذف کر کے فتحہ پر اکتفاء کیا جائے مثلاً یا غلام بالفتح کہا جائے اس کا شارح نے جواب دیا کہ یہ صورت شاذ ہے اور شاذ کا کوئی اعتبار نہیں اس کے بارے میں یہ مشہور مقولہ ہے الشاذ کالمعدوم۔

قولہ و بالھاء وقفا الخ یعنی منادی کے آخر میں تخفیف کی چار مذکورہ صورتوں میں وقف کی حالت میں ہاء کا لانا جائز ہے چنانچہ تخفیف کی پہلی صورت میں یا غلامیہ یاء کے فتحہ کے ساتھ اور غلامیہ یاء کے سکون کے ساتھ اور یا غلامہ یاء کے حذف اور کسرہ پر اکتفاء کیساتھ اور یا غلاماہ یاء کو الف سے بدلنے کے ساتھ جائز ہے۔

قولہ وقالوا ای العرب الخ یعنی تخفیف کی چار مذکورہ صورتوں کے علاوہ ابی اور امی میں دو صورتیں مزید جائز ہیں کیونکہ عرب کے محاورے میں ان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور وہ دو صورتیں یہ ہیں (۱) یاء کو تاء سے بدلنا اس کے بعد تاء میں فتحہ اور کسرہ دونوں جائز کہتے ہیں فتحہ میں یاء کے حرکت کی رعایت ہے یاء پر فتحہ تھا لہٰذا اس کے عوض میں جو تاء ہے اسپر بھی فتحہ پڑھا جائے تاکہ عوض اور معوض دونوں کی حرکت میں مطابقت رہے اور تاء پر کسرہ پڑھنے کی صورت میں یاء کی مناسبت کا لحاظ کیا گیا ہے کیونکہ یاء کسرہ کا تقاضا کرتی ہے اسلئے تاء پر کسرہ دیا گیا تاکہ عوض اور معوض میں مناسبت رہے۔

(۲) ابی اور امی میں مزید تخفیف کی دوسری صورت یہ ہے کہ یاء کے عوض میں تاء اور الف دونوں لائے جائیں اور یا ابتا یا امتا پڑھا جائے اسمیں یاء کے دونوں عوض کا اجتماع ہے اور اسمیں کوئی حرج نہیں البتہ یا ابتی یا امتی یاء اور تاء دونوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں عوض اور معوض دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔

قولہ فتحا وکسرا ای حال کون التاء مفتوحۃ الخ شارح نے فتحا وکسرا کی تفسیر مفتوحۃ اور مکسورۃ سے کر کے اعتراض مشہور کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ یہ دونوں تاء سے حال واقع ہیں جسکو بالتاء لا کر شارح نے ذکر کیا ہے اور حال کا ذوالحال پر حمل ہوتا ہے اور فتحہ اور کسرہ کا حمل جائز نہیں کیونکہ تاء نہ تو فتحہ ہے اور نہ کسرہ، اس کا جواب دیا کہ یہ مفتوح مکسور کے معنی میں ہیں۔

مکسورۃ لمناسبۃ الیاء وقد جاء الضم ایضا نحو یا ابت و یا امت لاجراءھما مجری المفرد المعرفۃ ولم یذکرہ للقلۃ وقالوا یا ابتا و امتا بالالف بدل التاء جمعا بین العوضین دون الیاء فما قالوا یا ابتی و یا امتی احترازا عن الجمع بین العوض والمعوض عنہ فانہ غیر جائز وقالوا یا ابن ام و یا ابن عم خاصۃ ھذا الاختصاص بالنظر الی الام والعم لا یقال یا ابن اخ و یا ابن خال بل یقال یا ابن اخی وابن خالی لا بالنظر الی الابن ایضا فانھم یقولون یا بنت ام و یا بنت عم علی الوجوہ الاربعۃ مثل باب یا غلامی فقالوا یا ابن امی و یا ابن عمی بفتح الیاء وسکونھا و یا ابن ام و یا ابن عم بحذف الیاء والاکتفاء بالکسرۃ و یا ابن اما و یا ابن عما بابدال الیاء الفا وقالوا بزیادۃ وجہ آخر شذ فی المضاف الی یاء المتکلم یا ابن ام و یا ابن عم بحذف الالف والاکتفاء بالفتحۃ لکثرۃ الاستعمال وطول اللفظ وثقل التضعیف ولما کان من خصائص النداء الترخیم شرع فی بیانہ فقال

---

قولہ وقد جاء الضم الخ یعنی یا ابت اور امت پر ضمہ بھی آیا ہے اس صورت میں ان کو منادی مفرد معرفہ کے قائم مقام کر دیا جائے گا لیکن یہ بہت قلیل ہے اسوجہ سے مصنف نے اسکو ذکر نہیں کیا۔

قولہ وقالوا یا ابن ام و یا ابن عم الخ فرما رہے ہیں کہ یا ابن ام اور یا ابن عم میں تخفیف کی چار مذکورہ صورتیں باب یا غلامی کی طرح جائز ہیں اس کیساتھ ساتھ پانچویں صورت بھی جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ الف کو حذف کر کے فتحہ پر اکتفاء کیا جائے اور یا ابن امَّ یا ابن عمَّ پڑھا جائے یہ صورت باب یا غلامی میں شاذ ہے یہاں کیوں جائز ہے اسکی وجہ شارح نے کثرۃ الاستعمال وطول اللفظ وثقل التضعیف سے بیان کیا ہے یعنی ابن ام اور یا ابن عم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں یا غلامی کے اعتبار سے الفاظ زیادہ ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میم مشدد ہے جس سے ثقل میں اور اضافہ ہوگیا یہ وجوہ ہیں جنکی وجہ سے اس میں مزید تخفیف کی گنجائش نکالی گئی۔

مصنفؒ نے خاصۃً کا لفظ اسی لئے کہا ہے کہ ان دونوں میں پانچویں صورت تخفیف کی جائز ہے باب یا غلامی میں نہیں۔ شارح نے ھذا الاختصاص بالنظر الخ سے ایک وہم کو دور کیا ہے وہم یہ کیا جا سکتا ہے کہ خاصۃً کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ پانچوں صورتیں اسوقت جائز ہوں گی جب مضاف لفظ ابن ہو اور مضاف الیہ ام یا عم ہو۔ اگر مضاف اور مضاف الیہ میں سے کسی ایک کے اندر تبدیلی ہوگئی تو پھر یہ وجوہ جائز نہ ہونگی۔ شارح اپنی عبارت سے یہ وہم دور کر رہے ہیں کہ یہ تخصیص صرف مضاف الیہ کے اعتبار سے ہے یعنی مضاف الیہ میں تبدیلی نہ ہونی چاہیے مضاف میں اگر تبدیلی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ اگر ابن کے بجائے بنت کو مضاف قرار دیا جائے اور یا بنتِ امی یا بنت عمی کہا جائے

وترخیم المنادی جائز ای واقع فی سعۃ الکلام من غیر ضرورۃ شعریۃ دعت الیہ فان دعت الیہ ضرورۃ فبالطریق الاولٰی وھو فی غیرہ ای غیر المنادی واقع ضرورۃ لضرورۃ شعریۃ داعیۃ الیہ لا فی سعۃ الکلام وھو ای ترخیم المنادی حذف فی اٰخرہ ای اٰخر المنادی تخفیفا ای لمجرد التخفیف لا لعلۃ اخریٰ مقتضیۃ الی الحذف المستلزم للتخفیف فعلی ھذا یکون ذلک التعریف مخصوصا بترخیم المنادی ویعلم منہ ترخیم غیر المنادی بالمقایسۃ ویمکن حملہ علی تعریف الترخیم مطلقا بارجاع الضمیر المرفوع الی الترخیم مطلقا والضمیر المجرور الی الاسم وشرطہ ای شرط ترخیم المنادی علی التقدیر الاول او شرط الترخیم

---

تو اسمیں یہ پانچویں صورتیں جائز ہیں ہاں اگر مضاف الیہ بدل دیا جائے مثلاً یا ابن اخی اور یا ابن خالی کہا جائے تو اسمیں یہ پانچواں صورتیں جائز نہ ہوں گی کیونکہ ان کا استعمال کثیر نہیں ہے۔

**قولہ وترخیم المنادی جائز الخ** اس سے پہلے منادی کا بیان تھا ترخیم چونکہ منادی کا خاصہ ہے کیونکہ منادی میں ترخیم نثر اور نظم دونوں میں جائز ہے اور غیر منادی میں نظم میں تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے نثر میں نہیں اور کسی شئ کا جب خاصہ بیان کر دیا جائے تو اسمیں اس کی زیادہ توضیح ہو جاتی ہے اس لئے مصنف منادی کے بعد اس کی ترخیم کا بیان کر رہے ہیں۔

**قولہ وھو حذف فی اٰخرہ الخ** اگر ھُوَ ضمیر ترخیم منادی کی طرف راجع ہو اور آخرہ کی ضمیر منادی کی طرف راجع ہو تو یہ تعریف ترخیم منادی کی ہوگی اور مطلق اسم کی ترخیم اس پر قیاس کر کے معلوم ہو جائیگی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ھُوَ ضمیر مطلق ترخیم کی طرف راجع ہو اور فی آخرہ کی ضمیر مطلق اسم کی طرف راجع ہو تو یہ تعریف مطلق ترخیم کی ہوگی اسی پر قیاس کر کے ترخیم منادی کی تعریف معلوم ہو سکتی ہے۔

**قولہ وشرطہ الخ** ترخیم کی تعریف اب اس کے شرائط بیان کر رہے ہیں اگر تعریف مذکور ترخیم منادی کی ہو تو شرطہ کی ضمیر بھی ترخیم منادی کی طرف راجع ہوگی، اور آنے والی شرائط سب کی سب ترخیم منادی کی ہوں گی اسمیں کسی قید کی ضرورت نہیں اور اگر تعریف مذکور مطلق ترخیم کی ہو تو پھر شرطہ کی ضمیر مطلق ترخیم کی طرف راجع ہوگی لیکن شرائط مذکورہ ترخیم منادی کیلئے ہیں مطلق ترخیم کیلئے نہیں اسلئے اس صورت میں شرطہ کے بعد اذا کان واقعا فی المنادی کی قید ضروری ہے جیسا کہ شارح نے بیان کیا ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ مطلق ترخیم کی شرط جب کہ وہ منادی کے ضمن میں واقع ہو یہ ہے اس کے بعد اسکی تفصیل مصنفؒ نے خود بیان کی ہے ترخیم منادی کی چار شرطیں یہاں مذکور ہیں تین عدمی ہیں اور ایک وجودی تین عدمی شرطیں یہ ہیں ان لا یکون مضافا پہلی شرط یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو نہ حقیقۃً نہ حکماً یعنی اسمیں نہ تو اضافت معنوی پائی جائے اور نہ اضافت لفظی پائی جائے اور نہ وہ شبہ مضاف ہو۔ اس صورت میں ترخیم کیوں ممکن

اذا كان واقعا في المنادى على التقدير الثاني امور اربعة ثلثة منها عدمية وهي ان لا يكون مضافا حقيقة او حكما فدخل فيه المشبه بالمضاف ايضا اذ لا يمكن الحذف من الاول لانه ليس آخر اجزاء المنادى نظرًا الى المعنى ولا من الثاني لانه ليس آخر اجزائه نظرًا الى اللفظ فامتنع الترخيم فيهما بالكلية وان لا يكون مستغاثا لا مجرورًا باللام لعدم ظهور اثر النداء فيه من النصب او البناء فلو يرد عليه الترخيم الذي هو من خصائص المنادى ولا مفتوحًا بزيادة الالف لان الزيادة تنافي الحذف ولو يذكر المندوب لانه غير داخل في المنادى عنده وما وقع في بعض النسخ فكانه من تصرف الناسخين مع ان وجه اشتراطه عند دخوله في المنادى ظاهر وهو ان الاغلب فيه زيادة الالف في آخره لمد الصوت

---

نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ لفظ کے اعتبار سے تو دو کلمے ہیں یہی وجہ ہے کہ مضاف کا اعراب الگ ہے اور مضاف الیہ پر علیحدہ اعراب آتا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں ایک کلمہ ہیں اسلئے کہ مضاف کے معنی بغیر مضاف الیہ کے پورے نہیں ہوتے ایسی صورت میں اگر ترخیم کیجائے اور مضاف کے آخر سے حذف کیا جائے تو وہ معنی کے اعتبار سے آخر نہیں اور ترخیم آخر کلمہ میں ہوتی ہے، اور اگر مضاف الیہ کا آخری حرف حذف کیا جائے تو مضاف الیہ لفظ کے اعتبار سے منادی کا آخر نہیں کیونکہ لفظ کے اعتبار سے مضاف منادی ہے نہ کہ مضاف الیہ اسلئے اضافت کی حالت میں ترخیم کی کوئی صورت نہیں یہی حال مشابہ مضاف کا ہے۔

قولہ ان لا یکون مستغاثا الخ یہ دوسری شرط ترخیم کی ہے کہ منادی مستغاث نہ ہو نہ مستغاث باللام ہو، اور نہ مستغاث بالالف ہو، مستغاث باللام نہ ہونیکی شرط اسوجہ سے ہے کہ اسمیں نداء کا کوئی اثر ظاہر نہیں کیونکہ نداء کا اثر یہ ہے کہ منادی اگر مفرد معرفہ ہو تو علامت رفع پر مبنی ہونا چاہئے اور اگر مفرد معرفہ نہیں ہے تو اسپر نصب آنا چاہئے، اور مستغاث باللام پر ان دونوں علامتوں میں سے کوئی علامت نہیں بلکہ اسپر جر ہے توجب اسپر منادی کا کوئی اثر نہیں تو ترخیم کیسے ہوسکتی ہے وہ تو منادی کا خاصہ ہے جو اسکے تابع ہوتا ہے جہاں اصل نہیں پایا جاتا وہاں تابع کیسے پایا جائے گا۔ مستغاث بالالف نہ ہونے کی شرط اسوجہ سے ہے کہ اسمیں الف کا اضافہ درازی صوت کی وجہ سے کیا گیا ہے توجب اسمیں قصدًا زیادتی کیگئی ہے تو ترخیم کیسے ہوسکتی ہے ترخیم میں تو حذف ہوتا ہے اور حذف زیادتی کے منافی ہے۔

قولہ ولو یذکر المندوب الخ اعتراض کا جواب ہے کہ ترخیم کی شرائط کے سلسلے میں مصنف ابھی ان شرائط کو بیان کر رہے ہیں جو عدمی ہیں تو انہی میں سے مندوب کی بھی نفی کرنی چاہئے اور یہ کہتے وان لا یکون مندوبا۔ شارح بیان کر رہے ہیں کہ مصنف نے مندوب کی نفی اسوجہ سے نہیں بیان

اظہار التفجع فلا یناسبہ الترخیم للتخفیف وان لا یکون جملۃ لان الجملۃ المحکیۃ بحالہا فلا تغیر والشرط الرابع احد الامرین الوجودیین وھو ان یکون المنادی اما علما زائدا علی ثلثۃ احرف لانہ لعلمیتہ ناسبہ التخفیف بالترخیم لکثرۃ نداء العلم مع انہ لشہرتہ فیما

---

کی کہ مندوب منادی میں داخل ہی نہیں تو پھر خارج کرنے کی کیا ضرورت، البتہ یہ حقیقت ہے کہ مندوب میں ترخیم نہیں ہوتی اسکی وجہ یہ ہے کہ مندوب میں تفجع ظاہر کرنے کیلئے زیادتی صوت مطلوب ہے الف کی زیادتی اس کے آخر میں اسلئے کی جاتی ہے اور ترخیم میں حذف ہوتا ہے اور حذف اور زیادتی میں منافات ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

قولہ وان لا یکون جملۃ الخ، ترخیم کی یہ تیسری شرط ہے اور یہ بھی عدمی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس منادی کی ترخیم مقصود ہو وہ جملہ نہ ہونا چاہیئے یعنی اگر کسی جملہ کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی ترخیم نہ ہوسکے گی کیونکہ جب جملہ کے ساتھ کسی شخص کا علم ہو گا تو وہ مبنی ہوگا اور مبنی میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا جاتا ورنہ جس قصہ پر دلالت مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گی اور ترخیم میں ترمیم اور تغیر ضروری ہے بغیر آخر کے حذف کے ترخیم حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔

قولہ ویکون اما علما الخ، یہ ترخیم کی چوتھی شرط ہے جو وجودی ہے اور دو امروں کے درمیان بطور مانعۃ الخلو کے دائر ہے، وہ شرط یہ ہے کہ یا تو منادی جسکی ترخیم کی جارہی ہے علم ہو اور تین سے زیادہ اس میں حرف ہوں اور اگر علم نہ ہو اور نہ اس میں تین حرف سے زائد ہوں تو پھر تاء تانیث اسمیں پائی جاتی ہو، ان دو شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے اگر دونوں جمع ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں، معلوم ہوا کہ یہ قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو ہے مانعۃ الجمع نہیں، اب ہر ایک شرط کی وجہ بیان کیجاتی ہے

پہلی شرط میں دو قیدیں ہیں ایک قید یہ ہے کہ علم ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ علم کثرت سے منادی واقع ہوتا ہے اور کثرت تقاضا کرتی ہے تخفیف کا اور ترخیم سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب آخر سے حرف کو حذف کر دیں گے تو تخفیف حاصل ہو جائے گی نیز چونکہ وہ علم ہے اور علم مشہور ہوتا ہے لہٰذا ترخیم کی وجہ سے جو کچھ حذف ہوا ہے کلمہ کے باقی حروف اس پر دلالت کریں گے۔

دوسری قید اس شرط میں یہ ہے کہ تین سے زائد حرف ہوں یہ قید اسلئے ہے تاکہ ترخیم کی وجہ سے جب آخر کا حرف حذف کیا جائے تو معرب کا تین حرف سے کم ہونا لازم نہ آئے کیونکہ معرب میں تین حرف سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر کوئی ایسا سبب پایا جائے جس سے حذف واجب ہے اس کیوجہ سے تین حرف سے کم ہو جائیں تو یہ البتہ جائز ہے جیسے ید اور دم کہ انہیں نحوی قاعدے کی وجہ سے آخر سے واو کا حذف کرنا واجب ہے تو ان میں چونکہ علت موجبہ کی وجہ سے حذف

البقی منہ دلیل علی ما البقی ولئلا یلزم زیادتہ علی الثلثۃ لو یلزم نقص الاسم عن اقل ابنیۃ المعرب بلا علۃ موجبۃ واما ان اسما متلبسا بتاء التانیث وان لم یکن علما ولا زائدا علی الثلثۃ لان وضع التاء علی الزوال فیکفیہ ادنی مقتض للسقوط فکیف اذا وقع موقعا یکثر فیہ سقوط الحرف الاصلی ولو یبالوا بابقاء نحو ثبۃ وشاۃ بعد الترخیم علی حرفین لان بقاءہ کذلک لیس لاجل الترخیم بل مع التاء ایضا کان ناقصا عن ثلثۃ ذا التاء کلمۃ اخری برأسہا ولا یرخم بغیر ضرورۃ منادی لم یستوف الشروط المذکورۃ الا ما شذ نحو یاصاح فی یاصاحب ومع شذوذہ فالوجہ فی ترخیمہ کثرۃ استعمالہ منادی

---

ہوا ہے اس لئے اگر تین حرف سے کم ہیں تو کوئی حرج نہیں ، شارح کی عبارت بلا علۃ موجبۃ کا یہی مطلب ہے نیز شارح کی عبارت میں عن اقل ابنیۃ المعرب کا لفظ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قید صرف کلمہ معرب میں ہے کہ تین حرف سے کم نہ ہو اگر وہ کلمہ مبنی ہے تو اسمیں تین حرف سے کم بھی ہو سکتے ہیں جیسے من ، ما ۔

قولہ واما بتاء التانیث الخ ، ترخیم کی چوتھی وجودی شرط جو دو امروں کے درمیان دائر ہے اس میں پہلی شرط کی وجہ آپ کو معلوم ہوگئی اب دوسری شرط کی وجہ بیان کی جاتی ہے ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس کی ترخیم کیجا رہی ہے اگر وہ نہ علم ہو اور نہ زائد علی الثلثۃ ہو تو پھر شرط یہ ہے کہ اس اسم میں تاء تانیث پائی جائے اس قید کے پائے جانے کے بعد اس میں ترخیم جائز ہے خواہ ترخیم کے بعد تین سے کم حرف رہ جائیں جیسے ثُبَۃٌ ( بکری کا ریوڑ ) قُلَۃٌ ( گلی ڈنڈا ) اسمیں ترخیم کے بعد تاء حذف ہو جائے گی اور دو حرف رہ جائیں گے پھر بھی ترخیم کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ اس کمی میں ترخیم کا کوئی اثر نہیں بلکہ کلمہ میں پہلے ہی سے دو حرف ہیں تاء تو علیحدہ کلمہ ہے اسکی وضع ہی زوال پر ہے کسی وقت ہے کسی وقت نہیں اس کے سقوط کے لئے تو معمولی وجہ بھی کافی ہے چہ جائیکہ ترخیم ۔ ترخیم میں تو حرف اصلی جو کلمہ کا جزء ہوتا ہے وہ حذف ہو جاتا ہے تو ایسی تاء کیسے باقی رہ سکتی ہے ۔

قولہ ولا یرخم بغیر ضرورۃ الخ مطلب یہ ہے کہ ترخیم منادی کے لئے جو شرائط بیان کی گئی ہیں اگر وہ نہ پائی جائیں تو ایسے منادی کی ترخیم جائز نہیں ۔ اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ یاصاحب میں صاحب منادی ہے اور اس میں چوتھی شرط نہیں پائی جاتی اس واسطے کہ صاحب نہ علم ہے اور نہ تاء تانیث کے ساتھ ہے اگرچہ زاید علی الثلثۃ ہے لیکن جبتک علم نہ ہو اس زیادتی سے کوئی فائدہ نہیں بہر حال یاصاحب کی ترخیم شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہ ہونا چاہیئے حالانکہ یاصاح ترخیم کیساتھ مستعمل ہے ۔ اس کا جواب شارح نے دیا کہ یہ شاذ ہے لیکن باوجود شذوذ کے اسمیں ترخیم کی وجہ یہ ہے کہ بطور منادی کے اس کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے ۔

ولما فرغ من بیان شرائط الترخیم شرع فی بیان کمیة المحذوف بسببه فقال فان کان فی اٰخرہ ای اٰخر المنادی زیادتان کائنتان فی حکم الزیادة الواحدة فی انھما زیدتا معا واحترز بہ عن نحو ثمانیة ومرجانة فان الیاء والنون فیھما زیدتا اولا ثم زیدت تاء التانیث فلا یحذف منھما الا الاخیر کاسماء اذا جعلتھا فعلاء من الوسامة ای الحسن کما ھو مذھب سیبویہ لا افعالا جمع اسم علی ما ھو مذھب غیرہ لانہ

---

قولہ لما فرغ من بیان شرائط الترخیم الخ ترخیم کے شرائط بیان کرنے کے بعد اب حذف کی مقدار بیان کر رہے ہیں جو ترخیم سے حاصل ہوتی ہے۔

قولہ فان کان فی اٰخرہ زیادتان الخ فرما رہے ہیں کہ اسم کے آخر میں دو حرف زائد ہوں اور ان کی زیادتی ایک ہی ساتھ ہوئی ہو ایسا نہ ہو کہ پہلے ایک حرف زائد ہوا ہو پھر دوسرا۔ تو ایسی صورت میں ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر دیا جائے گا جب آنے میں دونوں ساتھ ہیں تو جانے میں بھی ساتھ ہوں گے۔

قولہ واحترز بہ الخ مصنفؒ نے زیادتان کے بعد فی حکم الواحد کی قید لگائی ہے شارح اس کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ دو حرف کی زیادتی اگر ایک ساتھ نہیں ہوئی بلکہ پہلے ایک حرف کی ہوئی پھر دوسرے کی تو صرف آخر کے ایک حرف کو حذف کیا جائے گا دو حرف نہ حذف کئے جائیں گے جیسے ثمانیۃ اور مرجانۃ کہ ان میں ثمانیۃ کے اندر دو زیادتیاں تو ہیں ایک یاء اور دوسری تاء لیکن یاء پہلے زائد ہوئی ہے بعد میں تاء ایک ساتھ دونوں کی زیادتی نہیں ہوئی اس لئے ترخیم کے وقت صرف تاء کو حذف کریں گے اس سے پہلے حرف یعنی یاء کو نہ حذف کریں گے اسی طرح مرجانۃ میں صرف تاء کو حذف کریں گے نون کو نہ حذف کریں گے علت وہی ہے کہ دونوں ساتھ ساتھ زائد نہیں ہوں گے۔

قولہ کاسماء الخ یہ مثال ہے جس میں الف اور ہمزہ کو ساتھ ساتھ زیادہ کیا گیا ہے لہذا ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر کے یا اسم پڑھیں گے۔

قولہ اذا جعلتھا فعلاء الخ مقصد یہ ہے کہ اسماء کو مثال میں پیش کیا گیا ہے کہ جسمیں دو حرف ایک ساتھ زائد ہیں اور الف اور ہمزہ اس لئے ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر کے یا اسم پڑھیں گے۔ شارح فرماتے ہیں کہ یہ سیبویہ کے مذہب کی بنا پر ہے ان کے نزدیک اسماء کی اصل وسماء بروزن فعلاء ہے جو وسیم کی جمع ہے اور یہ وسامۃ بمعنی خوبصورتی سے ماخوذ ہے وسماء کے واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو اسماء ہوگیا۔ اور اگر اسماء کو اسم کی جمع قرار دیں تو اس صورت میں بھی حذف دونوں حرف کا ہوگا لیکن اس قاعدہ کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ باب عمار میں داخل ہو کر وہاں

یکون حینئذ من باب عمار و مروان او کان فی اٰخرہ حرف صحیح ای صحیح اصلی لتبادرہ الی الذھن لان الغالب فی الحرف الصحیح الاصالۃ فیخرج منہ نحو سعلات لانہ لایحذف منہ الا التاء وھو اعم من ان یکون حقیقۃ او حکما فیشمل مثل مری و مدعو فان الحرف الاخیر منھما فی حکم الصحیح فی الاصالۃ قبلہ مدۃ ای الف او واو او یاء ساکنۃ

---

جس قاعدہ کی بنا پر دو حرفوں کو حذف کیا گیا ہے اسی وجہ سے اسماء میں بھی آخر کے دو حرفوں کو حذف کیا گیا ہے اس کا بیان ابھی آرہا ہے۔

قولہ ومروان الخ۔ یہ بھی اسماء کی طرح اس کی مثال ہے جس میں دو حرف ایک ہی ساتھ زائد ہیں اس لئے ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کرکے یامرو پڑھیں گے۔

قولہ او کان فی اٰخرہ حرف صحیح الخ محذوف کی مقدار کے بارے میں یہ دوسرا قاعدہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسم کے آخر میں حرف صحیح ہو اور اس کے ماقبل مدہ ہو یعنی حرف علت ساکن ہو اور اس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہو تو اس میں بھی ترخیم کے وقت آخر کے دونوں حرفوں کو یعنی حرف صحیح اور اس سے پہلے مدہ کو حذف کر دیں گے اگر دونوں کو نہ حذف کریں صرف آخر کے حرف صحیح کو حذف کریں تو اس پر یہ مثل صادق آئے گی۔ صلت علی الاسد وبُلْتَ عن النقد (شیر پر تو نے حملہ کیا اور بکری سے ڈر کر پیشاب کر دیا) مطلب یہ ہے کہ حرف صحیح کو جو قوی ہے اس کو حذف کر دیا اور مدہ جو صحیح کے مقابلے میں کمزور ہے اس کو باقی رکھا اس کے حذف کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن اس قاعدہ میں دو حرف حذف کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس اسم میں چار حرف سے زائد ہوں تاکہ دو حرف حذف کرنے کے بعد کم از کم تین حرف باقی رہیں اس کی وجہ اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ معرب میں کم از کم تین حرف ضروری ہیں۔

شارحؒ نے صحیح کے بعد اصلی کی قید لگائی ہے اس کی وجہ خود بیان کی ہے کہ صحیح کے اندر غالب یہ ہے کہ وہ اصلی ہو یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ حرف صحیح سے مراد یہ ہے کہ وہ اصلی ہو یہ قید لگا کر سعلات جیسے لفظ کو اس قاعدے سے خارج کرنا ہے اس میں دو حرف نہ حذف کئے جائیں گے بلکہ صرف تاء حذف کی جائیگی اسواسطے کہ تاء صحیح تو ہے لیکن اصلی نہیں ہے۔

قولہ وھو اعم من ان یکون حقیقۃ او حکما الخ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آپ نے منادیٰ مرخم سے دو حرف محذوف ہونے کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے آخر میں حرف صحیح ہو اور اس سے پہلے مدہ ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مدعو اور مری میں واو اور یاء حرف صحیح نہیں پھر بھی ان میں آخر کے دو حرفوں کو ترخیم کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے۔

شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بیشک واو اور یاء جو ان کلموں کے آخر میں ہیں وہ حقیقۃ تو

حرکۃ ماقبلہما من جنسہا والمراد بہا المدۃ الزائدۃ لتبادرہا الی الذھن لغلبتہما وکثرتہا فیخرج منہ نحو مختار فانہ لایحذف منہ الا الحرف الاخیر وھو ای والحال ان ما فی اٰخرہ حرف صحیح قبلہ مدۃ اکثر من اربعۃ من الحروف کمنصور وعمار ومسکین لئلا یلزم من حذف حرفین منہ عدم بقائہ علی اقل ابنیۃ المعرب وانما لم یاخذ ھٰذا القید فی قولہ زیادتان فی حکم الواحدۃ لان نحو ثبون وقلون یرخم بحذف زیادتیہ لان بقاء الکلمۃ فیہ علی حرفین لیس للترخیم حذفتا ای الحرفان الاخیران فی کلا القسمین اما فی الاول فلما کانتا فی حکم الواحدۃ فکما زیدتا معا حذفتا معا واما فی الثانی فلانہ لما حذف

---

صحیح نہیں لیکن حکماً صحیح میں داخل ہیں اس لئے ان کیساتھ بھی صحیح جیسا معاملہ کیا گیا ہے۔

قولہ المراد بہا المدۃ الزائدۃ الخ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مختار جیسے لفظ میں قاعدہ مذکورہ پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے آخر میں حرف صحیح ہے اور اس سے پہلے مدہ ہے لہٰذا قاعدہ کے لحاظ سے ترخیم کے وقت دو حرف حذف ہونے چاہئیں لیکن اسمیں صرف آخر کے حرف کو حذف کیا جاتا ہے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مدہ سے مراد مدہ زائدہ ہے اور یہاں الف یاء سے بدلا ہوا ہے اور یاء اصلی ہے لہٰذا یہ مدہ اصلی ہوا نہ کہ زائد۔ رہی یہ بات کہ مصنف کی عبارت میں تو مدہ کا لفظ مطلق ہے اسمیں زائدہ کی قید کیسے لگادی گئی اس کا جواب بھی شارح نے لتبادرہا الی الذہن سے دیدیا کہ مدہ کا استعمال زیادہ تر مدہ زائدہ میں ہوتا ہے اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے ذہن میں یہ بات خود بخود آجاتی ہے خواہ قید ذکر کیجائے یا نہ کیجائے۔

قولہ وانما لم یاخذ ھٰذا القید الخ مصنفؒ نے ترخیم کے دو قاعدے یہاں پر ایسے بیان کئے ہیں کہ جن کی بنا پر ترخیم کے وقت دو حرف حذف کئے جاتے ہیں لیکن دوسرے قاعدے یعنی باب عمار میں تو یہ قید لگائی کہ دو حرف اس وقت حذف کئے جائیں گے جب اس اسم میں چار حرف سے زائد ہوں لیکن اس سے پہلے قاعدہ یعنی ان کان فی اٰخرہ زیادتان فی حکم الواحدۃ میں و ھو اکثر من اربعۃ کی قید نہیں حالانکہ اس صورت میں بھی دو حرف کے حذف کردینے کی وجہ سے معرب کا اپنے اقل بناء سے کم ہونا لازم آتا ہے اس کا جواب شارح اس عبارت سے دے رہے ہیں کہ پہلے قاعدہ میں معرب کا اپنے اقل بناء سے کم ہونا ترخیم کی وجہ سے نہیں بلکہ ترخیم سے پہلے ہی سے اسمیں دو حرف تھے اور اس طرح اس کا استعمال شائع ہے تو اگر ترخیم کے بعد بھی دو حرف رہ جائیں تو کیا حرج ہے مثلاً ثبون وقلون جو ثبۃ اور قلۃ کی جمع ہیں اگر ان کی ترخیم کیجائے گی تو آخر کے دونوں حرف حذف کئے جائیں گے کیونکہ ترخیم سے پہلے ہی اسمیں اصلاً دو حرف تھے پہلے میں ثاء اور باء اور دوسرے میں قاف اور لام، تاء دونوں کلموں میں زائد ہے تو تین حرف سے کم ہونے

الاخیر مع صحتہ واصالتہ حذف المدۃ التی ائدۃ لئلا یرد المثل السائر صلت علی الاسد وبلت عن النقد وان کان مرکبا ویعلم من بیان شرط الترخیم انہ لایکون مضافا ولاجملۃ مثل بعلبک وخمسۃ عشر علمین حذف الاسم الاخیر فیقال فی بعلبک یا بعل وفی خمسۃ عشر یا خمسۃ لنزولہ منزلۃ تاء التانیث فی کون کل منہما کلمۃ علی حدۃ صارت بمنزلۃ الجزء وان کان غیر ذلک المذکور من الاقسام الثلثۃ فحرف واحد ای فیحذف حرف واحد لحصول الفائدۃ المقصودۃ وعدم موجب حذف الاکثر نحو یا حار ویا مال فی یا حارث ویا مالک وھو ای المنادی المرخم فی حکم المنادی الثابت بجمیع اجزائہ فیبقی الحرف الذی صار آخر الکلمۃ بعد الترخیم علی ما کان علیہ قبلہ علی الاستعمال الاکثر فیقال فی یا حارث یا حار بکسر الراء وما کان قبل الترخیم وفی یا ثمود یا ثمو بواو متطرفۃ

---

میں ترخیم کا کوئی دخل نہیں جو ترخیم کے لئے رکاوٹ کا سبب ہو۔

قولہ وان کان مرکبا الخ اگر منادی مرکب ہو تو ترخیم کے وقت آخر جزء کو حذف کر دیا جائے کیونکہ یہ آخری حرف کے قائم مقام ہے لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ مرکب سے مراد مرکب بنائی ہے جیسے خمسۃ عشر اور مرکب منع صرف جیسے بعلبک ہے ان میں ترخیم کے وقت آخر کا جزء یعنی پہلی مثال میں عشر اور دوسری مثال میں بک ہے اس کو حذف کیا جائے اور یا بعل یا خمسۃ کہا جائے، اس مرکب سے مراد مرکب اضافی اور مرکب اسنادی ہے (جملہ نہیں) کیونکہ ان دونوں کی ترخیم نہیں ہوسکتی جیسا کہ شرائط ترخیم میں ان کا بیان ہوچکا ہے۔

قولہ وان کان غیر ذلک المذکور الخ اس سے پہلے منادی مرخم کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور ان میں محذوف کی مقدار بیان کی گئی ہے ان قسموں کے علاوہ منادی کی جو بھی قسم ہو اس میں صرف ایک حرف حذف کیا جائے گا کیونکہ مقصود ترخیم سے تخفیف ہے وہ ایک حرف کے حذف سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور اس سے زیادہ حذف کا کوئی سبب بھی موجود نہیں اس کی مثال یا حارث میں یا حار یا مالک میں یا مال ہے۔

قولہ وھو المنادی المرخم الخ یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترخیم کے بعد منادی کے آخر میں جو حرکت ہے وہی باقی رکھی جائے گی یا اس میں کوئی تصرف ہوگا، فرماتے ہیں کہ اکثر استعمال تو اس کا اسطرح ہے کہ منادی مرخم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سے کسی حرف کو حذف ہی نہیں کیا گیا اور اس وقت موجودہ حرف پر جو حرکت ترخیم سے پہلے تھی وہی حرکت باقی رکھی جائے گی اگر سکون تھا تو ساکن ہی رکھا جائے گا جیسے یا حارث میں ترخیم سے پہلے راء پر کسرہ تھا تو ترخیم کے بعد یعنی ثاء کے حذف کے بعد بھی راء پر کسرہ ہی رہے گا۔

اور یا ثمود میں ترخیم سے پہلے واؤ ساکن تھا تو ترخیم کے بعد بھی واؤ ساکن رہے گا اور یا ثمود پڑھیں گے

بعد ضمة وفی یاکروان یاکرو لواو متحرکة بعد فتحة وقد یجعل قد للتقلیل ای یجعل المنادی المرخو علی الاستعمال الاقل اسماً براسہ کانہ لم یحذف منہ شئی فیکون لہ فی بنائہ واعلالہ وتصحیحہ حکم نفسہ لاحکم الاصل فیقال یاحار بالضم کانہ اسم مفرد معرفة براسہ فیضم ویاثمی لانہ لما جعل ثمو اسماً براسہ صارت الواو طرفاً بعد ضمة فلاجرم قلبت الواو یاءً وکسر ماقبلہا کادل فی ادلو ویاکری الانہ لما جعل کرو اسماً براسہ ارتفع مانع الاعلال وھو وقوع الساکن بعد الواو فانقلبت الواو الفاً لتحرکہا وانفتاح ماقبلہا وقد استعملوا یعنی العرب صیغة النداء یعنی یاخاصة فی المندوب لانہ لایدخل علیہ سواھا لکونہا اشہر صیغہا فکانت اولی بان یتوسع فیہا باستعمالہا فی غیر المنادی

---

یاکروان میں الف و نون کے حذف سے پہلے واؤ پر فتحہ تھا تو ترخیم کے بعد بھی واو پر فتحہ رہے گا۔

قولہ وقد یجعل الخ ترخیم کے بعد منادی کی اکثری حالت تو ابھی بیان کی گئی ہے اب بیان کرتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترخیم کے بعد منادی کو مستقل اسم کا درجہ دے دیا جاتا ہے اسلئے تعلیل دینا بہ میں اس کے ساتھ مستقل منادی جیسا معاملہ کیا جائے گا یعنی اگر وہ مبنی ہوسکتا ہے اور بنار کی شرط پائی جاتی ہے تو اس کو مبنی کر دیا جائے گا اور اگر تعلیل کی ضرورت ہوگی تو تعلیل کی جائے گی اس استعمال کی بنار پر یاحارث میں ترخیم کے بعد یاحار ضمہ پر مبنی کر کے پڑھیں گے کیونکہ مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اور یاثمود میں ترخیم کے بعد یاثمی پڑھیں گے کیونکہ ترخیم کے بعد یاثمو ہوا اور قاعدہ ہے کہ جو واؤ طرف میں بعد ضمہ کے ہو تو اس واو کو یار سے بدل دیتے ہیں اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیتے ہیں جیساکہ ادلُوٌ اسی قاعدے کی بنار پر ادل ہوا ہے۔

اور یاکروان میں ترخیم کے بعد یاکرا پڑھیں گے اسواسطے کہ ترخیم کے بعد یاکرو ہوا واو متحرک ماقبل مفتوح اسلئے واو کو الف سے بدل دیا کرا ہوا۔ اگر ترخیم نہ ہوتی تو واو کو الف سے نہ بدلتے کیونکہ واو کے بعد اگر الف ہو تو پھر اس واو کو الف سے نہیں بدلا جاتا۔

قولہ وقد استعملوا الخ۔ مندوب کو منادی کے ساتھ چونکہ کئی چیزوں میں مناسبت ہے مثلاً حرف ندار کے داخل ہونے میں نیز معرب اور مبنی ہونے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو منادی کے ساتھ ہوتا ہے جن صورتوں میں منادی مبنی ہوتا ہے انھیں صورتوں میں مندوب بھی مبنی ہوتا ہے اور جو صورتیں منادی کے معرب ہونے کی ہیں وہی صورتیں مندوب کے معرب ہونے کی ہیں اس لئے منادی کے بعد مندوب کو ذکر کیا۔

شارح نے صیغة الندار کے بعد یار خاصة کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ مندوب میں ندار کے سب

والمندوب فی اللغۃ میت یبکی علیہ احد ویعد محاسنہ لیعلموا الناس ان موتہ امر عظیم ولیعذروہ فی البکاء ویشارکوہ فی التفجع وفی الاصطلاح ھو المتفجع علیہ وجودا او عدما بیا او وا فالمتفجع علیہ عدما ما یتفجع علی عدمہ کالمیت الذی یبکی علیہ النادب والمتفجع علیہ وجودا ما یتفجع علی وجودہ عند فقد المتفجع علیہ عدما کالمصیبۃ والحسرۃ والویل اللاحقۃ للنادب لفقد المیت فالحد شامل لقسمی المندوب مثل یا زیداہ ویا عمراہ مثل یا حسرتاہ ویا مصیبتاہ ویا ویلاہ واختص المندوب بوا ممتاز

---

صیغے نہیں آتے صرف حرف یاء داخل ہوتا ہے کیونکہ حروف نداء میں یاء زیادہ مشہور ہے اس لئے اس میں تعمیم کی گئی اور منادی کے ساتھ ساتھ مندوب میں بھی اس کو استعمال کیا گیا۔

قولہ والمندوب فی اللغۃ الخ مصنفؒ نے مندوب کی لغوی تعریف نہیں بیان کی اس لئے شارح اس کی لغوی تعریف کر رہے ہیں مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں جس پر کوئی شخص روئے اور اس کے محاسن بیان کرے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مرنیوالا معمولی شخص نہیں تھا بلکہ بڑے محاسن کا حامل تھا اس کا سانحہ معمولی سانحہ نہیں اور اس کے غم میں وہ بھی شریک ہو جائیں۔

قولہ وفی الاصطلاح ھو المتفجع علیہ الخ۔ اصطلاح میں مندوب ایسے اسم کو کہتے ہیں جس پر یاء یا واو کے ذریعہ گریہ کیا جائے شارح نے وجوداً او عدما کا اضافہ کر کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مندوب کی تعریف المتفجع علیہ سے کی گئی ہے جسکے معنی ہوتے جسپر تفجع کیا جائے اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ مندوب کی یہ تعریف افراد کیلئے جامع نہیں ہے اس واسطے کہ یہ تعریف متفجع علیہ وجوداً کو شامل نہیں کیونکہ جس پر ندبہ اور گریہ وزاری کیجاتی ہے وہ تو مفقود ہوتا ہے نہ کہ موجود۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اعتراض کا منشا دراصل ایک بنیادی غلطی ہے معترض یہ سمجھ رہا ہے کہ علیہ میں علی صلہ کیلئے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ علی بنائیہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ مندوب وہ ہے جسکی بنا پر تفجع کیا جائے خواہ اسکے عدم کی بنا پر یا اسکے وجود کی بنا پر، وجود کی بنا پر تفجع کا مطلب یہ ہے کہ مندوب کے مفقود ہونے پر جو مصائب اور پریشانیاں پیش آتی ہیں انپر تفجع کیا جائے کیونکہ مندوب کی موجودگی ان مصائب کا سدباب تھی وہ رخصت ہوا کہ مصائب کا دروازہ کھل گیا اپنے میرا کوئی مونس ہے اور نہ مددگار۔ حاصل یہ ہے کہ اعتراض کی بنا ایک غلط فہمی پر ہے درحقیقت تعریف متفجع علیہ عدما اور وجوداً دونوں کو شامل ہے۔

قولہ مثل یا زیداہ ویا عمراہ الخ یہ دونوں مثالیں متفجع علیہ عدمی کی ہیں اور یا حسرتاہ یا مصیبتاہ، یا ویلاہ یہ متفجع علیہ وجودی کی مثالیں ہیں۔

قولہ واختص بواو الخ۔ مندوب کو کلمہ واو کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے یعنی واو صرف

بہ عن المنادی لعدم دخولہ علیہ بخلاف یا فانہ مشترک بینہما وحکمہ ای حکم المندوب فی الاعراب والبناء حکم المنادی ای مثل حکمہ یعنی اذا وقع المندوب علی صورۃ قسم من اقسام المنادی فحکمہ فی الاعراب والبناء مثل حکم ذلک القسم من المنادی کما اذا کان مفردا معرفۃ فیضم واذا کان مضافا او مشبہا بہ ینصب ولا یلزم من ذلک جواز وقوعہ علی صورۃ جمیع اقسام المنادی لیرد علیہ انہ لا یقع نکرۃ لانہ لا یندب الا المعرفۃ وجاز لک زیادۃ الالف فی اخرہ ای اخر المندوب والمد الصوت

---

مندوب میں آتا ہے منادی میں نہیں آتا تاکہ منادی اور مندوب کے درمیان امتیاز پیدا ہوجائے بخلاف یاء کے کہ وہ منادی اور مندوب دونوں میں آتا ہے البتہ یاء کے علاوہ باقی حروف نداء وہ صرف منادی میں آتے ہیں مندوب میں نہیں آتے ـــــ یہاں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اصل یاء میں یہ ہے کہ وہ مختص بہ پر داخل ہو لیکن اختص بواو میں یاء مختص پر داخل ہے اس میں واؤ مختص ہے اور مندوب مختص بہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ واو کو مندوب کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یعنی واو صرف مندوب میں آتا ہے یہ مطلب نہیں کہ مندوب کو واو کے ساتھ خاص کیا گیا ہے غیر واو مندوب میں نہیں آتا کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے مندوب میں جس طرح واو آتا ہے یاء بھی آتی ہے ۔

قولہ وحکمہ فی الاعراب والبناء الخ ۔ مندوب کی تعریف کے بعد اس کا حکم بیان کر رہے ہیں اسکا حکم منادی کی طرح ہے جس صورت میں منادی مبنی ہوتا ہے مندوب بھی اس صورت میں مبنی ہوتا ہے اور جن صورتوں میں منادی معرب ہوتا ہے مندوب بھی ان صورتوں میں معرب ہوتا ہے شارح نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے اس کو دیکھ لیجئے ۔

قولہ ای مثل حکم الخ شارح نے مثل لاکر اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت حکمہ فی الاعراب والبناء یہ مبتداء ہے اور حکم المنادی خبر ہے خبر کا حمل مبتداء پر ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مندوب کا حکم منادی کا حکم ہے ۔ حالانکہ ہر شئی کا حکم اس کے ساتھ مختص ہوتا ہے کیونکہ حکم ایک عرض ہے اور عرض اپنے محل کے ساتھ خاص ہوتا ہے دوسرے محل میں نہیں پایا جاتا ورنہ عرض واحد کا قیام محلین مختلفین کے ساتھ لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ۔ شارح نے مثل حکم لاکر یہ اعتراض دور کر دیا کہ مندوب کا حکم بعینہ منادی کا حکم نہیں بلکہ منادی کے حکم کے مثل ہے ۔

قولہ ولا یلزم من ذلک الخ ۔ ایک اعتراض اس عبارت سے دور کر رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت وحکمہ فی الاعراب والبناء الخ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مندوب اعراب اور بناء کی تمام صورتوں میں منادی کے ساتھ شریک ہے یعنی جتنی صورتیں منادی کی ہیں اتنی صورتیں مندوب کی بھی

المطلوب فی الندبۃ فان خفت اللبس ای التباس ذلک اللفظ عند زیادۃ الالف بعیرہ عدلت الی حرف من مجانس لحرکۃ اٰخر المندوب من کسرۃ او ضمۃ کما اذا اردت ندبۃ غلام مخاطبۃ قلت واغلامکیہ لا واغلامکاہ لالتباسہ بندبۃ غلام مخاطب واذا اردت ندبۃ غلام جماعۃ مخاطبین قلت واغلامکموہ اذ المیم اصلہ الضم لا واغلامکماہ لالتباسہ بندبۃ غلام مخاطبین اثنین وجاز لک الھاء ای الحاقہا بھذہ المدات فی حال الوقف لیبانہا ولاینذب

---

ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ منادی نکرہ اور معرفہ دونوں ہوتا ہے اور مندوب نکرہ نہیں ہوتا۔

شارح اس عبارت سے یہ وہم دور کر رہے ہیں کہ مصنف کی عبارت سے یہ نہیں مفہوم ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں مصنف کی عبارت کا تو یہ مطلب ہے کہ مندوب جب اپنی شرائط کے بعد موجود ہوگا تو اسوقت اس کے ساتھ منادی جیسا معاملہ ہوگا اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ جتنی صورتیں منادی کی ہیں وہ سب مندوب میں بھی جاری ہوگی۔

قولہ وجاز لک الخ یعنی ندبہ میں چونکہ درازی صوت مطلوب ہے اسلئے مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنا جائز ہے مثلاً ازید کے بجائے وازیدا کہیں گے اور وقف کی حالت میں یاء بھی لاسکتے ہیں

قولہ فان خفت اللبس الخ اگر مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنیسے کسی دوسرے صیغہ کیساتھ التباس کا اندیشہ ہو تو الف کو اس حرف سے بدل دیں گے جو مندوب کی آخری حرف کی حرکت کے مناسب ہو مثلاً جب واحد مونث حاضر کے غلام کا ندبہ کیاجائے تو اغلامکیہ کہاجائے گا اسمیں کاف کے بعد الف تھا اگر اس کو باقی رکھا جاتا اور واغلامکاہ کہا جاتا تو التباس ہوتا پتہ نہ چلتا کہ واحد مونث حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جارہا ہے یا واحد مذکر حاضر کے غلام کا اسلئے التباس سے بچنے کیلئے الف کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ مندوب کے آخری حرف کاف پر کسرہ ہے اور اس کے مناسب یاء ہے ـــــ اسی طرح جب مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جائے تو واغلامکمو کہیں گے کیونکہ الف کو باقی رکھتے ہوئے واغلامکماہ کہا جاتے تو تثنیہ مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ کیساتھ التباس لازم آئے گا پتہ نہ چلے گا کہ جمع مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جارہا ہے یا تثنیہ مذکر حاضر کے غلام کا اسلئے الف کو واو سے بدل دیا کیونکہ جمع مذکر حاضر کی میم اپنی اصل کے اعتبار سے مضموم ہے اور ضمہ کے مناسب واو ہے رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ میم اپنی اصل کے اعتبار سے مضموم ہے تو اسکی دلیل یہ ہے کہ اصل میں میم کے بعد واو تھا مثلاً غلامکم اصل میں غلامکمو تھا میم کو تخفیف کیوجہ سے ساکن دیا اب میم ساکن اور واو ساکن کی وجہ سے اجتماع ساکنین ہوا اسلئے واو کو حذف کردیا اس طرح سے میم پر سکون ہوگیا ورنہ اسپر ضمہ تھا۔

قولہ ولا ندب الخ یعنی ندبہ صرف معرف اور مشہور شخص کا ہوتا ہے تاکہ مندوب کی

من قسم المندوب المتفجع علیہ عدما الاسم المعروف الذی اشتھر المندوب بہ لیعذر النادب بمعرفتہ فی ندبتہ والمفجع علیہ فلا یقال وارجلاہ اذ ما اشتھر ھذا اللفظ مندوب خاص انتقل الذھن الیہ ویعرف بہ لیعذر النادب بالندبۃ علیہ وامتنع الحاق الالف بصفۃ المندوب بل یجب ان یلحق بالموصوف مثل وازیداہ الطویل لان اتصالہ بالصفۃ لیس کاتصال المضاف بالمضاف الیہ لانہ جیٔ بہ لتمام المضاف فھو کالجزء بخلاف الصفۃ فانہ جیٔ بھا بعد تمام الموصوف للتخصیص والتوضیح فلھذا جاز مثل یا امیر المومنیناہ ولم یجز مثل وازید الطویلاہ خلافا لیونس فانہ یجوز الحاق الالف باٰخر الصفۃ فان اتصال الموصوف بالصفۃ وان کان فی اللفظ انقص من الاتصال بین المضاف والمضاف الیہ الا انہ اتم منہ من جھۃ المعنی لاتحادھما بالذات فان الطویل ھو زید لاغیر بخلاف المضاف والمضاف الیہ فانھما متغائران وحکی یونس ان رجلا

---

شہرت اور متعارف ہونے کی وجہ سے ندبہ میں ندبہ کرنیوالے کیساتھ لوگ شریک ہوجائیں اور اس کو معذور سمجھیں اس کو تسلی دیں غیر معروف شخص کے ندبہ کرنے میں لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اسی وجہ سے وارجلاہ نہ کہیں گے کیونکہ رجل نکرہ ہے اس لفظ کیساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں ہے جسکی طرف ذہن منتقل ہوجائے۔

شارح نے مصنف کی عبارت لایندب کے بعد من قسم المندوب الخ کا اضافہ اسلئے کیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ مندوب کے معروف اور مشہور ہونے کی شرط مندوب کی ایک قسم متفجع علیہ عدما میں ہے دوسری قسم متفجع علیہ وجودا میں یہ شرط نہیں ہے۔

قولہ وامتنع وازید الطویلاہ الخ۔ یہ فرمارہے ہیں کہ مندوب کے آخر میں تو الف کی زیادتی درازی صوت کیلئے جائز ہے جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا گیا ہے لیکن مندوب کی صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز نہیں مثلاً وازیداہ الطویل کہیں گے وازید الطویلاہ نہ کہیں گے اسمیں یونس نحوی کا اختلاف ہے کے نزدیک ایک صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے وہ ترکیب اضافی پر قیاس کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے دونوں ایک نہیں ہوتے پھر بھی باوجود مغایرت کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے چنانچہ یا امیر المومنیناہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر صفت کے آخر میں کیوں جائز نہ ہو جبکہ وہ دونوں متحد ہیں مثلاً زید الطویل میں زید اور طویل دو الگ الگ نہیں دونوں کا مصداق ایک ہے تو پھر اتحاد ذاتی کے ہوتے ہوئے صفت کے آخر میں الف کی زیادتی کو کیوں منع کیا جاتا ہے۔

جمہور کی طرف سے یونس کے استدلال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مضاف الیہ کے بغیر مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے اسلئے مضاف الیہ مضاف کے جزء کی طرح ہے تو ان میں اتصال قوی ہوا اور موصوف

ضاع لہ قد حان فقال واجمجمتی الشامیتناہ والجمجمۃ القدح ویجوز لقیام قرینۃ حذف حرف النداء الا اذا کان مقارنا مع اسم الجنس ویعنی بہ ما کان نکرۃ قبل النداء سواء تعرف بالنداء کیا رجل او لم یتعرف مثل یا رجلا لان ھذا لم یکثر کثرۃ نداء العلم فلو حذف منہ حرف النداء لم یسبق الذھن الی انہ منادی والاشارۃ ای والا مع اسم الاشارۃ لانہ کاسم الجنس فی الابھام والمستغاث والمندوب لان المطلوب فیھما مدّ الصوت وتطویل الکلام والحذف ینافیہ فبقی علیٰ ھذا من المعارف التی یجوز فیھا حذف حرف النداء العلم سواء کان مع بدل عن حرف النداء کلفظۃ اللہ فانہ لا یحذف منہ الا مع ابدال المیم المشددۃ منہ اللّٰھم او بغیر بدل نحو یوسف اعرض عن ھذا

---

صفت کے درمیان ایسا اتصال نہیں پایا جاتا اس لئے ترکیب اضافی پر ترکیب توصیفی کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جو صحیح نہیں۔ ـــــــ یونس نے ایک دوسرا استدلال یہ کیا ہے کہ ایک اعرابی کے دو پیالے گم ہو گئے تھے اس نے واجمجمتی الشامیتناہ کہا تھا، اس کا ترجمہ یہ ہے ہائے میرے دو شامی پیالے اس میں شامیتناہ صفت ہے اور اس کے آخر میں الف لایا گیا، معلوم ہوا صفت کے آخر میں الف کی زیادتی جائز ہے جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ شاذ اور غیر فصیح ہے۔

قولہ ویجوز حذف حرف النداء الخ۔ منادی سے حرف نداء کا حذف کرنا قرینہ کے وقت جائز ہے لیکن اگر منادی اسم جنس ہو یا اسم اشارہ ہو یا منادی مستغاث ہو یا مندوب ہو تو پھر حرف نداء کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا۔ ـــ اسم جنس سے مراد یہ ہے کہ نداء سے پہلے نکرہ ہو خواہ نداء کے بعد معرفہ ہو گیا ہو جیسے یا رجل یا نکرہ ہی رہے جیسے یا رجلا، اسم جنس سے حرف نداء کا حذف کرنا اسلئے ناجائز ہے کہ علم کا منادی ہونا مشہور اور کثیر ہے اس لئے اس سے حرف نداء اگر محذوف ہو تو ذہن اسی کے منادی ہونے کی طرف جا سکتا ہے لیکن اسم جنس کا منادی ہونا کثیر نہیں ہے اس لئے حرف نداء کے حذف ہو جانے کے بعد اسم جنس کے منادی ہونے کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا اسی طرح اسم اشارہ کا منادی ہونا بھی کثیر الوقوع نہیں ہے اس لئے اس سے حرف نداء کا حذف کرنا جائز نہیں منادی مستغاث سے اور مندوب سے حرف نداء کا حذف کرنا بھی جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں درازی صوت مطلوب ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

قولہ نحو یوسف اعرض عن ھذا الخ۔ یہ دونوں مثالیں ہیں جن میں حرف نداء محذوف ہے یوسف اعرض عن ھذا میں حرف نداء کے حذف کا قرینہ یہ ہے کہ اگر حرف نداء محذوف نہیں ہے اور یوسف منادی نہیں ہے تو پھر یوسف ترکیب میں مبتداء ہوگا اور اعرض عن ھذا اس کی خبر ہوگی حالانکہ

ای یا یوسف ولفظۃ ای اذا وصف بذی اللام نحو ایھا الرجل ای یا ایھا الرجل اوبالموصوف بذی اللام نحو ایھذا الرجل ای یا ایھذا الرجل فلا یجوز الحذف من ایھذا من غیر ان یتصف ھذا بذی اللام والمضاف الی ای معرفۃ کانت نحو غلام زید افعل کذا او الموصولات نحو من لایزال محسنًا احسن الیّ واما المضمرات فشذ نداءھا نحو یا انت ویا ایاک وشذ حذف حرف النداء من اسم الجنس فی اصبح لیل ای صر صبحا یالیل حذف حرف النداء من اللیل مع انہ اسم جنس شذ وذا قالتہ امرأۃ امرء القیس حین کرھتہ وفی اقتد مخنوق ای یا مخنوق قالہ شخص وقع فی اللیل علی نائم مستلق فخنقہ وقال اقتد مخنوق حذف حرف النداء عن المخنوق مع انہ اسم جنس شذ وذا وفی

---

اعرض عن ھذا امر ہے جو انشاء کی قسم ہے اور جملہ انشائیہ خبر نہیں ہو سکتا۔ یا ایھا الرجل میں حرف نداء کے حذف کا قرینہ یہ ہے کہ منادی معرف باللام میں ایھا یا ایھذا کا فصل اس لئے لاتے ہیں تاکہ دو آلۂ تعریف کا ایک جگہ اجتماع نہ ہو۔ معلوم ہوا یہ اصل میں یا ایھا الرجل اور یا ایھذا الرجل تھا اگر حرف نداء نہ مانا جائے تو ایھا اور ایھذا سے فصل لانے کی ضرورت ہی نہیں۔

قولہ وشذ اصبح لیل الخ۔ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ ابھی آپ نے بیان کیا ہے کہ منادی اگر اسم جنس ہو تو اس وقت حرف نداء کا حذف جائز نہیں حالانکہ اصبح لیل اقتد مخنوق اطرق کرا ان مثالوں میں باوجود اسم جنس ہونے کے حرف نداء محذوف ہے۔

شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ شاذ ہے قیاس کے مطابق نہیں ہے اصبح لیل امرء القیس کی بیوی نے کہا تھا اس کے معنی ہیں اے رات تو صبح ہو جا اس قول کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امرء القیس بدشکل تھا اور بدخصال بھی تھا اس لئے اس کی بیوی کو نفرت ہو گئی اور اصبح لیل کہا کہ اے رات تو جلد صبح ہو جا تاکہ میں اس سے چھٹکارا حاصل کر دوں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ امرء القیس جب شب زفاف میں اپنی بیوی کے پاس گیا تو چراغ بجھانے کے لئے بجائے اطفئ السراج کے اقتلی السراج کہہ دیا بیوی کے دل میں یہ سنکر نفرت ہو گئی کہ یہ بڑا جاہل ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے امرء القیس تو مالک الشعراء تھا اس کو افصح العرب کہا جاتا ہے تو اتنی فاحش غلطی کیسے کر سکتا ہے۔

قولہ اقتد مخنوق الخ۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ سلیک ابن سلکہ چت لیٹا ہوا تھا ایک شخص آیا اور اس کا گلا گھونٹ کر اقتد مخنوق کہا یعنی اے گلا گھونٹے ہوئے مجھ کو فدیہ (مال دے) تاکہ میں تجھ کو چھوڑ دوں یا مطلب یہ ہے کہ بدلہ دے یعنی میں تجھ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

اطرق كرا اى ياكروان وفيه شذوذان حذف حرف النداء من اسم الجنس وترخيم غير العلم قيل بنى رقية يصيدون بها الكروان ويقولون اطرق كرا اطرق كرا ان النعامة فى القرى فيسكن ويطرق حتى يصادوا والمعنى ان النعامة الذى هو اكبر منك قد اصطيد وحمل الى القرى فلا تخلى ايضا وقد يحذف المنادى لقيام قرينة جواز نحو الا يا اسجدوا بتخفيف الا على انه حرف تنبيه ويا حرف النداء اى يا قوم اسجدوا والقرينة امتناع دخول يا على الفعل بخلاف قراءة الا يسجدوا بتشديد اللام لانه ليس من هذا الباب فان ان حينئذ ناصبة للمضارع ادغمت نونها فى لام لا ويسجدوا فعل مضارع سقط نونه بالنصب الثالث من تلك المواضع الاربعة التى وجب حذف ناصب المفعول به فيها ما اى مفعول به اضمر اى قدر عامله الناصب له على شريطة التفسير الشريطة

---

قولہ اطرق کرا الخ۔ کرا اسم جنس ہے اصل میں کروان ہے یہ ایک پرندہ ہے جس کو ہمارے یہاں کلنگ کہتے ہیں یہاں بھی باوجود اسم جنس کے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے اس میں ایک شاذ تو یہی ہے دوسرا شاذ یہ ہے کہ کروان علم نہیں پھر بھی اس کی ترخیم کی گئی ہے۔

ایک منتر ہے جس کو پڑھ کر کروان پرندہ کا شکار کرتے ہیں پورا منتر یہ ہے اطرق کرا اطرق کرا ان النعامۃ فی القری۔ اے کروان تو اپنا سر جھکالے شتر مرغ جو تجھ سے بڑا ہے اس کا شکار ہم نے کر لیا ہے اور بستی میں اس کو پہونچا دیا گیا ہے، اس کے پڑھنے کے بعد وہ بالکل ٹھہر جاتا ہے اور گردن جھکا لیتا ہے اور لوگ اس طرح شکار کر لیتے ہیں

قولہ وقد یحذف المنادی الخ۔ اس سے پہلے حرف نداء کے حذف کا بیان تھا اب منادی کے حذف کو بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرینہ پائے جانے کی وجہ سے منادی کو حذف کر دیتے ہیں جیسے الا یا اسجدو، یہاں اسجدو فعل امر ہے اور حرف نداء فعل پر داخل نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یاء کا مدخول یعنی منادی یہاں پر محذوف ہے اور اصل میں یا قوم اسجدوا ہے ایک قرأت میں ان لایسجدوا ہے اس میں اَن ناصبہ ہے اور لایسجدوا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے نون اعرابی ان کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور ان ناصبہ کا لام میں ادغام ہو گیا ہے اس قرأت میں یہ منادی محذوف ہونے کی مثال نہ ہوگی۔

قولہ الثالث ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر الخ۔ یہ تیسرا موقع ہے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے ما سے مراد مفعول بہ ہے اضمر کا مصدر اضمار ہے اس کے معنی ہیں پوشیدہ کرنا شریطۃ اور شرط دونوں کے معنی ایک ہی ہیں شریطۃ کی اضافت تفسیر کی جانب اضافت بیانیہ ہے

والشرط واحد واضافتها ای التفسیر بیانیۃ ای ما اضمر عاملہ بناءً علی شرط هو تفسیرہ ای تفسیر العامل بما بعدہ وانما وجب حذفہ حینئذٍ احترازا عن الجمع بین المفسر والمفسر وھو ای ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کل اسم بعدہ فعل او شبھہ احترز بہ عن نحو زید ابوک ولا نرید بہ ان یلیہ الفعل او شبھہ متصلا بہ بل ان یکون الفعل او شبھہ جزء الکلام الذی بعدہ نحو زیدا عمرو ضربہ وزیدا

---

اس اضافت میں مضاف اور مضاف الیہ معنی کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں اضافت سے مقصود مضاف کی توضیح ہوتی ہے۔ —— اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تیسرا موقع وہ مفعول بہ ہے کہ جس کے عامل ناصب کو اس بناء پر حذف کر دیا گیا ہو کہ اس کی تفسیر آگے آرہی ہے یہاں اگر عامل کو حذف نہ کیا جائے گا تو مفسِر اور مفسَر کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

قولہ وھو ای ما اضمر عاملہ الخ ۔ یہاں سے ما اضمر علی شریطۃ التفسیر کا بیان ہے یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کر دیں جس کی صورت یہ ہے کہ اس اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو یا اس کے متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو مقدم کر دیں تو وہ اس اسم کو اپنا معمول بنائے یعنی نصب دے اس تعریف میں بہت سے قیود ہیں ان کا فائدہ بھی شارح نے بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے ۔

بعدہٗ فعل او شبہہ اس سے اس اسم سے احتراز ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہ ہو جیسے زید ابوک اس میں زید کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں ہے لہذا یہ اضمار علی الشریطۃ التفسیر سے خارج ہے لفظ بعد سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ فعل یا شبہ فعل بالکل اس اسم کے متصل ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء ہو جو اس اسم کے بعد مذکور ہے اسلئے زیدا عمرو ضربہ اور زیدا انت ضاربہ جیسی مثالوں سے یہ اعتراض نہ وارد ہوگا کہ یہ امثلہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہیں اور ان پر تعریف صادق نہیں ہے کیونکہ دونوں مثالوں میں زیدا کے بعد نہ فعل ہے نہ شبہ فعل اعتراض وارد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی مثال میں زیدًا کے بعد عمرو ضربہ ہے اس میں ضرب فعل ہے اور دوسری مثال میں زیدًا کے بعد انت ضاربہ ہے اس میں ضارب شبہ فعل ہے اور یہ فعل یا شبہ فعل اسی کلام کا جزء ہیں جو زیدًا کے بعد واقع ہے کیونکہ پہلی مثال میں عمرو مبتداء اور ضربہ خبر ہے دوسری مثال میں انت مبتداء اور ضاربہ خبر ہے اور مبتداء اور خبر میں تعلق جزئیت جیسا ہے مبتداء کیلئے خبر ضروری ہے اور خبر کیلئے مبتداء ضروری ہے ۔ شارح نے اپنی عبارت ولا نرید بہ ان یلیہ الفعل سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے

انت ضاربہ مشتغل ذلک الفعل او شبھہ عنہ ای عن العمل فی ذلک الاسم بضمیرہ ای بالعمل فی ضمیرہ او فی متعلقہ ای متعلق ذلک او متعلق ضمیرہ وحاصلہ ان یکون الفعل او شبھہ مشغولا بالعمل فی ضمیرہ ذلک الاسم او متعلقہ فارغا عن العمل فیہ بسبب ذلک الاشتغال لا بسبب آخر بحیث لو سلط بمجرد رفع ذلک الاشتغال علیہ ای علی ذلک الاسم ھو ای احد الامرین الفعل او شبھہ بعینہ او مناسبہ ای ما یناسبہ لترادف او للزوم لنصبہ ای لنصب احد ھذین الامرین الاسم بالمفعولیۃ کما ھو الظاھر المتبادر فبقید الاشتغال بالضمیر او متعلقہ خرج نحو زیدًا ضربت وبقید الفراغ عن العمل فیہ بمجرد ذلک الاشتغال خرج نحو زید ضربتہ فان المانع عن عمل ضربتہ فی زید لیس مجرد اشتغالہ بضمیرہ فان عمل معنی الابتداء فیہ ورفعہ ایاہ ایضا مانع

---

قولہ مشتغل عنہ بضمیرہ او متعلقہ الخ - اشتغال کا صلہ جب علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی اعراض کرنے کے ہوتے ہیں یہاں بھی اسی معنی میں مستعمل ہے اس قید سے اس اسم سے احتراز ہے جس کے بعد فعل یا شبہ ہو اور اس اسم پر عمل کرنے سے اعراض نہ کرتے ہوں بلکہ اس پر عامل ہوں جیسے زیدًا ضربت اس میں ضربت فعل ہے جو زید پر عمل کرنے سے اعراض نہیں کر رہا ہے بلکہ اسکو اپنا مفعول بہ بنایا ہے مصنف کی عبارت مشتغل عنہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اشتغال کا صلہ عن نہیں آتا اس کا جواب یہ ہے کہ عن مشتغل کا صلہ نہیں ہے بلکہ مشتغل متضمن ہے فراغ کے معنی کو یہ اس کا صلہ ہے اصل عبارت یہ ہے مشتغل فارغا عنہ ــــ مشتغل کی ضمیر ھُوَ سے فارغا حال واقع ہے شارح نے اپنی عبارت حاصلہ سے اسی اعتراض محذوف کا جواب دیا ہے۔

قولہ بحیث لو سلط علیہ الخ - شارح نے لفظ حیث کا اضافہ کر کے اشارہ کیا ہے کہ لو سلط الخ یہ جملہ شرطیہ بھی قید احترازی ہے اس سے اس اسم سے احتراز ہے جس پر فعل یا شبہ فعل کو مسلط کیا جائے تو اس اسم پر نصب نہ آئے جیسے زید ضُرِبَ (مجہول) اسمیں ضُرِبَ فعل مجہول ہے اسمیں ضمیر جو زید کی طرف راجع ہے وہ نائب فاعل ہے اور ضُرِبَ نے اس ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے زید پر عمل نہیں کیا لیکن اگر ضُرِبَ کو زید پر مقدم کر دیں تو زید کو نصب نہ دے گا بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اسپر رفع آئے گا۔

شارح مصنف کی عبارت لو سلط کے بعد بمجرد رفع ذلک الاشتغال لا کر زید ضربتہ جیسی مثال کو خارج کرنا چاہتے ہیں کیونکہ تسلیط جو یہاں معتبر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اسم مذکور کی ضمیر یا اس کے متعلق پر عمل کرنے سے جو فعل یا شبہ فعل اس اسم پر عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو اگر ان دونوں قسم کے مانع کو دور

عن ذلك وبقيد النصب بالمفعولية خرج خبر كان في نحو زيدًا كنت اياه وههنا صور اربع احدها اشتغال الفعل بالضمير مع نقد بر تسليطه بعينه والثانية اشتغاله بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسب الفعل بالترادف والثالثة اشتغال الفعل بالضمير مع تقدير تسليط ما يناسب الفعل باللزوم والرابعة اشتغال الفعل بالمتعلق ولا يتصور حينئذ الا تقدير تسليط الفعل المناسب باللزوم ولهذا اورد المص اربعة امثلة ثلثة منها للمشتغل

---

کرکے فعل یا شبہ فعل کو اس اسم مذکور پر مقدم کر دیں تو اس پر نصب آئے اور اگر مانع کی ان دو قسموں کے علاوہ کوئی تیسرا سبب ہو جو عمل سے مانع ہو تو وہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے باب سے خارج ہے ایسی صورت میں فعل یا شبہ فعل کو اسپر مقدم کر دیا جائے تو اسپر نصب نہ آئے گا مثلاً مثال مذکور زید ضربتہ میں زید کے بعد ضربت فعل ہے جو زید پر عمل کرنے سے اس وجہ سے اعراض کر رہا ہے کہ اس کی ضمیر پر عمل کر رہا ہے لیکن اسمیں صرف یہی چیز مانع نہیں ہے بلکہ زید کا مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا یہ بھی مانع ہے اسلئے تسلیط صحیح نہیں۔

شارحؒ نے مصنفؒ کی عبارت لنصبہ کے بعد بالمفعولیۃ کی قید کا اضافہ کیا ہے اس سے کان کی خبر خارج ہو گئی جیسے زیداً کنت ایاہ اسمیں آخری شرط کے علاوہ تمام شرائط موجود ہیں زید ایسا اسم ہے جس بعد کنت فعل ہے اور زید کی ضمیر ایاہ پر عمل کرنے کی وجہ سے زید پر عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے اور اگر کنت کو زید پر مقدم کر دیں تو زیدًا پر نصب بھی ہو گا لیکن مفعول ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ کنت کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

قولہ وههنا صور الخ۔ ایک اعتراض ہوتا تھا کہ مصنفؒ نے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی متعدد مثالیں کیوں بیان کیں مثال کا مقصد تو ممثل لہ کی توضیح ہے اس کیلئے ایک ہی مثال کافی ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ممثل لہ متعدد ہیں اسلئے امثلہ بھی متعدد ہیں۔

فائدہ:۔ اسم مذکور پر فعل یا شبہ فعل کی تسلیط کے اعتبار سے عقلا بارہ صورتیں ہیں اسواسطے کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم پر عمل کرنے سے اسوجہ سے اعراض کر رہا ہو کہ اس کی ضمیر یا اس کے متعلق پر عمل کر رہا ہے اس کے بعد مصنفؒ نے فرمایا ہے بحیث لو سلط الخ۔ اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اعراض کی دو صورتیں ہیں (۱) اسم مذکور کی ضمیر پر عمل کرنا (۲) اس کے متعلق پر عمل کرنا تسلیط کے بارے میں فرمایا ہے کہ کبھی بعینہ فعل یا شبہ فعل کی تسلیط ہوگی اور کبھی ان کے مناسب کی ہوگی پھر مناسب کے اندر تعمیم ہے خواہ مناسب مرادف ہو یا مناسب لازم ہو اس طرح سے بارہ صورتیں ہوئیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

بالضمیر باقسامہ الثلثۃ وواحد للمشتغل بالمتعلق والاحسن فی ترتیبھا تاخیر مثال المشتغل بالمتعلق کما لا یخفی وجھہ نحو زیدًا ضربتہ مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع

---

فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط بعینہ اس فعل کی ہو یا اس کے مناسب مرادف کی یا مناسب لازم کی یہ تین صورتیں ہوئیں، اور اگر شبہ فعل اعراض کرے تو یہی تین صورتیں اسمیں بھی نکلیں گی یہ چھ صورتیں تسلیط کی اس وقت ہیں جب فعل یا شبہ فعل کا اعراض اسم کی ضمیر کی وجہ سے ہو۔ اور اگر اعراض اسم کے متعلق کی وجہ سے ہو تو عقلاً تسلیط کی چھ صورتیں اسمیں بھی نکلتی ہیں۔ لیکن اسمیں تسلیط فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کی صرف ہو سکتی ہے بعینہ فعل یا شبہ فعل یا ان دونوں کے مناسب مرادف کی تسلیط نہیں ہو سکتی اسلئے اسمیں دو صورتیں صحیح ہیں باقی چار صحیح نہیں بارہ صورتوں میں یہ چار ساقط ہو گئیں تو آٹھ صورتیں باقی رہیں جن کو مع امثلہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) فعل اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط بعینہ فعل کی ہو جیسے زیدًا ضربتہ ای ضربت زیدًا
(۲) " " " " اور تسلیط فعل کے مناسب مرادف کی ہو جیسے زیدًا مررت بہ ای جاوزت زیدًا
(۳) " " " " اور تسلیط فعل کے مناسب لازم کی ہو جیسے زیدًا ضربتُ غلامہ ای اہنت زیدًا
(۴) شبہ فعل اعراض کرے " " تسلیط بعینہ شبہ فعل کی ہو جیسے زیدًا انا ضاربہ ای انا ضارب زیدًا
(۵) " " " " تسلیط شبہ فعل کے مناسب مرادف کی ہو جیسے زیدًا انا مارٌّ بہ ای انا مجاوزٌ زیدًا
(۶) " " " اور تسلیط شبہ فعل کے مناسب لازم کی ہو جیسے زیدًا انا محبوس علیہ ای انا ملابس زیدًا
(۷) فعل اعراض کرے اسم کے متعلق کی وجہ سے اور تسلیط فعل کے مناسب لازم کی ہو جیسے زیدًا ضربت غلامہ ای اہنت زیدًا
(۸) شبہ فعل اعراض کرے " " تسلیط شبہ فعل کے " " جیسے زیدًا انا ضارب غلامہ ای انا مہین زیدًا

مصنفؒ نے فعل کے تسلیط کی چار صورتیں مع امثلہ بیان کی ہیں طالب علم ادنی توجہ سے انھیں مثالوں کو شبہ فعل کے تسلیط پر بھی منطبق کر سکتا ہے۔

قولہ والاحسن فی ترتیبھا الخ۔ شارح مصنفؒ پر اعتراض کر رہے ہیں اعتراض سمجھنے کیلئے پہلے یہ ذہن میں رکھئے کہ اشتغال کی دو صورتیں آپ نے اس سے پہلے پڑھی ہیں (۱) اشتغال اسم کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو۔ (۲) اشتغال اسم کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو۔

مصنفؒ نے دونوں صورتوں کی مثالیں بیان کی ہیں لیکن انکیں ترتیب کا لحاظ نہیں کیا ہے یہ آپ کو یاد ہوگا کہ اشتغال اگر اسم کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو تو تسلیط کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) تسلیط بعینہ فعل مذکور کی ہو (۲) فعل کے مناسب مرادف کی ہو۔ (۳) فعل کے مناسب لازم کی ہو، اس اعتبار سے ان تینوں کی مثالیں پہلے ترتیب وار بیان کرتے اور اشتغال اسم کے

تقدیر تسلیط بعینہ وزیداً مررت بہ مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیط ما یناسبہ بالترادف فان مررت بعد تعدیتہ بالباء مرادف لجاوزت وزیداً ضربت غلامہ مثال الفعل المشتغل بالمتعلق مع تقدیر تسلیط الفعل المناسب باللزوم وزیداً حبست علیہ مثال الفعل المشتغل بالضمیر مع تقدیر تسلیط ما یناسبہ باللزوم فان حبس الشیٔ علی الشیٔ تلزمہ ملابسۃ للمحبوس علیہ ینصب زید فی ھذہ الامثلۃ بفعل مضمر یفسرہ ما بعدہ ای ضربت یعنی ان الفعل المفسر المناسب لزیداً فی زیداً ضربتہ ضربت المقدر فان الاصل فیہ ضربت زیداً ضربتہ اضمر ضربت الاوّل لوجود مفسرہ اعنی ضربت الثانی وعلی ھذا القیاس جاوزت فانہ مفسر بما یرادفہ اعنی مررت بہ واھنت فانہ مفسر بما یستلزمہ اعنی ضربت غلامہ فان ضرب الغلام یستلزم اہانۃ سیدہ ولابست فانہ مفسر بما یستلزم اعنی حبست علیہ ثوان الاسم الواقع فی مظان الاضمار علی شریطۃ التفسیر

---

متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو تو اسمیں تسلیط صرف فعل کے مناسب لازم کی ہوتی ہے باقی دو صورتیں اس میں ممکن نہیں، مصنفؒ کو چاہیے تھا کہ اس کی مثال ان تین مثالوں کے بعد بیان کرتے یعنی چوتھے نمبر پر اس کو بیان کرتے لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ تیسری مثال کی جگہ اس کو بیان کیا اور اس کی جگہ تیسری مثال کو بیان کیا ـــــ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مصنفؒ نے اسکا لحاظ کیا کہ اشتغال کرنے والے افعال جو معروف ہوں ان کی مثالیں پہلے بیان کر دیں خواہ اشتغال اسم کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو یا اس کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے اور جو فعل مشتغل مجہول ہے اس کی مثال بعد میں بیان کرے اور زیداً حبست علیہ میں فعل مشتغل مجہول ہے اس وجہ سے اس کو آخر میں بیان کیا ـــــ اس اعتراض کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصنفؒ نے یہ چاہا کہ جس میں تسلیط فعل کے مناسب لازم کی ہوتی ہو اس کو آخر میں بیان کرے اور یہ صورت اس وقت ہمیشہ ہوتی ہے جب اشتغال اسم کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے ہوا تو چونکہ اشتغال کی اس قسم کیساتھ یہ صورت خاص ہے اس لئے اس کو مقدم کیا اور جو اشتغال اسم کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہو اس میں تسلیط کی یہ صورت ہمیشہ نہیں ہوتی کبھی کبھی ہوتی ہے اس لئے اس کو اخیر میں بیان کیا مثالوں کی ترتیب میں فرق کی یہ وجہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھی ذہن اس طرف منتقل ہوا اس لئے تحریر کر دیا ہے۔

قولہ ثم ان الاسم الواقع فی مظان الاضمار الخ - مصنفؒ نے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی اعراب کے اعتبار سے پانچ صورتیں بیان کی ہیں ان میں کسی جگہ رفع مختار ہے کسی جگہ واجب ہے اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر تو مفعول بہ ہے اسپر نصب کے علاوہ دوسرا

اما المختار او الواجب فیہ الرفع او النصب او یستوی فیہ الامران والی ھذہ الصور الخمس اشار المصنف فقال ویختار فی الاسم المذکور الرفع بالابتداء ای بکونہ مبتداء لان تجردہ عن العوامل اللفظیۃ لیصحح رفعہ بالابتداء یترجح عند عدم قرینۃ خلافہ ای قرینۃ ترجح خلاف الرفع یعنی النصب لان قرینتی الصحۃ فیھما متساویتان لان وجود ما لہ صلاحیۃ التفسیر قرینۃ مصححۃ للنصب فمتی لو ترجح النصب قرینۃ اخری یترجح الرفع بسلامتہ عن الحذف نحو زید اضربتہ او عند وجود القرینۃ المرجحۃ من الجانبین ولکن تکون القرینۃ المرجحۃ للرفع اقوی منھا ای من تلک

---

اعراب کیسے آسکتا ہے شارح کی یہ عبارت اگرچہ بطور تمہید کے ہے لیکن اسمیں اعتراض مذکور کا جواب بھی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر یقینی طور پر متعین ہو جائے کہ یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے تو اسپر نصب کے علاوہ کوئی دوسرا اعراب نہیں آسکتا اور اگر ایسا نہ ہو محض ظن ہو وہ بھی صرف ظاہر کے اعتبار سے تو اسمیں نصب متعین نہ ہوگا۔ اسم مذکور کی اعراب کے اعتبار سے یہ تقسیم اسی پر مبنی ہے اور وہ پانچ صورتیں یہ ہیں۔ (۱) اختیار رفع (۲) اختیار نصب (۳) وجوب رفع (۴) وجوب نصب (۵) تساوی رفع ونصب۔ اب مصنفؒ کی ترتیب کے اعتبار سے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

**قولہ ویختار الرفع بالابتداء الخ** ۔ یہ پہلی صورت ہے جسمیں رفع مختار ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اسم ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے مظان میں واقع ہو اور رفع کے خلاف کوئی قرینہ مرجحہ نہ پایا جائے تو وہ اسم مبتداء ہونیکی وجہ سے مرفوع ہوگا ایسی صورت میں نصب کا قرینہ تو یہ ہے کہ اسم مذکور کے بعد ایسا فعل یا شبہ فعل ہے جسمیں فعل محذوف کی تفسیر بننے کی صلاحیت ہے اور اس کا مبتدا ہونا یعنی عوامل لفظیہ سے خالی ہونا رفع کا قرینہ ہے تو قرینہ مصحح رفع اور نصب دونوں کیلئے ہے لیکن نصب کیلئے قرینہ مرجحہ چونکہ نہیں پایا جاتا ہے اس لئے اسکو ترجیح نہیں دی جاسکتی بخلاف رفع کے کہ اس کیلئے ایک وجہ ترجیح تو یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے مخالف یعنی نصب کیلئے کوئی قرینہ مرجحہ نہیں ہے اسکے علاوہ بھی رفع کیلئے ایک قرینہ مرجحہ ہے کہ اسمیں حذف نہیں ماننا پڑتا بخلاف نصب کے کہ اسمیں فعل محذوف ماننا پڑتا ہے جسکی یہ فعل مذکور تفسیر کرتا ہے اسکی مثال زید ضربتہ ہے اسمیں ضربت فعل زید کے بعد ہے جسکے اندر احتمال ہیکہ زید سے پہلے ضربت فعل محذوف ہو اور زید کے بعد والا فعل اسکی تفسیر ہو یہ نصب کا قرینہ مصححہ ہے اور یہ تصور کیا جائے کہ زید سے پہلے کوئی فعل نہیں ہے اور وہ عوامل لفظیہ سے خالی ہے تو یہ اسکے رفع کا قرینہ ہے لیکن اسمیں حذف نہیں ماننا پڑتا اسلئے رفع کو ترجیح دی جائے گی۔

**قولہ او عند وجود القرینۃ المرجحۃ من الجانبین الخ** ۔ رفع کے مختار ہونے کی

القرينة المرجحة للنصب كاما الداخلة على ذلك الاسم مع غير الطلب اى بشرط ان لا يكون الفعل المشتغل عنه طلبا كالامر والنهي والدعاء نحو لقيت القوم واما زيد فاكرمته فالعطف على الفعلية قرينة النصب وكلمة اما قرينة الرفع وهي اقوى لانها لا يقع بعدها غالبا الا المبتدا بخلاف عطف الاسمية على الفعلية فانه كثير الوقوع في كلامهم مع انها تايدت بالسلامة عن الحذف ايضا وانما قال مع غير الطلب احترازا عما اذا كانت مع الطلب نحو اما زيد افاضربه فان المختار حينئذ هو النصب فان الرفع يقتضي وقوع الطلب خبرا وهو لا يجوز الا بتاويل

---

یہ دوسری صورت ہے اس میں رفع اور نصب کے قرینہ مصحح کے ساتھ دونوں کیلئے قرینہ مرجحہ بھی پایا جاتا ہو لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہو۔

اس کے دو موقع ہیں (۱) اسم جو مظان اضمار میں سے ہے اس پر اما داخل ہو اور اسم مذکور کے بعد جو فعل ہو۔ جو طلب پر دلالت نہ کرتا ہو یعنی اسم کے بعد جملہ خبریہ ہو جملہ انشائیہ نہ ہو۔

(۲) اس اسم مذکور پر اذا مفاجائیہ داخل ہو ÷ ÷ اما کی مثال جیسے لقیت القوم واما زید فاکرمتہ اسمیں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ مصحح ہے اور اس کے بعد فعل کا ہونا جس کے اندر فعل محذوف کے تفسیر کی صلاحیت ہے یہ نصب کا قرینہ مصحح ہے۔ اور زید کے بعد والے جملہ کا ماقبل کے جملہ پر عطف یہ نصب کا قرینہ مرجحہ ہے کیونکہ زید سے پہلے لقیت القوم جملہ فعلیہ ہے اور زید سے پہلے اگر فعل محذوف مانا جاتا ہے اور زید پر نصب پڑھا جاتا ہے تو یہ بھی جملہ فعلیہ ہوگا اس طرح سے دونوں جملوں میں مناسبت ہو جائے گی۔ رفع کا قرینہ مرجحہ اما کا اس اسم مذکور پر داخل ہونا ہے اور یہ قرینہ نصب کے قرینہ مرجحہ سے زیادہ قوی ہے کیونکہ نصب کو اس وجہ سے راجح کہا جارہا ہے کہ نصب پڑھنے کے وقت دونوں جملے فعلیہ ہوں گے اس طرح معطوف علیہ اور معطوف میں مناسبت پیدا ہوجائے گی لیکن ان دونوں میں مناسبت کوئی ضروری نہیں اس کے خلاف بھی بکثرت ہوتا ہے اکثر کلام عرب میں جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوتا رہتا ہے بخلاف اما کے کہ وہ ہمیشہ اسم ہی پر داخل ہوتا ہے اس میں تخلف نہیں ہوتا نیز رفع کی صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا معلوم ہوا کہ رفع کا قرینہ مرجحہ زیادہ قوی ہے۔

قولہ وانما قال مع غیر الطلب الخ - مصنفؒ نے اما کے ساتھ غیر طلب کی قید لگائی ہے اسکا فائدہ بیان کررہے ہیں اس قید سے اس صورت سے احتراز ہے جس میں اما کے بعد والے اسم کے بعد جملہ انشائیہ ہو جیسے واما زیداً فاضربہ (بصیغہ امر) تو اس صورت میں نصب مختار ہوگا

ومثل اما مع غیر الطلب اذا الواقعة علی الاسم المذکور للمفاجات فی کونہا من اقوی القرائن مثل خرجت فاذا زید یضربہ عمرو فان المختار فیہ الرفع فان اذا للمفاجاۃ لاتدخل الا علی الجملۃ الاسمیۃ غالبا وما وقع فی بحث الظروف من ان اذا للمفاجاۃ تلزم بعدھا الاسمیۃ فالمراد بلزوم الاسمیۃ غلبۃ وتوعہا بعدھا فلا تناقض و یختار النصب فی الاسم المذکور بالعطف ای بسبب عطف جملۃ ھو فیہا علی جملۃ فعلیۃ متقدمۃ للتناسب ای لرعایۃ التناسب بین الجملۃ المعطوفۃ والجملۃ المعطوف علیہا فی کونہما فعلیتین نحو خرجت فی یدا لقیتہ

---

کیونکہ رفع کی صورت میں جملہ انشائیہ کا خبر ہونا لازم آئے گا اور یہ بغیر تاویل کے صحیح نہیں شلا مقول فی حقہ اضرب سے پہلے محذوف ماننا پڑے گا۔

قولہ واذا للمفاجاۃ الخ۔ مفاجاۃ کے معنی ہیں اچانک کسی چیز کا ہونا۔ یہ اذا جب اسم مذکور پر داخل ہوگا تو اس میں بھی رفع مختار ہے جیسے خرجت فاذا زید یضربہ عمرو۔ اسمیں بھی رفع اور نصب کا قرینہ مصحح تو وہی ہے جو اس سے پہلے اما کی مثال میں بیان کیا گیا ہے قرینہ مرجحہ بھی دونوں کا ہے لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ زیادہ قوی ہے نصب کا قرینہ مرجحہ تو معطوف علیہ اور معطوف کی مناسبت ہے جس کی تقریر اما کی مثال میں گذر چکی ہے۔

رفع کا قرینہ مرجحہ ہے اذا کا دخول اسم مذکور پر اور یہ زیادہ قوی ہے کیونکہ اذا مفاجاتیہ اکثر اسم پر داخل ہوتا ہے نیز اسمیں حذف سے سلامتی بھی ہے۔ رہا یہ کہ اس میں عطف کی رعایت نہ ہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ عطف کی رعایت اتنی اہم نہیں تفصیل اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

قولہ وما وقع فی بحث الظروف الخ۔ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ نے بحث ظروف میں بیان کیا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد جملہ اسمیہ کا ہونا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اذا کے بعد والے اسم پر رفع ہوگا جس سے رفع کا واجب ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہاں مختار الرفع سے سمجھا جاتا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد رفع مختار ہے واجب نہیں۔

شارح نے جواب دیا کہ بحث ظروف میں لزوم سے مراد غلبہ و توع ہے مجازاً لزوم سے تعبیر کر دیا لہذا مصنفؒ کا کلام درست ہے اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

قولہ ویختار النصب الخ۔ اس سے پہلے رفع کے مختار ہونے کی صورتوں کا بیان تھا اب اختیار نصب کی صورتوں کا بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم مذکور جس جملہ میں واقع ہے اس کا عطف اس سے پہلے والے جملہ فعلیہ پر ہو تو اس میں نصب مختار ہوگا تاکہ معطوف اور

وبعد حرف النفی یعنی ما ولا وان ولیس ولـو ولما ولن من ھذہ الجملۃ اذھی عاملۃ فی المضارع ولا یقدر معمولھا لضعفھا فی العمل نحو ما زیدًا ضربتہ ولا زیدًا ضربتہ ولا عمرًا وان زیدًا ضربتہ الا تادیبا وبعد حرف الاستفھام نحو ازیدًا ضربتہ وانما قال حرف الاستفھام لانہ یختار الرفع فی اسم

معطوف علیہ کے درمیان تناسب حاصل ہو جائے جیسے خرجت فزیدًا لقیہ اس میں زیدًا سے پہلے خرجت جملہ فعلیہ ہے تو اگر زیدًا پر نصب پڑھا جائے تو اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا تو معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملہ فعلیہ ہوں گے اور دونوں میں مناسبت ہوگی اور اگر زید پر رفع پڑھا جائے تو معطوف علیہ جملہ فعلیہ ہوگا اور معطوف جملہ اسمیہ ہوگا دونوں میں مناسبت نہ ہوگی اس لئے نصب کو ترجیح دی جائے گی۔

قولہ وبعد حرف النفی الخ ۔ حرف نفی کے بعد اسم مذکور واقع ہو تو اس صورت میں بھی نصب مختار ہوگا اس کی وجہ آگے مصنفؒ اپنی عبارت اذ ہی مواقع الفعل سے بیان کریں گے۔

یہاں حرف نفی سے مراد ما اور لا اور ان ہیں لم، لما، لن، اسمیں داخل نہیں کیونکہ یہ تینوں فعل مضارع میں داخل ہوتے ہیں اسم میں داخل نہیں ہوتے۔ ما کی مثال جیسے ما زیدًا ضربتہ، لا کی مثال جیسے لا زیدًا ضربتہ ولا عمرًا، ان کی مثال جیسے ان زیدًا ضربتہ الا تادیبًا۔

قولہ وبعد حرف الاستفھام الخ اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اسمیں نصب مختار ہوگا۔ یہاں مصنفؒ نے حرف استفہام کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم استفہام میں رفع مختار ہے جیسے من اکرمتہ یہاں من حکما مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔

شارح کی عبارت لانہ یختار الرفع فی اسم الاستفھام پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ تو مصنفؒ کی عبارت بعد حرف الاستفہام کی وجہ بیان کر رہے ہیں مصنفؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اسم مذکور جو حرف استفہام کے بعد واقع ہو اسپر نصب مختار ہوگا اور آپ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ بعد حرف الاستفہام اس لئے کہا ہے کہ اسم استفہام میں رفع مختار ہے تو دعوٰی کچھ اور دلیل کچھ گفتگو نہ حرف استفہام میں ہو رہی ہے اور نہ اسم استفہام میں بلکہ ان کے بعد والے اسم کا اعراب بیان کیا جا رہا ہے کہ کہاں رفع مختار ہوگا اور کہاں نصب آپ تو خود اسم استفہام کا اعراب بیان کر رہے ہیں جیسا کہ آپ کی بیان کردہ مثال سے ظاہر ہو رہا ہے آپ نے مثال دی ہے من اکرمتہ اور فرمایا ہے کہ من اسم استفہام ہے اسپر رفع مختار ہے تو اعراب آپ نے اسم استفہام کا بیان کیا جو بحث سے خارج ہے ہاں اگر دلیل یہ ہوتی کہ اسم استفہام کے بعد جو اسم ہوتا ہے اسپر رفع مختار ہے اور

الاستفهام مثل من اکرمتہ ولویقل همزة الاستفهام لیشمل مثل هل زیدًا ضربتہ فانہ یجوز وان استقبحہ النحاة لاقتضاء هل لفظ الفعل لانہ بمعنی قد فی الاصل فلایکفی فیہ تقدیر الفعل وبعد اذا الشرطیة الدالة علی المجازاة فی الزمان نحو اذا عبدَ اللّٰہ تلقہ فاکرمہ وبعد حیث

---

حرف استفہام کے بعد جو اسم ہوتا ہے اسپر نصب مختار ہے اس لئے بعد حرف الاستفہام کہا بعد اسم الاستفہام نہیں کہا مثلا مثال ایسی ہوتی کہ من کے بعد کوئی اسم ہوتا اور اسپر رفع مختار ہوتا تو یہ دلیل دعوی کے مطابق ہوتی آپ نے تو خود من کا اعراب بیان کیا ہے نہ کہ من کے بعد والے اسم کا اسکا جواب یہ ہے کہ من اکرمتہ حکم میں ہے ازید اکرمتہ ام عمرو کے اور اسمیں زید استفہام کے بعد ہے لہذا حکما سمجھ لیا گیا ہے کہ من بھی بعد استفہام کے ہے، اس جواب پر احقر کو انشراح نہیں ہے۔

قولہ ولویقل همزة الاستفهام الخ ۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ حرف استفہام کے بعد جو اسم مذکور واقع ہوگا اسپر نصب آئے گا یہ نہیں کہا کہ ہمزہ استفہام کے بعد جو اسم آئے گا اسپر نصب مختار ہوگا اس کی وجہ شارح بیان کر رہے ہیں کہ یہ حکم جس طرح ہمزہ استفہام کا ہے اسی طرح لفظ ہل کا بھی یہی حکم ہے اس کے بعد اسم مذکور واقع ہو تو اسپر بھی نصب آئے گا جیسے ہل زیدًا ضربتہ اسمیں ہل کے بعد ایسا اسم ہے جس کے بارے میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا گمان ہو سکتا ہے کیونکہ زید اسم ہے اس کے بعد ضربتہ فعل ہے جو زید کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے زید پر عمل نہیں کر رہا ہے اس میں نصب کے مختار ہونے کی وجہ وہی ہے جس کو مصنفؒ آگے بیان کریں گے کہ یہ مواقع فعل میں سے ہے یعنی ہل کا دخول اکثر فعل پر ہوتا ہے اسلئے اس کی تقدیر ہل ضربت زیدًا ضربتہ ہے۔

قولہ فانہ یجوز وان استقبحہ النحاة الخ ۔ یعنی ایسی ترکیب جس میں ہل کے درمیان اور ہل کے بعد آنے والے فعل کے درمیان اسم کا فصل ہو جائے یہ ترکیب جائز تو ہے لیکن قبیح ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہل قد کے معنی میں ہے اور قد کے بعد فعل مقدر نہیں ہوتا لفظوں میں موجود ہوتا ہے اسی طرح ہل کے بعد بھی فعل لفظوں میں ہونا چاہیئے اس کی تقدیر کافی نہیں۔ لیکن یہ قباحت اسوقت ہے جب ہل کے بعد فعل ہو اور پھر ہل اور فعل کے درمیان اسم کا فصل آجائے اور اگر اس کے بعد ترکیب میں فعل نہیں آرہا تو پھر ہل کا دخول اسم پر قبیح نہ ہوگا جیسے ہل زید قائم۔

قولہ وبعد اذا الشرطیہ وحیث الخ ۔ یعنی جب اسم مذکور اذا شرطیہ یا حیث کے بعد واقع ہو تو اس اسم پر نصب مختار ہوگا کیونکہ اذا شرطیہ کی دلالت مجازات زمانی پر اور حیث کی مجازات مکانی پر ہوتی ہے یعنی اذا زمان پر دلالت کرتا ہے اور حیث مکان پر۔ ان دونوں کے بعد نصب کے مختار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اذا شرطیہ میں شرط کے معنی ہیں اور شرط کے لئے فعل ضروری ہے

الدالة علی المجازاة فی المکان نحو حیث زیدا تجدہ فاکرمہ وفی ما قبل الامر والنھی یعنی موضع وقوع الاسم المذکور قبل الامر والنھی مثل زیدًا اضربہ وزیدا لاتضربہ وانما اختیر فی ھذہ المواضع ای ما بعد حرف الاستفھام والنفی واذا الشرطیۃ وحیث وما قبل الامر والنھی النصب فی الاسم المذکور اذ ھی ای ھذہ المواضع مواقع الفعل ای مواضع وقوع الفعل فیھا اکثر فاذا نصب الاسم المذکور وقع فیھا الفعل تقدیرا والا فلا وکذلک یختار النصب فی الاسم المذکور عند خوف لبس المفسر ای التباس ما ھو مفسر فی حال النصب لکن لا من حیث ھو مفسر فی ھذہ الحالۃ بل من حیث ھو خبر فی حال الرفع بالصفۃ

---

لفظوں میں نہ ہو تو مقدر مانا جائیگا اور جب فعل مقدر ہوگا تو نصب اولیٰ ہوگا۔ اور حیث کو اذا سے مشابہت ہے کیونکہ یہ بھی اذا کی طرح فعل پر داخل ہوتا ہے اور شرط کے معنی پر دلالت کرتا ہے ۔ اذا کی مثال جیسے اذا عبداللہ تلقہ فاکرمہ[1]۔ حیث کی مثال جیسے حیث زیدا تجدہ فاکرمہ (جس جگہ تو زید کو پائے اس کی تعظیم کر۔

قولہ وفی ما قبل الامر والنھی الخ۔ یعنی اسم مذکور اگر امر اور نہی سے پہلے واقع ہو تو اسمیں نصب مختار ہوگا جیسے زیدًا اضربہ اور زیدًا لاتضربہ ان دونوں مثالوں میں زیدًا سے پہلے فعل مقدر ہوگا جس کی تفسیر مابعد کا فعل کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی اضرب زیدًا، ولاتضرب زیدًا، ماقبل کا فعل محذوف ہے اس کی تفسیر کر رہا ہے ۔

قولہ اذ ھی مواقع الفعل الخ۔ مواضع مذکورہ میں نصب کے مختار ہونے کی وجہ بیان کر رہے ہیں یعنی حرف نفی، حرف استفہام، اذا شرطیہ، حیث کے بعد اور امر و نہی کے ماقبل اسم مذکور واقع ہو تو اسمیں نصب اس وجہ سے مختار ہے کہ ان مواقع میں اکثر فعل لایا جاتا ہے اور چونکہ لفظوں میں نہیں ہے اسلئے مقدر مانا جائے گا اور جب فعل مقدر ہوگا تو نصب اولیٰ ہوگا۔

قولہ فاذا نصب الاسم المذکور الخ ۔ مطلب یہ ہے کہ اسم مذکور پر نصب پڑھنا یہ علامت ہوگی اسپر کہ فعل مقدر ہے اگر رفع پڑھا جائے تو یہ فعل کے تقدیر کی علامت نہ ہوگی کیونکہ رفع کی صورت میں تو مبتداء ہونے کا بھی احتمال ہے اسمیں فعل کے تقدیر کی کیا ضرورت ہے ۔

قولہ وعند خوف لبس المفسر بالصفۃ الخ ۔ یعنی اسم مذکور پر نصب پڑھنا اسوقت بھی مختار ہے جب رفع پڑھنے کی صورت میں مفسر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہو ۔

مصنفؒ کی اس عبارت پر اعتراض ہوتا ہے کہ مفسر تو اسم مذکور پر نصب پڑھنے کی صورت میں ہوتا ہے اور صفت کا احتمال حالت رفع میں ہے تو یہ دونوں ایک ساتھ جب جمع نہ ہوئے ہر ایک کی

---

[1] جسوقت تو عبداللہ سے ملاقات کرے تو اسکی تعظیم کر۔

فلا یعلم انہ خبر عن الاسم المذکور فی حال الرفع مع موافقتہ للمعنی المقصود او صفۃ لہ مع مخالفتہ للمعنی المقصود فالالتباس انما هو بین خبریۃ ذات ما هو مفسر علی تقدیر النصب و وصفیتہ لا بینہ بوصف التفسیر و بین الصفۃ فان الترکیب لا یجتمعا معا مثل قولہ تعالیٰ اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ بنصب کل علی الاضمار بشریطۃ التفسیر ولو رفع بالابتداء وجعل خلقناہ خبرا لہ کان موافقا للنصب فی اداء المقصود لکن خیف لبسہ بالصفۃ لاحتمال کون قولہ تع خلقناہ صفۃ لشیٔ و قولہ بقدر خبرا لہ و هو خلاف المقصود فان المقصود الحکم علی کل شی بانہ مخلوق لنا بقدر لا الحکم علی کل شیٔ مخلوق لنا انہ بقدر فانہ یوهم کون بعض الاشیاء الموجودۃ غیر مخلوقۃ للہ تعالیٰ کما هو

---

حالت علیحدہ ہے تو پھر مفسر کا التباس صفت کیساتھ ہو سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر سے مراد خبر ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ رفع کی صورت میں یہ پتہ نہ چلے گا کہ جو فعل اسم مذکور پر نصب کی صورت میں فعل محذوف کی تفسیر کر رہا تھا وہ اب رفع کی صورت میں اسم مذکور کی خبر ہے یا کسی اور اسم کی صفت ہے اگر اسم مذکور کی خبر ہے تو مقصود کے خلاف لازم نہیں آتا اور اگر کسی دوسرے اسم کی صفت ہے تو مقصود کے خلاف لازم آتا ہے اسلئے اس خطرہ سے بچنے کیلئے بہتر یہی ہے کہ اسم مذکور پر نصب پڑھا جائے۔ رہی یہ بات کہ جب مفسر سے مراد خبر ہے تو مصنفؒ نے اس کو مفسر کیوں کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے چونکہ نصب کی حالت میں وہ مفسر تھا اس لئے رفع کی حالت میں بھی اسپر مفسر کا اطلاق کر دیا ہے اگرچہ وہ اسوقت مفسر نہیں ہے حاصل یہ کہ یہاں مجاز ماکان ہے۔

قولہ مثل انا کل شیٔ خلقناہ بقدر الخ۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ اسمیں کل کو نصب اضمار علی شریطۃ التفسیر کی بنا پر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی خلقنا کل شیٔ بقدر کل شیٔ خلقنا کا مفعول ہے اور بقدر جار مجرور خلقنا کے متعلق ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا ہے اس آیت میں یہی بتانا مقصود ہے کہ تمام موجودات کے ہم خالق ہیں اور ہر چیز کو اس کے اندازہ کے ساتھ ہم ہی نے پیدا کیا ہے کوئی اور خالق نہیں ہے۔ اگر کلٌّ پر رفع پڑھا جائے تو اسمیں دو ترکیبیں ہیں کل شیٔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتدا، خلقناہ بقدر پورا جملہ اسکی خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، یہ ترکیب بھی مقصود کے مطابق ہے۔

اسمیں دوسرا احتمال یہ ہے کہ کل مضاف ہو اور شیٔ موصوف خلقناہ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر

مذهب المعتزلة في الافعال الاختيارية للعباد ويستوي الامر ان اي الرفع والنصب فلمتكلم ان يختار كل واحد منهما بلا تفاوت في مثل زيد قام وعمرًا اكرمته اي عنده او في داره ونحو ذلك والا لا يصح العطف على الصغرى لعدم الضمير اي يستوي الامر ان فيما اذا عطفت الجملة التي وقع فيها الامر المذكور على جملة ذات وجهين اي جملة اسمية خبرها جملة فعلية فيصح رفعه بالابتداء ونصبه بتقدير الفعل

---

شئ کی صفت۔ موصوف، صفت سے مل کر کل کا مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، اور بقدر جار مجرور مل کر کائن یا ثابت کے متعلق ہو کر مبتدا رکی خبر اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا کہ ہر ایسی چیز جس کو ہم نے پیدا کیا ہے وہ اندازہ کے ساتھ باقی دوسری چیزیں جس کو ہم نے پیدا نہیں کیا بلکہ کسی اور نے پیدا کیا ہے وہ اندازہ کے ساتھ نہیں (نعوذ باللہ) اور یہ مقصود کے خلاف ہے کیونکہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے ایسا نہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ افعال اختیاریہ کا خالق بندہ خود ہے۔ اسی واسطے کل پر نصب اختیار کیا گیا۔

قولہ ویستوی الامر ان الخ۔ اس سے پہلے وہ صورتیں بیان کی ہیں جس میں یا رفع مختار ہے یا نصب۔ اب وہ صورت بیان کر رہے ہیں جس میں دونوں ساوی ہیں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ زید قام وعمروًا اکرمتہ جیسی مثال میں رفع اور نصب دونوں مساوی ہیں اس سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں اس جملہ کا عطف جس میں ما اضمر علی شریطۃ التفسیر واقع ہے جملہ ذات الوجہین پر کیا جائے یعنی ایسے جملہ اسمیہ پر کیا جائے جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو تو اس صورت میں اسم مذکور پر رفع اور نصب دونوں مساوی ہیں جیسے مثال مذکور میں عمروا اکرمتہ ایک جملہ ہے جسمیں عمروا پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تعریف صادق آتی ہے۔ اس جملہ میں دو احتمال ہیں اگر عمرو پر رفع پڑھا جائے تو اس کا عطف جملہ اسمیہ کبری یعنی زید قام پر ہو گا یعنی پورے جملہ پر ہو گا جس کو جملہ کبری کہا گیا ہے اور عمرو پر نصب پڑھا جائے تو پھر اس جملہ کا عطف جملہ فعلیہ صغری یعنی صرف قام پر ہو گا جس کو جملہ صغری کہا گیا ہے اور عطف کی یہ دونوں صورتیں مساوی ہیں دونوں میں معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مناسبت ہے اس لئے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو گی اور رفع و نصب دونوں مساوی ہوں گے۔

شارح نے مصنفؒ کی بیان کردہ مثال کے بعد ای عندہ او فی دارہ کا اضافہ کیا ہے اسمیں ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ عمروا پر نصب پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ اس جملہ کا عطف جملہ صغری یعنی قام پر کیا جائے اور یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ قام زیدؒ مبتدا کی خبر ہے اور اسمیں

والوجهان مستويان لحصول التناسب فيهما ففي الرفع تكون اسمية فتعطف على الجملة الكبرى وهي اسمية وفي النصب تكون فعلية فتعطف على الصغرى وهي فعلية فان قلت السلامة من الحذف مرجحة للرفع قلنا هي معارضة بقرب المعطوف عليه فان قلت لاتفاوت في القرب والبعد بينهما اذ الكبرى ايضا قريبة غير مفصولة عنها قلنا هذا باعتبار المنتهى

---

کو ضمیر زید کی طرف راجع ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ مبتداء کی خبر اگر جملہ ہو تو اسمیں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے مثلاً ضمیر ہو جو مبتداء کی طرف راجع ہے۔ اور عمرو اکرمتہ میں کوئی ضمیر نہیں جو زید مبتداء کی طرف راجع ہو رہی ہو۔ لہذا قام پر اس کا عطف صحیح نہیں اور جب عطف صحیح نہیں تو نصب پڑھنا صحیح نہیں۔

شارح نے عندہ اسی طرح فی دارہ نکال کر یہ بتایا کہ عمرو اکرمتہ کے بعد عندہ یا فی دارہ وغیرہ محذوف ہے اس میں ضمیر زید مبتدار کی طرف راجع ہے لہذا جس طرح قام کا خبر بننا صحیح ہے عمرو اکرمتہ کا بھی مبتدا کی خبر بننا صحیح ہے۔

قولہ فان قلت السلامۃ من الحذف الخ ۔ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ نصب پڑھنے کی صورت میں اسم مذکور سے پہلے فعل محذوف ماننا پڑتا ہے ۔ اور رفع کی صورت میں فعل محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ لہذا حذف سے سلامتی رفع کے لئے مرجح ہوگا تو پھر دونوں امر مساوی کیسے ہو سکتے ہیں ۔ اس کا شارح نے جواب دیا کہ نصب کی صورت میں عطف جملہ صغری پر ہوگا مثلاً مثال مذکور میں قام پر ہوگا اور رفع پڑھنے کی صورت میں جملہ کبری یعنی زید قام پر ہوگا اور قام بہ نسبت زید قام کے قریب ہے تو اگر حذف سے سلامتی رفع کے لئے مرجح ہے تو قرب معطوف علیہ نصب کیلئے مرجح ہے اس طرح سے یہ دونوں مساوی ہو گئے۔

اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ رفع کی صورت میں بے شک جملہ کبری یعنی زید قام پر عمرو اکرمتہ کا عطف ہو رہا ہے لیکن اسمیں معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان بُعد نہیں ہے جیسے ہی معطوف علیہ ختم ہوا ہے اس کے بعد ہی معطوف شروع ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ خواہ جملہ کبری پر عطف ہو یا صرف صغری یعنی قام پر عطف کیا جائے قرب اور بُعد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ۔ لہذا قرب و بعد کا قصہ چھیڑ کر معارضہ نہیں کیا جا سکتا اور جب آپ کا معارضہ صحیح نہ ہوا تو ہماری بات مان لینی چاہئے کہ رفع کی صورت میں چونکہ فعل محذوف نہیں ماننا پڑتا اسلئے رفع کو ترجیح ہونی چاہئے۔

اس کا جواب شارح نے قلنا ھذا باعتبار المنتہی سے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی تقریر سے عدم تفاوت منتہی کے اعتبار سے ثابت ہوا اور ہم تفاوت ثابت کر رہے ہیں مبداء کے اعتبار سے۔

واما باعتبار المبدأ فالصغریٰ اقرب ف ویجب النصب ای نصب الاسم المذکور بعد حرف الشرط والمراد به ههنا ان ولو فان اما وان کانت من حروف الشرط فحکمها ما سبق من اختیار الرفع مع غیر الطلب واختیار النصب مع الطلب وکذا یجب نصبه بعد حرف التحضیض وهو هلا والا ولولا ولوما وانما وجب النصب بعدهما لوجوب دخولهما علی الفعل لفظًا او تقدیرًا نحو ان زیدًا ضربته ضربک مثال لحرف الشرط والا زیدًا ضربته

---

چنانچہ نصب کی صورت میں معطوف علیہ قام ہے جو معطوف کے بالکل متصل ہے کسی قسم کا فصل نہیں ہے۔ اور رفع پڑھنے کی صورت میں معطوف علیہ زید قام ہے اس میں معطوف علیہ کی ابتداء زید سے ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت قام کے زید بعید ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا معارضہ صحیح ہے کہ اگر رفع کی صورت میں حذف سے سلامتی ہے تو نصب کی صورت میں معطوف علیہ کا قرب ہے اس لئے رفع اور نصب میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

قولہ ویجب النصب الخ۔ استواء امرین کے بعد نصب کے وجوب کی صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اسم مذکور اگر حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد واقع ہو تو اسپر نصب آئے گا۔ حرف شرط کی مثال ان زیدًا ضربتہ ضربک ہے، اصل عبارت یہ تھی ان ضربت زیدًا ضربتہ ضربک، توضیح گذر چکی ہے حرف تحضیض کی مثال الا زیدًا ضربتہ ہے اسکی اصل الا ضربت زیدًا ضربتہ ہے پہلے فعل کو حذف کر دیا اور زیدًا کے بعد والا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

حرف شرط کے بعد نصب کے واجب ہونیکی وجہ یہ ہیکہ حرف شرط تعلیق زمانی پر دلالت کرتا ہے اور زمانہ پر فعل ہی دلالت کرتا ہے اس لئے حرف شرط فعل پر داخل ہوگا خواہ فعل لفظوں میں ہو یا مقدر رہو اور وہ فعل اس اسم کو نصب دے گا رفع کا احتمال نہیں۔

حرف تحضیض بھی ہمیشہ فعل ہی پر داخل ہوتا ہے فعل ماضی پر تقدیم کیلئے آتا ہے یعنی یہ بتانے کیلئے آتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اس کام کو کیوں نہیں کیا اس کو تاہی پر مخاطب کو ندامت ہوتی ہے اسلئے اس کو حرف تندیم بھی کہتے ہیں اور مضارع پر ترغیب اور تحضیض کیلئے یعنی کسی کام پر رغبت دلانے کیلئے اور برانگیختہ کرنے کیلئے آتا ہے تاکہ آئندہ اس کام پر آمادہ ہوجائے اور ماضی و مضارع فعل ہیں اور فعل نصب دے گا اسلئے ان دونوں صورتوں میں نصب واجب ہوگا۔

قولہ ولیس المراد ههنا الخ۔ مصنفؒ کی عبارت بعد حرف الشرط میں حرف شرط مطلق ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تمام حروف شرط کا یہ حکم ہوگا کہ ان کے بعد اسم مذکور پر نصب واجب ہوگا

مثال لحرف التحضيض وليس مثل ازيد ذهب به منه اى من باب الاضمار على شريطة التفسير فان زيداً فيه وان كان يظن فى بادى النظر انه مما اضمر عامله على شريطة التفسير والمختار فيه النصب لوقوع الاسم المذكور فيه بعد حرف الاستفهام لكن يظهر بعد تعمق النظر انه ليس منه فانه وان صدق عليه انه اسم بعده فعل مشتغل عنه بضميره لكنه ليس بحيث لو سلط عليه هو او مناسبه لنصبه لان ذهب به لا يعمل النصب ولكن امناسبه اعنى اذهب فان قلت لا ينحصر المناسب فى اذهب فليقدر مناسب آخر ينصبه مثل يلابس او اذهب على صيغة المعلوم فيكون تقديره

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اما اگر غیر طلب کے ساتھ ہے تو رفع مختار ہے اور اگر طلب کیساتھ مثلاً امر ونہی کے ساتھ ہے تو نصب مختار ہے واجب نہیں۔

شارح نے اپنی عبارت سے یہ بتایا کہ اما کا حکم پہلے بیان کیا جا چکا ہے لہٰذا وہ حرف شرط کے اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

قولہ ولیس مثل ازید ذهب به منه الخ۔ اس عبارت سے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ اس سے پہلے مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ حرف استفہام کے بعد اسم مذکور اگر واقع ہو تو اسمیں نصب مختار ہے اور ازید ذہب بہ میں زید ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہے لیکن اس میں نصب جائز ہے مختار ہونا تو درکنار۔

مصنفؒ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ مثال ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں کیونکہ اس کی تعریف اس پر صادق نہیں جو اسم ایسا ہو کہ اس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے یا اس کے متعلق پر عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم پر عمل نہ کر رہا ہو لیکن اگر اس فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مقدم کر دیا جائے تو اس اسم پر نصب آئے اور مثال مذکور میں ذہب کو اگر زید پر مقدم کیا تو وہ زید کو نصب نہ دے گا کیونکہ باء کیساتھ مقدم کرتے ہیں تو عبارت ہوگی ذہب بزید اس صورت میں زید مجرور ہوگا اور بغیر باء کے مقدم کرتے ہیں تو عبارت ہوگی ذُہِبَ زید اور یہ فعل مجہول ہے وہ اپنے نائب فاعل کو رفع دیتا ہے نہ کہ نصب اور اگر اس کا مناسب مثلاً اُذہب نکالا جائے تو وہ بھی مجہول ہے نائب فاعل کو رفع دے گا نہ کہ نصب تو جب تسلیط کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی تو یہ باب اضمار سے خارج ہوگا اور اعتراض مبنی تھا اس پر کہ یہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے ہے۔

قولہ فان قلت لا ینحصر المناسب الخ۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ تسلیط میں اس کی گنجائش ہے کہ بعینہ فعل کی تسلیط ہو یا اس کے مناسب مرادف یا مناسب لازم کی ہو اور آپ کو

زیدًا یلابسہ الذھاب بہ او یلابسہ احد بالذھاب بہ او اذھبہ احد قلنا المراد بالمناسب ما یرادف الفعل المذکور او یلازمہ مع اتحاد ما اسند الیہ فالاتحاد فیما ذکر تہ مقصود و اذا کان الامر کک فالرفع ای رفع زید فی المثال واجب بالابتداء و نصبہ غیر جائز بالمفعولیۃ فلیس من باب الاضمار علی شریطۃ التفسیر فکیف مما یختار فیہ النصب وکذا ای مثل ازید ذھب بہ قولہ تعالیٰ کل شیٔ فعلوہ فی الزبر ای فی

---

چونکہ اس مثال کو باب اضمار سے خارج کرنا ہے اسلئے ایسا مناسب تجویز کیا جو نصب نہیں دے سکتا مناسب کا انحصار آپ کی تجویز کردہ مثال میں نہیں ہے ہم ایسا مناسب تجویز کرتے ہیں جو اسم مذکور کو نصب دے گا مثلاً یلابس فعل مضارع معروف یا اذہب ماضی معروف کا صیغہ نکالیں گے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی ازیدًا یلابسہ الذہاب بہ یا اذہبہ احد۔

قولہ قلنا المراد بالمناسب الخ ـ اعتراض مذکور کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فعل کے مناسب مرادف یا مناسب لازم کی تسلیط ہو جائے تو یہ بھی نصب دینے کیلئے کافی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تو شرط ہے کہ فعل مقدر اور فعل مذکور کا مسند الیہ یعنی فاعل ایک ہو، اور یہاں ایسا نہیں، کیونکہ فعل مقدر کا فاعل یا ذہاب ہے یا احد ہے اور فعل مذکور کا فاعل زید ہے جب مسند الیہ دونوں کا ایک نہیں تو تسلیط کیسے درست ہو سکتی ہے۔ اور جب تسلیط نہ ہو سکی تو اسپر مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع واجب ہوگا نصب جائز نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نصب کے واجب ہونے کی صورت ہے اسی طرح رفع کے واجب ہونے کی بھی صورت ہے اس طرح سے مظان ما اضمر عاملہ میں پانچ صورتیں نکلیں جن کو شروع میں بیان کیا گیا ہے

قولہ وکذالک کل شیٔ فعلوہ فی الزبر الخ ـ یعنی جسطرح ازید ذہب بہ اضمار علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں اس طرح کل شیٔ الخ بھی اس سے خارج ہے اس سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو ما اضمر عاملہ کی صورت میں ہو اور اس کے بعد ایسا فعل ہو جو اسپر عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو اور اگر اس فعل کو اس اسم پر مقدم کر دیں اور اسم مذکور پر نصب پڑھیں تو معنی فاسد ہو جائیں جیسا کہ آیت مذکورہ میں اگر فعل کو مقدم کریں تو عبارت یہ ہوگی فعلو کل شیٔ فی الزبر۔ اس صورت میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں۔

(۱) کل شیٔ فعلوا کا مفعول ہو اور فی الزبر جار مجرور فعلو کے متعلق ہو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ لوگوں نے اعمال کیئے نامۂ اعمال میں اور یہ فاسد ہے اس واسطے کہ نامۂ اعمال لوگوں کے اعمال کا محل نہیں ہے۔

صحائف أعمالهم فهو ليس من باب الإضمار على شريطة التفسير لأنه لو جعل منه لصار التقدير فعلوا كل شئ في الزبر فقوله في الزبر إن كان متعلقا بفعلوا فسد المعنى لأن صحائف أعمالهم ليست محلا لفعلهم ولا هم لو يوقعوا فيها فعلا بل الكرام الكاتبون أوقعوا فيها كتابة أفعالهم وإن كان صفة لشئ مع أنه خلاف ظاهر الآية فات المعنى المقصود إذ المقصود أن كل شئ هو مفعول لهم كائن في الزبر مكتوب فيها موافقا بقوله تعالى وكل صغير وكبير مستطر لأن كل شئ كائن في صحائف أعمالهم مفعول لهم فالرفع لازم على أن يكون كل شئ مبتدأ والجملة الفعلية صفة لشئ والجار والمجرور في محل الرفع على أنه خبر المبتدأ تقديره كل شئ هو مفعول لهم ثابت في الزبر بحيث لا يغادر صغيرة ولا كبيرة واعلم أنه قد سبق أن الاسم المذكور إذا كان الفعل

---

(۲) فعلوا فعل ضمیر اسمیں فاعل کل مضاف شئ موصوف فی الزبر جار مجرور مل کر کائن یا ثابت کے متعلق ہو کر شئ کی صفت موصوف صفت مل کر کل کا مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر فعلوا کا مفعول فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا نامۂ اعمال میں جو چیزیں درج ہیں ان سب کو بندوں نے کیا ہے۔ اسمیں معنی تو نہیں فاسد ہوتے لیکن مقصود کے خلاف ہے اسلئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ لوگوں کے سارے اعمال نامۂ اعمال میں درج ہیں یہ مقصد نہیں کہ جو کچھ نامۂ اعمال میں درج ہے وہ بندوں کے افعال ہیں۔

معلوم ہوا کہ نصب کی صورت میں یا تو معنی کا فساد لازم آتا ہے یا مقصود کے خلاف لازم آتا ہے اور رفع کی صورت میں ان دونوں خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں ترکیب یہ ہوگی کل مضاف شئ موصوف فعلوا پورا جملہ شئ کی صفت موصوف صفت مل کر کل کا مضاف الیہ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مبتدا، فی الزبر کائن کے متعلق ہو کر خبر۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر ایسی چیز جو بندوں نے کی ہے وہ سب نامۂ اعمال میں درج ہے کوئی چیز چھوٹی نہیں یہ معنی اللہ پاک کے قول کل صغیر وکبیر مستطر کے عین موافق ہیں۔

قولہ واعلم انہ قد سبق الخ۔ اس سے پہلے آپ نے پڑھا ہے کہ جس اسم پر ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا گمان ہوتا ہو وہ اگر امر یا نہی سے پہلے واقع ہو تو اسپر نصب مختار ہوتا ہے اس قاعدہ کی بنا پر الزانیۃ والزانی جو آیت مذکورہ میں واقع ہے اسپر نصب ہونا چاہئے حالانکہ قراء ان کے رفع پر متفق ہیں نصب جائز نہیں کہتے۔ سوائے ایک قراءۃ شاذہ کے جس کا کوئی اعتبار نہیں لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ یا تو نحویوں کا قاعدہ غلط ہے یا قراء کا اتفاق رفع پر صحیح نہیں لیکن قراء

المشتغل عنہ بضمیرہ او متعلقہ امرا ونہیا فالمختار فیہ النصب والظاہر ان قولہ تعالیٰ
الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ داخل تحت ہذہ القاعدۃ
مع ان القراء اتفقوا فیہ علی الرفع الا فی روایۃ شاذۃ عن بعضہم فاضطر النحاۃ الی
ان تمحلوا الاخراجہ عن القاعدۃ المذکورۃ لئلا یلزم اتفاق القراء علی غیر المختار
فاشار المصنف الی تمحلوا الاخراجہ عنہا فقال ونحو الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل
واحد منہما مائۃ جلدۃ الفاء فیہ مرتبطۃ بمعنی الشرط عند المبرد لکون الالف واللام
فی الزانیۃ والزانی مبتداء موصولا فیہ معنی الشرط واسم الفاعل الذی ہو صلتہ کالشرط
فخبر المبتدا کالجزاء والفاء الداخلۃ علیہ مرتبطۃ بالشرط لدلالتہا علی سببیتہ
للجزاء ومثل ہذہ الفاء لایعمل مافی حیزہا فی ما قبلہا فامتنع تسلیط الفعل المذکور بعدہا
علی ماقبلہا فتعین فیہ الرفع والآیۃ جملتان مستقلتان عند سیبویہ اذ الزانیۃ
مبتدا لحذف المضاف والزانی عطف علیہ والخبر محذوف ای حکم الزانیۃ
والزانی فیما یتلی علیکم بعد وقولہ فاجلدوا جملۃ ثانیۃ لبیان الحکم الموعود

---

کے اتفاق کو غلط نہیں کہا جا سکتا کیونکہ انھوں نے جسپر اتفاق کیا ہے وہ قرآن منزل من اللہ ہے وہ کیسے غلط ہوسکتا ہے معلوم ہوا کہ نحاۃ کا قاعدہ صحیح نہیں۔

اس کا جواب مبرد نے یہ دیا ہے کہ الزانیۃ والزانی یہ دونوں اسم فاعل کے صیغے ہیں اور اسم فاعل پر جو الف ولام آتا ہے وہ اسم موصول ہے اور اسم فاعل اس کا صلہ ہے موصول صلہ مل کر مبتدا ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے اور اس کی خبر فاجلدوا ہے جو جزاء کے درجہ میں ہے اور اسپر جو فاء داخل ہے وہ فاء جزائیہ ہے اور سببیہ ہے جس کی وجہ سے اس کے مابعد کا ماقبل سے ربط پیدا ہوگیا ہے جس طرح جزاء کا ربط شرط کے ساتھ ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ فاء جزائیہ سببیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا اسلئے اجلدوا کو الزانیۃ والزانی پر مقدم نہیں کرسکتے۔ لہذا یہ ما اضمر عاملہ الخ کے باب سے نہ ہوا کیونکہ اسمیں بحیثیت سلط علیہ لنصبہ کی قید ہے اور جب تسلیط نہیں ہوسکتی تو الزانیۃ والزانی پر مبتداء ہونے وجہ رفع ہوگا۔

سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دو جملے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ الزانیۃ والزانی سے پہلے مضاف محذوف ہے مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے آیت کی تقدیر یہ ہے حکم الزانیۃ والزانی فیما یتلی علیکم (زانیہ اور زانی کا حکم ابھی تمہارے سامنے بیان کیا جائے گا) اسمیں حکم الزانیۃ والزانی مبتداء ہے اور فیما یتلی علیکم خبر ہے۔ مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہے اور فاجلدوا الخ اس حکم موعود کا بیان ہے یہ علیحدہ جملہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک جملہ کا جزاء دوسرے جملہ کے جزء پر عمل نہیں کرتا اسلئے اجلدوا کو الزانیۃ والزانی پر مقدم

والفاء عنده ایضا للسببیة ای ان ثبت زناهما فاجلدوا وقیل زائدة او للتفسیر وجزاء لجملة لا یعمل فی جزء جملة اخری فیمتنع التسلیط فلا تدخل فی الضابطة فتعین الرفع والا ای وان لم تکن الفاء بمعنی الشرط ولم تکن الأیة جملتین ایضا فهی تکون داخلة تحت الضابطة فالمختار حینئذ فیها النصب واختیار النصب باطل لاتفاق القراء علی الرفع فلا بد من جعل الفاء بمعنی الشرط او جعل الأیة جملتین التعیین الرفع الرابع من تلک المواضع التی وجب حذف الناصب للمفعول به فیها التحذیر وانما وجب حذف الفعل فیه لضیق الوقت عن ذکره وهو فی اللغة تخویف شئ عن شئ وتبعیده

---

کرکے اس کو نصب نہیں دے سکتے۔

قولہ والفاء عنده ایضا للسببیة الخ۔ مطلب یہ ہے کہ سیبویہ کے نزدیک آیت دو جملے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی فاء سببیہ جزائیہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے ان ثبت زناهما فاجلدوا اول جملہ شرط ہے اور فاجلدوا اس کی جزاء ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ فاء زائدہ ہے اور اس بات کی تاکید کیلئے ہے کہ جملہ ثانیہ حکم موعود کے بیان کیلئے پہلے جملے سے ملحق ہے یا فاء کو تفسیر کیلئے مانا جائے یعنی جس حکم کا وعدہ کیا گیا ہے ثانی جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے کہ وہ حکم موعود یہ ہے۔

قولہ والا فالمختار النصب الخ۔ مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں سیبویہ اور مبرد کا مسلک اختیار کیا جائے یعنی یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ فاء بمعنی شرط ہے اور نہ آیت دو جملے ہوں تو پھر نحویوں کے قاعدہ کے مطابق نصب مختار ہونا چاہیئے کیونکہ اسم مذکور امر سے پہلے ہے لیکن نصب کا اختیار کرنا صحیح نہیں جیسا کہ ہم نے کہا کہ قراء سبعہ نے رفع پر اتفاق کیا ہے جس کو باطل نہیں کہا جا سکتا جس کی وجہ ہم نے ماقبل میں بیان کر دی ہے اس لئے لامحالہ مبرد یا سیبویہ میں سے کسی ایک کی بات ماننی پڑے گی۔ اس میں قراء کا اتفاق اور نحاۃ کا قاعدہ مذکورہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست رہتے ہیں۔

قولہ الرابع التحذیر الخ۔ یہ چوتھا موقع تحذیر ہے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے اس میں فعل کا حذف وقت کی تنگی کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ اصل مقصود تو محذر منہ سے کسی کو بچانا ہے اور فعل کے ذکر نے اور اس کے تلفظ میں کچھ وقت تو صرف ہوتا ہی ہے اس میں اندیشہ ہے کہ وہ شخص محذر منہ کی زد میں آجائے اور اس کا نقصان ہو جائے۔

مصنفؒ نے تحذیر کی اصطلاحی تعریف کی ہے لغوی نہیں کی اس لئے شارح اس کی لغوی تعریف کر رہے ہیں کہ تحذیر کے معنی لغت میں کسی کو کسی شئی سے ڈرانا اور اس سے دور کرنا ہے۔

منہ وفی الاصطلاح النحاۃ معمول ای اسم عمل فیہ النصب بالمفعولیۃ بتقدیر اتق تحذیرًا ای حذر ذلک المعمول تحذیرًا فیکون مفعولاً مطلقا اوذکر تحذیرا فیکون مفعولا لہ مما بعدہ ای مما بعد ذلک المعمول اوذکر المحذر منہ مکررًا علی صیغۃ المجہول عطف علی حذر اوذکر المقدر فان قلت فعلی ھذا الابد منہ من ضمیر فی المعطوف کمافی المعطوف علیہ قلنا نعم ولکنہ وضع فی المعطوف المظہر موضع المضمر اذ تقدیر الکلام او معمول بتقدیر ذکر مکرر الا انہ وضع المحذر منہ موضع الضمیر العائد الی المعمول اشعارا بانہ محذر منہ لامحذر مثل ایاک والاسد وایاک وان تحذف ھذان

---

اصطلاح میں تحذیر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو اتق یا بعد مقدر کا معمول ہو اور بنا برمفعولیت منصوب ہو اسکی دو قسمیں ہیں (۱) اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس کو مابعد سے ڈرایا جائے۔ (۲) اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور محذر منہ مکرر ہو۔

مصنفؒ نے اپنے قول ذکر المحذر منہ مکررا میں اسی دوسری قسم کو بیان کیا ہے اس کا معطوف علیہ۔ حذر یا ذکر فعل مجہول ہے جو تحذیرا سے پہلے نکالا جائے گا اگر حذر محذوف مانا جائے تو تحذیرا مفعول مطلق ہوگا اور ذکر محذوف مانا جائے تو تحذیرا اس کا مفعول لہ ہوگا۔

لیکن اس عطف پر اعتراض ہوتا ہے کہ ذکر المحذر منہ مکررا کا عطف حذر یا ذکر پر صحیح نہیں ہے کیونکہ تحذیرا سے پہلے حذر یا ذکر فعل نکالا جائیگا اس میں ضمیر ہے جو معمول کی طرف راجع ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ میں اگر ضمیر کسی اسم کی طرف راجع ہو تو معطوف میں بھی ایسی ضمیر ہونی چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معطوف میں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر کو لاتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے اور یہاں اسم ظاہر لانا اسواسطے ضروری تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تحذیر کی دوسری قسم میں معمول محذر منہ ہوگا اگر ایسا نہ کرتے اور ضمیر لاتے تو جسطرح تحذیر کی پہلی قسم میں معمول محذر ہے دوسری قسم میں بھی محذر ہوتا۔

قولہ مثل ایاک والاسد الخ۔ یہ تحذیر کی پہلی قسم کی مثال ہے یہ اصل میں بعدک والاسد ہے کاف ضمیر سے پہلے نفس کا اضافہ کیا گیا ہے ایسا نہ کرتے تو ضمیر فاعل جو بعد میں ہے اور ک ضمیر مفعول ان دونوں کا اتصال لازم اور یہ علاوہ افعال قلوب کے دوسری جگہ جائز نہیں۔ بعد فعل کو تنگی وقت کیوجہ سے حذف کیا گیا جب فعل حذف ہوگیا تو لفظ نفس کو بھی حذف کر دیا گیا کیونکہ اس کو تو ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول کے درمیان فصل کیلئے لایا گیا تھا اب فعل کے حذف کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہی پھر ضمیر متصل جو ک ہے اس کو منفصل کرلیا گیا اس تغیر کے بعد موجودہ شکل ہوگئی۔

قولہ وایاک وان تحذف الخ۔ حذف کے معنی ہیں لاٹھی سے خرگوش کو مارنا یہ بھی تحذیر

مثالان لاول نوعي التحذير ومعناهما بعد نفسك من الاسد والاسد من نفسك وبعد نفسك عن حذف الارنب وهو ضربه بالعصا وبعد حذف الارنب عن نفسك وعلى التقديرين المحذر منه هو الاسد والحذف فان المراد من تبعيد الاسد او الحذف من نفسك تحذيرها منهما لا تحذيرهما منها والطريق الطريق مثال لثاني نوعيه اي اتق الطريق الطريق ولا يخفى عليك ان تقدير اتق في اول النوعين غير صحيح لانه لا يقال اتقيت زيدا من الاسد فينبغي ان يقدر فيه مثل بعد ونحو وتقدير بعد في مثال النوع الثاني غير مناسب لان المعنى على الاتقاء عن الطريق لا على تبعيده فالصواب ان يقال بتقدير بعد او اتق ونحوهما فيقدر مثل بعد في

---

کی پہلی قسم کی مثال ہے فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں محذرمنہ اسم تحقیقی ہے اور دوسری قسم میں اسم تاویلی ہے جو ان مصدریہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اسی فرق کیوجہ سے دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

قولہ والطریق الطریق الخ۔ یہ تحذیر کی دوسری قسم کی مثال ہے اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو راستے سے بچا اس میں خطرہ ہے۔

قولہ لا یخفی علیک الخ۔ اعتراض کر رہے ہیں کہ مصنفؒ نے تحذیر کی جو تعریف کی ہے وہ تمام اقسام پر صادق نہیں آتی کیونکہ ہر جگہ اتق مقدر نہیں مانا جاسکتا بعض جگہ اتق کی تقدیر صحیح ہے اور بعض جگہ صحیح نہیں وہاں بَعِّدْ یا اس کے ہم معنی کوئی فعل مقدر ہوتا ہے چنانچہ تحذیر کی پہلی دونوں مثالوں میں اتق مقدر نہیں ہوسکتا کیونکہ اتق فعل لازم ہے اور لازم کیلئے مفعول نہیں ہوتا مثلاً اتقیت زیدا من الاسد نہیں کہہ سکتے کیونکہ اتقیت لازم ہونیکی وجہ سے زیداً کو مفعول نہیں بنا سکتا اور تحذیر کی دوسری قسم جس میں محذرمنہ مکرر ہوتا ہے وہاں بَعِّدْ اور اس کے ہم معنی فعل کو مقدر نہیں مان سکتے مثلاً بعد الطریق الطریق نہیں کہہ سکتے کیونکہ مخاطب سے راستہ کو دور کرنا مقصود نہیں بلکہ راستے سے مخاطب کو دور کرنا مقصود ہے۔

بہرحال ہر جگہ نہ تو اتق مقدر ہوسکتا ہے اور نہ ہر جگہ بعد مقدر ہوسکتا ہے اس لئے مصنفؒ کو چاہئے تھا کہ تعریف اس طرح کرتے التحذیر ہو معمول بتقدیر اتق او بَعِّدْ تاکہ جہاں جس کو مقدر مانا جاسکتا ہو وہاں مقدر مانا جائے۔ پہلی دونوں مثالوں میں بَعِّدْ کی تقدیر صحیح ہے اس لئے وہاں بعد مقدر مانا جائے گا اور تحذیر کی دوسری قسم میں اتق کی تقدیر صحیح ہے اس لئے وہاں اتق مقدر مانا جائے۔

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب اتق لازم ہے اور وہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا تو کسی صورت میں بھی اس کی تقدیر صحیح نہیں کیونکہ فعل ایسا مقدر مانا جائے گا جو اسم کو مفعول کی بنا پر نصب دے تو پھر تحذیر کی دوسری قسم میں الطریق الطریق کی تقدیر اتق الطریق الطریق کیسے ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں

جمیع افراد النوع الاول وفی بعض افراد النوع الثانی مثل نفسك نفسك فان المعنی علی بعد نفسك مما یوذیك كالاسد ونحوه ویقدر مثل اتق فی بعضها كالمثال المذکور قیل لفظ الاسد فی ایاك والاسد خارج عن النوعین فینبغی ان لا یکون تحذیرا ولیس کذلك فانه ایضا تحذیر واجیب انه تابع للتحذیر والتوابع خارجة عن المحدود بدلیل ذکرها فیما بعد ونقول فی قسمی النوع الاول ایاك من الاسد کما کنت تقول ایاك والاسد ومن ان تحذف کما کنت تقول ایاك وان تحذف ونقول فی المثال

---

عن حرف جار محذوف ہے۔ اصل عبارت تھی اتق عن الطریق الطریق لفظ عن کو حذف کر کے مجرور کو اتق فعل کے ساتھ ملا دیا نحویوں کے یہاں اس کو حذف وایصال کہتے ہیں اور اسکا وقوع اکثر ہوتا رہتا ہے۔

**قولہ قیل لفظ الاسد الخ۔** اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مصنفؒ نے تحذیر کی مثال میں ایاک والاسد کو بیان کیا ہے۔ حالانکہ تحذیر کی دو قسموں میں سے کسی قسم میں وہ داخل نہیں کیونکہ تحذیر کی پہلی قسم میں معمول محذر ہوتا ہے اس کیلئے محذر منہ کا ہونا ضروری ہے اور اسد کے بعد کوئی اسم نہیں ذکر کیا گیا جس کو محذر منہ کہا جا سکے اور تحذیر کی دوسری قسم میں محذر منہ مکرر ہوتا ہے اور اسد مکرر نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مثال مذکور میں لفظ اسد حقیقت میں تحذیر نہیں ہے تابع تحذیر ہے کیونکہ تحذیر پر عطف ہے اور معطوف معطوف علیہ کے حکم میں شریک ہوتا ہے تو جب تحذیر نہیں ہے مجازاً تحذیر کہہ دیا جاتا ہے تو اگر تحذیر کی تعریف صادق نہ آئے تو نہ آنے دیجئے۔

**قولہ ونقول فی قسمی النوع الاول الخ۔** مصنفؒ یہاں سے تحذیر کی دو قسموں میں محذر منہ کے استعمال کی صورتیں بیان کر رہے ہیں محذر منہ کے استعمال کی عقلاً آٹھ صورتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ محذر منہ یا اسم تحقیقی ہوگا یا اسم تاویلی ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں ان کا استعمال واو کیساتھ ہوگا یا من کے ساتھ یہ چار صورتیں ہوئیں پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کی دو، دو صورتیں ہیں واو اور من مذکور ہوں گے یا محذوف اس طرح سے آٹھ شرطیں ہوئیں۔

لیکن تین صورتیں مستعمل نہیں (۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واو محذوف ہو (۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واو محذوف ہو (۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور من محذوف ہو یہ تین صورتیں خارج ہیں باقی پانچ صورتوں کا استعمال درست ہے۔

(۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور من مذکور ہو (۲) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور من مذکور ہو (۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واو مذکور ہو (۴) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واو مذکور ہو (۵) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور من محذوف ہو۔ اب مصنفؒ اور شارح کے بیان کردہ مثالوں کو مثل لہا سے منطبق کیجئے۔

الاخیر ایاک ان تحذف بتقدیر من ای ایاک من ان تحذف لان حذف حرف الجر عن ان وان قیاس ولا تقول فی المثال الاول ایاک الاسد لامتناع تقدیر من وشذوذہ مع غیر ان وان فان قلت فلیکن بتقدیر العاطف قلنا حذف العاطف اشذ شذوذا لان حذف حرف الجر قیاس مع ان وان فشاذ کثیر فی غیرھما واما حذف العاطف فلو یثبت الا نادرًا المفعول فیہ ھو ما فعل فیہ فعل ای حدث مذکور تضمنا فی ضمن الفعل الملفوظ او المقدر او شبہہ کذلک او مطابقۃ اذا کان العامل مصدرا فقولہ ما فعل فیہ فعل شامل لاسماء الزمان والمکان کلہا فانہ

---

ایاک من الاسد۔ اسمیں محذر منہ اسم صریح ہے اور من مذکور ہے (٢) ایاک والاسد اسمیں محذر منہ اسم صریح ہے اور واو مذکور ہے (٣) ایاک من ان تحذف اسمیں محذر منہ اسم تاویلی ہے اور من مذکور ہے (٤) ایاک وان تحذف اسمیں محذر منہ اسم تاویلی ہے اور واو مذکور ہے (٥) ایاک ان تحذف اسمیں محذر منہ اسم تاویلی ہے اور من محذوف ہے کیونکہ اِن اور اَنّ سے حرف جر کا حذف قیاسی ہے۔

قولہ ولا تقول فی المثال المذکور ایاک الاسد الخ۔ مطلب یہ ہے کہ اسم صریح سے من کا حذف ممتنع ہے اسم تاویلی سے من کا حذف جائز ہے اگر کہیں اسم صریح سے من کا حذف پایا جائے تو وہ شاذ ہے اسی کو شارح نے وشذوذہ مع غیر ان وان سے ذکر کیا ہے۔

قولہ فان قلت الخ۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اسم صریح سے من کا حذف جائز نہیں ہے اس لئے ایاک الاسد کہنا صحیح نہیں، اسپر ہمارا اعتراض یہ ہے کہ ہم اس مثال میں من محذوف نہیں مانتے بلکہ واو عطف محذوف مانتے ہیں لہذا مثال مذکور صحیح ہونی چاہئے۔

اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ واو عاطف کا حذف تحذیر کی کسی صورت میں جائز نہیں خواہ اسم صریح ہو یا تاویلی ہو کہیں بطور ندرت حذف ہوا ہو تو نادر کا اعتبار نہیں۔

قولہ المفعول فیہ الخ۔ مفاعیل خمسہ میں سے تیسرا مفعول ہے۔ مفعول فیہ وہ زمان یا مکان ہے جسمیں فعل مذکور کیا گیا ہو یہاں فعل سے مراد فعل لغوی ہے یعنی حدث جس کو معنی مصدری کہتے ہیں۔ مذکور میں بھی تعمیم ہے خواہ مطابقۃ مذکور ہو یا تضمنا۔

مطابقت کا مطلب یہ ہے کہ صراحۃً مذکور ہو۔ اور تضمنًا کا مطلب یہ ہیکہ صراحۃً مذکور نہ ہو یہ تضمن اور التزام دونوں کو شامل ہے اس لئے التزام کو مستقل طور پر ذکر نہیں کیا۔

مطلب یہ ہے کہ جو فعل لغوی (معنی مصدری) کسی زمان یا مکان میں کیا گیا ہے وہ صراحۃً مذکور ہو یہ اس وقت ہوتا ہے جب عامل مصدر ہو فعل نہ ہو جیسے اعجبنی جلوسک امام زید اسمیں امام زید ظرف مکان ہے

لا یخ زمان او مکان عن ان یفعل فیهما فعل سواء ذکر الفعل الذی فعل فیهما او لا وقوله مذکور خرج به ما لا یذکر فعل فعل فیه نحو یوم الجمعة یوم طیب فانه وان کان فعل فیه فعل لا محالة لکنه لیس بمذکور لکن بقی مثل شهدت یوم الجمعة داخلا فیه فان یوم الجمعة یصدق علیه انه فعل فیه فعل مذکور فان شهود یوم الجمعة لا یکون الا فی یوم الجمعة فلو اعتبر فی التعریف قید الحیثیة ای المفعول فیه ما فعل فیه فعل مذکور من حیث انه فعل فیه فعل مذکور لخرج مثل هذا المثال منه فان ذکر یوم الجمعة فیه لیس من حیث انه فعل فیه فعل مذکور بل من حیث انه وقع علیه فعل مذکور ولا یخفی انه علی تقدیر اعتبار

---

اس میں جلوس واقع ہوا ہے جو صراحۃً مذکور ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ جس طرح مذکور میں تعمیم ہے جس کا بیان ابھی ہوا اسی طرح تضمنا میں بھی تعمیم ہے کہ وہ فعل بمعنی لغوی خواہ فعل کے ضمن میں ہو یا شبہ فعل کے اور وہ فعل یا شبہ فعل صریحی طور پر موجود ہوں یا غیر صریحی طور پر۔

مفعول فیہ کی تعریف میں جو قیود بیان کی گئی ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ مصنفؒ کا قول ما فعل فیہ فعلٌ تمام اسماء زمان اور مکان کو شامل ہے اس واسطے کہ کوئی وقت اور کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی کام نہ کیا جاتا ہو۔ اور مصنفؒ نے جو مذکور کی قید لگائی ہے تو اس سے وہ زمان یا مکان خارج ہو جائے گا جس میں جو کام کیا گیا ہو وہ مذکور نہ ہو جیسے یوم الجمعۃ یوم طیب، جمعہ کے دن یقینا کوئی نہ کوئی کام ضرور کیا گیا ہوگا لیکن وہ مذکور نہیں ہے اس لئے اس مثال میں یوم الجمعۃ مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ وہ مبتدا ہے اور یوم طیب خبر ہے۔

قولہ لکن بقی مثل شهدت یوم الجمعة الخ۔ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اعتراض یہ ہے کہ مفعول فیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں۔ یہ بعض مفعول بہ کو بھی شامل ہے جیسے شہدت یوم الجمعۃ میں یوم الجمعۃ مفعول بہ ہے لیکن اس پر یہ صادق ہے کہ یوم الجمعۃ ایسا زمان ہے جس میں شہود ہوا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تعریفات میں اکثر حیثیت کی قید ملحوظ ہوتی ہے اس لئے اب تعریف یہ ہوگی المفعول فیہ ما فعل فیہ فعل مذکور من حیث انہ فعل فیہ فعل مذکور اب حیثیت کی قید کے بعد یوم الجمعۃ مفعول فیہ ہونے سے خارج ہو گیا کیونکہ یوم الجمعۃ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں کہ اس میں فعل مذکور یعنی شہود کیا گیا ہے بلکہ اسکا ذکر اس حیثیت سے ہے کہ فعل مذکور یعنی شہود اسپر واقع ہے۔ لہٰذا شہدت یوم الجمعۃ کے معنی یہ ہوں گے کہ میں حاضر ہوا اور یوم جمعہ کو پایا۔

قولہ لا یخفی انہ علی تقدیر الخ۔ اعتراض کر رہے ہیں کہ جب مفعول فیہ کی تعریف میں حیثیت کی قید ملحوظ ہے تو پھر اسمیں مذکور کی قید کی کوئی حاجت نہیں باقی رہتی کیونکہ اس قید سے یوم الجمعۃ یوم طیب جیسی مثال کو خارج کرنا ہے کیونکہ یوم الجمعۃ کا ذکر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں کوئی کام کیا گیا ہے بلکہ اسکا ذکر

قید الحیثیۃ لاحاجۃ الیٰ قولہ مذکور الا الزیادۃ تصویر المعروف وقولہ من زمان او مکان بیان لما الموصولۃ او الموصوفۃ اشارۃ الی قسمی المفعول فیہ وتمہید البیان حکم کل منہما وھو ای المفعول فیہ ضربان ما یظہر فیہ فی وھو مجرور بہا وما یقدر فیہ فی وھو منصوب بتقدیرھا وھذا خلاف اصطلاح القوم فانہم لا یطلقون المفعول فیہ الا علی المنصوب بتقدیر فی واما المجرور بہا فہو مفعول بہ بواسطۃ حرف الجر لا مفعول فیہ وخالفہم المصنف حیث جعل المجرور ایضا مفعولا فیہ ولذلک قال وشرط نصبہ ای شرط نصب المفعول فیہ تقدیر فی اذا لتلفظ بہا یوجب الجر وظروف الزمان کلہا مبہما کان الزمان

---

اس لئے ہے کہ یوم طیب کا اس پر حمل کیا جائے۔

شارح کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہر قید احترازی نہیں ہوتی کبھی کسی قید کو توضیح کیلئے لایا جاتا ہے یہاں بھی یہی مقصد ہے اس سے مفعول فیہ کی تعریف زیادہ واضح ہو جائے گی۔

قولہ من زمان او مکان الخ ۔ المفعول فیہ کی تعریف ما فعل الخ میں جو ما مذکور ہے اس کا یہ بیان ہے اسمیں اشارہ ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں زمان اور مکان ان دونوں قسموں کے احکام ایک دوسرے سے جدا ہیں ان کے بیان کیلئے یہ بطور تمہید کے ہے مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ اسمیں فی حرف جر لفظوں میں ہو اور وہ اسم فی کی وجہ سے مجرور ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں فی مقدر ہو اور مفعول فیہ تقدیر فی کی وجہ سے منصوب ہو شارح نے مفعول فیہ کی اس تقسیم کو خلاف اصطلاح القوم کہکر اعتراض کیا کہ جمہور نحاۃ کے نزدیک مفعول فیہ کی ایک ہی صورت ہے جو منصوب ہو اور فی لفظوں میں نہ ہو اگر فی لفظوں میں ہوگا تو اس کو جار مجرور کہیں گے مفعول فیہ نہ کہیں گے بلکہ بواسطہ حرف جر وہ مفعول بہ ہوگا لیکن مصنفؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مفعول فیہ ہوگا۔

قولہ وشرط نصبہ الخ ۔ ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ مصنفؒ کے نزدیک فی مذکور ہو یا مقدر ہو دونوں صورتوں میں اس کو مفعول فیہ کہا جائے گا اس لئے ان کو مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے سلسلے میں شرط نصبہ کہنا پڑا کہ مفعول فیہ کے منصوب ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ فی لفظوں میں نہ ہو اگر فی موجود ہو تو مفعول فیہ تو ہوگا لیکن مجرور ہوگا۔

قولہ وظروف الزمان کلہا الخ ۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں زمان اور مکان پھر ہر ایک کی دو، دو قسمیں ہیں مبہم اور محدود، مبہم وہ ہے جس کی حد مقرر نہ ہو اور محدود وہ ہے جس کی حد مقرر ہو۔

اب مصنفؒ یہاں سے اس کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان اقسام میں سے کتنی قسمیں ہیں جہاں

اومحدودًا تقبل ذلك ای تقدیر فی لان المبہم منہما جزء مفہوم الفعل فیصح انتصابہ بلا واسطۃ کالمصدر والمحدود منہا المحمول علیہ ای علی المبہم لاشتراکہما فی الزمانیۃ نحو صمت دھرًا او افطرت الیوم فظرف المکان ان کان المکان مبہمًا قبل ذلك ای تقدیر فی حملا علی الزمان المبہم لاشتراکہما فی الابہام نحو جلست خلفك والا ای وان لم یکن مبہما بل یکون محدودًا فلا یقبل تقدیر فی اذ لم یکن حملہ علی الزمان المبہم لاختلافہما ذاتا وصفۃ نحو جلست فی المسجد وفسر المبہم من المکان بالجہات الست وھی امام وخلف ویمین وشمال وفوق وتحت وما فی معناھا فان امام زید مثلا یتناول جمیع ما یقابل وجہہ الی انقطاع الارض فیکون مبہما ولما لم

---

فی مقدر ہوتا ہے اور کتنی ایسی قسمیں ہیں جہاں مقدر نہیں ہوتا۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ظرف زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود ان دونوں قسموں میں فی مقدر ہوتا ہے زمان مبہم کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فعل میں تین جزء ہوتے ہیں۔ معنی مصدری، زمانہ، نسبت الی فاعل ما اور فعل میں جو زمانہ جزء ہوتا ہے وہ مبہم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب جزء فعل کو فعل سے علیحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو وہ بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق کہ وہ مصدر ہے اور مصدر فعل کے مفہوم کا جزء ہے لیکن جب اس کو فعل سے علیحدہ ذکر کرتے ہیں تو وہ منصوب ہوتا ہے۔ چنانچہ ضربت ضربا کہا جاتا ہے۔

اسی طرح زمان مبہم کو جب فعل سے جدا کر کے بغیر واسطہ فی کے ذکر کریں گے تو اس پر بھی نصب آئے گا اور زمان محدود کو زمان مبہم پر حمل کریں گے کیونکہ زمانیت میں دونوں شریک ہیں۔ زمان مبہم کی مثال جیسے صمت دہرًا زمان محدود کی مثال جیسے افطرت الیوم۔

قولہ فظرف المکان ان کان مبہما الخ ـ ظرف مکان اگر مبہم ہے تو اس میں بھی فی مقدر ہوگا اور اس کو منصوب پڑھیں گے کیونکہ یہ ظرف زمان مبہم کے ساتھ ابہام میں شریک ہے جیسے جلست خلفک۔ خلف کے معنی پیچھے کے ہیں یہ مبہم ہے روئے زمین کے ختم تک اس کا مصداق ہے۔

اور اگر ظرف مکان محدود ہو تو اس میں فی مقدر نہ ہوگا اور یہ فی کی وجہ سے مجرور ہوگا کیونکہ زمان مبہم کے ساتھ یہ نہ تو زمانیت میں شریک ہے اور نہ ابہام میں جیسے جلست فی المسجد۔

قولہ وفسر المبہم الخ ـ مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔ قدام، خلف، یمین، یسار، فوق، تحت، اور جو بھی اس کے ہم معنی ہوں

آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اوپر، نیچے۔

یتناول هذا التفسیر بعض الظروف المکانیة الجائز نصبها قال وحمل علیه ای علی المبهم المفسر بالجهات الست عند ولدی وشبههما نحو دون وسوای لابهامها ای لابهام عند ولدی ای ولوبذکر وجه حمل شبههما علیه لان حکمه حکمها وفی بعض النسخ لابهامها کما هو الظاهر وکذا احمل علی المبهم من المکان لفظ مکان وان کان معینا نحو جلست مکانک لکثرته فی الاستعمال مثل الجهات الست لا لابهامه وکذا حمل علیه ما بعد دخلت وان کان معینا نحو دخلت الدار لکثرته فی الاستعمال لا لابهامه علی الاصح ای علی المذهب الاصح فانه ذهب بعض النحاة الی انه مفعول به لکن الاصح

---

وہ بھی مکان مبہم میں داخل ہیں یہ سارے جانب ایسے ہیں کہ جن کی حد متعین نہیں ہے۔

قولہ وحمل علیہ عند ولدی الخ۔ مصنف نے ظرف مکان مبہم کا حکم بیان کیا تھا کہ اسپر نصب آتا ہے اس کے بعد مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صرف جہات ستہ پر نصب آئے گا حالانکہ بعض ظروف مکان ایسے ہیں کہ جن پر نصب آتا ہے اور وہ جہات ستہ میں داخل نہیں۔ اس کا جواب مصنفؒ نے وحمل علیہ الخ سے خود دیدیا ہے کہ اس قسم کے ظروف کو مکان مبہم پر حمل کیا جائے اور ان پر نصب پڑھا جائے گا۔ مصنفؒ نے اس قسم کے ظروف کی مثال عند ولدی وشبہہا سے بیان کیا ہے مکان مبہم پر حمل کرنے کی علت لابہامہا سے بیان کی ہے یعنی عند ولدی مکان مبہم کے ساتھ ابہام میں شریک ہیں اس وجہ سے ان پر نصب آتا ہے۔

قولہ ولو بذکر وجہ حمل شبہہما الخ۔ مصنفؒ نے عند ولدی پر نصب کی علت بیان کی ہے جسکو ابھی اس سے پہلے بیان کیا ہے لیکن مشابہ پر نصب کی علت نہیں بیان کی شارح نے فرمایا لان حکمہ حکمہا حکمہ کی ضمیر شبہ کیطرف راجع ہے یعنی ان دونوں کے مشابہ کا حکم وہی ہے جو عند اور لدی کا ہے کیونکہ قاعدہ ہے جو حکم مشبہ بہ کا ہوتا ہے وہی مشبہ کا ہوتا ہے اور بعض نسخوں میں بجائے تثنیہ کی ضمیر کے واحد مونث کی ضمیر ہے یعنی لابہامہا فرمایا گیا ہے اس نسخے کے اعتبار سے ہا مونث کی ضمیر عند، لدی، اور ان دونوں کے مشابہ تینوں کی طرف راجع ہے کیونکہ واحد مونث کی ضمیر جمع کی طرف جماعت کی تاویل کر کے راجع ہو سکتی ہے اسکا مطلب یہ ہوگا کہ عند اور لدی اور ان کے مشابہ مکان مبہم کیساتھ ابہام کیوجہ سے مشابہ ہیں لہذا مکان مبہم پر جسطرح نصب آتا ہے ان پر بھی نصب آئے گا۔

قولہ لفظ مکان الخ یعنی لفظ مکان پر بھی نصب آتا ہے حالانکہ یہ محدود ہے لیکن ظرف مکان مبہم کیساتھ اگرچہ ابہام میں شریک نہیں لیکن کثرت استعمال میں شریک ہے جسطرح ظروف مکان مبہم کا استعمال بکثرت ہوتا ہے لفظ مکان بھی کثیر الاستعمال ہے اسوجہ سے جسطرح مکان مبہم پر نصب آتا ہے لفظ مکان پر بھی نصب آئے گا۔

قولہ وکذا ما بعد دخلت الخ مطلب یہ ہے کہ دخلت کا ما بعد بھی اگرچہ محدود ہے لیکن کثرت استعمال میں مکان مبہم کیساتھ شریک ہے مکان مبہم کیطرح یہ بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے اسلئے اسپر نصب ہوگا۔

قولہ علی الاصح الخ۔ یعنی ما بعد دخلت بھی اصح مذہب کی بنا پر مفعول فیہ ہے اسکا استعمال

انہ مفعول فیہ والاصل استعمالہ بحرف الجر لکنہ حذف لکثرۃ استعمالہ وھذا الحمل تامل فان الفعل لایطلب المفعول فیہ الابعد تمام معناہ ولاشک ان معنی الدخول لایتم بدون الدار وبعد تمام معناہ بمایطلب المفعول فیہ کما اذا قلت دخلت الدار فی البلد الفلانی فالظاھر انہ مفعول بہ لامفعول فیہ ومما یوید ذلک ان کل فعل نسب الی مکان خاص بوقوعہ فیہ یصح ان ینسب الی مکان شامل لہ ولغیرہ فانہ اذا قلت ضربت زیدا فی الدار التی ھی جزء من البلد فکما یصح ان تقول ضربت زیدا فی الدار

---

اصل میں تو فی کے ساتھ ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے اسپر جر آنا چاہیئے کیونکہ یہ محدود ہونے کی وجہ سے مکان مبہم کے ساتھ ابہام میں شریک نہیں ہے لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے اسپر نصب پڑھا جاتا ہے۔ بعض نحاۃ نے اس کو مفعول فیہ نہیں مانا بلکہ اس کو مفعول بہ کہتے ہیں لیکن جمہور کا مذہب کہ یہ مفعول فیہ ہے زیادہ صحیح ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ فعول کا وزن اکثر لازم ہوتا ہے متعدی نہیں ہوتا اور دخول بھی فعول کے وزن پر ہے اس کے علاوہ ایک دلیل یہ ہے کہ مفعول بہ پر اگر فی کو داخل کیا جاتا ہے تو معنی فاسد ہو جاتے ہیں مثلاً ضربت زیداً میں زید مفعول بہ ہے اگر اس کو ضربت فی زید پڑھا جائے تو معنی فاسد ہو جائیں گے اور دخلت کے مابعد میں فی اگر داخل کیا جاتا ہے تو معنی فاسد نہیں ہوتے چنانچہ اگر دخلت الدار میں دخلت فی الدار کہیں تو معنی صحیح ہیں فاسد نہیں ہوتے یہ بھی دلیل ہے کہ مابعد دخلت مفعول بہ نہیں ہے مفعول فیہ ہے۔

قولہ وھذا الحمل تامل الخ۔ شارح مذہب اصح کا رد کر رہے ہیں کہ مابعد دخلت کو مفعول فیہ کہنا درست نہیں یہ مفعول بہ ہے کیونکہ فعل متعدی کے معنی بغیر مفعول بہ کے پورے نہیں ہوتے اور مابعد دخلت کا یہی حال ہے کہ جبتک اس کے مابعد کو ذکر نہ کیا جائے دخلت کے معنی پورے نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ مابعد دخلت مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں ہے مفعول فیہ کا درجہ تو فعل کے تمام ہونے کے بعد ہوتا ہے معلوم ہوا کہ دخلت کا مابعد تو مفعول بہ ہے اس کے بعد مفعول فیہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ دخلت الدار میں دار مفعول بہ ہے اور اس کے بعد جو ذکر کیا جائے گا وہ مفعول فیہ ہوگا۔ مثلاً اس کے بعد فی البلد وغیرہ کہا جائے تو دار مفعول بہ ہوگا اور فی البلد مفعول فیہ ہوگا۔

قولہ ومما یوید ذلک الخ۔ مصنفؒ نے علی الاصح کہکر یہ فرمایا ہے کہ اصح مذہب یہ ہے کہ مابعد دخلت مفعول فیہ ہے اور کثرتِ استعمال میں ظرف مکان مبہم کے مشابہ ہے اس لئے منصوب ہوگا شارح نے ھذا الحمل تامل سے اس کا رد کیا ہے جس کا بیان ابھی گذرا ہے اب ممایوید سے اس رد کی مزید تائید کرنا چاہتے ہیں اس تائید کا حاصل یہ ہے کہ مابعد دخلت مفعول فیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دخلت ایسا فعل نہیں جو مفعول فیہ کا تقاضا کرے اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی فعل کی نسبت ایسے مکان خاص کیطرف کیجائے

کذلک یصح ان تقول ضربت فی البلد وفعل الدخول بالنسبۃ الی الدار لیس کذلک فانہ اذا قال الداخل فی البلد دخلت الدار لا یصح ان یقول دخلت البلد فنسبۃ الدخول الی الدار لیست کنسبۃ الافعال الی امکنتھا التی فعلت فیھا فلا یکون الدار مفعولا فیہ بل مفعولا بہ وقیل معناہ علی الاستعمال الاصح فیکون اشارۃ الی ان استعمال دخلت مع فی نحو دخلت فی الدار صحیح لکن الاصح استعمالہ بدون فی ونقل عن سیبویہ ان استعمالہ بفی شاذ وینصب ای المفعول فیہ بعامل مضمر بلا شریطۃ التفسیر نحو یوم الجمعۃ فی جواب من

---

جس میں اس کا وقوع ہوا ہے تو اس فعل میں ایسی صلاحیت ہو کر مکان عام کیطرف بھی اس کی نسبت کیجا سکے اور دخلت ایسا نہیں کہ جب اس کی نسبت مکان خاص کیطرف ہو تو مکان عام کیطرف بھی ہو سکے جو اس مکان خاص اور اس کے علاوہ دوسرے کو بھی شامل ہے مثلاً کسی شہر میں کوئی شخص رہتا ہے اور وہ دخلت الدار کہے تو اسمیں دخول کی نسبت دار کیطرف ہے جو ایک خاص جگہ ہے لیکن اگر وہ دخول کی نسبت مکان عام کی طرف کرے جو اس دار اور دوسرے مقام کو بھی شامل ہو تو نہیں کر سکتا مثلاً دخلت البلد کہنا صحیح نہیں کیونکہ وہ پہلے ہی سے شہر میں موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ مابعد دخلت کو مفعول فیہ نہ کہا جائے گا بلکہ وہ مفعول بہ ہے شارح کی دلیل کا جس کو فان الفعل لا یطلب المفعول فیہ الخ سے بیان کیا ہے یہ جواب ہیکہ یہ قاعدہ فعل متعدی میں ہے فعل لازم میں نہیں اور دخول فعل لازم ہے۔ شارح نے دلیل کی تائید میں جو کہا ہے کل فعل نسب الی مکان خاص لوقوعہ فیہ یصح ان ینسب الی مکان شامل لہ وغیرہ۔ یہ قاعدہ اکثری ہے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص جلست البیت کہے تو یہ صحیح ہے اور جلست الدار کہے تو صحیح نہیں حالانکہ بیت خاص ہے اور دار عام ہے تو یہاں دیکھیئے کہ جلست کی نسبت مکان خاص کی طرف ہو رہی ہے لیکن مکان عام کی طرف نہیں ہو رہی معلوم ہوا کہ اس قاعدہ کو اکثریہ تو کہہ سکتے ہیں کلیہ نہیں کہہ سکتے ورنہ اسکے خلاف کبھی نہ ہوتا۔

قولہ وقیل معناہ علی الاستعمال الاصح الخ ۔یعنی لفظ اصح مذہب کی صفت نہیں بلکہ استعمال کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ دخلت کے بعد فی کو لفظوں میں بھی لا کر مجرور بھی پڑھا جاتا ہے اور یہ صحیح ہے لیکن فی کو مقدر مان کر ظرف مکان مبہم کی طرح منصوب پڑھنا زیادہ صحیح ہے۔ شارح سیبویہ کی بات کر کے اصح استعمال کی تائید کر رہے ہیں کہ فی کو حذف کر کے دخلت کے بعد پر نصب پڑھنا یہ زیادہ صحیح ہے فی کے ساتھ استعمال کرنا شاذ ہے۔

قولہ وینصب بعامل مضمر الخ ۔ مطلب یہ ہے کہ مفعول فیہ کا عامل بھی کبھی پوشیدہ ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عامل مضمر کی تفسیر کیلئے کوئی فعل مفعول فیہ کے بعد ذکر نہیں کرتے اس کو

قال متی سرت ای سرت یوم الجمعة وبعامل مضمر علی شریطة التفسیر نحو یوم الجمعة صمت فیه والتفصیل فیه بعینه کما مر فی المفعول به المفعول له هو ما فعل لاجله ای لقصد تحصیله او لسبب وجوده وخرج به سائر المفاعیل مما فعل مطلقا او به او فیه او معه فعل ای حدث مذکور ای ملفوظ حقیقة او حکما فلا یخرج عنه ما کان فعله مقدرا کما اذا قلت تادیبا فی جواب من قال لم ضربت زیدا فقوله مذکور احتراز عن مثل اعجبنی التادیب فان قلت کیف یصح الاحتراز به عنه وهو ای الفعل الذی فعل

---

تنصب بعامل مضمر بلا شریطة التفسیر سے تعبیر کیا ہے اور کبھی عامل مضمر کی تفسیر کیلئے فعل لایا جاتا ہے اس کو ینصب بعامل مضمر بشریطة التفسیر کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اول کی مثال جیسے سائل کے سوال متی سرت کے بعد یوم الجمعة کہا جائے تو یہاں اصل عبارت سرت یوم الجمعة ہے سوال کے قرینہ کی وجہ سے سرت فعل کو حذف کر دیا گیا یوم الجمعہ رہ گیا اس میں سرت فعل محذوف ہے اس کی کوئی فعل تفسیر نہیں کر رہا۔ دوسری قسم کی مثال یوم الجمعة صمت فیہ اصل عبارت صمت یوم الجمعة ہے۔ صمت فعل کو حذف کر دیا گیا اور صرف یوم الجمعة رہ گیا بعد میں ابہام کو دور کرنے کیلئے یوم الجمعة کے بعد صمت فیہ لائے ہیں۔

قولہ والتفصیل فیہ بعینہ کما مر فی المفعول بہ الخ۔ یعنی جس طرح مفعول بہ میں اضمار علی شریطة التفسیر کی بناء پر تسلیط کبھی بعینہ فعل کی ہوتی ہے کبھی مناسب مرادف کی کبھی مناسب لازم کی اسی طرح مفعول فیہ کے اندر بھی تسلیط کی یہ تینوں صورتیں ہوتی ہیں۔ اور جس طرح مفعول بہ کے اندر اعراب کے اعتبار سے پانچ صورتیں نکلتی ہیں اسی طرح مفعول فیہ کے اندر بھی پانچ صورتیں ہیں۔

(۱) رفع مختار ہو جیسے یوم الجمعة صمت فیہ (۲) نصب مختار ہو جیسے ایوم الجمعة صمت فیہ (۳) رفع واجب ہو جیسے ایوم الجمعة یسیم فیہ (۴) نصب واجب ہو جیسے ان یوم الجمعة صمتُ فیہ (۵) تساوی رفع ونصب جیسے زید صام ویوم الجمعة صمت فیہ۔

# المفعول لہ

قولہ المفعول لہ الخ۔ مصنفؒ نے مفعول لہ کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے ہو ما فعل لاجلہ فعل مذکور۔ لاجلہ میں لام تعلیلیہ ہے اور ہ ضمیر سے پہلے مضاف محذوف ہے اور وہ لفظ تحصل یا وجود ہے اس لئے اس کے معنی لاجل تحصیلہ اور لاجل وجودہ کے ہوئے مذکور میں تعمیم ہے خواہ حقیقۃً مذکور ہو یعنی لفظوں میں موجود ہو یا حکماً مذکور ہو یعنی مقدر ہو لفظوں میں موجود نہ ہو اس تفصیل کے بعد اپنی زبان میں اس کی تعریف اس طرح کیجئے مفعول لہ ایسا اسم ہے کہ جس کے حاصل کرنے کے واسطے یا جسکے پہلے ہی سے موجود ہونے کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو خواہ وہ کام حقیقۃً مذکور ہو یا حکماً مذکور ہو۔

لاجلہ مذکور فی الجملۃ کما فی ضربت زیدا قلنا المراد مذکور معہ فان قلت ھو مذکور معہ کما فی ضربتہ تادیبا قلنا المراد مذکور معہ فی الترکیب الذی ھو فیہ ویرد نحو اعجبنی التادیب الذی ضربت لاجلہ اللھم الا ان یراد بذکرہ معہ ایرادہ معہ للعمل فیہ مثل ضربتہ تادیبا مثال لما فعل لقصد تحصیلہ فعل وھو الضرب فان التادیب انما یحصل بالضرب ویترتب علیہ وقعدت عن الحرب جبنا مثال لما فعل بسبب وجودہ فعل وھو القعود فان القعود انما وقع بسبب الجبن والقائل بکون المفعول لہ معمولا مستقلا غیر داخل فی المفعول المطلق یخالف خلافا ظاھرا للزجاج فانہ ای المفعول لہ عندہ ای عند الزجاج مصدر من غیر لفظ

---

حقیقۃً مذکور ہو جیسے ضربت زیدًا تادیبا یہاں تادیبا کا فعل یعنی ضربت حقیقۃً مذکور ہے۔ فعل حکما مذکور ہو جیسے کسی نے لِمَ ضربت زیدا کہا یعنی زید کے مارنے کی وجہ دریافت کرے اور اس کے جواب میں صرف تادیبا کہا جائے اصل عبارت ضربتہ تادیبا ہے سوال میں وہ فعل مذکور ہے جو جواب میں آتا ہے اس لئے حذف کر دیا گیا۔ تعریف میں لفظ ما جنس ہے جو تمام مفاعیل کو شامل ہے اور فعل لاجلہ سے باقی مفاعیل خارج ہو گئے مذکور کی قید بھی احترازی ہے اس کا فائدہ اور پھر اس پر جو اعتراضات ہیں ان کو اور ان کے جواب کو شارح نے بیان کیا ہے ان کا سمجھنا آسان ہے شرح کی ضرورت نہیں۔

قولہ ضربتہ تادیبا وقعدت الخ۔ پہلی مثال اس مفعول لہٗ کی ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے ضرب کا تحقق ہو اور دوسری مثال اس مفعول لہٗ کی ہے جس کے پہلے سے موجود ہونے کی وجہ سے قعود عن الحرب کا تحقق ہوا ہے یعنی جبن (بزدلی) سے اس کے اندر تھی اسوجہ سے میدان جنگ میں نہ جا سکا۔

قولہ خلافا للزجاج الخ۔ اس سے پہلے شارح نے والقائل بکون المفعول لہ معمولا مستقلا ہے لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ مبتداء محذوف ہے اور خلافا للزجاج یخالف فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر القائل مبتداء کی خبر ہے۔ حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ جمہور نحاۃ جو مفعول لہٗ کو مستقل معمول قرار دیتے ہیں وہ زجاج کی مخالفت کرتے ہیں زجاج مفعول لہٗ کو مستقل معمول نہیں قرار دیتے بلکہ اس کو مفعول مطلق من غیر لفظہ کہتے ہیں ان کے نزدیک ضربتہ تادیبا کی تاویل ضربتہ وادبتہ تادیبا یا ضربتہ ضرب تادیب ہے اور قعدت عن الحرب جبنا کی تاویل قعدت عن الحرب وجبنت جبنا اور یا قعدت عن الحرب قعود جبن ہے۔

تاویل کی دو صورتیں شارح نے بیان کی ہیں اگر مصدر کی رعایت منظور ہے تو اس کے مناسب

فعله فالمعنى عنده في المثالين المذكورين ادبته بالضرب تاديبا وجبنت في القعود عن الحرب جبنا اوضربته ضرب تاديب وقعدت قعود جبن ورده قول الزجاج بان صحة تاويل نوع بنوع لاتدخله في حقيقة الاخرى ان صحة تاويل الحال مابظرف من حيث ان معنى جاءنى زيد راكبا جاء زيد وقت الركوب من غيران تخرج عن حقيقتها وشرطه نصبه اى شرط انتصاب المفعول له لاشرط كون الاسم مفعولا له فالسمن والاكرام في قولك جئتك للسمن ولاكرامك الذى أثرعنده مفعول له على مايدل عليه حده وهذا كماقال في المفعول فيه ان شرط نصبه تقدير في وهذا ايضا خلاف اصطلاح القوم تقدير اللام لانها اذا ظهرت لزم الجر وخص اللام بالذكر

---

فعل نکالا جائے جیسا کہ پہلی دو مثالوں میں ہے تادیبا سے پہلے ادبتہ اور جبنا سے پہلے جبنت نکالا ہے اور اگر فعل کی رعایت منظور ہو تو پھر مصدر سے پہلے فعل کے ہم معنی مصدر نکالا جائے جیسا کہ تادیبا سے پہلے ضرب تادیب اور جبنا سے پہلے قعود جبن نکالا ہے ۔

قولہ ورد قول للزجاج الخ ۔ شارح کو زجاج کی بات پسند نہیں اس لئے اس کو رد کر رہے ہیں کہ اگر ایک نوع کو دوسرے نوع کی تاویل میں کیا جاسکتا ہو تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی نوع کا سرے سے وجود ہی ختم ہو جائے اور وہ دوسری نوع میں داخل ہو کر بعینہ وہی بن جائے مثلا حال کو مفعول فیہ کی تاویل میں کیا جا سکتا ہے جیسے جاء زید راکبا اس کو جاء زید وقت الرکوب کی تاویل میں کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے حال کا وجود نہیں ختم ہو جاتا بلکہ وہ مفعول فیہ کی طرح مستقل معمول شمار کیا جاتا ہے اسی طرح اگر بقول زجاج مفعول لہٗ کو مفعول مطلق کی تاویل میں کر لیا جائے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ مفعول لہٗ کا وجود ختم ہو کر اس کو مفعول مطلق میں داخل کر دیا جائے ۔

قولہ وشرطہ نصبہ الخ ۔ مفعول فیہ کی طرح مفعول لہٗ کے بارے میں بھی مصنفؒ کا مسلک جمہور سے علیحدہ ہے مصنفؒ کے نزدیک اگر لام لفظوں میں موجود ہو تو اس کو بھی مفعول لہٗ کہتے ہیں اور وہ مجرور ہوتا ہے لام نہ ہو تو منصوب ہوتا ہے اسی وجہ سے مصنفؒ کو مفعول لہٗ کے منصوب ہونے کی شرط بیان کرنی پڑی جس طرح مفعول فیہ کے اندر کیا تھا ۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ مفعول پر نصب اس وقت آئے گا جب لام مقدر ہو اگر مقدر نہ ہو تو مفعول لہٗ کہلائیگا مگر منصوب نہ ہوگا جس کی مثالیں شارح نے بیان کر دی ہیں ملاحظہ فرمالیجئے ۔

قولہ وخص اللام بالذکر الخ ۔ اعتراض کا جواب ہے کہ جس طرح تعلیل کیلئے مفعول لہٗ پر لام آتا ہے اسی طرح من ، باء ، فی بھی مفعول لہٗ پر تعلیل کیلئے ہوتے ہیں جن کی مثالیں شارح

لانها الغالب فی تعلیلات الافعال فلایقدر غیرها من من والباء اوفی مع انها من دواخل المفعول له کقوله تعالیٰ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللّٰہ وقوله تعالیٰ فبظلم من الذین هادوا حرمنا وقوله علیه السلام ان امرأة دخلت النار فی هرة ای لاجلها ولما کان تقدیر اللام عبارة عن حذفها عن اللفظ وابقائها فی النیۃ وکان الاصل ابقاءها فی اللفظ والنیۃ فلاحاجۃ فی ابقائها فی النیۃ الی شرط بل الحاجۃ الیه

---

نے بیان کی ہیں تو پھر لام ہی کی تقدیر کو نصب کیلئے کیوں خاص کیا یہ حروف اگر مفعول پر داخل رہیں گے تب بھی تو نصب نہ آئے گا۔ اس لئے مصنفؒ کو چاہیے تھا کہ جس طرح نصب کیلئے تقدیر لام کی شرط لگائی ان حروف کے تقدیر کی بھی شرط لگانا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ مفعول لہٗ پر نصب اس وقت آئے گا کہ جب اس پر داخل ہونے والے حروف مقدر ہوں لفظوں میں نہ ہوں۔

شارح نے اس کا جواب دیا ہے کہ لام تو افعال کی علت بیان کرنے کیلئے کثرت سے مستعمل ہے اور باقی حروف یعنی من، باء، فی، تعلیل افعال میں کثیر الاستعمال نہیں ہیں اس لئے ان کا حذف جائز نہیں ہے کثرت تخفیف کا تقاضا کرتی ہے اسلئے لام کو حذف کر دیتے ہیں۔

قوله ولما کان تقدیر اللام الخ ـ شارح کی یہ عبارت مصنفؒ کی عبارت انما یجوز حذفها کیلئے تمہید ہے یا کہا جائے کہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ مصنفؒ نے یجوز کے بعد اس کے فاعل حذفها کو ذکر کیا جس سے عبارت طویل ہوگئی اگر صرف یجوز پر اکتفاء کرتے اور ضمیر تقدیر اللام کی طرف راجع کر دیتے تو اس میں اختصار ہوتا اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ اختصار تو ہوتا لیکن اسمیں مقصود کے خلاف لازم آتا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ تقدیر لام دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے لفظا حذف کرنا اور نیت کے اعتبار سے باقی رکھنا اب اگر یجوز کی ضمیر پر اکتفاء کرتے اور اس کو تقدیر اللام کی طرف راجع کرتے تو مطلب یہ ہوتا کہ آگے آنے والی شرط تقدیر اللام کیلئے ہے یعنی لام کو لفظا حذف کرنے اور نیت میں باقی رکھنے کیلئے یعنی دونوں کیلئے آنے والی شرط ہے حالانکہ اصل تو یہ ہے کہ لام لفظوں میں بھی باقی رہے اور نیت میں بھی باقی رہے اور شرط کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اصل کے خلاف استعمال ہو اور لفظ سے حذف کرنا اصل کے خلاف ہے اس لئے اس کے واسطے شرط کی ضرورت ہوئی۔ نیت میں باقی رہنا اصل کے مطابق ہے اس کیلئے شرط کی کیا ضرورت۔ یہ وجہ ہے کہ مصنفؒ کو یجوز کے بعد اس کے فاعل کو ظاہر کرنا پڑا۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ مفعول لہٗ سے لام کے حذف کے لئے آنے والی شرط ہے اور وہ شرط یہ ہے جس کو مصنفؒ نے اذا کان فعلا لفاعل الفعل المعلل به ومقارنا له فی الوجود سے بیان کیا ہے

انما یکون فی حذفہا من اللفظ ولذا قال وانما یجوز حذفہا ولم یکتف بارجاع ضمیر الفاعل الی تقدیر اللام فیجوز حذفہا کما یجوز ذکرہا اذا کان المفعول لہ فعلا احتراز عما اذا کان عینا نحو جئتک للسمن بفاعل الفعل المعلل بہ ای اتحد فاعلہ وفاعل عاملہ احتراز عما اذا کان فعلا لغیرہ نحو جئتک لمجیئک ایای ومقارنا لہ ای للفعل المذکور فی الوجود

---

جس کا مطلب یہ ہے کہ مفعول لہ سے لام کے حذف ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ مفعول لہ فعل معلل بہ یعنی اپنے فعل کے فاعل کا اثر اور نتیجہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اپنے فعل کے ساتھ وجود میں مقارن ہو یعنی اس کا زمانہ اور اس کے فعل کا زمانہ ایک ہو۔

اب حسب بیان شارح اس کی تشریح ملاحظہ فرمایئے۔

قولہ اذا کان فعلا الخ۔ فعل سے مراد اس کا اثر ہے اور اثر ہر شئی کا اس کے تابع ہوتا ہے اس قید کا مطلب یہ ہے کہ مفعول بہ اپنے فعل کے فاعل کا اثر ہو عین نہ ہو یعنی اس کا علیحدہ سے خارج میں وجود نہ ہو اپنے فعل ہی کے ضمن میں اس کا وجود ہو اسی کو شارح نے فرمایا احتراز عما اذا کان عینا اور اس کی مثال بیان کی جئتک للسمن یہاں سمن متکلم کے آنے کی علت ہے لیکن چونکہ عین ہے آنے کا اثر نہیں اس لئے مصنفؒ کے نزدیک یہ مفعول لہ تو ہے لیکن لام حذف نہیں کیا گیا جمہور کے نزدیک لہ جار مجرور ہے مفعول لہ نہیں ہے۔

قولہ لفاعل الفعل المعلل بہ الخ۔ یہ بھی قید احترازی ہے یعنی مفعول لہ اپنے فعل کے فاعل کا اثر ہو اس کی تعبیر شارح نے ای اتحد فاعلہ وفاعل عاملہ سے کی ہے یعنی مفعول لہ کا فاعل اور اس کے عامل کا فاعل متحد ہوں اگر ایسا نہ ہو تو پھر لام محذوف نہ ہوگا جیسے جئتک لمجیئک ایای اسمیں جئت کا فاعل متکلم ہے اور مجیٔ کا فاعل مخاطب ہے دونوں کا فاعل متحد نہیں ہے اس لئے مجیٔ جو مفعول ہے اس سے لام حذف نہیں ہوا

قولہ ومقارنا لہ فی الوجود الخ۔ یعنی مفعول لہ کا زمانہ اور اس کے فعل کا زمانہ ایک ہو اس کی تین صورتیں شارح نے بیان کی ہیں۔

(۱) دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہو۔ جیسے ضربتہ تادیبا اسمیں ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ ایک ہے کیونکہ یہ دونوں درحقیقت ایک ہی ہیں مغایرت صرف اعتباری ہے ضربت کے فاعل سے جو فعل صادر ہوا ہے اگر اس میں یہ حیثیت ملحوظ ہو کہ مضروب کو اس سے تکلیف ہوگی تو اس کو ضرب سے تعبیر کریں گے اور اگر اس کے اندر اس حیثیت کا اعتبار کیا جائے کہ مضروب کے اندر اخلاق حسنہ کا یہ سبب ہوگا تو اس کو تادیب سے تعبیر کریں گے ایک ہی فعل ہے حیثیت کے اعتبار سے اس کی دو تعبیریں ہوگئیں

(۲) فعل معلل بہ کا زمانہ مفعول لہ کے زمانہ کا بعض ہو جیسے قعدت عن الحرب جبنا جبن کے معنی

بان یتحد زمان وجودهما نحو ضربته تادیبا او زمان الضرب والتادیب واحد اذ لا مغایرة بینهما بالاعتبار او یکون زمان وجود احدهما بعضا من زمان وجود الآخر نحو قعدت عن الحرب جبنا فان زمان الفعل اعنی القعود عن الحرب بعض زمان المفعول له اعنی الجبن و نحو شهدت الحرب ایقاعا للصلح بین الفریقین فان زمان المفعول له اعنی ایقاع الصلح بعض زمان الفعل اعنی شهود الحرب واحترز بذلک القید عما اذا لم یکن مقارنا له فی الوجود نحو اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس وانما اشترط هذه الشرائط لانه بهذه الشرائط یشبه المصدر فیتعلق بالفعل بلا واسطة تعلق المصدر به بخلاف ما اذا اختل شیئ منها المفعول معه ای الذی فعل لمصاحبته

---

بزدلی کے ہیں اور بزدلی حرب سے پہلے ہے اور قعود عن الحرب کا زمانہ اس کا بعض ہے یعنی بزدلی جو تمام اوقات میں پائی جاتی ہے لڑائی کے چند ایام یا چند گھنٹے کے اندر بھی پائی گئی ۔

(۳) اس کا عکس ہو یعنی مفعول لہ کا زمانہ اپنے فعل معلل بہ کے زمانہ کا بعض ہو جیسے شہدت الحرب ایقاعا للصلح میں لڑائی میں صلح کرانے کیلئے حاضر ہوا، ظاہر ہے کہ جب آدمی کسی جگہ جائے گا تو کچھ دیر ضروریات سے فارغ ہونے اور دوسرے کاموں میں لگتی ہے اسی طرح جو شخص لڑائی کے میدان میں جائے گا اس کا وقت بھی کچھ اور کاموں میں خرچ ہوگا اور اسی قیام کے دوران صلح کی بھی بات ہوگی اسلئے شہود فی الحرب کا زمانہ کل ہوا اور ایقاع صلح کا زمانہ اس کا بعض ہوا ۔

بہرحال مفعول لہ کے زمانہ اور فعل کے زمانہ میں مقارنت کی ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہونی چاہیئے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مفعول لہ سے لام حذف نہ ہوگا جیسے اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس میں تیرے پاس آج آیا ہوں کیونکہ کل میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اس میں مجی کا زمانہ آج ہے اور وعدے کا زمانہ کل گذشتہ ہے اسلئے وعدی مفعول لہ سے لام حذف نہیں کیا گیا ۔

قولہ وانما اشترط هذه الشرائط الخ ۔ مصنفؒ نے مفعول لہ سے لام کے حذف کیلئے جو شرائط بیان کی ہیں انکی وجہ بیان کررہے ہیں اور وہ وجہ یہ ہے کہ ان شرائط کے پائے جانے کے بعد مفعول لہ مشابہ ہو جائے گا مفعول مطلق کے کیونکہ مفعول مطلق بھی اپنے فعل کے فاعل کا اثر ہوتا ہے اور اسکا فاعل اپنے فاعل کیساتھ متحد ہوتا ہے اور وجود میں مقارن ہوتا ہے اور جب مفعول لہ میں یہ شرائط پائی جائیں گی تو وہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو کر اسکا بھی تعلق فعل سے بلا واسطہ کسی حرف کے ہوگا جسطرح مفعول مطلق کا تعلق اپنے فعل سے بلا واسطہ ہے

## المفعول معہ

قولہ المفعول معہ الخ ۔ مفاعیل خمسہ میں سے یہ آخری مفعول ہے ۔ مفعول معہ ایسا اسم ہے

بان یکون الفاعل مصاحبا لہ فی صدور الفعل عنہ او المفعول بہ فی وقوع الفعل علیہ فقولہ معہ مفعول مالم یسم فاعلہ اسند الیہ المفعول کما اسند الی الجار والمجرور فی المفعول بہ وفیہ ولہ والضمیر المجرور راجع الی اللام واعتذر عن نصبہ بما جوزہ بعض النحاۃ من اسناد الفعل الی لازم النصب وترکہ منصوبا جریا علی ماھو علیہ فی الاکثر والیہ ذھب فی قولہ تعالی لقد تقطع بینکم علی قرأۃ النصب وفی بعض الحواشی ان ھذا الدی اسم شریف جدا وقیل الوجہ ان یجعل من قبیل

---

جو وا دبمعنی مع کے بعد مذکور ہو اور اس کی مصاحبت کیلئے فعل کیا گیا ہو یعنی فعل کے معمول کی مصاحبت اس اسم کیساتھ ہو جائے اگر فعل کا معمول فاعل ہے تو صدور فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح فاعل سے صدور ہوتا ہے مفعول معہ بھی فاعل کے ساتھ اسمیں شریک ہوگا اس سے بھی فعل کا صدور ہوگا جیسے استوی الماء والخشبۃ اس میں الخشبۃ اور الماء فاعل کے ساتھ استوی میں شریک ہیں اور اگر فعل کا معمول مفعول ہے تو وقوع فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح مفعول پر فعل واقع ہوتا ہے مفعول معہ بھی اس کے ساتھ وقوع فعل میں شریک ہوگا جیسے کفاک وزید درہم ۔ المفعول معہ میں الف لام الذی کے معنی میں ہے اور مفعول فُعِلَ ماضی مجہول کی تاویل میں ہوکر اس کا صلہ، موصول صلہ مل کر مبتداء اور مذکور بعد الواو الخ خبر ہے ۔

اسمیں اعتراض ہوتا ہے کہ جب المفعول کو ماضی مجہول کی تاویل میں کیا جائے گا تو معہ اس کا نائب فاعل ہوگا اور نائب فاعل پر رفع ہوتا ہے اور معہ پر نصب ہے اسپر کبھی رفع نہیں آتا تو اس کا نائب فاعل بننا کیسے صحیح ہوگا ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیشک نائب فاعل ہے جس طرح مفعول بہ اور مفعول لہ میں بہ اور لہ نائب فاعل ہیں ۔ رہی یہ بات کہ اسپر رفع کیوں نہیں ہے تو اس کا جواب شارح نے اعتذر عن نصبہ سے دیا ہے کہ بعض نحویوں کے نزدیک یہ جائز ہے کہ جب فعل کی اسناد لازم النصب کی طرف کیجائے تو اس کے نصب کو باقی رکھا جائے گا خواہ عامل اسپر رفع کا تقاضا کرتا ہو۔ لفظ معہ بھی اسی فہرست میں آتا ہے اس وجہ سے اسپر باوجود نائب فاعل ہونے کے نصب ہی رہے گا۔

شارح نے اس کی نظیر میں لقد تقطع بینکم کو پیش کیا ہے کہ بینکم تقطع کا فاعل ہے پھر بھی نصب ہے کیونکہ لفظ بین بھی لازم النصب ہے ۔

**قولہ وقیل الوجہ الخ** ۔ اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ معہ پر نصب ظرفیت کی بناء پر ہے اور المفعول جو الذی فعل کی تاویل میں ہے اس میں فُعِلَ کا نائب فاعل فعلٌ مصدر ہے جو اس فعل سے خود سمجھ میں آتا ہے تقدیر عبارت اسطرح ہوگی الذی فعل فعل یہ بالکل ایسا ہی ہے

ع وقد حيل بين العير والنزوان ، فان المفعول مالم يسم فاعله فيه الضمير الراجع الى مصدره اى حيل الحيلولة لان بين للزوم ظرفيته لايقام مقام الفاعل فعلى هذا يكون معناه الذى فعل فعل بمصاحبته على ان يكون مفعول مالم يسم فاعله ضميرا راجعا الى مصدره والضمير المجرور للموصول هو مذكور بعد الواو احتراز عن المذكور بعد غيره كالفاء لمصاحبته معمول فعل اللام متعلق بمذكور اى يكون ذكره بعد الواو لاجل مصاحبته معمول فعل وافادته اياها سواء كان ذلك المعمول فاعلا نحو استوى الماء والخشبة او مفعولا نحو كفاك وزيد ادرهم سواء كان ذلك الفعل لفظا اى لفظيا كالمثالين المذكورين او معنىً اى معنويا نحو مالك وزيدا اى ماتصنع والمراد بمصاحبته لمعمول الفعل مشاركته له فى ذلك الفعل فى زمان واحد نحو سرت وزيدا او مكان واحد نحو لو تركت الناقة وفصيلها لرضعها فلا ينتقض

---

جیساکہ قد حیل بین العیر والنزوان میں حیل کا نائب الحیلولۃ مصدر ہے جو حیل فعل مجہول سے سمجھا جارہا ہے کیونکہ ہر فعل اپنے مصدر پر دلالت کرتا ہے۔

مذکور بعد الواو کی قید سے اس اسم سے احتراز ہے جو واؤ کے علاوہ کسی اور حرف مثلاً فاء کے بعد ہو یا خود لفظ مع کے بعد ہو مثلاً جئت مع زید کہا جائے تو اس کو مفعول معہ نہ کہا جائے گا۔

قولہ لفظا او معنی الخ۔ لفظا اور معنی پر نصب کان محذوف کی خبر کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے شارح نے لفظا کی تفسیر لفظیا کیساتھ اور معنیً کی تفسیر معنویا کے ساتھ کی ہے تاکہ کان کے اسم ضمیر پر جو فعل کی طرف راجع ہے لفظا اور معنی کا حمل صحیح ہو جائے اگر تاویل نہ کرتے تو حمل صحیح نہ ہوتا کیونکہ لفظا اور معنی مصدر ہیں اور مصدر کا حمل وصف محض ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ لفظا اور معنیً لاکر فعل کی تعمیم مقصود ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ کا فعل کبھی لفظی ہوتا ہے جیساکہ استوی الماء والخشبۃ اور کفاک وزیدا درہم میں فعل لفظوں میں موجود ہے اور وہ عامل ہے۔ اور کبھی فعل معنوی ہوتا ہے جیسے مالک وزیدا کہ اسمیں فعل لفظوں میں نہیں لیکن مالک سے ماتصنع کے معنی سمجھے جاتے ہیں اس لئے اس کو فعل معنوی کہا جاتا ہے اور وہ یہاں عامل ہوگا۔

قولہ والمراد بمصاحبتہ الخ۔ اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ مفعول معہ کی تعریف معطوف پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ معطوف علیہ اگر اپنے عامل کا فاعل ہے تو معطوف کو بھی فاعل کے ساتھ مصاحبت فعل کے صدور میں ہوگی اور معطوف علیہ مفعول ہے تو معطوف کو مفعول کیساتھ

بالمذکور بعد الواو العاطفة نحو جاء في زيد وعمرو فانهما الاتحدلا الاعلى المشارکة في اصل الفعل دون المصاحبة واعلم ان مذهب جمهور النحاة ان العامل في المفعول معه الفعل او معناه بتوسط الواو التي بمعنى مع وانما وضعوا الواو موضع مع لکونها اخصر واصلهما واو العطف التي فيها معنى الجمع تناسب معنى المعية فان کان الفعل اي وجد الفعل او مايدل على الحدث فيه والفعل واسمى الفاعل والمفعول والصفة المشبهة وغيرها لفظا وجاز اي لم يجب العطف ولم يمتنع فلا ينتقض بمثل ضربت زيدا وعمرا لوجوب العطف فيه فالوجهان اي العطف والنصب على المفعولية جائزان نحو جئت انا وزيد بالرفع على العطف وزيدا بالنصب على المفعولية والا اي وان لم يجز العطف بل يمتنع تعين النصب مثل جئت وزيدا فان العطف

---

وقوع فعل میں مصاحبت ہوگی، شارح المراد سے اسکا جواب دیتے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مصاحبت سے مراد مصاحبت زمانی یا مکانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ اور اسکے مصاحب کا زمانہ ایک ہو جیسے سرت وزیدا اسمیں زید مفعول معہ کا زمانہ اور سرت کے فاعل متکلم کی سیر کا زمانہ ایک ہے مصاحبت مکانی کا مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ اور فعل کے معمول کی جگہ ایک ہو جیسے لو ترکت الناقۃ وفصیلہا لرضعہا اگر اونٹنی کو اسکے بچے کیساتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی یعنی اونٹنی اور اس کے بچے کو ایک جگہ چھوڑ دیا جاتا اگر دونوں کی جگہ ایک نہ ہو تو دودھ کیسے پلاتی۔

بہرحال مفعول معہ میں مصاحبت مذکورہ ضروری ہے اور معطوف میں مشارکت سے مصاحبت زمانی یا مکانی نہیں ہے مثلاً جاء نی زید وعمرو میں عمرو کو زید کے ساتھ فعل میں شرکت ہے یعنی فعل مجی دونوں میں پایا جاتا ہے زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی دونوں ایک زمانے میں آئے ہوں یہ ضروری نہیں ہے۔

قولہ واعلم ان مذهب جمهور النحاة الخ ۔ بعض نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل واو ہے لیکن شارح نے اسکو پسند نہیں کیا اسلئے اسکو نقل نہیں کیا اور جمہور کا مذہب بیان کیا ہے کہ مفعول معہ کا عامل فعل یا معنی فعل ہے البتہ واو بمعنی مع واسطہ ہے اور واو کو اس واسطے اختیار کیا گیا کہ اس کی اصل عطف ہے اور عطف میں جمعیت کے معنی پائے جاتے ہیں اور جمعیت اور معیت میں مناسبت ظاہر ہے جمعیت میں واو کا ماقبل اور مابعد ایک حکم میں جمع ہوتے ہیں معیت میں بھی یہ بات ہوتی ہے۔

اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ مفعول معہ کیساتھ واو لانے اور اس کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت لفظ مع سے آتے اس کا جواب شارح نے دیا ہے مع کے اعتبار سے واو مختصر ہے اسلئے اسکو اختیار کیا۔

قولہ فان کان الفعل الخ ۔ کان تامہ ہے اس لئے شارح نے اس کے آگے

فیہ ممتنع لعدم الفاصلۃ لا بتاکید المتصل المنفصل ولا بغیرہ وان کان الفعل معنًی ای امرًا معنویا مستنبطا من اللفظ وجاز ای لم یمتنع العطف تعین العطف حیث لایجتمع علی عمل العامل المعنوی بلاحاجۃ مع جواز وجہ آخر و ھو العطف نحو ما لزید وعمرو والا ای وان لم یجز العطف بل امتنع تعین النصب حیث لاوجہ سواہ نحو مالک

---

اسی وجہ کہا، مفعول معہ کا عامل فعل کبھی لفظوں میں موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوتا ہے اب دونوں کے احکام بیان کررہے ہیں۔

اگر فعل لفظی ہو اور مفعول معہ کا عطف فعل کے معمول پر ہو سکتا ہو تو عطف بھی جائز ہے اور عطف کی بناء پر فعل کے معمول کا جو اعراب ہوگا وہ مفعول معہ پر بھی جاری ہوگا اور اگر عطف جائز نہیں تو نصب متعین ہوگا۔ اب مثال سے اس کو سمجھئے۔

جیسے جئت انا و زید اسمیں زید کا عطف جئت کی ضمیر متصل پر ہو سکتا ہے کیونکہ اسکی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ یہاں ہے اور ضمیر متصل کی تاکید جب ضمیر منفصل کیساتھ لائی جاتی ہے تو عطف کرنا صحیح ہے اور ضمیر متصل فاعل ہے اسلئے زید پر بھی بناء برفاعلیت رفع آئیگا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے۔ اور اگر عطف ناجائز ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے جئت و زیدًا یہاں مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل وغیرہ کے ساتھ نہیں لائی گئی اسلئے عطف صحیح نہیں لہذا بناء برمفعولیت اسپر صرف نصب جائز ہے۔ ان کان الفعل کے بعد شارح نے ای ما یدل علی الحدث کا اضافہ کیا اور اسکی وجہ خود بیان کردی کہ یہ حکم جو مصنفؒ بیان کررہے ہیں وہ فعل اور شبہ فعل دونوں کو شامل ہے فعل عمل میں اصل ہے اسلئے اس کو متن میں ذکر دیا ورنہ مراد یہ ہے کہ جو بھی حدث یعنی معنی مصدری پر دلالت کرے اسکا یہ حکم ہے خواہ فعل ہو یا شبہ فعل ہو۔

قولہ وان کان الفعل لمعنی الخ۔ اگر فعل معنوی ہے جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہو اور عطف جائز ہو تو صرف عطف متعین ہوگا یعنی معطوف علیہ کا جو اعراب ہوگا وہ واو کے بعد والے اسم کا بھی ہوگا

وزیدا وما شانك وعمرا فانه امتنع العطف فیهما لان العطف علی الضمیر المجرور بلا اعادة الجار غیر جائز ولم یجز عطف عمرا علی الشان اذ السوال عن شانیهما لا عن شان احدهما ونفس الاخر وانما حکمنا بمعنویة الفعل فی هذه الامثلة لان المعنی ما تصنع وما یماثله فمعنی ما شانك وزیدا ما تصنع وزیدا ومعنی مالك وزیدا ما تصنع زیدا ومعنی مالزید وعمرو ما یصنع زید وعمرو

جیسے مالزید وعمرو اسمیں فعل معنوی ہے اور عمرو کا عطف زید پر صحیح ہے اسلئے عطف کیا جائے گا اور زید کی طرح عمرو بھی مجرور ہوگا اسمیں فعل معنوی کیوں ہے اسکی وجہ آخر میں مصنف خود بیان کریں گے اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف صحیح نہ ہو تو پھر نصب متعین ہوگا جیسے مالک وزید وما شانک وعمرو ۔

ان دونوں مثالوں میں عطف اسوجہ سے ممتنع ہے کہ مالک وشانک میں کاف ضمیر مجرور ہے پہلی مثال میں لام کی وجہ سے اور دوسری مثال میں مضاف کی وجہ سے اور ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادہ جار کے جائز نہیں اور ان مثالوں میں زید پر لام کا اعادہ نہیں اور عمرو پر شان کا اعادہ نہیں کیا گیا اسوجہ سے عطف ناجائز ہے اور جب عطف ناجائز ہے تو نصب متعین ہوگا ایک وہم یہ ہو سکتا ہے کہ اگر ثانی مثال میں عمرو کا عطف کاف ضمیر پر نہیں کیا جاسکتا تو لفظ شان پر کر دیا جائے اور جس طرح شان پر رفع ہے عمرو پر بھی رفع بڑھا جائے ۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں مقصود کے خلاف لازم آئیگا کیونکہ مقصود تو مخاطب اور عمرو دونوں کے حال کے بارے میں سوال کرنا ہے کہ تمہارا اور عمرو کا کیا حال ہے اگر شان پر عطف کیا جاتا ہے تو اب سوال مخاطب کے حال اور عمرو کی ذات کے بارے میں ہوگا اور یہ خلاف مقصود ہے ۔

قولہ انما حکمنا بمعنویۃ الفعل فی ہذہ الامثلۃ الخ ۔ مصنفؒ نے امثلہ مذکورہ میں فعل کے معنوی ہونے کی دلیل لان المعنی ماتصنع سے بیان کی ہے اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ دلیل تو دعوی کی فرع ہے اور جب دعوی نہیں تو دلیل کس بات کی شارح نے اپنی عبارت لاکر بتایا کہ دعوی محذوف ہے ۔ مصنفؒ نے جو دلیل بیان کی ہے اسکے الفاظ ہیں لان المعنی ماتصنع اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ دعوی تو یہ ہے کہ مصنفؒ کی بیان کردہ تینوں مثالوں میں فعل معنوی ہے اور دلیل میں جس فعل معنوی کا ذکر کیا ہے وہ ماتصنع ہے اور یہ صرف اخیر کی دو مثالوں میں عامل بن سکتا ہے پہلی مثال میں نہیں بن سکتا شارح نے مصنفؒ کی عبارت لان المعنی ماتصنع کے بعد وما یماثلہ کا اضافہ کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مراد ماتصنع اور اس کا مماثل ہے ۔ لہذا پہلی مثال میں تو مایصنع عامل ہوگا کیونکہ یہ ماتصنع کا مماثل ہے اور اخیر کی دو مثالوں ماتصنع عامل ہے ۔

تمت بحث المفاعیل الخمسۃ بحمدہ تعالیٰ صدیق احمد

والحال لما فرغ من المفاعیل شرع فی الملحقات بها وهو مایبین هیأۃ الفاعل او المفعول بہ ای من حیث ھو فاعل او مفعول بہ کما ھو الظ فنذکر الھیأۃ یخرج مایبین الذات کالتمیز وباضافتها الی الفاعل او المفعول بہ یخرج ما یبین ھیأۃ غیر الفاعل او المفعول بہ کصفۃ المبتدأ نحو زید العالم اخوک وبقید الحیثیۃ تخرج صفۃ الفاعل والمفعول فانہما تدل علی ھیأۃ الفاعل او المفعول بہ مطلقا لا من حیث ھو فاعل او مفعول وھذا الترديد علی

قولہ الحال مایبین ھیئۃ الفاعل او المفعول بہ الخ حال کے لغوی معنی تغیر اور تبدل کے ہیں، حال اصطلاحی میں بھی تبدیلی احکام کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے اس طرح سے دونوں معنوں میں مناسبت بھی پائی جاتی ہے ——— اصطلاح میں اس کی تعریف مصنف نے کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے، حال ایسے اسم کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے، اس میں لفظ ما جنس ہے تمام اسماء کو شامل ہے ہیئت کے ذکر سے تمیز خارج ہو جائے گی کیوں کہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرنے کے لیے ہے ہیئت کے بیان کرنے کے لیے نہیں جیسے اعطیت زیدا عشرین درھما میں عشرین کے اندر ابہام تھا کہ وہ کیا چیز ہے درھما نے اس کو متعین کر دیا کہ بیس درہم مراد ہیں۔ فاعل اور مفعول کی طرف ہیئت کی اضافت سے ہر وہ چیز خارج ہوگئی جو غیر فاعل اور غیر مفعول کی حالت بیان کرے، مثلاً کسی کی صفت ہو جیسے زید العالم اخوک میں العالم زید مبتدا کی صفت ہے جس سے زید کا حال یعنی اس کا عالم ہونا معلوم ہوا لیکن زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے۔

شارح ای من حیث ھو فاعل او مفعول بہ کا اضافہ کرکے حال کی تعریف سے فاعل اور مفعول کی صفت کو خارج کرنا چاہتے ہیں جیسے جاءنی زید والعاقل اس میں عاقل زید کی صفت ہے جس سے زید فاعل کی حالت معلوم ہو رہی ہے لیکن یہ صفت زید کی حالت کو فاعل ہونے کی حیثیت سے نہیں بیان کر رہی ہے بلکہ زید ترکیب میں فاعل ہو یا نہ ہو عاقل اس کی چوں کہ صفت ہے اس لئے ہر حال میں یہ حالت اس سے معلوم ہو گی رہی یہ بات کہ جب حیثیت کی قید ملحوظ ہے تو مصنف نے اس کو حال کی تعریف میں کیوں نہیں ذکر کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیثیت کا اعتبار تعریفات میں عموماً ہوتا ہے اس لیے بنا بر شہرت مصنف نے اس کو ترک کر دیا۔

اس کے بعد مصنف حال کی تعریف میں لفظ او لائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حال وہ ہے جو فاعل کی حالت بیان کرے یا مفعول بہ کی جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر دونوں کی حالت بیان کرے تو اس کو حال نہ کہیں گے جیسے ضرب زید عمروا راکبین اس میں لفظ راکبین زیدا اور عمروا دونوں کا حال بیان کر رہا ہے اور دونوں سے حال ہے لیکن مصنف کی تعریف کی بنا پر یہ حال ہونے سے خارج ہے شارح نے جواب دیا کہ یہ قضیہ مانعۃ الجمع نہیں بلکہ مانعۃ الخلو ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ حال کیلئے ضروری ہے فاعل اور مفعول بہ

سبیل منع الخلو لا الجمع فلا یخرج عنه مثل ضرب زید عمرا راکبین لفظا ای سواء کان الفاعل او المفعول الذی وقع الحال عنه لفظا ای لفظیا بان تکون فاعلیة الفاعل او مفعولیة المفعول باعتبار لفظ الکلام ومنطوقه من غیر اعتبار معنی خارج عنه یفهم من فحوی الکلام سواء کانا ملفوظین حقیقةً او حکما او معنی ای معنویا بان تکون فاعلیة الفاعل او مفعولیة المفعول باعتبار معنیً یفهم من فحوی الکلام لا باعتبار لفظه ومنطوقه والمراد بالفاعل والمفعول به اعم من ان یکون حقیقة

---

میں سے کسی ایک کا حال ضرور بیان کرے اس سے خالی نہ ہو اور اگر دونوں کا حال بیان کرے تو کوئی حرج نہیں

قوله لفظا یہ لفظیا کی تاویل میں ہو کر کان محذوف کی خبر ہے اور کان کی ضمیر فاعل یا مفعول کیطرف عن سبیل المنع الخلو راجع ہے مطلب یہ ہے کہ جس فاعل یا مفعول سے حال واقع ہے وہ لفظوں میں ہو یا معنی میں ہو لفظوں میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ سے سمجھی جا رہی ہو کسی ایسے معنیٰ کا اعتبار نہ کرنا پڑتا ہو جو کلام سے خارج ہو۔

پھر فاعل اور مفعول کا ملفوظ ہونا عام ہے خواہ حقیقةً ملفوظ ہو یا حکماً۔ حقیقةً ملفوظ ہوں جیسے ضرب زید عمرًا راکبین اس میں زید فاعل ہے اور عمرا مفعول ہے اور دونوں حقیقةً ملفوظ ہیں حکماً ملفوظ ہونے کی مثال زید فی الدار قائماً ہے اس میں زید مبتداء ہے اور فی الدار ثابت کے متعلق ہو کر زید کی خبر ہے قائما ثابت کی ضمیر سے جو زید کی طرف راجع ہے اور ثابت شبہ فعل کا فاعل ہے اس سے قائما حال واقع ہے اور ضمیر مستتر حکما ملفوظ ہوتی ہے۔

قوله او معنیً اس کا عطف لفظاً پر ہے اور یہ بھی معنویاً کی تاویل میں ہو کر کان محذوف کی خبر ہے اس تاویل کی وجہ کئی بار گذر چکی ہے فاعل اور مفعول کے معنوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ اور اس کے ظاہر سے نہ معلوم ہو بلکہ امر معنوی کے اعتبار سے جو کلام سے خارج ہو فاعلیت اور مفعولیت کا پتہ چلتا ہو۔ جیسے هذا زید قائماً اسمیں قائماً زید سے حال ہے اور زید مفعول ہے لیکن اس کی مفعولیت لفظ کے اعتبار سے نہیں سمجھی جاتی بلکہ هذا سے جو اشارہ اور تنبیہ کے معنیٰ سمجھے جاتے ہیں اس سے زید کی مفعولیت کا پتہ چلتا ہے چنانچہ مثال مذکور میں اشیر اور انبّهٗ فعل ہے اور زید مفعول بہ ہے جس سے قائماً حال واقع ہے۔

قوله والمراد به الفاعل او المفعول به اعم اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے حال کی تعریف مایبین هیئة الفاعل او المفعول به جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حال صرف فاعل اور مفعول بہ سے واقع ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مفعول معہ اور مفعول مطلق وغیرہ سے بھی

اوحکما فیدخل فیه الحال عن المفعول معه لکونه فی معنی الفاعل او المفعول به وکــذا المفعول المطلق مثل ضربت الضرب شدیدًا فانه بمعنی احدثت الضرب شدیدًا وکذا یدخل فیه الحال عن المضاف الیه کما اذا کان المضاف فاعلًا او مفعولًا یصح حذفه وقیام المضاف الیه مقامه فکانه الفاعل او المفعول نحو بل نتبع ملة ابراهیم حنیفا وان یاکل لحم اخیه میتًا فانه یصح ان تقول بل نتبع ابراهیم مقام بل نتبع ملة

حال واقع ہوتا۔ہے شارح جواب دے رہے ہیں کہ فاعل اور مفعول بہ میں تعمیم ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکما اور مفعول معہ اگرچہ حقیقۃً فاعل اور مفعول بہ نہیں ہے لیکن وہ صدور فعل میں فاعل کے مصاحب ہوتا ہے اور وقوع فعل میں مفعول کے مصاحب ہوتا ہے اس لئے وہ بھی حکما فاعل اور مفعول میں داخل ہے۔ اسی طرح مفعول مطلق سے بھی مفعولؔ کی تاویل میں ہوکر حال واقع ہوسکتا ہے جس کی مثال شارح نے خود بیان کردی ہے لیکن مفعول مطلق سے حال واقع ہونے کے لیے اس کا معرفہ ہونا ضروری ہے کیوں کہ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے اس لیے ضربت ضربًا شدیدًا کے بجائے ضربت الضرب شدیدًا کہیں گے۔

قولہ وکذا یدخل فیه الحال عن المضاف الیه الخ مطلب یہ ہے کہ فاعل اور مفعول میں جو تعمیم کی گئی ہے کہ وہ حقیقۃً فاعل اور مفعول ہوں یا حکما اس تعمیم کی وجہ سے مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہونا صحیح ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر سکتے ہوں تو جب مضاف الیہ مضاف کا قائم مقام ہوسکتا ہے تو جس طرح مضاف فاعل یا مفعول تھا اس کا قائم مقام بھی حکما فاعل اور مفعول ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول بل نتبعُ ملة ابراهیم حنیفا۔ اس میں حنیفا ابراہیم سے حال ہے جو ملة کا مضاف الیہ ہے اور یہاں شرط مذکور پائی جاتی ہے یعنی ملة کو جو مضاف ہے حذف کرکے ابراہیم کو اس کے قائم مقام کرسکتے ہیں اور ملة ترکیب میں نتبع کا مفعول ہے اس لیے اس کا قائم مقام یعنی ابراہیم کو مفعول کا درجہ دیا گیا اور اس سے حال کا واقع ہونا صحیح ہوگیا۔ اسی طرح ان یاکل لحم اخیه میتًا میں میتًا اخیه سے حال ہے اور اخیه مضاف الیہ ہے لحم کا اور وہ یاکل کا مفعول بہ ہے نیز لحم کو حذف کرکے اخیه کو اس کے قائم مقام کرسکتے ہیں تو جس طرح لحم مفعول ہے اس کا قائم مقام اخیه بھی مفعول بھی ہوگا اور اس سے حال واقع کرنا صحیح ہوگا۔

قولہ اوکان المضاف فاعلًا اومفعولًا وھو جزء المضاف الیه الخ اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مضاف فاعل یا مفعول ہو۔ اور مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کرسکتے ہوں تو ایسے مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے اس کی تفصیل گذر چکی ہے اب فرمارہے ہیں کہ مضاف فاعل ہو اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائمقام

ابراهیم وان یا کل اخاه مقام ان یا کل لحم اخیه اوکان المضاف فاعلاً او مفعولاً وهو جزء المضاف الیه فکان الحال عن المضاف الیه وهو الحال عن المضاف وان لم یصح قیامه مقامه کما فی قوله تعالیٰ انّ دابر هؤلاء مقطوع مصبحین فقوله مصبحین حال عن هؤلاء باعتبار ان الدابر المضاف الیه جزؤه فان دابر الشیئ اصله والدابر مفعول مالم یسم فاعله باعتبار الضمیر المستکن فی المقطوع فکانه حال عن مفعول مالم یسم فاعله ولو قرئ تبیّن علی صیغة الماضی المعلوم من باب التفعل او تبین

---

نہ کر سکیں تو اگر یہ شرط پائی جاتی ہو کہ مضاف جزء ہو مضاف الیہ کا تو ایسے مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے کیوں کہ جو حکم جزء کا ہے وہی کل کا ہوگا اور مضاف جو جزء ہے وہ فاعل ہے تو مضاف الیہ جو کل ہے اس کو بھی فاعل کا درجہ دے کر حال واقع کرنا صحیح ہے جیسے ان دابر ہولاء مقطوع مصبحین اسمیں مصبحین حال واقع ہے ہؤلاء سے اور یہ دابر کا مضاف الیہ ہے اور دابر جو مضاف ہے اس کو حذف کر کے ھولاء کو جو مضاف الیہ ہے اس کو دابر کے قائم مقام نہیں کر سکتے لیکن دابر جزء ہے ھولاء کا اور دابر کی طرف مقطوع کی ضمیر ھو راجع ہے اور ھو ضمیر مقطوع کا نائب فاعل ہے ضمیر اور مرجع دونوں متحد ہوتے ہیں اس لیے اس کا مرجع جو دابر ہے وہ بھی نائب فاعل ہوگا اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ نائب فاعل فاعل کے حکم میں ہوتا ہے اس لیے جس طرح فاعل سے حال واقع ہوتا ہے نائب فاعل سے بھی حال واقع ہو سکتا ہے اور جب جزء نائب فاعل ہے تو ھولاء جو کل ہے وہ بھی نائب فاعل ہوگا لہٰذا اس سے بھی حال واقع کرنا صحیح ہے۔

قولہ ولو قرئ تبین علی صیغة الماضی المعلوم الخ مصنفؒ نے حال کی تعریف جن الفاظ کے ساتھ کی ہے اس میں لفظ یبین مضارع ہے اور باب تفعیل سے ہے اس سے پہلے جو تفصیل گزری وہ اسی صیغہ کی بنا پر ہے شارح فرماتے ہیں کہ اگر اس کو تبیّن ماضی معروف از تفعل پڑھا جائے یا تبیّنُ مضارع مجہول از تفعل پڑھا جائے اور بہ میں باسببیہ ہو اور جار مجرور سے ملکر اس فعل کے متعلق ہو اور لفظ المفعول سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس صورت میں مفعول معہ اور مفعول مطلق سے جو حال واقع ہوتا ہے اس کو بھی حال کی تعریف شامل ہو جائے گی۔ فاعل اور مفعول میں تعمیم کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ حقیقۃً فاعل اور مفعول بہ ہوں یا حکماً۔ کیوں کہ بہ کا تعلق جب تبیّن فعل سے ہو گیا تو لفظ مفعول سے نہ ہوگا اس لیے مفعول میں کوئی قید نہ ہوئی مطلق مفعول مراد ہوگا جس میں مفعول معہ اور مفعول مطلق بھی داخل ہیں اس صورت میں تعریف یہ ہو گی کہ حال وہ اسم ہے جس کی وجہ سے فاعل یا مفعول کی حالت ظاہر ہو جائے یا جس کی وجہ سے فاعل یا مفعول کی حالت ظاہر کی جائے اس میں مطلق مفعول مراد ہوگا مفعول بہ کی تخصیص نہ رہے گی

علی صیغۃ المضارع المجہول من باب التفعیل وجعل الجار والمجرور متعلقاً بہ لا بالمفعول دخل فیہ الحال من المفعول معہ او المفعول المطلق من غیر حاجۃ الی تعمیم الفاعل والمفعول الا دخول ما وقع حالا عن المضاف الیہ مثل ضربت زیداً قائماً مثال للفظی الملفوظۃ حقیقۃ فان فاعلیۃ تاء المتکلم ومفعولیۃ زیداً انما ھی باعتبار لفظ ھذا الکلام ومنطوقہ من غیر اعتبار معنیً خارج عنہ وھما ملفوظان حقیقۃ وزید فی الدار قائماً مثال للفظی الملفوظ حکما فان فاعلیۃ الضمیر المستکن فی الظرف انما ھی باعتبار لفظ ھذا الکلام ومنطوقہ من غیر اعتبار معنی خارج عنہ والضمیر المستکن ملفوظ حکما وھذا زید قائما مثال للمعنوی لان مفعولیۃ زید لیس باعتبار لفظ ھذا الکلام ومنطوقہ بل باعتبار معنی الاشارۃ والتنبیہ المفہومین من لفظ ھذا

---

قولہ نحو ضربت زیداً قائماً۔ یہ مثال فاعل لفظی اور مفعول لفظی سے حال واقع ہونے کی ہے اگر قائماً ضربت کی ضمیر متکلم سے حال واقع ہو تو فاعل لفظی سے حال واقع ہونے کی مثال ہوگی اور اگر زیداً سے حال ہو تو مفعول لفظی سے حال واقع ہونے کی مثال ہوگی۔ بیک وقت دونوں سے قائماً حال واقع نہ ہوگا کیوں کہ اگر ایسا ہو تو قائمین ہونا اس لیے کہ ذوالحال دو ہیں تو حال کو بھی تثنیہ ہونا چاہیے بہرحال علی سبیل البدلیۃ فاعل اور مفعول دونوں سے قائماً حال واقع ہو سکتا ہے۔ اور یہاں ضمیر متکلم کی فاعلیت اور زیداً کی مفعولیت لفظ کلام سے سمجھی جاتی ہے۔ ضمیر متکلم سے حال ہونے کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا میں نے زید کو اس حال میں مارا کہ میں کھڑا تھا اور مفعول سے حال ہونے کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ میں نے زید کو اس حال میں مارا کہ وہ کھڑا تھا۔

قولہ وزید فی الدار قائماً یہ مثال فاعل لفظی سے حال واقع ہونے کی ہے اس میں زید مبتدا ہے اور فی الدار جار مجرور استقر فعل کے متعلق ہے جو محذوف ہے استقر میں ضمیر ھو فاعل ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور قائما اسی ضمیر سے حال واقع ہے اور ضمیر مستتر حکما ملفوظ سمجھی جاتی ہے اس لیے اس کی فاعلیت بھی منطوق کلام سے سمجھی گئی اس میں امر خارج کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

قولہ ھذا زید قائماً یہ مثال مفعول معنوی سے حال واقع ہونے کی ہے فاعل اور مفعول معنوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ سے نہ سمجھی جائے بلکہ مضمون کلام سے سمجھ میں آئے اس میں امر خارج کا اعتبار کرنا پڑتا ہے جیسے یہاں زید کی مفعولیت کلام سے نہیں سمجھ میں آ رہی بلکہ لفظ ھذا سے جو اشیر اور انبہ کے معنیٰ سمجھ میں آتے ہیں اس سے زید کا مفعول ہونا سمجھا جاتا ہے اس سے قائماً حال واقع ہے۔

ولا شک انہما لیسا مما یقصد المتکلم الاخبار بہما عن نفسہ حتی یقدر فی نظم الکلام اشیر وانبہ ویصیر زید مفعولا بہ لفظیا بل مفعولیتہ انما ہی باعتبار معنی اشیر او انبہ الخارج عن منطوق الکلام المعتبر لصحۃ وقوع القائم حالا فہی معنویۃ لا لفظیۃ وعاملہا ای عامل الحال اما الفعل الملفوظ او المقدر نحو ضربت زیدا قائما وزید فی الدار قائما ان کان الظرف مقدرا بالفعل

قولہ ولا شک انہما لیسا مما یقصد المتکلم الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ ھذا زید قائما میں ھذا مبتدا ہے اور زید اس کی خبر ہے اس کا مفعول ہونا اشارہ اور تنبیہ کی معنی کے اعتبار سے ہے جو لفظ ھذا سے سمجھے جاتے ہیں اب اس کے معنی اشیر زیدا اور انبہ زیدا کے ہیں اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب زید کی مفعولیت لفظ ھذا سے سمجھی جا رہی ہے تو یہ مفعول معنوی کہاں رہا اس کی مفعولیت تو لفظی ہوئی اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ لفظ ھذا سے مطلق اشارہ اور مطلق تنبیہ کے معنی سمجھ میں آ رہے ہیں وہ اشارہ اور تنبیہ جو متکلم کی طرف منسوب ہو وہ نہیں سمجھے جا رہے ہیں وہ تو مضمون کلام سے سمجھے جاتے ہیں ان کا اعتبار اس وجہ سے کیا جاتا ہے تاکہ زید مفعول ہو جائے اور اس سے حال واقع ہونا صحیح ہو جائے۔

قولہ وعاملہا الخ حال کا عامل کبھی فعل ہوتا ہے خواہ فعل ملفوظ ہو حقیقۃ جیسے جاءنی زید راکبا میں جاء عامل ہے اور وہ حقیقۃ ملفوظ ہے یا حکما ملفوظ ہو جیسے زید فی الدار قائما اس میں فی الدار ثبت کے متعلق ہے جو مقدر ہے اور مقدر مثل ملفوظ کے ہوتا ہے اسلئے وہ حکما ملفوظ سمجھا جائیگا اور کبھی عامل شبہ فعل ہوتا ہے شبہ فعل کا مطلب یہ ہے کہ جو فعل جیسا عمل کرے اور فعل کا مادہ اور اس کا مادہ ایک ہو جیسے ضارب کہ یہ ضرب فعل جیسا عمل کرتا ہے اور دونوں کا مادہ ضرب ہے شبہ فعل کے عامل ہونے کی مثال زید ذاہب راکبا ہے اس میں ذاہب عامل ہے جو حقیقۃ ملفوظ ہے اور زید فی الدار میں اگر عامل اسم فاعل یعنی ثابت نکالا جائے تو اس میں عامل شبہ فعل ہوگا جو حکما ملفوظ ہے کیوں کہ یہ مقدر ہے اور مقدر مثل ملفوظ کے ہوتا ہے۔ شبہ فعل کے عامل ہونے کی شارح نے اور بھی مثالیں بیان کی ہیں ان کو کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

اور کبھی عامل معنی فعل ہوتے ہیں یعنی نہ تو فعل صراحۃ موجود ہوتا اور مقدر ہوتا ہے بلکہ مضمون کلام سے فعل کے معنی مفہوم ہوتے ہیں جیسے ھذا زید قائما اس میں قائما حال میں عامل ہے اور اشیر وانبہ کے معنی میں ہے جو ھذا سے سمجھے جاتے ہیں اس میں اشارہ کے معنی عامل ہیں کبھی ندا، تمنی، ترجی، تشبیہ کے معنی عامل ہوتے ہیں جن کی مثالیں شارح نے بیان کی ہیں چنانچہ یا زید میں معنی فعل ادعو ہے اور لیتک عندنا مقیما میں فعل اتمنی ہے لعلہ فی الدار میں اترجی اور کانہ اسد صائلا میں اشبہ معنی فعل ہیں

اوشبهه وهو مایعمل عمل الفعل وهو من ترکیبه کاسم الفاعل نحو زید ذاهب راکبًا وزید فی الدار قاعدًا ان کان الظرف مقدرًا باسم الفاعل وکاسم المفعول نحو زید مضروب قائمًا والصفة المشبهة نحو زید حسن ضاحکا او معناه المستنبط من فحوی الکلام من غیر التصریح به او تقدیره کالاشارة والتنبیه فی نحو هذا زید قائمًا کما مر وکالنداء والتمنی والترجی والتشبیه فی نحو یا زید قائمًا ولیتك عندنا مقیما ولعله فی الدار قائمًا وکانه اسد صائلا وشرطها ای شرط الحال ان تکون نکرة لان النکرة اصل والغرض وهو تقیید الحدث المنسوب الی صاحبها یحصل بها والتعریف زائد علی الغرض وان یکون صاحبها معرفة لانه محکوم علیه فی المعنی فکان الاصل فیه التعریف غالبا ای لیس اشتراطها یکون صاحبها معرفة فی جمیع موادها بل فی غالب

---

قوله وشرطها الخ حال کی شرط یہ ہے کہ نکرہ ہو اس کی وجہ شارح نے بیان کی ہے کہ اسم کے اندر نکرہ اصل ہے کیوں کہ وہ عوارض سے خالی ہے نکرہ میں کچھ عوارض لاحق کر کے معرفہ بنایا جاتا ہے جیسے رجل نکرہ ہے اس میں جب الف ولام لایا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے اور حال کا مقصد یہ ہے کہ معنی حدثی جس پر فعل دلالت کرتا ہے اور وہ ذوالحال کی طرف منسوب ہے وہ مقید ہو جائے اور یہ مقصد نکرہ سے پورا ہو جاتا ہے تو معرفہ کی کیا ضرورت. دوسری بات یہ ہے کہ ذوالحال مقید ہوتا ہے اور حال اس کے لیے قید ہے ظاہر ہے قید کا مرتبہ مقید سے کم ہے لیکن ذوالحال کبھی نکرہ بھی ہو جاتا ہے تو اگر حال معرفہ ہو تو ذوالحال کے نکرہ ہونے کی صورت میں قید کی فوقیت اور برتری مقید پر ہو جائے گی وهذا کما تری۔

قوله وان یکون صاحبها معرفة الخ اس کا عطف ان تکون نکرة میں جو ھی ضمیر ہے اس پر ہے مطلب یہ ہے کہ حال کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا ذوالحال معرفہ ہو۔ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اس وجہ سے ہے کہ ذوالحال محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ کا معرفہ ہونا ضروری ہے ذوالحال محکوم علیہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ذوالحال اور حال مبتداء اور خبر کے معنی میں ہیں۔ ذوالحال مبتداء کے معنی میں ہے اس وجہ سے وہ محکوم علیہ ہے اور حال خبر کے معنی میں ہے اس لیے وہ محکوم بہ ہے۔

قوله غالبًا الخ ای لیس اشتراط الخ شارح یہ عبارت لاکر ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت میں تناقض ہے کیوں کہ لفظ شرط سے تو یہ معلوم ہوتا ہے

موادّها اکثرھا وبیان ذالک ان موادروقوع الحال علی قسمین احدھما مایکون ذوالحال فیہ نکرۃ موصوفۃ نحوجاء نی رجل من بنی تمیم فارسا او مغنیۃ غناء المعرفۃ لاستغراقھا نحو قولہ تعالیٰ فیھا یفرق کل امرحکیم امرا من عندنا ان جعلت امرا حالا من کل امرا وواقعۃ فی حیز الاستفہام بل اتاک رجل راکبا او بعدالانتقاضا

---

کہ ذوالحال ہمیشہ معرفہ ہو کبھی اس کے خلاف نہ۔ اور غالبًا سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اس کے خلاف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اور عدم تخلف اور تخلف بر دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں شارح اس عبارت سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ غالبا کا تعلق مصنف کے قول معرفۃ سے نہیں بلکہ شرطھا سے ہے شرط مصدر ہے اشتراط کے معنی میں ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط لگانا یہ اکثری ہے یعنی اکثر مواقع ایسے ہیں کہ ان میں ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے کچھ مواقع ایسے ہیں جہاں ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط نہیں ان مواقع کی شارح نے تفصیل بیان کی ہے:۔

فرماتے ہیں کہ حال کے واقع ہونے کے مواقع مختلف ہیں (۱) ذوالحال نکرہ موصوفہ ہو جیسے جاء نی رجل من بنی تمیم فارسا اس میں رجل نکرہ ہے اور من بنی تمیم اس کی صفت ہے (۲) ذوالحال نکرہ ہو اور اس میں ایسی تخصیص ہو جائے جس سے معرفہ ہونے کی ضرورت باقی نہ رہے جیسے فیھا یفرق کل امرحکیم امرا من عندنا اس میں امرا من عندنا حال ہے اور کل امر ذوالحال ہے اس میں کل کی وجہ سے تمام افراد کا احاطہ ہو گیا جس کی وجہ سے معرفہ کے حکم میں ہو گیا اور تخصیص کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۳) یا ذوالحال نکرہ ہو اور استفہام کے تحت واقع ہو جیسے ھل اتاک رجل راکبا اس میں رجل ذوالحال ہے اور نکرہ ہے لیکن استفہام کے تحت میں ہے اس لیے معرفہ لانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ متکلم کا اپنے مخاطب سے کسی شئ کو دریافت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطب کو مستفہم عنہ کا علم ہے لہذا اس میں نکارت محضہ نہ رہی۔

(۴) ذوالحال نکرہ منفیہ ہو اور حال الا کے بعد نفی کے معنی ختم کرنے کے لیے ہو جیسے ماجاء نی رجل الا راکبا اس میں رجل نکرہ ہے اور نفی کے بعد ہے اور راکبا الا کے بعد نفی توختم کرنے کے لیے آیا ہے اس میں ما اور الا کی وجہ سے حصر ہو گا اور حصر کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جائے گی جس کی وجہ سے معرفہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۵) حال ذوالحال پر مقدم ہو جائے جیسے ماجاء نی راکبا رجل اس میں راکبا حال ہے

للنفی نحو ماجاء فی رجل الا راکباً او مقدماً علیہ الحال نحو ماجاء فی راکباً رجل وثانیھما مایکون ذو الحال فیہ غیر ھذہ الامور وغالب مواد وقوع الحال واکثرھا ھو ھذا القسم ووقوع الحال فی ھذا القسم مشروط بکون صاحبھا معرفۃ فقولہ غالباً قید لاشتراط کون صاحبھا معرفۃ لا لکون صاحبھا معرفۃ حتی یقال ان غالبیۃ کون صاحبھا معرفۃ المنبئۃ عن تخلفہ فی بعض المواد تنافی الشرطیۃ

---

جو اپنے ذوالحال رجل پر مقدم ہے اس میں تقدیم کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جائے گی اس لیے معرفہ لانا ضروری نہ رہا۔

یہ پانچ صورتیں ہیں جنمیں ذوالحال کا معرفہ ہونا ضروری نہیں اس لیے کہ یہ سب صورتیں ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی اعتبار سے تخصیص حاصل ہو گئی ہے۔ تخصیص کے بعد مزید تعریف کی ضرورت باقی نہیں رہتی ایک قسم ذوالحال کی یہ ہوئی جس میں پانچ صورتیں ہیں ان میں ذوالحال کا معرفہ ہونا ضروری نہیں جیساکہ ابھی اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

دوسری قسم ذوالحال کی وہ ہے جو ان مواقع کے علاوہ ہے اور زیادہ تر حال واقع ہونے کے یہی مواقع ہیں جو ان پانچ کے علاوہ ہیں اور ان میں ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے اس واسطے غالباً کہا۔

مختصر الفاظ میں اس کو یوں سمجھیے کہ مصنف کی عبارت شرطہا میں لفظ شرط مصدر ہے جس کے معنی اشتراط یعنی شرط لگانا ہے اور صاحبھا معرفۃ میں لفظ معرفۃ یہ شرط ہے یعنی ذوالحال کے لیے یہ شرط ہے کہ معرفہ ہو شارح نے جو جواب تفصیلی دیا ہے اس کی مختصر تعبیر یہ کی جاسکتی ہے کہ غالباً کا تعلق شرط سے نہیں اشتراط سے ہے یعنی یہ شرط لگانا اکثر حالات کے اعتبار سے ہے

قولہ حتی یقال ان غالبیۃ کون صاحبھا الخ یہ اعتراض مذکور کی تقریر ہے جس کی توضیح اور اس کا جواب ابھی گذر چکا ہے نیز اس عبارت سے شارح ان حضرات کا رد کر رہے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ صاحبھا کا عطف ان تکون کی ھی ضمیر پر نہیں بلکہ یہ علیحدہ جملہ ہے صاحبھا مبتدا ہے اور معرفۃ خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اپنے ماقبل کے جملہ شرطہا ان تکون نکرۃ پر معطوف ہے۔ اس صورت میں غالباً کا تعلق معرفۃ سے بھی ہو سکتا ہے مطلب یہ ہو گا کہ حال کے لیے نکرہ ہونا شرط ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں اور نہ اعتراض مذکور وارد ہو گا۔ لیکن شارح نے اس کو پسند نہیں کیا کیوں کہ ظاہر یہ ہے اس کا عطف ان تکون پر ہے اسی لیے شارح صاحبھا معرفۃ سے پہلے ان یکون

ویحتاج الی ان یصرف الکلام عن ظاھرہ ویجعل قولہ وصاحبہا معرفۃ مبتدأ وخبرا معطوفا علیٰ قولہ وشرطہا ان تکون نکرۃ وارسلھا العراک ولم یذدھا ۔ ولم یشفق علیٰ نغص الدخال، البیت للبید یصف حمار الوحش والاتن ترکہ وکان المراد بارسال البعث والتخلیۃ بین المرسل ومایریدہ ای ارسلھا معارکۃ متزاحمۃ ولم یذدھا ای ولم یمنعھا عن العراک ولم

---

عبارت لائے ہیں۔

قولہ وارسلھا العراک الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے ابھی قاعدہ بیان کیا ہے کہ حال کے لیے نکرہ ہونا ضروری ہے لیکن ارسلھا العراک اور مررت بہ وحدہ اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں جن میں حال معرفہ ہے ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان مثالوں اوران جیسی دیگر مثالوں میں تاویل کی گئی ہے ۔ تاویل کیا ہے اس کی تفصیل ابھی آپ کے سامنے آجائے گی پہلے اس شعر کا مطلب سمجھیے۔

یہ شعر شاعر اسلام حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا ہے جس میں انہوں نے اپنے چشم دید واقعہ کا منظر بیان کیا ہے قصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت لبید ایک مقام پر تھے وہاں یہ دیکھا کہ ایک حمار وحشی نے اپنی مادیوں کو (مؤنث نیل گایوں کو) پانی پینے کے لیے یکدم سے چھوڑ دیا ان کو علیحدہ علیحدہ نہیں بھیجا بلکہ پورے غول کی غول کو چھوڑ دیا اور خود نگرانی کے لیے کھڑا ہو گیا تاکہ کوئی شکاری ان پر حملہ نہ کر دے اس پر حضرت لبیدؓ نے یہ شعر کہا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حمار وحشی نے اپنے مادیوں کو ایکساتھ چھوڑ دیا اوران کو ازدحام یعنی جمع ہو جانے سے نہیں روکا اور نہ اس کا اندیشہ کیا کہ وہ ایک ساتھ سب کے سب جاکر پانی پینے سے ہو سکتا ہے کہ سیراب نہ ہوں ۔ شاعر کے لفظ ارسل پر اعتراض ہوتا ہے ارسال کے معنی ہیں فرستادن یعنی بھیجنا اور یہ ذوی العقول کا خاصہ ہے ۔ تو پھر اس کا فاعل حمار وحشی کیسے ہو سکتا ہے اس کا جواب شارح نے کان الارسال الخ سے دیا ہے جواب یہ ہے کہ ارسال سے مراد بعث اور تخلیہ ہے یعنی حمار وحشی نے اپنی مادیوں کو ایک ساتھ جانے میں رکاوٹ نہ کی ایسا نہیں کیا کہ ان کو روک کر ایک ایک کو بھیجا بلکہ سب کو ایک ہی مرتبہ پانی پینے کے لیے بھیجدیا۔

العراک ،لم یذدھا، لم یشفق کے معنی شارح نے خود بیان کر دیئے ہیں

قولہ علیٰ نغص الدخال نغص کے معنی ہیں سیراب نہ ہونا اور دخال کی صورت یہ ہے کہ ایک اونٹ کو پانی پلاکر پھر اس کے بندھنے کی جگہ بھیجدیا جائے اس کے بعد دوبارہ اونٹوں کے درمیان لے جاکر پھر پانی پلایا جائے تاکہ پہلی مرتبہ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو ان اونٹوں کو پانی پیتے ہوئے

یشفق ای ـ ولم یخف علیٰ نغص الدخال ای علیٰ انہ لو یتم شرب بعضہا اللہ بالدخال ؛ والدخال ھو ان یشرب البعیر ثم یرد من العطن الی الحوض و یدخل من بعیرین عطشانین لیشرب منہ ما عساہ لم یکن شرب منہ ولعل المراد بہ ھٰہنا نفس مداخلۃ بعضہا فی بعض او المعنی علیٰ نغص مثل نغص الدخال ومررت بہ وحدہ و نحوہ مثل فعلتہ جہدک متاول بالنکرۃ فلا یرد نقضا علیٰ قاعدۃ اشتراط کونہا نکرۃ وتاویلہا علیٰ وجہین احدہما انہا مصادر لاحوال محذوفۃ ای تعترک العراک وینفرد وحدہ ای انفرادہ وتجتہد جہدک فھذہ الجمل الفعلیۃ وقعت حالاً وھذہ المصادر منصوبۃ علی المصدریۃ وثانیہما انہا

---

دیکھ کر پھر پی لے اور سیراب ہو جائے اسی طرح ہر اونٹ کے ساتھ یہ صورت کی جائے ۔
اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب دخال اونٹ کی صفت ہے تو اس کو حمار وحشی کیلئے ثابت کرنا کیسے صحیح ہو گا ــــ شارح اس کا جواب لعل المراد سے دے رہے ہیں ۔ جواب یہ ہے کہ یہاں مقید بول کر مطلق مراد لیا گیا ہے یعنی مداخلۃ بعض فی بعض مراد ہے یعنی بعض کو بعض کیساتھ داخل کرنا اور ان سب کو جمع کر دینا مراد ہے خواہ اونٹ ہو یا کسی اور کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے اس صورت میں یہ اطلاق بطور مجاز مرسل ہو گا یا یہ کہا جائے کہ یہاں فعل اتن کو فعل بعیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یعنی حمار وحشی کا فعل مشبہ ہے اور اونٹ کا فعل مشبہ بہ ہے اس وقت یہ مجاز مستعار ہو گا ، ثانی احتمال کو شارح نے او المعنی علیٰ نغص مثل نغص الدخال سے بیان کیا ہے ۔
قولہ مررت بہ وحدہ ونحوہ اعتراض مذکور کی ایک مثال تو ارسلہا العراک ہے اور دوسری مثال مررت بہ وحدہ ہے اس پہلی مثال میں العراک حال ہے اور دوسری مثال میں وحدہ حال ہے اور یہ دونوں معرفہ ہیں ایک میں الف لام تعریف کا ہے اور دوسری میں وحدہ ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے معرفہ ہو گیا ۔ نحوہ سے مراد ان جیسی دوسری مثالیں ہیں جن میں حال معرفہ ہے جیسے فعلتہ جہدک ۔
شارح فرماتے ہیں کہ ان سب میں تاویل کی گئی ہے اور تاویل کی دو صورتیں ہیں ۔
(۱) تاویل یہ ہے کہ یہ حال نہیں ہیں بلکہ مفعول مطلق ہیں اور ان سے پہلے فعل محذوف ہے مثلاً العراک سے پہلے تعترک اور وحدہ سے پہلے ینفرد ۔ اور وحدہ انفراداً کے معنی میں ہے اور فعلتہ جہدک سے پہلے تجتہد محذوف ہیں ۔
(۲) دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ حال واقع ہیں لیکن نکرہ کی تاویل میں ہیں چنانچہ العراک معترکۃ

معارف موضوعة موضع النكرات اى معتركة ومنفرداً ومجتهداً فالصورة وان كانت معرفة فهي في التقدير نكرة كما ان حسن الوجه في صورة المعرفة وهي في المعنى نكرة فان كان صاحبها اى صاحب الحال نكرة محضة لم تكن فيها شائبة تخصيص بما سوى التقديم ولم تكن الحال مشتركة بينها وبين معرفة نحو جاء في رجل وزيد راكبين وجب تقديمها اى تقديم الحال على صاحبها لتخصيص النكرة بتقديمها لانهما في المعنى مبتدا وخبر ولئلا تلتبس في الصفة في النصب في مثل قولنا ضربت رجلا راكبا ثم قدمت في سائر المواضع وان لم تلتبس طرداً للباب

---

کے معنی میں ہے اور وحدہ منفرداً کے معنی میں ہے اور جهدک مجتهداً کے معنی میں ہے پس یہ صورۃً تو معرفہ ہیں لیکن حقیقۃً نکرہ ہیں جس طرح حسن الوجہ معرفہ کی صورت میں ہے لیکن درحقیقت نکرہ ہے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ اضافت لفظی ہے جس سے مضاف میں تخفیف حاصل ہوتی ہے اس سے مضاف معرفہ نہیں ہوتا جیسا کہ اپنے مقام میں آرہا ہے۔

اسی طرح العراک میں الف عہد ذہنی ہے اور وحدہ اور جهدک میں اضافت ذہنی ہے اور یہ سب نکرہ کے حکم میں ہیں۔

قولہ فان كان صاحبها نكرة اس سے پہلے آپ نے پڑھا ہے کہ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے اور حال نکرہ ہوتا ہے اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے کہ ذوالحال مبتدا کے درجہ میں اور حال خبر کے درجہ میں ہے اور مبتدا کا معرفہ ہونا ضروری ہے کیوں کہ وہ محکوم علیہ ہوتا ہے تو جب تک وہ معلوم نہ ہو اس پر حکم کیسے لگایا جائے گا۔ یہ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے تو جب ذوالحال مبتدا کے درجہ میں ہوا تو اس کا بھی معرفہ ہونا ضروری ہے لیکن جس طرح نکرہ میں اگر تخصیص ہو جائے تو وہ مبتدا ہو سکتا ہے اسی طرح ذوالحال نکرہ ہو تو اس میں بھی تخصیص ضروری ہے خواہ کسی قسم کی تخصیص ہو اس کو مصنف بیان کر رہے ہیں کہ اگر کبھی ایسا ہو کہ ذوالحال نکرہ ہو تو اس پر حال کو مقدم کرکے ذوالحال میں تخصیص حاصل کریں گے۔ کیوں کہ تقدیم ماحقہ التاخیر سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے تقدیم کی ایک وجہ تو یہ ہوئی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ذوالحال منصوب ہو تو اگر حال کو اس صورت میں مقدم نہ کریں گے تو موصوف صفت کا شبہ ہوگا یعنی اس کا احتمال ہے کہ ذوالحال اور حال نہ ہوں بلکہ موصوف اور صفت ہوں جیسے رأیت رجلا راکبا میں یہ بھی احتمال ہے کہ رجلا ذوالحال ہو اور راکبا حال ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ رجلا موصوف اور راکبا صفت ہو۔ تو ذوالحال کے منصوب ہونے کی صورت میں التباس تو کہیں لازم آتا۔ لیکن نصب کی حالت میں مقدم کیا تو باقی دو حالتوں میں بھی باب کی موافقت کی وجہ سے مقدم کردیا۔

ولا تتقدم ای الحال فیما عدا مثل زید قائمًا کعمرو قاعدًا علی العامل المعنوی قد عرفت فیما قبل العامل المعنوی وان ماھو مقدر بالفعل او اسم الفاعل مثل الظرف وما یشبہ اعنی الجار والمجرور خارج عنہ داخل فی الفعل او شبہہ فعلی ھذا معنی الکلام

شارح وان کان صاحبھا نکرۃ کے بعد محضۃ لم تکن فیھا مشابھۃ من التخصیص الخ لاکر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ذوالحال کے نکرہ ہونے کی صورت میں حال کو مقدم کرنا اس وقت ضروری ہے کہ وہاں تخصیص کی صرف یہی ایک صورت ہوسکتی ہو کہ حال کو مقدم کیا اس کے علاوہ کوئی صورت نہ ہو ایسی حالت میں مقدم کرنا واجب ہے اور اگر اس کے علاوہ تخصیص کی کوئی اور صورت ہوسکے تو پھر حال کی تقدیم واجب نہیں جیسے رایت رجلا من بنی تمیم راکبا۔ یہاں رجلاً ذوالحال ہے اور نکرہ ہے اور من بنی تمیم اس کی صفت ہے جس کی وجہ سے تخصیص حاصل ہوگئی اس لیے راکبا کو مقدم کرنا واجب نہیں اسی طرح اگر حال نکرہ اور معرفہ کے درمیان مشترک ہو یعنی ایک ذوالحال نکرہ ہو اور دوسرا معرفہ ہو تو اس صورت میں بھی حال کا مقدم کرنا واجب نہیں جیسے جاء نی رجل وزید راکبین اس میں نکرہ معرفہ کے ساتھ مقارن ہونے کی وجہ سے نکرہ محضہ نہیں رہا اس لیے حال کی تقدیم واجب نہ ہوئی۔

قولہ ولا یتقدم علی العامل المعنوی الخ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اس لیے کہ عامل معنوی عامل ضعیف ہے وہ اپنے ضعف کی وجہ سے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا شارح نے مصنف کی اس عبارت کے بعد فیما عدا مثل زید قائمًا کعمرو قاعدا کا اضافہ کیا جس سے ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے اعتراض یہ ہے کہ یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا لیکن اس مثالِ مذکور میں قائما زید سے حال ہے اور اس میں عامل معنوی تشبیہ کے معنی ہیں جو کعمرو میں کاف سے سمجھ میں آتے ہیں اس میں عامل معنوی پر حال مقدم ہے اس کا جواب دیا کہ یہ مثال اور اس جیسی جو مثالیں ہوں وہ ایک قاعدہ کلیہ کی بنا پر اس حکم سے خارج ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حال دو مختلف اسم سے یا ایک اسم سے دو مختلف اعتباروں سے واقع ہوں تو ہر حال کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ذوالحال سے متصل ہو۔ اس مثال مذکور میں یہ بات پائی جاتی ہے کیوں کہ قائما زید سے حال ہے اور زید مشبہ ہے اور قاعدًا عمرو سے حال ہے اور عمرو مشبہ بہ ہے اور مشبہ اور مشبہ بہ دو مختلف اعتبار ہیں اس لیے ہر ایک اپنے ذوالحال سے متصل ہے تاکہ ایک کا حال دوسرے کے حال سے ملتبس نہ ہوجائے۔

قولہ وقد عرفت فیما قبل الخ مصنف رح نے بیان کیا ہے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا شارح فرما رہے ہیں کہ عامل معنوی کی تعریف اس سے پہلے گذر چکی ہے اس وجہ سے یہاں اس کی تعریف کی ضرورت نہیں ہے نیز یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ظرف اور جار مجرور کا عامل فعل یا شبہ فعل کبھی مقدر ہوتا ہے جیسے زید فی الدار قائما میں بعض لوگ فی الدار کا عامل ثبت فعل نکالتے ہیں اور بعض لوگ ثابت

ان الحال لایتقدم علی العامل المعنوی اتفاقا بخلاف الظرف ای بخلاف ما اذا کان العامل ظرفا او شبهه فان فیه خلافا فسیبویه لایجوزه اصلاً نظرا الی ضعف الظرف فی العمل وجوزه الاخفش بشرط تقدم المبتدا علی الحال نحو زید قائما فی الدار فاما مع تاخر المبتدا عن الحال فانه وافق سیبویه فی المنع فلایجوز قائما زید فی الدار ولا قائما فی الدار زید اتفاقا ویحتمل ان یکون معناه ان الحال وان

---

اسم فاعل جو شبہ فعل ہے مقدر مانتے ہیں اس کی تفصیل اور اختلاف کوفیین اور بصریین کا گذر چکا ہے تو اس عامل مقدر کے بارے میں عامل معنوی ہونے کا شبہ ہوتا ہے شارح نے تنبیہ کی کہ عاملِ مقدر کو عاملِ معنوی کہتے ہیں. لہٰذا وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے ایسے عامل پر حال مقدم ہو سکتا ہے۔

قولہ بخلاف الظرف اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اس میں تمام نحاۃ کا اتفاق ہے بخلاف ظرف کے کہ اس کا یہ حکم نہیں مطلب یہ ہے کہ ظرف یا مشابہ ظرف یعنی جار و مجرور اگر عامل ہو ان کے عامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن کے متعلق ہیں یعنی فعل یا شبہ فعل وہ عامل ہوں تو ان پر حال کا مقدم نہ ہو نا متفق علیہ نہیں اس میں اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی حال کا مقدم کرنا جائز نہیں کیوں کہ ظرف کا عامل مضمون کلام سے سمجھا جاتا ہے اس لیے یہ بھی عامل معنوی کی طرح ضعیف ہے اور عامل ضعیف اپنے معمول مقدم پر عمل نہیں کرتا اخفش کا مذہب یہ ہے کہ اگر مبتداء حال پر مقدم ہو اور حال میں جو ضمیر مبتداء کی طرف راجع ہے وہ ذوالحال ہو اور ظرف یا جار مجرور جو خبر واقع ہو تو اس صورت میں ظرف یا شبہ ظرف پر حال کا مقدم کرنا صحیح ہے. جیسے زید قائما فی الدار تو اس مثال میں زید مبتداء قائما حال ہے اس میں ھو ضمیر جو مبتدا کی طرف راجع ہے وہ ذوالحال ہے اور فی الدار جار مجرور مل کر اپنے عامل سے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے جس پر حال مقدم ہے اور یہ تقدیم اخفش کے نزدیک جائز ہے اسلئے کہ خبر کا درجہ یہ ہے کہ مبتداء کے متصل ہو تو یہ اگرچہ صورت مذکورہ میں حال سے مؤخر ہے لیکن مرتبہ کے اعتبار سے مبتدا کے متصل اور حال سے مقدم ہے اس لیے یہاں حال کی تقدیم جار مجرور پر صورۃ ہے حقیقۃ نہیں۔

اور اگر مبتداء حال سے مؤخر ہے تو اخفش کے نزدیک بھی حال کی تقدیم ظرف پر جائز نہیں لہٰذا قائما زید فی الدار یا قائما فی الدار زید کہنا بالاتفاق ناجائز ہے پہلی مثال میں حال مبتداء اور خبر دونوں پر مقدم ہے اور دوسری مثال میں خبر مبتداء پر مقدم ہے لیکن دونوں مثالوں میں حال بغیر تقدیم مبتداء کے ظرف پر مقدم ہے اس لیے کسی کے نزدیک یہ تقدیم جائز نہیں۔

قولہ ویحتمل ان یکون الخ مصنف کے قول بخلاف الظرف کی ایک تقریر تو آپ کے سامنے

كانت مشابهة للظرف لما فيه من معنى الظرفية الا ان الظرف يتقدم على عامله المعنوى لتوسعهم في الظروف والحال لا يتقدم عليه هذا اذا لم يكن الظرف داخلا في العامل المعنوى واما اذا جعلته داخلا في العامل المعنوى كما هو الظاهر من كلامهم فالمراد هو الاحتمال الثاني لا غير وكما لا تتقدم الحال على العامل

---

ابھی گذر چکی کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا لیکن اگر ظرف عامل ہو تو مصنف رح کے مسلک پر حال اس پر مقدم ہو سکتا ہے اس پر شارح نے سیبویہ اور مبرد کا اس سلسلے پر جو مسلک ہے اس کو بھی واضح کر دیا ہے۔ شارح کے نزدیک مصنف رح کی اس عبارت میں ایک دوسرا احتمال ہے۔

اس کی تشریح ـــ حسب بیان شارح یہ ہے کہ حال اگرچہ ظرف کے مشابہ ہے کیوں کہ حال میں بھی ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں چنانچہ جارنی زید راکبا جاء فی زید وقت الرکوب کے معنی میں ہے لیکن اس مشابہت سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ جو حکم حال کا ہے کہ وہ عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا یہی حکم ظرف کا بھی ہوگا کہ وہ بھی عامل معنوی پر مقدم نہ ہوگا۔ شارح فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ باوجود مشابہت کے ظرف حال کے ساتھ اس حکم میں شریک نہیں ہے کیوں کہ ظرف میں وسعت ہے اس لیے اس کو عامل معنوی پر مقدم کیا جا سکتا ہے۔

قولہ هذا اذا لم يكن الظرف داخلا في العامل المعنوى الخ اس سے پہلے مصنف رح کے قول بخلاف الظرف میں دو احتمال بیان کیے ہیں ان دونوں کی توضیح ہو چکی ہے۔ شارح بیان کر رہے ہیں کہ اس عبارت میں دو احتمال اس وقت جاری ہوں گے جب ظرف کو عامل معنوی میں داخل نہ مانا جائے بلکہ اس کو فعل یا شبہ فعل کی تاویل میں کیا جائے جیسا کہ مصنف کا مسلک ہے اور اگر ظرف کو عامل معنوی کی تاویل میں کیا جائے تو پھر اس عبارت میں ثانی احتمال متعین ہے پہلا احتمال جاری نہ ہو سکے گا ورنہ تناقض لازم آئے گا۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ پہلے احتمال پر عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ حال معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے کہ اس پر حال مقدم ہو سکتا ہے اور طے یہ ہے کہ ظرف بھی عامل معنوی ہے۔ تو پھر اس پر کیسے مقدم ہوگا اس میں تو تناقض لازم آتا ہے کیوں اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی الحال لا يتقدم على المعنوى ويتقدم على العامل المعنوى۔

اس لیے یہ احتمال تو صحیح نہیں ہو سکتا صرف دوسرا احتمال ہی مراد لیا جا سکتا ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر پہلے احتمال پر تناقض لازم آتا ہے تو ثانی احتمال پر تقدم الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے لہذا دونوں احتمال باطل ہوئے کوئی احتمال صحیح نہ ہونا چاہیے۔

توضیح اس اعتراض کی یہ ہے کہ ظرف کو عامل معنوی میں داخل ماننے کی صورت میں عبارت کا

المعنوی لک لاتتقدم علی ذی الحال المجرور سواء کان مجرورا بالاضافة او بحرف الجر فان کان مجرورا بالاضافة لم تتقدم الحال علیه اتفاقا نحو جاء تنی مجردا عن الثیاب ضاربة زید وذالک لان الحال تابع وفرع لذی الحال والمضاف الیه لایتقدم علی المضاف فلایتقدم تابعه ایضا وان کان مجرورا بحرف الجر ففیه خلاف فسیبویه واکثر البصریة یمنعون تقدیمها علیه للعلة المذکورة وهو المختار عند المص ولهذا قال علی الاصح ونقل عن بعضهم الجواز استدلالا بقوله تعالیٰ

---

مطلب یہ ہوگا حال اور ظرف میں اگرچہ مشابہت ہے لیکن دونوں کے حکم میں مساوات نہیں حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اور ظرف کو عامل معنوی پر مقدم کیا جاسکتا ہے تو ہمارا اس پر اعتراض یہ ہے کہ جب ظرف عامل معنوی میں داخل ہے اور پھر بھی آپ عامل معنوی پر مقدم کررہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عامل معنوی عامل معنوی پر مقدم ہوا اور یہی تقدم الشیٔ علیٰ نفسہ ہے جو ناجائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے عامل معنوی کی دو قسمیں ہیں ظرف اور غیر ظرف تو ظرف کو عامل معنوی پر مقدم کرنے کی صورت میں عامل کی ایک قسم کا جو ظرف ہے دوسرے قسم یعنی غیر ظرف پر تقدم لازم آتا ہے تو تقدم احد القسمین علی الآخر ہے نہ کہ تقدم الشیٔ علیٰ نفسہ یہ تو جب لازم آتا جب ظرف کو ظرف پر مقدم کرتے

میں کہتا ہوں کہ جس طرح اس تقریر سے تقدم الشیٔ علیٰ نفسہ کا اعتراض دور کیا گیا ہے اسی طرح کی تاویل اگر پہلے احتمال میں کی جائے تو اس کا بھی تناقض دور ہوسکتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ پہلے احتمال پر اعتراض یہ تھا کہ جب ظرف عامل معنوی میں داخل ہے تو عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے کہ وہ بھی عامل معنوی ہے لیکن حال اس پر مقدم ہوسکتا ہے تو اس پر اعتراض یہ تھا کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا اور مقدم بھی ہوتا ہے یہ تو تناقض ہے اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ عامل معنوی کی دو قسمیں ہیں ظرف اور غیر ظرف تو مصنف کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حال ایسے عامل معنوی پر جو غیر ظرف ہے اس پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف اس عامل معنوی کے جو ظرف ہے کہ اس پر حال مقدم ہوسکتا ہے تو تقدم کی نفی ہوئی اس عامل معنوی پر جو غیر ظرف ہے اور تقدم کا اثبات ہے اس عامل معنوی پر جو ظرف ہے تو نفی اور اثبات کا محل علیحدہ علیحدہ ہے تو پھر تناقض کہاں رہا۔

قولہ ولا علی المجرور علی الاصح الخ یعنی حال اپنے ذو الحال مجرور پر بھی مقدم نہیں ہوسکتا خواہ ذو الحال مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو یا حرف جار داخل ہونے کی وجہ سے مجرور ہو۔

اضافت کی وجہ سے اگر مجرور ہو تو تمام نحاۃ کا اتفاق ہے کہ ایسے ذو الحال پر حال مقدم نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حال اپنے وجود میں ذو الحال کے تابع ہے اگر ذو الحال نہ ہو تو حال کا وجود ہی نہ ہوگا اور

وما ارسلناک الا کافۃ للناس ولعل الفرق بین حرف الجر والاضافۃ ان حرف الجر معد للفعل کالھمزۃ والتضعیف فکانہ من تمام الفعل وبعض حروفہ فاذا قلت ذھبت راکبۃ بھند فکانک قلت اذھبت راکبۃ ھندا فالمجرور بحسب الحقیقۃ لیس بمجرور واجاب بعضھم عن ھذا الاستدلال بجعل کافۃ حالا عن الکاف والتاء للمبالغۃ وبعضھم یجعلھا صفۃ المصدر ای رسالۃ کافۃ وبعضھم یجعلھا مصدرا کالکاذبۃ والعافیۃ والکل تکلف وتعسف

---

ذوالحال چوں کہ مضاف الیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا تو پھر مضاف الیہ کا تابع جو اس وقت حال ہے وہ مضاف پر کس طرح مقدم ہو جائے گا۔

اور اگر ذوالحال حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو تو اس میں مصنف اور اکثر نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے ذوالحال مجرور پر بھی حال مقدم نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے علی الاصح کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوالحال جو اس وقت حرف جار کی وجہ سے مجرور ہے وہ اپنے جار پر مقدم نہیں ہو سکتا تو اس کا تابع یعنی حال وہ حرف جار پر مقدم ہو گا۔

بعض نحاۃ کے نزدیک ذوالحال اگر حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو تو اس پر حال مقدم ہو سکتا ہے ان کا استدلال قرآن پاک کی آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس سے ہے۔ اس میں ناس لام کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور کافۃ اس سے حال ہے جو مقدم ہے۔ ان حضرات پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے مجرور کی ان دونوں قسموں میں تفریق کیوں کی ہے۔ کہ اضافت کی وجہ سے اگر ذوالحال مجرور ہو تو اس پر حال کی تقدیم جائز نہیں۔ اور حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو تو حال کی تقدیم جائز ہے۔ اس تفریق کی وجہ شارح اپنے قول لعل الفرق سے بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح باب تفعیل کا عین کلمہ مشدد اور باب افعال کا ہمزہ فعل لازم کو متعدی کر دیتے ہیں۔ اسی طرح حرف جر کے ذریعہ بھی فعل لازم کو متعدی کیا جاتا ہے جیسے ذھبت راکبۃ بھند اس میں ذھبت لازم ہے۔ لیکن باء کی وجہ سے متعدی ہو گیا اور اذھبت راکبۃ ھندا کے معنی میں ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ مجرور در حقیقت مجرور نہیں بلکہ حرف جر فعل کا جز بن گیا ہے اس لیے حال کی تقدیم مجرور پر نہ ہو گی بلکہ فعل پر سمجھی جائے گی۔ اور فعل عامل قوی ہے وہ حال مقدم پر بھی عمل کرے گا۔

قولہ، واجاب بعضھم بھذا الاستدلال الخ بعض نحاۃ نے جو آیت سے استدلال کیا ہے جس کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے جمہور نحاۃ کی طرف سے بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کافۃ ناس سے حال نہیں ہے بلکہ ارسلناک میں جو کاف ضمیر ہے اس سے حال ہے اور کافۃ میں تاء تانیث نہیں

وکل مادل علی ھیأۃ ای صفۃ سواء کان الدال مشتقا اوجامدًا صح ان یقع حالا من غیران یؤول الجامد بالمشتق لان المقصود من الحال بیان الھیأۃ وھو حاصل بہ وھذا رد علی جمھور النحاۃ حیث شرطوا اشتقاق الحال وتکلفوا فی تاویل الجوامد بالمشتق ومع ھذا فلاشک ان الاغلب فی الحال الاشتقاق مثل بسرًا ورطبا فی قولہ ھوھذا بسرًا وھو ما بقی فیہ حموضۃ اطیب منہ رطبًا وھو ما فیہ حلاوۃ صرفۃ فھما مع کونھما جامدین حالان لدلالتھما علی صفۃ البسریۃ والرطبیۃ ولاحاجۃ الی ان یؤول البسر بالمبسر والرطب بالمرطب من ابسر النخل اذا صار ما علیہ بسرًا وارطب اذا صار ما علیہ رطبًا

---

بلکہ مبالغہ کیلئے ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ کافۃ حال نہیں ہے بلکہ مفعول مطلق کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے وما ارسلناک الا ارسالۃ کافۃ۔

شارح کو یہ جواب پسند نہیں ہے اس لئے دانکل تکلف وتعسف فرمایا۔ میرے نزدیک اس میں کوئی تکلف نہیں معلوم ہوتا اس واسطے کہ یہ تاویلات دوسرے مقامات پر بھی کیجاتی ہیں اگر صرف اسی مقام پر کی جاتیں اور اس کی نظیر کہیں نہ ملتی تو تکلف ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب !

قولہ وکل مادل علی ھیأۃ الخ۔ فرماتے ہیں کہ جو اسم ہیئت پر دلالت کرے یعنی جس اسم سے بھی فاعل یا مفعول کی حالت معلوم ہو جائے وہ حال واقع ہو سکتا ہے خواہ جامد ہو یا مشتق ہو حال کے لئے مشتق ہو نا ضروری نہیں ہے اسلئے اگر جامد حال واقع ہو اور وہ ہیئت پر دلالت کرے تو اسکو مشتق تاویل میں کرنے کی ضرورت نہیں، یہ مصنف کا مسلک ہے جمہور نحاۃ کے نزدیک جامد کا حال واقع ہونا صحیح نہیں اگر وہ حال واقع ہو تو مشتق کی تاویل میں کیا جائے گا لیکن اس کے باوجود اغلب یہی ہے کہ حال مشتق ہوتا ہے جیسا کہ شارح نے فرمایا۔

قولہ ھذا بسرًا اطیب منہ رطبًا الخ۔ مصنف کے بیان کردہ قاعدے کی مثال ہے اس مثال میں بسرًا اور رطبا حال ہیں اور جامد ہیں لیکن یہ دونوں صفت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے حال واقع ہونا صحیح ہے بسر اس کھجور کو کہتے ہیں جس کے اندر گدراپن ہو یعنی اس میں صرف مٹھاس نہ ہو بلکہ کچھ کھٹاس ہو۔ اور رطب پختہ کھجور کو کہتے ہیں جس میں صرف مٹھاس ہو کھٹاس نہ ہو، بسر کھجور کے گدراپن پر اور رطب کھجور کی پختگی پر دلالت کر رہا ہے اس لئے صفت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ان کا حال واقع ہونا صحیح ہو گیا بسرا کو مبسرا اور رطب کو مرطب کی تاویل میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ جن کے نزدیک حال کا مشتق ہونا ضروری ہے ان کے نزدیک یہ تاویل کی جائے گی۔ اگر تاویل کی جائے تو اسکی کیا صورت ہوگی۔ وہ شارح کی عبارت سے معلوم کیجئے۔

والعامل فی رطبًا اطیب باتفاق النحاۃ وفی بسرا ایضا عند المحققین وهو وتقدم بسرا علی اسم التفضیل مع ضعفه فی العمل لانه اذا تعلق بشیئ واحد حالان باعتبارین مختلفین یلزم ان یلی کل منهما متعلقه والبسریۃ تعلقت بالمشار الیه بهذا من حیث انه مفضل وهذه الحیثیۃ وان لم تکن معتبرۃ فیه الا بعد اضماره فی اطیب لکنه لما کان الضمیر بالنسبۃ الی المظهر کالعدم اقیم المظهر مقامه واوجبوا ان یلیه والرطبیۃ تعلقت به من حیث انه مفضل علیه وهو ضمیر منه فیجب ان یلیه قال الرضی واما الضمیر المستکن فی افعل فانه وان کان مفضلا لکنه لما لم یظهر کان کالعدم ومع هذا فلا نری باسا بان

---

قولہ والعامل فی رطبًا الخ ۔ مثال مذکور میں سب کے نزدیک رُطبًا کا عامل اطیب ہے اور محققین کے نزدیک بسرا میں بھی عامل اطیب ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اور معمول مقدم پر عمل نہ کر سکے گا اس کا جواب شارح وتقدم بسرا علی اسم التفضیل سے دے رہے ہیں جواب ایک قاعدہ پر مبنی ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک شیَ سے دو حال دو مختلف اعتباروں سے واقع ہوں تو ہر ایک کا اپنے ذوالحال کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے ۔ یہاں ھٰذا کے مشار الیہ سے بسرًا اور رطبا دو حال ہیں بسرًا مفضل ہونے کے اعتبار سے اور رطبا مفضل علیہ ہونے کے اعتبار سے تو جب بسرًا مفضل ہے تو اس کو ھٰذا کے متصل ہونا چاہیئے اور من تفضیلیہ پر مقدم ہونا چاہیئے اور رطبًا مفضل علیہ ہے اس لئے اسکو من تفضیلیہ کے ساتھ متصل ہونا چاہیئے کیونکہ مفضل علیہ ہونا من تفضیلیہ سے معلوم ہوتا ۔ اس قاعدہ کی بنا پر بسرًا اپنے عامل پر مقدم ہوگیا ۔ حاصل یہ ہے کہ یہاں ایک عارض پیش آگیا ہے اسلئے مقدم کیا گیا ۔

قولہ وھذہ الحیثیۃ وان لم تکن الخ ۔ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ بسرًا میں مفضل ہونے کی حیثیت کا پتہ تو اسوقت چلا جبکہ اطیب کی ضمیر بسرًا کی طرف راجع کیگئی کیونکہ مفضل ہونا اسی ضمیر کی وجہ سے معلوم ہوا ہے لہذا بسرًا کو ھٰذا کے متصل ہونیکے بجائے اطیب کے متصل ہونا چاہیئے یعنی اسکے فورًا بعد ہونا چاہیئے ۔ شارح اسکا جواب دے رہے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ بسرا کا مفضل ہونا اطیب کی ضمیر کی وجہ سے معلوم ہوا لیکن ضمیر کا مرجع لفظ ھٰذا ہے وہ اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر کے ہوتے ہوئے ضمیر کالعدم ہوتی ہے تو ایسا ہوا کہ گویا ضمیر موجود نہیں اس کی جگہ اسم ظاہر ہے اس وجہ سے بسرا کو ھٰذا کے متصل کیا گیا ۔

قولہ قال الرضی الخ شارح نے فرمایا ہے کہ اسم ظاہر کے ہوتے ہوئے ضمیر کالعدم ہوتی ہے اسپر بطور سند کے رضی کا قول نقل کر رہے ہیں جس کا مطلب ظاہر ہے اور شارح کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے

قولہ ومع ھذا الخ ۔ یہ بھی رضی کا قول ہے اور در پردہ مصنف وغیرہ نحاۃ پر اعتراض ہے کہ ضمیر اسم ظاہر کے مقابلہ میں بے شک کالعدم ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا اعتبار

یقال وان لو یسمع زید احسن قائما منہ قاعدا وذھب بعضھم الی ان العامل فی بسرًا اسم الاشارۃ ای اشیر الیہ حال کونہ بسرًا وھذا لیس بصحیح لانہ یمکن ان یکون المشار الیہ التمر الیابس فلا تتقید الاشارۃ بحالۃ البسریۃ ولانہ یصح حیث وقع موقع اسم الاشارۃ اسم لا یصح اعمالہ فیہ نحو تمرۃ نخلی بسرًا اطیب منہ رطبا وقد تکون ای الحال جملۃ لدلالتھا علی الھیأۃ کالمفردات فیصح ان تقع حالا مثلھا ولکن یجب ان تکون الجملۃ الحالیۃ خبریۃ محتملۃ للصدق والکذب لان الحال بمنزلۃ الخبر عن ذی الحال واجراءھا علیہ فی قوۃ الحکم بھا علیہ والجملۃ الانشائیۃ لا یصلح ان یحکم بھا علی شئ ولما

---

بالکل نہیں کیا جاتا تو اگر اسم ظاہر کے ہوتے ہوئے بھی ضمیر کا اعتبار کر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں جیسے زید احسن قائما منہ قاعدا اس میں احسن ضمیر زید کی طرف راجع ہے وہ ذو الحال ہے اور قائما اس سے حال ہے تو اگر ضمیر بالکل کالعدم ہوتی اور اس کا اعتبار نہ کیا جاتا تو پھر یہاں اس کا ذو الحال بننا کیسے صحیح ہوتا۔

مصنف اور جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صرف آپ کی رائے ہے آپکے علاوہ اور کوئی اس کا قائل نہیں اسکا اعتراف تو آپ نے اپنے قول ان لم یسمع سے خود ہی کر لیا ہے۔

قولہ وذھب بعضھم الخ بعض نحوی فرماتے ہیں کہ بسرًا میں عامل اطیب نہیں بلکہ ھذا سے جو اشیر کے معنی سمجھے جارہے ہیں وہی عامل ہے لیکن یہ صحیح نہیں، شارح نے اس کی وجہ بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حال اپنے عامل کیلئے قید ہوتا ہے تو اگر عامل اشیر یا انبہ ہے تو بسرًا اشارہ کیلئے قید ہوتا یعنی اشارہ اسی وقت صحیح ہوتا جبکہ کھجور گدری ہو حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ممکن ہے اشارہ اس وقت ہو جبکہ کھجور خشک ہوگئی ہو گدری نہ ہو، اسلئے کہ مقصود تو کھجور کی حالت کو بیان کرنا ہے کہ کھجور جب گدری ہو تو اس کا مزہ اور فائدہ پختہ کھجور سے بہتر ہوتا ہے خواہ یہ اشارہ اور تکلم گدر رہے پن کیوقت ہو یا بالکل پک جانے کے وقت یا خشک ہوجانے کے وقت ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ھذا کی جگہ کوئی اسم جامد ہو اس وقت کس کو عامل بنایا جائے گا مثلاً یہ کہا جائے تمرۃ نخلی بسرا اطیب منہ رطبا ظاہر ہے کہ تمرۃ نخلی کے اندر عامل بننے کی صلاحیت نہیں ہے اسلئے ہم نے جو کہا ہے کہ بسرا اور رطبا دونوں میں اطیب عامل ہے وہ بالکل بے غبار ہے اس میں کسی قسم کا اشکال لازم نہیں آتا۔

قولہ وقد تکون الحال جملۃ خبریۃ الخ لفظ قد تقلیل کیلئے آتا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ حال مفرد ہو کیونکہ بمنزلہ خبر کے ہوتا ہے اور ذو الحال بمنزلہ مفرد ہوتا ہے اور خبر کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو اسلئے حال کو بھی مفرد ہونا چاہئے لیکن کبھی کبھی جملہ بھی ہوجاتا ہے

کانت الجملۃ مستقلۃ فی الافادۃ لاتقتضی ارتباطھا بغیرھا والحال مرتبطۃ بغیرھا فاذا وقعت الجملۃ حالا لابد لھا من رابطۃ تربطھا الی صاحبھا وھی الضمیر والواو والجملۃ الخبریۃ اما اسمیۃ او فعلیۃ والفعلیۃ اما ان یکون فعلھا مضارعا مثبتا او مضارعا منفیا او ماضیا مثبتا او ماضیا منفیا فھذہ خمس جمل فالاسمیۃ ای الجملۃ الاسمیۃ الحالیۃ متلبسۃ بالواو والضمیر معا القوۃ الاسمیۃ فی الاستقلال فناسب ان تکون الرابطۃ فیھا فی غایۃ القوۃ نحو جئت وانا راکب وجئت وانت راکب وجاء نی زید وھو راکب او بالواو وحدھا لانھا تدل علی الربط فی اول الامر فاکتفی بھا مثل قولہ علیہ السلام کنت نبیا وآدم بین الماء والطین وھذا ای الربط بالواو وحدھا او بھا مع الضمیر انما یکون فی الحال المنتقلۃ

---

اسواسطے کہ حال کا مقصد یہ ہے کہ فاعل یا مفعول کی حالت اس سے معلوم ہو اور یہ مقصد کبھی جملہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اسلئے حال کا جملہ ہونا بھی صحیح ہے لیکن حال کا چونکہ ذوالحال سے ربط ہوتا ہے اور جملہ مستقل ہوتا ہے اس کا ماقبل سے ربط جملہ ہونے کی حیثیت سے نہیں ہوتا اسلئے ضروری ہے کہ جب جملہ حال واقع ہو تو اس میں کوئی رابطہ ہونا چاہئے جس کی وجہ سے ذوالحال سے ربط پیدا ہو جائے اور رابطہ ضمیر اور واؤ ہے جسکی تفصیل ابھی آپ کو معلوم ہو جائیگی ـــــــ مصنفؒ نے جملہ کو خبریہ کیساتھ مقید کیا اسواسطے کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ حال محکوم بہ اور خبر ہوتا ہے اور جملہ انشائیہ میں محکوم بہ بننے کی صلاحیت نہیں اگر جملہ انشائیہ کبھی حال ہوتا ہے تو اسمیں مقول فی حقہ یا اس کے مثل کیساتھ تاویل کرنی پڑتی ہے جملہ خبریہ جو حال واقع ہوتا ہے اسکی پانچ قسمیں ہیں (۱) جملہ اسمیہ (۲) فعل ماضی مثبت (۳) فعل ماضی منفی (۴) مضارع مثبت (۵) مضارع منفی، ان پانچوں جملوں میں کبھی رابطہ صرف ضمیر ہوتی ہے کبھی واؤ کبھی دونوں جس کی تفصیل مصنف بیان کر رہے ہیں ۔

قولہ فالاسمیۃ الخ ۔ ابھی آپ کو معلوم ہوا ہے کہ حال واقع ہونیوالے جملے پانچ ہیں ان پانچوں میں رابطہ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو اسمیں رابطہ واؤ اور ضمیر دونوں ہوں گے کیونکہ جملہ اسمیہ تمام جملوں میں قوی ہے اسلئے رابطہ بھی قوی ہونا چاہئے جب دونوں رابطہ جمع ہو جائیںگے تو ربط قوی ہو جائے گا جیسے جئت وانا راکب جئت وانت راکب جاءنی زید وھو راکب ۔

قولہ او بالواو الخ جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو تنہا واو سے ربط حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ واو جملہ اسمیہ حالیہ کے شروع میں آئے گا اور واو کی اصل وضع یہ ہیکہ ماقبل اور مابعد دونوں کو جمع کر دے اسلئے واو کے شروع میں آنے کی وجہ سے معلوم ہو جائیگا کہ اسکے بعد آنیوالا جملہ ماقبل سے مرتبط ہے جیسے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین اسمیں آدم مبتداء ہے اور بین الماء والطین خبر ہے مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہے اور تنہا واو ربط کیلئے ہے ۔

قولہ وھذا ای الربط بالواو وحدھا الخ ابھی بیان کیا ہے کہ جملہ اسمیہ جب حال واقع ہو تو

واما فی الحال المؤکدۃ فلا تدخل الواو تقول ھو الحق لاشک فیہ وذلک لان الواو لاتدخل بین المؤکد والمؤکد لشدۃ الاتصال بینھما او بالضمیر وحدہ علی ضعف لان الضمیر لایجب ان یقع فی الابتداء فلابد لہ شیئ المی بطفی اول الامر نحو کلمتہ فوہ الی فی فلابد من الواو علی الصحیح والمضارع المثبت ای الجملۃ الفعلیۃ التی یکون الفعل فیھا مضارعا مثبتا متلبسۃ وبالضمیر وحدہ لمشابھتہ لفظا ومعنی لاسم الفاعل المستغنی عن الواو نحو جاء نی زید یسرع

---

ربط واو اور ضمیر دونوں کیساتھ یا تنہا واو کیساتھ ہوتا ہے ـــــ شارح فرماتے ہیں کہ ربط کی یہ دو صورتیں حال منتقلہ میں ہیں، حال موکدہ میں ربط کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ حال موکدہ میں ذوالحال اور حال کے درمیان اتصال بہت شدید ہوتا ہے اور شدت اتصال کی وجہ سے دونوں ایک سمجھے جاتے ہیں ان کے درمیان اگر واوؔ کولایا جائے گا تو دونوں کے درمیان فصل ہو جائے گا۔

حال موکدہ اس کو کہتے ہیں کہ جو ذوالحال سے کبھی جدا نہ ہو جیسے ہو الحق لاشک فیہ اسمیں الحق ذوالحال ہے اور لاشک فیہ حال موکدہ ہے اس وجہ سے ربط کی ضرورت نہیں۔

حال منتقلہ اس حال کو کہتے ہیں جو ذوالحال سے جدا ہو جائے اسی وجہ سے اس کو منتقلہ کہتے ہیں جیسے ضربت زیدًا قائمًا، اس میں قائمًا حال ہے زیدًا سے اور زید سے قیام جدا ہو سکتا ہے ہمیشہ زید کھڑا نہیں رہتا کبھی بیٹھتا اور لیٹتا ہے۔

قولہ او بالضمیر الخ۔ جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو اسمیں کبھی تنہا ضمیر کیساتھ ربط ہوتا ہے لیکن یہ ضعیف ہے اس لئے کہ ضمیر کیلئے یہ ضروری نہیں کہ شروع میں ہو جس کی وجہ سے شروع ہوتے ہی ربط معلوم ہو جائے۔ جیسے کلمتہ فوہ الی فی اسمیں صرف ضمیر پر ربط کے سلسلے میں اکتفاء کیا گیا ہے لیکن ضعیف ہے۔ اس مثال میں فوہ مضاف اور مضاف الیہ ملکر مبتداء ہے اور الی فی جار مجرور مل کر ثابت وغیرہ کے متعلق ہو کر فوہ کی خبر ہے مبتداء اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال ہے اگر کلمت کی ضمیر متکلم سے حال ہو تو ربط فی میں یاء ضمیر متکلم کی وجہ سے حاصل ہوگا اور اگر کلمتہ میں ہاء ضمیر مفعول ذوالحال ہو تو ربط فوہ میں ہاء ضمیر مفعول بہ کی وجہ سے ہوگا۔

قولہ والمضارع المثبت الخ۔ اگر فعل مضارع مثبت حال واقع ہو تو اس وقت اسمیں ربط کے لئے ضمیر کافی ہے اس لئے کہ مضارع مثبت کو اسم فاعل کے ساتھ مشابہت لفظی اور معنوی دونوں طرح سے ہے اور اسم فاعل میں ربط کیلئے ضمیر کافی ہے اس لئے فعل مضارع میں بھی ضمیر کافی ہوگی۔

مضارع مثبت کو اسم فاعل کے ساتھ مشابہت لفظی تو اس طرح ہے کہ وہ اسم فاعل کے ساتھ تعداد حروف اور حرکات وسکنات میں برابر ہے اور مشابہت معنوی یہ ہے کہ مضارع کی جگہ اسم فاعل واقع ہو سکتا ہے جیسے جاءنی زید یسرع میں یسرع حال ہے اسکی جگہ جاءنی زید سارعا کہہ سکتے ہیں۔

وماسواهما ای ماسوی الجملة الاسمية والفعلية المشتملة علی المضارع المثبت من الجمل المشتملة علی المضارع المنفي او الماضي المثبت او المنفي بالواو والضمير معًا او بأحدهما وحده من غير ضعف عند الاكتفاء بالضمير لعدم قوة استقلالها كالاسمية فالمضارع المنفي نحو جاءني زيد ومايتكلم غلامه او جاءني زيد مايتكلم غلامه او جاءني زيد ومايتكلم عمرو والماضي المثبت نحو جاءني زيد وقد خرج غلامه او جاءني زيد قد خرج غلامه او جاءني زيد وقد خرج عمرو والماضي المنفي نحو جاءني زيد وماخرج غلامه او جاءني زيد ماخرج غلامه او جاءني زيد وما خرج عمرو ولابد في الماضي المثبت لا المنفي من دخول لفظة قد المقربة من زمان الماضي الى الحال لفظة على المثبت الواقع حالا ليدل بها على قرب زمانه الى زمان صدور الفعل من ذي الحال او وقوعه عليه تجوزًا

---

قولہ وَمَاسِوَاهُمَا الخ ۔ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ پانچ قسم کے جملے حال واقع ہوتے ہیں ان میں سے جملہ اسمیہ اور فعل مضارع مثبت کا بیان ختم ہوا انہیں ربط کی کیا شکل ہوتی ہے اس کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے اب باقی تین جملوں کا بیان اور انہیں ربط کی صورتیں بیان کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر حال فعل مضارع منفی واقع ہو یا ماضی مثبت یا ماضی منفی ہو تو انہیں واؤ اور ضمیر دونوں ربط کیلئے لائے جائیں یا صرف واؤ لایا جائے یا صرف ضمیر لائی جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں اور انہیں کوئی ضعیف نہیں کیونکہ جملہ اسمیہ کے حال واقع ہونے کی صورت میں ربط کیلئے ضمیر پر اکتفاء کرنا اس وجہ سے ضعیف ہے کہ جملہ اسمیہ کا استقلال (مستقل) ہونا قوی ہے اس کیلئے ربط بھی قوی ہونا چاہئے اور ضمیر اتنی قوی نہیں، جملہ اسمیہ کے علاوہ باقی اور جملوں میں اس درجہ استقلال نہیں اسلئے انہیں ربط کیلئے ضمیر کافی ہوسکتی ہے۔ شارح نے ان تینوں قسم کے جملوں کے حال واقع ہونے کی مثالیں اور ان میں ربط کی ان تینوں صورتوں کا بیان کیا ہے ان کو دیکھئے اور ہر ایک مثال کو اسکے ممثل لہ کیساتھ منطبق کیجئے۔

قولہ ولابد فی الماضی المثبت الخ ۔ ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اسمیں قد کا ہونا ضروری ہے خواہ لفظوں میں ہو یا پوشیدہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور حال موجودہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں میں بعد ہے اس بعد کو قد کے ذریعہ دور کیا جاتا ہے کیونکہ قد ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔

قولہ تجوزًا الخ ۔ یہ اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مقصود تو یہ ہے کہ حال اصطلاحی کا زمانہ اور اس کے عامل کا زمانہ ایک ہو یعنی انمیں مقارنت ہو ایسا نہ ہو کہ عامل کا زمانہ کچھ ہو اور حال کا زمانہ کچھ اور قد ماضی کو زمانہ حال کے قریب کرتا ہے جس کو حال لغوی کہتے ہیں حال اصطلاحی کے قریب نہیں کرتا تو جو قد سے حاصل ہوتا ہے وہ مطلوب نہیں اور جو مطلوب ہے وہ قد سے حاصل نہیں شارح نے تجوزًا سے جواب دیا کہ قد

لان المتبادر من الماضی المثبت اذا وقع حالا ان مضیه انما هو بالنسبة الی زمان العامل فلابد من قد حتی تقربه الیه فیقارنه وهذا بخلاف مذهب الکوفیین فانهم لا یوجبون قد ظاهرة ولا مقدرة سواء کانت ظاهرة فی اللفظ نحو جاءنی زید قد رکب غلامه او مقدرة منویة نحو قوله تعالیٰ جاؤکم حصرت صدورهم

---

بے شک لغت میں ماضی کو حال لغوی کے قریب کرتا ہے حال اصطلاحی کے قریب کیلئے اس کی وضع نہیں ہے لیکن حال لغوی اور حال اصطلاحی میں اشتراک اسمی ہے اسلئے مجازاً جو معنی خاص کیلئے موضوع ہے اس کو معنی عام میں استعمال کرلیا گیا یعنی قد جو ماضی کو حال لغوی (زمانہ تکلم کے) قریب کرتا ہے اسکو ایسا سمجھ لیا گیا کہ وہ حال اصطلاحی کے بھی قریب کرتا ہے۔

قولہ لان المتبادر من الماضی المثبت الخ۔ یعنی فعل ماضی جب حال واقع ہو تو اس کے متبادر معنی ذہن میں یہ آتے ہیں کہ اس کا ماضی ہونا عامل کے زمانے کے اعتبار سے ہوگا حالانکہ حال اور اس کے عامل کا زمانہ ایک ہونا چاہیئے مثلاً جاءنی زید رکب غلامہ اگر کہا جائے اور رکب جو حال ہے اس پر قد نہ داخل کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میرے پاس زید آیا اور اس کا غلام زید کے آنے سے پہلے ہی سوار ہو چکا تھا۔ اس صورت میں حال اور اس کے عامل کے زمانے میں مقارنت نہیں رہتی رکوب غلام کا زمانہ مجئ زید کے زمانہ سے پہلے معلوم ہوتا ہے اس لئے قد لایا جاتا ہے تاکہ وہ ماضی کو حال سے قریب کردے اور قرب شئ حکم میں اس شئ کے ہوتا ہے لہذا قد جو مقاربت پر دلالت کرتا ہے اس کو ایسا سمجھ لیا جائے گا کہ گویا وہ مقارنت پر دلالت کر رہا ہے اس طرح حال کے زمانہ اور اس کے عامل کے زمانہ میں مقارنت ہو جائے گی اور جو مطلوب ہے کہ دونوں کے زمانے میں مقارنت ہو وہ حاصل ہو جائے گا۔ ماضی کو مثبت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے یعنی ماضی مثبت اگر حال واقع ہو تو قد کا لانا ضروری ہے معلوم ہوا کہ اگر ماضی منفی حال واقع ہو تو اسمیں قد کا لانا ضروری نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نفی کے لئے جبتک کوئی قاطع نہ ہو یعنی اس کو ختم کرنیوالی کوئی چیز نہ ہو تو اسمیں استمرار ہوتا ہے اسلئے استمرار کی وجہ سے زمانہ عامل میں اور حال کے زمانہ میں مقارنت ہو جائے گی اور یہی مطلوب ہے اسلئے قد کی ضرورت نہیں۔

قولہ فیقارنہ الخ۔ یہ مقارنت حکمی ہوگی حقیقی نہ ہوگی جیسا کہ اس سے پہلے اس کو تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

قولہ ہذا بخلاف مذہب الکوفیین الخ۔ یعنی ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اسمیں قد کا لانا بصریین کے نزدیک ضروری ہے نحاۃ کوفہ کے نزدیک قد کا لانا نہ لفظاً ضروری ہے نہ تقدیراً ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فعل بھی دلالت کرتا ہے اور اسم فاعل جب حال واقع ہو تو اس میں قد نہیں آتا اسی طرح فعل میں بھی قد نہ لایا جائے گا قرآن پاک میں اس کی بہت سی

ای قد حصرت وهذا الخلاف مذهب سیبویه والمبرد فانهما لایجوزان حذف قد فسیبویه یؤوّل قوله تعالی حصرت صدورهم بقوما حصرت صدورهم فتکون جملة حصرت صدورهم صفة موصوف محذوف وهو الحال والمبرد یجعله جملة دعائیة وانما لم یشترط ذلک فی المنفی لاستمرار النفی بلا قاطع فیشمل زمان الفعل ویجوز حذف العامل فی الحال لقیام قرینة حالیة کقولک للمسافر ای الشارع فی السفر او المنتهی له راشدا مهدیا ای سر راشدا مهدیا بقرینة حال المخاطب وقوله مهدیا اما صفة لراشدا او حال بعد حال او مقالیة کقولک راکبا لمن یقول کیف جئت

---

ہیں جہاں ماضی مثبت حال واقع ہے اور قد نہیں ہے جیسے اذجاؤکم حصرت صدورہم اسمیں حصرت صدورہم ماضی ہے اور حال ہے اور قد نہیں ہے ۔ هذه بضاعتنا ردت الینا ۔ وکیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا ان میں ردت اور کنتم ماضی ہیں اور حال واقع ہیں مگر قد نہیں ہے ۔

قولہ وهذا الخلاف مذهب سیبویه والمبرد الخ ۔ ابھی یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اس میں قد کا لانا ضروری ہے خواہ قد لفظوں میں ہو یا مقدر ہو ۔
سیبویہ اور مبرد اس تعمیم کو پسند نہیں کرتے ان کا مسلک یہ ہے کہ قد کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے اس کا حذف جائز نہیں ان پر جب اشکال ہوا کہ جاؤکم حصرت صدورہم میں حصرت حال واقع ہے اور قد لفظوں میں نہیں ہے تو اس کا جواب سیبویہ کے نزدیک تو یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہے جاؤکم قوما حصرت صدورہم ہے اسمیں قوما حال ہے اور حصرت صدورہم اس کی صفت ہے خود حال نہیں ہے، مبرد کے نزدیک یہ جملہ معترضہ ہے اس میں بد دعاء کی گئی ہے ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ تمہارے پاس آئے خدا کرے ان کے دل تنگ ہو جائیں ۔

قولہ وانما لم یشترط ذلک فی المنفی الخ ۔ ماضی منفی جب حال واقع ہو تو اس میں قد کا لانا ضروری نہیں ہے اس کی وجہ اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے ۔

قولہ ویجوز حذف العامل الخ ۔ قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی وجہ سے حال کے عامل کا حذف کرنا جائز ہے جیسے کوئی سفر کا ارادہ کرے اس کو راشدا مہدیا کہا جائے اس میں راشدا حال ہے اور اسکا عامل سر قرینہ حالیہ کی وجہ سے محذوف ہے مہدیا تو راشدا کی صفت ہے یا راشدا حال اول اور مہدیا حال ثانی ہے راشد اور مہدی میں فرق یہ ہے کہ راشد اس کو کہتے ہیں کہ جو خود راستہ جانتا ہو اور مہدی وہ ہے جس کو راستہ بتایا گیا ہو ۔ قرینہ مقالیہ کی مثال جیسے کوئی شخص سوال کرے کیف جئت اس کے جواب میں کہا جائے راکبا ۔ ای جئت راکبا میں سواری پر آیا ہوں یہاں سوال میں فعل موجود ہے

ای جئت راکباً بقرینۃ السوال ومنہ قولہ تعالیٰ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ بَلٰی قٰدِرِیْنَ. ای بلیٰ نجمعہا قادرین ویجب حذف العامل فی بعض الاحوال المؤکدۃ وھی ای الحال المؤکدۃ مطلقا ھی التی لا تنتقل من صاحبہا مادام موجودًا غالبًا بخلاف المنتقلۃ والمنتقلۃ قید للعامل بخلاف المؤکدۃ مثل زید ابوک عطوفا فان العطوفیۃ لا تنتقل عن الاب فی غالب الامر ای احقہ بفتح الھمزۃ او ضمہا من حققت

---

اور اسی قسم کا فعل جواب میں آنا تھا اس لئے اس کو حذف کر دیا اسی طرح اللہ پاک کے قول بلیٰ قادرین میں اس کا عامل نجمعہا محذوف ہے کیونکہ ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ میں اس کا ذکر ہے اور اس قسم کا فعل جواب میں بھی ہے اس لئے بقرینہ سوال جواب میں اس کو حذف کر دیا گیا۔

قولہ ویجب فی المؤکدۃ الخ۔ حال کی دو قسمیں ہیں حال موکدہ ہے جو اپنے ذوالحال سے اس کی موجودگی میں اکثر جدا نہ ہو بطور شاذ و نادر کبھی جدا ہو جائے یہ دوسری بات ہے اور حال منتقلہ وہ حال ہے جو اپنے ذوالحال سے اس کی موجودگی میں جدا ہو جاتا ہو، حال موکدہ کی مثال زید ابوک عطوفا ہے (زید تیرا باپ ہے اس حال میں کہ وہ مہربان ہے) اس لئے کہ اغلب یہ ہے کہ عطوفت اور مہربانی باپ سے جدا نہیں ہوتی، حال منتقلہ کی مثال ضربت زیدًا قائمًا ہے اس میں قائمًا حال منتقلہ ہے خواہ ضربت کی ضمیر انا واحد متکلم فاعل سے اس کو حال قرار دیا جائے یا زیدًا مفعول بہ سے حال قرار دیا جائے قیام متکلم اور زید دونوں سے جدا ہو جاتا ہے کوئی ایسا نہیں جو ہمیشہ کھڑا رہتا ہو ــــــ شارح نے مصنف کے قول المؤکدۃ سے پہلے بعض الاحوال نکالا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض احوال موکدہ میں عامل کا حذف واجب ہے بعض میں نہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو حال جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو اس میں حال کے عامل کا حذف واجب نہیں کیونکہ عامل کے حذف کے بعد اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہے اور جو حال جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہو اس کے عامل کا حذف واجب ہے اس وجہ سے شارح نے بعض الاحوال کا اضافہ کیا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل خود شارح آگے چل کر بیان کریں گے۔

قولہ ای الحال المؤکدۃ مطلقا الخ۔ شارح نے مطلقا کا لفظ لا کر یہ بیان کیا ہے کہ یہ مطلق حال موکدہ کی تعریف ہے خواہ اس کے حال کا حذف کرنا واجب ہو یا نہ ہو۔

قولہ والمنتقلۃ قید الخ۔ شارح حال موکدہ اور منتقلہ میں فرق بیان کر رہے ہیں کہ حال منتقلہ اپنے عامل کیلئے قید ہوتا ہے اور حال موکدہ قید نہیں ہوتا بلکہ تاکید کیلئے آتا ہے حاصل ہے کہ حال منتقلہ میں تقیید ہوتی ہے اور حال موکدہ میں تاکید ہوتی ہے۔

قولہ ای احقہ الخ اس سے زیدًا ابوک عطوفا مثال بیان کی ہے جس میں عطوفا حال موکدہ ہے، اور اس کا عامل احقہ محذوف ہے اس کو ہمزہ کے فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں دونوں صورتوں

الامر بمعنی تحققتہ وصرت منہ علی یقین او من احققت الامر بھذا المعنی بعینہ او بمعنی اثبتہ ای تحققت ابوتہ لک وصرت منہا علی یقین او اثبتہا لک عطوفا وقال صاحب المفتاح احق التقدیرات عندی ان یقدر یجنی عطوفا وشرطہا ای شرط وجوب حذف عاملہا ان تکون مقررۃ ای موکدۃ لمضمون جملۃ احترز بہ عما یوکد بعض اجزائہا کالعامل فی قولہ تعالی اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا فانہ لا یجب حذفہ اسمیۃ احترز بہا عما اذا کانت فعلیۃ فانہ لا یجب حذف عاملہا کما قال صاحب الکشاف فی قولہ تعالی

---

میں یہ مضارع واحد متکلم کا صیغہ ہے ہمزہ کے فتحہ کی صورت میں باب ضرب یضرب سے مضاعف ثلاثی ہے اُحِقُّ اَفِرُّ کے وزن پر ہے اور ہمزہ کے ضمہ کی صورت میں باب افعال سے مضارع واحد متکلم ہے اگر باب ضرب یضرب سے مانا جائے تو یہ حققت الامر سے ماخوذ ہوگا جو تحققتہ وصرت منہ علی یقین کے معنی میں ہوگا یہاں حققت الامر کو تحققتہ کے معنی میں کرنے کی ضرورت اس واسطے پیش آئی کہ حققت الامر اس وقت بولتے ہیں جب اس شئی کا یقینی طور پر ثبوت ہو اور اس کا حصول مبالغہ کے صیغے سے حاصل ہوتا ہے اور مجرد کا صیغہ مبالغہ کیلئے نہیں آتا، شارح نے بمعنی تحققتہ لاکر یہ بتایا کہ یہاں صیغہ مجرد تفعل کے معنی میں ہے اور باب تفعل مبالغہ کیلئے آتا ہے اور صرت منہ علی یقین یہ تحققتہ کا عطف تفسیری ہے۔

قولہ او من احققت الامر الخ یعنی احق واحد متکلم اگر باب افعال سے ہو تو اس کا ماخوذ منہ احققت الامر ہے اور اس کے معنی بھی یا تو تحققتہ کے ہیں جیسا کہ احق مجرد کے معنی تھے یا احققتہ کے معنی اثبتہ کے ہوں یعنی میں نے تیرے لئے ابوت کی تحقیق کرلی اور مجھ کو اس کا بالکل یقین ہوگیا کہ زید تیرا باپ ہے اور تجھ پر مہربان ہے۔

قولہ وقال صاحب المفتاح احق التقدیرات عندی الخ - صاحب مفتاح سے مراد علامہ سکاکی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عطوفا کا عامل یجنی نکالا جائے باب ضرب سے وہ زیادہ بہتر ہے اس کا ترجمہ یہ ہے زید تیرا باپ ہے تجھ پر مائل ہوتا ہے اس حال میں کہ وہ مہربان ہے اس میں وہ تکلفات نہیں ہیں جو احقہ مقدر ماننے کی صورت میں ہیں خواہ صیغہ مجرد ہو یعنی ضرب سے یا باب افعال سے ہو دونوں صورتوں میں اپنے باب سے ہٹ کر دوسرے باب کے معنی میں کیا جاتا ہے۔

قولہ وشرطہا ان تکون مقررۃ الخ - حال کے عامل کا حذف اس وقت واجب ہے جب اس میں یہ شرط پائی جائے کہ وہ جملہ کی مضمون کی تاکید کر رہا ہو اور جملہ بھی اسمیہ ہو اگر جملہ کے مضمون کی تاکید نہ کرتا ہو بلکہ اس کے بعض اجزاء کی تاکید کر رہا ہو تو پھر عامل کا حذف واجب نہیں جیسے اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا اس میں رسولا حال ہے لیکن وہ پورے جملہ کے مضمون کی تاکید نہیں کر رہا بلکہ اس کے جز یعنی صرف رسالت کی تاکید کر رہا ہے اسلئے فعل نہیں حذف کیا گیا۔ اسی طرح اگر حال جملہ کی تاکید تو کر رہا ہو لیکن وہ جملہ اسمیہ نہ ہو بلکہ فعلیہ ہو تب

قائما بالقسط انہ حال موکدۃ من فاعل شہد و لابد ھہنا من قید آخر وھو ان یکون عقد تلک الاسمیۃ من اسمین لا یصلحان للعمل فیہا والا لکان عاملہا من کون افکیف یکون حذفہ واجبا نحو اللہ شاھد قائما بالقسط التمیز ما ای الاسم الذی یرفع الابہام واحترز بہ

---

بھی اس کے عامل کا حذف واجب نہیں جیسے شہد اللہ انہ لا الہ، اس میں قائما حال ہے شہد کے فاعل لفظ اللہ سے اور جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہے نہ کہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی اس لئے اس کا عامل شہد موجود ہے اس کو حذف نہیں کیا گیا۔

قولہ ولابد ھہنا الخ۔ شارح مصنف پر اعتراض کر رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ جس طرح حال موکدہ کے عامل کے حذف کے وجوب کے بارے میں مصنفؒ نے یہ قید لگائی ہے کہ حال جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کر رہا ہو تب اس کے عامل کا حذف واجب ہے اسی طرح یہ قید بھی لگانا چاہئے کہ جملہ اسمیہ کی ترکیب ایسے دو اسموں سے ہو کہ ان میں سے کسی ایک کے اندر عامل بننے کی صلاحیت نہ ہو اگر کسی ایک کے اندر بھی عامل بننے کی صلاحیت ہو تو اسی کو عامل بنایا جائے گا، اور وہ مذکور ہوگا محذوف نہیں جیسے اللہ شاہد قائما بالقسط اس میں قائما حال ہے جو اپنے سے پہلے والے جملہ اسمیہ کی تاکید کر رہا ہے اور اس کا عامل شاھد مذکور ہے محذوف نہیں ہے کیونکہ جب مذکور کے اندر عامل بننے کی صلاحیت ہے تو محذوف ماننے کی کیا ضرورت۔

قولہ التمیز ما یرفع الابہام الخ۔ تمیز ایسا اسم ہے جو ذات مذکورہ یا مقدرہ سے اس ابہام کو دور کرے جو اس کے معنی موضوع لہ میں راسخ ہو چکا ہو ما سے مراد اسم ہے اگر فعل ابہام کو دور کرے تو اس کو تمیز نہ کہیں گے جیسے قطع رزقہ ای مات قطع رزقہ کے اندر ابہام تھا مات نے اس کو دور کر دیا کہ قطع رزقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے لیکن مات فعل ہے لہذا اس کو تمیز نہ کہیں گے پھر ما جنس ہونے کی وجہ سے تمام اسماء کو شامل ہے یرفع الابہام سے بدل خارج ہوگا اس واسطے کہ بدل مبدل منہ سے ابہام کو دور نہیں کرتا بلکہ مبدل منہ ہی کو دور کر دیتا ہے یعنی مبدل منہ کالعدم اور متروک ہو جاتا ہے اس کی جگہ بدل لے لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بدل میں ترک مبہم اور ایراد معین ہے بدل سے کسی چیز کا ابہام نہیں دور کیا جاتا۔ مستقر کے معنی لغت میں تو ثابت کے ہیں لیکن یہاں اس کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے اذا اطلق المطلق یراد بہ الفرد الکامل۔ جب مطلق ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور ابہام میں فرد کامل وہ ابہام ہے جو وضع کے اعتبار سے ہو اسلئے تمیز کی تعریف یہ ہوگی کہ تمیز ایسا اسم ہے جو ایسے ابہام کو دور کرے جو راسخ ہو یعنی وضع کے وقت اس میں ابہام ہو اس سے مشترک کی صفت اور مبہمات کی صفت یعنی اسم اشارہ وغیرہ کی صفت اور عطف بیان سے احتراز ہے مشترک کی صفت سے جیسے رأیت عینا جاریۃ اس میں جاریۃ عینا کی صفت ہے اور عینا میں ابہام وضع کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال مختلف

عن البدل فان المبدل منہ فی حکم التنحیۃ فھو لیس یرفع الابھام عن شئی بل ھو ترک مبھم و ایراد معین المستقر ای الثابت الراسخ فی المعنی الموضوع لہ من حیث انہ موضوع لہ فان المستقر وان کان بحسب اللغۃ ھو الثابت مطلقا لکن المطلق منصرف الی الکامل وھو الوضعی و احترز بہ عن نحو رایت عینا جاریۃ فان قولہ جاریۃ یرفع الابھام عن قولہ عینا لکنہ غیر مستقر بحسب الوضع بل نشأ فی الاستعمال باعتبار تعدد الموضوع لہ وکذا یقع بہ الاحتراز عن اوصاف المبھمات نحو ھذا الرجل فان ھذا مثلا اما موضوع لمفہوم کلی بشرط استعمالہ فی جزئیاتہ او لکل جزئی جزئی منہ ولا ابھام فی ھذا المفہوم الکلی ولا فی واحد واحد من جزئیاتہ بل الابھام انما نشأ من تعدد الموضوع لہ او المستعمل فیہ فتوصیفہ بالرجل یرفع ھذا الابھام لا الابھام الواقع فی الموضوع لہ من حیث انہ موضوع لہ وکذا یقع بہ الاحتراز عن عطف البیان فی مثل قولک ابو حفص عمر فان کل واحد من ابی حفص وعمر موضوع لشخص معین لا ابھام فیہ لکن لما کان عمر اشھر زال بذکرہ الخفاء الواقع فی ابی حفص

---

معانی میں ہوتا ہے اس لئے تعدد موضوع لہ کے اعتبار سے استعمال میں اگر ابہام پیدا ہو گیا کیونکہ عین کے معنی چشمہ، آنکھ، سونا، گھٹنہ وغیرہ ہیں ان سب میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور قرینہ کی وجہ سے اس کی تعیین ہوتی ہے یہاں جاریۃ کی وجہ سے عین کے معنی پانی کا چشمہ ہے تو جاریۃ سے عین کا ابہام دور ہوا جو استعمال کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا وضع کے اعتبار سے اس میں ابہام نہیں اسی طرح ھذا الرجل قائم میں الرجل ھذا کی صفت ہے اور ھذا اسم اشارہ ہے اس میں وضع کے اعتبار سے کوئی ابہام نہیں کیونکہ اس کی وضع یا تو مفہوم کلی کے لئے ہے اسی شرط کے ساتھ کہ اس کا استعمال جزئیات میں ہو جیسا کہ بعض نحویوں کا قول ہے یا ہر ہر جزئی کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع کیا گیا ہے جیسا کہ جمہور نحاۃ کا قول ہے اور ابہام نہ مفہوم کلی میں ہے نہ ہر ہر جزئی میں ہے استعمال میں اگر ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسم اشارہ کی صفت ابہام وضعی کو دور کرنے کیلئے نہیں لہذا تمییز کی تعریف اس پر صادق نہ آئے گی۔ عطف بیان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی ابہام وضعی کو دور نہیں کرتا مثلا ابو حفص عمر میں ابو حفص کے اندر وضع کے اعتبار سے ابہام نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت ہے اور کنیت کا درجہ علَم کا ہوتا ہے اسمیں ابہام کیسے ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہ نسبت کنیت کے اپنے نام سے زیادہ مشہور ہیں اس لئے ابو حفص میں عدم شہرت کی وجہ سے جو خفاء تھا، لفظ عمر نے اس کو زائل کر دیا تو یہ ابہام استعمال کے اعتبار سے ہوا کہ ایک کا استعمال زیادہ ہے اس لئے وہ مشہور ہے اور ایک کا

لعدم الاشتہار لا الابہام الوضعی عن ذاتٍ لاعن وصف واحترز بہ عن النعت والحال فانہما یرفعان الابہام المستقر الواقع فی الوصف لافی الذات وتحقیق ذلک ان الواضع لما وضع الرطل مثلا لنصف من فلاشک ان الموضوع لہ معنی معین متمیز عما ھو اقل من النصف کالربع وعما ھو اکثر منہ کمن ومنین ولا ابہام فیہ الامن حیث ذاتہ ای جنسہ فانہ لایعلم منہ بحسب الوضع انہ من جنس العسل او الخل او غیرھما والامن حیث وصفہ فانہ لایعلم منہ بحسب الوضع انہ بغدادی او مکی فاذا ارید رفع الابہام الوصفی الثابت فیہ بحسب الوضع اتبع بصفۃ او حال فیقال رطل بغدادی واذا ارید رفع الابہام الذاتی قیل زیتا فزیتا یرفع الابہام المستقر عن الذات لا النعت والحال فانہما یرفعان الابہام عن الوصف مذکورۃ اومقدرۃ صفتان للذات اشارۃ الی تقسیم التمیز فالمذکورۃ نحو رطل زیتا والمقدرۃ نحو طاب زید نفسا فانہ فی قوۃ قولنا طاب شئ منسوب

---

استعمال کم ہے اسلئے اس میں کچھ خفا ہے معلوم ہوا عطف بیان ابہام وضعی کو دور کرنے کیلئے نہیں بلکہ استعمال کی وجہ سے جو کسی درجہ میں ابہام پیدا ہو جاتا ہے عطف بیان اس ابہام کو دور کر دیتا ہے۔

**قولہ عن ذات الخ** ۔ تمیز ایسا اسم ہے جو ذات سے ابہام کو دور کرے اس سے احتراز ہے نعت اور حال سے وہ دونوں ذات سے ابہام کو دور نہیں کرتے بلکہ وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں۔

**قولہ وتحقیق ذلک الخ** ۔ ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ ابہام ذات میں بھی ہوتا ہے اور وصف میں بھی ذات سے ابہام دور کرنا تمیز کا کام ہے اور وصف سے ابہام دور کرنے کیلئے صفت اور حال ہیں۔ شارح مثال کے ذریعہ اس کی توضیح کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثلاً لفظ رطل ایک خاص مقدار یعنی نصف من کیلئے وضع کیا گیا ہے اس سے کم یا اس سے زیادہ کو نصف من نہ کہا جائے گا تو اس میں مقدار کے اعتبار سے تو کوئی ابہام نہیں البتہ ذات یعنی جنس کے اعتبار سے ابہام ہے کہ ایک رطل کیا چیز ہے اسی طرح وصف کے اعتبار سے بھی ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ رطل کہاں کا ہے بغداد کا ہے یا مصر کا ہے یا کسی اور شہر کا تو اگر ذات کے ابہام کو دور کیا جائے تو تمیز لائی جائے گی مثلاً رطل زیتا کہا جائے گا اور اگر ابہام وصفی کو دور کرنا ہے تو صفت لائی جائے گی یا حال صفت کی صورت میں رطل بغدادی یا مکی کہا جائے گا اور حال کی صورت میں عندی رطل بغدادیا او مکیا کہا جائے گا۔

**قولہ مذکورۃ اومقدرۃ الخ** ۔ یہ دونوں ذات کی صفت ہیں اس سے تمیز کی دو قسموں کیطرف اشارہ ہے (۱) ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے (۲) ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے پہلی قسم کی مثال عندی رطل زیتا ہے رطل کی جنس نہ معلوم تھی کہ وہ کیا ہے زیتا نے اس ابہام کو دور کر دیا

الی زید ونفسا یرفع الابہام عن ذلک الشئی المقدر فیہ فالاول ای القسم الاول من التمیز وھو ما یرفع الابہام عن ذات مذکورۃ یرفع عن مفرد یعنی بہ ما یقابل الجملۃ و شبہھا والمضاف مقدار صفۃ لمفرد وھو ما یقدر بہ الشئی ای یعرف بہ قدرہ و یبین غالبًا ای فی غالب المواد واکثرھا ای رفع الابہام مطلقا یتحقق فی ضمن ھذا الرفع الخاص فی اکثر المواد و ذلک لان الابہام فیہ اکثر والمقدار

---

کروہ ایک مطلق تیل ہے ، دوسری قسم کی مثال جیسے طاب زید نفسا یہ طاب شئی منسوب الی زید نفسا کے حکم میں ہے نفسا تمیز ہے جو شئی سے ابہام کو دور کر رہا ہے اور وہ پوشیدہ ہے یہ نہیں معلوم تھا کہ زید کیطرف منسوب ہونے والی شئی کو جو اچھا کہا جا رہا ہے وہ کس اعتبار سے اچھا کہا جا رہا ہے نفسا نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ زید کی طرف منسوب ہونے والی چیز جس کو اچھا کہا جا رہا ہے وہ خود اس کی ذات ہے یعنی زید اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے ۔

قولہ فالاول عن مفرد مقدار الخ ۔ شارح نے الاول سے پہلے القسم لاکر یہ بتایا کہ القسم موصوف ہے اور الاول اس کی صفت ہے عن مفرد سے پہلے یرفع لاکر یہ بتایا کہ عن مفرد جار مجرور مل کر یرفع فعل محذوف کے متعلق ہے پھر یرفع پورا جملہ الاول مبتدا کی خبر ہے مقدار مفرد کی صفت ہے مفرد کے کئی معانی آتے ہیں یہاں مفرد سے یہ مراد ہے کہ جملہ اور شابہ جملہ اور مضاف نہ ہو خواہ تثنیہ اور جمع ہو مقدار کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کسی شئی کا اندازہ کیا جائے اور مقدار معلوم کیجائے جیسے کیل، وزن، مساحت وغیرہ۔

بیت :۔ پنج اندجان من تو مقادیر راشناس ٭ کیل است ووزن وعدد ذراع است وہم قیاس

اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تمیز کی پہلی قسم جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ ذات مذکورہ اکثر مفرد مقدار ہوتی ہے جس سے ابہام دور کیا جاتا ہے ۔

قولہ ای رفع الابہام مطلقا یتحقق الخ ۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ الاول مبتدا ہے اور عن مفرد مقدار یہ خبر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مبتدا اور خبر کا مفہوم آپس میں مغایر ہونا چاہیئے اور یہاں دونوں کا مفہوم ایک ہے اس واسطے کہ قسم اول میں ابہام مفرد مقدار سے دور کیا جاتا ہے اور عن مفرد مقدار کا بھی یہی مطلب ہے شارح اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ قسم اول سے مراد رفع ابہام مطلق ہے خواہ مفرد مقدار سے ہو یا غیر مقدار سے اور عن مفرد مقدار میں مقدار کی تخصیص ہے اس تاویل کے بعد عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ رفع ابہام مطلق کا تحقق اس کے ایک خاص فرد کے ضمن میں ہوتا ہے اور وہ خاص فرد مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرنا ہے ۔ غالبًا اس واسطے کہا کہ مفرد مقدار میں ابہام کثرت سے ہوتا ہے تو جب ابہام کا وقوع اس صورت میں زیادہ ہے تو اسکا رفع بھی اسی صورت سے زیادہ ہوگا

اما متحقق فی ضمن عدد نحو عشرون درهما وسیاتی ذکر تمییز العدد وبیانہ فی باب اسماء العدد واما فی ضمن غیرہ ای غیر العدد کالوزن نحو رطل زیتا فان الرطل نصف من ونحو منوان سمنا وکالکیل نحو قفیزان برا وکالذراع نحو ذراع ثوبا وکالمقیاس نحو علی التمرۃ مثلہا زبدا والمراد بالمقادیر فی ہذہ الصورۃ ہو المقدرات لان قولک عندی عشرون درہما ورطل زیتا وقفیزان برا وذراع ثوبا وعلی التمرۃ مثلہا زبدا المراد بہا المعدود والموزون

---

قولہ اما فی عدد نحو عشرون درہما الخ ۔ واما فی غیرہ الخ ۔ تمییز کی پہلی قسم یہ ہے کہ مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے اور مفرد مقدار کا تحقق یا عدد کے ضمن میں ہو جیسے عشرون درہما اس میں عشرون عدد مبہم ہے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ عشرون کا مصداق کیا ہے درہما نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ عشرون سے مراد یہاں درہم ہے یا مفرد مقدار کا تحقق غیر عدد کے ضمن میں ہو شارح نے اس کی کئی مثالیں بیان کی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

قولہ نحو رطل زیتا الخ اس میں رطل عدد نہیں بلکہ وزن ہے جو نصف من کیلئے وضع کیا گیا ہے اسمیں ابہام تھا یہ نہیں معلوم تھا کہ رطل کیا چیز ہے زیتا نے ابہام کو دور کر دیا، رطل کا وزن ایک سو تیس درہم کے برابر ہوتا ہے اور من سیر کو کہتے ہیں جو دو سو ساٹھ درہم کے برابر ہوتا ہے ۔

قولہ منوان سمنا الخ ۔ یہ وزن کی دوسری مثال ہے منوان من تثنیہ ہے اس میں ابہام تھا یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ دو سیر کیا چیز ہے سمنا نے ابہام دور کر دیا کہ وہ گھی ہے ۔

قولہ نحو قفیزان برا الخ ۔ دو بوری گندم ہے یہ کیل کی مثال ہے قفیزان قفیز کا تثنیہ ہے اس کے معنی بوری کے ہیں اس میں ابہام تھا بُرا نے ابہام کو دور کر دیا ۔

قولہ وکالذراع نحو ذراع ثوبا الخ ۔ یہ ذراع کی مثال ہے ذراع کے معنی گز کے ہیں یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک گز کیا چیز ہے ثوبا نے ابہام دور کر دیا ۔

قولہ وکالمقیاس نحو علی التمرۃ مثلہا زبدا الخ ۔ یہ مقیاس کی مثال ہے اس میں مثلہا کی ضمیر تمرۃ کی طرف راجع ہے اس میں ابہام تھا اس کے معنی یہ ہیں کہ کھجور پر کھجور کے مثل اس سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کھجور پر کھجور کے مثل کیا چیز ہے زبدا نے ابہام کو دور کر دیا کہ وہ مکھن ہے ۔

قولہ والمراد بالمقادیر الخ ۔ اس سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ عدد، کیل، وزن، وغیرہ کی جتنی مثالیں بیان کی گئیں ان میں کسی ایک میں بھی ابہام نہیں مثلاً عشرون ایک عدد معین کیلئے ہے نہ تو بیس سے کم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے نہ اس سے زیادہ پر اسی طرح منوان دو سیر کو کہتے ہیں نہ اس سے کم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے نہ اس سے زیادہ پر باقی مثالوں کا یہی

والمكيل والمذروع والمقيس لاغير وانما اقتصر المصـ على الامثلة الثلثة لانه كان مطمح نظره التنبيه على بيان ما يتم به المفرد وهو التنوين كما في رطل زيتا والنون كما في منوان سمنا او الاضافة كما في على التمرة مثلها زبدا ولهذا لم يستوف اقسام المقادير وكرر بعضها ومعنى تمام الاسم ان يكون على حالة لايمكن اضافته معها والاسم مستحيل الاضافة مع التنوين ونوني التثنية والجمع ومع الاضافة لان المضاف لايضاف ثانيا فاذا تم الاسم بهذه الاشياء شابه الفعل اذا تم بالفاعل وصار به كلاما تاما مايشابه

---

یہی حال ہے کہ وہ سب معین ہیں مبہم نہیں ہیں اور جب ان میں ابہام نہیں تو تمیز کی کیا ضرورت ہے لہذا تمیز کی مثال میں ان کو بیان کرنا صحیح نہیں ہے ـــــ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں مقادیر سے مراد مقدرات ہیں یعنی مقادیر کا مصداق مراد ہیں خود یہ مقادیر مراد نہیں مثلاً عشرون سے عدد مراد نہیں بلکہ معدود مراد ہے اور وہ مبہم ہے اسی طرح وزن سے موزون کیل سے مکیل، ذراع سے مذروع قیاس سے مقیس مراد ہے اور ان سب میں ابہام ہے لہذا تمیز کی مثال میں انکو بیان کرنا صحیح ہے۔

قولہ انما اقتصر المصنف الخ۔ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ توضیح کے لئے ایک مثال کافی ہے مصنف نے متعدد مثالیں کیوں بیان کیں اور اگر ایسا کرنا تھا تو تمام مقادیر کی مثالیں بیان کرتے لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ وزن کی دو مثالیں بیان کی ہیں اور کیل اور ذراع کی مثالیں ترک کردی ہیں۔

شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مصنف کا مقصد مقادیر کو بیان کرنا نہیں بلکہ ان چیزوں کو بیان کرنا مقصود ہے جن سے مفرد تام ہوتا ہے کیونکہ تمیز کے نصب کا تقاضا اسم تام ہی کرتا ہے جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے اور اسم تام کا مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت میں ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اضافت نہ ہوسکتی ہو اس کی تین صورتیں ہیں یا اس اسم میں تنوین ہو جیسے رطلٌ زیتا یا نون تثنیہ یا نون جمع اس کیساتھ لاحق ہو جیسے منوان سمنا عشرون درہما یا وہ اسم مضاف ہو کیونکہ جو اسم مضاف ہوتا ہے اس کو دوبارہ مضاف نہیں کیا جاتا جیسے مثلہا زبدًا اسی طرح تنوین اور نون کے ساتھ اضافت نہیں ہوسکتی۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ مصنف رح کو اسم تام کی صورتیں بیان کرنا مقصود تھا اس لئے تین مثالیں بیان کیں ایک مثال تنوین کی ایک نون کی ایک اضافت کی نون تثنیہ اور نون جمع کا ایک ہی حکم ہے اس لئے نون جمع کے ساتھ اسم تام کی مثال نہیں بیان کی اور وزن کی دو مثالیں بیان کیں ایک میں اسم تام تنوین کے ساتھ ہے اور دوسری میں نون تثنیہ کے ساتھ ہے۔

قولہ فاذا تم الاسم بهذه الاشياء الخ۔ اسم تام تمیز کے منصوب ہونے کا تقاضا کیوں کرتا ہے اس کی وجہ بیان کررہے ہیں کہ جب اسم تنوین، نون، اضافت کے ساتھ تام ہوجائے گا تو وہ فعل

التمیز الآتی بعدہ المفعول لوقوعہ بعد تمام الاسم کما ان المفعول حقہ ان یقع بعد تمام الکلام فینصبہ ذلک الاسم التام قبلہ لمشابہتہ الفعل التام بفاعلہ وھذہ الاشیاء انما قامت مقام الفاعل لکونہا فی آخر الاسم کما کان الفاعل عقیب الفعل الا تری ان لام التعریف الداخلۃ علی اول الاسم وان کان یتم بہا الاسم فلا یضاف معہا لا ینتصب التمیز عنہ فلا یقم عندی الراقود خلاً فیفرد ای التمیز وان کان الاسم التام مثنی او مجموعا ان کان ای التمیز جنسا وھو ما یتشابہ اجزاءہ ویقع مجردا عن التاء

---

کے مشابہ ہو جائے گا کیونکہ فعل اپنے فاعل سے مل کر تام ہو جاتا ہے اور فاعل کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اسی طرح اسم ان اشیاء کے ذریعہ تام ہو جائے گا اور یہ اشیاء آخر میں آنے کی وجہ سے بمنزلہ فاعل ہوں گی اب اسم تام کے بعد جو تمیز آئے گی وہ بمنزلہ مفعول ہو گی تو جس طرح مفعول پر نصب آتا ہے تمیز پر بھی نصب آجائے گا۔

**قولہ الا تری ان لام التعریف الخ** یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم تام کی وجہ سے تمیز پر جو نصب آتا ہے اس کی وجہ فعل کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ مشابہت تنوین اور نون اور اضافت کے ساتھ تام ہونے میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ فاعل فعل کے بعد آتا ہے اور یہ اشیاء بھی اسم کے بعد ہوتی ہیں اور الف لام کے ساتھ بھی اسم تام ہوتا ہے چنانچہ دوبارہ اس کو مضاف نہیں کر سکتے لیکن فعل کے ساتھ ایسے اسم تام کی مشابہت نہیں ہے کیونکہ الف لام شروع میں آتا ہے اور فاعل فعل کے شروع میں نہیں آتا بلکہ فعل کے بعد آتا ہے اور جب فعل کے ساتھ مشابہت نہ ہوئی تو جس اسم پر الف لام ہوگا اس کی تمیز منصوب نہ ہوگی چنانچہ عندی الراقود خلاً نہ کہا جائے گا بلکہ راقود کو خل کی طرف مضاف کر کے خل کو مجرور پڑھا جائے گا یعنی راقود خلٍ کہا جائے گا راقود بڑے مٹکے کو کہتے ہیں۔

**قولہ فیفرد الخ** ۔ تمیز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں کہ کس صورت میں اس کو مفرد لایا جائے گا اور کس صورت میں تثنیہ اور جمع لایا جائے گا فرماتے ہیں کہ اگر تمیز جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا خواہ اسم تام تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ لیکن یہ طریقہ غیر عدد کی تمیز کا ہے عدد کی تمیز کا بیان اپنے موقع پر آئے گا جنس سے مراد جنس منطقی نہیں بلکہ اس سے مراد وہ ہے جس کو شارح نے ما یتشابہ اجزاءہ سے بیان کیا ہے، یعنی اس کے اجزاء کل کے مشابہ ہوں کل پر جس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اس کے ہر ہر جز پر بھی اس اسم کا اطلاق ہو اور تاء اس کے ساتھ لاحق نہ ہو تو قلیل وکثیر پر اس کا اطلاق ہوگا، تاء کا استثناء اس واسطے کیا کہ تاء وحدت کیلئے بھی آتی ہے اس لئے تاء کے ہوتے ہوئے کبھی ایک فرد مراد لیا جاتا ہے جنس کی مثال جیسے الماء التمر کہ سمندر میں جو پانی ہے اس کو بھی ماء کہتے ہیں اور ایک قطرہ پانی ہو تو اس کو بھی ماء کہتے ہیں اسی طرح

علی القلیل والکثیر فلا حاجۃ الی تثنیتہ وجمعہ کالماء والتمر والزیت والضرب بخلاف رجل وفرس الا ان تقصد الانواع ای مافوق النوع الواحد فیشمل المثنی ایضا لانہ یدل لفظ الجنس مقردا علیھا فلا بد من ان یثنی او یجمع قیل وفی تخصیص قصد الانواع بالاستثناء نظر لانہ کما جاز ان یقال طاب زید جلستین للنوع جاز ان یقال طاب زید جلستین للعدد ویمکن ان یجاب عنہ بان المراد بالانواع حصص الجنس سواء کانت

کھجور کے ایک ڈھیر کو اور ایک کھجور کو دونوں پر تمر کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو جب جنس کا اطلاق قلیل و کثیر پر ہوتا ہے تو تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں مفرد ہی سے کام چل جائے گا تو پھر اس کو تثنیہ اور جمع لانے کی کیا ضرورت۔

قولہ بخلاف رجل وفرس الخ ۔ یعنی رجل اور فرس کا حال ماء اور تمر کی طرح نہیں ان کا اطلاق قلیل اور کثیر پر یکساں نہیں بلکہ ایک مرد کیلئے رجل کہا جائے گا اور دو کیلئے رجلان جمع کیلئے رجال کہا جائے گا یہی حال فرس کا ہے نیز رجل کے ہر ہر جزء کو رجل نہیں کہا جاتا مثلاً ہاتھ یا پیر کو رجل کوئی نہیں کہتا اسی طرح فرس کے ہر ہر جزء کو فرس نہیں کہا جاتا اس لئے اگر رجل یا فرس تمیز واقع ہو تو ان کو ان کے اسم تام کے مطابق لایا جائے گا اسم تام مفرد ہو تو ان کو مفرد لایا جائے گا اور اگر اسم تام تثنیہ یا جمع ہو تو ان کو تثنیہ اور جمع لایا جائے گا۔

قولہ الا ان یقصد الانواع الخ ۔ ابھی بیان کیا ہے کہ تمیز اگر جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا اب اس سے استثناء کر کے فرما رہے ہیں کہ تمیز جنس ہو لیکن اس سے انواع کا قصد کیا جائے تو پھر حسب مقصود اس کو تثنیہ اور جمع لایا جائے گا کیونکہ جنس کا اطلاق بے شک قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے لیکن انواع مختلفہ پر اس کی دلالت نہیں ہوتی۔ مصنف نے انواع صیغۂ جمع کے ساتھ لائے ہیں لیکن اس سے ماخوذ الواحد مراد ہے یعنی یہ حکم تثنیہ اور جمع دونوں کو شامل ہے کہ دو نوع مراد ہوں تو تمیز کو تثنیہ لایا جائے گا کئی نوع مراد ہوں تو جمع لایا جائے گا جیسے عندی رطلان زیتین میرے پاس دو رطل تیل ہے دو قسم کا عندی ارطال زیوتا میرے پاس کئی رطل تیل ہے کئی قسم کا۔

قولہ قیل وفی تخصیص قصد الانواع الخ ۔ اعتراض کر رہے ہیں اس کے بعد جواب دیں گے اعتراض یہ ہے کہ جس طرح انواع کا قصد کیا جائے تو تمیز کو تثنیہ اور جمع لایا جاتا ہے اسی طرح اعداد کا قصد کیا جائے تو اس میں بھی تمیز کو تثنیہ اور جمع لایا جاتا ہے لہٰذا مصنف کو چاہئے تھا کہ استثناء میں اعداد کو بھی شامل کر لیتے اور کہتے الا ان یقصد الانواع والاعداد۔

شارح نے نوع کی مثال طاب زید جلستین بیان کی ہے یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور عدد کی مثال طاب زید جلستین جیم کے فتحہ کے ساتھ بیان کی ہے پہلی مثال کے معنی ہیں زید اچھا ہے دو قسم کے بیٹھنے کے اعتبار سے اور دوسری مثال کا ترجمہ یہ ہے اچھا ہے زید دو مرتبہ بیٹھنے کے اعتبار سے۔

بالخصوصیات الکلیۃ اوالشخصیۃ وجمع ای یورد التمییز علی مافوق الواحد جوازا حیث لو یقصد الواحد فی غیرہ ای فی غیر الجنس نحو عندی عدل ثوبین او اثوابا تو ان کان ای المفرد المقدار تاما بتنوین او بنون التثنیۃ اوی المعنی ان وجد التمییز متلبسا بتنوین المفرد او بالنون التی للتثنیۃ فانہ لما تم الاسم بھما اقتضی التمییز جازت الاضافۃ

---

دیکن ان یجاب عنہ سے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ انواع سے مراد جنس کے حصص یعنی اسکے افراد مراد ہیں خواہ خصوصیات کلیہ کے ساتھ ہوں جیسے نوع یا خصوصیات شخصیہ کے ساتھ ہوں جیسے عدد خصوصیات سے مراد قیود ہیں قیود کلیہ جیسے حیوان ناطق، حیوان انسان، حیوان فرس، قیود شخصیہ جیسے حیوان شخص، حیوان زید جواب کا حاصل یہ ہے کہ انواع سے مراد جنس کے افراد ہیں انواع اور اعداد دونوں کو شامل ہیں لہذا اعداد کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ وجمع فی غیرہ الخ۔ یعنی اگر تمییز جنس نہ ہو تو اسکو اسم تام کے مطابق تثنیہ اور جمع لایا جائے گا یہاں بھی جمع کا لفظ لائے ہیں لیکن مراد اس سے مافوق الواحد ہے جو تثنیہ کو بھی شامل ہے یعنی اسم تام تثنیہ ہو تو تمییز کو تثنیہ اور جمع ہو تو تمییز کو جمع لایا جائے گا ہر صورت میں اسکو واحد نہ لایا جائے گا البتہ اسم تام واحد ہو تو پھر تمییز کو واحد لایا جائے گا جیسے عندی عدل ثوبا و ثوبین و اثوابا، عدل کے معنی گٹھری کے ہیں جسمیں کپڑے کے تھان باندھے جاتے ہیں اسوقت کی اصطلاح میں اسکو گانٹھ کہتے ہیں اگر ایک قسم کے کپڑے کی گانٹھ ہے ثوبا کہیں گے دو قسم کے کپڑوں کی ہے تو ثوبین، کئی قسم کے کپڑوں کی ہے تو اثوابا کہیں گے۔

قولہ فان کان بتنوین او بنون التثنیۃ الخ۔ شارح نے کان کے بعد ای المفرد المقدار تاما لاکر بتایا کہ کان ناقصہ ہے اسمیں ضمیر جو مفرد مقدار کیطرف راجع ہے وہ اسکا اسم ہے اور تاما اسکی خبر ہے اسکے بعد اوی المعنی ان وجد التمییز لاکر یہ بتایا کہ کان تامہ بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں کان وجد کے معنی میں ہوگا اور اسوقت کان کی ضمیر تمییز کیطرف راجع ہوگی، پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مفرد مقدار تام ہو تنوین کے ساتھ یا نون تثنیہ کیساتھ تو اسوقت مفرد مقدار کی اضافت تمییز کیطرف جائز ہے اور کان تامہ کیصورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر تمییز اس حال میں پائی جائے کہ وہ مفرد مقدار کی تنوین یا اس کے نون تثنیہ کیساتھ متلبس ہو یعنی تمییز کا اسم تام تنوین یا نون تثنیہ کیساتھ ہو تو مفرد مقدار کی اضافت تمییز کیطرف جائز ہے، دونوں صورتوں کا حاصل ایک ہی ہے اس توضیح سے یہ معلوم ہوگیا کہ بتنوین او نون التثنیہ سے تمییز کی تنوین یا اس کا نون تثنیہ مراد نہیں بلکہ مفرد مقدار کی تنوین اور اس کا نون تثنیہ مراد ہے۔

قولہ جازت الاضافۃ الخ۔ یہ ان کان بتنوین الخ کی جزاء ہے یعنی اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام ہوا ہے تو اس کی اضافت تمییز کی طرف جائز ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہوگی

ای اضافۃ المفرد المقدار الی التمییز اضافۃ بیانیۃ باسقاط التنوین ونون التثنیۃ جوازا شائعا کثیرا لحصول الغرض وھو رفع الابھام بذلک مع التخفیف نحو رطل زیت ومنوا سمن والا ای وان لم یکن بتنوین او بنون التثنیۃ بان یکون بنون الجمع او الاضافۃ فلا تجوز الاضافۃ الا بقلۃ فی نون الجمع نحو عشرو درھم اما فی الاضافۃ فلئلا تلزم اضافۃ المضاف واما فی نون الجمع فلانہ جاز ان یضاف الی غیر الممیز نحو عشری زید وعشری رمضان بالاتفاق لکثرۃ الحاجۃ الیہ فلو اضیف الی الممیز لزم الالتباس فی بعض الصور لانہ لا یعلم مثلا عند اضافۃ عشرین الی رمضان انہ اراد عشرین رمضان او اراد الیوم العشرین من رمضان فلا یضاف فی غیر صورۃ الالتباس ایضا الا علی قلۃ

---

کیونکہ تمیز اپنے ممیز کو بیان کر رہی ہے جس طرح خاتم فضہ میں فضہ خاتم کا بیان ہے اور یہ اضافت بکثرت شائع ہے کیونکہ اس میں تخفیف کے ساتھ مقصود حاصل ہو رہا ہے یعنی ابہام بھی دور ہو رہا ہے اور تنوین یا نون تثنیہ کے ساقط ہو جانے کی وجہ سے تخفیف بھی حاصل ہو رہی ہے جیسے رطل زیت و منوا سمن۔

قولہ والا فلا الخ یعنی اگر مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام نہ ہو بلکہ نون جمع یا اضافت کے ساتھ تام ہو تو پھر اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز نہیں اضافت والی صورت میں تو بالکل جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفرد مقدار اضافت کی وجہ سے تام ہوا ہے تو ایک مرتبہ تو وہ مضاف ہو چکا ہے اب اگر تمیز کی طرف دو بارہ اضافت کرتے ہیں تو مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئے گا۔

اور اگر مفرد مقدار نون جمع کے ساتھ تام ہوا ہے تو اس کی اضافت تمیز کی طرف اس وجہ سے ناجائز ہے کہ یہ اسم جو نون جمع کے ساتھ تام ہوا ہے کبھی کبھی غیر تمیز کی طرف مضاف ہو جاتا ہے تو اگر تمیز کی طرف بھی اس کی اضافت جائز رکھی جائے تو تمیز کا غیر تمیز سے التباس لازم آتا ہے مثلاً لفظ عشرین اس کی اضافت اگر مضاف کی طرف کی جائے اور عشرین رمضان کہا جائے تو پتہ نہ چلے گا کہ رمضان تمیز ہے جس کے معنی رمضان کے بیس دن ہیں یا غیر تمیز ہے جس کے معنی رمضان کا بیسواں دن ہے تو جب بعض صورتوں میں التباس کی وجہ سے اضافت ناجائز ہے تو جہاں التباس نہیں لازم آتا ہے وہاں بھی اضافت کو ناجائز کہا جائے گا تاکہ یہ قاعدہ اقرب الی الاطراد ہو جائے کہ جب مفرد مقدار نون جمع کے ساتھ تام ہو تو اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز نہیں ہے اقرب الی الاطراد اس واسطے کہا کہ بطور شاذ و نادر ایسے اسم تام کی اضافت تمیز کی طرف ہو جاتی ہے جیسے عشرو درہم۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ عشرین میں نون جمع کا نہیں البتہ نون جمع کے مشابہ ہے لیکن احکام میں اس کو نون جمع کا درجہ دیا گیا ہے۔

لیکون الباب اقرب الی الاطراد وعن غیر مقدار عطف علی قولہ عن مفرد مقدار ای الاول کما یرفع الابہام عن مفرد مقدار کک یرفعہ عن مفرد غیر مقدار ای مالیس بعدد ولا وزن ولا ذراع ولا کیل ولا مقیاس نحو خاتم حدیدا فان الخاتم مبہم باعتبار الجنس تام بالتنوین فاقتضی تمیزا والخفض ای خفض التمیز بالاضافۃ غیر المقدار الیہ اکثر استعمالا لحصول الغرض مع الخفۃ ولقصور غیر المقدار عن طلب التمیز لان الاصل فی المبہمات المقادیر وغیرہا لیس بہذہ المثابۃ والثانی ای القسم الثانی من التمیز وہو ما یرفع الابہام عن ذات مقدرۃ یرفع عن نسبۃ کان الظاہر ان یقول عن ذات مقدرۃ فی

---

قولہ وعن غیر مقدار الخ ۔ یہ عن مفرد مقدار پر عطف ہے مطلب یہ ہے کہ تمیز کی پہلی قسم جو ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ کبھی مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے جس کا بیان ہو چکا ہے اور کبھی مفرد غیر مقدار سے ابہام دور کرتی ہے اور غیر مقدار کا مطلب یہ ہے کہ وہ عدد ، وزن ، ذراع ، کیل ، مقیاس نہ ہو جیسے خاتم حدیدا اس میں خاتم مفرد غیر مقدار ہے لیکن جنس کے اعتبار سے مبہم ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انگوٹھی کس چیز کی ہے حدیدا نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ وہ انگوٹھی لوہے کی ہے ۔

قولہ والخفض اکثر الخ ۔ یعنی مفرد غیر مقدار کی تمیز پر جر زیادہ مستعمل ہے کیونکہ تمیز سے مقصود ابہام کو دور کرنا ہے اور وہ جر کی صورت میں تخفیف کے ساتھ حاصل ہوتا ہے تو پھر تمیز کو نصب دینے کی کیا ضرورت ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمیز کی وضع رفع ابہام کیلئے ہے اور مقادیر میں ابہام قوی ہوتا ہے لہٰذا وہ تمیز کا تقاضا زیادہ کریں گے اسلئے انکی تمیز میں تمیز کا اصلی اعراب یعنی نصب ضروری ہے اور غیر مقدار میں ابہام اس درجہ کا نہیں لہٰذا وہ تمیز کا تقاضا کرنے میں مقادیر کے ہم مرتبہ نہ ہوں گے اسلئے ان کی تمیز کا بھی وہ درجہ نہ ہوگا جو مقادیر کی تمیز کا ہوتا ہے اس وجہ سے مفرد غیر مقدار کی تمیز پر جر آتا ہے اور مقادیر کی تمیز پر جر نہیں آتا اگر کبھی بطور شاذ آجائے تو اس کا اعتبار نہیں ۔

قولہ والثانی عن نسبۃ فی جملۃ او ما ضاہاہا الخ ۔ تمیز کی دو قسمیں ہیں (۱) ذات مذکورہ سے ابہام کو دور کرے اس کی پھر دو قسمیں ہیں مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے اور مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرے اس کا بیان تفصیل سے گذر چکا ہے (۲) تمیز کی دوسری قسم یہ ہے کہ ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرے اب اس کا بیان ہے ، ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ جو نسبت جملہ یا شبہ جملہ میں پائی جاتی ہے اس سے ابہام کو دور کرے ۔

قولہ کان الظاہر ان یقول الخ ۔ اعتراض کر رہے ہیں اس کے بعد اس کا جواب دیں گے اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ نے اس سے اجمالاً یہ بیان کیا تھا کہ تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو ذات مقدرہ سے ابہام کو

نسبۃ فی جملۃ لکن لما کان الابہام فی طرف النسبۃ یستلزم الابہام فیہا ورفعہ عنہا یستلزم الرفع عنہ قال عن نسبۃ مقتصرا علیہا تنبیہا علی ان مقابلۃ ما فی ھذا القسم للمفرد

---

دور کرے اور اب تفصیل کے موقع پر بیان کر رہے ہیں کہ تمیز کی دوسری قسم نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اس سے اجمال اور تفصیل میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے مصنف کو چاہئے تھا کہ یہ کہتے الثانی یرفع الابہام عن ذات مقدرۃ فی نسبۃ فی جملۃ او ما ضاہاہا۔

اس کا جواب لکن لما کان الابہام الخ سے دے رہے ہیں جواب سے پہلے تمہید بیان کر رہے ہیں تاکہ جواب آسانی سے سمجھ میں آجائے، تمہید یہ ہے کہ نسبت کے تحقق کیلئے دو طرف ضروری ہیں ایک کو منسوب دوسرے کو منسوب الیہ کہتے ہیں ذات مقدرہ جو منسوب ہے وہ نسبت کی ایک طرف ہے اور دوسری طرف وہ ہے جس کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور ابہام فی الطرف ملزوم ہے اور ابہام فی النسبۃ لازم ہے اور ثبوتِ ملزوم مستلزم ہوتا ہے ثبوتِ لازم کو اور انتفاء لازم مستلزم ہوتا ہے انتفاء ملزوم کو۔

اس تمہید کے بعد سمجھئے کہ بربنائے قاعدہ مذکورہ ذات مقدرہ جو نسبت کی ایک طرف ہے اس میں اگر ابہام ہوگا تو نسبت میں ابہام ضرور ہوگا اور جب نسبت سے ابہام دور ہوگا تو ذات مقدرہ جو اس کی طرف ہے اس سے بھی ابہام دور ہو جائے گا کیونکہ انتفاء لازم مستلزم ہوتا ہے انتفاء ملزوم کو اس تقریر کے بعد اجمال اور تفصیل میں کوئی تعارض نہیں ہوتا کیونکہ اجمال سے یہ معلوم ہوا کہ تمیز کی دوسری قسم ابہام کو دور کرتی ہے ذات مقدرہ سے اور تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ تمیز کی دوسری قسم ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے اور ابھی قاعدہ ممہدہ سے آپ کو معلوم ہوا ہے کہ ابہام فی الطرف ملزوم ہے اور ابہام فی النسبۃ لازم ہے اور انتفاء لازم مستلزم ہوتا ہے انتفاء ملزوم کو اس لئے جب نسبت سے ابہام دور ہوگا جو لازم ہے تو ذات سے بھی ابہام دور ہوگا جو ملزوم ہے اس لئے یرفع عن نسبۃ کہنا ایسا ہے جیسے یرفع عن ذات مقدرۃ کہنا رہی یہ بات کہ اگر مصنف وہ عبارت بیان کر دیتے جو اعتراض میں مذکور ہے تو کیا حرج تھا اس کے لانے سے فائدہ یہ ہو تاکہ اجمال و تفصیل میں جو تعارض معلوم ہو رہا ہے وہ نہ ہوتا اور جواب اور جواب کے تمہید کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

اس کا جواب شارح نے تنبیہا علی ان مقابلۃ ھذا القسم سے دیا ہے کہ تمیز کی دو قسموں کے درمیان فرق کا معیار ذات مذکورہ اور مقدرہ نہیں ہے یعنی یہ بات نہیں کہ تمیز کی پہلی قسم میں ابہام ذات مذکورہ سے دور کیا جاتا ہے اور دوسری قسم میں ذات مقدرہ سے ابہام دور کیا جاتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی قسم میں ابہام ذات مقدرہ سے دور کیا جاتا ہے جیسے نعم رجلا یہاں رجلا تمیز ہے اور ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کر رہا ہے اور وہ ذات مقدرہ ضمیر ہے جو نعم میں پوشیدہ ہے معلوم ہوا کہ فرق کا مدار دونوں قسموں میں ذات مذکورہ اور مقدرہ نہیں بلکہ مدارِ فرق ذات اور نسبت ہے تمیز کی پہلی قسم میں ابہام ذات سے دور کیا جاتا ہے

المذکور فی القسم الاول انما هی بمجرد النسبة لاغیر فی جملة ای نسبة کائنة فی جملة او ماضاهاها ای ماشابهها عطف علی جملة وهو اسم الفاعل ونحو الحوض ممتلیٔ ماءً او اسم المفعول نحو الارض مفجرة عیونا او الصفة المشبهة نحو زید حسن وجها او اسم التفضیل نحو زید افضل ابا او المصدر نحو اعجبنی طیبه ابا وکذا کل ما فیه معنی الفعل نحو حسبک

---

خواہ ذات مذکورہ ہو یا مقدرہ اور دوسری قسم میں ابہام نسبت سے دور کیا جاتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ جب نسبت سے ابہام دور ہوگا تو ذات سے بھی دور ہو جائے گا۔

قولہ فی جملة او ماضاهاها الخ ۔ ما موصولہ ہے ضاہا مفاعلۃ سے ماضی واحد مذکر غائب ہے اصل میں ضاہَیَ تھا یا متحرک ماقبل مفتوح اس لئے یا کو الف سے بدلد یا ضاہا ہوا اس کے بعد ہا ضمیر ہے جو جملہ کی طرف راجع ہے اس کا ترجمہ یہ ہے جو مشابہ ہو جملہ کے فرمارہے ہیں کہ تمییز کی دوسری قسم وہ ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اور وہ نسبت جملہ میں پائی جاتی ہو جیسے طاب زید نفسا یا مشابہ جملہ میں پائی جاتی ہو۔ مشابہ جملہ سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر ہے ہر ایک کی مثال ترتیب وار بیان کی جاتی ہے۔

اسم فاعل کی مثال جیسے الحوض ممتلئ ماءً اسمیں ممتلئ میں ضمیر جو حوض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حوض کس چیز سے بھرا ہے ماءً نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ حوض پانی سے بھرا ہے۔

اسم مفعول کی مثال جیسے الارض مفجرة عیونا (زمین جاری ہے چشموں کے اعتبار سے) اس میں مفجرۃ میں ضمیر ہے جو ارض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ زمین میں کیا چیز جاری ہے عیونا سے وہ ابہام دور ہو گیا کہ زمین میں چشمے جاری ہیں۔

صفت مشبہ کی مثال جیسے زید حسن وجہا اسمیں حسن میں ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اسمیں ابہام ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زید کی کیا چیز اچھی ہے وجہا سے ابہام دور ہو گیا کہ زید کا چہرہ اچھا ہے۔

اسم تفضیل کی مثال جیسے زید افضل ابا اسمیں افضل میں ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اسمیں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ زید کس اعتبار سے افضل ہے ابا نے وہ ابہام دور کر دیا کہ زید کا باپ افضل ہے۔

مصدر کی مثال جیسے اعجبنی طیبہ ابا اسمیں طیب کی اضافت ہا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اسمیں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ وہ کس اعتبار سے اچھا ہے ابا نے ابہام دور کر دیا ہے کہ باپ کے اعتبار سے اچھا ہے ـــــ یہ سب مشابہ جملہ کہلاتے ہیں اسی طرح جس میں بھی فعل کے معنی پائے جائیں وہ مشابہ جملہ ہوگا اور اس میں نسبت کے اندر ابہام ہو تو تمییز کے ذریعہ اس ابہام کو دور کیا جائے گا جیسے حسبک زید رجلا یہاں حسبک یکفیک فعل کے معنی میں ہے اس میں حسب کی نسبت جو کاف ضمیر

زيد رجلاً نحو طاب زيد نفساً مثال للجملة والتميز فيه خاص بالمنتصب عنه
وزيد طيبٌ ابا مثال لما يشبه الجملة والتميز فيه يصلح ان يكون لما انتصب عنه ولمتعلقه

کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ مخاطب کو زید کس اعتبار سے کافی ہے رجلا نے ابہام دور کر دیا کہ زید مرد ہونے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی زید کے ہوتے ہوئے مدد کیلئے کسی اور شخص کی ضرورت نہیں۔

**قولہ مثل طاب زید نفسا الخ** ۔ مصنفؒ نے یہاں پر تمیز کے سلسلے کی مختلف مثالیں بیان کی ہیں جن میں ہر ایک کا ممثل لہٗ دوسرے کے ممثل لہٗ سے علٰحدہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے ۔

جو تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) عین تو قائم بنفسہ ہو یعنی جوہر ہو اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ (۲) عرض جو عین کے مقابل ہو یعنی قائم بنفسہ نہ ہو۔ پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اضافی جس کے مفہوم میں غیر کی طرف نسبت کے لحاظ کی ضرورت ہو (۲) غیر اضافی جس کے مفہوم میں غیر کی طرف نسبت کے لحاظ کی ضرورت نہ ہو، اس طرح یہ چار ہوئیں۔ (۱) عین اضافی جیسے اب کہ یہ قائم بنفسہ تو ہے لیکن کوئی شخص باپ جب کہلاتا ہے جب اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی ہو (۲) عین غیر اضافی جیسے نفس کہ یہ قائم بنفسہ ہے اور اس کے مفہوم میں غیر کا لحاظ نہیں کرنا پڑتا (۳) عرض اضافی جیسے ابوۃ یہ جس کے معنی ہیں باپ ہونا اور یہ وصف ہے جو کسی شخص کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور اس مفہوم کے مفہوم غیر کا لحاظ ضروری ہے جیسا کہ اب میں اس کو بیان کیا گیا ہے (۴) عرض غیر اضافی جیسے علم کہ یہ عرض ہے کیونکہ علم ایک صفت ہے جو کسی ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہے لیکن اس کے مفہوم میں غیر کا لحاظ نہیں کرنا پڑتا۔

یہ چار قسمیں رفع ابہام کے اعتبار سے ہوئیں اس کے بعد منتصب عنہ کے اعتبار سے یعنی اسم تام کے اعتبار سے تمیز کی تین قسمیں ہیں (۱) تمیز منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو (۲) منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہو (۳) دونوں کے لئے ہو ان اقسام ثلثہ میں سے کوئی نہ کوئی قسم اوپر کی چار قسموں میں سے ہر ایک کے ساتھ پائی جائے گی۔

اب مصنف کی بیان کردہ مثالیں بیان کی جاتی ہیں اور ہر مثال کو اس کے ممثل لہٗ کے ساتھ منطبق کیا جائے گا ـــــــ (۱) طاب زید نفساً اس میں نسبت جملے کے اندر ہے جسمیں ابہام تھا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے نفساً نے ابہام کو دور کر دیا اور نفس عین غیر اضافی ہے اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ ـــــــ (۲) زید طیب ابا۔ اس میں نسبت مشابہ جملہ کے اندر ہے کیونکہ طیب صفت مشبہ ہے طاب زید کی طرح اس میں بھی ابہام ہے ابا تمیز ہے جس سے یہ ابہام دور ہوا اور تمیز اس میں عین اضافی ہے اور منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں اس کا مصداق بن سکتے ہیں

وحيث لافرق في التمييز بين الجملة وما ضاهاها فهذان المثالان في قوة اربعة امثلة فكانه قال طاب زيد وزيد طيبٌ نفسا وابًا فقوله وابوة ودارا وعلمًا عطف على نفسًا وابا بحسب المعنى فهو ناظر الى كل من المثالين المذكورين غير مختص بالاخير فهو بحسب الحقيقة اورد لكل من التمييز الواقع في الجملة او ما ضاهاها خمسة امثلة فالنفس عين غير اضافي خاص بالمنتصب عنه والدار عين غير اضافي وهو متعلق بالمنتصب عنه والاب عين اضافي محتمل لهما والابوة عرض اضافي والعلم عرض غير اضافي وكل واحد منهما متعلق بالمنتصب عنه او في اضافة عطف على قوله في جملة او ما ضاهاها مثل يعجبني طيبه

---

یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ زید خود اچھا باپ ہو، اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید کا باپ اچھا ہو۔

**قولہ وحيث لافرق في التمييز الخ** - ایک شبہ کا ازالہ فرمارہے ہیں شبہ یہ ہوتا ہے کہ مثال اوّل (طاب زید نفسا) جملہ ہے اور اس میں تمیز یعنی نفس منتصب عنہ کیساتھ خاص ہے کیونکہ منتصب عنہ زید ہے اور زید کا نفس زید ہی کے ساتھ خاص ہے کوئی دوسرا احتمال نہیں اور مثال ثانی (زید طیب ابا) مشابہ جملہ ہے اس میں تمیز یعنی ابا منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ اس سے پہلے اس کی توضیح ہو چکی ہے تو مصنف کے اس طرز بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ جملہ میں جو تمیز ہوگی وہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اور مشابہ جملہ میں جو تمیز ہوگی وہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کیلئے ہو سکتی ہے شارح اس وہم کو دور کر رہے ہیں کہ یہ وہم صحیح نہیں تمیز جملہ میں ہو یا مشابہ جملہ میں ہو یہ دونوں ابہام کو نسبت سے دور کرتی ہیں لہذا جو تمیز جملہ میں واقع ہو سکتی ہے وہ مشابہ جملہ میں بھی واقع ہو سکتی ہے و بالعکس اس لئے یہ دو مثالیں حکم میں چار مثالوں کے ہیں گویا کہ مصنفؒ نے چار مثالیں بیان کیں طاب زید نفسا، طاب زید ابا، زید طیب نفسا، زید طیب ابا۔

**قولہ وابوة ودارا وعلما الخ** - اس سے پہلے نفسا اور ابا تمیز واقع ہیں جن کا بیان ہو چکا انھیں پر ان تینوں مثالوں کا عطف ہے اور ان تینوں کا تعلق طاب زید اور زید طیب دونوں سے ہے اس طرح سے مثالوں کی ترتیب یہ ہوئی طاب زید نفسا وابا، وابوة، ودارا، وعلما۔ زید طیب نفسا وابا، وابوة، دارا وعلما۔ ان میں نفس اور اب کا بیان ہو چکا کہ نفس عین غیر اضافی ہے اور خاص ہے منتصب عنہ کیساتھ اور اب عین اضافی ہے اور اس میں دونوں احتمال ہیں منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کیلئے ہو سکتا ہے ابوة عرض اضافی ہے دار عین غیر اضافی ہے علم عرض غیر اضافی ہے اور یہ تینوں منتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ خاص ہیں۔

**قولہ او في اضافة الخ** - اس کا عطف مصنف کی عبارت فی جملة او ضاہاہا پر ہے اسکا

نفسا و ترکہ لانہ اظہر التمیزات ولاخفاء بہ وابًا وابوۃ ودارا وعلمًا اوردھٰذہ الامثلۃ علٰی وفق ماسبق وزاد علیہ قولہ وللّٰہ درہ فارسًا اشارۃ الی ان التمییز قد یکون صفۃ مشتقۃ وایضا لما اوردہ صاحب المفصل مثالا لتمیز المفرد علی ان یکون الضمیر فیہ مبھما کضمیر ربّہ رجلا ویکون فارسًا تمیزا عنہ اراد ان ینبہ علی انہ یصلح ان یکون تمیزًا عن نسبۃ علی ان یکون الضمیر فیہ معینًا معلوما والابھام یکون فی نسبۃ الدر الیہ والدر فی الاصل اللبن وفیہ خیر کثیر للعرب فارید بہ الخیر ای للّٰہ خیرہ فارسًا والفارس اسم الفاعل من الفرس بالفتح مصدر فرس بالضم ای حذق بامر الخیل وامّا

---

مطلب یہ ہے کہ تمیز ابہام کو اس نسبت سے دور کرے جو نسبت اضافت میں پائی جاتی ہے اس میں بھی ماقبل کی طرح پانچ مثالیں ہیں یعنی طیبۃ نفسا وابا وابوۃ ودارًا وعلما۔ مصنف نے مثال میں نفسا کو ذکر نہیں کیا، شارح نے اسکی وجہ بیان کی ہے اور کہا لانہ اظہر التمیزات ولاخفاء بہ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نفس کا تمیز واقع ہونا کثرت سے ہوتا ہے اور وہ اسمیں مشہور ہے اس لئے اس کو مثال میں ذکر نہیں کیا۔

قولہ وزاد علیہ قولہ وللّٰہ درہ فارسًا الخ۔ اس مثال کے لانے کے دو مقصد ہیں ایک مقصد یہ ہے کہ اس سے ان بعض نحاۃ کا رد ہو جائے جنھوں نے کہا ہے کہ تمیز کیلئے جامد ہونا ضروری ہے اور جہاں تمیز مشتق ہو وہاں اس کو وہ تمیز کے بجائے حال قرار دیتے ہیں مصنفؒ نے ان کا رد کیا ہے کہ تمیز کا مقصد ابہام کو دور کرنا ہے یہ مقصد جس سے بھی حاصل ہو جائے اس کو تمیز بنایا جاسکتا ہے خواہ جامد ہو یا مشتق ہو۔

دوسرا مقصد اس عبارت سے یہ ہے کہ صاحب مفصل نے اس مثال کو تمیز کی قسم اول میں داخل کیا ہے جس میں مفرد مقدار سے ابہام کو دور کیا جاتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ربہ رجلا میں ضمیر مبہم ہے یعنی اس کا مرجع نہیں معلوم اور رجلا تمیز ہے جس سے ابہام دور ہوا ہے اسی طرح درہ فارسًا میں ضمیر مبہم ہے اور فارسًا تمیز ہے جس سے ابہام دور کیا گیا ہے اور ربہ رجلا تمیز کی پہلی قسم میں داخل ہے کیونکہ اس میں ابہام ذات مقدرہ سے دور کیا گیا ہے نسبت سے نہیں دور کیا گیا اسی طرح درہ فارسا بھی تمیز کی پہلی قسم میں داخل ہوگی، ـــــ مصنفؒ نے تنبیہ کی ہے کہ اس احتمال کے ساتھ اس کا بھی احتمال ہے کہ درہ کی ضمیر کا مرجع متعین ہو اور ابہام ضمیر کی طرف دَرّ کی نسبت میں ہو تو یہ مثال قسم ثانی کی بھی ہوسکتی ہے جس میں ابہام نسبت سے دور کیا جاتا ہے۔

دَر کے معنی اصل میں لبن (دودھ کے ہیں) یہاں اس سے مراد خیر کثیر ہے مناسبت ظاہر ہے کہ اہل عرب کے لئے دودھ میں خیر کثیر ہے ان کی ضروریات زیادہ تر دودھ سے پوری ہوتی ہیں فارس اسم فاعل ہے

الفراسۃ بالکسر فمن التفرس ثم ان کان، ای التمییز بعد مالم یکن نصافی المنتصب عنہ اسما لاصفۃ یصح جعلہ لما انتصب عنہ والمراد بجعلہ لہ اطلاقہ علیہ والتعبیر بہ

اگراس کو فراستہ بفتح الفاء سے ماخوذ مانا جائے تو اس کے معنی ہوں گے گھوڑے کی سواری میں ماہر ہونا اس صورت میں درہ فارسًا کے معنی ہوں گے اللہ کے لئے اس کی خوبی ہے گھوڑے کی سواری میں ماہر ہونے کے اعتبار سے یعنی وہ گھوڑے سواری اچھی طرح کرلیتا ہے اور فراستہ بکسر الفاء کے معنی ہیں تاڑنا جلدی سے کسی بات کو سمجھ لینا اس صورت میں درہ فارسًا کے معنی ہوں گے اللہ کیلئے ہے اس کی خوبی سمجھنے کے اعتبار سے کہ ظاہر کو دیکھ کر اس کی حقیقت تک پہونچ جاتا ہے ۔

قولہ ثم ان کان اسما الخ تمییز اگر اسم ہو یعنی ذات ہو وصف نہ ہو اور اسم بھی ایسا کہ اسکو منتصب عنہ پر حمل کرنا صحیح ہو تو وہ تمییز کبھی منتصب عنہ کیلئے ہوگی اور کبھی اس کے متعلق کیلئے ہوگی ۔ شارح نے کان کے بعد ای التمییز نکالا اس سے کان کی ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے اس کے بعد یہ عبارت لائے بعد مالم یکن نصافی المنتصب عنہ اس سے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے، اعتراض یہ ہے کہ مصنفؒ نے جو مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر تمییز اسم ہو اور اس کو منتصب عنہ کیلئے کرنا یعنی اسپر حمل کرنا صحیح ہو تو وہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کیلئے ہوسکتی ہے یہ مسئلہ طاب زید نفسا سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ نفسا تمییز ہے اور اسم ہے صفت نہیں اور اس کو منتصب عنہ یعنی زید پر حمل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن یہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہے اس کے متعلق کیلئے نہیں ہے معلوم ہوا کہ مصنفؒ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں شارح نے جواب دیا کہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے تمییز کا کرنا اس وقت ہے جب کہ تمییز منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو اور یہاں نفسا منتصب عنہ یعنی زید کے ساتھ خاص ہے اسلئے اس کے متعلق کیلئے کرنا صحیح نہیں ۔ اسمًا کے بعد شارح نے لاصفۃ کہہ کر اس بات کو بیان کیا کہ یہاں اسم سے مراد ذات ہے جو صفت کا مقابل ہے وہ اسم مراد نہیں جو فعل اور حرف کا مقابل ہوتا ہے کیونکہ فعل اور حرف کا مقابل جو اسم ہے وہ صفت کو بھی شامل ہے اور تمییز اگر صفت ہو تو اس کا یہ حکم نہیں کہ وہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کیلئے ہو بلکہ وہ صرف منتصب عنہ کے متعلق کیلئے ہوتی ہے منتصب عنہ کے لئے نہیں ہوتی جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے ۔

قولہ والمراد بجعلہ لہ الخ ۔ مصنف کی عبارت یہ ہے ثم ان کان اسما یصح جعلہ لما انتصب عنہ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمییز اسم ہو اور اس کو منتصب عنہ کے لئے کرنا صحیح ہو اس میں وہم ہوسکتا تھا کہ منتصب عنہ کے لئے کرنے کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھ لے کہ تمییز کو منتصب کے مرادف کرنا صحیح ہو حالانکہ مرادف کرنا مراد نہیں اگر یہ مراد ہو تو پھر طاب زید ابا اس حکم سے خارج ہو جائے گا اور ابٌ کو زید اور اسکے

عنہ جاز ان یکون ذلک التمیز تارۃ لہ ای للمنتصب عنہ بان یکون تمیزا ای رفع الابہام عنہ وتارۃ لمتعلقہ بان یکون تمیزا ای رفع الابہام عن متعلقہ وذلک بحسب القرائن والاحوال مثل ابا فی طاب زید ابا فانہ یصلح ان یجعل عبارۃ عن زید فجاز ان یکون تارۃ تمیزا عن زید اذا ارید اسناد الطیب الیہ باعتبار انہ ابو عمرو وجاز ان یکون تارۃ تمیزا عن متعلقہ باعتبار ان الطیب مسند الی متعلقہ وھو ابوہ والا ای وان لم یکن التمیز بعد مالم یکن نصا فی المنتصب عنہ اسما یصح جعلہ لما انتصب عنہ فھو لمتعلقہ خاصۃ نحو طاب

---

متعلق کیلئے کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ ابٌ زید کا مرادف نہیں حالانکہ اب کا مصداق زید اور اس کا متعلق دونوں ہوسکتے ہیں جیساکہ وضاحت کے ساتھ اس کا بیان ہوچکا ہے۔

شارح نے المراد بجعلہ سے بتایا کہ یہاں تمیز کو منتصب عنہ کے مرادف کرنا مراد نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمیز کا حمل منتصب عنہ پر صحیح ہو اور تمیز کے ساتھ اس کی تعبیر کرسکیں۔

قولہ جاز ان یکون لہ و لمتعلقہ الخ۔ شارح نے لہ اور لمتعلقہ کے بعد دونوں جگہ بان یکون تمیزا یرفع الابہام عنہ کا اضافہ کرکے بتایا کہ تمیز کو منتصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمیز منتصب عنہ اور اس کے متعلق سے ابہام کو دور کرے لہ سے پہلے تارۃ کا لفظ لاکر یہ بتایا کہ تمیز کو منتصب عنہ اور اس کے متعلق کے لئے کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں کے لئے ایک ساتھ ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کبھی منتصب عنہ کیلئے ہوگی اور کبھی اس کے متعلق کیلئے ہوگی۔

قولہ وذلک بحسب القرائن والاحوال الخ۔ کئی بار ماقبل میں اس کا ذکر ہوچکا ہے کہ تمیز اسم ہو اور منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہ ہو لیکن اس پر اس کا حمل صحیح ہو تو کبھی وہ منتصب عنہ سے ابہام کو دور کرے گی اور کبھی اس کے متعلق سے ابہام دور کرے گی اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ تمیز منتصب عنہ سے ابہام کو دور کر رہی ہے یا اس کے متعلق سے شارح فرماتے ہیں کہ اس کیلئے کوئی قاعدہ نہیں ہے قرائن سے پتہ چلے گا۔

اس کے بعد مثال سے اس کی توضیح کی ہے کہ طاب زید اباً میں اگر قرینہ ایسا ہو جس سے معلوم ہوجائے کہ زید کسی شخص کا مثلاً عمر کا باپ ہے تو یہ تمیز منتصب عنہ یعنی زید کے لئے ہوگی اور قرینہ سے اگر یہ معلوم ہو کہ زید کا کوئی شخص باپ ہے اس کے اعتبار سے طاب زید کہا جا رہا ہے تو اس صورت میں تمیز منتصب عنہ کے متعلق کے لئے ہوگی۔

قولہ والا فھو لمتعلقہ الخ۔ یعنی اگر تمیز منتصب عنہ کے ساتھ نہ تو خاص ہے اور نہ اس پر تمیز کو محمول کیا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں تمیز صرف منتصب عنہ کے متعلق کیلئے ہوگی منتصب عنہ

زيد ابوة وعلما ودارا فان هذه الاسماء ليست نصًّا في لمنتصب عنه ولا يصح جعلها له بالتعبير عنه بها فهي لمتعلق زيد وهو الذات المقدرة اعني الشيء المنسوب الى زيد فيطابق التمييز فيهما اى فيما جاز ان يكون لما انتصب عنه سواء كان نصا فيه او محتملا له ولمتعلقه وفيما تعين لمتعلقه ما قصد من وحدة التمييز او تثنيته او جمعيته سواء كان لموافقة ما انتصب عنه مثل طاب زيد ابا والزيدان ابوين والزيدون آباءً او لمعنى في نفسه مثل قولك طاب زيد ابا اذا اردت ابا له فقط وطاب زيد ابوين اذا اردت ابا وجدًّا له وطاب زيد آباءً اذا اردت اباءً واجدادًا له فعلى كل من التقديرين اذا قصدت

---

کے لئے نہ ہوگی جیسے طاب زید ابوۃ ودارا وعلما اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

قولہ فیطابق التمییز فیهما الخ ۔ ای فیما جاز الخ ۔ شارح اس عبارت سے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض یہ ہے کہ ہما ضمیر تثنیہ ہے اس لئے اس کا مرجع بھی صرف دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ تمییز منتصب عنہ اور اس کے متعلق کیلئے ہو جس کو وان کان اسمایصح الخ سے بیان کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف متعلق کے لئے ہو جس کو والا فہو لمتعلقہ سے بیان کیا ہے تو ان دونوں صورتوں میں تمییز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا حالانکہ ایک صورت اور ہے کہ تمییز منتصب عنہ کیساتھ خاص ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ مقصود کے مطابق تمییز لائی جائے گی لیکن مصنفؒ کی عبارت سے اس کا حکم معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ضمیر تثنیہ کا مرجع تین امور نہیں ہو سکتے۔

شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ پہلی صورت جسمیں یہ کہا گیا ہے کہ تمییز منتصب عنہ کیلئے ہو یہ دو صورتوں کو شامل ہے۔ ایک یہ کہ صرف منتصب عنہ کیلئے ہو متعلق کیلئے نہ ہو یعنی منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ منتصب عنہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ منتصب عنہ کیلئے ہو اور اس کے متعلق کیلئے بھی ہو یہ دو صورتیں مل کر ایک صورت ہوئی، اور دوسری صورت وہ ہے جس کو الا فہو لمتعلقہ سے بیان کیا ہے۔ حاصل یہ کہ ان تین صورتوں کو دو صورتوں کی تاویل میں کر لیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہما ضمیر تثنیہ کی لائے ان سب کا حکم یہی ہے کہ ان صورتوں میں تمییز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا خواہ اس مطابقت میں منتصب عنہ کے لفظ کی رعایت ہو یعنی منتصب عنہ واحد ہے اس لئے تمییز کو واحد لایا گیا یا منتصب عنہ تثنیہ یا جمع ہے اس لئے تمییز کو تثنیہ یا جمع لایا گیا یا ایسے معنی کی رعایت ہو جس کا تعلق منتصب عنہ کی ذات سے ہو اوّل کی مثال طاب زید ابا، طاب الزیدان ابوین، طاب الزیدون آباءً اس میں منتصب عنہ زید ہے اس کے واحد ہونے کی صورت میں تمییز کو واحد لایا گیا ہے اور تثنیہ یا جمع ہونے کی صورت میں تمییز کو بھی تثنیہ یا جمع لایا گیا ہے

وحدة التمیز او ردمفردا واذا قصدت تثنیتہ اوردتثنیۃ واذا قصدت جمعیتہ اورد جمعا فان صیغۃ المفرد لا تصلح ان تطلق علی المثنی والمجموع الا اذا کان التمیز جنسا یقع علی القلیل والکثیر فانہ اذا قصدت تثنیتہ او جمعیتہ لا یلزم ان یثنی ذلک الجنس او یجمع بل یکفی ان یوتی بہ مفرداً لصحۃ اطلاقہ علی القلیل والکثیر فلا حاجۃ الی تثنیتہ وجمعہ نحو طاب زید علما والزیدان علما والزیدون علما الا ان یقصد بالتمیز الذی ھو الجنس الانواع من حیث امتیازاتھا النوعیۃ فانہ لابد حینئذ من تثنیتہ او جمعہ نحو طاب الزیدان علمین والزیدون علوما اذا اریدان متعلق الطیب من کل من الزیدین

---

ثانی کی مثال یعنی جس میں ایسے معنی کی رعایت ہو جس کا تعلق منتصب عنہ کی ذات سے ہے جیسے طاب زید ابا جب زید کے لئے اس کے والد کے اعتبار سے اچھائی اور خوبی ثابت کرنا ہو اور اگر باپ اور دادا دونوں کے اعتبار سے خوبی ثابت کرنا ہو طاب زید ابوین کہیں گے اور اگر باپ، دادا، پردادا اور اس کے اوپر تک کے اعتبار سے اچھائی ثابت کرنا ہو تو طاب زید آباء کہیں گے۔

ان سب مثالوں میں تمیز کے سلسلے میں منتصب عنہ یعنی زید کے لفظ کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ ایک ایسے معنی کی رعایت کی گئی ہے جس کا زید سے تعلق ہے لفظ کی رعایت ہوتی تو تمیز مفرد ہوتی کیونکہ منتصب عنہ مفرد ہے، مصنفؒ نے جن صورتوں میں یہ حکم لگایا ہے کہ تمیز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا، شارح نے اس کی وجہ ان الفاظ سے بیان کی ہے "فان صیغۃ المفرد لا تصلح ان تطلق علی المثنی والمجموع۔ مطلب یہ ہے کہ مقصود تثنیہ یا جمع ہو اور تمیز کو تثنیہ یا جمع نہ لایا جائے اس کو مفرد ہی رکھا جائے تو مقصود ادا نہ ہوگا کیونکہ مفرد تثنیہ اور جمع پر دلالت نہیں کرتا۔

قولہ الا اذا کان جنسا الخ۔ اس سے پہلے کچھ صورتیں ایسی بیان کی گئی ہیں جن میں تمیز کو مقصود کے مطابق لانے کا حکم کیا گیا ہے اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے اب حرف استثنا لاکر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تمیز اگر جنس ہے تو پھر اس کو مقصود کے مطابق لانے کی ضرورت نہیں مقصود اگر تثنیہ یا جمع ہو تب بھی جنس ہونے کی صورت میں تمیز کو مفرد لایا جائے گا کیونکہ جنس کا اطلاق قلیل وکثیر پر ہوتا ہے تو اس کے مفرد ہونے کی صورت میں بھی تثنیہ اور جمع پر دلالت ہو جائے گی۔ جیسے طاب زید علما، طاب الزیدان علما، طاب الزیدون علما، اس میں منتصب عنہ کی تینوں حالتوں میں تمیز کو مفرد لایا گیا ہے۔

قولہ الا ان یقصد الانواع الخ۔ ماقبل کے استثناء سے یہ استثناء ہے اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمیز اگر جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا خواہ مقصود تثنیہ یا جمع ہو اب پھر اس سے استثناء کر رہے ہیں کہ تمیز جنس ہو لیکن انواع کا ارادہ کر لیا جائے یعنی بعض نوع کو بعض سے ممتاز

او الزیدین بنوع آخر من العلوم فان صیغۃ المفرد لا تفید ذلک المعنی وان کان ای التمیز صفۃ مشتقۃ مثل للہ درہ فارسًا او مؤولۃ بھا نحو کفی زید رجلا فان معناہ کاملا فی الرجولیۃ کانت الصفۃ صفۃ لہ ای لما انتصب عنہ لا لمتعلقہ لان الصفۃ تستدعی موصوفا والمذکور اولی بموصوفیتہ فاذا قیل طاب زید والدا کان الوالد زیدا ولا یحتمل ان یکون والدہ بخلاف الاسم نحو ابًا وطبقۃ الواو بمعنی مع والطبق مصدر بمعنی المطابقۃ ای کانت الصفۃ صفۃ لہ مع مطابقتہا ایاہ او مطابقتہ ایاھا ویجوز ان یکون بمعنی اسم الفاعل والواو للعطف علی خبر کانت ای کانت صفۃ لہ مطابقۃ ایاہ والمراد

---

کرنا مقصود ہو تو پھر تمیز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا جیسے طاب الزیدان علمین، طاب الزیدون علوما اس کا مطلب یہ ہے کہ زید نام کے دو شخص یا چند اشخاص اپنے اپنے علم کے اعتبار سے اچھے ہیں مثلاً ایک علم فقہ میں اچھا ہے ایک علم حدیث میں اچھا ہے ایک معقولات میں ماہر ہے اس صورت میں اگر تمیز کو مفرد لایا جائے تو یہ امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا۔

قولہ وان کان صفۃ کانت لہ وطبقہ الخ۔ اس سے پہلے جو تفصیل بیان کی گئی وہ تمیز کے اسم ہونے کی صورت میں ہے اگر تمیز اسم نہ ہو بلکہ صفت ہو خواہ یہ صفت مشتق ہو جیسے للہ درہ فارسا یا مشتق کی تاویل میں ہو جیسے کفی زید رجلا اس میں رجلا مشتق تو نہیں ہے لیکن مشتق کی تاویل میں ہے کیونکہ اسکے معنی کاملا فی الرجولیۃ ہے اور کاملا مشتق ہے۔ بہرحال جب تمیز صفت مشتقہ ہو یا مشتق کی تاویل میں ہو تو تمیز صرف منتصب عنہ کی صفت ہوگی یعنی منتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق کیلئے نہ ہوگی کیونکہ صفت کے لئے موصوف ضروری ہے اور منتصب عنہ موجود ہے اس کا متعلق موجود نہیں اور موجود موصوف بننے کا زیادہ مستحق ہے اسلئے صرف منتصب عنہ کو اس کا موصوف قرار دیا جائے گا جیسے طاب زید والدًا اس میں والد کا مصداق زید ہے یعنی زید خود والد ہے زید کا والد مراد نہیں۔

وطبقہ میں واو بمعنی مع ہے مطلب یہ ہے کہ تمیز صرف منتصب عنہ کی صفت ہوگی اور افراد تثنیہ جمع تذکیر و تانیث میں منتصب عنہ کے مطابق ہوگی کیونکہ صفت اپنے موصوف کیساتھ ان تمام امور میں مطابق ہوتی ہے طبق مصدر ہے مطابقت کے معنی میں ہے اور اس میں ہ ضمیر منتصب عنہ کی طرف راجع ہے اگر اس ضمیر کو طبق مصدر کا فاعل مانا جائے تو اضافت مصدر کے فاعل کی طرف ہوگی اور ایاہا مفعول محذوف ہے اس کا مرجع صفت ہے ترجمہ یہ ہوگا مع مطابق ہونے منتصب عنہ کے صفت کے یعنی منتصب عنہ صفت کے مطابق ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی مع مطابقتہ ایاہا اور اگر طبقہ میں ضمیر کو مفعول مانا جائے تو اضافت مصدر کی مفعول کی طرف ہوگی اور فاعل کی ضمیر محذوف ہوگی

بالمطابقۃ الاتفاق فی الافراد والتثنیۃ والجمع والتذکیر والتانیث لکونہا حاملۃ لضمیرہ واحتملت ای الصفۃ المذکورۃ الحال ایضا لاستقامۃ المعنی علی الحال نحو طاب زید فارسًا ای من حیث انہ فارس او حال کونہ فارسًا لکن زیادۃ من فیہا نحو للہ درّہ من فارس و قولہم عز من قائل یوید التمییز لان من تزاد فی التمییز لا فی الحال وایضًا المقصود مدحہ بالفرو سیۃ لا حال الفروسیۃ اذ قد یمدح حال الفروسیۃ بغیرہا من الصفات

---

اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی مع مطابقتہا ایاہ اس کا ترجمہ یہ ہوگا مع مطابق ہونے صفت کے کے منتصب عنہ کے یعنی صفت جو تمیز ہے وہ منتصب عنہ کے مطابق ہوگی دونوں صورتوں کا حاصل یہ ہے کہ تمیز اور منتصب عنہ میں مطابقت کا لحاظ کیا جائے گا۔

طبق میں ایک احتمال یہ ہے کہ اسم فاعل کے معنی میں ہو اور واو مع کے معنی میں نہ ہو بلکہ عاطفہ ہو اور کانت کی خبر صفت جو محذوف ہے اس پر عطف ہو تقدیر عبارت یہ ہوگی کانت الصفۃ صفۃ لہ ومطابقۃ ایاہ یعنی تمیز اگر صفت ہو تو وہ صفت منتصب عنہ کی صفت ہوگی اور منتصب عنہ کے مطابق ہوگی مطابقت کا مطلب پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے مراد افراد، تثنیہ، جمع تذکیر و تانیث میں مطابق ہونا ہے اور یہاں مطابقت اس لئے ضروری ہے کہ صفت میں ضمیر ہے جو منتصب عنہ کی طرف راجع ہے اور ضمیر کا اپنے مرجع کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

**قولہ واحتملت حال الخ۔** یعنی تمیز اگر صفت مشتقہ ہو یا مشتق کی تاویل میں ہو تو ایک احتمال اس میں تمیز کا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ حال واقع ہو کیونکہ حال کی صورت میں بھی معنی صحیح رہتے ہیں جیسے طاب زید فارسا اسمیں تمیز اور حال دونوں کا احتمال ہے تمیز کی صورت میں اس کا ترجمہ ہوگا اچھا ہے زید گھوڑے پر سوار ہونے کے اعتبار سے اور حال کی صورت میں ترجمہ ہوگا اچھا ہے زید سوار ہونے کی حالت میں مثلاً جب سوار ہوکر چلتا ہے تو سخاوت کرتا ہے لوگوں کی خبر گیری کرتا ہے وغیرہ۔

**قولہ لکن زیادۃ من الخ** اس عبارت سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تمیز اگر صفت ہو تو احتمال اس میں تمیز اور حال دونوں کا ہے لیکن اس صفت کے شروع میں لفظ من زیادہ آیا کرتا ہے جیسے للہ درہ من فارس عزّ من قائل اس سے تمیز کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حال میں من کی زیادتی نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مقصود تو اس صفت کے ساتھ تعریف کرنا ہے کہ یہ صفت منتصب عنہ کے اندر بہت اچھی ہے مثلاً طاب زید فارسا میں مقصود یہ ہے کہ زید گھوڑے کی سواری اچھی کرلیتا ہے یعنی وہ اسمیں ماہر ہے سوار ہونے کی حالت میں کسی اور صفت کیساتھ تعریف کرنا مقصود نہیں۔

ولا یتقدم التمییز علی عاملہ اذا کان اسما تاما بالاتفاق فلا یقال عندی درھما عشرون ولا زیتا رطل لان عاملہ ح اسو جامد ضعیف العمل مشابہ للفعل مشابھۃ ضعیفۃ کما ذکرنا فلا یقوی ان یعمل فیما قبلہ والاصح ای اصح المذاھب ان لا یتقدم التمییز علی ماھو عامل فیہ من الفعل الصریح او الغیر الصریح لکونہ من حیث المعنی فاعلا لفعل نفسہ نحو طاب زید ابا ای طاب ابوہ او فاعلا لہ اذ اجعلتہ لازما نحو فجرنا الارض عیونا ای انفجرت عیونھا اذا جعلتہ متعدیا نحو امتلأ الاناء ماء ای ملأہ الماء والفاعل لا یتقدم علی الفعل فکذا ما ھو بمعنی الفاعل

---

قولہ ولا یتقدم التمییز الخ ـ تمییز کا عامل اگر اسم تام ہو تو تمییز اپنے عامل پر مقدم نہ ہوگی کیونکہ اسم تام اسم جامد ہوگا اور جامد اگرچہ فعل کے مشابہ ہے لیکن وہ مشابہت کمزور ہے اسلئے جامد عامل ضعیف ہوگا وہ معمول مقدم پر عمل نہ کرسکے گا اسم تام جامد کو فعل کے ساتھ مشابہت کس طرح ہے اور کیسی ہے اس کا بیان تمییز کے شروع میں ہوچکا ہے۔

قولہ والاصح ان لا یتقدم الخ ـ اس سے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ تمییز کا عامل اسم تام ہو تو تمییز اس پر مقدم نہ ہوگی اس کی وجہ بھی بیان کردی گئی ہے اس سے ایک شبہ ہوتا ہے کہ اسم تام عامل کمزور ہے اسلئے تمییز اسپر مقدم نہیں ہوتی لیکن اگر عامل فعل ہو تو وہ چونکہ قوی ہے اس لئے تمییز اسپر مقدم ہوجائے گی اس شبہ کو زائل کر رہے ہیں کہ تمییز کا عامل اگر فعل ہو تو اسمیں اگرچہ بعض نحویوں نے تمییز کی تقدیم کو جائز رکھا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ تمییز فعل پر بھی مقدم نہیں ہوتی خواہ فعل صریح ہو یا غیر صریح یعنی شبہ فعل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوسکتا اسلئے تمییز کا مقدم کرنا بھی صحیح نہیں۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ بہت سی مثالیں ایسی ہیں جن میں تمییز معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں ہے تو ان مثالوں میں تمییز کو فعل پر مقدم کرنا جائز ہونا چاہئے حالانکہ وہاں بھی صحیح نہیں ہے مثلاً فجرنا الارض عیونا اس میں عیونا تمییز ہے اور معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں اسی طرح امتلأ الاناء ماء میں ماء تمییز ہے اور معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ صورت میں یہ معنی کے اعتبار سے فاعل نہیں ہیں لیکن ان کو فاعل کی تاویل میں کیا جاسکتا ہے مثلاً فجرنا فعل متعدی ہے لیکن اس کو لازم کرلیں تو یہ انفجرت عیونھا کی تاویل میں ہوجائے گا اور تاویل کے بعد عیونا انفجرت کا فاعل بن جائے گا اسی طرح امتلأ لازم ہے اس کو متعدی کرکے ملأ الاناء الماء کی تاویل میں کرکے الماء کو اس کا فاعل بنادیں گے۔ حاصل یہ کہ تمییز فاعل

وههنا بحث وهو ان الماء في قوله هو امتلأ الاناء ماء من حيث المعنى فاعل للفعل المذكور من غير حاجة الى جعله متعديا لان المتكلم لما قصد اسناد الامتلاء الى بعض متعلقات الاناء وهو على سبيل التجوز وقد رد وقع الابهام فيه لاجرم ميزه بقوله ماء فهو في معنى امتلاء ماء الاناء فالماء فاعل معنى وذلك بعينه مثل قولك ربح زيد تجارة فان التجارة تمييز يرفع الابهام عن شئ منسوب الى زيد وهو التجارة فالفاعل في قصد الحقيقة هو التجارة لا لزيد وان كان اسناد الربح اليه حقيقة والى التجارة مجازا وبهذا يندفع ما يورد على قاعدتهم المشهورة وهي ان التمييز عن النسبة اما فاعل في المعنى او مفعول من ان التمييز في هذا

---

کے درجہ میں ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا اس لئے تمییز بھی فعل پر مقدم نہ ہوگی۔

قولہ وههنا بحث الخ ۔ بحث یہ ہے کہ امتلأ الاناء ماء میں ماء تمییز ہے اور تمییز کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یہاں فاعل کے درجہ میں ہے لیکن وہ لفظوں میں فاعل نہیں ہے اسلئے امتلأ فعل لازم کو متعدی بنا کر ملأ الاناء ماء کی تاویل میں کر کے فاعل بتایا گیا ہے۔ شارح اس بحث کو لاکر یہ فرما رہے ہیں کہ ماء کو فاعل بنانے میں لازم کو متعدی بنانے کی ضرورت نہیں ہے بغیر اس کے بھی وہ فاعل بن سکتا ہے اسکی توضیح یہ ہے کہ امتلأ الاناء ماء میں اگرچہ فاعل حقیقی اناء ہے اسمیں برتن کا بھرنا معلوم ہوا کہ وہ بھر گیا ہے لیکن یہ متکلم کا مقصود نہیں، مقصود یہ ہے کہ وہ چیز معلوم ہو جس سے برتن بھر اگیا ہے اسلئے ضرورت ہوئی امتلأ کی اسناد اناء کے بعض متعلقات کی طرف ہو یعنی جو چیز برتن میں بھری گئی ہے اسکی طرف اسناد ہو اسلئے تقدیر عبارت یہ ہوگی امتلأ شئ منسوب الی الاناء اور اسمیں ابہام ہے یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ جو چیز بھری گئی ہے اور اناء کیطرف منسوب ہے وہ کیا ہے اسلئے اس ابہام کو دور کرنے کیلئے ماء اسکی تمییز لائی گئی اور تمییز فاعل کے درجہ میں ہوتی ہے اسلئے یہ امتلأ ماء الاناء کی تاویل میں ہے اور اسمیں ماء کیطرف اگرچہ اسناد مجازی ہے لیکن مقصود کے مطابق ہے کیونکہ اسمیں یہ معلوم ہو گیا کہ برتن میں پانی بھرا گیا ہے اور متکلم کا مقصود یہی تھا کہ جو چیز برتن میں بھری گئی ہے وہ معلوم ہو جائے اور اسناد کیلئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ حقیقی ہو اسناد مجازی کا استعمال قرآن پاک کے اندر، حدیث پاک کے اندر اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائے جاتے ہیں چنانچہ فما ربحت تجارتهم میں ربحت کی اسناد تجارت کیطرف مجازی ہے امتلأ الاناء ماء کی مثال بالکل ربح زید تجارة جیسی ہے اسکی تقدیر عبارت ربح شئ منسوب الی زید ہے اسمیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز نفع دلی ہے جو زید کیطرف منسوب ہے اس ابہام کو دور کرنے کیلئے تجارة کو لایا گیا جو تمییز ہے اور شئ سے ابہام کو دور کر رہی ہے اسلئے اس کی تاویل ربحت تجارة زید ہے اسمیں تجارت فاعل مجازی ہے اور علاقہ اسمیں سببیت کا ہے یعنی تجارت نفع کا سبب ہے اسلئے سبب کیطرف نسبت کر دی گئی جسطرح انبت الربیع البقل میں ربیع سبب ہے اور اسکی طرف انبت کی اسناد ہو رہی ہے بالکل اسی طرح امتلأ ماء الاناء کا حال ہے کہ ماء برتن کے بھرنیکا سبب ہے اسلئے امتلأ کی اسناد مجازا اسکی طرف کر دی گئی۔ پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ امتلأ الاناء ماء میں ماء جو تمییز ہے اس کو فاعل بنایا جاسکتا ہے خواہ وہ فاعل مجازی ہو، اس میں لازم کو متعدی کی تاویل میں کرنے کی ضرورت نہیں۔

قولہ وبهذا يندفع الخ ۔ اعتراض یہ ہے کہ مشہور قاعدہ ہے کہ نسبت سے جو تمییز واقع ہوتی ہے

المثال وامثاله لا فاعل ولا مفعول فلا نظر وتلك القاعدة خلافا للمازني والمبرد فانهما يجوزان تقديم التمييز على الفعل الصريح وعلى اسمي الفاعل والمفعول نظرا الى قوة العامل بخلاف الصفة المشبهة واسم التفضيل والمصدر وما فيه معنى الفعل لضعفها في العمل ومتمسكهما في هذا التجويز قول الشاعر. شعر اتهجر سلمى بالفراق حبيبها : وما كاد نفسا بالفراق تطيب على تقدير تانيث الضمير في تطيب فانه ح يكون

---

وہ یا تو معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے یا مفعول اور امتلأ الاناء ماء، فجرنا الارض عیونا اور اس جیسی مثالوں میں تمیز نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے۔

شارح فرماتے ہیں بحث کے تحت جو تاویل کی گئی ہے اس میں یہ اعتراض دور ہو جائے گا کیونکہ تاویل کے بعد تمییز ان مثالوں میں فاعل واقع ہے اگرچہ فاعل مجازی ہے

قولہ خلافا للمازني والمبرد الخ۔ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ تمیز کا عامل اگر فعل ہو تو اصح یہ ہے کہ اس پر بھی تمیز مقدم نہ ہوگی اس میں مازنی اور مبرد کا خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر تمییز کا عامل فعل صریح ہو یا غیر صریح یعنی اسم فاعل و مفعول ہو تو تمییز ایسے عامل پر مقدم ہو سکتی ہے کیونکہ عامل قوی ہے البتہ اگر عامل صفت مشبہ ہو یا اسم تفضیل اور مصدر ہو تو پھر ان پر تمییز مقدم نہ ہوگی کیونکہ یہ عامل ضعیف ہیں ان دونوں کی دلیل شاعر کا یہ قول ہے اتہجر سلمی بالفراق حبیبہا وما کاد نفسا بالفراق تطیب۔ لیکن ان دونوں کا استدلال اس شعر سے اس وقت ہوگا جب تطیب واحد مونث غائب ہو اگر تطیب واحد مذکر غائب ہو تو استدلال صحیح نہ ہوگا۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ کاد کے اندر ضمیر ہو شان مانی جائے اور تطیب واحد مونث غائب فعل مضارع ہے اس میں ھی ضمیر مونث سلمی کی طرف راجع ہے جس سے سلمی کا خوش ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ کس اعتبار سے خوش ہے

فی کاد ضمیر الشان لتذکیرہ ویعود ضمیر تطیب الی سلمی ویکون نفسا تمیزا عن نسبۃ تطیب الیھا مقدما علیہ واما علی تقدیر تذکیر الضمیر فضمیر کاد للحبیب ونفسا تمیزا عن نسبۃ کاد الیہ ای وما کاد الحبیب نفسا بطیب فلا تمسک وما قیل یحتمل ان یحتمل البیت علی تقدیر تانیثہ ایضا علی ھذا الوجہ بان یکون تانیث الضمیر الراجع الی الحبیب باعتبار النفس اذ المعنی وما کادت نفس الحبیب تطیب فتکلف وتعسف غیر قادح فی التمسک

اس ابہام کو نفسا نے دور کر دیا لہذا نفسا تمیز ہے اور وہ اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے اور تطیب فعل ہے اس لئے اس کے معمول کا اس پر مقدم ہونا صحیح ہے اس صورت میں شعر کا ترجمہ یہ ہوگا۔

کیا سلمی اپنے عاشق کو فراق میں مبتلا کر کے چھوڑ دے گی حالانکہ وہ اپنے نفس کے اعتبار سے فراق کو پسند نہیں کرتی یعنی وہ خود عاشق کی جدائی پسند نہیں کرتی۔

اگر یطیب واحد مذکر غائب کا صیغہ ہو تو اس کی ضمیر مذکر حبیب کی طرف راجع ہوگی اس وقت نفسا یطیب کی نسبت سے جو حبیب کیطرف ہے تمیز نہ ہوگی بلکہ کاد میں ضمیر ہوگی جو حبیب کی طرف منسوب ہے اس نسبت سے تمیز ہوگی اور عامل اسمیں کاد ہوگا جو مقدم ہے اور نفسا جو تمیز ہے وہ مؤخر ہے اسلئے مازنی اور مبرد کا استدلال اس صورت میں صحیح نہ ہوگا، اس صورت میں شعر کا ترجمہ یہ ہوگا، کیا سلمی اپنے عاشق کو چھوڑ دے گی حالانکہ اس کا عاشق فراق کو پسند نہیں کرتا۔

قولہ وما قیل یحتمل الخ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تطیب واحد مؤنث غائب ہی رہے اور اسکی ضمیر بجائے سلمی کے حبیب کیطرف راجع کیجائے اور حبیب کو نفس کی تاویل میں کر لیا جائے یعنی حبیب سے مراد ایک نفس ہو۔ شارح اس قول کو پسند نہیں کرتے کیونکہ اسمیں خواہ مخواہ تکلف کیا گیا ہے تطیب میں ضمیر مؤنث کو حبیب کیطرف راجع کیا گیا جو مذکر ہے اگرچہ اس کو نفس کی تاویل میں کیا گیا ہے لیکن اس تاویل کے بعد بھی مراد تو مذکر ہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس تاویل سے مازنی اور مبرد کے استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس صورت میں وہ اسطرح استدلال کریں گے کہ تطیب کی نسبت جو حبیب کیطرف ہو رہی ہے اسمیں ابہام ہے اور نفسا جو تمیز ہے اس سے یہ ابہام دور ہو رہا ہے اور باوجود تمیز کے اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے معلوم ہوا کہ اگر عامل فعل ہو تو تمیز اس پر مقدم ہو سکتی ہے۔

المستثنیٰ ای مایطلق علیہ لفظ المستثنیٰ فی اصطلاح النحاۃ علیٰ قسمین ولما کان معلومیتہ بھذا الوجہ الغیر المحتاج الی التعریف کافیۃً فی تقسیمہ قسمہ الی قسمین وعرف کل واحد منھما لان لکل واحد منھما احکامًا خاصۃ لا یمکن اجراؤھا علیہ الا بعد معرفتہ فقال متصل ومنقطع فالمتصل ھو المخرج ای اسم الذی اخرج واحترز بہ عن غیر المخرج لجزئیات المستثنیٰ المنقطع عن حکم شئ متعدد جزئیاتہ نحو ماجاءنی احدٌ الا زیدًا

---

قولہ المستثنیٰ ای مایطلق علیہ لفظ المستثنیٰ الخ:۔ اعتراض ہوتا تھا کہ مستثنیٰ کے معنی ہیں جس کو نکالا جائے اس اعتبار سے مستثنیٰ متصل کو تو مستثنیٰ کہنا صحیح ہے کیونکہ پہلے وہ متعدد میں داخل تھا بعد میں اس کو متعدد سے نکالا جاتا ہے لیکن مستثنیٰ منقطع کو مستثنیٰ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ تو متعدد میں داخل ہی نہیں نکالا تو اس کو جاتا ہے جو داخل ہو۔ لہٰذا مستثنیٰ کی یہ تقسیم متصل اور منقطع کی طرف تقسیم الشئ الی نفسہ والی غیرہ ہے جو صحیح نہیں۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مستثنیٰ کے لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنیٰ مراد ہیں اور اصطلاح کے اعتبار سے مستثنیٰ منقطع کو بھی مستثنیٰ کہا جاتا ہے۔

قولہ ولما کان معلومیتہ بھذا الوجہ الخ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی اور بغیر تعریف کے تقسیم شروع کردی۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ تقسیم کے لئے تصور بالکنہ ضروری نہیں تصور بوجہٖ ما کافی ہے اور مستثنیٰ کی اتنی تعریف "مایطلق علیہ لفظ المستثنیٰ" سے حاصل ہوجاتی ہے جو تقسیم کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد پھر اعتراض ہوتا ہے کہ جب اتنی معرفت تقسیم کے لئے کافی ہے تو پھر مستثنیٰ کے ہر قسم کی تعریف علیحدہ علیحدہ کیوں کی ہے تو اس کا جواب "عرف کل واحد منھما الخ" سے دے رہے ہیں، کہ ہر قسم کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے دونوں قسموں کی تعریف علیحدہ علیحدہ کرنی پڑی۔

قولہ فالمتصل ھو المخرج الخ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع۔ مستثنیٰ متصل وہ ہے جس کو اِلّا اور اس کے اخوات کے ذریعے ایسی شئے سے نکالا جائے جس کی جزئیات متعدد ہوں یا اس کے اجزاء متعدد ہوں اور وہ متعدد جس کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو۔ اب حسبِ بیان شارح اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

شارح نے المخرج کے بعد "الاسم الذی اُخرج" نکالا۔ اس سے مشہور قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف ولام آتا ہے وہ الذی کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم فاعل کو ماضی معروف یا مضارع معروف کی تاویل میں کیا جاتا ہے اور اسم مفعول کو ماضی مجہول یا مضارع مجہول کی تاویل میں کیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی بنا پر شارح نے المخرج کی تاویل الذی اُخرج کے ساتھ کی ہے۔

او اجزاءه نحو اشتريت العبد الا نصفه سواء كان ذلك المتعدد لفظًا اى ملفوظًا نحو جاء فى القوم الا زيدًا او تقديرًا اى مقدرًا نحو ماجاء فى الا زيدًا اى ماجاء فى احد الا زيدًا بالا غير الصفة واخواتها وَ احترز به عن نحو جاء فى القوم الا زيدًا وما جاء فى القوم لكن زيد جاء والمستثنى المنقطع هو المذكور بعدها اى بعد الا واخواتها غير مخرج عن متعدد واحترز به عن جزئيات المستثنى المتصل فالمستثنى الذى لم يكن داخلًا فى التعدد قبل الاستثناء منقطع سواء كان من جنسه كقولك جاءنى القوم الا زيدًا

---

المخرج کی قید سے مستثنیٰ منقطع کی تمام جزئیات خارج ہوگئیں جیسے جاءنی القوم حمارًا وغیرہ اس واسطے کہ ان کو متعدد سے نہیں نکالا جاتا کیونکہ وہ داخل ہی نہ تھے۔ شارح نے متعدد سے پہلے شئ کو لاکر متعدد کا موصوف بتایا ہے اور شئ سے پہلے حکم لاکر یہ بتایا ہے کہ متعدد یعنی مستثنیٰ منہ سے نکالنے کا یہ مطلب ہے کہ متعدد کا جو حکم ہے وہ مستثنیٰ کو شامل نہ ہوگا۔ متعدد کے بعد جزئیاتہ او اجزاءہ نکالا ہے اس سے یہ بتایا ہے کہ متعدد یعنی مستثنیٰ منہ کبھی کلی ہوتا ہے اور کبھی کل ہوتا ہے اگر مستثنیٰ منہ کلی ہے تو اس کی جزئیات متعدد ہوں جیسے "ماجاءنی احد الا زیدًا" یہاں مستثنیٰ منہ احد ہے وہ کلی ہے اس کی متعدد جزئیات ہیں جن سے آنے کی نفی ہو رہی ہے اس حکم سے زید کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور اس کے لئے آنے کا اثبات ہے۔ اور اگر مستثنیٰ منہ کل ہو تو اس کے اجزاء متعدد ہوں جیسے "اشتریت العبد الا نصفہ" اس میں عبد فی نفسہ تو متعدد الاجزاء نہیں ہے لیکن

دوسری تعمیم مستثنیٰ منہ میں یہ ہے کہ لفظوں میں موجود ہو جیسے ماجاءنی القوم الا زیدًا اسمیں قوم مستثنیٰ منہ ہے وہ ملفوظ ہے یا مقدر ہو جیسے ماجاءنی الا زیدًا اس میں مستثنیٰ منہ احد مقدر ہے۔

قولہ بالا غیر الصفۃ واخواتہا الخ الا کے بعد غیر الصفۃ اس واسطے کہا کہ جو الّا صفت کے لئے ہو اس کے بعد جو اسم ہوتا ہے اس کو مستثنیٰ نہیں کہتے۔ اخوات سے مراد باقی حروف استثناء ہیں۔ الّا اور اس کے اخوات کی قید سے اس اسم سے احتراز ہوگیا جو حروف استثناء کے علاوہ دوسرے حروف کے ذریعہ حکم سے خارج کیا جائے جیسے جاءنی القوم الا زید۔ وما جاءنی القوم لکن زید جاء۔ پہلی مثال میں قوم کے لئے آنے کا حکم ثابت ہے اور زید کو اس حکم سے الا کے ذریعہ خارج کیا گیا ہے لیکن زید کو مستثنیٰ نہ کہیں گے۔ دوسری مثال میں قوم کے لئے عدم مجی کا حکم ثابت کیا گیا ہے اور زید کو اس حکم سے لکن کے ذریعہ خارج کیا گیا ہے یعنی زید کیلئے بجائے عدم مجی کے مجی ثابت کیا گیا ہے لیکن ان دونوں مثالوں میں الا اور اس کے اخوات کے ذریعے حکم سے خارج نہیں کیا گیا لہٰذا انکو مستثنیٰ نہ کہیں گے۔

قولہ المستثنیٰ المنقطع ھو المذکور بعدھا غیر مخرج الخ مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو الّا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن متعدد یعنی مستثنیٰ منہ سے نکالا نہ جائے کیونکہ وہ پہلے ہی سے خارج ہے داخل نہیں اور نکالا اس کو جاتا ہے جو پہلے داخل ہو اور جو مستثنیٰ استثناء سے پہلے ہی مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو

مثبتًا بالقوم الی جماعۃ خالیۃ عن زید او لم یکن نحو جاءنی القوم الا حمارًا وھو ای المستثنیٰ مطلقًا حیث علم اولًا بوجہ یصحح تقسیمہ کما عرفت وثانیا بما یتفطن لہ من تعریف قسمیہ اعنی المذکور بعد الا واخواتھا سواء کان مخرجًا او غیر مخرج ولہذا لم یعرفہ علی حدۃ رومًا للاختصار منصوبٌ وجوبًا اذا کان واقعًا بعد الا لا بعد غیر وسویٰ

---

اس کو بھی منقطع کہا جائیگا خواہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو جیسے "جاءنی القوم الا زیدًا" کوئی کہے اور قوم سے مراد زید کے علاوہ دوسرے افراد ہوں تو اس میں زید اگرچہ قوم کی جنس سے ہے لیکن مجی کے حکم میں پہلے سے داخل نہیں اس لئے اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کو قوم کے حکم سے خارج کیا گیا ہے اس لئے یہ مستثنیٰ منقطع کہلائے گا اس کو متصل نہ کہا جائے گا۔

مصنف نے مستثنیٰ متصل اور منقطع کی جو تعریف کی ہے اس کا معیار ماقبل کے حکم سے خارج کرنے اور نہ کرنے پر ہے جو ماقبل کے حکم سے خارج کیا جائے وہ متصل ہے خواہ ماقبل کی جنس سے ہو یا نہ ہو اور جو ماقبل کے حکم سے خارج نہیں کیا گیا کیونکہ وہ پہلے سے داخل نہ تھا تو وہ منقطع ہے خواہ ماقبل کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔

بعض حضرات نے اس طرح تعریف کی ہے کہ جو ماقبل کی جنس سے ہو وہ متصل ہے اور جو ماقبل کی جنس سے نہ ہو وہ منقطع ہے۔ اس صورت میں متصل اور منقطع کا معیار ماقبل کی جنس سے ہونا یا نہ ہونا ہے۔ ماقبل کے حکم سے خارج کرنا یا نہ کرنا معیار نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک "جاءنی القوم الا زیدًا" ہر صورت میں مستثنیٰ متصل ہے خواہ قوم سے مراد زید کے علاوہ دوسرے افراد ہوں یا زید بھی ان افراد میں شامل ہو کیونکہ ان کے یہاں مستثنیٰ متصل وہ ہے جو ماقبل کی جنس سے ہو اور زید مثال مذکور میں قوم کی جنس سے ہے۔

**قولہ، وھو منصوب اذا کان الخ:** مستثنیٰ کی تقسیم کے بعد اس کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

اس عبارت میں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ ھو ضمیر مستثنیٰ کی طرف راجع ہے اور اس کا علم اس سے قبل ہوا نہیں تو پھر اس کی طرف ضمیر راجع کرنا کیسے صحیح ہوگا شارح ای المستثنیٰ مطلقًا الخ سے اس کا جواب دے رہے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ضمیر مطلق مستثنیٰ کی طرف راجع ہے اور اس کا علم دو طرح سے ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ جب لفظ مستثنیٰ ذکر کیا اور اس سے مراد "مایطلق علیہ لفظ المستثنیٰ" لیا۔ اور یہ بھی علم کی ایک قسم ہے جو تقسیم کی صحت کے لئے کافی ہوتی ہے اس کو تصور بوجہ ما کہتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے اس کو بیان کیا گیا ہے اور جب مستثنیٰ کی تقسیم کر کے اس کی ہر قسم کی تعریف علیحدہ علیحدہ بیان کی اور کہا کہ مستثنیٰ وہ ہے جو الا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو خواہ اس کو خارج کیا گیا ہو جیسا کہ مستثنیٰ متصل۔ یا نہ خارج کیا گیا ہو جیسے مستثنیٰ منقطع تو اس سے بھی مستثنیٰ کا علم ہو گیا تو جب دوبارہ مستثنیٰ کا علم ہو گیا تو پھر اس کی طرف ضمیر راجع کرنے میں کیا قباحت ہے۔

رغیرهما غیر الصفة قید به وان لم یکن الواقع بعد الا التی للصفة داخلا فی المستثنیٰ لئلا یذهل عنه فی کلام موجب ای لیس بنفی ولا نهی ولا استفهام نحو جاء نی القوم الازیداً واحترز به عما اذا وقع فی کلامٍ غیر موجب لانه لیس حینئذٍ واجب النصب علی ما سیجئ ولا حاجة ههنا الی قید اٰخر وهو ان یکون الکلام الموجب تاما بان یکون المستثنیٰ منه مذکوراً فیه لیخرج نحو قرأت الا یوم کذا فانه منصوب علی الظرفیة لا علی الاستثناء لان

---

بہرحال اب مصنف مستثنیٰ کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ پہلے اس کے منصوب ہونے کی صورتیں بیان کر رہے ہیں کیونکہ مستثنیٰ کا اصلی اعراب یہی ہے کہ وہ منصوب ہو اور منصوب ہونے کی پانچ صورتیں ہیں جنکو مصنف نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۱) مستثنیٰ کلام موجب میں الّا غیر صفتی کے بعد واقع ہو تو منصوب ہوگا۔ کلام موجب ایسے کلام کو کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام نہ ہو جیسے جاءنی القوم الا زیداً۔ کلام موجب کی قید اس واسطے ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب واجب نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ لفظ اِلّا کی قید اس واسطے ہے کہ اگر مستثنیٰ الا کے بعد نہ ہو بلکہ غیر سوی کے بعد ہو تو مستثنیٰ مجرور ہوگا۔ الا کے بعد غیر صفتہ کی قید لگائی کیونکہ الا اگر استثناء کے لئے نہ ہو بلکہ صفت کے لئے ہو تو اس پر مستثنیٰ کا اعراب جاری نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہوگا اور جو موصوف کا اعراب ہوگا وہی اعراب اس پر آئیگا جیسے " لوکان فیهما اٰلهة الا الله لفسدتا " اس میں لفظ اللہ پر نصب نہیں بلکہ اٰلهة پر جو اعراب ہے یعنی رفع وہی اعراب لفظ اللہ پر ہوگا۔

لفظ الا کے بعد غیر صفتہ کے قید لگانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ الا صفتی کے بعد جو اسم ہوتا ہے وہ مستثنیٰ نہیں ہوتا اور یہاں مستثنیٰ کا اعراب بیان کرنا مقصود ہے لیکن یہ قید اس واسطے لگادی کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ رہے (کہ یہ الا صفت کے لئے ہے۔ اسکے بعد مستثنیٰ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ماقبل کی صفت ہوتا ہے) اور اس غفلت کیوجہ سے محض یہ دیکھ کر کہ الا کے بعد ہے اس اسم پر نصب پڑھ دے۔

قولہ ولا حاجة ههنا الی قید اٰخر الخ اس عبارت سے شارح ہندی کا رد کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ مصنف رح کو چاہئے تھا کہ فی کلام موجب کے بعد تام کی قید کا اضافہ کر دیتے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ مستثنیٰ جب کلام موجب تام میں الا غیر صفتی کے بعد ہو تو منصوب ہوگا۔ تام کا مطلب ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو پھر الا کے بعد مستثنیٰ کی بنا پر نصب واجب نہ ہوگا بلکہ ظرفیت کی بنا پر نصب ہوگا جیسے قرأت الا یوم کذا بس الّا سے پہلے مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے اس لئے یوم مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ بواسطہ الا کے یہ قرأت کا ظرف ہے۔ شارح اس کو اس لئے رد کر رہے ہیں کہ یہاں مصنف کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ الا کے بعد جو اسم واقع ہو وہ کن کن صورتوں میں منصوب ہوگا خواہ اس کے نصب کی کوئی بھی وجہ ہو۔ اور مثال مذکور قرأت الا یوم کذا میں الا کے بعد یومَ پر نصب ہے اگرچہ وہ نصب ظرف کی بنا پر ہے لیکن ہے تو نصب۔ بس مصنف کا

الکلام فی کونہ منصوبا مطلقا لا فی کونہ منصوبا علی الاستثناء بدلیل قولہ اوکان بعد خلا وعدا الا ان یقال الحاجۃ الی ھذا القید انما ھو لاخراج مثل قری الا یوم کذا فانہ مرفوع وجوبا لا منصوب والعامل فی نصب المستثنیٰ اذا کان منصوبا علی الاستثناء عند البصریۃ الفعل المتقدم او معنی الفعل بتوسط الا لانہ شئ یتعلق بالفعل او معناہ تعلقا معنویا

---

مقصود حاصل ہوگیا اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس وقت مصنف کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ الا کے بعد اسم پر نصب کن کن صورتوں میں آتا ہے نصب کی وجہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف نے آگے چل کر یہ کہا ہے او کان بعد خلا وعدا۔ یعنی خلا اور عدا کے بعد جو اسم واقع ہو اس پر نصب ہوگا حالانکہ ان دونوں کے بعد جو اسم ہوتا ہے اس پر نصب استثناء کی بناء پر نہیں آتا بلکہ وہ مفعول ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کا مقصد اس کے نصب کو بیان کرنا ہے نصب کی وجہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

البتہ شارح ہندی کی حمایت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرأت الا یوم کذا جیسی مثال میں اگر موجب کے بعد تام کی قید ضروری نہیں ہے تو قری الا یوم کذا جیسی مثال میں تو بہرحال ضرورت ہے یعنی جہاں الّا کے بعد اسم مرفوع ہو وہاں تو اس قید کی ضرورت پڑیگی کیونکہ مصنف کی بیان کردہ سارے قیود اس میں موجود ہیں لفظ یوم، الّا کے متصل کے بعد کلام موجب میں ہے پھر بھی نصب نہیں بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اس کی وجہ یہی تو ہے کہ کلام موجب تام نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے اس لئے مصنف کو چاہئے تھا کہ تام کی قید لگادیتے تاکہ اس جیسی مثالوں کے ذریعہ اعتراض نہ وارد ہو۔ اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ کلام موجب سے متبادر یہ ہے کہ وہ تام ہو اس لئے مصنف نے یہ قید ذکر نہیں کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ والعامل فی نصب المستثنیٰ الخ اس میں اختلاف ہے کہ مستثنیٰ پر اگر نصب استثناء کی بناء پر آئے تو اس میں عامل کون ہے شیخ رضی اور عبدالقاہر جرجانی کے نزدیک عامل مستثنیٰ منہ ہوگا بواسطہ الا کے اور بصریین کے نزدیک فعل یا معنی فعل عامل ہوگا شارح بصریین کی موافقت کر رہے ہیں علی الاستثناء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر مستثنیٰ پر نصب استثناء کی بناء پر نہ ہو بلکہ ظرف کی بناء پر ہو تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں سب کے نزدیک عامل فعل یا معنی فعل ہوگا اسواسطے کہ جب مستثنیٰ ظرف ہوگا تو اس کو مستثنیٰ کہنا بطور مجاز کے ہوگا کیونکہ لفظ الا کے بعد مذکور ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ کی صورت میں ہے حقیقۃً وہ مستثنیٰ نہیں ہے اور جب وہ مستثنیٰ نہیں ہے تو اس کا کوئی مستثنیٰ منہ نہ ہوگا اس لئے اس صورت میں مستثنیٰ منہ کے عامل ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا

شیخ رضی اور علامہ جرجانی کی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلام میں فعل اور معنی فعل میں سے کوئی بھی نہیں ہوتا اور مستثنیٰ اسوقت بھی منصوب ہوتا ہے جیسے القوم اخوتک الا زیدًا یہاں زیدًا پر نصب ہے اور فعل یا معنی فعل میں سے کوئی نہیں۔ معلوم ہوا کہ استثناء کی بناء پر نصب ہو تو عامل فعل یا معنی فعل نہ ہوگا بلکہ مستثنیٰ منہ ہوگا

اذ لہ نسبۃ الیٰ مانسب الیہ احدھما وقد جاء بعد تمام کلام فشابہ المفعول او مقدما عطف علی قولہ بعد الا ای المستثنیٰ منصوب وجوبًا اذا کان المستثنیٰ مقدما علی المستثنیٰ منہ سواء کان فی کلامٍ موجب او غیر موجب نحو جاءنی الا زیدا القوم وماجاءنی الا زیدا احد لامتناع تقدیم البدل علی المبدل منہ او منقطعا ای المستثنیٰ منصوبًا ایضا وجوبا اذا کان منقطعًا بعد الا نحو ما فی الدار احدٌ الا حمارًا فی الاکثر ای فی اکثر اللغات۔

---

بصریین کی طرف سے یہ جواب دیاجاتاہے کہ یہ مثال فرضی ہے. اس طرح کی مثال کہیں کلام میں نہیں ہے اگر بالفرض اس مثال کا وجود مان لیاجائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں معنیٰ فعل موجود ہے اور وہ انتساب بالاخوۃ ہے. استثنار کی بنار پر مستثنیٰ کے منصوب ہونے کی وجہ شارح رح نے یہ بیان کی ہے کہ مستثنیٰ کا تعلق مستثنیٰ منہ سے ہے اور مستثنیٰ منہ کی طرف فعل یا معنیٰ فعل کی نسبت ہوتی ہے اس لئے بواسطہ مستثنیٰ منہ کے مستثنیٰ کا بھی معنوی تعلق فعل یا معنیٰ فعل سے ہوگا اور مستثنیٰ کا وقوع کلام کے تام ہونے کے بعد ہے اس لئے یہ مشابہ ہوجائیگا مفعول کے کیونکہ مفعول کا وقوع بھی فعل کے تام ہونے کے بعد ہوتا ہے یعنی جب فعل اپنے فاعل سے مل کر تام ہوجاتاہے اس کے بعد مفعول واقع ہوتا ہے. توجب مستثنیٰ کو مفعول کے ساتھ مشابہت ہوئی توجس طرح مفعول منصوب ہوتا ہے مستثنیٰ بھی منصوب ہوگا۔

قولہ او مقدما الخ: اگر مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر تو اس پر نصب آئے گا خواہ کلام موجب میں مقدم ہو جیسے جاءنی الا زیدا القوم یا کلام غیر موجب میں مقدم ہو جیسے ماجاءنی الا زیدا احد مقدم ہونے کی صورت میں مستثنیٰ پر نصب اس وجہ سے واجب ہے کہ جہاں کہیں مستثنیٰ پر نصب کے علاوہ کوئی دوسرا اعراب آیاہے وہ مستثنیٰ منہ سے بدل ہونے کے احتمال پر آیاہے اور یہاں بدل ہونے کا کوئی احتمال نہیں اس لئے کہ مستثنیٰ مقدم ہے اور بدل اپنے مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوتا کیونکہ بدل تابع ہے اور مبدل منہ متبوع ہے اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا توجب بدل ہونیکا یہاں احتمال نہیں تو مستثنیٰ پونا اس کا متعین ہوگیا اور مستثنیٰ کا اعراب نصب ہے اسلئے اس پر صرف نصب آئیگا۔

قولہ او منقطعًا فی الاکثر الخ: مستثنیٰ منقطع پر بھی اکثر لغات یا اکثر مذاہب میں نصب واجب ہوگا۔ اکثر لغات سے مراد اہل حجاز کی لغت ہے کیونکہ اہل حجاز کے قبائل بہت ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اکثر سے مراد اکثر مذاہب ہوں یہ بھی صحیح ہے کیونکہ اکثر نحاۃ نے اہل حجاز کی لغت پر عمل کیاہے ان کے نزدیک مستثنیٰ منقطع پر نصب اس لئے واجب ہے کہ اس میں مستثنیٰ کے علاوہ کسی درجہ میں اگر احتمال ہے تو بدل غلط کا لیکن بدل غلط کا وقوع سہو اور غفلت کی بنار پر ہوتا ہے اور مستثنیٰ کا وقوع قصد اور فکر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے مستثنیٰ کے ہوتے ہوئے بدل غلط کا بھی تصور نہیں کیا جاسکتا ہے اور جب مستثنیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں تو مستثنیٰ متعین ہوگا اور اس کا اعراب نصب ہوگا۔

وهی لغات اهل الحجاز فانهم قبائل کثیرون او فی اکثر مذاهب النحاة فان اکثرهم ذهبوا الی اللغة الحجازیة فالمنقطع مطلقاً منصوب عندهم اذ لا یتصور فیه الابدل الغلط وهو لا یصدر الا بطریق السهو والغفلة والمستثنیٰ المنقطع انما یصدر بطریق الرویة والفطانة واما بنو تمیم فقد قسموا المنقطع الیٰ قسمین احدهما ما یکون قبله اسم یصح حذفه نحو ماجاء نی القوم الاحماراً فههنا یجوزون البدل وثانیهما ما لا یکون قبله اسم یصح حذفه فهم ههنا یوافقون الحجازیین فی ایجاب نصبه کقوله تعالیٰ لاعاصم الیوم من امر الله الامن رحم ای من رحمه الله فمن رحمه الله هو المرحوم

قوله واما بنوتمیم الخ بنوتمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع پر نصب متعین نہیں بلکہ ان کے یہاں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ سے پہلے جو اسم ہے یعنی مستثنیٰ منہ اگر اس کا حذف کرنا صحیح ہو تو وہ مستثنیٰ کو ماقبل سے بدل قرار دیکر جو اعراب مبدل منہ کا ہوگا وہی اعراب بدل پر آئے گا نصب متعین نہ ہوگا جیسے "ماجاء نی القوم الاحماراً" میں قوم کو حذف کر سکتے ہیں اس کے حذف کرنے میں معنی فاسد نہیں ہوتے اس لئے حمار کو مستثنیٰ نہ کہیں گے بلکہ القوم سے بدل قرار دیکر اس پر رفع پڑھیں گے۔

اور اگر مستثنیٰ سے پہلے ایسا اسم ہو جس کا حذف کرنا صحیح نہ ہو حذف کرنے سے فساد معنی لازم آئے تو پھر وہ حجازیین کی موافقت کرتے ہیں اور مستثنیٰ پر صرف نصب پڑھتے ہیں جیسے "لاعاصمَ الیومَ من امر اللہ الامَنْ رَحِمَ" اس میں عاصم مستثنیٰ منہ ہے جس کا حذف جائز نہیں اسلئے یہ لا نفی جنس کا اسم ہے اس کی خبر موجودٌ محذوف ہے اگر اسم کو بھی حذف کر دیا جائے تو اجحاف لازم آئے گا یعنی لا کا کوئی اثر ہی نہ باقی رہے گا۔ جب عاصم کا حذف جائز نہیں تو مَنْ رَحِمَ کو اس سے بدل نہیں قرار دے سکتے اس لئے اس کا مستثنیٰ، ہونا متعین ہوا اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے اس لئے مَنْ رَحِمَ منصوب ہوگا لیکن اس کا منصوب ہونا محل کے اعتبار سے اس لئے یہ منصوب محلی کہلائے گا۔

شارح نے من رحم کے بعد ای مَنْ رحمہ اللہ نکالا اس کی وجہ یہ ہے کہ مَنْ موصولہ ہے اور رَحِمَ اس کا صلہ ہے اور صلہ جب جملہ ہو تو اسمیں ضمیر ہونی چاہیئے جو موصول کی طرف راجع ہو اس لئے شارح نے رحمہ لاکر بتا یا کہ ضمیر محذوف ہے، اور چونکہ یہ ضمیر ترکیب میں مفعول بہ ہے اور جب موصول کی طرف ضمیر لوٹنے والی ترکیب میں مفعول ہو تو اس کا حذف جائز ہے۔ اس لئے ضمیر کو حذف کر دیا۔

قولہ فمن رحمہ اللہ هو المرحوم الخ۔ اس سے من رحم اللہ کے بارے میں بتانا چاہتے ہیں کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ من رحمہ اللہ یعنی جس پر اللہ پاک رحم کرے وہ معصوم ہوگا عاصم نہ ہوگا عاصم تو خدا کی ذات ہے اور جب عاصم میں داخل نہیں تو پھر منقطع ہوگا اور منصوب ہوگا۔

المعصوم فلا یکون داخلا فی العاصم فیکون منقطعا اوکان بعد خلا وعدا ای المستثنیٰ منصوب ایضا وجوبًا اذا کان بعد عدا من عدا یعدو عدوا اذا جاوزہ مثل جاءنی القوم عدا زیدًا وبعد خلا من خلا یخلو اخلوا نحو جاءنی القوم خلا زیدًا وھو فی الاصل لازم یتعدی الی المفعول بمن نحو خلت الدیار من الانیس وقد یضمن معنی جاوزا ویحذف من ویوصل الفعل فیتعدی بنفسہ والتزموا ھذا التضمین او الحذف والایصال فی باب الاستثناء لیکون مابعدھا فی صورۃ المستثنیٰ بالا التی ھی ام الباب وفاعلھما ضمیر راجع اما الی مصدر الفعل

---

قولہ اوکان بعد خلا وعدا الخ:۔ مستثنیٰ جب خلا اور عدا کے بعد واقع ہو تو منصوب ہوتا ہے یہ دونوں باب نصر سے ہیں اور ناقص واوی ہیں۔ عدا یعدو عدوًا تجاوز کرنا۔ خلا یخلو خلواً خالی ہونا عدا متعدی بنفسہ ہے۔ خلا لازم ہے اور مِنْ کے واسطے سے متعدی ہے۔ شارح نے خلت الدیار من الانیس مثال دیکر اسکے استعمال کو بتایا ہے۔ کبھی مِن کو حذف کرکے مِن کے مدخول کو فعل سے ملا دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی شکل بھی متعدی بنفسہ جیسی ہو جاتی ہے اس کا نام حذف و ایصال ہے۔ کبھی خلا تجاوز کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اسوقت متعدی بنفسہ ہوگا۔

قولہ والتزموا التضمین الخ:۔ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ خلا لازم ہے اور وہ مفعول کا تقاضہ نہیں کرتا لہٰذا اس کا مابعد منصوب نہ ہوگا اسلئے اسمیں یا تو تضمین مانی جائے کہ وہ تجاوز کے معنی کو متضمن ہے یا مِنْ کے ذریعہ اسکو متعدی قرار دیا جائے اگر مِن کو متعدی قرار دیا جائے تو اسکا مدخول مجرور ہوگا منصوب نہ ہونا چاہئے۔ رہی تضمین تو وہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ امور لازمہ میں سے نہیں ہے جائز ہے اگر تضمین ہوئی تو نصب پڑھا جائیگا تضمین نہ ہوئی تو نصب نہ ہوگا لہٰذا یہ فیصلہ کر دینا کہ خلا کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا یہ صحیح نہیں اسکا جواب یہ ہے ہیں کہ مِنْ کے بعد مجرور اسوقت ہوتا ہے جب مِن لفظوں میں موجود ہو۔ اور باب استثناء میں مِنْ کا حذف کرنا اور اس کے مابعد کو فعل سے وصل کرنا اس کو نحاۃ نے لازم قرار دیدیا ہے اسی طرح تضمین کو بھی لازم کیا ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں خلا کا مابعد منصوب ہوتا ہے۔

اور تضمین یا حذف و ایصال کا اہتمام باب استثناء میں اسواسطے کیا جاتا ہے تاکہ خلا کا مابعد مستثنیٰ بالا کی صورت میں ہو جائے اور جو حکم الا کے مابعد کا ہے یعنی نصب خلا کے مابعد کا بھی وہی حکم ہو جائے۔ الا کو استثناء کے بارے میں ام الباب اسواسطے کہا جاتا ہے کہ الاّ کی وضع استثناء کے لئے ہے بخلاف باقی حروف کے کہ ان کے معانی استثناء کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں مثلاً غیر میں مغایرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ سواء میں ظرفیت کے معنی۔ عدا میں تجاوز کرنے کے۔ خلا میں خالی ہونے کے لیس اور لایکون میں نفی کے معنی ہیں۔

قولہ وفاعلھما ضمیر راجع الخ:۔ ابھی معلوم ہوا کہ خلا اور عدا کا مابعد مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اب

المقدم اوالی اسم الفاعل منه اوالی بعض مطلق من المستثنیٰ منه والتقدیر جاء نی القوم عدا او خلا مجیئهم اوالجائی منهم اوبعض منهم زیداً وهما فی محل النصب علی الحالیة ولم یظهر معهما قد لیکون اشبه بالا التی هی الاصل فی باب الاستثناء فی الاکثراے النصب بهما انما هو فی

---

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ فعل ہیں اور ان کے مابعد کا مفعول ہونا متعین ہو گیا تو ان کا فاعل بھی تو ہونا چاہیئے اسلئے فرماتے ہیں کہ ان کا فاعل ضمیر ہے اور خلا اور عدا سے پہلے جو فعل مذکور ہوگا اس فعل مذکور کا مصدر اس ضمیر کا مرجع ہے یا فعل مذکور کے مصدر کا اسم فاعل مرجع قرار دیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مستثنیٰ منہ میں سے بعض مطلق کی طرف ضمیر راجع ہو ان تینوں صورتوں کو مثال سے سمجھیے۔

پہلی صورت کی مثال جاءنی القوم خلا او عدا مجیئهم زیداً۔ اس میں خلا و عدا سے پہلے جاء فعل مذکور ہے اس کا مصدر مجیٔ ہے وہ خلا اور عدا کی ضمیر کا مرجع ہے۔ ترجمہ۔ آئی میرے پاس قوم اس حال میں کہ خالی ہے یا تجاوز کر گیا ہے ان کا آنا زید سے۔ یعنی زید نہیں آیا۔ ثانی صورت کی مثال جاءنی القوم عدا اوخلا الجائی منه زیداً۔ اس مثال میں عدا اور خلا کا فاعل جاء فعل مذکور کا اسم فاعل ہے۔ اس کا ترجمہ ہے آئی میرے پاس قوم اس حال میں کہ تجاوز کر گیا ہے یا خالی ہے آنیوالا زید سے تیسری صورت کی مثال جیسے جاءنی القوم عدا اوخلا بعض منهم زیداً اس مثال میں عدا اور خلا کی ضمیر بعض مطلق کی طرف راجع ہے۔ ترجمہ یہ ہے، آئی میرے پاس قوم اس حال میں کہ تجاوز کر گیا ان میں سے بعض یا خالی ہے ان میں سے بعض زید سے۔ ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عدا اور خلا ترکیب میں حال واقع ہیں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نحو کا قاعدہ ہے کہ جب ماضی مطلق حال واقع ہو تو اس میں قد کا لانا ضروری ہے لیکن یہاں اس واسطے قد نہیں لائے تاکہ اِلَّا کے ساتھ مشابہت باقی رہے۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ شارح نے عدا اور خلا کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں تیسرا احتمال یہ بیان کیا ہے کہ ان کی ضمیر کا مرجع مستثنیٰ منہ سے بعض مطلق کو قرار دیا جائے۔ ضمیر کا مرجع کل مستثنیٰ منہ یا بعض معین کیوں نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ کل مستثنیٰ منہ یعنی القوم یہ اسم جمع ہے اور اسم جمع کا حکم جمع جیسا ہے اور خلا یا عدا میں ضمیر مفرد ہے اس کا مرجع جمع نہیں ہو سکتا اسلئے ضمیر بعض مستثنیٰ منہ کی طرف راجع ہوتی۔ بعض کے ساتھ مطلق کی قید ہے کیونکہ اگر بعض معین ہو تو اسمیں استثناء کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جو فرد مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہ ہو اسکو خارج کرنے کی کیا ضرورت۔ مثلاً جاءنی القوم میں قوم سے بعض افراد معین مراد ہوں تو یہ معین افراد وہی ہونگے جن کے لئے مجیٔ ثابت ہے یعنی صرف آنے والے افراد ہوں گے اور جو نہیں آیا اسکو یہ حکم شامل نہ ہوگا۔ تو جب آنے کے حکم سے وہ پہلے ہی سے خارج ہے تو پھر اس کو خارج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

قوله فی الاکثر الخ۔ یعنی اکثر استعمالات میں عدا اور خلا کے بعد جو اسم ہوگا وہ منصوب ہوگا اسکی وجہ ماقبل میں تفصیل سے بیان کر دیگئی ہے کہ یہ دونوں فعل ہیں انمیں ضمیر فاعل کی ہے اور ان کے بعد جو اسم مذکور ہوتا ہے وہ مفعول ہوتا ہے لیکن بعض حضرات عدا اور خلا کے بعد واقع ہونے والے اسم پر جر پڑھتے ہیں اور وہ ان دونوں کو حرف جر کہتے ہیں۔

الاکثر الاستعمالات لانہما فعلان ماضیان کما عرفت وقد اجیز الجر بہما علی انہما حرفا جر قال السیرافی لا اعلم خلافا فی جواز الجر بہما الا ان النصب بہما اکثر وماخلا وماعدا ای المستثنیٰ منصوب ایضا وجوبا اذا کان بعد ماخلا وماعدا لان ما فیہما مصدریۃ مختصۃ بالافعال نحو جاءنی القوم ماخلا زیدًا وماعدا عمرًا تقدیرہ خلو زید وعدو عمرو النصب علی الظرفیۃ بتقدیر مضاف ای وقت خلوھم اوخلو مجیئھم من زید و

---

قال السیرافی سے جر کے جواز کی تائید پیش کی ہے۔

قولہ وماخلا وماعدا الخ۔ اس کا عطف خلا وعدا پر ہے. مطلب یہ ہے کہ جس طرح مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد منصوب ہوتا ہے اسی طرح ماخلا اور ماعدا کے بعد بھی منصوب ہوتا ہے ان دونوں میں ما مصدریہ ہے اور ما مصدریہ فعل پر داخل ہوتا ہے. معلوم ہوا کہ یہ دونوں فعل ہیں ان میں ضمیر فاعل ہے اور مابعد بنا بر مفعولیت منصوب ہے جسکو مجازاً مستثنیٰ کہا جاتا ہے جیسے " جارنی القوم ماخلا زیدًا و ماعدا عمرًوا. ما مصدریہ کی وجہ سے ماخلا خلو کے معنی میں ہے اور ماعدا، عدو کے معنی میں ہے اسلئے تقدیر عبارت خلو زید و عدو عمرو ہے۔

خلو اور عدو پر نصب یا تو ظرف ہونے کی وجہ سے ہے یا حال ہونے کی وجہ سے۔

ظرف کی بنار پر منصوب ہونے میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں ظرف زمان اور ظرف مکان اور یہ دونوں نہ ظرف زمان ہیں نہ ظرف مکان ہیں. شارح نے بتقدیر مضاف نکال کر جواب دیا کہ ان سے پہلے وقت مضاف محذوف ہے اور وہ ظرفِ زمان ہے لہذا ان کا بنار پر ظرفیت منصوب ہونا صحیح ہے۔

قولہ ای وقت خلوھم او خلو مجیئھم عن زید الخ خلا اور عدا کی بحث میں شارح نے ان کا فاعل ضمیر قرار دیا تھا جو اُن کے اندر پوشیدہ ہے اور اس ضمیر کے مرجع میں تین احتمال بیان کئے تھے کہ یا تو فعل مذکور کے مصدر کی طرف راجع ہے یا بعض مطلق کی طرف یا فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف۔

لیکن ماخلا اور ماعدا کے فاعل کے بارے میں شارح نے جو تقدیر عبارت نکالی ہے وہ ان تینوں احتمالات پر مشتمل نہیں جیسا کہ شارح کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

شارح عصام نے فرمایا کہ خلا کی تقدیر جو وقت خلوہم نکالی گئی ہے اس میں تینوں احتمال ہیں اگر خلو کا مضاف الیہ مجی ہو تو فعل مذکور یعنی جا رفعل کے مصدر کی طرف ضمیر راجع ہوگی اگر اس کا مضاف الیہ لفظ بعض ہے تو بعض مطلق کی طرف ضمیر راجع ہوگی اور اگر خلو کا مضاف الیہ جائی ہے تو فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف ضمیر راجع ہوگی. ماعدا کے اندر بھی یہ تینوں احتمال تاویل مذکور کے ساتھ درست ہیں. اس طرح ضمیر کے مرجع میں تین احتمال جو خلا اور عدا کی ضمیر کے مرجع میں تھے وہی تینوں احتمال ماخلا اور ماعدا کی ضمیر کے مرجع میں بھی ثابت ہوں گے۔

وقت مجاوزتھم او مجاوزۃ مجیئھم عمرًا او علی الحالیۃ بجعل المصدر بمعنی اسم الفاعل ای جاء واخالیًا بعضھم او مجیئھم من زید ومجاوزا بعضھم او مجیئھم عمروا وعن الاخفش انہ اجاز الجر بھما علی ان ما فیھما زائدۃ ولعل ھذا لم یثبت عند المص اولم یعتد بہ وبھذا لم یقل فی الاکثر وکذا

---

قولہ او علی الحالیۃ الخ ماخلا اور ماعدا پر نصب حال ہونے کی بنا پر بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ماخلا اور ماعدا میں مامصدریہ ہے جس کی وجہ سے یہ مصدر ہوجائیں گے اور مصدر کا حال ہونا صحیح نہیں اس واسطے کہ حال کا ذوالحال پر حمل ہوتا ہے اور مصدر کا حمل صحیح نہیں اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ مصدر کو اسم فاعل کے معنی میں کرنے کے بعد حال بنایا جائے گا اور جب ماخلا خالیا کے معنی میں ہوجائے گا تو خالیا کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمال مذکور جاری ہونگے اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی (۱) جاءنی القوم خالیًا بعضھم من زید۔ (۲) یا۔ جاءنی القوم خالیا بعض المجی من زید۔ (۳) یا۔ جاءنی القوم خالیًا بعض الجائی من زید اخیر کی دونوں صورتوں میں بعض کی اضافت مجئ مصدر کی طرف اور جائی اسم فاعل کی طرف اضافت بیانیہ ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض المجئ میں بعض سے مراد مجئ مصدر ہے اور بعض الجائی میں بعض سے مراد جائی اسم فاعل ہے۔ پہلی مثال میں خالیًا کی ضمیر کا مرجع بعض مطلق ہے۔ دوسری مثال میں مرجع فعل مذکور جاء کا مصدر ہے اور تیسری مثال میں فعل مذکور کا اسم فاعل مرجع ہے۔

ماعدا کے حال ہونے میں بھی اعتراض مذکور وارد ہوگا کہ مامصدریہ کی وجہ سے ماعدا تجاوز مصدر کے معنی میں ہوجائے گا اور مصدر کا حال واقع ہونا صحیح نہیں۔ اس کا جواب بھی وہی ہے جو ماخلا کی بحث میں گذرچکا کہ مصدر کو اسم فاعل کی تاویل میں کیا جائیگا اور پھر وہ حال ہوگا چنانچہ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی جاءنی القوم متجاوزا بعضھم من زید او متجاوزا بعض المجئ من زید او متجاوزا بعض الجائی من زید۔

قولہ وعن الاخفش الخ اخفش کے نزدیک ماخلا اور ماعدا کا مابعد مجرور ہوتا ہے وہ ما کو زائد مانتے ہیں اور خلا اور عدا کو حرف جار کہتے ہیں۔

قولہ ولعل ھذا لم یثبت الخ اعتراض ہوتا ہے کہ ماخلا اور ماعدا کے بارے میں جب اخفش کا اختلاف ہے وہ ان کے بعد والے اسم پر جر پڑھتے ہیں تو مصنف رح کو یہاں بھی فی الاکثر کہنا چاہئے تھا جیسا کہ خلا اور عدا کے بعد کہا ہے۔ اس کا جواب شارح دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یا تو مصنف کے نزدیک اخفش کا اختلاف یقینی نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ مصنف کو معلوم تھا کہ اخفش کا اس میں اختلاف ہے

المستثنیٰ منصوب بعد لیس نحو جاء نی القوم لیس زیدًا و بعد لایکون نحو سیجی اھلك لایکون بشرًا وانما یکون النصب بعدھما لانھما من الافعال الناقصۃ الناصبۃ للخبر ویلزم اضمار اسمیھما فی باب الاستثناء وھو ضمیر راجع الی اسم الفاعل من الفعل المذکور او الی بعض من المستثنیٰ منہ مطلقًا وھما فی الترکیب فی محل النصب علی الحالیۃ واعلم انہ لاتستعمل ھذہ الافعال الا فی المستثنیٰ المتصل

---

تو مصنف نے اس اختلاف کو لایعبأبہ کے درجہ میں رکھا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا اس لئے فی الاکثر نہیں کہا۔

قولہ: ولیس ولایکون الخ: اس کا عطف خلا وعدا پر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح مستثنیٰ خلا، عدا اور ماخلا وماعدا کے بعد منصوب ہوتا ہے۔ اسی طرح لیس اور لایکون کے بعد بھی منصوب ہوگا۔ لیکن یہاں بھی مستثنیٰ مجازًا ہوگا کیونکہ جسکو مستثنیٰ کہا گیا ہے وہ درحقیقت لیس اور لایکون کی خبر ہے جیسے "جاءنی القوم لیس زیدًا" اور "سیجی اہلک لایکون بشرًا" ان مثالوں میں زیدًا لیس کی خبر ہے اور بشرًا لایکون کی خبر ہے۔ ان دونوں کا اسم ضمیر ہو ہے جس کے مرجع میں یہاں دو احتمال ہیں یا تو مستثنیٰ منہ میں سے بعض مطلق کی طرف راجع ہے یا لیس اور لایکون سے پہلے جو فعل مذکور ہے یعنی جاء یا سیجیٔ اس کے اسم فاعل یعنی جائی کی طرف راجع ہو۔ ان میں تیسرا احتمال یعنی فعل مذکور کے مصدر کی طرف راجع ہو یہاں صحیح نہیں ہے اسواسطے کہ لیس یا لایکون کی خبر کا حمل ان کے اسم پر ہوتا ہے اور اگر انکی ضمیر جو ان کا اسم ہے فعل مذکور کے مصدر کی طرف راجع ہو تو بقاعدہ مذکورہ اس مصدر پر انکی خبر کا حمل ہونا چاہیئے لیکن مصدر پر حمل صحیح نہیں ہے مثلاً جاءنی القوم لیس زیدًا میں اگر لیس کی ضمیر جاء فعل مذکور کے مصدر المجی کی طرف راجع ہو تو تقدیر عبارت یہ ہوگی "جاءنی القوم لیس المجیٔ زیدًا" اس میں المجیٔ لیس کا اسم ہے اور زیدًا خبر ہے اور زید کا حمل المجیٔ پر صحیح نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا آئی میرے پاس قوم اس حال میں کہ آنا زید نہیں ہے۔ یہی حال لایکون کے اسم اور خبر کا ہے وہاں بھی فعل مذکور کے مصدر کی طرف ضمیر راجع کرنے میں یہی خرابی ہے

قولہ، وھما فی الترکیب فی محل النصب الخ۔ یعنی لیس اور لایکون ترکیب میں حال ہیں اور محلاً منصوب ہیں۔

قولہ، واعلم انہ لاتستعمل الخ فرمارہے ہیں کہ خلا۔ عدا۔ ماخلا۔ ماعدا۔ لیس۔ لایکون ان افعال کا استعمال مستثنیٰ متصل غیر مفرغ میں ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا جاتا یعنی ان کی ہمیشہ یہی شکل رہیگی۔ ان کا تثنیہ یا جمع۔ مؤنث وغیرہ کچھ نہ لایا جائیگا۔ کیونکہ یہ حرف الا کے قائم مقام ہیں اور اس میں کوئی تصرف نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کے قائمقام میں کوئی تصرف نہ کیا جائیگا مستثنیٰ متصل غیر مفرغ کی قید اس لئے لگائی کہ ان سب افعال میں ضمیر ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف راجع ہے اگرچہ مرجع میں تاویل کرنی پڑتی ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے

الغیر المفرغ ولا ینصرف فیہا لانہا قائمۃ مقام الاوھی لاینصرف فیہا ویجوزفیہ ای فی المستثنیٰ النصب علی الاستثناء ویختار البدل عن المستثنیٰ منہ فیما بعدالا حال من الضمیر المجرور اے حال کون المستثنیٰ واقعًا فی محل یکون متاخرًا عن الاحتراز عما اذا کان بعد سائرادوات الاستثناء مثل عدا وخلا وغیرھما فی کلام غیر موجب احتراز عما اذا وقع فی کلام موجب فانہ منصوب وجوبا کمامر

---

اور وہ ضمیر خلا۔ عدا۔ ماخلا۔ ماعدا میں فاعل ہے اور انکے بعد جو اسم ہے وہ ان کا مفعول ہے جس کو مجازاً مستثنیٰ کہا گیا ہے اور جس مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے خارج کیا جاتا ہے وہ متصل ہوتا ہے اسی طرح لیس اور لایکون میں سمجھنا چاہیئے کیونکہ ان کی ضمیر بھی مستثنیٰ منہ کی طرف بتاویل مذکور راجع ہوتی ہے اور ان کا مابعد ان کی خبر ہے جس کو مستثنیٰ کہا جاتا ہے اور ماقبل سے اس کو خارج کیا جاتا ہے اسلئے ان سب افعال کا تحقق مستثنیٰ متصل میں ہوگا منقطع میں نہ ہوگا کیونکہ مستثنیٰ منقطع ماقبل میں داخل ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو خارج کرنے کی کیا ضرورت۔

غیر مفرغ کی قید اسواسطے لگائی کہ اگر مستثنیٰ مفرغ ہوگا تو اس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا اور ان افعال میں ضمیر ہوتی ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف راجع ہوتی ہے جیساکہ ابھی تفصیل سے اس کا بیان کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہیں تو پھر ضمیر کس کی طرف راجع کی جائے گی۔

قولہ، ویجوزفیہ النصب ویختار البدل الخ۔ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر مستثنیٰ بعد الّا کے کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ پر استثناء کی بنا پر نصب پڑھنا جائز ہے لیکن مستثنیٰ منہ سے اسکو بدل قرار دینا زیادہ بہتر ہے اور بدل کے مختار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بدل کی صورت میں اس کا اعراب بالاصالت ہوگا اور بغیر واسطے کے ہوگا کیونکہ بدل حکم میں تکرار عامل کے ہوتا ہے یعنی بدل پر عامل کا دخول ہوتا ہے اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ مبدل منہ پر جو عامل تھا وہ بدل پر آگیا ہے اسلئے بدل مختار ہوا اور مستثنیٰ کی صورت میں نصب مفعول کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے اور الّا کے واسطے سے ہوتا ہے اسی لئے وہ غیر مختار ہوا اس کی مثال ابھی آپ کے سامنے آرہی ہے پہلے اس قاعدے میں جو قیود ہیں ان کا بیان کیا جاتا ہے۔

قولہ فیما بعد الّا الخ یعنی مستثنیٰ بعد الّا کے واقع ہو اگر الّا کے علاوہ کسی اور حرف استثناء کے بعد واقع ہوگا مثلاً خلا۔ عدا وغیرہ کے بعد واقع ہو تو پھر یہ حکم نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم ماقبل میں گذر چکا ہے کہ وہ صرف منصوب ہوگا بدل نہ واقع ہوگا۔

قولہ فی کلام غیر موجب الخ۔ یہ احتراز ہے اس صورت سے جب مستثنیٰ کلام موجب میں واقع ہو کیونکہ اس صورت میں مستثنیٰ پر نصب پڑھنا واجب ہے بدل قرار دینا صحیح نہیں۔

والحال انه قد ذكر المستثنیٰ منه احترازعما اذالم يذكر المستثنیٰ منه فانه ح يعرب على حسب العوامل و فی بعض النسخ ذكر المستثنیٰ منه بغير واو على انه صفة لكلام غير موجب ای كلام غير موجب ذكر فيه المستثنیٰ منه ولم يشترط ان لا يكون منقطعًا و لا مقدمًا على المستثنیٰ منه لان حكمها قد علم فيما سبق فاكتفیٰ بذلك نحو ما فعلوهُ الّا قَلِيْلٌ بالرفع على البدلية والّا قليلًا بالنصب على الاستثناء ونحو ما مررت باحدٍ الا زيدٍ بالجر على البدلية والا زيدًا بالنصب على الاستثناء وما رأيت احدًا الا زيدًا بالنصب اما بطريق البدلية وهو المختار او بطريق الاستثناء وهو جائز غير مختار وانما اختاروا البدل فی هذه الصور لأن النصب على الاستثناء انما هو بسبب التشبيه بالمفعول لا بالاصالة و

---

قوله قد ذكر المستثنیٰ منه الخ:۔ یہ احتراز ہے اس صورت سے جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو کیونکہ اس صورت میں جیسا عامل ہوگا اس کے اعتبار سے مستثنیٰ پر اعراب آئیگا۔

قوله و فی بعض النسخ الخ:۔ مصنف کی عبارت "فی کلام غیر موجب، و ذکر المستثنیٰ منہ" میں واؤ حالیہ ہے۔ و ذکر المستثنیٰ منہ یہ حال ہے ماضی جب حال واقع ہو تو اس میں قد کا لانا ضروری ہوتا ہے۔ شارح نے قد لاکر بتایا کہ قد کا لفظوں میں ہونا ضروری نہیں کبھی اس کو حذف کر دیتے ہیں یہاں قد محذوف ہے۔

اس کے بعد اس عبارت کو لاکر یہ فرما رہے ہیں کہ کافیہ کے بعض نسخوں میں واؤ نہیں ہے اس صورت میں ذکر المستثنیٰ منہ اپنے ماقبل کلام غیر موجب کی صفت ہے۔

قوله ولم يشترط ان لا يكون منقطعًا الخ:۔ مستثنیٰ کے اعراب کے بارے میں مصنف نے ابھی جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ اگر مستثنیٰ بعد الا کے کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس پر نصب بھی جائز ہے لیکن بدل مختار ہے اس میں جس طرح بعد الا اور کلام غیر موجب اور مستثنیٰ منہ کے مذکور ہونے کی قیدیں ہیں اسی طرح یہ بھی قید ہے کہ مستثنیٰ منقطع نہ ہو اور مستثنیٰ منہ پر مقدم نہ ہو۔

شارح فرماتے ہیں کہ ان دو قیدوں کو مصنف نے یہاں اس واسطے نہیں ذکر کیا کہ ان کا حکم ماقبل میں گذر چکا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مستثنیٰ پر نصب واجب ہے اس وجہ سے اس بیان پر اکتفا کیا اور یہاں دوبارہ ذکر نہیں کیا

قوله نحو ما فعلوه الا قليل والا قليلا الخ:۔ یہ قاعدہ مذکورہ کی مثال ہے اس میں قلیلاً پر استثناء کی بنا پر نصب ہے اور فعلوا کی ضمیر سے بدل بعض کی بنا پر مرفوع ہے اور یہی مختار ہے۔

شارح نے اس کے علاوہ اور بھی مثالیں بیان کی ہیں اس مثال کے انطباق کے بعد باقی مثالوں کا انطباق ممثل لہ پر آسان ہے۔

بواسطة الا واعراب البدل بالاصالة وبغير واسطة ويعرب اى المستثنى على حسب العوامل اى بما يقتضيه العامل من الرفع والنصب والجر اذا كان المستثنى منه غير مذكور ويختص ذلك المستثنى باسم المفرغ لانه فرغ له العامل عن المستثنى منه فالمراد بالمفرغ المفرغ له كما يراد بالمشترك المشترك فيه وهو اى والحال ان المستثنى واقع فى غير الكلام الموجب واشترط ذلك ليفيد فائدة صحيحة مثل ماضربنى الازيد اذ يصح ان لا يضرب المتكلم احد الازيد بخلاف ضربنى الازيد اذ لا يصح ان يضرب كل واحد المتكلم الازيد الا ان يستقيم المعنى بان يكون الحكم مما يصح ان يثبت على سبيل العموم نحو قولك كل حيوان يحرك فكه الاسفل عند المضغ

---

قولہ ويعرب المستثنى على حسب العوامل الخ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو ایسی صورت میں مستثنیٰ کا کوئی خاص اعراب نہیں ہوتا بلکہ عامل جس اعراب کا تقاضا کرے گا ویسا اعراب آئیگا

قولہ ويختص ذلك المستثنى باسم المفرغ الخ۔ ایسے مستثنیٰ کا نام مستثنیٰ مفرغ ہوتا ہے مفرغ سے مراد مفرغ لہ ہے جس طرح مشترک بولتے ہیں اور مراد مشترک فیہ ہوتا ہے۔ مفرغ لہ کا مطلب یہ ہے کہ عامل مستثنیٰ کے لئے مستثنیٰ منہ سے خالی کرلیا گیا ہے۔ یعنی مستثنیٰ منہ چونکہ مذکور نہیں اس لئے عامل مستثنیٰ پر عمل کرلیگا

قولہ ليفيد فائدة صحيحة الخ۔ مستثنیٰ مفرغ کے اندر یہ قید لگائی ہے کہ کلام غیر موجب ہو یہ قید اس لئے لگائی کہ کلام غیر موجب میں تو مستثنیٰ صحیح معنی کا فائدہ دیتا ہے، کلام موجب میں معنی درست نہیں رہتے مثلاً ماضربنی الازید تو درست ہے اور ضربنی الازید صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلی مثال کے معنی یہ ہیں کہ متکلم کو صرف زید نے مارا ہے اور کسی نے نہیں مارا اور یہ ممکن ہے۔ دوسری مثال کے معنی یہ ہیں کہ متکلم کو سب لوگوں نے مارا ہے البتہ زید نے نہیں مارا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص کو مارنے کے لئے سب لوگ جمع ہوجائیں۔

قولہ الا ان يستقيم المعنى الخ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ اگر کلام غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب عامل کے تقاضے کے مطابق ہوگا ــــ اس میں غیر موجب کی قید ہے۔ اب بیان کررہے ہیں اگر کلام موجب میں بھی مستثنیٰ منہ کے مذکور نہ ہونے کے وقت معنی درست ہوجائیں تو اس میں بھی مستثنیٰ پر اعراب عوامل کے اقتضاء کے اعتبار سے ہوگا۔ اور استقامت معنی کی دو صورتیں شارح نے بیان کی ہیں۔

(۱) حکم ایسا ہو کہ اس کا اثبات علی سبیل العموم صحیح ہو پھر اس سے استثناء کیا جائے۔ جیسے "کل حیوان یحرک فکہ الاسفل عند المضغ الا التمساح" ہر حیوان اپنے کھانے اور چبانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے سوائے مگرمچھ کے۔ یہاں کھاتے وقت فک اسفل کی تحریک کا حکم ہر حیوان کے لئے کرنا صحیح

الا التمساح اوتکون هناك قرينة دالة على ان المراد بالمستثنى منه بعض معين يدخل فيه المستثنى قطعًا مثل قرأت الا يوم كذا اى اوقعت القراءة كل يوم الا يوم كذا الظهوا انه لايريد المتكلم جميع ايام الدنيا بل ايام الاسبوع او الشهر او مثل ذلك و لقائل ان يقول كما لا يستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه فى الموجب فى بعض الصور فربما لايستقيم المعنى على تقدير عموم المستثنى منه فى غير الموجب ايضًا نحو مامات الا زيد فينبغى ان يشترط فى غير الموجب ايضًا استقامة المعنى وايضًا لا يصح مثل قرأت الا يوم كذا الا بعد تخصيص اليوم بايام الاسبوع مثلا فيجوز مثل هذا التخصيص فى ضربنى الا زيد بان يخصص المستثنى منه بكل واحد من جماعة مخصوصين اذا كان ههناك قرينة دالة فلا فرق بين هاتين الصورتين فى كون كل واحدة

---

ہے اس لئے تمساح کا استثناء صحیح ہوا اور اس پر تحریک کا فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیا گیا۔

استقامت معنیٰ کی دوسری صورت یہ ہے کہ کلام میں ایسا قرینہ پایا جاتا ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ سے ایسے بعض معین افراد مراد ہیں جن میں مستثنیٰ داخل ہے جیسے "قرأت الا یوم کذا" یہاں ظاہر ہے کہ متکلم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں نے دنیا کے تمام دنوں میں قرأت کی البتہ فلاں دن نہیں کی، اس میں ناغہ ہوگیا کیونکہ دنیا کے تمام ایام کا قرأت میں احاطہ کرنا ممکن نہیں بلکہ مقصود متکلم کا یہ ہے کہ ہفتہ کے یا ماہ کے یا زیادہ سے زیادہ سال کے ایام میں قرأت کی اور پابندی کی، صرف ایک دن کا ناغہ ہو گیا ہے۔

قولہ ولقائل ان یقول الخ اعتراض یہ ہے کہ مصنف رح کی عبارت ویعرب علی حسب العوامل اذا کان المستثنیٰ منہ غیر مذکور وھو فی غیر الموجب لیفید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو ہر صورت میں مستثنیٰ پر علی حسب العوامل اعراب آئے گا اس کے لئے کوئی قید نہیں۔ تو مصنف کی اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ غیر موجب کی صورت میں ہمیشہ معنی درست رہتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ کلام غیر موجب کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ مستثنیٰ منہ کے عموم کے باوجود معنی مستقیم نہیں ہوتے جیسے ما مات الا زید اس میں مستثنیٰ منہ احدٌ عام ہے اور محذوف ہے اور کلام غیر موجب ہے لیکن معنی درست نہیں کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی آدمی نہیں مرا سوائے زید کے۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ کلام غیر موجب میں بھی استقامت معنی کی شرط لگانی چاہئے جس کا مطلب یہ ہوگا اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو نیز معنی مستقیم ہوں تو حسب عوامل مستثنیٰ پر اعراب آئیگا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مصنف رح نے الا ان یستقیم المعنی سے یہ بیان کیا ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور معنی درست ہو سکتے ہوں تو کلام موجب میں بھی مستثنیٰ پر اعراب علی حسب العوامل

منهما جائزة مع القرينة وغير جائزة بدونها واجيب بان المعتبر هو الغالب والغالب فى الايجاب عدم استقامة المعنى على العموم وفى النفى عكسه لان اشتراك جميع افراد الجنس فى انتفاء تعلق الفعل بها ومخالفة واحد اياها فى ذلك مما يكثر ويغلب واما اشتراكها فى تعلق الفعل بها ومخالفة واحد اياها فى ذلك فمما يقل كما فى المثال المذكور بان الفرق بين قولك قرأت الايوم كذا وضربنى الا زيد ليس الابظهور قرينة دالة على بعض معين من المستثنى منه مقطوع دخوله فيه الاول وعدم ظهورها فى الثانى فلو قام فى الثانى ايضا قرينة ظاهرة الدلالة على بعض معين كما اذا قيل من ضربك من القوم اى القوم الداخل فيهم زيد فقلت

---

آئے گا۔

اس کے بعد کلام موجب کی بعض صورتوں کو استقامت معنیٰ والی صورت میں داخل کیا ہے جیسے "قرأت الایوم کذا" اور بعض صورتوں کو عدم استقامت معنی کی صورت میں داخل کیا ہے جیسے "ضربنی الازید" اس پر اعتراض ہے کہ قرأت الایوم کذا میں بغیر تاویل کے معنی درست نہیں ہیں اس میں ہفتہ یا مہینہ یا سال کے ایام معین کیے گئے ہیں اس طرح کی تاویل اگر ضربنی الازید میں کر لی جائے تو اس میں بھی معنی درست ہو سکتے ہیں مثلاً خاندان اور قبیلہ یا کسی محلہ اور بستی کے لوگ معین کئے جائیں کہ اتنے لوگوں میں سے سب نے مجھ کو مارا سوائے زید کے ظاہر ہے کہ یہ معنی بالکل درست ہیں۔ تو پھر کلام موجب کی بعض صورتوں کو استقامت معنی میں داخل کرنا اور بعض کو خارج کرنا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ یہ دو قسم کے اعتراض مصنف پر وارد ہوتے ہیں۔ شارح نے پہلے اعتراض کا جواب "واجیب بان المعتبر ہو الغالب" سے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اعتبار غلبہ کا ہے اور کلام غیر موجب میں معنی اکثر درست رہتے ہیں اور کلام موجب میں اکثر درست نہیں رہتے کیونکہ فعل کے انتفاء میں جنس کے تمام افراد کا شریک ہونا اور ان میں سے کسی ایک کا مخالف ہونا یہ اکثر ہوتا رہتا ہے اور یہ کلام غیر موجب کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور فعل کے اثبات میں تمام افراد کا شریک ہونا اور ان میں سے کسی ایک کا مخالف ہونا یہ بہت ہی کم ہوتا ہے اور یہ کلام موجب کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے مصنفؒ نے غلبہ وقوع کو معیار بنا کر کلام غیر موجب اور کلام موجب میں فرق کیا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب شارح نے "وبان الفرق" سے دیا ہے کہ "قرأت الایوم کذا" جیسی تاویل اگر ضربنی الازید میں بھی ہو سکتی ہے تو اس کو بھی استقامت معنی والی صورت میں داخل کر لیا جائے گا اور مستثنیٰ پر علی حسب العوامل اعراب آئے گا۔ ضربنی الازید میں جو تاویل کی جا سکتی ہے ماقبل میں اس کو بیان کر دیا ہے ملاحظہ

ضربنی الازید فالظاهر ان ذلك ایضا مما یستقیم فیه المعنی لکن الغالب عدم وجدان قرینة کک فی الموجب فالغالب فیه عدم استقامة المعنی ومن ثمّ ای ومن اجل ان المفرغ لایکون فی الموجب الا ان یستقیم المعنی لم یجز مثل ما زال زید الاعالمًا اذ معنی مازال ثبت لان نفی النفی اثبات فیکون المعنی ثبت زید دائما علی جمیع الصفات الاعلی صفة العلم فلا یستقیم وقال الشارح الرضی یمکن ان یحمل الصفات علی مایمکن ان یکون زید علیهما مما لایتناقض ویستثنی من جملتها العلم او یحمل ذلك علی المبالغة فی نفی صفة العلم کانك قلت امکن ان یحصل فیه جمیع الصفات الاصفة العلم وعلی التقدیرین ینلرج فی صورة

---

کر لیجئے۔ حاصل یہ ہے کہ مدار قرینہ پر ہے اگر مستثنیٰ منہ کے افراد میں سے بعض افراد کی تعیین ہو سکتی ہے اور اس پر کوئی قرینہ موجود ہے تو وہاں معنی مستقیم ہوں گے خواہ " قرئت الا الیوم کذا " ہو یا " ضربنی الازید " یا کوئی بھی مثال ہو اور اگر ایسا قرینہ نہیں ہے تو وہاں معنی مستقیم نہ ہونگے۔

قولہ ومن ثم لم یجز مازال زید الاقائما الخ۔ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ مستثنیٰ مفرغ والی صورت جس میں مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا اور مستثنیٰ پر علیٰ حسب العوامل اعراب آتا ہے یہ کلام موجب میں بغیر استقامت معنیٰ کے درست نہیں ہے اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ مازال زید الخ ناجائز ہے کیونکہ یہ کلام موجب ہے کیونکہ زالَ میں نفی کے معنی پائے جاتے ہیں اس پر مانافیہ داخل ہوا ہے اس لئے نفی کی نفی ہو کر کلام مثبت ہو گیا اور تقدیر عبارت یہ ہو گئی ثبت زید دائما علی جمیع الصفات الاعلی صفۃ العلم جس کا مطلب یہ ہے کہ زید کے اندر تمام صفات پائی جاتی ہیں صرف علم کی صفت نہیں پائی جاتی۔ اور یہ معنی درست نہیں کیونکہ ان تمام صفات میں صفات متضادہ بھی ہیں وہ ایک وقت میں کیسے جمع ہو جائیں گی یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زید کھڑا بھی اور اسی وقت بیٹھا بھی ہو۔ سوتا بھی ہو اور اسی وقت جاگ بھی رہا ہو بس علم کی صفت کے ساتھ تو متصف نہیں باقی ساری صفات متضادہ اور غیر متضادہ سب کے ساتھ متصف ہے ظاہر ہے کہ یہ محال ہے۔

قولہ وقال الشارح الرضی الخ شارح رضی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ مصنفؒ کا مثال مذکور مازال زید الاعالمًا کو ناجائز قرار دینا صحیح نہیں اسواسطے کہ زید کا صفت علم کے علاوہ تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ صفات متضادہ کے ساتھ متصف ہے۔ صفات متضادہ کا ایک وقت میں ایک محل کے اندر اجتماع محال ہے تو پھر ان کو کیسے مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے صفات سے مراد صفات غیر متضادہ ہیں یعنی جن صفات کے ساتھ زید متصف ہو سکتا ہے وہ ساری صفات زید کے اندر ممکن ہیں لیکن علم کی صفت سے وہ بہت دور ہے یہ صفت اس کے اندر نہیں ہے یا بطور مبالغہ کے علم کی صفت کی زید سے نفی کی جا رہی ہے کہ بالفرض مان لیا جائے کہ زید کے اندر تمام

الاستقامة ولا یخفی علی المتفطن انه یمکن بمثل هذه التاویلات ارجاع جمیع المواد الایجابیة عند الاستثناء الی صورة الاستقامة کما یقع مثلا فی قولك ضربنی الا زید المراد کل من یتصور منه الضرب من معارفك او المقصود منه المبالغة فی غلوا لمجتمعین علی ضربك واذا تعذر البدل من حیث حمله علی اللفظ ای لفظ المستثنی منه فعلی الموضع ای یحمل علی موضع المستثنی منه لا علی لفظه عملاً بالمختار علی قدر الامکان مثل ما جاءنی من احد الا زید فزید بدل مرفوع محمول علی موضع احدٍ لا مجرور محمول علی لفظه ومثل

---

صفات پائی جاسکتی ہیں حتی کہ صفات متضادہ کے ساتھ بھی وہ متصف ہو جائے لیکن علم سے اس کو اتنا بُعد ہے کہ اس کا وہ حامل نہیں ہو سکتا۔

قولہ ولا یخفی علی المتفطن الخ شارح جامی شارح رضی کا رد کر رہے ہیں کہ آپ نے تاویل کا جو دروازہ کھولا ہے اس کا اثر یہ ہوگا کہ کلام موجب کی ساری صورتیں اس قسم کی تاویل کے بعد استقامت معنی میں داخل ہو جائیں گی اور کوئی بھی صورت غیر مستقیم نہ رہے گی حتی کہ ضربنی الا زید میں بھی اسطرح کی تاویل کی جاسکتی ہے کہ کچھ مخصوص لوگ مراد لئے جائیں اور مطلب یہ ہو کہ اتنے لوگوں میں سے سب نے مجھ کو مارا سوائے زید کے۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے بھی آچکی ہے۔ یا مقصود مبالغہ ہو حالانکہ نحاۃ کا اتفاق ہے کہ کلام موجب کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مستثنیٰ مفرغ کی صورت میں معنی مستقیم نہیں رہتے ان میں ضربنی الا زید کو بھی شمار کیا ہے۔

قولہ واذا تعذر البدل الخ اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ پر نصب بھی جائز ہے اور مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دینا زیادہ بہتر ہے اس کی وجہ تفصیل کے ساتھ ماقبل میں گذر چکی ہے۔ اب مصنف یہ بیان فرما رہے ہیں کہ چونکہ بدل مختار ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو بدل والی صورت پر عمل کیا جائے اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل واقع کرنا صحیح نہ ہو تو محل کے اعتبار سے بدل قرار دیا جائے آنے والی مثالیں سب ایسی ہیں جن میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل قرار دیا گیا ہے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

قولہ مثل ما جاءنی من احد الا زید الخ زید بدل ہے احد سے محل کے اعتبار سے اور احد باعتبار محل کے مرفوع ہے کیونکہ ماجاءنی کا فاعل ہے لفظ کے اعتبار سے بدل قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظ احد پر من استغراقیہ کی وجہ سے جر ہے اور قاعدہ ہے کہ مبدل منہ کا عامل بدل کا بھی عامل ہوتا ہے اسلئے عبارت ہوگی ماجاءنی من احد الا من زید اور کلام غیر موجب میں الا کا مابعد مثبت ہوتا ہے اور کلام مثبت میں من استغراقیہ نہیں آتا۔

لا احد فیہا ای فی الدار الا عمرو فعمرو مرفوع محمول علی محل احد لا علی لفظہ ومثل ما زید شیئا الا شئ لا یعبأ بہ ای لا یعتد بہ فشئ مرفوع محمول علی محل شیئا لا منصوب محمول علی لفظہ وقولہ لا یعبأ بہ لیس فی کثیر من النسخ وعلی ما وقع فی بعضہا فہو صفۃ شئ المستثنی قیل انما وصفہ بہ لئلا یلزم استثناء الشئ من نفسہ ولا یخفی انہ لو جعل المستثنی منہ شیئا اعم من ان یزید علیہ صفۃ غیر الشیئیۃ اولا وخص المستثنی بما لا یزید علیہ صفۃ غیر الشیئیۃ لکان ادق والطف

---

قولہ لا احد فیہا الا عمرو الخ اس میں عمرو احد سے بدل ہے باعتبار محل کے اور احد محل کے اعتبار سے مبتدا ہے اور مرفوع ہے اسلئے عمرو پر بھی رفع ہوگا اور لفظ کے اعتبار سے احد سے بدل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ احد پر لفظ کے اعتبار سے فتحہ ہے کیونکہ وہ لائے نفی جنس کا اسم ہے تو اگر لفظ سے بدل قرار دیتے تو عمرو پر فتحہ ہوتا اور لائے نفی جنس اس میں بھی عامل ہوتا کیونکہ بدل کا عامل مبدل منہ کا عامل ہوتا ہے حالانکہ الا کے بعد لا عمل نہیں کرتا کیونکہ لا کا عمل نفی کی وجہ سے ہوتا ہے اور الا کے بعد اثبات ہو جائے گا۔

قولہ ومثل ما زید شیئا الا شئ لا یعبأ بہ الخ اس میں شئ ثانی مستثنی ہے جو شئ اول سے بدل ہے محل کے اعتبار سے اور محل کے اعتبار سے شئ اول جو مستثنی منہ ہے زید مبتدا کی خبر ہے اسلئے شئ ثانی بھی خبریت کی بنا پر مرفوع ہے۔ لفظ کے اعتبار سے شئ ثانی کو شئ اول سے بدل قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ شئ اول لفظ کے اعتبار سے ما نافیہ کی خبر ہے تو اگر شئ ثانی لفظ کے اعتبار سے بدل ہوتا تو اس پر بھی ما نافیہ عامل ہوتا، جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار گزر چکا ہے کہ مبدل منہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی بدل کا بھی عامل ہوتا ہے، اور شئ ثانی جو مستثنی ہے وہ الا کے بعد واقع ہوتا ہے اور الا کے بعد کلام مثبت ہو جاتا ہے اسلئے ما نافیہ اسمیں عمل نہ کرسکیگا کیونکہ اس کا عمل نفی کی وجہ سے ہوتا ہے اور نفی الا کے بعد ختم ہو گئی۔

قولہ لا یعبأ بہ الخ یہ شئ کی صفت ہے اسکے ساتھ متصف اس واسطے کیا تاکہ استثناء الشئ من نفسہ نہ لازم آئے صفت لانے کی وجہ سے شئ ثانی جو مستثنی ہے وہ خاص ہے اور شئ اول جو مستثنی منہ ہے وہ عام ہے اسلئے استثناء الخاص من العام ہوا نہ کہ استثناء الشئ من نفسہ۔

جن نسخوں میں لا یعبأ بہ کا لفظ نہیں ہے وہاں بھی اعتراض مذکور سے بچنے کے لئے اس صفت کا اعتبار کر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔

قولہ ولا یخفی علی انہ الخ یہ فرما رہے ہیں لا یعبأ بہ کی قید اگر نہ ہو تو ایسی توجیہ ہو سکتی ہے جس سے استثناء الشئ من نفسہ نہیں لازم آتا کیونکہ شئے اول جو مستثنی منہ ہے اس سے شئ مطلق مراد ہے کہ اس پر شیئیت کے علاوہ کوئی اور صفت پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو اور شئے ثانی جو مستثنی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسمیں شیئیت کے علاوہ کوئی اور صفت نہیں ہے تب بھی استثناء الخاص من العام ہوگا استثناء الشئ من نفسہ نہ ہوگا۔ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شئ مستثنی منہ میں تنوین تعظیم کے لئے ہو اور شئ مستثنی میں تنوین تحقیر کے لئے ہو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ زید کوئی بڑی شئ نہیں ہاں ایک حقیر شئے ہے اسمیں بھی استثناء الشئ من نفسہ نہیں لازم آتا۔

قولہ لکان ادق والطف الخ ادق اس وجہ سے ہے کہ اسمیں توجہ زیادہ کرنی پڑتی ہے اور الطف اس وجہ سے ہے کہ اسمیں لا یعبأ بہ کی قید کا اضافہ نہیں کرنا پڑتا۔

وانما تعذر البدل علی اللفظ فی الصورة الاولی لان من الاستغراقیة لا تزاد اتفاقاً بعد الاثبات ای بعد ماصار الکلام مثبتاً لانتقاض النفی بالا لانها لتاکید النفی ولا نفی بعد الانتقاض فلوابدل علی اللفظ وقیل ماجاءنی من احد الا زیدٍ بالجر لکان فی قوة قولنا جاءنی من زید فلزم زیادة من فی الاثبات وذلك غیر جائز وفی الصورتین الاخیرتین لانه لو ابدل المستثنیٰ علی اللفظ وقیل لا احد فیها الا عمرًا بالنصب لان فتحته شبیهة بالحرکة الاعرابیه لانها حصلت بکلمة لا فهی کالنصب الحاصل بالعامل فلابد ح من تقدیر لا حقیقة او حکما لتعمل فیه هذا العمل وکذا فی قوله مازید شیئاً الا شیئ لو حمل المستثنیٰ علی لفظ المستثنیٰ منه لابد ح من تقدیر ماکذلك لتعمل فیه وما ولا لا تقدران لا حقیقة اذ لم یکن البدل الا بتکریر العامل ولا حکما اذا اکتفی بدخوله علی المبدل منه واعتبر سرایة حکمه الیه فانه فی قوة التقدیر حال کونهما عاملتین فی المستثنیٰ المحمول علی البدل بعدہ ای بعد الاثبات یعنی بعد ماصار الکلام مثبتا لانتقاض النفی بالا لانهما ای ما ولا عملتا للنفی وقد انتقض النفی بالا وحیث تعذر فی هاتین الصورتین البدل علی اللفظ حمل علی المحل فعمرو مرفوع علی انه محمول علی محل احد وهو الرفع بالابتداء وشیئ مرفوع علی انه محمول علی محل شیئا وهو الرفع بالخبریة فان قلت لا احد فی هذا المثال محلان من الاعراب محل قریب وهو نصبه بکلمة لا ومحل بعید وهو رفعه بالابتداء فلم اعتبروا حمله علی المحل البعید لا القریب قلت لان محله القریب انما هو لعمل لا فیه

---

قولہ وانما تعذر البدل علی اللفظ الخ امثلہ ثلاثہ مذکورہ میں لفظ کے اعتبار سے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے بدل کیوں متعذر ہے مصنف اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں ہم نے ہر مثال کے ساتھ اس تعذر کی وجہ بیان کر دی ہیں اسلئے اب مزید بیان کی ضرورت نہیں ہے شارح کی عبارت میں جو کچھ تفصیل ہے وہ ایسی نہیں جسکو طالب علم سمجھ نہ سکے۔

قولہ فان قلت لا احد فی هذا المثال الخ اعتراض یہ ہے کہ لا احد فیها الا عمرو میں عمرو کو احد کے لفظ سے تو بدل نہیں قرار دے سکتے جس کی وجہ ما قبل میں بیان کی جا چکی ہے اس لئے محل کے اعتبار سے بدل قرار دیا گیا ہے معترض یہ کہتا ہے کہ احد کے دو محل ہیں محل قریب یہ ہے کہ وہ لا کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور محل بعید یہ ہے کہ وہ مبتداء ہے جس کی بنا پر مرفوع ہے تو پھر عمرو کو محل بعید کے اعتبار سے کیوں بدل قرار دیا ہے محل قریب کے اعتبار سے بدل کیوں نہیں کیا۔ شارح جواب دے رہے ہیں کہ محل قریب کے اعتبار سے عامل لا رنفی جنس ہے اور یہ قاعدہ بار بار بیان کیا گیا ہے کہ مبدل منہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی بدل کا ہوتا ہے خواہ بدل میں اس کو مکرر مانا جائے یا مبدل منہ کے عامل کا اثر بدل پر بھی مانا جائے تو اس قاعدے کی بنا پر اگر عمرو احد سے محل قریب کے اعتبار سے بدل قرار دیتے تو عمرو میں بھی لا نافیہ عامل

بمعنی النفی وقد انتقض بالا بخلاف محلہ البعید فانہ لادخل لعمل لا فیہ بخلاف لیس زیدا شیئا الا شیئا مع انہ انتقض النفی فیہ ایضا بالا لانہا ای لیس عملت للفعلیۃ لا للنفی فلا اثر لنقض معنی النفی فی عملہا لبقاء الامر العاملۃ ھی ای لیس لاجلہ ای لاجل ذلک الامر وھو الفعلیۃ ومن ثم ای ومن اجل ان عمل لیس للفعلیۃ لا للنفی وعمل ما و لا بالعکس جاز لیس زید الا قائما باعمال لیس فی قائما وان انتقض نفیہا بالا لبقاء فعلیتہا وامتنع ما زید الا قائما باعمال ما فی قائما لان عملہا فیہ انما ھو للنفی وقد انتقض النفی بالا وا لمستثنی مخفوض ای مجرور بعد غیر و سوی مع کسر السین او ضمہا مع القصر وسَوَاء بفتح السین او کسرہا مع المد لکونہ مضافا الیہ وبعد حاشا فی الاکثر لکونہا حرف جر فی اکثر استعمالاتہم واجاز بعضہم النصب بہا

---

ہوتا حالانکہ وہ الا کے بعد عامل نہیں ہو سکتا کیونکہ لا کا عمل تو نفی کی وجہ سے تھا اور نفی الا کی وجہ سے ختم ہو گئی۔

قولہ بخلاف لیس زید شیئا الا شیئا الخ مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ میں اگر ما اور لا عامل ہوں تو وہاں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل لفظ کے اعتبار سے اسوجہ سے نہیں قرار دے سکتے کہ اس صورت میں ما، اور لا، کو مستثنیٰ میں عامل ماننا جائے گا اور ان کا عمل نفی کی وجہ سے تھا اور الا کے بعد نفی کے معنی باقی نہیں رہتے اسلئے الا کے بعد جب ان کا عمل نہیں ہو سکتا تو مستثنیٰ میں عامل کس طرح ہوں گے۔

مصنف یہ مثال لا کر بیان کر رہے ہیں کہ لیس کا حال ما اور لا سے جداگانہ ہے کیونکہ لیس نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عامل ہے اور الا کے بعد نفی کا اثر نہیں رہتا اسوجہ سے ما اور لا کا عمل الا کے بعد نہیں ہو سکتا لیکن لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہوتا ہے اسوجہ سے وہ مستثنیٰ پر بھی عامل ہوگا تو اگر لیس کی خبر سے جو مستثنیٰ منہ ہے، باعتبار لفظ کے مستثنیٰ کو بدل قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ مثال مذکور میں شیئا ثانی کو جو مستثنیٰ ہے شیئا اول سے جو مستثنیٰ منہ ہے لفظ کے اعتبار سے بدل قرار دیا گیا ہے اور جس طرح مستثنیٰ منہ منصوب ہے مستثنیٰ بھی منصوب ہے

قولہ ومن ثم جاز لیس زید الا قائما الخ ما قبل کے بیان سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ لیس کا عمل فعل ہونے کی وجہ سے ہے اور ما کا عمل نفی کی وجہ سے ہے اسلئے لیس زید الا قائما ترکیب صحیح ہے کیونکہ قائما پر نصب لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے اور لیس الا کے بعد بھی عمل کرتا ہے اور ما زید الا قائما صحیح نہیں کیونکہ قائما پر نصب اگر آتا تو ما کی خبر کی وجہ سے آتا اور ما کا عمل الا کے بعد نہیں ہوتا کیونکہ الا کی وجہ سے نفی باقی نہیں رہتی اور ما نافیہ نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔

قولہ والمخفوض بعد الخ جب مستثنیٰ غیر اور سویٰ، سواء کے بعد واقع ہو تو مجرور ہوگا کیونکہ یہ تینوں مضاف ہونگے اور مستثنیٰ مضاف الیہ ہوگا۔ اسی طرح حاشا کے بعد واقع ہو تو اکثر استعمالات میں مجرور ہوگا کیونکہ یہ حرف جر ہے اور بعض نحویوں نے حاشا کے بعد والے اسم پر نصب پڑھا ہے ان کے نزدیک حاشا فعل متعدی ہے اس میں ضمیر فاعل ہے اور یہ اسم مفعول ہوگا

على انها فعل متعد فاعله مضمر ومعناها تبرية المستثنى عما نسب الى المستثنى منه نحو ضرب القوم عمرواً حاشا زيداً اى براه الله عن ضرب عمرو واعراب غير فيه اى فى الاستثناء دون الصفة اذهو ح باعراب موصوفه كاعراب المستثنى بالا على التفصيل المذكور فيما سبق فكانه لما انجر به المستثنى للاضافة انتقل اعرابه اليه وغير اى كلمة غير فى الاصل صفة لدلالتها على ذات مبهمة باعتبار قيام معنى المغائرة بها فالاصل فيها ان تقع صفة كما تقول جاء فى رجل غير زيد واستعمالها على هذا الوجه كثير فى كلام العرب لكنها حملت على الا واستعملت مثلها فى الاستثناء على خلاف الاصل وذلك لاشتراك كل منهما فى مغائرة مابعدها لماقبله كماحملت الا عليها اى على كلمة غير فى الصفة لكن

حاشا کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ مستثنیٰ منہ کی طرف جس حکم کی نسبت کی گئی ہے مستثنیٰ اس سے بری ہے جیسے ضرب القوم عمرواً حاشا زیداً جس کا مطلب یہ ہے کہ قوم نے عمرو کو مارا اور اللہ پاک نے زید کو عمرو کے مارنے سے بچالیا۔

قولہ واعراب غیر فیہ کاعراب المستثنیٰ بالا الخ لفظ غیر کبھی صفت کے لئے آتا ہے اور کبھی استثناء کے لئے جب صفت کے لئے ہوگا تو اس کا اعراب اپنے موصوف جیسا ہوگا اور اگر استثناء کے لئے ہو تو اس کا وہ اعراب ہوگا جو مستثنیٰ بہ الا کا ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ غیر جب کلام موجب میں واقع ہو یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو یا منقطع ہو تو غیر پر نصب واجب ہوگا جس طرح مستثنیٰ بہ إلّا پر ان صورتوں میں نصب واجب ہوتا ہے۔ اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو نصب اور مستثنیٰ منہ سے بدل دونوں جائز ہیں۔ جس طرح مستثنیٰ بالا میں اس صورت میں یہ دونوں قسم کے اعراب جاری ہوتے ہیں۔ اور اگر کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو جیسا عامل ہوگا ویسا ہی غیر پر اعراب آئیگا۔

قولہ وغیر صفة حملت علی الا الخ یعنی اصل تو یہ ہے کہ کلمہ غیر صفت واقع ہو جیسے جاءنی رجل غیر زید اور یہ استعمال کثیر ہے لیکن کبھی غیر کو الا پر محمول کر کے استثناء میں استعمال ہوتا ہے جیسے جاءنی القوم غیر زید یہاں غیر صفت کے لئے نہیں ہے کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان تعریف اور تنکیر میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں القوم معرفہ ہے اور غیر نکرہ ہے کیونکہ غیر میں ابہام بہت ہوتا ہے وہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا تو جب صفت کے لئے نہ ہوسکا تو استثناء کے معنی میں کیا جائیگا۔

قولہ کما حملت الا علیہا الخ یعنی الا میں اصل یہ ہے کہ استثناء کے لئے ہو لیکن جب استثناء کے لئے نہ ہوسکتا ہو تو غیر کے معنی میں استعمال کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب یہ شرطیں پائی جائیں (۱) جمع کے بعد ہو (۲) وہ جمع نکرہ ہو (۳) غیر محصور ہو۔ اس کی تفصیل حسب بیانِ شارح ملاحظہ فرمائیے۔

لاتحمل الاعلیها فی الصفۃ غالبًا الا اذا کانت ای الا تابعۃ لجمع ای واقعۃ بعد متعدد فوجب ان یکون موصوفہا مذکورًا لا مقدرا کما قد یکون مقدرًا فی غیر مثل جاءنی غیر زید وبعد ما کان مذکورًا یکون متعددًا لیُوافق حالہا صفۃ حالہا اداۃ استثناءٍ اذ لابد لہا فی الاستثناء من مستثنیٰ منہ متعدد فلا تقول فی صفۃ جاءنی رجل الازید والمتعدد اعم من ان یکون جمعًا لفظًا کرجال او تقدیرًا کقوم ورہط وان یکون مثنیٰ فدخل فیہ نحو ما جاءنی رجلان الازید منکورًا ای منکرا لا یعرف باللام حیث یراد بہ العہد او الاستغراق

قولہ تابعۃ لجمع ای واقعۃ بعد متعدد الخ تابعۃ کی تفسیر واقعۃ کے ساتھ شارح نے اسواسطے کی ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہاں تابع اصطلاحی مراد نہیں ہے یعنی توابع کی اقسام خمسہ میں سے کوئی قسم مراد نہیں کیونکہ تابع اصطلاحی ہمیشہ اسم ہوتا ہے اور الا حرف ہے اسم نہیں اسی طرح جمع کی تفسیر متعدد کے ساتھ کرکے یہ بتایا کہ جمع اصطلاحی مراد نہیں۔ اس کے لغوی معنی یعنی متعدد مراد ہے۔ متعدد کے بعد واقع ہونے کی قید سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ متعدد جو الا صفتی کا موصوف ہوگا وہ موجود ہو مقدر نہ ہو بخلاف غیر کے کہ اس کی وضع چونکہ صفت کے لئے ہے اس لئے اس کا موصوف مقدر بھی ہوسکتا ہے جیسے جاءنی غیر زید اس میں غیر کا موصوف مثلاً قوم محذوف ہے۔

نیز الا صفتی کے لئے متعدد کے بعد واقع ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ الا صفتی کا حال الا استثنائی کے حال کے مطابق ہوجائے کیونکہ الا استثنائی میں مستثنیٰ منہ متعدد ہوتا ہے توجب الا صفتی میں موصوف متعدد ہوگا تو دونوں کے استعمال میں مناسبت رہیگی چنانچہ الا صفتی میں جاءنی رجل الازید کہنا صحیح نہیں کیونکہ الا کا موصوف یہاں رجل ہوگا اور وہ متعدد نہیں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ متعدد عام ہے خواہ لفظ کے اعتبار سے جمع ہو جیسے رجال یا تقدیراً جمع ہو جیسے قوم ورہط۔ اسی طرح تثنیہ بھی متعدد میں داخل ہے جیسے ما جاءنی رجلان الازید۔

قولہ منکورًا الخ الا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنے کی پہلی شرط یہ تھی کہ متعدد کے بعد ہو جس کا بیان ختم ہوگیا اب دوسری شرط کا بیان ہے کہ متعدد جسکو جمع سے تعبیر کیا ہے نکرہ ہو یعنی معرف باللام نہ ہو کیونکہ اس صورت میں اگر الف ولام استغراق کا ہے تو الا کا مابعد الا کے ماقبل میں داخل ہوگا۔ اس لئے مابعد الا مستثنیٰ متصل ہوگا۔ اسی طرح اگر الف ولام عہد خارجی کا ہے اور اس سے ایسے افراد مراد لئے گئے ہیں جو الا کے مابعد کو بھی شامل ہیں تو اس صورت میں بھی الا کا مابعد مستثنیٰ متصل ہوگا اور اگر ایسے افراد مراد ہیں جو الا کے مابعد کو شامل نہیں تو پھر الا کا مابعد مستثنیٰ منقطع ہوگا اور جب تک مستثنیٰ کی ان دو قسموں میں سے کسی قسم کا تحقق ہوسکتا ہو، الا کو غیر کے معنی میں نہیں لیا جائے گا۔

فیعلم التناول قطعا علی تقدیر الاستغراق وعلیٰ تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ یکون زید منھم فلا یتعذر الاستثناء المتصل او عدم التناول قطعًا علی تقدیر ان یشار بہ الی جماعۃ لم یکن زید منھم فلا یتعذر المنقطع غیر محصور والمحصور نوعان اما الجنس المستغرق نحو ماجاءنی رجل او رجال واما بعض منہ معلوم العدد نحو لہ علی عشرۃ دراھم او عشرون وانما اشترط ان یکون غیر محصور لانہ ان کان محصورًا علی احد الوجہین وجب دخول مابعد الا فیہ فلا یتعذر الاستثناء

---

اور اگر الف لام عہد ذہنی کا ہو تو وہ حکم میں نکرہ کے ہوتا ہے تو اگر ایسے معرف باللام کے بعد الا ہو جو عہد ذہنی کا ہے تو وہ الا استثناء کے لئے نہ ہوگا بلکہ غیر کے معنی میں مستعمل ہوگا۔

شارح نے منکور کی تفسیر ای منکر لایعرف باللام کے ساتھ کی جس میں نکرہ کا مقابلہ معرف باللام کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ معرفہ کے اقسام میں سے صرف معرف باللام کی نفی ہے باقی اقسام کی نفی نہیں یعنی الا اگر معرف باللام کے بعد واقع ہو تو غیر کے معنی میں نہ ہوگا بلکہ استثناء ہی کے لئے رہیگا باقی معرفہ کے جو دوسرے اقسام ہیں مثلاً اسم اشارہ، اضافت ان کے بعد الا واقع ہو تو ان صورتوں میں الا غیر کے معنی میں ہوگا اور استثناء کے لئے نہ ہوگا حالانکہ ان کا بھی وہی حکم ہے جو معرف باللام کا ہے اور ان صورتوں میں بھی الا استثناء کے لئے ہوگا غیر کے معنی میں نہ ہوگا جیسے جاءنی ہؤلاء الا زیدًا یہ اسم اشارہ کی مثال ہے۔ اور جاءنی اخوۃ زید الا عمرًا یہ اضافت کی مثال ہے۔ ان دونوں مثالوں میں الا استثناء کے لئے ہے غیر کے معنی میں نہیں ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ منکور سے معرفہ کے تمام اقسام کی نفی مقصود ہے اور شارح کی عبارت لایعرف باللام سے جو معرف باللام کی تخصیص سمجھ میں آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقسام معرفہ میں سے معرف باللام کا استعمال بکثرت ہوتا ہے تو کثرتِ استعمال اور شہرت ذکر کا باعث ہے اس سے تخصیص مقصود نہیں۔

قولہ غیر محصور الخ الا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنے کی یہ تیسری شرط ہے یعنی الا جس متعدد کے بعد واقع ہو وہ غیر محصور ہونا چاہئے۔ محصور کی دو قسمیں ہیں (۱) جنس مستغرق (۲) جنس معلوم العدد یعنی جنس کے تمام افراد مراد ہوں اور اگر بعض افراد مراد ہوں تو ان کی تعداد معلوم ہو۔ اول کی مثال جیسے ماجاءنی رجل اس میں رجل نکرہ جنس ہے اور نکرہ جب نفی کے تحت میں واقع ہوتا ہے تو وہاں استغراق ہوتا ہے یعنی ہر ہر فرد کی نفی ہوتی ہے اسی طرح ماجاءنی رجال میں استغراق ہے۔ ثانی کی مثال جیسے لہ علی عشرۃ دراہم او عشرون۔

اس کے بعد سمجھئے کہ غیر محصور کی قید اس لئے لگائی گئی کہ اگر وہ متعدد جس کے بعد الا واقع ہو وہ غیر محصور نہ ہو بلکہ محصور کی ان دو قسموں میں سے کوئی قسم پائی جاتی ہو تو پھر الا کو غیر کے معنی میں نہ لیا جائیگا استثناء کے لئے رہیگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں الا کا مابعد ماقبل میں داخل ہوگا لہٰذا استثناء متصل ہوگا جیسے کل رجل الا زیدًا جاءنی

نحو کل رجل الازیداً جاءنی ولہ علی عشرۃ الادرھما وانما یصار عند وجود ھذہ الشرائط الی حمل الاعلی غیر لتعذر الاستثناء عند وجودھا فیضطر الی حملھا علی غیر وانما قلنا فی صدر ھذا الکلام ان الا لاتحمل علی الصفۃ غالباً فقیدناہ بقولنا غالباً لانہ قد یتعذر الاستثناء فی المحصور نحوجاءنی مائۃ رجل الازید وقد لایتعذر فی غیر المحصور نحوجاءنی رجال الاواحداً والارجلا والاحماراً ولکن لما کان ذلک نادراً لم یلتفت المص الیہ فی بیان ھذہ القاعدۃ نحو لوکان فیھما ای فی السماء والارض اٰلھۃ

---

یہ جنس مستغرق کی مثال ہے ولہ علی عشرۃ الادرہما۔ یہ جنس معلوم العدد کی مثال ہے۔

قولہ وانما یصار عند وجود ھذہ الشرائط الخ الا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنے کیلئے تین شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ ان شرائط کے پائے جانے کے بعد الا غیر کے معنی میں ہوگا کیونکہ ان شرائط کے وقت استثناء کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی نہ مستثنیٰ متصل پایا جاسکتا ہے نہ منقطع اس لئے مجبوراً الا کو صفت کے معنی میں استعمال کیا جائیگا جسطرح لفظ غیر صفت کے لئے ہوتا ہے۔

قولہ انما قلنا فی صدر الکلام الخ اس سے پہلے شارح نے کما حملت الا علیہا فی الصفۃ کے بعد یہ عبارت ذکر کی تھی لکن لاتحمل الا علیہا فی الصفۃ غالباً، اس میں غالباً کی قید ہے اب اس قید کی وجہ بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ غالباً سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ضابطہ کلیہ نہیں ہے کہ اگر شرائط ثلاثہ پائی جائیں تو لامحالہ الا کو غیر کے معنی میں کیا جائے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محصور میں استثناء متعذر نہ ہونا چاہیئے لیکن کبھی کبھی ہوجاتا ہے جیسے جاءنی مائۃ رجل الازید، یہاں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ زید مائۃ رجل میں داخل ہے اور اس کو مستثنیٰ متصل بنایا جائے۔ یا داخل نہیں ہے اور اس کو مستثنیٰ منقطع بنایا جائے۔ جب قطعی طور پر مستثنیٰ کی کوئی قسم متعین نہیں ہوسکتی تو مجبوراً الا کو غیر کے معنی میں لیا جائے گا۔

اور غیر محصور میں استثناء متعذر ہونا چاہیئے لیکن کبھی کبھی متعذر نہیں ہوتا جیسے جاءنی رجال الا واحداً، او الارجلاً ان میں مستثنیٰ متصل ہے اور جاءنی رجال الاحماراً اس میں مستثنیٰ منقطع ہے حالانکہ غیر محصور ہیں معلوم ہوا کہ محصور اور غیر محصور دونوں صورتوں کا حکم اکثری ہے کلی نہیں کہ اس میں تخلف نہ ہو۔ اب سوال ہوتا ہے کہ جب یہ حکم اکثری ہے تو مصنف رح کو بھی چاہیئے تھا کہ وہ جب الا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنے کی صورت بیان کر رہے تھے تو وہیں پر غالباً کی قید لگادیتے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ تخلف کی صورت بہت کم ہے اسوجہ سے مصنف نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔

قولہ مثل لوکان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا الخ یہ مثال ہے جس میں الا کو غیر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اسمیں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں۔ آلہۃ متعدد ہے۔ نکرہ ہے۔ غیر محصور ہے اور اس کے بعد الا ہے اور

جمع آلہۃ ولا دلالۃ فیہا علٰی عدد محصور الا اللّٰہ ای غیر اللّٰہ لفسدتا ای لخرجتا عن الانتظام فالا فی الآیۃ صفۃ لانہا تابعۃ لجمع منکور غیر محصور وھی آلہۃ و یتعذر الاستثناء لعدم دخول اللّٰہ تعالٰی فی آلہۃ بیقین فلم یتحقق شرط صحۃ الاستثناء وفی الآیۃ مانع اٰخر عن حمل الا علی الاستثناء وھو انہ لو حملت علیہ صار المعنی لو کان فیہما آلہۃ مستثنیٰ عنہا اللّٰہ تعالٰی لفسدتا وھذا لایدل الا علی انہ لیس فیہما آلہۃ مستثنیٰ عنہا اللّٰہ تعالٰی وبھذا لایثبت وحدانیتہ تعالٰی لجواز ان یکون ح فیہما آلہۃ غیر مستثنیٰ عنہا اللّٰہ تعالٰی بخلاف ما اذا کانت للصفۃ بمعنی غیر فانہ یدل علٰی انہ لیس فیہما آلہۃ غیر اللّٰہ تعالٰی واذا لم یکن فیہما آلہۃ غیر اللّٰہ تعالٰی یجب ان لا تتعدد الآلہۃ لان التعدد یستلزم المغایرۃ وضعف حمل الا علی غیر فی غیرہ ای فی غیر جمع منکور غیر محصور لصحۃ الاستثناء ح ومذہب سیبویہ جواز وقوع الا صفۃ مع صحۃ الاستثناء قال یجوز فی قولک ما اتانی احد الا زید ان یکون الا زید صفۃ وعلیہ اکثر المتاخرین تمسکا بقولہ شعر وکل اخ مفارقہ اخوہ ؛ لعمر ابیک الا الفرقدان

---

الا کے مابعد یعنی لفظ اللہ کا ماقبل میں نہ دخول یقینی ہے اور نہ عدم دخول یقینی ہے اس لئے استثناء کی دونوں میں سے کوئی قسم متعین نہیں کی جاسکتی تو جب استثناء متعذر ہے تو الا کو غیر کے معنی میں لیا جائیگا۔

قولہ وفی الآیۃ مانع اٰخر الخ مطلب یہ ہے کہ اس مثال میں لفظ الا کو استثناء کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا اس کی ایک وجہ تو ابھی بیان کی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر الا کو استثناء کے لئے مانا جائے تو وحدانیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ استثناء کی صورت میں معنی یہ ہوں گے اگر زمین و آسمان میں ایسے معبود ہوتے جن سے اللہ مستثنیٰ ہوتا تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہوجاتا اور اگر اللہ کو آلہۃ سے مستثنیٰ نہ کیا جائے بلکہ اللہ بھی ہو اور دیگر معبود بھی ہوں تو نظام درہم برہم نہ ہوگا اس سے وحدانیت ثابت نہ ہوگی۔ اور اگر یہاں غیر کے معنیٰ الا کو کیا جائے تو یہ خرابی نہیں لازم آتی کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ زمین اور آسمان میں غیر اللہ کا وجود ہی نہیں اگر اللہ کا غیر کوئی بھی معبود ہوتا تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہوجاتا تو جب اللہ کا غیر کوئی معبود موجود ہی نہیں تو تعدد الٰہ بھی باطل ہوگا کیونکہ تعدد مستلزم ہے مغایرت کو اسلئے مغایرت کی نفی سے تعدد کی بھی نفی ہوجائیگی۔

قولہ وضعف فی غیرہ الخ غیر کے معنی میں الا کو اسوقت استعمال کیا جائے جبکہ شرائط مذکورہ پائی جائیں اگر شرائط نہ پائی جائیں تو پھر غیر کے معنی میں استعمال کرنا ضعیف ہے کیونکہ شرائط کے مفقود ہونے کے وقت الا کا استعمال استثناء کے لئے درست ہوتا ہے تو پھر غیر کے معنی میں کرنے کی کیا ضرورت۔

مصنف نے ضعف کا لفظ استعمال کیا ہے لم یجز نہیں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیبویہ کے نزدیک شرائط

فالفرقدان صفة لكل اخ لا استثناء منه والاوجب ان يقال الفرقدين بالنصب وحمل المص ذلك على الشذوذ وقال فى البيت شذوذان اخران احدهما وصف كل دون المضاف اليه والمشهور وصف المضاف اليه اذ هو المقصود وكل لافادة الشمول فقط وثانيهما الفصل بالخبر بين الصفة والموصوف وهو قليل واعراب سوى وسواء النصب على الظرف اى بناء على ظرفيتهما لانك اذا قلت جاء نى القوم سوى اوسواء زيد فكانك قلت مكان زيد على المذهب الاصح وهو مذهب سيبويه فيهما عنده لازما الظرفية وعند الكوفيين يجوز خروجهما عن الظرفية والتصرف فيهما رفعا ونصبا وجرا كغير متمكسين بقول الشاعر شعر ولم يبق

---

ثلاثہ مذکورہ اگر نہ بھی پائی جائیں تب بھی إلّا کو غیر کے معنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور بقول شارح اکثر متاخرین کا بھی یہی مسلک ہے ان کا تمسک اس شعر سے ہے

وکل اخ مفارقہ اخوہ ✤ لعمر ابیك الا الفرقدان

فرقدان دو ستارے ہیں جو قطب سے قریب ہیں اور ہمیشہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں جدا نہیں ہوتے۔ اس شعر میں الا الفرقدان میں الا غیر کے معنی میں ہے استثناء کے لئے نہیں ہے اگر استثناء کے لئے ہوتا تو فرقدین نصب کے ساتھ ہوتا کیونکہ مستثنیٰ کلام موجب میں منصوب ہوتا ہے اور یہاں یہ الف کے ساتھ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مرفوع ہے اور کل اخ کی صفت ہے۔

قولہ وحمل المصنف ذلك على الشذوذ الخ شعر کے اندر الا کا غیر کے معنی میں مستعمل ہونا شاذ ہے اسواسطے کہ کل اخ محصور ہے اور محصور کے بعد استثناء متعذر نہیں ہوتا تو پھر خواہ مخواہ الا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنا درست نہ ہوگا اس لئے شاذ کا حکم لگایا کیونکہ اصل کے جواز کی صورت میں خلاف اصل استعمال کرنا شاذ ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ بیت میں دو شاذ اور ہیں۔ ایک یہ کہ فرقدان کو کل کی صفت قرار دیا گیا ہے حالانکہ صفت کل کے مضاف الیہ کی ہوتی ہے نہ کہ کل کی دوسرا شاذ یہ ہے کہ کل اخ موصوف ہے اور الا الفرقدان یہ صفت ہے ان کے درمیان خبر یعنی مفارقہ اخوہ کا فصل ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لئے یہ بھی شاذ ہے۔

قولہ واعراب سوى وسواء النصب الخ اس سے پہلے غیر کا اعراب بیان کیا ہے کہ اس پر مستثنیٰ بالا کا اعراب جاری ہوگا اب فرمارہے ہیں کہ سویٰ بالقصر اور سواء بالمد کا اعراب ظرفیت کی بناء پر نصب ہے جیسے جاءنی القوم سویٰ زید او سواء زید اس میں سوی اور سواء مکان کے معنی میں ہیں۔ صحیح مذہب یہی ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے ان کے نزدیک یہ ہمیشہ ظرف واقع ہوں گے اور ان پر صرف نصب آئیگا۔
کوفیین کا مذہب ہے کہ ان کے لئے ظرفیت لازم نہیں ہے ان پر رفع. نصب. جر تینوں آسکتے ہیں۔

سوی العُدوان دِناهم کما دانوا؛ وزعم الاخفش ان سواء اذا اخرجوه عن الظرفية ايضا نصبوه استنكارًا لرفعه فيقولون جاءني سواءك وفي الدار سواءك ومثل هذا في استنكار الرفع فيما غلب انتصابه على الظرفية قوله تعالیٰ لقد تقطع بينكم بالنصب خبر كان واخواتها وستعرفها في قسم الفعل ان شاء الله تعالیٰ هو المسند بعد دخولها اي دخول كان او احدى اخواتها والمراد ببعدية المسند لدخولها ان يكون اسناده الى اسمها واقعا بعد دخولها على اسمها وخبرها ولا شك ان ذلك انما يتصور بعد تقرر الاسم والخبر فالاسناد الواقع بين اجزاء الخبر المقدم على تقرره لا يكون بعد دخولها بل يكون قبله فلا ينتقض التعريف بمثل كان زيد يضرب ابوه ولا بمثل كان زيدٌ ابوه قائم بان يقال يصدق على يضرب

---

جس طرح غیر پر تینوں اعراب جاری ہوتے ہیں ان کا استدلال شاعر کے اس قول سے ہے ،

ولم يبق سوى العدوا ۔ ن دِناهم كما دانوا

دِنّا جمع متکلم ہے از ضَرَبَ ۔ اس سے پہلے کا شعر یہ ہے :

فلما اصبح الشر وامسى وهو عريان

اصبح اور امسی ناقصہ نہیں ہیں تامہ ہیں ۔ ترجمہ یہ ہے ۔ جب عداوت صبح اور شام میں حالت برہنگی میں آگئی یعنی اچھی طرح ظاہر ہوگئی دشمنی کے سوا کچھ نہ رہا تو ہم نے ان کو ایسا بدلا دیا جیسا انھوں نے کیا تھا یعنی ان کی حرکتوں کی بھرپور سزا ملی ۔

قولہ وزعم الاخفش الخ اخفش فرماتے ہیں کہ سویٰ اور سواء لازم الظرفیۃ تو نہیں ہیں یعنی ہمیشہ یہ ظرف نہیں ہوتے لیکن اعراب ان پر نصب ہی رہیگا جیسے لقد تقطع بینکم میں نصب ہے حالانکہ وہ اس وقت ظرف نہیں ہے اس لئے اکثر حالات میں ان پر نصب ہوتا ہے اس لئے نصب کے علاوہ دوسری حرکت مناسب نہیں ہے ۔

قولہ خبر کان واخواتها الخ کان اور اس کے اخوات کی خبر وہ ہے جو انکے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے ۔

قولہ المراد ببعدیۃ المسند الخ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ کان زید ابوہ قائم میں قائم مسند ہے اور کان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے لیکن یہ کان کی خبر نہیں ہے بلکہ ابوہ مبتدا کی خبر ہے اسی طرح کان زید یضرب ابوہ میں یضرب کان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہے پھر بھی کان کی خبر نہیں ہے بلکہ یضرب ابوہ فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر کان کی خبر ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کان کی خبر کا کان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب کان

وقائم فی ھذین المثالین المعرف ولیسا من افراد المعرف ویمکن ان یقال فی جواب ھذا النقض ان المراد بدخولھا ورودھا للعمل فیما وردت علیہ کما سبقت الاشارۃ الیہ فی خبر ان واخواتھا مثل کان زید قائما وامرہ ای امر خبر کان واخواتھا کامر خبر المبتداء فی اقسامہ واحکامہ وشرائطہ علی ما سبق فی مبحث المبتداء والخبر ولکنہ یتقدم علی اسمھا حال کونہ معرفۃ

---

کے لئے اسم وخبر کی تعیین ہوجائے اس کے بعد جو کان کے اسم کی طرف مسند ہو وہ کان کی خبر ہے اور مثال اول میں قائم کا ابوہ کی طرف مسند ہونا کان کی خبر متعین ہونے سے پہلے ہی سے ہے۔ کان کے اسم اور خبر کی تعیین کے بعد جو کان کے اسم کی طرف مسند ہے وہ ابوہ قائم پورا جملہ اسمیہ ہے لہذا یہ جملہ کان کی خبر ہوگا۔ قائم کان کے اسم کی طرف مسند نہیں ہے اس لئے اگر کان کی خبر نہ ہو تو اس سے کان کے خبر کی تعریف پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا۔ اسی طرح یضرب ابوہ میں یضرب کی اسناد ابوہ کی طرف کان کے داخل ہونے سے پہلے ہی سے ہے کان کے اسم کی طرف یضرب ابوہ پورے جملہ کی اسناد ہورہی ہے اور وہ کان کی خبر ہے حاصل یہ ہے کہ جو کان کے اسم کی طرف مسند ہے وہ کان کی خبر ہے اور جو خبر نہیں ہے وہ کان کے اسم کی طرف مسند بھی نہیں ہے لہذا کان کے خبر کی تعریف پر امثلہ مذکورہ سے نقض وارد نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ ویمکن ان یقال الخ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ دخول سے مراد یہ ہے کہ داخل اپنے مدخول پر اثر کرے۔ یہاں یہ مطلب ہوگا کہ کان جس پر داخل ہوا ہے تو اس پر اثر کرے اور کان کا لفظی اثر یہ ہے کہ اسم کو رفع اور خبر کو نصب دے اور معنوی اثر یہ ہے کہ خبر کو اسم کے لئے ثابت کرے اور جن امثلہ سے نقض وارد کیا گیا ہے ان میں جو خبر ہے وہ کان کے اسم کے لئے ثابت ہے اور جو اسم کے لئے ثابت نہیں ہے وہ کان کی خبر بھی نہیں ہے جیسا کہ اسکی تفصیل ابھی گذر چکی ہے نیز انّ اور اس کے اخوات کی بحث میں اس کا مفصل بیان آچکا ہے۔

قولہ وامرہ کامر خبر المبتداء کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ اقسام۔ احکام اور شرائط میں ایسا ہے جیسا کہ مبتدا کی خبر کا معاملہ۔ اقسام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جمع معرفہ نکرہ ہوتی ہے اسی طرح کان کے خبر کی بھی یہ قسمیں ہیں۔ احکام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتدا کی خبر واحد یا متعدد ہوتی ہے اسی طرح مثبت اور منفی ہوتی ہے کبھی محذوف ہوتی ہے اور کبھی مذکور ہوتی ہے اسی طرح کان اور اس کے اخوات کی خبر میں یہی احکام جاری ہوتے ہیں۔ شرائط کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح مبتدا کی خبر اگر جملہ ہو تو اسمیں عائد کا ہونا ضروری ہے یہی حال کان اور اسکے اخوات کی خبر کا ہے کہ جملہ ہونیکے وقت عائد ضروری ہے جو اُن کے اسم سے خبر کا ربط قائم کرے۔

قولہ ولکنہ یتقدم الخ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا حال مبتدا کی خبر کی طرح ہے جس کی تفصیل ابھی آپکے سامنے آچکی ہے۔ لکنہ سے استدراک کر رہے ہیں کہ کان وغیرہ کی خبر اور مبتدا کی خبر میں کچھ فرق بھی ہے

حقیقۃ اوحکما کالنکرۃ المخصصۃ لاختلاف اسمہا وخبرہا فی الاعراب فلایلتبس احدہما بالآخر وذلك اذا کان الاعراب فیہما او فی احدہما لفظیاً نحوکان المنطلق زیدٌ اوکان ھذا زید بخلاف المبتداء والخبر فان الاعراب فیہما لایصلح للقرینۃ لاتفاقہما فیہ بل لابدمن قرینۃ رافعۃ للبس وکذالك اذا انتفی الاعراب فی اسم کان و خبرہا جمیعًا ولاقرینۃ ھناك لایجوز تقدیم الخبر نحوکان الفتی ھذا وقدیحذف عاملہ ای عامل خبر کان وھو کان لاخبرکان واخواتہا لانہ لایحذف من ھذہ الافعال الاکان وانما اختصت بھذا الحذف لکثرۃ استعمالہا فی مثل الناس المجزیون باعمالہم ان خیرالخیر وان شرافشر ویجوز فی مثلہا ای فی مثل ھذہ الصورۃ وھی ان یجیٔ بعد ان اسم ثم

---

وہ یہ ہے کہ کان وغیرہ کی خبر اگر معرفہ ہو خواہ حقیقۃً معرفہ ہو مثلاً معرف باللام ہو جیسے کان المنطلق زیدٌ. یا حکماً معرفہ ہو مثلاً نکرہ مخصصہ ہو جیسے کان خیرًا من جاہل رجلٌ عالمٌ. اس میں خیرًا نکرہ ہے اور من جاہل کی وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے تو ان دونوں صورتوں میں کان کی خبر اسم پر مقدم ہوسکتی ہے کیونکہ کان وغیرہ کے اسم میں رفع اور خبر میں نصب آتا ہے اسلئے اگر خبر مقدم ہو جائے تب بھی اعراب کے فرق کی وجہ سے اسم اور خبر میں التباس نہ لازم آئے گا۔ بخلاف مبتدا اور خبر کے کہ ان دونوں کا اعراب ایک ہی ہے یعنی رفع اس لئے اگر خبر معرفہ یا نکرہ مخصصہ ہو اور اس کو مبتدار پر مقدم کردیا جائے تو پتہ نہ چلے گا کہ اس میں کون مبتدا ہے اور کون خبر ہے اسلئے معرفہ ہونے کی صورت میں مبتدا کی خبر کو مبتدار پر مقدم نہ کریں گے۔

اسی طرح اگر کان کے اسم اور خبر پر اعراب لفظی نہ ہو اور قرینہ بھی نہ ہو جس سے اسم اور خبر کا پتہ چل سکے تو وہاں بھی کان کی خبر کان کے اسم پر مقدم نہ ہوگی جیسے کان الفتی ہذا، کیونکہ اس صورت میں اسم اور خبر کا پتہ نہ چل سکے گا اور اگر اسم اور خبر دونوں میں اعراب لفظی ہو یا ان میں کسی ایک میں اعراب لفظی ہو تو پھر کان کی خبر کان کے اسم پر مقدم ہوسکتی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں التباس کا اندیشہ نہیں رہتا۔

قولہ وقد یحذف الخ اور کبھی کان کی خبر کے عامل یعنی کان کو قرینہ کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے اور یہ حکم صرف کان کا ہے اس کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے حذف کرسکتے ہیں۔ کان کے اخوات کا استعمال چونکہ کثیر نہیں ہے اسلئے انکو حذف نہ کیا جائیگا جیسے الناس مجزیون باعمالہم ان خیرًا فخیر وان شرًا فشر۔ اس مثال میں خیرًا اور شرًا کان محذوف کی خبر ہیں کان یہاں محذوف ہے کیونکہ بہ نسبت اخوات کے کان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔

قولہ ویجوز فی مثلہا الخ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جسمیں ان شرطیہ کے بعد اسم ہو اور اس کے بعد فار ہو پھر فار کے بعد ایک اور اسم ہو تو ایسی ترکیب میں چار صورتیں جائز ہیں۔ (۱) نصب اول و رفع ثانی ای ان کان عملہ خیرًا فجزائہ خیر۔ (۲) دونوں کا نصب ان خیرًا فخیرًا، تقدیر عبارت یہ ہوگی ان کان عملہ خیرًا فکان جزائہ

فاء بعدھا اسم اربعۃ اوجہ نصب الاول ورفع الثانی وھو اقواھا ای ان کان عملہ خیرا فجزائہ خیر ونصبھما نحو ان خیراً فخیراً علی معنی ان کان عملہ خیراً فکان جزاءہ خیراً ورفعھما نحو ان خیرٌ فخیرٌ ای ان کان فی عملہ خیر فجزاؤہ خیرٌ وعکس الاول نحو ان خیرٌ فخیراً ای ان کان فی عملہ خیرٌ فکان جزاءہٗ خیراً وقوۃ ھذہ الوجوہ وضعفھا بحسب قلۃ الحذف وکثرتہ ویجب الحذف ای حذف عاملہ یعنی کان فی مثل اما انت منطلقاً انطلقت ای لان کنت منطلقاً انطلقت فاصل اما انت لان کنت حذفت اللام قیاسًا ثم حذفت کلمۃ کان اختصارًا فانقلب الضمیر المتصل منفصلا وزیدت لفظۃ ما بعد ان فی موضع کان عوضًا عنھا وادغمت النون فی المیم وبقی الخبر علی حالہ فصار اما انت منطلقا انطلقت وھذا علی تقدیر فتح الھمزۃ واما علی تقدیر کسرھا فالتقدیر ان کنت منطلقا

---

خیراً (۲) دونوں کا رفع جیسے ان خیرٌ فخیرٌ ای ان کان فی عملہ خیرٌ فجزاءہ خیرٌ (۴) اول کا عکس جیسے ان خیرٌ فخیراً ای ان کان فی عملہ خیرٌ فکان جزاءہٗ خیراً۔

ان چاروں وجوہ کی قوت اور ضعف کا مدار قلت حذف اور اس کی کثرت پر ہے پہلی صورت میں حذف کم ہے اس لئے وہ سب میں قوی ہے۔ اس میں شرط کی جانب میں کان فعل اور اس کا اسم محذوف ہے اور جزاء کی جانب میں مبتدا محذوف ہے صرف تین چیزوں کا حذف ہے باقی سب صورتوں میں تین سے زیادہ حذف ماننا پڑتا ہے۔

ثانی صورت میں شرط سے کان اور اس کا اسم اور جزاء سے بھی کان اور اس کا اسم محذوف ہے۔ یہ چار چیزیں محذوف ہوئیں۔ تیسری صورت میں شرط میں کان فعل اور جار مجرور جو اس کی خبر ہے وہ محذوف ہے اور جزاء کی جانب میں مبتدا محذوف ہے۔ اس میں بھی محذوف کی تعداد چار ہے۔ چوتھی صورت میں شرط سے کان۔ جار۔ مجرور۔ اور جزاء سے کان اور اسکا اسم یہ پانچ چیزیں محذوف ہیں سب سے زیادہ اسی چوتھی صورت میں حذف ماننا پڑتا ہے اس لئے یہ سب سے زیادہ ضعیف ہے۔

قولہ ویجب الحذف الخ اما انت منطلقا انطلقتُ جیسی مثال میں کان کا حذف واجب ہے اس جیسی مثال سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں کان کو حذف کرکے اس کا عوض لائیں تو ایسی ترکیب میں کان کا حذف واجب ہے کیونکہ عوض کے ساتھ کان کو اگر ذکر کیا جاتا ہے تو عوض اور معوض کا اجتماع لازم آئیگا جو ناجائز ہے۔

اما انت کی اصل لأن کنت ہے اَن کی وجہ سے فعل اسم کی تاویل میں ہو جاتا ہے اور اسم تاویلی سے لام کا حذف قیاس کے مطابق ہے اور کثرت سے اس کا وقوع ہوتا رہتا ہے اس کے بعد کان کو اختصار کے لئے حذف کیا گیا اور کنت کی ضمیر متصل کو ضمیر منفصل یعنی انت سے بدل لیا اور کان کی جگہ ما مصدریہ لے آئے کیونکہ ما مصدریہ زمان پر دلالت کرتا ہے اس کے بعد نون کو میم کرکے میم کا میم میں ادغام کر دیا گیا اما انت ہوا۔ منطلقا اور انطلقت اپنے حال پر ہیں بتقدیر

. انطلقت فعمل به ما عمل بالاول من غیر فرق الاحذف اللام اذ لا لام فیہ واقتصر المص علی الاول لانه اشهر اسم انَّ واخواتها وستعرفها فی قسم الحرف ان شاء الله تعالیٰ هو المسند الیه بعد دخولها ای بعد دخول ان او احدی اخواتها مثل ان زیداً قائمٌ وبما عرفت من معنی البعدیة والدخول فیما سبق اندفع انتقاض هذا التعریف ههنا ایضا بمثل ابوه فی ان زیداً ابوه قائم المنصوب بلا التی لنفی الجنس ای لنفی صفة الجنس وحکمه وانما لم یقل اسم لا لانه لیس کله ولا اکثره من المنصوبات فلا یصح جعله مطلقاً من المنصوبات لاحقیقة ولا مجازاً بل المنصوب منه اقل مما عداه فلابد من التعبیر عنه بالمنصوب بها بخلاف ما عداه من المنصوبات فان بعضها وان لم یکن کله من المنصوبات لکن اکثره منها فاعطی للاکثر حکم الکل،

---

عبارت اما کے ہمزہ مفتوح کی صورت میں ہے اگر ہمزہ مکسور ہو تو پھر اس کی تقدیر ان کنت منطلقا انطلقت ہے ماقبل کی عبارت کی طرح اس میں بھی تاویل کی گئی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اس تقدیر میں چونکہ لام نہیں ہے اس لئے اس کے حذف کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مصنف نے صرف ایک صورت بیان کی ہے کیونکہ وہ زیادہ مشہور ہے۔

قولہ اسم ان واخواتها الخ اِنَّ کے اخوات اَنَّ ۔ کاَنَّ ۔ لکنَّ ۔ لیت ۔ لعل ہیں ۔ اِنَّ اور اس کے اخوات کا اسم وہ ہے جو اُن کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو۔ ماقبل کی طرح یہاں بھی اعتراض ہوتا ہے کہ اِنَّ زیدًا ابوہ قائم میں ابوہ مسند الیہ ہے اور اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہے اسلئے اس کو اِنَّ کا اسم کہنا چاہیے حالانکہ وہ اسم نہیں ہے بلکہ ابوہ قائم مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے اس کا جواب کئی بار گذر چکا ہے کہ عوامل کے معمولات خواہ اسم ہوں یا خبر ہوں انکی تعریف میں یہ ہے کہ اگر وہ معمول اسم ہو تو عامل کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو اور اگر معمول خبر ہو تو ان عامل کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند ہو تو بعدیت اور دخول کا مطلب یہ ہے کہ عامل داخل ہونے کے بعد اثر کرے مثلاً جو عامل اسم اور خبر کا تقاضا کرتے ہیں انھیں اسم میں تو یہ اثر کرے کہ اسکو مسند الیہ بنائے اور خبر میں یہ اثر کرے کہ اسکو مسند بنائے اور مثال مذکور اِنَّ زیدًا ابوہ قائم میں ابوہ قائم پورا جملہ اِنَّ کی خبر ہے اس لئے اِنَّ کا اثر پورے جملہ پر یہ ہوگا کہ اسکو اپنے اسم کیطرف مسند کریگا اور ایسا ہے بھی تنہا ابوہ نہ تو اِنَّ کا اسم ہے اور نہ خبر ہے اسلئے اس پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوا اسلئے یہ کہنا کہ ابوہ اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہے یہ صحیح نہیں ہے ان کا اثر پورے جملہ پر مسند ہونے کی حیثیت سے ہے اور وہ اس کا معمول ہے تنہا ابوہ اس کا معمول نہیں کیونکہ اس پر اِنَّ کا کوئی اثر نہیں ہے۔

قولہ المنصوب بلا التی لنفی الجنس الخ ای لنفی صفۃ الجنس وحکمہ ۔ شارح نے جنس سے پہلے صفت یا حکم مضاف نکالکر یہ بتایا کہ لا جنس کی نفی نہیں کرتا بلکہ اسکے صفت کی نفی کرتا ہے مثلاً لا رجل فی الدار میں جنس رجل کی نفی نہیں ہے

فعد الکل منہا تجوزا او لا یبعد ان یقال اسم لا ہو المنصوب بہا لفظا کالمضاف وشبہہ او محلا کما ہو مبنی منہ علی الفتح و اما ما ہو مرفوع فلیس اسمالہا لعدم عملہا فیہ ہی المسند الیہ بعد دخولہا خرج بہ مثل ابوہ فی لا غلام رجل ابوہ قائم کما عرفت وھذا المقدار کاف فی حد اسمہا مطلقا لکنہ لما اراد حد المنصوب منہ زاد علیہ قولہ یلیہا ای یلی المسند الیہ لفظۃ لا ای یقع بعدھا بلا فاصلۃ نکرۃ مضافا او مشبہا بہ ای بالمضاف فی تعلقہ بشیئ ہو من تمام معناہ ھذہ احوال مترادفۃ من الضمیر المجرور فی

---

بلکہ اس کے صفت استقرار فی الدار کی نفی ہے۔

یہاں مصنف نے اسم لا التی لنفی الجنس نہیں کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دیگر منصوبات کی طرح اسم لا التی لنفی الجنس کہتے تو یہ سمجھا جاتا کہ لا رنفی جنس کا اسم ہر حال میں منصوب ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے ہر حال میں تو کیا منصوب ہوتا اکثر حال میں بھی منصوب نہیں ہوتا جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل آرہی ہے۔ بخلاف دیگر منصوبات کے کہ ان میں صرف مستثنیٰ ایسا ہے کہ اس کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں وہ منصوب نہیں ہوتا لیکن اکثر حالات میں وہ بھی منصوب ہوتا ہے اس لئے للاکثر حکم الکل کے قاعدے سے اسکو بھی مطلقا منصوبات میں سے شمار کردیا گیا اور لا رنفی جنس کے اسم میں تو یہ قاعدہ بھی نہیں جاری ہوسکتا کیونکہ اکثر حال میں وہ منصوب نہیں ہوتا

قولہ ولا یبعد الخ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر دیگر منصوبات کی طرح اسم لا التی لنفی الجنس ہو المسند الیہ الخ کہا جائے اور اسم لا کو مطلقا منصوبات میں شمار کیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ لا رکا اسم اسی کو کہیں گے جو منصوب ہو خواہ منصوب لفظاً ہو مثلاً مضاف ہو جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا۔ یا مشابہ مضاف ہو جیسے لا خیرا من زید جالسٌ عندنا ہمارے پاس زید سے بہتر کوئی بیٹھنے والا نہیں۔ اول مثال میں غلام مضاف ہے اور دوسری مثال میں خیراً شبہ مضاف ہے۔ یا محلا منصوب ہو مثلا مبنی ہو جیسے لا حول ولا قوۃ یہاں حول اور قوۃ کے علاوہ یعنی نکرہ مفردہ کے علاوہ کوئی اور اسم معرب ہوتا تو منصوب ہوتا اعراب محلی کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ لا رنفی جنس کا اسم اسی کو کہیں گے جو منصوب ہو خواہ نصب کی ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہو اور جو منصوب نہیں ہے بلکہ مرفوع ہے وہ لا رنفی جنس کا اسم نہیں۔

قولہ وھذا المقدار کاف فی حد اسمہا مطلقا الخ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ لا رنفی جنس کے اسم کی تعریف تو ہو المسند الیہ بعد دخولہا سے پوری ہوگئی پھر مصنف نے یلیہا۔ نکرۃ مضافا او مشبہا بہ کا اضافہ کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف کا مقصد لا رنفی جنس کے اس اسم کی تعریف کرنا ہے جو منصوب ہے اس لئے اتنی قیود کا اضافہ کیا ہے اگر یہ قیود نہ پائی جائیں گی تو لا رنفی جنس کا اسم منصوب ہوگا یلیہا میں یلی کا فاعل مسند الیہ ہے اور ہا ضمیر لفظ لا ر کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ لا رنفی جنس کا اسم

الیہ اوالاولی منہ اومن الضمیر المجرور فی دخولہا ومابقی من الضمیر المرفوع فی یلیہا مثل لاغلام رجلٍ مثال لما یلیہا نکرۃ مضافا وفی بعض النسخ لاغلام رجلٍ ظریف فیہا وقد عرفت فی المرفوعات تحقیق قولہ فیہا ولاعشرین درھما لک مثال لما یلیہا نکرۃً مشبہا بالمضاف وقولہ لک علی النسخ المشہورۃ من تتمۃ المثالین

---

اس وقت منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ اسم لا کے متصل ہو درمیان میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نکرہ ہو معرفہ نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ لا کا اسم مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔ ان قیود کا فائدہ ابھی آپ کو معلوم ہوجائیگا۔ مشابہ مضاف کا مطلب اس سے قبل متعدد بار بیان کیا جاچکا ہے کہ جس طرح مضاف محتاج ہوتا ہے مضاف الیہ کا۔ بغیر اس کے مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے اسی طرح جو اسم ایسا ہو کہ اس کے معنی بغیر دوسرے اسم کے ملائے نہ پورے ہوتے ہوں تو اس کو مشابہ مضاف کہتے ہیں۔

اب ان کی ترکیب سنیئے۔ یہ چاروں الفاظ ترکیب میں حال واقع ہیں ان کے ذوالحال میں تین احتمال ہیں

(۱) یہ سب کے سب المسندالیہ میں جو ہ ضمیر مجرور ہے اس سے حال واقع ہوں۔

(۲) ان میں سے اول یعنی یلیہا تو مسندالیہ کی ہ ضمیر مجرور سے حال ہو اور باقی یلیہا کی ضمیر مرفوع ہُو ضمیر سے جو فاعل ہے حال واقع ہوں۔

(۳) یلیہا حال واقع ہو دخولہا کی ہا ضمیر سے جو مضاف الیہ ہے اور باقی یلیہا کی ہو ضمیر مرفوع سے جو مسندالیہ کی طرف راجع ہے اس سے حال واقع ہوں۔

پہلی صورت میں یہ حال مترادفہ ہونگے باقی صورتوں میں حال متداخلہ ہوں گے۔

احوالِ مترادفہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذوالحال سے کئی حال واقع ہوں تو ان سب احوال کو احوالِ مترادفہ کہا جائے گا اور اگر ایک ذوالحال سے ایک حال واقع ہو پھر اس حال سے دوسرا حال ہو اور دوسرے سے تیسرا ہو تو ان احوال کو احوال متداخلہ کہا جائے گا۔

قولہ لاغلام رجلٍ الخ اسمیں لا رنفی جنس کا اسم لا رکے متصل ہے اور نکرہ ہے مضاف ہے۔ بعض نسخوں میں لاغلام رجلٍ ظریف فیہا بھی ہے اس کا فائدہ مرفوعات میں گذر چکا ہے کہ اگر فیہا نہ کہتے تو مطلب یہ ہوتا کہ مرد کا کوئی غلام ظریف نہیں حالانکہ یہ واقعہ اور مقصود دونوں کے خلاف ہے فیہا کے اضافہ کے بعد مطلب یہ ہوگا، مرد کا ظریف غلام اسوقت گھر میں موجود نہیں اور یہ صحیح ہے۔

قولہ لاعشرین درھما لک الخ اسمیں لا رنفی جنس کا اسم عشرین لا کے متصل ہے نکرہ ہے اور مشابہ مضاف ہے۔ اس مثال میں لک کا تعلق پہلی اور دوسری مثال دونوں سے ہے یعنی لا رنفی جنس کی یہ خبر ہے اور بعض نسخوں میں پہلی مثال لاغلام رجلٍ کے بعد ظریف فیہا ہے اس نسخہ کی بنا رپر ظریف فیہا لا رنفی جنس کی خبر ہے اسوقت لک کا تعلق صرف دوسری مثال سے ہوگا۔

کلیہما فان کان ای المسند الیہ بعد دخولہا غیر واقع علی الاحوال المذکورۃ بل کان مفردا بانتفاء الشرط الاخیر فقط وھوکونہ مضافا او مشبہا بہ ای یلیہا نکرۃ غیر مضاف ولا مشبہا بہ لیترتب علیہ قولہ فھو مبنی علی ما ینصب بہ فانہ لوکان مفرداً معرفۃ اومفصولاً فحکمہ غیر ذلک وقولہ علی ما ینصب بہ ای علی ما کان ینصب بہ المفرد قبل دخول لا علیہ وھو الفتح فی الموحد نحو لا رجل فی الدار والکسر فی جمع المؤنث السالم بلاتنوین نحو لا مسلمات فی الدار والیاء المفتوح ما قبلہا فی المثنی والمکسور ما قبلہا فی جمع المذکر السالم نحو لا مسلمین ولا مسلمین لک ویعنی بالمفرد مالیس بمضاف ولا مضارع لہ فیدخل فیہ المثنی والمجموع

---

قولہ فان کان مفرداً الخ اس سے پہلے یلیہا نکرۃ مضافا کی قیود پائے جانے کے وقت لائنفی جنس کے اسم کا یہ حکم بیان کیا تھا کہ وہ منصوب ہوگا۔ اگر یہ قیود نہ پائی جائیں تو کیا حکم ہے اب اس کو بیان کررہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ یعنی لا کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو باقی قیود پائی جاتی ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ یلیہا کی قید بھی پائی جاتی ہو اور نکرہ کی بھی صرف اخیر کی قید نہ ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو تو اس صورت میں لا کے اسم کو علامتِ نصب پر مبنی کردینگے اور نکرہ کی قید یا یلیہا کی قید نہ پائی جائے مثلاً نکرہ کے بجائے معرفہ ہو یا لا کا اسم لا کے متصل نہ ہو تو پھر ان دونوں صورتوں کا حکم مبنی علی ما ینصب بہ نہ ہوگا بلکہ کچھ اور ہوگا جس کا بیان ابھی آرہا ہے۔

قولہ ای علی ما ینصب بہ المفرد قبل دخول لا علیہ الخ یہ اعتراض کا جواب ہے۔
اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت میں تناقض ہے۔ وہ یہ ہے کہ مبنی سے معلوم ہوتا ہے کہ لائنفی جنس کا اسم اگر لا کے متصل ہو اور نکرہ مفرد ہو تو مبنی ہوگا اور ینصب سے معلوم ہوتا ہے کہ معرب ہوگا کیونکہ نصب معرب کی حرکت کو کہتے ہیں۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ تناقض کے شرائط میں سے ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ نصب کا زمانہ لا کے دخول سے پہلے ہے اور مبنی ہونے کا زمانہ لا کے داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لا کے داخل ہونے سے پہلے اسم پر نصب کی حالت میں جو حرکت ہوتی ہے لا کے داخل ہونے کے بعد اسی حرکت پر لا کا اسم مبنی ہو جائے گا۔ اگر مفرد ہے تو فتحہ پر مبنی ہوگا جیسے لا رجل فی الدار اور جمع مونث سالم ہو تو کسرہ پر مبنی ہوگا جیسے لا مسلماتِ فی الدار کسرہ کے ساتھ بغیر تنوین کے اور تثنیہ میں یاء ماقبل مفتوح ہوگا جیسے لا مسلمین۔ جمع مذکر سالم ہو تو یاء ماقبل مکسور ہوگا جیسے لا مسلمِینَ لک۔
مصنف کی عبارت میں مفرد سے مراد یہ ہے کہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو اسلئے یہاں مفرد کے حکم میں تثنیہ اور جمع بھی شریک ہوں گے یعنی اگر لائنفی جنس کا اسم تثنیہ ہو یا جمع ہو تو وہ بھی مبنی ہونگے جیسا کہ ابھی اسکی مثالیں بیان کی گئیں ہیں

وانما بنی لتضمنہ معنی من اذ معنی لا رجل فی الدار لا من رجل فیہا لانہ جواب لمن یقول ہل من رجل فی الدار حقیقۃ او تقدیرا فحذف من تخفیفا وانما بنی علی ما ینصب بہ لیکون البناء علی حرکۃ او حرف استحقہا النکرۃ فی الاصل قبل البناء ولم یبن المضاف ولا المضارع لہ لان الاضافۃ ترجح جانب الاسمیۃ فیصیر الاسم بہا الی ما یستحقہ فی الاصل اعنی الاعراب فان کان ای المسند الیہ بعد دخولہا معرفۃ بانتفاء شرط

---

قولہ وانما بنی الخ یعنی لا رنفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفرد ہو تو مبنی ہوتا ہے اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ من کے معنی کو متضمن ہے اور من حرف ہے جو کہ مبنی الاصل ہے اور جو مبنی الاصل کو متضمن ہو وہ مبنی ہوتا ہے۔ معنی من کو متضمن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لا رجل فی الدار اصل میں لا من رجل فی الدار ہے کیونکہ یہ ہل من رجل فی الدار کے جواب میں ہے خواہ یہ سوال حقیقۃً کیا گیا ہو یا فرض کر لیا جائے بہرحال سوال میں من ہے اسلئے جواب میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے گا پھر تخفیف کی غرض سے من کو حذف کر دیا گیا ہے۔

قولہ انما بنی علی ما ینصب بہ الخ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ لا رنفی جنس کا اسم اگر لا ر کے متصل ہو اور نکرہ مفردہ ہو تو علامت نصب پر مبنی ہوگا شارح اسکی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ علامت رفع یا سکون پر کیوں مبنی نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ علامت نصب پر مبنی کرنے میں حرکت بنائیہ اور حرکت اعرابیہ میں موافقت کی شکل ہے توضیح اسکی یہ ہے کہ لا رنفی جنس کا اسم اگر مبنی نہ ہوتا یعنی لا ر کے دخول سے پہلے مفرد کی صورت میں ہوتا تو اس پر نصب آتا یعنی دو زبر تنوین کی شکل میں آتے اب لا ر کے داخل ہونے کے بعد دو زبر کے بجائے ایک زبر ہوگا لیکن ہے تو زبر اگر رفع یا سکون پر مبنی کرتے تو یہ موافقت نہ ہوتی اور اگر وہ اسم جس پر لا رنفی جنس داخل ہوا ہے تثنیہ یا جمع ہے تو لا ر کے داخل ہونے سے پہلے اس پر نصب کی صورت میں تثنیہ میں یا ماقبل مفتوح ہوتا اور جمع میں یا ماقبل مکسور ہوتا لیکن لا ر کے داخل ہونے سے پہلے تثنیہ اور جمع معرب ہو گئے اب لا ر کے داخل ہونے کے بعد تثنیہ اور جمع اپنی اپنی علامتوں پر مبنی ہو جائینگے ان میں معرب اور مبنی کی صورت بالکل ایک ہی طرح کی ہے لیکن معرب ہونے کی صورت میں یا ر ماقبل مفتوح تثنیہ میں تثنیہ کے معرب ہونے کی علامت ہے اور مبنی ہونے کے بعد مبنی ہونے کی علامت ہے اور یا ر ماقبل مکسور جمع میں معرب ہونیکی حالت میں معرب ہونیکی اور مبنی ہونیکے بعد مبنی ہونے کی علامت ہے۔

قولہ ولم یبن المضاف ولا المضارع لہ الخ مضاف اور مشابہ مضاف اگر لا ر کا اسم ہوں تو وہ مبنی نہیں ہوتے اسلئے کہ اضافت اسم کا خاصہ ہے اسلئے اسمیت کی جانب کو ترجیح دیجائے گی اور اسم میں معرب ہونا اصل ہے اس لئے جو اسم مضاف ہوگا اسکو معرب قرار دیا جائے گا وہ مبنی نہ ہوگا یہی حال مشابہ مضاف کا ہے۔

قولہ فان کان معرفۃ الخ آپ کو یاد ہوگا کہ لا رنفی جنس کا اسم اسوقت منصوب ہوتا ہے کہ جب لا ر کا اسم لا ر کے ساتھ متصل ہو۔ نکرہ ہو۔ مضاف یا مشابہ مضاف ہو یعنی یہ تینوں شرطیں اگر پائی جائیں تو لا ر کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ اگر یہ تینوں شرطیں نہ پائی جائیں تو لا رنفی جنس کا اسم منصوب نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم نصب کے علاوہ کچھ اور ہوگا۔

النكارة اومفصولا بينه اى بين ذلك المسند اليه وبين لا بانتفاء شرط الاتصال على سبيل منع الخلو سواء كان مع انتفاء شرط كونه مضافا اومشبها به اولا وهى ست صور نحو لا زيد فى الدار ولا عمرو ولا غلام زيد فى الدار ولا عمرو ولا فى الدار رجل ولا امرأة ولا فى الدار غلام رجل ولا امرأة ولا فى الدار زيد و لا

---

اس کے بعد فان کان معرفۃ لاکر یہ بیان کیا کہ اگر لار نفی جنس کا اسم نکرہ ہو اور متصل بھی ہو لیکن تیسری شرط جو مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کی ہے وہ نہ ہو تو پھر لار کا اسم علامتِ نصب پر مبنی ہوگا۔

اب فان کان معرفۃ اومفصولا الخ سے پہلی دو شرطوں کے انتفار کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ اگر دوسری شرط نہ پائی جائے یعنی لار کا اسم نکرہ نہ ہو بلکہ معرفہ ہو یا پہلی شرط نہ پائی جائے یعنی لار کا اسم لار کے متصل نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان فصل ہو جائے۔ یا دونوں ہی شرطیں منتفی ہو جائیں تو ان صورتوں میں لار کے اسم پر ابتدار کی بنار پر رفع واجب ہوگا اور لار کا تکرار مع اسم کے واجب ہوگا۔

قولہ علیٰ سبیل منع الخلو الخ یعنی حکم مذکور کے لئے شرط نکارت اور شرط اتصال میں سے کسی ایک کا انتفار ضروری ہے۔ اگر دونوں انتفار میں جمع ہو جائیں یعنی دونوں شرطیں ایک ساتھ منتفی ہو جائیں تب بھی اسم پر رفع اور تکرار لار مع اسم واجب ہے

قولہ سواء کان مع انتفاء شرط کونہ مضافا اومشبہا الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی جو حکم بیان کیا گیا ہے یعنی لار کے اسم پر رفع اور تکرار لا مع اسم اس حکم کے لئے پہلی دو شرطوں کا انتفار علیٰ سبیل منع الخلو ضروری ہے جس کی تفصیل ابھی بیان کی گئی ہے۔ اس حکم میں تیسری شرط یعنی مضاف یا مشابہ مضاف ہونے کے انتفار یا عدم انتفار کو کچھ دخل نہیں خواہ لار کا اسم مضاف یا مشابہ مضاف ہو یا نہ ہو بہر صورت لار کے اسم پر رفع ہوگا اور تکرار لا مع اسم واجب ہوگا۔

قولہ وهى ست صور الخ اصولی طور پر تو نو صورتیں نکلتی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے: لار نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو اس کی تین صورتیں ہوں گی (۱) معرفہ مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو (۲) معرفہ ہو اور مضاف ہو (۳) معرفہ ہو اور شبہ مضاف ہو۔ اگر لار کا اسم مفصول ہو یعنی لار کے درمیان اور اس کے اسم کے درمیان فصل ہو تو اس کی بھی یہی تین صورتیں ہیں۔ اگر لار کا اسم معرفہ اور مفصول دونوں ہو تو اس میں بھی یہی مذکورہ بالا تین صورتیں نکلیں گی۔ یہ کل نو صورتیں ہیں لیکن مشابہ مضاف کو مضاف پر قیاس کیا جا سکتا ہے اس لئے شارح نے تینوں احتمالات میں مشابہ مضاف کی صورتوں کو ترک کر دیا ہے اور جب یہ تین صورتیں متروک ہو گئیں تو چھ صورتیں باقی رہیں جن کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) لار کا اسم معرفہ ہو لیکن مفصول نہ ہو اور نہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو جیسے لا زید فى الدار ولا عمرو۔

عمرو ولا فی الدار غلام زید ولا عمرو وجب فی جمیع ھذہ الصور الست الرفع علی الابتداء اما فی المعرفۃ فلامتناع اثر لا النافیۃ للجنس فیھا واما فی المفصول فلضعف لا عن التاثیر مع الفصل والتکریر ای وجب تکریر اسمہ لکن مطلقا لا بعینہ اما فی المعرفۃ لیکون کالعوض عما فی التنکیر من معنی نفی الاحاد واما فی النکرۃ لیکون مطابقا لما ھو جواب لہ من مثل قول السائل فی الدار رجل

---

(۲) لا کا اسم معرفہ ہو مضاف ہو مفصول نہ ہو جیسے لا غلام زید فی الدار ولا عمرو۔

(۳) لا کا اسم مفصول ہو۔ معرفہ نہ ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف بھی نہ ہو جیسے لا فی الدار رجل ولا امرأۃ

(۴) مفصول ہو۔ مضاف ہو معرفہ نہ ہو جیسے لا فی الدار غلام رجل ولا امرأۃ۔ اس میں غلام کی اضافت رجل نکرہ کی طرف ہے اسلئے نکرہ ہے۔

(۵) مفصول ہو اور معرفہ ہو۔ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو لا فی الدار زید ولا عمرو۔

(۶) معرفہ ہو۔ مضاف ہو مفصول ہو جیسے لا فی الدار غلام زید ولا عمرو۔ اس میں غلام کی اضافت زید کی طرف ہے جو معرفہ ہے اسلئے غلام معرفہ ہوگا۔

قولہ وجب الرفع الخ یعنی ان مذکورہ چھ صورتوں میں رفع واجب ہوگا۔ اور یہ رفع مبتدا ہونے کی بنا پر ہوگا۔ معرفہ کی صورت میں رفع اسوجہ سے واجب ہوگا کہ لا نفی جنس نکرہ کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے اس لئے اس کا اثر معرفہ میں ظاہر نہ ہوگا۔ اور لا اور اس کے اسم کے درمیان فصل کی صورت میں رفع اس لئے واجب ہوگا کہ لا عامل ضعیف ہے وہ معمول مفصول میں عمل نہ کر سکے گا۔

قولہ والتکریر الخ یعنی لا کے اسم معرفہ اور مفصول کی صورت میں جس کا تفصیلی بیان ابھی گذرا ہے لا کا تکرار مع اسم کے واجب ہوگا۔ لا کا اسم معرفہ ہو تو اس میں تکرار لا اس لئے ضروری ہے کہ اصل میں لا نفی جنس۔ جنس کی نفی کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد ہوتا ہے اور تعدد نکرہ میں تو ہوتا ہے معرفہ میں نہیں ہوتا اسلئے معرفہ کی صورت میں لا کو مکرر لایا جاتا ہے تاکہ تکرار اس تعدد کے قائم مقام ہو جائے جو نکرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور اگر لا کا اسم نکرہ ہو لیکن اسم کے درمیان اور لا کے درمیان فصل ہو جائے تو اس میں تکرار لا اس لئے ضروری ہے کہ سوال اور جواب میں مطابقت ہو جائے۔ سوال کی صورت ہے" افی الدار رجل ام امرأۃ "۔ اس کا جواب دیا جائے گا لا فی الدار رجل ولا امرأۃ

سوال میں اسم مکرر ہے اس لئے جواب میں بھی مکرر ہوگا اور جواب نفی کے ساتھ ہے اس لئے تکرار اسم کے ساتھ تکرار لا بھی ہو جائے گا۔

ام امرأة وهذا التعليل جارٍ فی المعرفة ایضا ونحو قضية اى هذه قضية ولا اباحسن لها اى لهذه القضية هذا جواب دخلٍ مقدر على قوله وان كان معرفة وجب الرفع والتكرير فان اسم لا فيه معرفة لان اباحسن كنية على ولا رفع فيه ولا تكرير بل هو منصوب غير مكرر فاجاب بانه متأول بالنكرة اما بتقدير المثل اى ولا مثل ابى حسن لها فان مثلا لتوغله فى الابهام لا يتعرف بالاضافة الى المعرفة او بتاويله بفيصل بين الحق والباطل لاشتهاره بهذه الصفة فكانه قيل لا فيصل لها ويقوى هذه التاويل ايراد حسن بحذف

---

قولہ وهذا التعليل جار فی المعرفۃ ایضا الخ شارح فرماتے ہیں کہ یہ علت مذکورہ معرفہ میں بھی جاری کی جاسکتی ہے یعنی لار کا اسم اگر معرفہ ہو تو اس صورت میں تکرار لا مع اسم اس لئے ضروری ہے کہ سوال وجواب میں مطابقت ہو جائے کیونکہ سوال کی صورت میں جس طرح نکرہ مکرر ہوتا ہے معرفہ بھی مکرر ہو سکتا ہے اس لئے جواب میں سوال کی مطابقت کی وجہ سے جس طرح لار کا اسم نکرہ ہو تو وہ مکرر لایا جاتا ہے اسی طرح اگر اسم معرفہ ہو تو وہ بھی مکرر لایا جائے گا۔

قولہ ونحو قضیۃ۔ ولا اباحسن لہا الخ قضیۃ سے پہلے ہذہ مبتدا محذوف ہے۔ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ابھی یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ لار نفی جنس کا اسم اگر معرفہ ہو تو لار کا تکرار مع اسم کے واجب ہے اور اس مثال میں اباحسن لا کا اسم ہے اور حضرت علی کی کنیت ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے کیونکہ کنیت بھی عَلَم ہے اور علم معرفہ ہوتا ہے تو اس قاعدہ کی بنا پر یہاں بھی لار مع اسم کے مکرر ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مصنف اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مثال مذکور میں اباحسن کو نکرہ کی تاویل میں کر لیا جائے گا۔ اور اس کی تاویل دو طریقے پر ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے مثل کا لفظ مضاف ہے جو محذوف ہے اور لفظ مثل میں ابہام کثیر پائے جانے کی وجہ سے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود یہ معرفہ نہ ہوگا۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ یہاں حضرت علی کی کنیت مراد نہیں ہے بلکہ اس سے حضرت علی کا وصف مشہور یعنی فیصل (فیصلہ کرنے والا) مراد ہے کیونکہ حضرت علی رض حق کے ساتھ فیصلہ کرنے میں مشہور تھے اور جب وصف مراد ہے تو عَلَم نہ رہا اور جب عَلَم نہ رہا تو معرفہ نہ ہوگا۔ اس تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اباحسن کو لام کے ساتھ نہیں لائے یعنی ابا الحسن نہیں کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس میں تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی کوئی بھی فیصلہ کرنے والا ہو۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ یہ اہم معاملہ پیش آگیا اور اس کے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

اللام لان اللّٰم ان تنوینہ للتنکیر وفی مثل لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ ای فیما کررت فیہ لا علی سبیل العطف وکان عقیب کل منہما نکرۃ بلا فصل یجوز خمسۃ اوجہ بحسب اللفظ لا بحسب التوجیہ فانہا بحسب التوجیہ تزید علیہا الاول فتحہما ای لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ علی ان تکون لا فی کل منہما لنفی الجنس ولا قوۃ عطفا علی لاحول عطف مفرد علی مفرد وخبرہا محذوف ای لاحول و لا قوۃ موجود الا باللّٰہ او عطف جملۃ علی جملۃ ای لاحول الا باللّٰہ ولا قوۃ الا باللّٰہ فحذف خبر الجملۃ الاولیٰ استغناء عنہ لخبر الجملۃ الثانیۃ والثانی فتح الاول ونصب الثانی ای لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ اما فتح الاول فلان لا الاولیٰ لنفی الجنس واما نصب الثانی فلان لا الثانیۃ مزیدۃ لتاکید النفی و الثانی معطوف علی الاول فیکون منصوبا حملا علی لفظہ لمشابہۃ حرکتہ حرکۃ الاعراب ویجوزان یقدر لہما خبر واحد وان یقدر لکل منہما خبر علی حدۃ والثالث فتح الاول ورفعہ ای رفع الثانی نحو لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ اما فتح الاول فلان لا الاولیٰ لنفی الجنس واما رفع الثانی فلان لا زائدۃ والثانی

---

قولہ وفی مثل لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ خمسۃ اوجہ الخ یہاں مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر ایک لا کے بعد نکرہ بغیر فصل کے واقع ہو تو ایسی ترکیب میں پانچ صورتیں باعتبار لفظ کے جائز ہیں توجیہ کے اعتبار سے پانچ سے زائد ہو جائیں گی اس کا مطلب یہ ہے کہ حرکات کے اعتبار سے اس کو پانچ طرح سے پڑھا جائے گا اور اگر ان حرکات کی وجہ کا لحاظ کیا جائے کہ یہ حرکت کیوں ہے تو اس اعتبار سے پانچ صورتوں سے زائد ہو سکتی ہیں وہ پانچ صورتیں یہ ہیں (۱) دونوں اسموں پر فتحہ ہو جیسے لاحولَ و لا قوۃَ الا باللّٰہ۔ اس صورت میں دونوں جگہ لا نفی جنس ہے اور ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ مثال مذکور ایک جملہ ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دو جملے ہوں اگر ایک جملہ ہو تو عطف مفرد کا مفرد پر ہوگا اور دونوں کی خبر ایک ہوگی اور تقدیر عبارت یہ ہوگی لا حول عن المعصیۃ ولاقوۃ علی الطاعۃ موجودان لشئ الا باللّٰہ۔ اور اگر دو جملے ہوں تو عطف جملہ کا جملہ پر ہوگا اور ہر ایک کی خبر علیحدہ علیحدہ ہوگی اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لاحول الا باللّٰہ ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ باللّٰہ دونوں کی خبر ہے اس کو ہر جملہ کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہونا چاہیئے۔ لیکن پہلے جملہ کی خبر کو بقرینہ خبر جملہ ثانیہ حذف کر دیا گیا۔

(۲) اول کا فتحہ اور ثانی کا نصب جیسے لاحولَ ولا قوۃً الا باللّٰہ۔ اس میں اول پر فتحہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لا نفی جنس کا اسم ہے اور لا نفی جنس اگر نکرہ مفرد ہے تو مبنی ہوتا ہے فتحہ پر اور ثانی کا نصب اس وجہ سے

معطوف علی محل الاول لانہ مرفوع بالابتداء عطف مفرد علی مفرد بان یقدر لہما خبر واحد وعطف جملۃ علی جملۃ بان یقدر لکل منہما خبر علی حدۃ والرابع رفعھما بالابتداء نحو لاحولٌ ولا قوۃٌ الا باللہ لانہ جواب قولہم ابغیر اللہ حول وقوۃ فجاء بالرفع فیہما مطابقۃ للسوال ویجوز الامران ھھنا ایضا والخامس رفع الاول علی ان لا بمعنی لیس علی ضعف فان عمل لا بمعنی لیس قلیل وفتح الثانی نحو لاحول ولاقوۃ الا باللہ علی ان تکون لا لنفی الجنس وضعف وجہ ضعف رفع الاول بانہ یجوز ان یکون رفعہ لالغاء

---

ہے کہ اس میں لا زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لئے ہے اور ثانی کا عطف اول کے لفظ پر ہے اور اول اگرچہ اس وقت لفظ کے اعتبار سے مبنی ہے لیکن اس پر فتحہ کی حرکت عامل یعنی لا کی وجہ سے آئی ہے اس وجہ سے یہ حرکت مشابہ ہوگی معرب کی حرکت کے یعنی اول اسم کو معرب فرض کرلیا جائے گا اسوجہ سے ثانی جو معرب ہے اس کا عطف اول کے لفظ پر صحیح ہوجائے گا اور یہ عطف مفرد کا مفرد پر ہوگا۔ اگر دونوں کی خبر ایک مانی جائے اور عطف جملہ کا جملہ پر ہوگا اگر ہر ایک کی خبر علیحدہ علیحدہ نکالی جائے۔

(۳) اول اسم پر فتحہ ہو اور ثانی پر رفع ہو جیسے لاحولَ ولا قوۃٌ الا باللہ اس صورت میں اول پر فتحہ تو اس وجہ سے کہ وہ لا رنفی جنس کا اسم ہے جیساکہ اس سے پہلے دو صورتوں میں ہے اور ثانی پر رفع اس وجہ سے ہے کہ لا زائدہ ہے اور ثانی کا عطف اول پر اسکے محل کے اعتبار سے ہے اور اسم اول محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ وہ مبتدا ہے اور یہاں بھی عطف کی مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی عطف مفرد کا مفرد یا جملہ کا جملہ پر۔

(۴) دونوں اسموں پر رفع ہو جیسے لاحولٌ ولا قوۃٌ الا باللہ اسمیں دونوں جگہ لا ملغی ہے عمل نہ کرے گا اور دونوں اسموں پر رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے دراصل یہ عرب کے قول ابغیر اللہ حول وقوۃ کے جواب میں ہے چونکہ سوال میں ان دونوں پر رفع ہے اس لئے جواب میں بھی رفع ہوگا تاکہ سوال اور جواب میں مطابقت رہے اور عطف کی یہاں بھی مذکورہ دونوں صورتیں ہونگی۔

(۵) اول کا رفع اور ثانی کا فتحہ۔ اسمیں ثانی کا فتحہ تو اس وجہ سے ہے کہ وہ لا رنفی جنس کا اسم ہے جیساکہ اس سے پہلے کی مثالوں میں اس کا بیان آچکا ہے۔ اول کا رفع اس بنا پر ہے کہ لا بمعنی لیس ہے اس کو مصنف رہ نے ضعیف کہا ہے کیونکہ لا رلیس کے معنی میں کم آتا ہے۔

قولہ: وضعف وجہ ضعف رفع الاول الخ مصنف نے فرمایا کہ پانچویں صورت میں اول کا رفع ضعیف ہے کیونکہ اسمیں رفع اسوجہ سے آئیگا کہ لا بمعنی لیس ہے اور لا رلیس کے معنی میں کم آتا ہے اسوجہ سے رفع ضعیف ہوگا۔ شارح اس کو رد فرمارہے ہیں کہ یہ کیا ضروری ہے کہ اول پر رفع لا رمشابہ بلیس کی وجہ سے ہو بلکہ یہ بھی تو

عمل لا بالتکریر لا لکونھا بمعنی لیس لان شرط صحۃ الغائھا التکریر فقط وقد حصل ھٰہنا ولا دخل فیھا لتوافق الاسمین بعدھا فی الاعراب فھٰذا علی التوجیہ الاول متعین لعطف جملۃ علی جملۃ ای لا حول الا باللّٰہ ولا قوۃ الا باللّٰہ والا یلزم ان یکون قولہ الا باللّٰہ منصوبا ومرفوعًا وعلی التوجیہ الثانی یحتمل ان یکون من قبیل عطف مفرد علی مفرد او عطف جملۃ علی جملۃ کما لا یخفٰی واذا دخلت الھمزۃ علی لا التی لنفی الجنس لم یتغیر العمل ای عمل لا اے تاثیرھا فی

---

احتمال ہے کہ لار چونکہ مکرر ہے اس وجہ سے ملغیٰ ہو اور اول پر رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے ہو۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ لار کے ملغیٰ ہونے میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ لار مکرر ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں اسموں پر رفع ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ اول پر رفع ہے اور ثانی پر رفع نہیں بلکہ اس پر فتحہ ہے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ لار کے ملغیٰ ہونے میں صرف تکرار لازمی ہے دونوں اسموں کا اعراب کے اعتبار سے موافق ہونا ضروری نہیں ہے۔

قولہ فھٰذا علی التوجیہ الاول الخ پانچویں صورت میں ایک توجیہ تو مصنف نے بیان کی ہے اور دوسری توجیہ شارح نے بیان کی ہے۔ مصنف نے یہ فرمایا ہے کہ پہلے اسم پر رفع لار مشابہ بلیس کے اسم کی وجہ سے ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے ثانی پر فتحہ لار نفی جنس کی وجہ سے۔ اس توجیہ کی بنار پر دونوں اسموں کے عامل علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا یعنی پہلا جملہ علیحدہ ہوگا اور دوسرا جملہ علیحدہ ہوگا اور ہر ایک کی خبر علیحدہ علیحدہ ہوگی دونوں کی خبر ایک نہیں ہوسکتی ورنہ لازم آئے گا کہ خبر یعنی الا باللّٰہ منصوب بھی ہو اور مرفوع بھی کیونکہ اول جگہ لا مشابہ بلیس ہے جس کی خبر منصوب ہوتی ہے اور دوسری جگہ لار نفی جنس ہے اور اسکی خبر مرفوع ہوتی ہے تو ایک ہی خبر کا منصوب اور مرفوع ہونا لازم آئے گا، جو محال ہے۔

البتہ شارح کی توجیہ کی بنار پر عطف کی دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں کیونکہ لار دونوں جگہ ملغیٰ ہے عامل نہیں ہے اس لئے جائز ہے کہ دونوں کی خبر ایک مان کر عطف مفرد کا مفرد پر قرار دیا جائے یا دونوں کی خبر علیحدہ علیحدہ مان کر عطف جملہ کا جملہ پر کیا جائے۔

قولہ واذا دخلت الھمزۃ الخ لار نفی جنس پر اگر ہمزہ داخل ہو تو اس کی وجہ سے لار کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے اگر لار کا اسم مبنی ہے تو وہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی مبنی ہوگا اور اگر معرب ہے تو ہمزہ کے بعد بھی معرب ہوگا۔ البتہ معنی میں تغیر ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد یا تو استفہام کے معنی ہوں گے جیسے الا رجل فی الدار۔ اس میں دریافت کیا جارہا ہے کہ گھر میں کوئی مرد ہے کہ نہیں۔ اور یا عرض کے معنی ہوں گے جیسے الا نزول عندی۔ اس میں درخواست کی جارہی ہے کہ آپ

مدخولها اعرابًا وبناءً لان العامل لا یتغیر عمله لدخول کلمة الاستفهام ومعناها
ای معنی الهمزة الداخلة علی لا التی لنفی الجنس اما الاستفهام حقیقة فنقول
الارجل فی الدار مستفهما واما العرض مثل الانزول عندی ولم یذکر سیبویه
ان حال لا فی العرض کحاله قبل الهمزة بل ذکره السیرافی وتبعه الجزولی والمص
ورد ذلک الاندلسی وقال هذا اخطاء لانها اذ کانت عرضًا کانت من حروف
الافعال مثل ان ولو وحروف التحضیض فیجب انتصاب الاسم بعدها نحو
الا زیدًا تکرمه واما التمنی نحو الاماء اشربه حیث لا یرجیٰ ماء واما قوله ع
الا رجلا جزاه الله خیرا فهذه عند الخلیل لیست لا الداخلة علیها حرف

---

میرے پاس کیوں تشریف نہیں لاتے اور کبھی تمنی کے معنی ہونگے جیسے الاماء اشربہ اس میں آرزو کی جارہی ہے کہ کاش مجھے پانی ملتا کہ میں اس کو پیتا۔ یہ اسوقت کہا جائے گا جب پانی کی امید نہ ہو۔

قولہ ولم یذکر سیبویہ الخ مصنفؒ پر اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف تو قواعد بیان کرنے میں سیبویہ کی اتباع کرتے ہیں اور سیبویہ نے یہ نہیں بیان کیا ہے کہ ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کے بعد اگر عرض کے معنیٰ ہوں تو اس صورت میں بھی ہمزہ کی وجہ سے لا کے عمل میں کوئی تغیر نہ ہوگا۔

شارح جواب دے رہے ہیں کہ اس سلسلے میں سیبویہ سے کچھ مذکور ہی نہیں اسلئے مصنف پر عدم اتباع کا الزام نہیں لگایا جاسکتا البتہ سیرافی نے یہ بات بیان کی ہے کہ عرض کی صورت میں بھی ہمزہ کی وجہ سے لا کے عمل پر کوئی اثر نہ پڑے گا جزولی اور مصنف نے اس مسئلہ میں سیرافی کی اتباع کی ہے اور اندلسی نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد جب عرض کے معنی ہوں گے تو یہ حروف افعال میں سے ہوگا یعنی اس کا حال ان حروف جیسا ہوگا جن کے بعد فعل مقدر ہوتا ہے جیسے اِن اور لَو ہے جو حروف شرط ہیں یا جیسے حروف تحضیض تو جس طرح حروف شرط اور حروف تحضیض کے بعد فعل مقدر ہوتا ہے۔ عرض کی صورت میں ہمزہ کے بعد بھی فعل مقدر ہوگا۔ جیسے الا زیدًا تکرمہ، یہ اضمار علیٰ شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہے اصل میں الا تکرم زیدًا تکرمہ ہے۔

قولہ واما قولہ ع الا رجلا جزاہ اللہ خیرا الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ متن کے اندر مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ لا نفی جنس پر اگر ہمزہ داخل ہو تو لا کا عمل باطل نہیں ہوتا یعنی ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے لا کے مدخول کا جو حال تھا وہی باقی رہیگا اس پر اعتراض یہ ہے کہ مثال مذکور یعنی الا رجلا جزاہ اللہ الخ میں لا کا عمل باطل ہوگیا ہے کیونکہ ہمزہ سے پہلے لا نفی جنس کے اسم پر فتحہ تھا کیونکہ رجل نکرہ ہے اور مفرد ہے ایسی صورت میں لا کا اسم فتحہ پر مبنی ہوتا ہے لیکن ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد یہاں رجلا پر نصب آگیا اور لا کا عمل متغیر ہوگیا شارح نے اس کے دو جواب دئے ہیں پہلا جواب خلیل کے مذہب پر مبنی ہے اور دوسرا یونس

الاستفهام ولكنه حرف موضوع للتحضيض براسه فكانه قال الاترونني رجلا يعني هلا ترونني رجلا ولذلك نصب و نون وهي عند يونس لا التي دخلت عليها همزة الاستفهام بمعنى التمني فكان القياس الا رجل ولكنه نونه لضرورة الشعر ونعت اسم لا المبني لا نعت اسمها المعرب احترازعن نحو لا غلام رجل ظريفا الاول بالرفع صفة للنعت اى لا الثاني ومابعده احترازعن مثل لا رجل ظريف كريم

---

نحوی کے مسلک پر ہے۔ خلیل کے نزدیک یہ وہ لا نہیں ہے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہے بلکہ یہ مستقل حرف ہے جو تحضیض کے لئے وضع کیا گیا ہے اور جب حرف تحضیض ہے تو لا محالہ اس کے بعد فعل ہوگا جس کی وجہ سے رجلا پر نصب آئے گا۔ اصل عبارت الا ترونني رجلا ہے جس کے معنی ہلا ترونني رجلا ہیں۔ اس میں رجلا ترونني فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ۔ یونس نحوی کے نزدیک یہ لائے نفی جنس ہے جس پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور معنی اس کے تمنی کے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اس صورت میں عمل میں کوئی تغیر نہ ہونا چاہیئے جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے لیکن ضرورت شعری کی وجہ سے اس پر تنوین آگئی اور ایسی ضرورت میں تو بہت سے احکام میں تغیر ہو جاتا ہے۔

قوله ونعت اسم لا المبني الخ متن کی عبارت یہ ہے" نعت المبني الاول مفردا يليه مبني ومعرب رفعا ونصبا " اس عبارت میں المبنی صفت کا صیغہ ہے اس کا موصوف اسم لا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، نعت اسم لا المبنی جیسا کہ شارح نے نکالا ہے۔ اس کے بعد الاول یہ لفظ نعت کی صفت ہے مفردا یہ حال ہے اس کا عامل مبنی ہے جو اس کے بعد واقع ہے یعنی مصنف کی عبارت مبنی ومعرب جو نعت المبنی کی خبر ہے اس میں مبنیٌ میں جو ہو ضمیر نعت کی طرف راجع ہے وہ ذوالحال ہے اور مفردا اس سے حال ہے اس صورت میں حال مقدم ہوگا اور ذوالحال مؤخر ہوگا اور یلیہ یا تو مفردا کی صفت ہے یا مبنی کی ہو ضمیر سے حال ثانی ہے۔

اور اگر مفردا کو نعت سے حال قرار دیا جائے یعنی نعت المبنی جو شروع میں ہے اور مبتدا ہے اس کو ذوالحال بنایا جائے اور مفردا کو حال بنایا جائے تو یہ ترکیب بھی صحیح ہوگی اس میں ذوالحال مقدم ہے اور حال مؤخر ہے۔ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم مبنی ہو تو اس کی پہلی صفت جو مفرد ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو نیز وہ اسم لا کے متصل ہو اس سے مفصول نہ ہو تو ان قیود کے پائے جانے کے وقت اس صفت پر تین درجہ جائز ہیں (۱) فتحہ پر مبنی ہو (۲) معرب ہو اور مرفوع ہو (۳) معرب ہو اور منصوب ہو۔

اور اگر یہ قیود سب کی سب نہ پائی جائیں تو پھر اس صفت پر یہ تینوں صورتیں جائز نہ ہونگی۔ چنانچہ اگر لا کا اسم مبنی نہ ہو معرب ہو تو اسکی پہلی صفت میں مبنی اور معرب دونوں کا احتمال نہ ہوگا بلکہ صرف معرب ہوگی جیسے لا غلام

فی الدار مفردا حال من ضمیر مبنی والعامل فیہ مبنی احترازا عن مثل لارجل حسن الوجہ یلیہ حال بعد حال اوصفۃ مفردا احترازا عن المفصول نحو لاغلام فیہا ظریف وھذا القید یعنی عن الاول مبنی علی الفتح حملا علی المنعوت لمکان الاتحاد بینہما والاتصال

---

رجل ظریفا۔ اس میں لا، کا اسم غلام رجل ہے جو معرب ہے اسلئے اس کی صفت ظریفا معرب ہے مبنی نہیں ہے۔ اور اگر لا، کا اسم تو مبنی ہے لیکن اس کی پہلی صفت نہ ہو دوسری یا تیسری ہو تو اس صفت میں بھی مبنی اور معرب دونوں کا احتمال نہ ہوگا بلکہ صرف معرب ہوگی جیسے لا رجل ظریف کریم فی الدار۔ اس میں کریم صفت ثانی ہے اس لئے یہ معرب ہے مبنی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر لا، کا اسم مبنی ہو اور اسکی پہلی صفت ہو لیکن مفرد نہ ہو بلکہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ بھی صرف معرب ہوگی جیسے لا رجل حسن الوجہ۔ اس میں لا، کا اسم رجل مبنی ہے اور حسن الوجہ اسکی پہلی صفت ہے لیکن مفرد نہیں ہے بلکہ مضاف ہے اسلئے معرب ہے۔

اور اگر یہ سب قیود پائی جائیں لیکن متصل نہ ہو بلکہ لا، کے اسم اور اسکی صفت اول کے درمیان فصل ہو جائے تب بھی مبنی نہ ہوگی معرب ہوگی جیسے لاغلام فیہا ظریف اسمیں ظریف لا، کے اسم مبنی کی پہلی صفت ہے لیکن اسم کے متصل نہیں بلکہ فیہا کا فصل واقع ہے اس لئے اسمیں مبنی اور معرب دونوں کا احتمال نہیں ہے بلکہ معرب ہے۔ حاصل یہ کہ اس قاعدہ میں ایک قید تو لا، کے اسم کے بارے میں ہے کہ وہ فتحہ پر مبنی ہو باقی قیود صفت کے بارے میں ہیں کہ وہ لا، کے اسم کی پہلی صفت ہو۔ مفرد ہو مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ اور متصل ہو مفصول نہ ہو۔ انہی قیود کے پائے جانے کے بعد اس پہلی صفت میں تین احتمال ہیں اول یہ کہ وہ فتحہ پر مبنی ہو دوم معرب مرفوع ہو۔ سوم معرب منصوب ہو۔ فتحہ پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا موصوف یعنی لا، کا اسم مبنی ہے لہٰذا صفت کو بھی مبنی کہا جائیگا کیونکہ صفت کا موصوف کے ساتھ اتحاد اور اتصال ہے لہٰذا جو حکم موصوف کا ہے وہی صفت کا بھی ہونا چاہئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب کلام منفی کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو نفی قید کی ہوتی ہے اور یہاں لا، کا اسم منفی ہے اور صفت اسکی قید ہے اس لئے نفی صفت کی ہوگی اور ایسا سمجھا جائے گا کہ لا، اسی صفت پر داخل ہے اور اسی کی نفی ہو رہی ہے اور چونکہ یہ صفت مفرد ہے مضاف یا مشابہ مضاف نہیں ہے اسلئے فتحہ پر مبنی ہوگی کیونکہ لا، نفی جنس کا مدخول اگر مفرد ہوتا ہے تو فتحہ پر مبنی ہوتا ہے اور یہاں بھی پہلی صفت کو لا، کا مدخول فرض کیا گیا ہے اسلئے یہ بھی فتحہ پر مبنی ہوگی۔

معرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ توابع میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے متبوعات کے تابع ہوں معرب ہونے میں نہ کہ بناء میں پھر معرب ہونے کے بعد یا تو موصوف کے محل کے تابع ہو یا اس کے لفظ کے تابع ہو جو اس کا محل قریب ہوگا۔ اگر محل کے تابع قرار دیا جائے تو یہ صفت مرفوع ہوگی کیونکہ لا، کا اسم محل کے اعتبار سے مرفوع ہوتا ہے کیونکہ وہ مبتدا ہے اور

وتوجه النفی الیہ ای الی النعت حقیقۃً والمبنی فی قولہ ونعت المبنی اشارۃ الیٰ مایبنی علی الفتح بالاصالۃ لابالتبعیۃ فانہ المذکور سابقا فلایرادانہ اذاکرر المبنی وبنی علی الفتح ثم جئ بنعت لا یجوز بناؤہ مثل لاماء ماء باردا مع انہ یصدق علیہا انہ نعت المبنی الاول مفردا یلیہ فان باردا فی ھذا المثال نعت للتابع لا للمتبوع کما ھو الظاھر ولو جعل نعتا للمتبوع فلیس مما یلیہ لتوسط التابع بینھما و معرب لان الاصل فی التوابع تبعیتھا لمتبوعاتھا فی الاعراب دون البناء

---

اگر لفظ کے تابع قرار دیا جائے تو اس صفت پر نصب آئے گا۔

مصنف رحؒ نے متن میں جو قاعدہ بیان کیا ہے شارح نے بعض مقامات پر کچھ عبارت کا اضافہ کیا ہے مناسب ہے اسکی توضیح کردی جائے۔ یلیہ متن کی عبارت ہے شارح نے اس کے تحت یہ عبارت تحریر کی ہے وہذا القید یغنی عن الاول۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یلیہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ لا رکے اسم کی صفت اول اسم کے متصل ہو ان کے درمیان میں فصل نہ ہو۔ شارح فرماتے ہیں کہ یلیہ کی قید جب مصنف کو بیان کرنا تھا تو پھر لفظ الاول لانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ جو صفت لا رکے اسم کے متصل ہوگی ظاہر ہے کہ وہ پہلی ہی صفت ہوگی۔

قولہ والمبنی فی قولہ ونعت المبنی اشارۃ الخ اس عبارت میں شارح نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ لا رکے اسم مبنی کی صفت اول جو مفرد ہو اور متصل ہو وہ معرب اور مبنی دونوں ہوسکتی ہے یہ قاعدہ لا ماء ماء باردًا جیسی مثال میں جاری نہیں ہے اس سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لا رکا اسم مکرر ہو اور وہ فتحہ پر مبنی ہو اسکے بعد اسکی صفت لائی جائے جیسے مثال مذکور میں ماء لا رکا اسم ہے اور وہ مکرر ہے اور ثانی بھی فتحہ پر مبنی ہے اسکے بعد باردًا اس کی صفت اول ہے اس کو قاعدہ مذکورہ کی بناء پر فتحہ پر مبنی کرنا بھی جائز ہونا چاہئے۔ اور معرب مرفوع اور منصوب ہونا بھی جائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس کو مبنی پڑھنا جائز نہیں ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسم لا رکے فتحہ پر مبنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مبنی بالاصالۃ ہو اور ثانی ماء مبنی بالاصالۃ نہیں۔ اصل میں تو پہلا ماء جو لا رکا دراصل اسم ہے وہ مبنی بر فتحہ ہے اور ثانی ماء اسکے تابع ہے اس لئے اس پر فتحہ بالتبع آیا ہے بالاصالۃ نہیں اس لئے اس کی صفت باردًا مبنی نہ ہو تو قاعدہ مذکورہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور اگر باردًا کو ماء اول کی صفت قرار دیں جو لا رکا اسم ہے اور مبنی بالاصالۃ ہے تو اس صورت میں اتصال کی قید مفقود ہے یعنی لا رکے اسم مبنی کی اول صفت اسم کے متصل نہیں ہے بلکہ درمیان میں ماء ثانی کا فصل ہوگیا ہے اسلئے قاعدہ مذکورہ اس صفت پر صادق نہیں ہے۔

رفعا حملاً علی محلہ البعید ونصبا حملاً علی اللفظ او علی محلہ القریب نحو لارجل ظریف بالفتح وظریفٌ بالرفع وظریفاً بالنصب والا ای وان لم یکن النعت کذلک فالاعراب ای فحکمہ الاعراب لاغیر رفعا حملاً علی المحل البعید ونصبا حملاً علی اللفظ او المحل القریب وقد مرت امثلتہ فی بیان فوائد القیود والعطف علی اسم لا المبنی اذا کان المعطوف نکرۃ بلا تکریر لا فی المعطوف فانہ اذا کان المعطوف معرفۃ وجب رفعہ نحو لاغلام لک والفرس واذا کان لا مکرراً فی المعطوف فحکمہ علی ما علم فی قولہ لاحول ولاقوۃ فیما سبق بان یحمل علی اللفظ ای لفظ اسم لا المبنی ویجعل منصوبا وبان یحمل علی المحل

---

قولہ لارجل ظریفَ وظریفٌ وظریفاً الخ متن میں بیان کردہ قاعدہ مذکورہ کی مثال ہے اس میں ظریف لا کے اسم مبنی کی اول صفت ہے جس میں تمام شرائط قاعدے کی پائی جاتی ہیں اس لئے اس کو فتحہ پر مبنی بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب مرفوع اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں جیساکہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

قولہ والا فالاعراب الخ اور اگر لا کے اسم کی صفت میں قیود مذکورہ نہ پائی جائیں تو پھر اس کی صفت معرب ہوگی۔ اسکی چار صورتیں ہیں (۱) معرب کی صفت ہو (۲) پہلی صفت نہ ہو (۳) غیر مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف ہو (۴) غیر متصل ہو۔ معرب کے بعد خواہ اس کو مرفوع پڑھا جائے اس صورت میں لا کے اسم کے محل بعید پر حمل ہوگا یا اس کے لفظ اور محل قریب پر حمل کر کے اس صفت کو منصوب پڑھا جائے ان سب کی مثالیں فوائد قیود کے تحت آچکی ہیں۔

قولہ والعطف الخ لا رنفی جنس کے اسم مبنی پر عطف کرنا جائز ہے جب کہ معطوف نکرہ ہو اور لا مکرر نہ ہو اور اس وقت معطوف میں دو وجہ جائز ہیں۔ اول یہ کہ عطف لا کے اسم کے لفظ پر ہو اسوقت معطوف میں نصب ہوگا اور اسم کے محل بعید پر عطف کیا جائے تو چونکہ اسم لا اپنے محل بعید کے اعتبار سے ابتدار کی بنا پر مرفوع ہے اسلئے معطوف پر رفع ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں معطوف معرب رہیگا مبنی نہیں ہوسکتا کیونکہ متبوع اور تابع کے درمیان واؤ عاطفہ ہے جس کی وجہ سے فصل واقع ہوگیا اور مبنی ہونے کے لئے تابع اور متبوع کے درمیان اتصال ضروری ہے وہ صفت میں تو ہوسکتا ہے عطف میں نہیں ہوسکتا کیونکہ معطوف علیہ اگر منفی ہو تو معطوف میں اکثر لا زیادہ کردیا جاتا ہے جیسے لاحول ولاقوۃ الا باللہ میں اسلئے یہاں وہم ہوسکتا ہے کہ لا زیادہ ہو اگرچہ لفظ میں نہیں ہے۔

لا کے اسم پر عطف کے قاعدے میں یہ شرط جو لگائی گئی ہے کہ معطوف نکرہ ہو اور لا مکرر نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر معطوف نکرہ نہ ہو بلکہ معرفہ ہو تو اس صورت میں معطوف پر صرف رفع ہوگا نصب نہیں ہوسکتا کیونکہ معرفہ پر لا کا عمل نہیں ہوتا لا ملغیٰ ہوجاتا ہے تو جب لا کا عمل باطل ہوگیا تو ابتدار کی بنار پر رفع آئے گا۔

ویجعل مرفوعًا جائز ولایجوز فیہ البناء لمکان الفصل بالعاطف ولم یجعل فی حکم المتصل لمظنۃ الفصل بلا المؤکدۃ اذالمعطوف علی المنفی یراد فیہ لاکثیرًا نحولاحول ولاقوۃ مثل لا اب وابنا وابنٌ فی قول الشاعر: ولا اب وابنا مثل مروان وابنہ : اذھو بالمجد ارتدیٰ وتازرا : وسائرالتوابع لانص عنہم فیہا لکن ینبغی ان یکون حکمہا حکم توابع المنادیٰ کذاذکرہ الاندلسی

---

اوراگر لا مکرر ہو تو اس کا حکم لاحول ولاقوۃ الاباللہ جیسا ہوگا یعنی اسمیں پانچ صورتیں جائز ہونگی "مثل لااب وابنا وابن" یہ عطف مذکور کی مثال ہے۔ اس میں ابن کا عطف لا کے اسم یعنی اب پر اگر باعتبار لفظ کے ہو تو اس پر نصب ہوگا اور اگر باعتبار محل کے ہو تو اس پر رفع آئے گا۔

یہ ایک مصرعہ ہے پورا شعر یہ ہے: لا اب وابنا مثل مروان وابنہ : اذ ہو بالمجد ارتدیٰ وتازرا:

ترجمہ۔ مروان اور اس کے بیٹے کی طرح کوئی باپ بیٹا نہیں ہے کیونکہ اس نے بزرگی کی چادر اور لنگی پہن رکھی ہے۔ یہ شعر فرزدق شاعر کا ہے مروان اور ان کے بیٹے عبدالملک کی تعریف کر رہا ہے۔ اس شعر میں اب اور ابن لا کا اسم ہے اور مثل مروان وابنہ یہ لا کی خبر ہے۔ اذ ہو میں ہو ضمیر اب کی طرف راجع ہے۔

قولہ وسائرالتوابع لانص فیہ الخ مصنف نے لا ر نفی جنس کے اسم کے دو تابع صفت اور عطف کا بیان کیا ہے۔ باقی تین تابع تاکید۔ بدل۔ عطف بیان ان کا ذکر نہیں کیا۔ شارح اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ نحویوں سے اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے اس لئے مصنف رحمہ نے سکوت اختیار کیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ان باقی توابع کا حکم منادیٰ کے تابع کے مانند ہے یعنی بدل اگر نکرہ ہو اور مفرد ہو تو اس کو مبنی پڑھنا جائز ہے۔ یہی حال عطف بیان کا ہے۔ اور تاکید لفظی اپنے مؤکد کے مطابق ہوگی یعنی اس کا موکد جو لا ر نفی جنس کا اسم ہے وہ مبنی بر فتح ہے اسلئے تاکید بھی فتحہ پر مبنی ہوگی جیسے لا رجل رجل فی الدار اور محل قریب پر عمل کرنے کی وجہ سے نصب بھی پڑھ سکتے ہیں جیسے لا رجل رجلاً فی الدار۔ تاکید معنوی کا تحقق یہاں نہیں ہوسکتا کیونکہ تاکید معنوی نکرہ کی نہیں ہوتی اور لا ر کا اسم نکرہ ہے معرفہ کی صورت میں لا عامل نہیں ہوتا۔

ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ توابع منادیٰ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بدل کا حکم مستقل منادیٰ جیسا ہے اس کی بنا پر یہاں بھی لا ر نفی جنس کے اسم تابع جو بدل ہو اس کا بھی حکم مستقل لا ر نفی جنس کے اسم کی طرح ہونا چاہئے یعنی اگر بدل نکرہ مفرد ہو تو مبنی پڑھنا واجب ہونا چاہئے حالانکہ مبنی پڑھنا تم نے جائز کہا ہے واجب نہیں کہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بدل کے اندر دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ صفت کی طرح اپنے متبوع کا محتاج نہیں صفت کا استعمال بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتا لیکن بدل کا استعمال بغیر متبوع (یعنی بغیر مبدل منہ کے) ہو سکتا ہے۔ اس حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ بدل کا حکم مستقل ہو یعنی فتحہ پر مبنی پڑھنا واجب ہو۔ اور دوسری حیثیت

ومثل لا ابا لہ ولا غلامی لہ ای کل ترکیب یکون فیہ بعد اسم لا التی لنفی الجنس لام الاضافۃ واجری علی ذلک الاسم احکام الاضافۃ من اثبات الالف فی نحو اب وحذف النون من نحو غلامین جائز یعنی ان الاصل فی مثل ھذین الترکیبین ان یقال لا اب لہ ولا غلامین لہ فیکون اسم لا فیھما مبنیا علی ما ینصب بہ والجار مع مجرورہ خبرا لھا وقد جاء علی قلۃ مثل لا ابا لہ ولا غلامی لہ بزیادۃ الالف فی مثل اب واسقاط النون فی مثل غلامین کما فی حال الاضافۃ تشبیہا لہ ای لاسم

اس کے اندر تابع ہونے کی ہے اور تابع اپنے متبوع کے اعراب کے تابع ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے وہ مستقل نہ رہے گا لہذا دونوں حیثیتوں کا اعتبار کرکے درمیانی درجہ رکھا گیا کہ فتحہ پر مبنی پڑھنا جائز قرار دیا گیا واجب نہیں کہا گیا

قولہ ومثل لا ابا لہ ولا غلامی لہ جائز الخ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اس سے پہلے مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ لا کا اسم اگر نکرہ مفردہ ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ علامت نصب پر یعنی فتحہ پر مبنی ہوتا ہے اور لا ابا لہ اور لا غلامی لہ نکرہ مفرد ہیں یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہیں پھر بھی فتحہ پر مبنی نہیں ہیں بلکہ منصوب ہیں۔ ابا الف کے ساتھ ہے اور غلامی یا ماقبل مفتوح کے ساتھ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جیسی ترکیب میں لا نفی جنس کا اسم اگرچہ مضاف نہیں ہے لیکن اس کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیکر اس پر اضافت کے احکام جاری کئے گئے ہیں کیونکہ اس اسم کو مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی یعنی اختصاص میں شرکت ہے۔

مثل لا ابا لہ سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں لا نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہو اور لا، کے اسم پر اضافت کے احکام جاری ہوں یعنی اب اور اس کے مثل میں الف ہو اور غلامین جیسے اسم میں نون کو حذف کر دیا جائے غلامین سے تثنیہ اور جمع دونوں مراد ہیں۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ اس طرح کی ترکیب میں اصل تو یہ ہے کہ لا اب لہ اور لا غلامین لہ ہو یعنی علامت نصب پر مبنی ہو اب فتحہ پر مبنی ہو اور غلامین میں نون تثنیہ باقی رہے اور اس سے پہلے یاء ماقبل مفتوح ہو لیکن بر سبیل قلت۔ لا ابا لہ الف کے ساتھ اور لا غلامی لہ نون کو ساقط کرنے کے ساتھ بھی جائز ہے یعنی ان پر احکام اضافت کے جاری کئے جائیں اگرچہ حقیقت میں مضاف نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس جیسی ترکیبوں کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور مضاف کے اصل معنی یعنی تخصیص میں ان کو شریک کیا گیا ہے اور اضافت کے احکام اسمیں جاری کر دیئے گئے۔

اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ مضاف کے اصل معنی تخصیص کے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اضافت میں مضاف میں تعریف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مضاف الیہ میں لام مقدر ہو جیسے غلام زید یہ اصل میں غلام لزید

لا فی هذین الترکیبین مع انه لیس بمضاف بالمضاف واجراء الاحکام المضاف علیه باثبات الالف وحذف النون فیکون معرباً وذلك التشبیه انما هو لمشارکته ای مشارکة اسم لاحین یضاف باظهار اللام بینه وبین ما یضاف الیه له ای للمضاف فی اصل معناه ای معنی المضاف من حیث هو مضاف یعنی الاضافة و هو الاختصاص او المعنی ان مثل لا اباله ولا غلامی له جائز تشبیهاله ای لمثل هذین الترکیبین حیث لا اضافة فیه بالمضاف ای بترکیب یشتمل علی الاضافة لمشارکة ای لمشارکة مثل هذین الترکیبین له ای لما یشتمل علی الاضافة فی اصل

---

تھا لام کو حذف کر کے غلام کو زید کی طرف مضاف کر دیا گیا جس سے وہ معرفہ ہوگیا اور تخصیص مضاف میں اس وقت بھی حاصل ہو جاتی ہے جب حرف جر لفظوں میں بھی موجود ہے جیسے غلام لک اور ظاہر ہے کہ تلفظ اصل ہے اور تقدیر اس کی فرع ہے۔ معلوم ہوا کہ معنی اضافت میں اصل تخصیص ہے اور تخصیص ان دونوں عبارتوں میں موجود ہے کیونکہ اب خاص ہے ابن کے ساتھ اور غلام خاص ہے مولیٰ کے ساتھ۔ اسی طرح اس جیسی ترکیبوں میں تخصیص کا یہی طریقہ ہے۔

قولہ او المعنی ان مثل لا اباله الخ اس سے پہلے اس ترکیب میں تشبیہاله میں له کی ضمیر اسم لا، کی طرف راجع ہے۔ او المعنی سے جو احتمال بیان کیا ہے اس میں له کی ضمیر مثل ہذین الترکیبین کی طرف راجع ہے۔ پہلے احتمال پر بالمضاف اپنے معنی پر ہے یعنی وہ اسم مراد ہے جو مضاف ہے۔ اور ثانی احتمال پر مضاف سے مراد ایسی ترکیب ہے جو اضافت پر مشتمل ہے اور لمشارکتہ میں ہا ضمیر پہلے احتمال کی بنا پر اسم لا کی طرف راجع ہے اور ثانی احتمال میں مثل ہذین الترکیبین کی طرف راجع ہے۔

لمشارکتہ کے بعد له کی ضمیر پہلے احتمال کی بنا پر مضاف کی طرف راجع ہے اور ثانی احتمال کی بنا پر ایسی ترکیب کی طرف راجع ہے جو اضافت پر مشتمل ہے پہلے احتمال پر مضاف اپنے معنی پر ہے اس لئے له کی ضمیر مضاف کی طرف راجع تھی۔ ثانی احتمال میں مضاف سے مراد ایسی ترکیب ہے جو اضافت پر مشتمل ہے اس لئے له کی ضمیر ایسی ترکیب کی طرف راجع ہوئی جو اضافت پر مشتمل ہے۔ ہماری اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ مآل دونوں احتمالوں کا ایک ہی ہے جس کا حاصل اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ لا کا اسم لا ابا له ولا غلامی له میں اگرچہ مضاف نہیں ہے لیکن مضاف کے ساتھ اصل معنی میں شرکت کی وجہ سے اس پر احکام اضافت جاری ہو جائیں گے اور جس طرح اضافت کی صورت میں اختصاص حاصل ہوتا ہے اس ترکیب میں بھی اختصاص حاصل ہوگا البتہ دونوں قسم کے اختصاص میں فرق ہے حقیقۃً مضاف ہونے کی صورت میں جو اختصاص حاصل ہوتا ہے وہ اتم ہے اور اس ترکیب سے جو اختصاص حاصل ہوتا ہے وہ اس سے کم درجہ کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں شے واحد کے حکم میں ہیں کیونکہ مضاف الیہ اصل میں مضاف

معناه ای معنی ما یشتمل علی الاضافة وهو الاختصاص الا ان بین الاختصاصین تفاوتا فان الاختصاص المفهوم من التراکیب الاضافی اتم مما یفهم من غیرہ ومن ثم ای لاجل ان جواز مثل هذین الترکیبین انما هو بتشبیه غیرا لمضاف بالمضاف فی معنی الاختصاص لم یجز ترکیب لا ابافیها ای فی الدار لعدم الاختصاص فان الاختصاص المفهوم من اضافة الاب الی الشیٔ انما هو بابویة له هذا الاختصاص غیر ثابت للاب بالنسبة الی الدار فلا تصح اضافته الی الدار فکیف یشبه ترکیب لا ابافیها بترکیب یضاف فیه الاب الی الدار لمشارکته له فی الاصل معناه ولیس ای مثل هذین

---

کی تنوین کے قائم مقام ہے اور مضاف تثنیہ یا جمع ہو تو پھر مضاف الیہ نون تثنیہ اور نون جمع کے قائمقام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مضاف مفرد میں تنوین مضاف کا جز ہے اور مضاف تثنیہ اور جمع میں نون تثنیہ اور نون جمع مضاف کا جز ہے اور جب مضاف الیہ تنوین اور نون کے قائم مقام ہے تو وہ بھی اصل کی طرح مضاف کا جزء ہوگا اور یہ ترکیب جس میں مضاف کے ساتھ تشبیہ دیکر اضافت کے احکام جاری کئے گئے ہیں اس میں اس قسم کا تعلق نہیں ہے اس لئے اختصاص بھی کم درجہ کا ہوگا۔

قولہ ومن ثم لم یجز لا ابافیها الخ یعنی لا اب لہ اور لا غلامی لہ میں باپ کو ابن کے لحاظ سے اور غلام کو مولٰے کے اعتبار سے جو خصوصیت مفہوم ہوتی ہے وہ اب کو دار کے اعتبار سے نہیں ہے لہذا مضاف کے ساتھ اختصاص میں شرکت نہ ہوئی اس لئے یہ ترکیب جائز نہیں ہے۔

قولہ ولیس بمضاف الخ مطلب یہ ہے کہ لا اب لہ اور لا غلامی لہ جیسی ترکیب کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے یہ دونوں ترکیبیں مضاف کے ساتھ مشابہ ہوئیں حقیقۃ مضاف نہیں ہیں کیونکہ جو معنی اس جیسی ترکیب سے مقصود ہیں وہ اضافت کی صورت میں فوت ہو جائیں گے کیونکہ اس صورت میں لا اب لہ کے معنیٰ ہیں کہ جس شخص سے باپ ہونے کی نفی کی جا رہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ثابت النسب نہیں ہے وہ حرامی ہے کیونکہ نفی کے تحت میں نکرہ جب واقع ہوتا ہے تو اس میں عموم کا فائدہ ہوتا ہے اور اگر اس کو مضاف مانا جائے تو اس کی تقدیر عبارت لا اباہ ہوگی اس میں اباہ لا کا اسم ہے اور خبر لا محالہ محذوف ہوگی اور پوری عبارت اس طرح ہوگی لا اباہ موجود یعنی اس کا باپ جس کا وجود معلوم ہے وہ اس وقت موجود نہیں اس لئے مقصد فوت ہو جائے گا یہی حال لا غلامی لہ کا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کے کبھی بھی دو غلام نہیں ہوئے اور اضافت کی صورت میں اس کی تقدیر اس طرح ہوگی لا غلامی لہ موجودٌ یعنی اس کے دو غلام تو ہیں لیکن اس وقت موجود نہیں اس سے بھی مقصد فوت ہو جائیگا۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ وہ کبھی دو غلاموں کا مالک نہیں ہوا اور وہ اضافت کی صورت میں فوت ہو جاتا ہے۔

التركيبين بمضاف حقيقة لفساد المعنى المراد المفاد بهما على تقدير الاضافة و هو نفي ثبوت جنس الاب او الغلامين لمرجع الضمير المجرور بالاستقلال من غير احتياج الى تقدير خبر وهذا المعنى يسند على تقدير الاضافة من وجهين اما اولا فلان معنى هذين التركيبين على تقدير الاضافة لا اباه ولا غلاميه وهذا لايتم الا بتقدير خبر اے لا اباه موجود ولا غلاميه موجودان واما ثانيا فلان المراد نفي ثبوت جنس الاب او الغلامين له لا نفي الوجود عن ابيه المعلوم او غلامين المعلومين خلافا لسيبويه والخليل وجمهور النحاة وانما خص سيبويه بهذا الخلاف لانه العمدة فيما بينهم اولان المقصود بيان الخلاف لا تعيين المخالفين فمذهب سيبويه والخليل وجمهور النحاة ان مثل هذا التركيب مضاف حقيقة باعتبار المعنى واقحام اللام بين المضاف والمضاف اليه تاكيد للام

---

اسی طرح اضافت حقیقۃ اگر مانی جائے تو اس میں قباحت لفظی بھی ہے وہ یہ ہے کہ اضافت حقیقی میں مضاف الیہ سے لام کو حذف کردیا جاتا ہے اور یہاں محذوف نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مضاف ہونے کی وجہ سے اسم معرفہ ہوجاتا ہے اور اس لئے لا اباله اور لا غلامی لہ معرفہ ہوجائیں گے اور لا رنفی جنس کا اسم جب معرفہ ہوتا ہے تو تکرار لا اور تکرار اسم ضروری ہے اور اسم پر رفع ہوتا ہے حالانکہ یہاں نہ اسم مرفوع ہے اور نہ تکرار مع اسم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مضاف حقیقۃ نہیں مضاف کے ساتھ مشابہ ہے۔

قولہ لفساد المعنی المراد المفاد بہما الخ مطلب یہ ہے کہ اس جیسی ترکیب سے جو معنی مقصود ہیں وہ اضافت حقیقیہ کی صورت میں فوت ہوجائیں گے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے معنی ہی فاسد ہوجائیں گے اس کی کچھ تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

قولہ خلافا لسیبویہ الخ اس میں تنہا سیبویہ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اس میں خلیل اور جمہور نحاۃ سیبویہ کے ساتھ اختلاف میں شریک ہیں چونکہ ان میں سیبویہ مشہور ہیں اسوجہ سے ان کا نام لکھا ہے یا یہ کہ مقصود اختلاف بیان کرنا ہے مخالفین کی تعیین مقصود نہیں ہے۔

سیبویہ وغیرہ یہ فرماتے ہیں اس جیسی ترکیب میں حقیقۃً اضافت پائی جاتی ہے اور اس پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اب اور غلامی واقعی مضاف ہیں تو معرفہ ہوں گے اور لا رکا اسم جب معرفہ ہو تو تکرار لا مع اسم ضروری ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے اس کا جواب سیبویہ یہ دیتے ہیں کہ لا اباله اور لا غلامی لہ میں لہ کا لام اضافت کا نہیں ہے بلکہ یہ لام مقدرہ کے عوض میں ہے اور تاکید کے لئے ہے۔ بظاہر سیبویہ کے کلام میں تدافع معلوم ہوتا ہے۔ اس سے قبل ابھی فرمایا تھا کہ اس جیسی ترکیب میں اضافت حقیقی ہے اور اب یہ فرمارہے ہیں کہ یہ لام اضافت

المقدرة وحكم المضمر بفساده لما عرفت ويحذف اسم لاحذفا كثيرا في مثل لاعليك اي لاباس عليك ولا يحذف الا مع وجود الخبر لئلا يكون اجحافا وقولهم لاكزيد ان جعلت الكاف اسما جاز ان يكون كزيد اسما والخبر محذوفا اي لامثله موجود وجاز ان يكون خبرا اي لا احد مثل زيد وان جعلناه حرفا فالاسم محذوف اي لا احد كزيد خبر ماولا المشبهتين في النفي والدخول على الجملة الاسمية بليس هو المسند بعد دخولهما اي دخول ما ولا وهي اي خبرية خبر ماولا لهماو

---

کا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اضافت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیبویہ کے نزدیک معنی کے اعتبار سے یہ مضاف ہے اور لفظ کے اعتبار سے مضاف نہیں۔ اب تدافع نہ رہا اور جب لفظ کے اعتبار سے مضاف نہیں تو اضافت کے لفظی احکام اس پر جاری نہ ہونگے اسوجہ سے لا ر نفی جنس کا اسم حقیقۃ معرفہ نہ ہوگا اور جب معرفہ نہ ہوگا تو تکرار لا مع اسم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ حکم تو اس وقت ہے جب لا ر کا اسم حقیقۃ معرفہ ہو۔

قولہ ویحذف کثیرا فی مثل لاعلیك الخ لا ر نفی جنس کے حذف پر اگر قرینہ موجود ہو تو اس کو حذف کرنا جائز ہے تاکہ عموم میں زیادتی ہوجائے اور ایسی صورت میں حذف بکثرت ہوتا ہے جیسے لا علیک اسمیں لا ر کا اسم محذوف ہے اصل میں لاباس علیک تھا۔ یہاں قرینہ یہ پایا جاتا ہے کہ لا ر حرف پر داخل ہے حالانکہ لا ر اسم پر آتا ہے حرف پر نہیں آتا۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ لا ر کا اسم اس وقت محذوف ہوگا جب کہ خبر موجود ہو اگر خبر محذوف ہو تو پھر لا ر کے اسم کو حذف نہ کیا جائے گا ورنہ اجحاف لازم آئے گا کیونکہ جب اسم اور خبر دونوں محذوف ہوجائیں گے تو لا ر کا کوئی اثر ہی نہ باقی رہے گا گویا کہ اس کی جڑ ہی ختم ہوگئی۔

قولہ وقولہم لاکزید الخ یہ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ لا ر کا اسم اس وقت حذف کیا جائے گا جب خبر موجود ہو اگر خبر محذوف ہو تو لا ر کے اسم کو حذف نہ کیا جائے گا اور مثال مذکور لاکزید کے اندر نہ اسم ہے اور نہ خبر ہی موجود ہے بلکہ دونوں محذوف ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہاں صرف ایک محذوف ہے یا اسم محذوف ہے اور خبر موجود ہے یا خبر محذوف ہے اور اسم موجود ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ کزید میں کاف اگر اسمی ہے تو مثل کے معنی میں ہوگا اور یہ لا ر کا اسم ہوگا اس کی خبر موجودٌ محذوف ہوگی۔ اور اگر کاف حرف ہے تو لا ء نفی جنس کا اسم محذوف ہوگا اور کزید جار و مجرور مل کر ثابت یا موجود کے متعلق ہو کر لا ر کی خبر ہے اور اسم محذوف ہوگا اصل عبارت یہ ہوگی: لا احد کزید۔

قولہ خبر ماولا المشبہتین بلیس الخ ماولا مشابہ بلیس کی خبر بھی منصوبات میں سے ہے۔ ان کو مشابہ بلیس کہنے کی وجہ مرفوعات میں گذر چکی ہے۔ ان کے خبر کی تعریف مصنف نے بیان کی ہے ہوالمسند

کذا اسمیۃ اسمھما لہما لغۃ حجازیۃ وخص الخبریۃ بالذکر لان اعمالھما وجعل اسمھما وخبرھما اسمًا وخبرًا لہما انما یظھر باعتبار الخبر فجعل الخبر خبرًا لھما انما ھو فی لغۃ اھل الحجاز واما بنو تمیم فحیث لا یذھبون الی اعمالہما لا یجعلون الخبر خبرًا لھما ولا الاسم اسما لھما بل ھما مبتدأ وخبر علی ما کان علیہ قبل دخولھما علیھما ولغۃ اھل الحجاز ھی التی جاء علیھا التنزیل قال اللہ تعالیٰ ما ھٰذا بشرًا وما ھن امھاتہم واذا زیدت ان مع ما نحو ما ان زید قائم قیل انما اختصت ما بالذکر لانھا تزاد مع لا فی استعمالہم و زائدۃ عند البصریین ونافیۃ مؤکدۃ عند الکوفیین او انتقض النفی بالا نحو ما زید

---

بعد دخولہا۔ کانؔ اور اس کے اخوات کی خبر کی تعریف میں جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ یہاں بھی ہونگے اور جو جوابات وہاں دیئے گئے ہیں وہی یہاں بھی ہیں۔

قولہ وھی لغۃ حجازیۃ الخ ہی ضمیر خبریت کی طرف راجع ہے جو خبر ماولا بلیس سے سمجھی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ماولا کی خبر کا خبر ہونا اور اسی طرح اسم کا اسم ہونا یہ اہل حجاز کی لغت ہے وہ لوگ ماولا کی خبر کو خبر اور ان کے اسم کو اسم مانتے ہیں۔

قولہ وخص الخبر الخ مطلب یہ ہے کہ جب ماولا کے اسم کی اسمیت اور خبر کی خبریت یہ دونوں ہی باتیں اہل حجاز کے نزدیک ہیں تو پھر خبریت کا صرف ذکر کیوں کیا۔ شارح بیان کر رہے ہیں کہ ماولا کا عمل خبر کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ان کا اسم تو مرفوع ہوتا ہے اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ماولا کی وجہ سے مرفوع ہے یا مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ان کی خبر چونکہ منصوب ہوتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ماولا نے عمل کیا ہے۔ اس وجہ سے خبریت کو خاص کیا ہے۔

قولہ واما بنو تمیم الخ بنو تمیم کے نزدیک ماولا مشابہ بلیس عمل نہیں کرتے بلکہ ان کے اسم اور خبر پر رفع آتا ہے یعنی ماولا کے داخل ہونے سے پہلے جس طرح وہ دونوں مبتدا اور خبر تھے ان کے داخل ہونے کے بعد بھی مبتدا اور خبر ہوں گے اور لا کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

لیکن اہل حجاز کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، ما ہذا بشرًا۔ وما ہن امہاتہم۔ ان مثالوں میں ہذا اور ہنّ یہ دونوں ما کا اسم ہیں اور مبنی ہیں اور بشرًا اور امہاتہم یہ دونوں ما کی خبریں اور ان پر نصب ہے اگر ما عامل نہیں ہے تو ان پر نصب کیوں آیا معلوم ہوا کہ بنو تمیم کا مسلک صحیح نہیں ہے۔

قولہ واذا زیدت ان مع ما الخ مصنف رح نے یہاں تین صورتیں بیان کی ہیں جن میں ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔

الا قائم او تقدم الخبر علی الاسم نحو ما قائم زید بطل العمل ای عمل ما اذا کان مع واحد من هذه الامور الثلثة اما اذا زیدت ان فلان ما عامل ضعیف عمل لشبه لیس فلما فصل بینهما وبین معمولها لم تعمل وما اذا انتقض النفی بالا فلان عملها لمعنی النفی فلما انتقض بطل العمل واما اذا تقدم الخبر فلتغیر الترتیب مع ضعفها فی العمل واذا عطف علیه ای علی خبرهما بموجب بکسر الجیم ای بعاطف یفید الایجاب بعد النفی وهو بل ولکن نحو ما زید مقیما بل مسافر وما عمرو قائما لکن قاعد فالرفع ای فحکم المعطوف الرفع لا غیر لکونهما بمنزلة الا فی نقض النفی ۔

---

(۱) ما کے ساتھ لفظ ان زائد آجائے تو ما کا عمل باطل ہو جائیگا جیسے ما ان زید قائم ۔ اور یہ ان بصریین کے نزدیک زائد ہے مانافیہ کی تاکید کے لئے ہے اور کوفیین کے نزدیک زائدہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے اور ما کی تاکید کے لئے ہے اگر زائدہ مانا جائیگا تو اس کا لغو ہونا لازم آئیگا ۔ اور اگر ما نافیہ کی تاکید کے لئے نہ مانا جائے بلکہ اس کو مستقل طور پر نفی کے لئے مانا جائے تو نفی کی نفی سے اثبات ہو جائیگا حالانکہ ما نافیہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ کلام منفی ہو نہ کہ مثبت ۔ یہاں صرف ما کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ان لا کے ساتھ زائد نہیں ہوا کرتا

(۲) نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ جائے جیسے ما زید الا قائم

(۳) ما کی خبر اسم پر مقدم ہو جائے جیسے ما قائم زید تو ان تینوں صورتوں میں سے کوئی ایک بھی صورت پائی جائے تو ما کا عمل باطل ہو جائے گا ۔ پہلی صورت میں عمل کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ما عامل ضعیف ہے لیس کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے توجب ما اور اس کے معمول کے درمیان فصل آجائیگا تو اپنے ضعف کی وجہ سے عمل نہ کر سکے گا ۔ دوسری صورت میں ما کا عمل اسوجہ سے باطل ہو جائیگا کہ اس کا عمل تو نفی کی وجہ سے تھا اور جب الا کی وجہ سے نفی ختم ہوگئی تو اس کا عمل بھی ختم ہو گیا ۔ تیسری صورت میں عمل کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خبر کے مقدم ہو جانے کی وجہ سے ما کے دونوں معمولوں کی ترتیب بدل گئی یعنی اسم موخر ہو گیا اور خبر مقدم ہو گئی اور ما عامل ضعیف ہے اسکے معمولوں کی ترتیب میں تغیر آجانے کی وجہ سے اس کا عمل باقی نہ رہیگا ۔

قولہ واذا عطف علیہ : علیہ کی ضمیر کے مرجع میں شراح کا اختلاف ہے بعض حضرات نے خبر ما اور لا دونوں کی طرف راجع کی ہے اور بعض نے صرف خبر ما کی طرف راجع کی ہے ۔ شارح نے علی خبرہما لا کر یہ بتایا کہ علی سبیل التردید دونوں کی طرف ضمیر راجع ہے مطلب یہ ہے کہ اگر ما اور لا کی خبر پر کسی اسم کا عطف ایسے حرف کے ذریعہ کیا جائے جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہو تو معطوف میں صرف رفع آئیگا ۔ اور اس قسم کے دو حرف ہیں بل اور لکن یہ دونوں اپنے مابعد کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں یعنی الا کی طرح ان سے بھی نفی کے معنی ٹوٹ جاتے ہیں جیسے ما زید مقیما بل مسافر وما عمرو قائما ولکن قاعد ۔ ان دونوں میں ان کے مابعد کا عطف خبر کے محل پر ہے اور وہ ما اور لا کے دخول سے پہلے مبتدا کی خبر تھی اور مرفوع تھی اس لئے اس کے محل پر عطف کی وجہ سے معطوف پر رفع آئے گا ۔

# المجرورات

هوما اشتمل ای اسم اشتمل لتخرج الحروف الاواخرالتی هی محال الاعراب فانه لایطلق علیها المرفوعات والمنصوبات والمجرورات اصطلاحا لانها اقسام الاسم علیٰ علم المضاف الیه ای علامة المضاف الیه من حیث هو مضاف الیه یعنی الجر سواء کان بالکسرة او الفتحة والیاء لفظا اوتقدیرًا وانما قلنامن حیث هو مضاف الیه لان الجر لیس علامةً لذات المضاف الیه بل لحیثیة کونه مضافًا الیه و المضاف الیه وان کان مختصًا بما عرف به لکن المشتمل علیٰ علامته اعم منه وممّاهومشبّه

---

جس طرح مرفوعات اور منصوبات کو مرفوع. منصوب ساکن پڑھا جا سکتا ہے وہی تینوں احتمال مجرورات میں بھی ہیں. ہر ایک کی وجہ مرفوعات میں دیکھ لی جائے.

اسی طرح مرفوعات جس طرح مرفوع کی جمع ہے نہ کہ مرفوعۃ کی اسی طرح مجرورات بھی مجرور کی جمع ہے نہ کہ مجرورۃ کی. اس کی وجہ بھی وہاں گذر چکی ہے.

قولہ هوما اشتمل الخ ہو ضمیر مجرور کی طرف راجع ہے جو مجرورات کے ضمن میں پایا جاتا ہے.

مجرور کی تعریف کر رہے ہیں کہ وہ ایسا اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو. اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہو اور مضاف الیہ کی علامت جر ہے خواہ جر کسرہ کے ساتھ ہو جیسے غلام زید اس میں زید پر کسرہ ہے. یا فتحہ کے ساتھ ہو جیسے غلام احمدَ، احمد غیر منصرف ہے اس لئے بجائے کسرہ کے فتحہ کے ساتھ اس کا جر ہے اور کبھی جر یاء کے ساتھ ہوتا ہے جیسے غلام اخی، اخی مضاف الیہ ہے اور اصل میں یاء ہے پھر کسرہ اور فتحہ اور یاء میں تعمیم ہے کہ لفظاً ہوں یا تقدیرًا کسرہ لفظی جیسے مررت بمسلمات. کسرہ تقدیری جیسے مررت بفتی. فتحہ لفظی جیسے رأیت احمد. فتحہ تقدیری جیسے رأیت فتی یا لفظی جیسے مررت بابیک. یاء تقدیری جیسے مررت بابی القوم.

مجرور کی تعریف میں ما سے مراد اسم ہے یعنی مجرور اسم ہوتا ہے اسم کے آخر میں جو حرف محل اعراب ہے اس پر بھی جر آتا ہے لیکن اصطلاح نحو میں اسکو مجرور نہیں کہتے اسی طرح اس پر رفع اور نصب آتا ہے لیکن مرفوع. منصوب نہیں کہتے.

قولہ انما قلنا من حیث ھو مضاف الیہ الخ یعنی مجرور ایسے اسم کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کی علامت پر مضاف الیہ ہونے کی حیثیت سے مشتمل ہو اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جر مضاف الیہ کے ذات کی علامت نہیں بلکہ اس کے وصف کی علامت ہے یعنی جب کوئی اسم مضاف الیہ ہوگا تو اس پر جر آئے گا اگر مضاف الیہ نہ ہو بلکہ ترکیب میں فاعل و مفعول وغیرہ واقع ہو تو پھر جر نہ آئے گا اگر ذات کی علامت ہوتی تو ہر حال میں اس پر جر آتا.

قولہ والمضاف الیہ وان کان مختصا بما عرفه الخ یہ ایک اعتراض کا جواب ہے. اعتراض یہ ہے کہ مجرور کی

فیدخل فی تعریف المجرور مثل بحسبك درهم وکفی بالله وکذا المضاف الیہ بالاضافة اللفظیة وان لم یکن داخلا فی تعریفہ والمضاف الیہ وھو ھٰھنا غیر ماھو المصطلح المشھور بینھم وذھب فی ذلك الی مذھب سیبویہ حیث اطلق المضاف الیہ علی المنسوب الیہ بحرف الجر لفظاً ایضاً

---

تعریف مصنفؒ نے یہ کی ہے ما اشتمل علی علم المضاف الیہ یعنی جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اور ظاہر ہے کہ مضاف الیہ کی علامت پر صرف مضاف الیہ مشتمل ہو سکتا ہے کوئی دوسرا اسم مشتمل نہ ہوگا۔

اور مضاف الیہ کی تعریف مصنف نے یہ کی ہے والمضاف الیہ کل اسم نسب الیہ شیٔ بواسطۃ حرف الجر لفظا او تقدیرًا مرادًا تو جس اسم پر یہ تعریف صادق نہ ہوگی وہ مضاف الیہ نہ ہوگا اور جو مضاف الیہ نہ ہوگا وہ مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل نہ ہوگا اور جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل نہ ہو وہ مجرور نہ ہوگا جیسا کہ مصنف نے اس کی تعریف کی ہے اس سے بہت سے مجرور تعریف سے خارج ہو جائیں گے مثلاً بحسبک زید میں حسب مجرور ہے بار زائدہ کی وجہ سے حالانکہ یہ مضاف الیہ نہیں ہے کیونکہ اسکی طرف کسی شے کی نسبت نہیں کی گئی۔ اسی طرح باللہ جو کفیٰ باللہ میں ہے اس میں لفظ اللہ بار کی وجہ سے مجرور ہے اور اس میں کفیٰ کی نسبت اللہ کی طرف اگرچہ بواسطہ حرفِ جر کے ہو رہی ہے لیکن یہ نسبت اسنادی ہے اضافی نہیں اور مضاف الیہ میں نسبت اضافیہ ہوتی ہے۔

اسی طرح اضافت لفظیہ کی وجہ سے جو مجرور ہو اس پر مجرور کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ بقول مصنف مجرور کے لئے مضاف الیہ ہونا ضروری ہے اور مضاف الیہ میں کسی شی کی نسبت اس کی طرف حرف جر لفظی یا تقدیری کے واسطے سے ہوتی ہے اور اضافت لفظی میں نہ تو لفظاً حرف جر موجود ہے اور نہ تقدیرًا۔

اس کا جواب شارح والمضاف الیہ الیٰ آخرہ سے دے رہے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کی علامت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس شے کے مساوی ہو یعنی علامت اور ذی علامت میں مساوات ضروری نہیں ہے اسلئے ہو سکتا ہے کہ مضاف الیہ تو خاص ہو اور جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو وہ مضاف الیہ سے عام ہو یعنی مضاف الیہ اور مشابہ مضاف الیہ دونوں کو شامل ہو اب مجرور کی تعریف اس طرح کی جائے گی کہ مجرور ایسا اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو یا مضاف الیہ کے مشابہ ہو اور مشابہ مضاف الیہ بھی مجرور ہوتا ہے کیونکہ مشابہ مضاف الیہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جر آجائے اور ہر مجرور پر جر آتا ہے اسلئے تعریف ہر مجرور کو شامل ہو جائیگی۔

قولہ والمضاف الیہ وھو ھٰھنا غیر ماھو المصطلح الخ جمہور نحاۃ نے مضاف الیہ کی یہ تعریف کی ہے، ھو کل اسم اضیف الیہ اسم آخر بواسطۃ حرف الجر تقدیرًا مرادًا۔

مصنف نے اس سے عدول کرکے یہ تعریف کی ہے المضاف الیہ کل اسم نسب الیہ شی بواسطۃ حرف الجر لفظا او تقدیرًا مرادًا۔ شارح فرماتے ہیں کہ مصنف نے تعریف مشہور سے عدول کرکے یہ تعریف کی ہے اور اس میں سیبویہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے، سیبویہ کے نزدیک مضاف الیہ اس اسم کو بھی کہتے ہیں جس کی

كل اسم حقيقة او حكما ليشمل الجمل التي يضاف اليها نحو يوم ينفع الصادقين صدقهم فانها في حكم المصادر نُسِبَ اليه شيء اسما كان نحو غلام زيد او فعلا مثل مررت بزيد بواسطة حرف الجر لفظا او تقديرا اي ملفوظا كان ذلك الحرف كما في مثل مررت بزيد او مقدرا حال كون ذلك المقدر مرادا من حيث العمل بابقاء اثره وهو الجر مثل غلام زيد وخاتم فضة وضرب اليوم بخلاف قمت يوم الجمعة فانه وان نسب اليه القيام بالحرف المقدر وهو في لكنه غير مراد اذ لو اريد لانجر به فالتقدير اي تقدير الحرف شرطه ان يكون المضاف اسما اذ لو كان فعلا لابد من ان يتلفظ بالحرف نحو مررت بزيد مجردا اي منسلخا عنه تنوينه او ما قام مقامه من نوني التثنية والجمع لاجلها اي لاجل الاضافة لان التنوين او النون دليل على تمام ما هي فيه فلما ارادوا ان يمزجوا الكلمتين

---

طرف حرف جر لفظی کیواسطے سے نسبت کی گئی ہو چنانچہ مررت بزید میں زید مصنفؒ کے نزدیک مضاف الیہ ہے کیونکہ اس کی طرف مررت کی نسبت بواسطہ حرف جر لفظی یعنی باء کے واسطے سے کی گئی ہے۔ مصنف مضاف الیہ کی تعریف میں کل اسم کا لفظ لائے ہیں شارح نے حقیقۃ او حکما لاکر اس کی تعمیم کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اسم مضاف الیہ واقع ہو وہ حقیقۃ اسم ہو جیسے غلام زید میں زید حقیقۃ اسم ہے یا حکما اسم ہو جیسے یوم ینفع الصادقین اس میں ینفع الصادقین مضاف الیہ ہے اور نفع الصادقین کی تاویل میں ہوکر حکما اسم ہے۔ یہ تعمیم اس واسطے کی تاکہ تعریف ان جملوں کو بھی شامل ہوجائے جو مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جملوں کو مصدر کی تاویل میں کرلیا جائے گا جیسا کہ مثال مذکور میں ینفع کو نفع مصدر کے معنی میں کرلیا گیا ہے جسطرح منسوب الیہ میں تعمیم ہے کہ وہ حقیقۃ اسم ہو یا حکما اسیطرح منسوب میں بھی تعمیم ہے کہ جو منسوب ہے وہ اسم ہو جیسے غلام زید میں غلام منسوب ہے اور اسم ہے یا منسوب فعل ہو جیسے مررت بزید میں مررت فعل کی نسبت زید کی طرف ہے اور وہ فعل ہے۔

اسی طرح جس حرف جر کے واسطے سے مضاف الیہ کی طرف نسبت کی گئی ہے اس واسطے میں تعمیم ہے خواہ وہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے مررت بزید میں باء لفظوں میں موجود ہے یا حرف جر مقدر ہو لیکن عمل کے اعتبار سے مراد ہو یعنی اس کا اثر لفظوں میں باقی ہو اور حرف جر کا اثر جر ہے یعنی جر باقی ہو جیسے غلام زید یہ اصل میں غلام لزید تھا اسمیں لام مقدر ہے لیکن عملا اس کا اثر یعنی جر زید پر باقی ہے اسیطرح خاتم فضۃ اصل میں خاتم من فضۃ تھا۔ ضرب الیوم اصل میں ضرب فی الیوم تھا ان دونوں مثالوں میں حرف جر مِن اور فی مقدر ہیں اور ان کا اثر باقی ہے۔ بخلاف قمت یوم الجمعۃ کے کہ اسمیں یوم الجمعہ کی طرف قیام کی نسبت بواسطہ حرف جر مقدر یعنی فی کے واسطے سے ہے کیونکہ اس کی اصل فی یوم الجمعہ ہے لیکن اس کا اثر باقی نہیں یعنی یوم مجرور نہیں ہے اسلئے اس کو مضاف الیہ نہ کہیں گے۔

قولہ فالتقدیر الخ اس میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل عبارت تقدیر الحرف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اضافت حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہو اس میں شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جو اضافت کی وجہ سے

مزجًا تكتسب به الاولى من الثانية التعريف او التخصيص او التخفيف حذفوا من الاولى علامة تمام الكلمة وتمموها بالثانية ثم المتبادر من هذا التعريف نظرا الى كلام القوم حيث ليسوا قائلين بتقدير حرف الجر فى الاضافة اللفظية انه غير شامل للمضاف اليه بالاضافة اللفظية لكن الظ من كلام المص فى المتن و الصريح فى شرحه له ان التقسيم الى الاضافة المعنوية واللفظيه انما هو للاضافة بتقدير حرف الجر لكنه لم يبين تقدير الحرف فيها لا فى المتن ولا

---

تنوین اور قائمقام تنوین یعنی نون تثنیہ اور نون جمع سے خالی ہو اگر مضاف اسم نہ ہو بلکہ فعل یا شبہ فعل ہو تو پھر حرف جر مقدر نہ ہو گا بلکہ اس کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے جیسے مررت بزید میں زید مضاف الیہ ہے اور مررت مضاف ہے چونکہ یہ فعل ہے اسواسطے بار کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح انا مارٌ بزید میں مار شبہ فعل ہے اور زید کی طرف مضاف ہے اس لئے یہاں بھی بار کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے۔

تنوین اور قائم مقام تنوین سے اسم کا خالی ہونا صورت مذکورہ میں اس واسطے ضروری ہے کہ تنوین اور قائمقام تنوین کلمہ کے تمام ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو جب دو کلموں کو ملانے کی ضرورت اس واسطے پیش آئے تاکہ ان دونوں کلموں کے درمیان اتصال حاصل ہو اور وہ دونوں متصل ہوکر کلمۂ ثانیہ سے کلمۂ اولیٰ تعریف یا تخصیص یا تخفیف حاصل کرے تو اول کلمہ سے اس کے تمام ہونے کی علامت کو حذف کرنا ضروری ہوگا ورنہ اتصال ان کے درمیان نہ ہوگا اور مقصود حاصل نہ ہوگا یعنی تعریف، تخصیص، تخفیف حاصل نہ ہوگی. کلمہ ثانیہ اگر معرفہ ہے تو کلمہ اولیٰ یعنی مضاف میں تعریف حاصل ہوگی اور وہ بھی معرفہ ہوجائے گا اور اگر کلمہ ثانیہ یعنی مضاف الیہ نکرہ ہے تو کلمۂ اولیٰ یعنی مضاف میں تخصیص حاصل ہوگی. یہ تو اضافت معنوی کا فائدہ ہوا. اور اگر اضافت لفظی ہو تو مضاف میں صرف تخفیف حاصل ہوگی یعنی تنوین اور نون تثنیہ وجمع حذف کردیا جائے گا.

قولہ ثم المتبادر الخ مصنف رح نے مضاف الیہ کی تعریف کی ہے "کل اسم نسب الیہ شیءٌ بواسطۃ حرف الجر لفظا او تقدیرًا مرادًا"، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس اسم کی طرف کسی شے کی نسبت حرف جر کے واسطے سے کی جائے وہ مضاف الیہ ہوتا ہے اور اضافت لفظیہ میں عند الجمہور حرف جر کا واسطہ نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعریف اس مضاف الیہ کو شامل نہیں جس میں اضافت لفظی ہو. اس کے بعد شارح نے لکن الظاہر من کلام المصنف سے استدراک کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی تعریف اضافت لفظیہ کے مضاف الیہ کو شامل نہیں لیکن آگے چل کر مصنف نے اضافت کی تقسیم ان الفاظ سے کی ہے وہی معنویۃ ولفظیۃ اور اس سے پہلے عبارت ہے فالتقدیر شرطہ ان یکون المضاف اسمًا مجردًا تنوینہ لاجلہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت معنوی اور اضافت لفظی کی طرف تقسیم اس اضافت کی ہے جس میں حرف جر مقدر ہوتا ہے. نیز مصنف رح نے اپنی شرح کافیہ میں

فی شرحه ولم ینقل عنه شئ فیه من سائر مصنفاته وقد تکلف بعضهم فی اضافة الصفة الی مفعولها مثل ضارب زید بتقدیر اللام تقویة للعمل ای ضارب لزید وفی اضافتها الیٰ فاعلها مثل الحسن الوجه بتقدیر من البیانیة فان ذکر الوجه فی قولنا جاء نی زید الحسن الوجه بمنزلة لتمییز فان فی اسناد الحسن الی زید ابهاما فانه لایعلم انه ای شئ منه حسن فاذا ذکر الوجه فکانه قال من حیث الوجه فان قلت هذا فی الحقیقة تخصیص فلا یصح ان الاضافة اللفظیة لاتفید الا تخفیفا فی اللفظ قلنا کان هذا التخصیص واقعا قبل الاضافة فلا یکون مما

---

وہی معنویہ ولفظیہ میں ہی ضمیر کا مرجع الاضافۃ بتقدیر حرف الجر کو قرار دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم اس اضافت کی ہے جس میں حرف جر مقدر ہوتا ہے۔ یہ قرائن ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضافت لفظیہ میں بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے لیکن متن اور شرح اور مصنف کی دوسری کتابوں میں بالتصریح یہ بات نہیں ملتی کہ اضافت لفظیہ میں بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے۔

قولہ وقد تکلف بعضہم الخ بعض نحاۃ نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اضافت لفظیہ میں بھی حرف جر کے تقدیر کی صورت ہو جائے چنانچہ فرمایا ہے کہ اضافت لفظیہ میں جب صفت کا صیغہ مفعول کی طرف مضاف ہو تو عمل کی تقویت کے لئے لام مقدر ہوگا جیسے ضارب زید یہ اصل میں ضارب لزید ہے۔ ضارب اسم فاعل صفت کا صیغہ ہے اس کی اضافت زید کی طرف ہے جو ضارب کا مفعول ہے اسمیں لام داخل ہے اور جب صفت کا صیغہ فاعل کی طرف مضاف ہو تو وہاں من بیانیہ مقدر ہوگا جیسے الحسن الوجہ یہاں الوجہ سے پہلے من نکالا جائے گا اس میں تقدیر من کی وجہ یہ ہے کہ حسن کی اسناد جو زید کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام ہے یعنی جب یہ کہا گیا کہ زید اچھا ہے تو اس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس اعتبار سے زید کو اچھا کہا جا رہا ہے تو جب وجہ کو ذکر کر دیا تو یہ ابہام دور ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ زید اپنے چہرے کے اعتبار سے اچھا ہے یعنی اس کا چہرہ حسین ہے اور تمیز میں اکثر من مقدر ہوتا ہے۔

قولہ فان قلت هذا فی الحقیقة تخصیص الخ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ نحاۃ نے بیان کیا ہے کہ اضافت لفظیہ میں تعریف اور تخصیص حاصل نہیں ہوتی صرف لفظ میں تخفیف ہو جاتی ہے حالانکہ حسن الوجہ میں حسن صفت کا صیغہ ہے جو الوجہ کی طرف مضاف ہے اور ابھی آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ حسن کے اندر ابہام تھا الوجہ سے وہ ابہام دور ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ زید کو چہرہ کے اعتبار سے حسین کہا جا رہا ہے کسی اور اعتبار سے نہیں یہ تخصیص نہیں تو اور کیا ہے شارح نے اس کا جواب دیا کہ اس تخصیص میں اضافت کو کوئی دخل نہیں الحسن وجہہ بغیر اضافت کے ہو تب بھی اس کا یہی مطلب ہے حالانکہ الحسن صفت وجہہ کی طرف مضاف نہیں ہے بلکہ وجہہ اس کا فاعل ہے معلوم ہوا کہ اضافت سے

تفيده الاضافة فليست فائدة الاضافة الا التخفيف في اللفظ وهي اي الاضافة بتقدير حرف الجر معنوية اي منسوبة الى المعنى لانها تفيد معنى في المضاف تعريفا او تخصيصا ولفظية اي منسوبة الى اللفظ فقط دون المعنى لعدم سرايتها اليه فالمعنوية علامتها ان يكون المضاف فيها غير صفة كاسم الفاعل و المفعول والصفة المشبهة مضافة الى معمولها فاعلها او مفعولها قبل الاضافة سواء لم يكن صفة كغلام زيد او كان صفة ولكن غير مضافة الى معمولها بل الى غيره كمصارع مصر وكريم البلد واحترز به عن نحو ضارب زيد وحسن الوجه

---

تخصیص نہیں حاصل ہوئی البتہ لفظ میں تخفیف ہوگئی کہ وجہہ کی ضمیر حذف ہوگئی۔

قوله وهي معنوية ولفظية الخ شارح نے ہیَ ضمیر کا مرجع بیان کیا ای الاضافۃ بتقدیر حرف الجر اس کو بیان کرکے شارح نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ مررتُ بزید میں مررتُ مضاف ہے زید کی طرف بواسطہ حرف جر کے مگر اسکو نہ اضافت معنوی کہتے ہیں نہ اضافت لفظی کہتے ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ مطلق اضافت کی تقسیم نہیں ہو رہی بلکہ جو اضافت بتقدیر حرف الجر ہو اس کی یہ دو قسمیں ہیں اور مررت بزید میں حرف جر مقدر نہیں ہے بلکہ لفظوں میں موجود ہے۔

اس کے بعد اضافت کی ان دو قسموں کا بیان کر رہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں معنوی اور لفظی۔ ان دونوں میں یا نسبتی ہے۔ اضافت معنوی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس اضافت کی وجہ سے مضاف میں تعریف یا تخصیص کے معنی حاصل ہوتے ہیں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جائے گا۔ اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں تخصیص حاصل ہو جائے گی یعنی وہ خاص ہو جائے گا۔

اضافت لفظی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس اضافت سے مضاف میں لفظی فائدہ ہوتا ہے کہ تنوین اور قائمقام تنوین کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ اس میں صرف تخفیف لفظی حاصل ہوتی ہے اسلئے اسکو اضافت لفظیہ کہتے ہیں۔

قوله فالمعنوية علامتها الخ شارح نے علامتہا کا لفظ لاکر یہ بتایا کہ یہ تعریف اِنّی ہے لِمّی نہیں علامت سے کسی چیز کو پہچاننا یہ تعریف اِنّی ہے اور علت سے پہچاننا یہ تعریف لِمّی ہے۔

اضافت معنوی کی علامت یہ ہے کہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ صفت سے مراد اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ ہے اور معمول سے مراد فاعل یا مفعول ہے اور یہ معمول اضافت سے پہلے تھے اضافت کے بعد معمول نہ کہلائیں گے مجازاً ما کان کے اعتبار سے ان کو معمول کہدیا۔ اس جگہ دو صورتیں نکلتی ہیں (۱) مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو اور مضاف الیہ معمول نہ ہو جیسے غلام زید اس میں دونوں منتفی ہیں نہ مضاف صفت ہے اور نہ مضاف الیہ معمول ہے۔ (۲) مضاف صفت کا صیغہ ہے لیکن مضاف الیہ اس کا معمول نہ ہو جیسے کریم البلد (شہر کا سخی)

وهی ای الاضافة المعنویة بحکم الاستقراء اما بمعنی اللام فیما ای فی المضاف الیه عدا جنس المضاف وظرفه ای لا یکون صادقا علی المضاف وغیره ولا ظرفا له نحو غلام زید فان زیدا لیس جنسا للغلام صادقا علیه ولا ظرفه فاضافة الغلام الیه بمعنی اللام ای غلام لزید فان بمعنی من البیانیة فی جنس المضاف الصادق علیه وعلی غیره بشرط ان یکون المضاف ایضا صادقا علی غیر المضاف الیه فیکون بینهما عموم وخصوص من وجه واما بمعنی فی فی ظرفه

---

مصارع مصر (شہر کا پہلوان) ان دونوں مثالوں میں مضاف توصفت کا صیغہ ہے کریم صفت مشبہ ہے اور مصارع اسم فاعل ہے اور مضاف الیہ بلد ہے وہ ان دونوں کا معمول نہیں. کیونکہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول ہے اور بلد ظرف ہے نہ فاعل ہے نہ مفعول ہے۔

مصنف نے اضافت معنوی کی جو تعریف کی ہے اس سے ضارب زید اور حسن الوجہ جیسی مثال سے احتراز ہے کیونکہ دونوں مثالوں میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہے۔ الوجہ فاعل ہے حسن کا اور زید ضارب کا مفعول ہے

قولہ وھی اما بمعنی اللام الخ اضافت معنوی کی بحکم استقراء تین قسمیں ہیں یعنی اس کا انحصار ان تین قسموں میں استقرائی ہے وہ تین قسمیں یہ ہیں (۱) اضافت بمعنی اللام (۲) اضافت بمعنی من (۳) اضافت بمعنی فی۔ اضافت بمعنی اللام اس صورت میں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ مضاف کے لئے ظرف ہو جنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر بھی صادق ہو اور اس کے علاوہ پر بھی صادق ہو۔ اضافت بمعنی اللام میں مضاف الیہ ایسا نہ ہونا چاہئے اور نہ مضاف کے لئے ظرف ہونا چاہئے۔ جیسے غلام زید اس میں زید مضاف الیہ ہے اور یہ غلام کے لئے جنس نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ غلام اور غیر غلام دونوں پر صادق آئے بلکہ زید تو مثال مذکور میں آقا ہے غلام کیسے ہو سکتا ہے اسی طرح زید غلام کے لئے ظرف بھی نہیں ہے جیسا کہ ظاہر۔

اضافت بمعنی من کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے لئے جنس ہو یعنی اپنے مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق ہو جیسے خاتم فضۃ اس میں فضہ مضاف الیہ اور خاتم مضاف ہے اور فضہ خاتم اور غیر خاتم دونوں پر صادق ہے یعنی چاندی سے انگوٹھی بھی بنائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور دوسرے زیورات بنائے جاتے ہیں۔ شارح نے اما بمعنی من فی جنس المضاف کے بعد الصادق علیہ وعلی غیرہ بشرط ان یکون المضاف ایضا صادقا علی غیر المضاف الیہ کا اضافہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ ایسا ہو کہ مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق ہو۔ اسی طرح مضاف بھی ایسا ہو کہ مضاف الیہ اور غیر مضاف الیہ دونوں پر صادق ہو اس کا حاصل یہ ہوا کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں عام وخاص من وجہ کی نسبت ہو۔ مثلاً مثال مذکور خاتم فضۃ میں انگوٹھی چاندی

ای ظرف المضاف والحاصل ان المضاف الیہ اما مباین للمضاف وح ان کان ظرفا لہ فالاضافۃ بمعنی فی والا فہی بمعنی اللام واما مساولہ کلیث اسد و اما اعم مطلقًا کاحد الیوم فالاضافۃ علی التقدیرین ممتنعۃ واما اخص مطلقا کیوم الاحد وعلم الفقہ وشجر الاراك فالاضافۃ ح ایضا معنی اللام واما اخص من وجہ فان کان المضاف الیہ اصلاً للمضاف فالاضافۃ بمعنی من والا فہی ایض بمعنی اللام فاضافۃ خاتم الی فضۃ بیانیۃ واضافۃ فضۃ الی خاتم بمعنی اللام کما یقال فضۃ خاتمك خیر من فضۃ خاتمی ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

---

اور غیر چاندی دونوں کی ہوتی ہے۔ اسی طرح چاندی سے انگوٹھی اور غیر انگوٹھی دونوں قسم کی چیزیں بنتی ہیں.

اضافت بمعنی فی کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے ظرف واقع ہو جیسے ضرب الیوم اس میں الیوم ضرب کے لئے ظرف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرب کا وقوع آج کے دن ہوا تقدیر عبارت یہ ہوگی ضرب واقع فی الیوم۔

قولہ والحاصل ان المضاف الیہ الخ ہر دو کلیوں کے درمیان چار نسبتوں میں سے کوئی کوئی نسبت پائی جاتی ہے۔ تساوی۔ تباین۔ عام وخاص مطلق عام وخاص من وجہ۔ یہاں اضافت کے ان اقسام ثلثہ میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ان نسب اربعہ میں سے کونسی نسبت پائی جاتی ہے۔ شارح اس عبارت سے اس کا بیان کررہے ہیں. فرماتے ہیں اگر مضاف الیہ مضاف کے مباین ہو یعنی دونوں میں تباین کی نسبت پائی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر ظرف ہے تو اضافت بمعنی فی ہے۔ اگر ظرف نہیں ہے تو اضافۃ بمعنی اللام ہے۔

اور اگر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تساوی ہو یا مضاف الیہ عام ہو اور مضاف خاص ہو تو ان دونوں صورتوں میں اضافت ممتنع ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اضافت سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا نہ مضاف میں تعریف حاصل ہوتی ہے نہ تخصیص۔ مثلاً کسی نے مررت بالاسد یا مررت بلیث کہا تو مخاطب کو اس سے پورا فائدہ حاصل ہوگیا اب اگر وہ مررت بلیث اسد کہے یا مررت باسد لیث کہے یعنی ایک مساوی کو دوسرے مساوی کی طرف مضاف کردے تو مزید کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا مثلاً لیث کو اسد کی طرف مضاف کرنے میں لیث کے اندر اسد سے نہ تو تعریف حاصل ہوئی نہ تخصیص۔ اسی طرح اس کے عکس کا حال ہے تو پھر اضافت سے کیا فائدہ۔

اور اگر مضاف الیہ مضاف سے خاص ہو جیسے یوم الاحد اسمیں یوم عام ہے ہر دن کو کہہ سکتے ہیں اور احد صرف یکشنبہ کو کہتے ہیں۔ اسی طرح علم الفقہ، شجر الاراک میں مضاف الیہ خاص ہے اور مضاف عام ہے تو ایسی صورت میں اضافت بمعنی اللام ہوگی اور اگر مضاف الیہ خاص من وجہ ہے یعنی مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان

واعلم انه لایلزم فیما هو بمعنی اللام ان یصح التصریح بها بل یکفی افادة الاختصاص الذی هو مدلول اللام فقولك یوم الاحد و علم الفقه و شجر الاراك بمعنی اللام ولا یصح اظهار اللام فیه ولهذا قال المصنف بمعنی اللام ولم یقل بتقدیر اللام وبهذا الاصل

عام و خاص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی اور اگر اصل نہیں ہے تو اضافت بمعنی اللام ہوگی۔ معلوم ہوا کہ اگر مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان عام و خاص من وجہ کی نسبت ہو تو اس میں ہر حال میں اضافت بمعنی من نہ ہوگی بلکہ یہ تفصیل ملحوظ ہوگی اگر مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی ورنہ اضافت بمعنی اللام ہوگی چنانچہ خاتم فضۃ میں اضافت بمعنی من ہے کیونکہ فضہ خاتم کے لئے اصل ہے۔ اور فضۃ خاتم میں اضافت بمعنی اللام ہے کیونکہ خاتم فضہ کے لئے اصل نہیں ہے ۔ فضۃ خاتمک خیر من فضۃ خاتمی اس میں بھی اضافت بمعنی اللام ہے۔

قولہ واعلم انہ لایلزم فیما ھو بمعنی اللام الخ اس عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے شبہ یہ ہوتا ہے کہ اضافت بمعنی اللام وہاں ہوگی جہاں لام کا اظہار درست ہو اور علم الفقہ۔ یوم الاحد۔ شجر الاراک میں لام کا اظہار درست نہیں لہذا ان میں اضافت بمعنی اللام نہ ہونا چاہیئے۔ شارح فرمارہے ہیں کہ اضافت بمعنی اللام کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں لام ظاہر کیا جائے بلکہ لام کے معنی جو تخصیص کے ہیں وہ اس اضافت میں پائے جاتے ہوں۔ چنانچہ امثلۂ مذکورہ میں تخصیص پائی جاتی ہے اس وجہ سے یہ اضافت بمعنی اللام میں داخل ہیں۔ مصنف رح نے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے بمعنی اللام کہا بتقدیر اللام نہیں کہا جس کا مطلب یہی ہے کہ لام کا مقصود جو تخصیص ہے وہ حاصل ہونا چاہیئے لام کا مقدر ماننا ضروری نہیں ہے۔

قولہ وبھذا الاصل یرتفع الاشکال الخ مطلب یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اضافت بمعنی اللام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں لام کا اظہار ضروری ہو بلکہ اختصاص حاصل ہو جائے یہی کافی ہے۔ اس اصل کے جان لینے کے بعد اضافت لامیہ کی مثالوں میں جو اعتراض ہوسکتا تھا وہ نہ واقع ہوگا مثلاً علم الفقہ۔ شجر الاراک جیسی مثالوں میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہاں لام کا اظہار جائز نہیں لہذا اضافت بمعنی اللام نہ ہونا چاہیئے۔ ان سب کا جواب یہی ہے کہ مقصود اختصاص ہے وہ حاصل ہے لہذا اضافت بمعنی اللام میں یہ سب داخل ہیں۔

یرتفع الاشکال عن کثیر من مواد الاضافة اللامیة ولا یحتاج فیه الی التکلفات البعیدة مثل کل رجل وکل واحد وھو ای کون الاضافة بمعنی فی قلیل فی استعمالاتھم وردھا اکثر النحاة الی الاضافة بمعنی اللام فان معنی ضرب الیوم ضرب لہ اختصاص بالیوم بملابسة الوقوع فیہ فان قلت فعلی ھذا یمکن رد الاضافة بمعنی من ایضا الی الاضافة بمعنی اللام للاختصاص الواقع بین المبین والمبین قلنا نعم لکن لما کانت الاضافة بمعنی فی قلیلا ردوھا الی الاضافة بمعنی اللام تقلیلا للاقسام واما

---

قولہ ولا یحتاج فیہ الی التکلفات البعیدة مثل کل رجل الخ امثلہ مذکورہ علم الفقہ۔ شجر الاراک۔ یوم الاحد اور اس جیسی دوسری مثالیں مثلاً کل رجل و کل واحد وغیرہ میں جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان سب میں اضافت لامیہ ہے حالانکہ ان میں اظہار لام صحیح نہیں اس کا جواب ایک تو شارح نے دیا کہ اضافت لامیہ میں لام کا اظہار ضروری نہیں۔ لام کا مقصود جو اختصاص ہے وہ حاصل ہو جائے پس کافی ہے بعض لوگوں نے تکلف کیا ہے اور ان امثلہ میں اور ان جیسی دوسری مثالوں میں لام کا اظہار بہ تکلف کیا ہے گویا کہ ان حضرات نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اضافت لامیہ میں لام ظاہر ہونا چاہئے چنانچہ علم الفقہ میں انھوں نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ اصل میں علم مخصوص للفقہ ہے اور شجر الاراک کی تاویل شجر مخصوص للاراک سے کی ہے اور یوم الاحد میں یوم مخصوص للاحد کہا ہے۔

اسی طرح کل رجل اور کل واحد میں اضافت بمعنی اللام ہے لیکن مضاف الیہ پر لام کا ظاہر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظ کل اسم لازمة الاضافة میں سے ہے یعنی ہمیشہ مضاف ہوتا ہے جیسے عند۔ لدی وغیرہ اور اسم لازمة الاضافة میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لام کے ذریعہ فصل صحیح نہیں تو ان حضرات نے ان میں بھی تاویل کی اور کل سے افراد مراد لیکر مضاف الیہ پر لام کو ظاہر کیا ہے اور اسکی اصل مثال مذکور میں کل فرد لرجل اور کل فرد لواحد نکالی ہے۔

شارح فرماتے ہیں کہ ہمارے بے تکلف جواب کے بعد پھر اس قسم کے پر تکلف جواب کی کیا ضرورت ہے۔

قولہ وھو قلیل الخ یعنی اضافت بمعنی فی کا وقوع بہت کم ہوتا ہے۔ شارح نے ترقی کرکے فرمایا کہ اکثر نحاة نے تو اسکو اضافت کی مستقل قسم نہیں قرار دی بلکہ اضافت بمعنی اللام میں اسکو داخل کر دیا ہے کیونکہ فعل کو اپنے ظرف کے ساتھ وقوع کے اعتبار سے خصوصیت ہوتی ہے مثلاً ضرب الیوم میں الیوم ضرب کے لئے ظرف ہے اور ضرب کو الیوم کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ اسمیں ضرب کا وقوع ہوا ہے تو جب اضافت بمعنی فی میں بھی اختصاص پایا جاتا ہے تو اسکو علیحدہ قسم کیوں قرار دیا جائے اضافت بمعنی اللام میں داخل کر دیا جائے۔

قولہ فان قلت الخ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ اضافت بمعنی فی میں بھی چونکہ اختصاص پایا جاتا ہے اسلئے اسکو اضافت بمعنی اللام میں داخل کر دیا گیا ہے اسی طرح اضافت بمعنی من میں بھی تو اختصاص ہے کیونکہ مبیَّن اور مبیِّن

الاضافة بمعنى من فهى كثيرة فى كلامهم فالاولى بها ان تجعل قسما على حدة نحو غلام زيد مثال للاضافة بمعنى اللام اى غلام لزيد وخاتم فضة مثال للاضافة بمعنى من اى خاتم من فضة وضرب اليوم مثال للاضافة بمعنى فى اى ضرب واقع فى اليوم وتفيد اى الاضافة المعنوية تعريفا اى تعريف المضاف مع المضاف اليه المعرفة لان الهيأة التركيبية فى الاضافة المعنوية موضوعة للدلالة على معلومية المضاف لان نسبة امر الى معين يستلزم معلومية المنسوب ومعهوديته

---

کے درمیان اختصاص ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعتراض آپ کا صحیح ہے لیکن اضافت بمعنی فی کا وقوع بہت کم ہے اس لئے مناسب یہ ہوا کہ اسکو اضافت بمعنی اللام میں داخل کر دیا جائے تاکہ اقسام کم ہوجائیں اور ان کا یاد کرنا آسان ہو جائے۔ اور اضافت بمعنی من کثیر الوقوع ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اسکو علیحدہ قسم قرار دیا جائے۔

قولہ وتفید تعریفا الخ یعنی مضاف الیہ اگر معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جائے گا شارح اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اضافت معنوی میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے اس کی وضع ہی اس لئے ہوتی ہے لہٰذا مضاف الیہ کی معلومیت اور اس کی تعریف مضاف کی طرف سرایت کریگی کیونکہ ان کے درمیان لفظوں میں بہت قوی اتصال ہے۔ بسا اوقات تو مضاف الیہ کو مضاف میں منضم کردیتے ہیں اور مضاف الیہ کے عوض مضاف میں تنوین داخل کرکے مضاف الیہ کو ختم کردیتے ہیں تو جسطرح مضاف اور مضاف الیہ میں لفظوں میں اتصال ہے اسی طرح ہیئت ترکیبیہ کی وجہ سے معنی کے اعتبار سے بھی اتصال قوی حاصل ہو جائے گا۔

ایسا نہیں ہے جیسا کہ شارح ہندی نے فرمایا ہے کہ امر غیر معین کی نسبت جب امر معین کی طرف کیجاتی ہے تو وہ منسوب کی معلومیت اور معہودیت کو مستلزم ہوتی ہے مثلاً غلام زید میں غلام غیر معین تھا اور زید معین ہے جب غلام کی نسبت زید کی طرف کی گئی تو غلام بھی معین ہوگیا۔ شارح لا انّ نسبۃ امر الخ سے اس کو رد کررہے ہیں کہ یہ ملازمہ مسلم نہیں کہ جب بھی امر معین کی طرف امر غیر معین کی نسبت کریں تو غیر معین معین ہو جائے ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا مثلاً غلامٌ لزید میں بھی تو غلام کی نسبت زید کی طرف ہورہی ہے اور زید معین ہے لیکن غلام معین نہیں ہوا کیونکہ اس کی تنوین تنکیر پر دلالت کررہی ہے اسی طرح فعل کی نسبت فاعل معین کی طرف ہوتی ہے لیکن وہ فعل کی معلومیت کو مستلزم نہیں جیسے ضرب زید میں ضرب کی نسبت زید کی طرف ہے اور زید فاعل ہے متعین ہے لیکن اس سے ضرب میں کسی قسم کی تعریف نہیں پائی جاتی۔

فان ذلك غير لازم كما لا يخفى فان قلت قد يقال جاءني غلام زيد من غير اشارة الى واحد معين فلا، كون هيئاة التركيب الاضافي موضوعة المعلومية المضاف تلك لذلك كما ان المعرف باللام في اصل الوضع لمعين ثم قد يستعمل بلا اشارة الى معين كما في قوله ع ولقد امر على اللئيم يسبني و ذلك على خلاف وضعه و ليس يجرى هذا الحكم في نحو غير و مثل فان اضافتهما لا تفيد التعريف وان كان مع المضاف اليه المعرفة لتوغلهما في الابهام الا ان يكون للمضاف اليه ضد واحد يعرف بغيريته كقولك عليك بالحركة غير السكون وكذا اذا كان للمضاف اليه مثل اشتهر بمماثلته في شئ من الاشياء كالعلم والشجاعة فقيل له جاء مثلك كان معرفة ...

قولہ فان قلت الخ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ اضافت معنوی میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے یہ کلیہ ہم کو مسلم نہیں اسلئے کہ اگر غلام زید کہا جائے اور غلام سے کوئی خاص غلام نہ مراد ہو تو باوجود یکہ اس کی نسبت زید کی طرف ہے جو معلوم ہے لیکن اس سے غلام کی معلومیت حاصل نہیں ہوئی۔

شارح نے جواب دیا کہ ہم وضع کے اعتبار سے گفتگو کر رہے ہیں کہ ہیئت ترکیبیہ کی وضع اضافت معنوی میں اس لئے ہے کہ وہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر کسی عارض کی بنار پر ایسا نہ ہو تو اس کی اصل وضع پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ الف ولام کی وضع تو اسلئے ہے کہ وہ معین پر دلالت کرے اور اس کے مدخول سے فرد معین مراد ہو لیکن کبھی وضع کے خلاف اس کا استعمال کسی عارض کی بنار پر غیر معہود کے لئے ہو جاتا ہے۔ جیسے "ولقد امر علی اللئیم یسبنی" میں اللئیم پر الف لام داخل ہے لیکن اس سے کوئی خاص فرد مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اسکی صفت یسبنی جملہ ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اور نکرہ معرفہ کی صفت نہیں ہوتا تو اگر اللئیم معرفہ ہوتا تو لازم آتا کہ نکرہ معرفہ کی صفت ہو تو اس عارض کے پیش آجانے سے اصل وضع میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں بھی چونکہ استعمال میں بالقصد غیر معین غلام مراد لیا گیا ہے اس لئے زید کی معلومیت کا اثر غلام میں نہیں ہوا ورنہ ہیئت ترکیبیہ کی وجہ سے تو زید کے معین ہونے کی وجہ سے غلام بھی معین ہو جاتا۔

قولہ ولیس یجری ھذا الحکم الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اضافۃ معنوی میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جاتا ہے یہ قاعدہ غیر اور مثل میں جاری نہیں ہے شارح جواب دے رہے ہیں کہ یہ دونوں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں ابہام بہت پایا جاتا ہے لیکن اگر مضاف الیہ کی ایک ضد ہو تو پھر غیر بھی معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے معرفہ ہو جاتا ہے۔ جیسے علیک بالحرکۃ غیر السکون اس میں سکون کی ایک ہی ضد ہے یعنی حرکت اس لئے اس مثال میں غیر بھی معرفہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر مضاف الیہ کا کوئی مثل ہو جس کی مماثلت مضاف الیہ کے ساتھ کسی وصف میں مشہور ہو تو مثل بھی معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے معرفہ ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے جاء مثلک اور مخاطب کے ساتھ کوئی شخص

اذا قصد الذی یماثله فی الشیٔ الفلانی وتفید الاضافة المعنویة تخصیصًا ای تخصیص المضاف مع المضاف الیه النکرة نحو غلام رجل فان التخصیص تقلیل الشرکاء ولاشك ان الغلام قبل اضافته الی رجل کان مشترکًا بین غلام رجل وغلام امرأة فلما اضیف الی رجل خرج عنه غلام امرأة وقلت الشرکاء فیه وشرطها ای شرط الاضافة المعنویة تجرید المضاف اذا کان معرفة من التعریف فان کان ذواللام حذف لامه وان کان علما نکر بان یجعل واحدا من جملة من سمی بذلك الاسم وان لم یکن معرفة فلاحاجة الی التجرید بل لایمکن اوالمراد بالتجرید تجرده دخلوه من التعریف عند الاضافة سواء کان نکرةً فی نفسه

---

علم یا شجاعت میں مماثل ہو اور مثل سے مراد بھی وہی شخص ہو جو مخاطب کے ساتھ اس وصف میں مماثل ہے تو ایسی حالت میں مثل بھی معرفہ ہو جائے گا۔

قولہ وتخصیصًا مع النکرة الخ اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو اضافت معنوی کی وجہ سے مضاف میں تخصیص حاصل ہو جائے گی جیسے غلام رجل اسمیں غلام کی اضافت جب تک رجل کی طرف نہیں کی گئی تھی اسوقت تک غلام میں تعمیم تھی مرد اور عورت دونوں کے غلام ہونے کا احتمال تھا اور جب رجل کی طرف اضافت کردی گئی تو اس سے عورت کا غلام خارج ہو گیا کیونکہ تخصیص کے معنی ہیں تقلیل الشرکاء اور ظاہر ہے کہ غلام کی اضافت رجل کی طرف کرنے سے غلام امرأة خارج ہو جائیگا جس سے قلت حاصل ہو جائیگی

قولہ وشرطها تجرید المضاف الخ اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو اسکو تعریف سے خالی کر لیا جائے اگر مضاف معرف باللام ہے تو لام کو حذف کر دیا جائے اور اگر مضاف علم ہے تو اس کو نکرہ کر لیا جائے یعنی اس کی علمیت زائل کر دی جائے جس کی صورت یہ ہو گی کہ اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے مثلاً زید سے شخص معین نہ مراد لیا جائے بلکہ زید نام کی ایک جماعت ہو اور پھر زید بول کر اس جماعت کا ایک فرد مراد لیا جائے جو متعین نہ ہو۔ یہ تجرید اس وقت ضروری ہے جب مضاف پہلے سے معرفہ ہو اور اگر وہ معرفہ نہیں ہے تو پھر تجرید کی ضرورت نہیں بلکہ تجرید کا تحقق ہی ایسی صورت میں ممکن نہیں ہے کیونکہ تجرید کے معنی ہیں خالی کرنا اور خالی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جس سے خالی کیا جائے پہلے وہ موجود تو ہو۔

قولہ اوالمراد بالتجرید تجرده الخ اعتراض کا یہ دوسرا جواب ہے اعتراض یہ ہوتا تھا کہ مصنف کی عبارت ہے شرطها تجرید المضاف عن التعریف کہ مضاف کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تعریف سے خالی ہو تو اگر مضاف کسی صورت میں پہلے ہی سے معرفہ نہ ہو تو اس صورت میں تجرید کا تحقق کیسے ہو گا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ شرط اس وقت ہے جب مضاف معرفہ ہو۔ دوسرا جواب شارح اوالمراد الخ سے دے رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مراد

من غیر تجرید او کان معرفۃ جردت عن التعریف و انما یجب التجرید لان المعرفۃ لو اضیفت الی النکرۃ لکان طلبا للادنیٰ وھو التخصیص مع حصول الاعلیٰ وھو التعریف ولو اضیفت الی المعرفۃ لکان تحصیل الحاصل فتضیع الاضافۃ حیث لا تفید تعریفا ولا تخصیصًا فان قیل لا فرق بین اضافۃ المعرفۃ وبین جعلھا علما فی نحو النجم والثریا والصعق وابن عباس فی لزوم تعریف المعرف

---

تجرید سے تجرد ہے یعنی متعدی بول کر لازم مراد ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا چاہئے خواہ خالی کرنے سے خالی ہوا ہو یا پہلے ہی سے خالی ہو۔

قولہ وانما یجب التجرید الخ اس سے پہلے مصنف نے بیان کیا ہے کہ اضافت معنوی میں شرط ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو شارح اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر تعریف سے مضاف کو خالی نہ کیا جائے معرفہ ہی رکھا جائے تو اس کا مضاف الیہ یا معرفہ ہوگا یا نکرہ۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہے تو تحصیل حاصل لازم آئے گی کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ اب مضاف الیہ کو معرفہ لاکر پھر تعریف حاصل کی جارہی ہے اور اسی کو تحصیلِ حاصل کہتے ہیں جو محال ہے اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہے تو اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی تحصیل لازم آتی ہے کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف اس کو حاصل ہے اس کے بعد بھی مضاف الیہ نکرہ سے تخصیص حاصل کرنے کی ہوس ہورہی ہے اسی کو طلب الاعلیٰ للادنیٰ کہتے ہیں جو بڑی دنائت کی بات ہے۔

قولہ فان قیل لا فرق الخ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کرنے میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے اسی طرح معرفہ کو علم کرنے میں بھی تحصیل حاصل لازم آتی ہے۔ کیونکہ علم بھی معرفہ ہے تو جب کوئی کلمہ پہلے سے معرفہ ہے تو پھر اس کو علم بنانے سے کیا فائدہ علم تو اس لئے ہوتا ہے کہ کلمہ معرفہ ہو جائے اور وہ پہلے ہی سے معرفہ ہے لہٰذا یہ تفریق سمجھ میں نہیں آتی کہ معرفہ کو معرفہ کی طرف مضاف کرنا تو صحیح نہ ہو اور معرفہ کو علم بنانا صحیح ہو اس کی مثالیں النجم۔ الثریا۔ الصعق اور ابن عباس ہیں۔ ان میں پہلی تین مثالیں تو الف لام کی وجہ سے معرفہ ہیں اس کے بعد ان کو علم قرار دیدیا گیا۔ النجم ایک خاص ستارہ ہے۔ الثریا چند ستاروں کا مجموعہ جو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انگور کا خوشہ، یہ بھی علم ہے۔ الصعق ایسے مرد کو کہتے ہیں جو بزدل ہو۔ ابن عباس پہلے سے اس وجہ سے معرفہ ہے کہ اس میں ابن کی اضافت عباس کی طرف ہورہی ہے اور عباس علم ہے تو علم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سے معرفہ ہے اس کے بعد علم ہوگیا اور اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عباس ہیں۔

حاصل یہ کہ یہ سب پہلے ہی سے معرفہ ہیں پھر بھی ان کو علم قرار دیا گیا اور یہ تحصیل حاصل ہے لیکن انکو

فما بالہم جوزواھذا دون ذٰلك قیل لا نسلم ان فی ھذہ الامثلة تعریف المعرف بل فیہا زوال تعریف وھوالتعریف الحاصل باللام اوالاضافة وحصول تعریف اٰخر وھو التعریف بالعلمیة فانہا حین صارت اعلٰی مالم یبق فیہا الاشارة الی معلومیتہا باللام اوالاضافة فلایلزم فیہا تعریف المعرف بل تبدیل تعریف بتعریف اٰخر وما اجازہ الکوفیون من ترکیب الثلثة الاثواب و شبہہ من العدد المعرف باللام المضاف الی معدودة نحو الخمسة الدراہم والمائة الدینار ضعیف قیاسا واستعمالا اما قیاسا فلما ذکر من لزوم تحصیل

---

جائز قرار دیا اور معرفہ کی اضافت معرفہ ہو تو اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

قولہ قیل لانسلم ان فی ھذہ الامثلة الخ اعتراض مذکور کا جواب ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ یہاں تعریف المعرف نہیں بلکہ زوال تعریف وحصول تعریف آخر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ علمیت سے پہلے جو تعریف کی صورت تھی مثلاً النجم۔ الثریا۔ الصعق میں الف لام کی وجہ سے اور ابن عباس میں اضافت کی وجہ سے یہ صورت علمیت کے وقت میں ضائع ہوگئی اب صرف علمیت کی وجہ سے جو تعریف حاصل ہوئی ہے وہ باقی ہے۔ حاصل یہ کہ یہاں دو تعریفیں جمع نہیں ہوئیں بلکہ ایک تعریف کے زائل ہونے کے بعد دوسری تعریف حاصل ہوئی ہے۔

قولہ وما اجازہ الکوفیون الخ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ مضاف کو تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے اس میں کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ عدد معرف باللام اپنے تمیز مضاف الیہ کی طرف مضاف ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عدد اگر مضاف ہو تو اس کو حرف تعریف سے خالی ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے الثلثة الاثواب، الخمسة الدراہم، المائة الدینار وغیرہ۔ ان امثلہ میں عدد معرف باللام ہے اور مضاف ہے اور الف لام حرف تعریف ہے مضاف کو اس سے خالی نہیں کیا گیا۔ مصنف کوفیین کا رد کررہے ہیں کہ یہ مسلک نہ قیاساً صحیح ہے اور نہ استعمال کے اعتبار سے درست ہے۔ قیاس کے اعتبار سے درست نہ ہونے کی وجہ تو اس سے پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ اس میں تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور استعمال کے اعتبار سے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ استعمال غیر فصیح ہے۔ فصحاء کے کلام میں عدد کی اضافت کے وقت اس کو الف لام سے خالی کرلیتے ہیں چنانچہ ذوالرمہ کا قول ہے "ثلاث الاثافی والدیار البلاقع"، اس میں ثلاث عدد ہے اور الف لام سے خالی ہے۔ اس مصرعہ سے پہلے تین مصرعے اور ہیں:۔

ایا منزلی سلمٰی سلام علیکما ÷ ھل الازمن اللاتی مَضَیْن رَوَاجِعُ

وھل یرجع التسلیم اویکشف العمٰی ÷ ثلٰث الاثافی والدیار البلاقع

اے میری محبوبہ سلمٰی کی دو قیام گاہ تم پر سلامتی ہو، کیا گذرے ہوئے زمانے لوٹ سکتے ہیں۔ اور کیا میرے سلام کا

الحاصل واما استعمالاً فلما ثبت من الفصحاء من ترك اللام قال ذوالرمة ع ثلث الاثانی والدیار البلاقع، واما جاء فی الحدیث من قوله علیه السلام بالالف الدینار فعلی البدل دون الاضافة والاضافة اللفظیة علامتها ان یکون المضاف صفة احترازعما اذا لم یکن صفة نحو غلام زید مضافة الی مَعْمُوْلِهَا احترازعما اذا کانت مضافة الی غیرمعمولها نحو مصارع البلد وکریم العصر مثل ضارب زید من قبیل اضافة اسم الفاعل الی مفعوله وحسن الوجه من قبیل اضافة الصفة المشبهة الی فاعلها ولاتفید الاضافة اللفظیة فائدة الا تخفیفا لاتعریفا ولاتخصیصًا

---

جواب دے سکتے ہیں. یا سلمٰی کے حال کی بے خبری کو چولھے پر ہانڈی ٹیکنے کے تین پتھر اور خراب وخستہ مکانات دور کر سکتے ہیں۔

قولہ واما ماجاء فی الحدیث الخ یہ بھی سوال کا جواب ہے. سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کوفیین کے مذہب پر ضعف کا حکم تو لگادیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں عدد معرف باللام مضاف ہے اس کا کیا جواب ہے شارح اس سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ حضورؐ کے قول بالالف الدینار میں الالف مضاف نہیں ہے بلکہ مبدل منہ ہے اور الدینار اس سے بدل ہے یا یہ کہا جائے الدینار الالف کا عطف بیان ہے. بہرحال مضاف نہیں ہے لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں. پورا قول یہ ہے "اغتسلوا یوم الجمعة ولواشتریت نصف الصاع بالالف الدینار". جمعہ کے دن غسل کیا کرو خواہ نصف صاع پانی ایک ہزار دینار کے بدلے میں خریدنا پڑے.

قولہ والاضافة اللفظیة الخ اضافت معنوی اصل ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا ہے. اب اضافت لفظی کو بیان کر رہے ہیں. اضافت لفظی یہ ہے کہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اگر مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو تو وہ اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے غلام زید. اسی طرح اگر صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو وہ بھی اضافت لفظی نہ ہوگی . . . . . . . . . جیسے کریم البلد ومصارع مصر اس میں کریم اور مصارع صفت کا صیغہ تو ہیں لیکن بلد اور مصر اُن کا معمول نہیں کیونکہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول بہ ہے اور بلد اور مصر نہ فاعل ہیں نہ مفعول بہ ہیں بلکہ ظرف ہیں.

قولہ ضارب زید وحسن الوجه الخ پہلی مثال میں صفت کا صیغہ مفعول بہ کی طرف مضاف ہے اور دوسری مثال میں صفت کا صیغہ فاعل کی طرف مضاف ہے .

قولہ ولاتفید الا تخفیفا فی اللفظ الخ اضافت لفظی تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ اس اضافت میں مضاف الیہ اگرچہ مضاف کے ساتھ لفظوں میں متصل ہے لیکن حقیقت میں وہ منفصل ہے اور جب ان میں انفصال ہے تو پھر مضاف اور مضاف الیہ بھی حقیقت کے اعتبار سے نہ ہوں گے کیونکہ مضاف اور

لکونہا فی تقدیر الانفصال فی اللفظ لا فی المعنی بان یسقط بعض المعانی عن ملاحظۃ العقل بازاء مایسقط من اللفظ بل المعنی علی ما کان علیہ قبل الاضافۃ والتخفیف اللفظی اما فی لفظ المضاف فقط بحذف التنوین حقیقۃ مثل ضارب زید اوحکما مثل حواج بیت اللہ اوبحذف نونی التثنیۃ والجمع مثل ضاربا زید وضاربو زید واما فی لفظ المضاف الیہ فقط بحذف الضمیر واستتارہ فی الصفۃ کالقائم الغلام کان اصلہ القائم غلامہ وحذف الضمیر من غلامہ واستتر فی القائم واضیف القائم الیہ للتخفیف فی المضاف الیہ فقط ومافی المضاف و المضاف الیہ معًا نحو زید قائم الغلام اصلہ قائم غلامہ فالتخفیف فی المضاف بحذف التنوین وفی المضاف الیہ بحذف الضمیر واستتارہ فی

---

مضاف الیہ کے درمیان اتصال ضروری ہے اور وہ اس اضافت میں مفقود ہے اور جب اضافت حقیقیہ نہ باقی رہی تو اس کا ثمرہ یعنی تعریف اور تخصیص کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

قولہ لا فی المعنی بان یسقط بعض المعانی الخ مطلب یہ ہے کہ اضافت لفظی میں لفظ میں تخفیف ہوتی ہے معانی میں تخفیف نہیں ہوتی یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ لفظ سے جتنا حصہ ساقط ہوا ہے اتنا ہی حصہ معنی سے ساقط کر دیا جائے بلکہ اضافت سے پہلے جو معنی تھے وہی معنی اضافت کے بعد بھی باقی رہیں گے۔

قولہ والتخفیف اللفظی الخ ابھی بیان کیا تھا کہ اضافت لفظی میں تخفیف فی اللفظ ہوتی ہے۔ اب اس کی صورتیں بیان کر رہے ہیں۔ اس کی صورتیں بیان کر رہے ہیں۔

(۱) تخفیف مضاف کے لفظ میں ہو۔ پھر اگر مضاف مفرد ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اس کی تنوین جو حقیقۃً ہو اس کو حذف کیا جائے جیسے ضارب زید یہ اصل میں ضارب زیدًا تھا۔ مضاف سے تنوین کو حذف کر دیا گیا۔ یا مضاف میں جو حکمًا تنوین پائی جاتی ہے اس کو حذف کر دیا جائے۔ جیسے حواج بیت اللہ، اس میں حواج مضاف ہے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اضافت سے پہلے ہی تنوین ساقط ہو گئی تھی۔ لیکن حکمًا موجود ہے اور بوجہ اضافت کے اسکو ساقط کر دیا اور اگر مضاف مفرد نہیں بلکہ تثنیہ یا جمع ہے تو پھر اضافت کے وقت نون تثنیہ اور نون جمع کو ساقط کر دیا جائے گا جیسے ضاربا زید۔ ضاربو عمرو۔

(۲) یا تخفیف مضاف الیہ کے لفظ میں ہوگی اس کی صورت یہ ہو گی کہ مضاف الیہ میں جو ضمیر پائی جاتی ہے اسکو حذف کر کے صفت کے صیغہ میں پوشیدہ کر دیا جائے جیسے القائم الغلام یہ اصل میں القائم غلامہ تھا۔ ہا ضمیر کو غلامہ سے حذف کر کے القائم میں اس کو پوشیدہ کر دیا گیا پھر القائم کو غلام کی طرف مضاف کر دیا گیا القائم الغلام ہوا۔

الصفة ومن ثم ای من جهة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف وانتفاء كل واحد من التعريف التخصيص جاز تركيب مررت برجل حسن الوجه باضافة الصفة الى معمولها وجعلها صفة للنكرة فمن جهة انها لم تفد تعريفا جاز هذا التركيب و امتنع تركيب مررت بزيد حسن الوجه فلو افادت تعريفاً لم يجز الاول للزوم كون المعرفة صفة للنكرة ولجاز الثاني لكون المعرفة اذن صفة للمعرفة والمراد ان المشار اليه بثم وهو لمجموع امور ثلثة وجوب افادة الاضافة اللفظية التخفيف وانتفاء التعريف وانتفاء التخصيص يستلزم جواز التركيب الاول وامتناع الثاني ولا يلزم من ذلك ان يكون لكل واحد من تلك الامور دخل فی ذلك

---

(۳) یا تخفیف مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہو جیسے زید قائمُ الغلام اس کی اصل زیدٌ قائمٌ غلامہ ہے اس میں قائم مضاف میں تنوین تو اس وجہ سے ساقط کی گئی ہے کہ وہ مضاف ہے اور مضاف الیہ میں تخفیف اس طرح سے ہوئی کہ اس نے ضمیر کو حذف کر کے قائم صفت میں اس کو پوشیدہ کر دیا گیا۔

قولہ ومن ثم جاز ترکیب مررت برجل حسن الوجہ الخ اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اضافت لفظیہ میں تعریف اور تخصیص نہیں حاصل ہوتی صرف لفظ میں تخفیف ہوتی ہے اب اس پر متفرع کر رہے ہیں کہ مررت برجل حسن الوجہ سے جائز ہے کہ اس میں حسن رجل کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے۔ موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہو اور حسن الوجہ میں اضافت لفظی کی وجہ سے صرف تخفیف ہے یہ معرفہ نہیں بلکہ حسن جیسے اضافت سے پہلے نکرہ تھا اب بھی نکرہ ہے اسلئے رجل کا نکرہ کی صفت واقع ہونا صحیح ہے اور مررت بزید حسن الوجہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں موصوف یعنی زید معرفہ ہے اور صفت یعنی حسن الوجہ نکرہ ہے اور اگر اضافت لفظی میں بھی تعریف حاصل ہوتی تو اول مثال جو جائز ہے وہ ناجائز ہوتی اور ثانی مثال جو ناجائز ہے وہ جائز ہوتی کما لا یخفیٰ۔

قولہ والمراد ان المشار الیہ بثم الخ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ ثم کا مشار الیہ تین چیزیں ہیں (۱) تخفیف کا حاصل ہونا (۲) تعریف کا منتفی ہونا (۳) تخصیص کا منتفی ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریع میں یعنی مررت برجل حسن الوجہ کے جواز میں اور مررت بزید حسن الوجہ کے عدم جواز میں ان تینوں امور کو دخل ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ انتفاء تخصیص کو اول ترکیب کے جواز میں اور ثانی ترکیب کے عدم جواز میں کوئی دخل نہیں ہے بالفرض اگر اضافتِ لفظی میں تخصیص منتفی نہ ہو بلکہ وہ تخصیص کا فائدہ دے تب بھی اول ترکیب ناجائز رہے گی اور ثانی ترکیب جائز ہوگی۔

اس کا جواب شارح نے دیا کہ مجموعہ پر جو چیز متفرع ہوتی ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تفریع میں

الاستلزام بل یجوز ان یکون باعتبار بعضها فلا یرد انه لا دخل فی ذلك الاستلزام لانتفاء التخصیص ومن جهة انها تفید تخفیفا جاز ترکیب الضاربا زید والضاربوا زید لحصول التخفیف بحذف النون وامتنع الضارب زید لعدم التخفیف لان تنوین الضارب انما سقط للالف واللام لا للاضافة ولاشك انه لادخل فی هذا التفریع لانتفاء التعریف ولا لانتفاء التخصیص بل یکفی فیه وجوب التخفیف فقط وعلی هذا کان الانسب تقدیم هذا الفرع لکنه اخره لکثرة لواحقه خلافا للفراء فانه یجوز ترکیب الضارب زیدا ما لانه توهم ان دخول لام التعریف انما هو بعد الاضافة فحصل التخفیف بحذف التنوین بسبب الاضافة ثم عرف باللام واجاب المصنف عنه فی شرحه بانه غیر مستقیم لان القول

---

مجموعہ کے ہر ہر جز کو دخل ہو بلکہ کسی ایک جزء کو بھی تفریع میں دخل ہو تو کافی ہے۔

قولہ ومن جهة انها تفید تخفیفا جاز الضاربا زید الخ اس کا عطف من ثم پر ہے مطلب یہ ہے کہ اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اسوجہ سے الضاربا زید اور الضاربو زید جائز ہے کیونکہ اول مثال میں نونِ تثنیہ اور ثانی میں نونِ جمع کے ساقط ہوجانے سے تخفیف حاصل ہوگئی ہے اور الضارب زید ناجائز ہے کیونکہ اس میں اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوتی کیونکہ الضارب میں تنوین تو الف ولام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اس میں اضافت کو دخل نہیں۔

قولہ ولاشك انه لادخل الخ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلی والی تفریع میں انتفاء تخصیص کو کوئی دخل نہ تھا اور اس تفریع میں انتفاء تعریف اور انتفاء تخصیص دونوں کو دخل نہیں صرف وجوب تخفیف پر الضاربا زید والضاربو زید کا جواز اور الضارب زید کا عدم جواز متفرع ہے۔ اس کا جواب بھی وہی ہے جو مذکور ہوا کہ مجموعہ پر جو تفریع ہوتی ہے اس میں ہر ہر فرد سے تفریع کا تعلق ضروری نہیں۔

قولہ وعلی هذا کان الانسب الخ فرماتے ہیں کہ اس تفریع میں جسکو جاز الضاربا زید الخ سے بیان کیا ہے وجوب تخفیف کو دخل ہے اور یہ امر وجودی ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کرنا چاہیئے کیونکہ وجود عدم پر مقدم ہوتا ہے اور اس سے پہلے کی تفریعات وجود اور عدم دونوں پر متفرع تھیں یعنی ان میں انتفاء تعریف اور وجوب تخفیف دونوں کو دخل تھا۔ لیکن ایسا کیوں نہیں کیا۔ شارح فرماتے ہیں کہ ثانی تفریع کے لواحق کثیرہ ہیں۔ اس واسطے اس کو مؤخر کیا کہ اس میں تفصیل ہے اس کے لئے وقت چاہیئے۔

قولہ خلافا للفراء الخ مصنف نے متن کے اندر بیان کیا ہے کہ الضارب زید ممتنع ہے اس کی وجہ بھی آپ کو معلوم ہوگئی ہے اس میں فراء کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک یہ ترکیب جائز ہے۔ ان کے نزدیک اسکے

بتاخر اللام المتقدم حسًا علی الاضافة مجرد ادعاء مخالف للظاهر و اما ما وقع فی شعر الاعشی من قوله ع الواهب المائة الهجان وعبدها ؛ فان قوله وعبدها بالجر معطوف علی المائة نصار المعنی باعتبار العطف الواهب عبدها فهو من باب الضارب زید فکما لا یمتنع ذلك حیث اتی به بعض البلغاء لا یمتنع هذا اناجاب المص عنه بقوله وضعف ع الواهب المائة الهجان وعبدها. یعنی ان هذا القول ضعیف لا یقوی فی الفصاحة بحیث یستدل به لما عرفت من امتناع مثل الضارب زید لعدم الفائدة فی الاضافة ولا یخفی ان فیه

---

جواز کی مختلف وجوہ ہیں جنکو شارح نے بیان کیا ہے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ فراء کو یہ وہم ہوا کہ الضارب زید میں الف لام اضافت کے بعد داخل کیا گیا ہے پہلے ضارب زید اضافت کے ساتھ تھا اور اضافت کی وجہ سے ضارب سے تنوین ساقط ہوگئی تھی لہذا یہ ترکیب صحیح ہوگئی۔ اس کے بعد الف لام ضارب پر داخل کردیا گیا ہے اسلئے الضارب زید ہوگیا مصنف نے اپنی شرح میں فراء کے اس وہم کو خبط شمار کیا اور کہا کہ فراء کا یہ وہم درست نہیں ہے کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ الف لام مقدم ہے اضافت اس کے بعد ہوئی ہے پھر بھی اسکو موخر کہنا کیسے درست ہوگا۔

دوسری وجہ واما ما وقع سے بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فراء نے جو الضارب زید جیسی ترکیب کو جائز کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اعشی کے قول میں اس طرح کی ترکیب دیکھی اس سے ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جب اتنے بڑے شاعر نے اپنے کلام میں ایسی ترکیب کو اختیار کیا ہے تو اس کو ناجائز کیسے کہا جائے اعشی کی عبارت یہ ہے "الواہب المائة الہجان وعبدھا۔ اس میں عبدہا کا عطف المائۃ پر ہے اس کی طرف الواہب اضافت لفظی کے ساتھ مضاف ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے اسلئے الواہب کی اضافت عبدہا کی طرف بھی ہوگی اب عبارت اس طرح ہوئی الواہب عبدہا اور یہ اور الضارب زید دونوں یکساں ہیں تو جب الواہب عبدہا جائز ہے تو الضارب زید کو بھی جائز ہونا چاہئے۔ مصنف رح۔ فراء کے اس استدلال کا جواب اپنے قول وضعف ع الواہب المائۃ الہجان الخ سے دے رہے ہیں کہ یہ قول ضعیف ہے یہ اس درجہ کا نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ اس قول کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ تو شارح نے یہ بیان کی ہے کہ الواہب عبدہا چونکہ اضافت لفظی میں الضارب زید کی طرح ہے اور الضارب زید میں اضافت کی وجہ سے تخفیف حاصل نہیں ہوئی جو مفاد ہے اضافت لفظیہ کا اسلئے ناجائز ہے اور جب یہ ناجائز ہے تو اس کا مماثل الواہب عبدہا بھی ناجائز ہے لہذا فراء کا استدلال صحیح نہیں۔

قولہ لا یخفی ان فیہ شوب مصادرۃ علی المطلوب الخ ابھی جو ضعف کی وجہ شارح نے بیان کی ہے اس پر خود ہی اعتراض کر رہے ہیں کہ اس میں مصادرہ علی المطلوب کا شائبہ ہے مصادرہ علی المطلوب کی چار صورتیں ہیں

شوب مصادرة على المطلوب اللهم الا ان يقال المراد به انه ضعيف فى الاستدلال به اذ لا نص فيه على الجر فانه يحتمل النصب حملا على المحل او على انه مفعول معه اولانه قد يتحمل فى المعطوف مالا يتحمل فى المعطوف عليه كما فى رب شاة وسخلتها حيث جاز هذا التركيب ولم يجز رب سخلتها با دخال رب على سخلتها بدون

---

(۱) دعوی اور دلیل دونوں ایک ہوں (۲) دعویٰ دلیل کا جزو ہو (۳) دعوی پر دلیل موقوف ہو (۴) دعویٰ پر دلیل کا جز موقوف ہو۔ یہ چاروں صورتیں باطل ہیں اور ان چاروں صورتوں میں سے کوئی صورت یہاں نہیں پائی جاتی اس لئے مصادرہ علی المطلوب تو حقیقۃً یہاں نہیں ہے لیکن دَور کی صورت ہو رہی ہے جو مصادرہ علی المطلوب کے مشابہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ فراء کے نزدیک الضارب زید جائز ہے اور دلیل میں الواہب المائۃ الہجان کو پیش کیا ہے وجہ استدلال بھی تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے۔ مصنف اور جمہور کا دعویٰ یہ ہے کہ الضارب زید ممتنع ہے لیکن اس کا امتناع اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک فراء کی دلیل الواہب المائۃ الخ کو باطل نہ کیا جائے تو اگر فراء کی دلیل کے بطلان میں یہ کہا جائے کہ الواہب المائۃ الخ اس وجہ سے باطل ہے کہ یہ مماثل ہے الضارب زید کے اور الضارب زید ممتنع ہے اس لئے الواہب المائۃ الخ بھی ممتنع ہے (جیسا کہ شارح نے مصنف کی عبارت وضعف ع الواہب الخ کا مطلب بیان کیا ہے) تو صورت یہ ہو جائے گی کہ اثبات مطلوب یعنی الضارب زید جیسی مثال کا ممتنع ہونا موقوف ہے فراء کی دلیل الواہب المائۃ کے ابطال پر اور اس کا ابطال موقوف ہے اثبات مطلوب پر پس اثبات مطلوب موقوف ہوا اثبات مطلوب پر اور یہی دَور ہے۔

قولہ اللهم الا ان يقال الخ فراء نے الضارب زید کے جواز پر اعشیٰ کے قول سے استدلال کیا ہے جس کی تقریر گذر چکی ہے مصنف نے اپنے قول وضعف الخ سے فراء کے استدلال کا جواب دیا اس پر شارح نے ولا یخفی انہ فیہ الخ سے اعتراض کیا کہ اس میں مصادرہ علی المطلوب کا شائبہ ہے لہذا مصنف کا جواب صحیح نہیں اب خود شارح اللہم الا ان یقال الخ سے جواب کا راستہ پیدا کر رہے ہیں فرما رہے ہیں کہ مصنف کے قول وضعف کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اعشیٰ کا قول ضعیف ہے جس سے مصادرہ علی المطلوب کا شائبہ ہوتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اعشیٰ کے قول سے فراء کا استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل صریح نہیں کہ عبدہا مجرور ہے اور الواہب کی اضافت اس کی طرف ہو رہی ہے اس میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ عبدہا پر نصب ہو اور اس کا عطف المائۃ پر اس کے محل کے اعتبار سے ہو کیونکہ المائۃ محل کے اعتبار سے الواہب کا مفعول ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ عبدہا کا واؤ مع کے معنی میں ہو اور عبدہا مفعول معہ ہو اس وجہ سے منصوب ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عبدہا مجرور ہو اور الواہب کا مضاف الیہ ہو لیکن اس پر الضارب زید کو قیاس کرنا صحیح نہ ہو کیونکہ الواہب کے مضاف الیہ المائۃ پر عبدہا کا عطف ہے بذات خود الواہب اس کی طرف مضاف نہیں اور معطوف میں بہت سے ایسے امور جائز ہو جاتے ہیں جو

العطف والبيت بتمامه : الواهب المائة الهجان وعبدها ؛ عوذا يُزجي خلفها اطفالها. اى ممدوحه الواهب المائة الهجان اى البيض من النوق يستوى فيه الجمع والواحد و الهجان صفة للمائة اوبدل عنها او من قبيل الثلثة الاثواب كما هو مذهب الكوفية و عبدها اى راعيها تشبيها له بالعبد لقيامه بخدمتها او عبدها حقيقة باضافة لادنى ملابسة عوذا بالذال المعجمة جمع عائذ اى حديثات النتائج حال من المائة يزجي بالزاء المعجمة والجيم على صيغة المعلوم المذكر اى يسوق وفاعله ضمير العبد واطفالها منصوب على المفعولية او على صيغة المجهول المونث واطفالها مرفوع على انه مفعول ما لم يسم فاعله وحقيقة الامر لا تنكشف الا بعد معرفة حركة حرف الروى

---

معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتے جیسے رب شاة وسخلتہا ترکیب جائز ہے اور رب وسخلتہا ناجائز ہے مطلب یہ ہے کہ رب کا مدخول نکرہ ہوتا ہے معرفہ نہیں ہوتا اس لئے رب وسخلتہا ناجائز ہے کیونکہ سخلتہا اضافت کی وجہ سے معرفہ ہو گیا ہے اور رب شاة وسخلتہا اسوجہ سے جائز ہے کہ ربؔ کا مدخول نکرہ ہے اس نکرہ پر سخلتہا کا عطف ہے معلوم ہوا کہ عطف کے بعد معطوف میں ایسا امر جائز ہے جو معطوف علیہ میں ناجائز ہے۔

قولہ والبيت بتمامہ الخ پورا شعر یہ ہے؛ الواہب المائۃ الہجان وعبدہا ؛ عوذا یزجی خلفہا اطفالہا؛ اس سے پہلے ہو مبتدا محذوف ہے ہجان بکسر الہاء سفید اونٹنی. واحد اور جمع دونوں کے لئے یہی لفظ ہے ترکیب میں یہ المائۃ کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے یا الثلثۃ الاثواب کے قبیل سے ہے یعنی المائۃ عدد معرف باللام مضاف ہے۔ اور الہجان مضاف الیہ ہے۔ عبدہا کی اضافت مجازی ہے کیونکہ وہ غلام اونٹنیوں کی خدمت کرتا ہے جس طرح غلام آقا کی خدمت کرتا ہے یا اونٹنیوں کا حقیقی غلام کہا جائے کیونکہ آقا نے انہیں کی خدمت کے لئے غلام کو خریدا ہے۔ بیض جمع ہے ابیض کی۔ عوذ عائذ کی جمع ہے ایسی اونٹنی جس کے بچے ابھی ہوئے ہوں یعنی نوزائیدہ یزجی ازتفعیل صیغہ واحد مذکر غائب مضارع اس کے معنی ہوئے وہ ہانکتا ہے یا چلاتا ہے اس کا فاعل ہو ضمیر ہے جو عبد کی طرف راجع ہے۔ اطفالہا یزجی فعل کا مفعول ہے اور اگر تزجی واحد مونث مضارع مجہول پڑھا جائے تو اطفالہا اس کا نائب فاعل ہوگا اور اس پر رفع آئے گا۔ ترجمہ یہ ہے کہ وہ یعنی میرا ممدوح سو اونٹنیوں کو مع ان کے غلاموں کے ہبہ کرنے والا ہے اس حال میں کہ انھوں نے ابھی بچہ جنا ہے اور وہ غلام ان کے بچوں کو ان کے پیچھے ہانکتا ہے اور اگر تزجی واحد مونث غائب مجہول ہو تو ترجمہ ہوگا ہانکے جاتے ہیں اونٹنیوں کے بچے ان کے پیچھے۔

قولہ وحقیقۃ الامر لا تنکشف الخ مطلب یہ ہے کہ اطفالہا کے لام کو رفع پڑھا جائے یا نصب یا یہ کہ یزجی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہو یا تزجی واحد مونث غائب ہو اس کا پتہ اس وقت صحیح طور پر معلوم ہو سکتا ہے جب کہ قصیدہ کے حرف روی یعنی لام کی حرکت معلوم ہو اور یہ دوسرے اشیاء کو دیکھ کر معلوم ہو سکتا ہے۔

من القصيدة و اما لانه قاسه على الضارب الرجل والضاربك فاجاب المص عنه بقوله وانما جاز الضارب الرجل يعنى كان القياس عدم جوازه لانتفاء التخفيف لزوال التنوين باللام لكنه جاز حملا على الوجه المختار فى الحسن الوجه وهو جر الوجه بالاضافة وفيه وجهان اخران رفعه على الفاعلية ونصبه على التشبيه بالمفعول ووجه الحمل اشتراكهما

---

**قولہ** واما لانه قاسه الخ الضارب زید کے جواز پر یہ فراء کی تیسری دلیل ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فراء نے الضارب زید کو الضارب الرجل اور الضاربک پر قیاس کیا ہے کہ جب یہ دو ترکیبیں جائز ہیں تو الضارب زید بھی تو ان کے مشابہ ہے اسکو بھی جائز ہونا چاہیئے. مصنف اس کا جواب دے رہے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ الضارب الرجل ناجائز ہونا چاہیئے کیونکہ اضافت کی وجہ سے اس میں تخفیف نہیں حاصل ہوئی بلکہ الف ولام کی وجہ سے ہوئی ہے. اور جب اضافت لفظی میں تخفیف نہ حاصل ہو تو ایسی اضافت ناجائز ہوتی ہے اسلئے الضارب الرجل بھی ناجائز ہونا چاہیئے لیکن یہ محمول ہے الحسن الوجہ کی مختار وجہ پر اسلئے اسکو جائز قرار دیا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ الحسن الوجہ میں تین صورتیں ہیں ان میں مختار وجہ یہ ہے کہ الحسن مضاف ہو اور الوجہ مضاف الیہ ہو مجرور ہو اور چونکہ الضارب الرجل اور الحسن الوجہ کے اندر اشتراک ہے اس لئے یہ بھی جائز ہے اور ان میں اشتراک مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہے مضاف میں شرکت اس طرح ہے کہ الضارب اور الحسن دونوں صفت کے صیغے ہیں اور معرف باللام ہیں اور مضاف الیہ میں شرکت اس طرح ہے کہ الرجل اور الوجہ دونوں اسم جنس ہیں اور معرف باللام ہیں اور الضارب زید میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ اس میں مضاف الیہ زید ہے اور وہ نہ اسم جنس ہے اور نہ معرف باللام ہے . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . اس لئے الضارب زید کو الحسن الوجہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور جب اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا تو الضارب الرجل پر بھی قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان اشتراک ہونا چاہیئے اور الضارب زید اور الضارب الرجل میں اشتراک نہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا وہ یہ کہ الضارب الرجل میں مضاف الیہ اسم جنس اور معرف باللام ہے اور الضارب زید میں زید علم ہے ، اسم جنس نہیں اور نہ معرف باللام ہے.

تفصیل کے ذیل میں حسن الوجہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تین صورتیں ہیں ان میں وجہ مختار کا بیان تو ہو چکا اس سے معلوم ہوا کہ باقی دو صورتیں غیر مختار ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) الحسن الوجہُ اس میں الوجہ فاعل ہے اور یہ اس وجہ سے غیر مختار ہے کہ جب یہ ماقبل کی صفت ہو گی تو اس میں کوئی ضمیر نہ ہو گی جو موصوف کی طرف عائد ہو مثلاً اگر جاءنی رجل حسن الوجہ کہا جائے تو اس میں رجل کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر نہیں حالانکہ صفت کا صیغہ اگر ماقبل کی صفت واقع ہو تو اس میں موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہونی چاہیئے.

(۲) الحسن الوجہَ نصب کے ساتھ نصب کی وجہ یہ ہے کہ الوجہ کو مفعول کے ساتھ مشابہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ جس طرح مفعول کلام کے تام ہونے کے بعد آتا ہے اسی طرح الوجہ بھی کلام کے تام ہونے کے بعد واقع ہوا ہے. اس کے غیر مختار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نصب کے لئے حیلہ اختیار کرنا پڑا کیونکہ الحسن تو لازم ہے وہ مفعول کا تقاضا

فی کون المضاف صفة والمضاف الیه جنسا معرفین باللام وھذا الاشتراك مفقود بین الضارب زید والحسن الوجه فقیاسه علیه قیاس مع الفارق والضاربك یعنی انما جاز الضاربك مع ان القیاس عدم جوازه لما عرفت وکذا شبهه وھو الضاربی والضاربة وغیرھما فیمن قال ای فی قول من قال بعنی سیبویه واتباعه انه ای الضارب فی الضاربك مضاف دون من قال انه غیر مضاف والکاف منصوب المحل

---

نہیں کرتا اس لئے مجبوراً کہنا پڑا کہ یہ شابہ مفعول ہے۔

جر والی صورت میں نہ تو کوئی حیلہ اختیار کرنا پڑتا ہے اور نہ صفت کا بغیر عائد کے ہونا لازم آتا ہے کیونکہ الحسن الوجہ میں بحالت جر الوجہ میں جو ضمیر تھی اسکو الحسن صفت کے صیغے کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے یعنی اس میں مستتر ہے اس سے مضاف الیہ میں تخفیف بھی حاصل ہوگئی جس کا اضافت لفظی میں ہونا ضروری ہے۔

قولہ والضاربك الخ یہ بھی فراء کے استدلال کا جواب ہے۔ فراء نے استدلال کیا ہے کہ ہم الضارب زید کو الضاربک پر حمل کر کے جائز کہتے ہیں کیونکہ دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ ان میں تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوئی بلکہ الف ولام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے تو جب دونوں میں شرکت ہے تو جو حال الضاربک کا ہے وہی الضارب زید کا بھی ہونا چاہئے اور الضاربک جائز ہے اسلئے الضارب زید بھی جائز ہے۔

مصنف اس کا جواب دے رہے ہیں کہ الضارب زید کو الضاربک پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ الضاربک کے بارے میں جمہور نحاۃ کا مسلک یہ ہے کہ الضاربک میں اضافت نہیں ہے بلکہ الف لام الذی کے معنی میں ہے اور ضارب اسم فاعل ضرب فعل معروف کے معنی میں ہے اور کاف ضمیر مفعول بہ ہے اور یہ بات الضارب زید میں نہیں ہے لہذا اس مسلک کی بنا پر الضارب زید کو الضاربک پر قیاس کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ سیبویہ اور ان کے ہم خیال نحاۃ کا مسلک یہ ہے کہ الضاربک اور اس کے مشابہ مثلاً الضاربی اور الضاربہ وغیرہ میں اضافت ہے اور ان کو ضاربک پر حمل کر کے جائز کہتے ہیں۔

شارح نے دیباچہ سے اس کی تفصیل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نحاۃ نے اس بات کا اہتمام اور التزام کیا ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول جب الف ولام سے خالی ہوں اور ان کو ان کے مفعول کے ساتھ جو ضمیر متصل ہوں لایا جائے تو اضافت کی صورت اختیار کی جائے یعنی اسم فاعل اور اسم مفعول کو ضمائر کی طرف مضاف کر دیا جائے خواہ اس اضافت میں تخفیف نہ حاصل ہو جیسے ضاربک اس میں ضارب اسم فاعل ہے اور کاف ضمیر متصل اس کا مفعول ہے جس کی طرف ضارب مضاف ہے لیکن اضافت سے کوئی تخفیف حاصل نہیں ہوئی کیونکہ تنوین تو کاف ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے اس کے بعد الضاربک کو ضاربک پر

على المفعولية والتنوين محذوف لاتصال الضمير لا للاضافة فانه لايحتاج جوازه الى حمل حملا اى لمحموليته على ضاربك فاتحد فاعل المفعول له والفعل المعلل به اعنى جاز وبيانه انهم اذا وصلوا اسماء الفاعلين والمفعولين مجردة عن اللام بمفعولاتها وكانت مضمرات متصلات التزموا الاضافة ولم ينظروا الى تحقق تخفيف فقالوا ضاربك وان لم يحصل التخفيف بالاضافة بل بنفس اتصال الضمير ثم لما لم يعتبروا التخفيف فى ضاربك وجوزوه بدونه حملوا الضاربك عليه لانهما من باب واحد حيث كان كل منهما اسم فاعل مضافا الى مضمر متصل محذوفا تنوينه قبل الاضافة لا للاضافة ولم يحملوا الضارب زيد عليه لانهما ليسا من باب واحد والدليل على ان سقوط التنوين فى ضاربك لاتصال الكاف لا للاضافة

---

حمل کرکے جائز قرار دیدیا کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوئی بلکہ قبل اضافت ساقط ہوئی ہے الضاربک میں الف لام کی وجہ سے اور ضاربک میں ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے۔ نیز ان دونوں میں اسم فاعل ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اور الضارب زید میں یہ بات نہیں کیونکہ اس میں صفت کا صیغہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہے لہذا نہ تو الضارب زید کو ضاربک پر حمل کرسکتے ہیں اور نہ الضاربک پر حمل کرسکتے ہیں کیونکہ حمل کے لئے دونوں میں وجہ اشتراک ہونا چاہئیے اور وہ پائی نہیں جاتی۔

قولہ حملا ای لمحمولیتہ الخ حمل کی تفسیر محمولیت کے ساتھ کرکے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے ــ اعتراض یہ ہے کہ حملا ترکیب میں جاز کا مفعول لہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مفعول لہ کا فاعل اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہونا چاہیئے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ جاز فعل کا فاعل الضاربک ہے اور حملا مفعول لہ کا فاعل متکلم ہے یعنی متکلم نے الضاربک کو ضاربک پر حمل کیا ہے۔ شارح نے محمولیت کے ساتھ تاویل کرکے یہ جواب دیا کہ حملا مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی محمول کے معنی میں ہے اور محمول الضاربک ہے اور یہی جاز کا فاعل ہے لہذا فعل معلل بہ اور مفعول لہ کا فاعل متحد ہے الگ الگ نہیں۔

قولہ والدلیل علی ان سقوط التنوین الخ اس سے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ضاربک میں تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوئی بلکہ ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اس پر دلیل قائم کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تنوین کے ساقط ہونے میں اضافت کو دخل ہوتا تو اضافت سے پہلے اس میں تنوین ہونا چاہئیے جس کی صورت ضاربٌ ک ہوتی اس میں ضارب شبہ فعل اور کاف ضمیر مفعول بہ ہے پھر اضافت کے وقت ضاربٌ سے تنوین ساقط کرکے کاف ضمیر کے ساتھ اسکو ملا دینے کے بعد ضاربک ہوتا لیکن کلام عرب میں ایسا استعمال نہیں معلوم ہوا کہ تنوین کا سقوط ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ہے اضافت

انہا لوسقطت بالاضافۃ لکان ینبغی ان یتصور ذلک اولا علی وجہ یکون الضمیر منصوبا بالمفعولیۃ ثم یضاف و یقال ضاربک کما یتصور ضارب زیدا ثم یضارب ویقال ضارب زید ولن یتصور ضاربک فعلم انہا سقطت لاتصال الکاف لا للاضافۃ ولقائل ان یقول لم لا یجوز ان یکون اصل ضاربک ضارب ایاک للفصل بالتنوین ثم لما اضیف حذف التنوین وصار الضمیر المنفصل متصلا فصار ضاربک وحصل التخفیف جدا ثم حمل الضاربک علیہ لانہما من باب واحد حیث کان کل منہما اسم فاعل مضافا الی مضمر متصل من غیر اعتبار حذف تنوینہما قبل الاضافۃ لا للاضافۃ و لم یحملوا الضارب زید علیہ لانہما لیسا من باب واحد و اعلم انا حملنا قولہ ضعف الواہب المائۃ الہجان وعبدھا ؛ وقولہ الضارب الرجل والضاربک حملا علی نظیرہما

---

کی وجہ سے نہیں۔

قولہ ولقائل ان یقول الخ اعتراض یہ ہے کہ اگر ضاربک کی اصل ضاربٌ ک درست نہیں ہے تو اس کی اصل ضاربٌ ایاک نکالی یعنی صیغہ صفت کے بعد ضمیر منفصل ہو اس کے بعد جب صفت کا صیغہ ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا اور اضافت کی وجہ سے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال ہو گیا تو ایاک ضمیر منفصل متصل ہو گئی اور ضاربک کی صورت ہو گئی۔ اس کے بعد ضاربک کو الضاربک پر حمل کر لیا گیا کیونکہ دونوں میں اسم فاعل ضمیر متصل کی طرف مضاف ہے اور یہ بات الضارب زید میں نہیں اسلئے اس کو ضاربک پر حمل نہیں کیا۔ اس کا بھی وہی جواب ہے جو مذکور ہوا کہ اگر ایسا ہوتا تو اہل عرب سے اس کا استعمال سُنا جاتا۔
دوسری بات یہ ہے کہ ضاربک اور ضاربٌ ایاک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ کلام ہیں اول میں اتصال حقیقی ہے اور دوسرے میں انفصال حقیقی ہے لہذا یہ کہنا کہ ضاربک کی اصل ضاربٌ ایاک ہے درست نہیں ہے کیونکہ جب یہ علیحدہ علیحدہ کلام ہیں تو کوئی بھی ان میں سے ایک دوسرے کے لئے اصل نہیں ہو سکتا۔

قولہ واعلم انا حملنا الخ اس عبارت سے شارح جو کچھ فرما رہے ہیں اسکی توضیح یہ ہے کہ یہ بحث ہو رہی ہے کہ الضارب زید میں اضافت لفظی ہے اور اضافت لفظی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں تخفیف ہو اور اس مثال میں تخفیف نہیں ہے کیونکہ ضاربٌ سے تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں ساقط ہوئی اور جب اضافت لفظی کا مفاد اس میں حاصل نہیں تو یہ ترکیب ناجائز ہوگی۔ یہ تو مصنف اور جمہور نحاۃ کا مسلک ہے۔ فراء کے نزدیک یہ ترکیب جائز ہے اور اس کے جواز پر مختلف وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ ایک استدلال ان کا الواہب المائۃ الہجان وعبدہا سے ہے دوسرا اور تیسرے استدلال کا تعلق الضارب الرجل اور الضاربک پر قیاس سے ہے جس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے اور وہیں فراء کے استدلال کا جواب بھی

علے الاجوبۃ عن استدلالات الفراء علے جواز الضارب زید عن جانب المصنف علے موافقۃ بعض الشارحین وذلک ان تجعل کل واحدۃ منها اشارۃ الی مسألۃ علی حدۃ مناسبۃ للحکم بامتناع الضارب زید فمعنی قولہ وضعف الواہب المائۃ الھجان وعبدھا انہ ضعف عطف المجرد عن اللام علی المحلی بہ المضاف الیہ صفۃ مصدرۃ باللام لانہ بتوسط العطف یصیر مثل الضارب زید کما عرفت وانما لم یحکم علیہ بامتناع بل بالضعف لانہ قد یتحمل فی المعطوف مالا یتحمل فی المعطوف علیہ وحینئذ یندفع مافیہ من توھم شائبۃ المصادرۃ علے المطلوب علی التقدیر الاول وارجاع کل من الصورتین الاخیرتین الی مسألۃ ظاهر ویتضمن الرد علی الفراء فی

---

بیان کردیا گیا ہے۔

اب شارح فرمارہے ہیں کہ ہم نے بھی بعض شارحین کی موافقت میں یہ بات تحریر کردی کہ الواہب المأۃ الہجان سے لیکر الضاربک تک کی عبارات فراء کے استدلال کے جواب میں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان عبارات سے فراء کے استدلال کا جواب ہے اسی طرح ہر عبارت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے اکی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اس سلسلے کی سب سے پہلی عبارت الواہب المأۃ الہجان الخ ہے اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جو اسم معرف باللام مضاف الیہ ہو اور اس کا مضاف صفت کا صیغہ ہو اور معرف باللام ہو تو ایسے مضاف الیہ پر غیر معرف باللام کا عطف جائز نہیں جیسے الواہب المائۃ الہجان وعبدہا اس میں المأۃ معرف باللام ہے اور مضاف الیہ ہے اس کا مضاف الواہب ہے وہ صفت کا صیغہ ہے اور معرف باللام ہے اور عبد غیر معرف باللام ہے اس کا عطف المأۃ پر جائز نہیں ناجائز ہونے کی وجہ اس سے پہلے گذر چکی ہے کہ اسکی شکل عطف کے بعد یہ ہوگی: الواہب عبدہا اور یہ مشابہ ہے الضارب زید کے اور الضارب زید ناجائز ہے اسلئے الواہب عبدہا بھی ناجائز ہے اسکی پوری تفصیل اس سے پہلے بیان کردی گئی ہے پھر سے دیکھ لیا جائے

قولہ وانما لم یحکم بہ بالامتناع الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ الضارب زید ترکیب ممتنع ہے تو جب الواہب عبدہا الضارب زید کے مشابہ ہے تو اسکو بھی ممتنع ہونا چاہئے۔ شارح اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ اس ترکیب میں الواہب کی اضافت براہ راست عبدہا کیطرف نہیں ہے بلکہ الواہب کے مضاف الیہ پر عبدہا کا عطف ہے اور بسا اوقات معطوف میں ایسی چیز برداشت کرلی جاتی ہے جو معطوف علیہ میں نہیں کی جاسکتی۔ اسکا بھی بیان توضیح کے ساتھ ہو چکا ہے اس کے بعد وحینئذ الخ سے شارح نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر الواہب المأۃ الخ کو فراء کے استدلال کا جواب نہ کہا جائے بلکہ علیحدہ مسئلہ مستنبط کیا جائے جس کا بیان ابھی ہوا ہے تو اسمیں مصادرہ علی المطلوب کا شائبہ نہیں ہوتا۔

قولہ وارجاع کل من الصورتین الاخیرتین الی مسئلۃ ظاهرۃ الخ فرماتے ہیں کہ اخیری دو مثالیں الضارب الرجل اور الضاربک سے مسئلہ کا استنباط بالکل ظاہر ہے۔

الاستدلال بهما ولا یضاف موصوف الی صفته مع بقاء معنی المفاد بالترکیب الوصفی بحاله لان لکل من هیاتی الترکیب الوصفی والاضافی معنی اخر لا یقوم احدهما مقام الآخر ولهذا المعنی بعینه لا تضاف صفة الی موصوفها فلا یقال مسجد الجامع بمعنی المسجد الجامع وجرد قطیفة بمعنی قطیفة

---

الضاربک الرجل سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ صفت معرف باللام کی اضافت الحسن الوجہ کی مختار وجہ پر حمل کرنے کی وجہ سے جائز ہے اس میں فراء کار د اس طرح ہو گا کہ الضارب زید کو الحسن الوجہ پر قیاس نہیں کر سکتے اسکی وجہ ما قبل میں گذر چکی ہے۔

اور الضاربک سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ صفت معرف باللام کی اضافت ضمیر کی طرف بغیر افادہ تخفیف کے ایسی صفت پر حمل کرنے کی وجہ سے جائز ہے جو مجرد عن اللام ہو اور ضمیر کی طرف مضاف ہو جیسے الضاربک کی اضافت ضاربک پر حمل کرنے کی وجہ سے جائز ہے اور چونکہ الضارب زید ضاربک کے مماثل نہیں ہے اس لئے ضاربک پر قیاس کرکے الضارب زید جائز نہ ہوگا۔ اسی سے فراء کے استدلال کا جواب بھی ہو گیا

قولہ ولا یضاف موصوف علی صفۃ الخ ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی سے جو معنی حاصل ہوتے ہیں ان کو باقی رکھتے ہوئے موصوف کو صفت کی طرف مضاف نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی کے معنی علیحدہ علیحدہ ہیں کوئی ان میں ایک دوسرے کے قائمقام نہیں ہو سکتا کیونکہ ترکیب توصیفی میں موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد ہوتا ہے اور ترکیب اضافی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تغایر ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے اور مضاف اور مضاف الیہ کا اعراب علیحد علیحدہ ہے۔ مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے مضاف کبھی مرفوع اور منصوب بھی ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ موصوف اپنی صفت سے یا تو خاص ہوتا ہے یا مساوی ہوتا ہے اور مضاف اپنے مضاف الیہ سے یا عام ہوتا ہے یا مبائن۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ صفت کا حمل موصوف پر ہوتا ہے اور مضاف الیہ کا مضاف پر حمل نہیں ہوتا صرف اضافت بیانیہ میں البتہ حمل ہو سکتا ہے۔

بہرحال ترکیب توصیفی کے مفاد کو باقی رکھتے ہوئے اضافت کی کوئی صورت نہیں ہے البتہ ترکیب توصیفی کی صورت میں جو معنی حاصل ہوتے ہیں اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر اضافت ہو سکتی ہے۔

قولہ ولهذا المعنی بعینہ لا تضاف صفۃ الی موصوفها الخ جن علل مذکورہ کی وجہ سے موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں ہوتا انہیں علل کی وجہ سے صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہوتی لہذا نہ تو المسجد الجامع

جرد خلافا للکوفیة فان مسجد الجامع عندھم بمعنی المسجد الجامع وجرد قطیفة بمعنی قطیفة جرد من غیر فرق ویرد علی القاعدة الاولی وھو قولہ لا یضاف موصوف الی صفة مثل مسجد الجامع وجانب الغربی وصلوٰة الاولی وبقلة الحمقاء فان فی کل واحد من ھذہ التراکیب اضیف موصوف الی صفتہ فان الجامع صفة المسجد والغربی صفة الجانب والاولی صفة الصلوٰة والحمقاء صفة البقلة وقد اضیف الیھا موصوفاتھا واجیب بان مثل ھذہ التراکیب متاول فمسجد الجامع متاول بمسجد الوقت الجامع وذلک یحتمل معنیین احدھما ان یکون الوقت مقدرا فی نظم الکلام ویکون المسجد مضافا الیہ والجامع صفة للوقت فیندفع الایراد بوجھین فان الجامع لیس مضافا الیہ ولا صفة للمضاف وثانیھما ان یکون الوقت محذوفا والجامع قائما مقامہ

---

میں مسجد الجامع کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے اور نہ قطیفۃ جرد میں جرد قطیفۃ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اسمیں اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہے (اس کے معنی ہیں پرانی چادر)

قولہ ویرد علی القاعدۃ الاولی مثل مسجد الجامع الخ کوفیین کے نزدیک موصوف کی اضافت صفت کی طرف اسی طرح صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز ہے اس لئے ان کی طرف سے بصریین پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں قاعدہ ہے کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہوتی حالانکہ مسجد الجامع اور جانب الغربی، صلوٰۃ الاولیٰ. بقلۃ الحمقاء میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے معلوم ہوا کہ آپکا قاعدہ غلط ہے.

مصنف رح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ ان تمام امثلہ میں تاویل ہے اور تاویل کی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ لفظ وقت کلام میں مقدر مانا جائے اور مقدر مثل ملفوظ کے ہوتا ہے اس لئے تقدیر عبارت یہ ہوگی. مسجد الوقت الجامع اس میں تاویل کی صورت یہ ہوگی کہ مسجد مضاف ہے وقت کی طرف لیکن وقت مسجد کی صفت نہیں اور مسجد اس کا موصوف نہیں اور جامع صفت تو ہے لیکن اس کا موصوف یعنی الوقت اس کی طرف مضاف نہیں. حاصل یہ کہ مسجد مضاف تو ہے لیکن موصوف نہیں اور الوقت موصوف ہے لیکن مضاف نہیں. تعبیر کی دوسری شکل یہ ہے کہ الجامع صفت تو ہے لیکن مضاف الیہ نہیں اور وقت مضاف الیہ ہے لیکن صفت نہیں لہذا موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہوئی جو موصوف ہے وہ مضاف نہیں اور جو صفت ہے وہ مضاف الیہ نہیں. یہی مطلب ہے شارح کے قول 'فیندفع الایراد بوجہین' کا. اس سے زیادہ آسان عبارت میں اس طرح سمجھئے کہ مضاف یعنی مسجد موصوف نہیں کیونکہ موصوف وقت ہے جو مقدر ہے اور مضاف الیہ یعنی جامع یہ مضاف کی یعنی مسجد کی صفت نہیں کیونکہ جامع وقت مقدر کی صفت ہے نہ کہ مسجد کی.

تاویل کی دوسری صورت جسکو شارح وثانیہما سے بیان کر رہے ہیں یہ ہے کہ لفظ الوقت کو مقدر نہ مانا

منطویا علیہ فیکون بمنزلۃ الصفات الغالبۃ فیضاف المسجد الیہ فیندفع الایراد بوجہ واحدٍ وھو ان الجامع لیس صفۃ للمضاف وعلی ھذا القیاس صلوۃ الاولیٰ وبقلۃ الحمقاء متاول بصلوۃ الساعۃ الاولیٰ وبقلۃ الحبۃ الحمقاء علی الاحتمالین المذکورین لکن ھذا التاویل لایتمشی فی جانب الغربی فانہ لاشک ان المقصود توصیف الجانب بالغربیۃ لاتوصیف مکان ھو جانبہ بھا اللھم الا ان یقال ھناک

---

جائے اور المقدر کالمذکور کے قاعدے سے اس کے ساتھ مذکور جیسا معاملہ نہ کیا جائے جیسا کہ ابھی گذرا بلکہ اسکو محذوف مانا جائے اور جامع کو اسکے قائم مقام کردیا جائے جو اس پر مشتمل ہے جیسا کہ صفات غالبہ کا حال ہے کہ ان کا ایک موصوف مجازی ہوتا ہے اور ایک موصوف حقیقی ہوتا ہے جیسا کہ والقرآن الحکیم میں الحکیم حقیقۃً توصفت ہے اللہ تعالیٰ کی لیکن مجازاً قرآن کی صفت بھی اسکو قرار دیدیتے ہیں اسکے بعد القرآن کو حذف کرکے الحکیم کہدیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں الجامع ہے کہ اس کا موصوف حقیقی تو الوقت ہے جسکو حذف کرکے جامع کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے اور مسجد جو موصوف مجازی ہے اس کو جامع کی طرف مضاف کردیا گیا ہے اس لئے کہا جائیگا کہ جامع صفت تو ہے لیکن مضاف کی نہیں کیونکہ یہ وقت کی صفت ہے اور وقت اس کی طرف مضاف نہیں ہے اس کی طرف مضاف ہے مسجد۔ اور جامع حقیقۃً اس کی صفت نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

قولہ وعلیٰ ھذا القیاس صلوۃ الاولیٰ وبقلۃ الحمقاء الخ مطلب یہ ہے کہ جس طرح مسجد الجامع میں تاویل کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں اول یہ کہ موصوف نظم کلام میں مقدر مانا جائے تو اس میں دفع اعتراض کی دو صورتیں ہیں (۱) مضاف موصوف نہیں (۲) مضاف الیہ صفت نہیں۔ اور اگر ان امثلہ میں موصوف مقدر نہ مانا جائے بلکہ محذوف مانا جائے تو دفع اعتراض کی ایک صورت ہے کہ مضاف موصوف نہیں اگرچہ مضاف الیہ صفت ہے محذوف اور مقدر کا فرق اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مقدر مثل مذکور کے ہوتا ہے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ مذکور ہونے کی صورت میں کیا جاتا ہے اور محذوف ایسا نہیں ہے۔

ان مثالوں میں الاولیٰ کا موصوف الساعۃ ہے اور الحمقاء کا موصوف الحبۃ ہے اس کو حمقاء کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر احمقوں جیسی صفت پائی جاتی ہے نجاستوں کی جگہ یہ اگتا ہے۔

قولہ لکن ھذا التاویل لایتمشی الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو اعتراض مسجد الجامع، صلوۃ الاولیٰ بقلۃ الحمقاء میں ہوتا ہے وہی اعتراض جانب الغربی میں بھی ہے اور وہ اعتراض یہ ہے کہ ان امثلہ میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہورہی اور آپ لوگ اسکو ناجائز کہتے ہیں۔ مصنف نے جواب میں فرمایا کہ ان سب میں تاویل کی گئی ہے اور تاویل کی دو صورتیں ابھی بیان کی گئی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب امثلہ میں موصوف محذوف ہے جو مضاف ہے وہ حقیقۃً موصوف نہیں اور جب صفات مضاف کی نہیں ہیں تو اضافت موصوف الی الصفۃ نہ ہوئی

مکانان جزءٌ وکلٌ فالمکان الذی اضیف الیہ الجانب ھو الخبر والاضافۃ بیانیۃ والمکان الذی اعتبر الجانب بالنسبۃ الیہ ھو الکل فیستقیم المعنیٰ ویرد علی القاعدۃ الثانیۃ وھو قولہ ولا صفۃ الی موصوفھا مثل جرد قطیفۃٍ واخلاقُ ثیابٍ فان اصلھما قطیفۃ جرد وثیاب اخلاق قد مت الصفۃ علی الموصوف واضیف الیہ واجیب عنہ بانہ متاول بانہم حذفوا قطیفۃ من قولہم قطیفۃ جرد حتیٰ صار کانہ اسم غیر صفۃ فلما قصدوا تخصیصہ لکونہ صالحا لان یکون قطیفۃ وغیرھا مثل خاتم فی کونہ صالحا لان یکون فضۃ وغیرھا اضافوہ الی جنسہ الذی بتخصیص بہ کما اضافوا خاتما الی فضۃ فلیس اضافتہ الیہا من حیث انہ

---

شارح اپنی اس عبارت لکن ھذا التاویل الخ سے اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ تاویل جانب الغربی میں نہیں چل سکتی یعنی اسمیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ الغربی کا موصوف یعنی مکان مقدر یا محذوف ہے اور مضاف یعنی جانب اسکا حقیقۃً موصوف نہیں ہے اور اس مثال میں اس تاویل کے جاری نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل الغربی، جانب ہی کی صفت ہے مکان کی صفت نہیں ہوسکتی کیونکہ مقصود یہ ہے کہ مکان کی یہ جانب غربی ہے خود مکان کو غربی نہیں کہا جاتا ... کیونکہ مکان میں تو چار جانب ہوتی ہیں وہ ایک جانب کے ساتھ کیسے خاص ہوجائیگا۔

اس کے بعد شارح خود اللھم الا ان یقال ہناک الخ سے جواب دے رہے ہیں کہ یہاں لفظ مکان کے دو مصداق ہیں (۱) کل مکان جسمیں چاروں جانبیں ہوتی ہیں (۲) مکان جزء یعنی مکان کل کا ایک خاص حصہ اور یہاں تاویل میں الغربی سے پہلے جو مکان موصوف نکالا گیا ہے وہ مکان جزء ہے یعنی پورے مکان کا ایک حصہ مراد ہے اور مکان جزء اور جانب دونوں ایک ہیں اور جب دونوں کا مصداق ایک ہے تو خواہ یہ کہا جائے کہ الغربی مکان کی صفت ہے اور خواہ یہ کہا جائے کہ الغربی جانب کی صفت ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ جب جانب اور مکان دونوں کا مصداق ایک ہے تو پھر جانب کی اضافت مکان کی طرف صحیح نہ ہونی چاہیئے کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت ہونی چاہیئے، حالانکہ تاویل میں جو عبارت نکالی گئی ہے وہ جانب المکان الغربی ہے اس میں جانب کو مکان کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس کا جواب شارح نے دیا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے جس میں مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت نہیں ہوتی۔

قولہ ویرد علی القاعدۃ الثانیۃ الخ قاعدہ ثانیہ یہ ہے کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہوتی اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جرد قطیفۃ اور اخلاق ثیاب میں اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہے کیونکہ جرد (پرانی) صفت ہے اور قطیفۃ (چادر) موصوف ہے۔ اسی طرح اخلاق (پرانا) یہ صفت ہے اور ثیاب موصوف ہے اور دونوں مثالوں میں اضافت ہو رہی ہے۔ اس کا جواب مصنف نے متاول سے دیا ہے کہ ان میں بھی تاویل

صفة لها بل من حيث انه جنس مبهم اضيف اليها ليتخصص وعلىٰ هذا القياس اخلاق ثياب ولايضاف اسمٌ مماثلٌ اى مشابه للمضاف اليه فى العموم والخصوص ..... الى ذلك المضاف اليه سواء كانا مترادفين كليث واسد فى الاعيان والجثث وحبس ومنع فى المعانى والاحداث اوغير مترادفين بل متساويين فى الصدق كالانسان والناطق لعدم الفائدة فى ذكر المضاف اليه فانك اذا قلت رأيت ليث اسد لا يفيد الا ما يفيده رأيتُ ليثا بدون ذكر الاسد واضافة الليث اليه فيكون ذكر الاسد واضافة الليث اليه لغواً لا فائدة فيه۔

---

کی گئی ہے۔ وہ تاویل یہ ہے کہ جرد قطیفۃ اصل میں قطیفۃ جرد تھا (پرانی چادر) اس میں قطیفۃ موصوف اور جرد صفت ہے لیکن جس طرح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کے قائم مقام کردیا کرتے ہیں وہی عمل یہاں بھی کیا گیا ہے اور قطیفہ کو حذف کردیا گیا لیکن اس کے حذف کرنے کے بعد ابہام پیدا ہوگیا کیونکہ جرد کے معنی ہیں پرانی چیز اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ پرانی چیز کیا ہے اس ابہام کو دور کرنے کے لئے قطیفہ کی طرف اسکو مضاف کردیا گیا ہے تو یہ اضافت اس حیثیت سے نہیں کہ جرد صفت کو اس کے موصوف کی طرف مضاف کیا گیا بلکہ جرد کی حیثیت ایک جنس مبہم کی ہے جس کے ابہام کو دور کرنے کے لئے قطیفہ کیطرف مضاف کیا گیا ہے تاکہ اس اضافت کی وجہ سے اسمیں تخصیص پیدا ہوجائے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اضافت ایسی ہے جیسے عام کی اضافت خاص کی طرف ہوتی ہے اور ایسی اضافت جائز ہے۔ یہی تاویل اخلاق ثیاب میں کی جائے گی کہ اسکی اصل ثیاب اخلاق ہے (پرانے کپڑے) یہاں بھی ثیاب کو جب حذف کیا اور صرف اخلاق رہ گیا تو اس میں ابہام پیدا ہوگیا کیونکہ اس کے معنی بھی پرانے کے ہیں اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیا چیز پرانی ہے اس لئے ابہام کو دور کرنے کے لئے ثیاب کی طرف مضاف کردیا گیا تاکہ تخصیص پیدا ہوجائے اور ابہام دور ہوجائے اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ عام کی اضافت خاص کی طرف ہے اس میں اضافت صفت الی الموصوف کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

قولہ ولایضاف اسم مماثل الخ مطلب یہ ہے کہ جب ایک اسم دوسرے اسم کے ساتھ عموم وخصوص میں مماثل اور مشابہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں ہوسکتی خواہ وہ دونوں اسم اعیان میں سے ہوں جیسے لیث اور اسد یا معانی اور احداث میں سے ہوں جیسے مَنعَ و حَبسَ اور یہ اضافت اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ بغیر اضافت کے جو معنی ہوتے ہیں اضافت کے بعد بھی وہی معنیٰ رہتے ہیں تو پھر اضافت سے کیا فائدہ مثلاً کسی نے رأیت لیث اسد اضافت کے ساتھ کہا تو اس کے معنی وہی ہیں جو رأیتُ لیثا کے ہیں اسی طرح حبس ومنع کا حال ہے۔ شارح نے مماثل کی تفسیر مشابہ کے ساتھ کرکے اعتراض کا جواب دیا۔ اعتراض یہ ہے کہ مصنف نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ایک مماثل کی اضافت

بخلاف اضافة العام الی الخاص فی مثل کل الدراھم وعین الشیٔ فانہ ای المضاف فیھما یختص بہ ای یصیر خاصًا بسبب اضافتہ الی المضاف الیہ ولایبقی علٰے عمومہ سواء افادت الاضافۃ التعریف او التخصیص واعمیۃ العین عن الشیٔ اذا کان اللام فیہ للعھد ظاھرۃ واما اذا کان للجنس ففیھا خفاء ویرد علی قولھم لایضاف اسم مماثل للمضاف الیہ فی العموم والخصوص قولھم سعید کرز فان سعیدًا وکرزًا اسمان لمسمی واحد کلیث واسد مع انہ اضیف احدھما الی الآخر فاجیب بانہ مُتَأَوَّل بحمل احدھما علی المدلول والآخر علی اللفظ

---

دوسرے مماثل کی طرف نہیں ہوتی اور اس کی مثال لیث واسد بیان کی ہے لیکن یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ مماثلت نام ہے اشتراک فی النوع کا یعنی دونوں اسم نوع میں شریک ہوں جیسے زید اور عمرو یہ دونوں انسانیت میں شریک ہیں اور لیث واسد میں یہ بات نہیں یہ دونوں وصف میں یعنی عموم وخصوص میں شریک ہیں نوع میں شریک نہیں۔ شارح نے متشابہ سے تفسیر کر کے جواب دیا کہ مماثلت سے مراد مشابہت ہے جو مماثلت سے عام ہے وہ اشتراک فی النوع کی طرح اشتراک فی الوصف کو بھی شامل ہے۔

قولہ بخلاف کل الدراھم وعین الشیٔ الخ مطلب یہ کہ عام کی اضافت اگر خاص کی طرف ہو تو جائز ہے کیونکہ اس میں ایسی اضافت کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے جیسے کل الدراہم اس میں اضافت سے پہلے کل عام تھا دراہم ودنانیر اور دیگر اشیاء کو شامل تھا لیکن جب دراہم کی طرف اضافت کردی گئی تو دوسری اشیاء خارج ہوگئیں اور تخصیص پیدا ہوگئی۔ اسی طرح لفظ عین اضافت سے پہلے موجود اور معدوم دونوں کو شامل تھا جب الشئے کی طرف مضاف کیا گیا تو اس میں تخصیص پیدا ہوگئی اب صرف موجود پر اطلاق ہوگا۔

قولہ فاعمیۃ العین عن الشیٔ الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ الشی میں اگر الف لام عہد کا ہے تو الشیٔ کا خاص ہونا اور عین کا عام ہونا ظاہر ہے اور مسلم ہے لیکن اگر الشئے میں الف لام جنس کا ہے تو اس میں بھی عموم ہوگا تو جس طرح عین عام ہے اسی طرح الشئے بھی عام ہے تو اس صورت میں عین کا شئے سے عام ہونا مسلم نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الشئے سے مراد موجود فی الخارج ہے اور عین موجود اور معدوم دونوں کو شامل ہے لہٰذا عین کے عام ہونے میں کوئی خفا نہ رہا۔

قولہ ویرد علی قولھم، قولھم سعید کرز الخ قاعدہ مذکورہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک اسم مماثل کی دوسرے اسم مماثل کی طرف اضافت صحیح نہیں ہے اور سعید کرز میں یہ اضافت پائی جاتی ہے حالانکہ یہ دونوں ایک ذات کے نام ہیں لہٰذا ایک دوسرے کے مماثل ہوئے اس لئے اضافت ناجائز ہونی چاہیئے۔ اس کا جواب دے رہے ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مضاف سے مراد مسمیٰ

فکانک اذا قلت جاء نی سعید کرز قلت جاء نی مدلول ھذا اللفظ ولم یقولوا کرز سعید لان قصدھم بالاضافة التوضیح واللقب اوضح من الاسم غالبًا واذا اضیف الاسم الصحیح وھو فی عرف النحاة ما لیس فی اٰخرہ حرف علة او الملحق بہ وھو ما فی اٰخرہ واو او یاء قبلھما ساکن وانما کان ملحقًا بالصحیح لان حرف العلة بعد سکون لا تثقل علیھا الحرکة لمعارضة خفة السکون ثقل الحرکة ولان حرف العلة بعد السکون مثلھا بعد السکوت فی الوقوع بعد استراحة اللسان ولا تثقل علیہ الحرکة بعد السکوت یعنی فی الابتداء کذا بعد السکون الی یاء المتکلم کسر اٰخرہ للتناسب مثل ثوبی وداری فی الصحیح وظبی ودلوی فی الملحق بہ

---

کی ذات ہے اور مضاف الیہ سے مراد خود لفظ ہے اس لئے جاءنی سعید کرز کے معنی یہ ہوئے کہ آیا میرے پاس اس لفظ کا مدلول یعنی وہ ذات آئی جو لفظ کرز سے ملقب ہے۔

قولہ ولم یقولوا کرز سعید الخ اعتراض ہوتا تھا کہ کرز لقب ہے اور سعید نام ہے اور لقب عارضی ہوتا ہے اور نام اصلی ہے لہٰذا بہتر یہ تھا کہ لقب کی اضافت نام کی طرف ہوتی اور کرز سعید کہنا زیادہ بہتر ہوتا۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس قسم کی اضافت سے توضیح مقصود ہوتی ہے اور لقب زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ بہتر یہی ہوا کہ لقب کی طرف اضافت کی جائے تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

قولہ واذا اضیف الاسم الصحیح الخ صرفیوں کی اصطلاح میں صحیح ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے حروف اصلی میں حرف علت۔ ہمزہ اور دو حرف صحیح ایک طرح کے نہ پائے جائیں لیکن اصطلاح نحاۃ میں صحیح ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو۔ اور ملحق بالصحیح ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کے آخر میں واؤ ہو یا یاء ہو اور ان کا ماقبل ساکن ہو جیسے دَلْوٌ اور ظَبْیٌ۔ ملحق بالصحیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اسم صحیح پر حرکت آتی ہے اسی طرح ملحق بالصحیح پر بھی حرکت آتی ہے کیونکہ واؤ اور یاء پر اگرچہ حرکت ثقیل ہوتی ہے لیکن جب ان کا ماقبل ساکن ہے تو سکون کی وجہ سے کچھ خفت اور آسانی حاصل ہو جائے گی اسلئے واؤ اور یاء پر حرکت اس حالت میں دشوار نہ ہوگی اور اس کی صورت ایسی ہو جائے گی جیسے متکلم کلام کرنے کے بعد خاموش ہو جائے۔ اور آرام کر لینے کے بعد پھر کلام کرے تو ایسی حالت میں اگر کلام کی ابتداء واؤ کے ساتھ یا یاء کے ساتھ کی جائے اور ان پر حرکت لائی جائے تو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ مثلاً سکوت کے بعد مَوصُولٌ۔ یَسِیْرٌ۔ وِقَایَۃٌ کہا جائے یعنی واؤ اور یاء پر حرکت لائی جائے تو کچھ دشوار نہیں اسی طرح سکون کے بعد واؤ اور یاء پر حرکت لائی جائے تو کوئی دشواری نہ ہوگی جیسے دلوٌ۔ ظبیٌ ان میں دلوٌ میں واؤ پر حرکت لام کے سکون کے بعد ہے اور ظبیٌ میں یاء پر حرکت باء کے سکون کے بعد ہے اس لئے حرکت ثقیل نہ ہوگی اس کے بعد سمجھئے کہ مصنفؒ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب اسم صحیح یا ملحق بالصحیح کی اضافت یاء متکلم کی

والیاء مفتوحۃ اوساکنۃ وقد اختلف فی ان ایھما الاصل والصحیح انہ الفتح اذ الاصل فی الکلمۃ التی علی حرفٍ واحد ھو الحرکۃ لئلا یلزم الابتداء بالساکن حقیقۃً اوحکما والاصل فی ما بنی علی الحرکۃ الفتح والسکون انما ھو عارض للتخفیف فان کان اٰخرہ ای اٰخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم الفاً ثبتت ای الالف علی اللغۃ الفصیحۃ لعدم موجب الانقلاب نحو عصای ورحای وھذیل وھی قبیلۃ من العرب تقلبھا ای الالف حال کونھا لغیر التثنیۃ یاءً لمشاکلۃ

---

طرف کیجائے تو اس اسم کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا اور یاء متکلم کو فتحہ دیا جائے یا ساکن رکھا جائے جیسے ثوبی۔ داری یہ صحیح کی مثالیں ہیں اور دلوی، ظبیی یہ ملحق بالصحیح کی مثالیں ہیں۔

قولہ وقد اختلف فی ان ایھما الاصل الخ اس میں اختلاف ہے کہ یاء متکلم پر فتحہ اصل ہے یا اسکو ساکن پڑھنا اصل ہے۔ شارح فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فتحہ پڑھا جائے کیونکہ جس کلمہ میں صرف ایک حرف ہو اس میں اصل یہ ہے کہ وہ متحرک ہو جیسے واؤ عاطفہ۔ ہمزہ استفہام۔ کاف تشبیہ وغیرہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسکو متحرک نہ پڑھا جائے تو ابتداء بالساکن لازم آتا ہے کہیں حقیقۃً اور کہیں حکمًا اگر ایسا کلمہ شروع کلام میں واقع ہوگا۔ اور اگر حرکت نہ دی جائے تو ابتداء بالساکن حقیقۃً لازم آئیگا جیسے کزید اخوک میں کاف تشبیہ شروع میں واقع ہے اگر اس کو حرکت نہ دی جائے تو ابتداء بالساکن لازم آئیگا، اور اس کے تلفظ کی کوئی صورت نہ ہوگی اور اگر ایسا کلمہ جس میں صرف ایک حرف ہے شروع کلام میں نہ ہو جیسے مثال مذکور ثوبی داری وغیرہ میں یاء متکلم کہ اگر اس کو حرکت نہ دی جائے تو اسوقت ابتداء بالساکن حقیقۃً تو نہیں پایا جاتا لیکن حکمًا ضرور لازم آتا ہے کیونکہ جب یہ کلمہ مستقل ہے تو اپنے استقلال کی وجہ سے اس کا شروع میں واقع ہونا ممکن ہے اور ایسی صورت میں اگر حرکت نہ دی جائے تو ابتداء بالساکن لازم آئے گا۔

بہرحال اس تقریر سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ جس کلمہ میں ایک حرف ہو اس پر حرکت اصل ہے اس کو وَالْاَصْلُ فِیْ مَا بُنِیَ سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ جو کلمہ حرکت پر مبنی ہو اس میں فتحہ کی حرکت اصل ہے کیونکہ ضمہ اور کسرہ ثقیل حرکات ہیں اور حرف ضعیف ہے وہ ثقیل حرکتوں کو برداشت نہ کرسکے گا اسلئے اصل یہ ہے کہ اس پر فتحہ ہو اور اس پر سکون عارضی ہو۔ جب تخفیف کی ضرورت ہو تو اس پر سکون آجائیگا اور تخفیف کی ضرورت اسوقت ہوتی ہے کہ جب ایسے کلمہ کو کسی دوسرے کلمہ سے ملایا جائے جیسے مثال مذکور ثوبی، داری میں یاء کو ثوب اور دار سے ملایا گیا تو اس پر سکون بھی پڑھ سکتے ہیں اور جب یہ تنہا ہو دوسرے کلمہ سے نہ ملایا جائے تو اس وقت سکون کی کوئی صورت نہیں ورنہ ابتداء بالساکن لازم آئیگا۔

قولہ وان کان اٰخرہ الفا ثبتت الخ جو اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اگر اس کے آخر میں الف ہو تو اس کو باقی رکھا جائے گا اسلئے کہ نہ تو اس الف سے پہلے ضمہ ہے کہ اسکو واؤ سے بدل دیا جائے اور نہ اس سے پہلے کسرہ

باء المتکلم وتدغم فی الیاء مثل عصیّ ورحیّ ولا تقلب الف التثنیة کغلامی لالتباس المرفوع بغیرہ بسبب القلب وان کان آخر الاسم المضاف الی یاء المتکلم یاء اُدغِمت فی یاء المتکلم لاجتماع المثلین فیما هو کالکلمة الواحدة مثل مسلمین اذا اضیف الی یاء المتکلم واسقطت النون للاضافة وادغمت الیاء فی الیاء فصار مسلمیّ وان کان اٰخرہ واوا قلبت الواو یاءً لاجتماع الواو والیاء والاولی ساکنة مثل مسلمون اذا اضیف الی یاء المتکلم قلبت واوہ یاء وادغمت الیاء فی الیاء وکسر ماقبلها لانها لما انقلبت یاء ساکنة یوجب بقاء الضمة قبلها تغیرها فحرکت بالحرکة المناسبة لها فقیل مسلمیّ وان کانت قبل الیاء او الواو فتحة بقی ماقبلها

---

ہے کہ یار سے بدل دیا جائے۔ جیسے عصای ورحای ان دونوں مثالوں میں الف باقی ہے البتہ ہذیل ایک قبیلہ ہے ان کے نزدیک اگر الف تثنیہ کا نہیں ہے تو وہ اس الف کو یاء سے بدل دیتے ہیں اور پھر یار کا یاء میں ادغام کردیتے ہیں جیسے عَصَیَّ وَرَحَیَّ اس کی وجہ وہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ یار متکلم سے پہلے اگر فتحہ ہوتا ہے تو اس کو کسرہ سے بدل دیا جاتا ہے اسی طرح اگر اس سے پہلے الف ہوگا تو اس کو یاء سے بدل دیں گے مطلب یہ ہے کہ جب حرکت میں یار کی مناسبت کا لحاظ کیا جاتا ہے اسی طرح حرف میں بھی اسکی مناسبت کا لحاظ کیا جائے گا۔

تثنیہ کے الف کو یار سے اسواسطے نہیں بدلتے کہ اسمیں رفع کی حالت کا التباس نصب اور جر کی حالت کیساتھ لازم آتا ہے مثلاً غلامای میں تثنیہ کی اضافت یار متکلم کی طرف ہے اس میں رفع کی حالت میں الف آتا ہے اور نصب اور جر میں یار آتی ہے تو اگر الف کو یار سے بدل دیں تو غلامیّ ہوجائیگا اور اس صورت میں یہ نہ پتہ چلیگا کہ رفعی حالت ہے یا نصبی اور جری حالت ہے۔

قولہ وان کانت یاء ادغمت الخ جو اسم یار متکلم کی طرف مضاف ہے اگر اس کے آخر میں یاء ہے تو اس یار کا یار متکلم میں ادغام کردیا جائیگا مثلاً مسلمین کی اگر اضافت یار متکلم کی طرف کیجائے تو نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہوجائیگا اور یار کا یار میں ادغام کردیا جائیگا۔ اور مُسْلِمِیَّ پڑھا جائے گا۔

قولہ وان کان اٰخرہ واو قلبت الواو یاء الخ جو اسم یار متکلم کی طرف مضاف ہو اور اس کے آخر میں واؤ ہو تو واؤ اور یار کے جمع ہوجانے کی وجہ سے واؤ کو یار کرکے یار کا یار میں ادغام کردیا جائیگا اور اس کے ماقبل ضمہ کو کسرہ دیا جائیگا کیونکہ اگر واؤ کو یا ساکنہ سے بدل کر یار متکلم میں ادغام نہ کریں تو یار ساکن ہوگی اور اس کا ماقبل مضموم ہوگا اور قاعدہ ہے کہ یار ساکن ماقبل مضموم ہو تو اس یار کو واؤ سے بدل لیتے ہیں۔ حالانکہ واؤ اور یار کے اجتماع کی وجہ سے واؤ کو یار سے بدلا گیا ہے اب اگر ادغام نہیں کرتے تو یاء کو پھر واؤ سے بدلنا پڑیگا اس لئے اس تغیر سے بچنے کے لئے واؤ کو یار کرکے یار کا یار میں ادغام کیا جائے گا اور ماقبل کو کسرہ دیا جائیگا۔ حاصل یہ ہے کہ جو اسم یار متکلم کی طرف مضاف ہے اگر اس کے آخر میں یار ہو تو اس یار کا یار متکلم میں ادغام کیا جائے۔ اور اس اسم کے آخر میں واؤ ہو تو واؤ کو

مفتوحاً کقولک فی مسلمین مسلمی و فی مصطفون مصطفی لخفۃ الفتحۃ وفتحت الیاء ای یاء المتکلم فی الصور الثلث للساکنین ای للزوم التقاء الساکنین ان لم تحرک واختیر الفتح لخفتہ واما الاسماء الستۃ التی مر البحث عنہا مضافۃ الی غیر یاء المتکلم فاخی وابی ای فالحال فی اخ واب منہا اذا اضیف الی یاء المتکلم ان یقال اخی وابی مثل یدی ودمی بلا رد المحذوف بجعلہ نسیاً منسیاً واجاز المبرد فیہما اخی وابی برد لام الفعل فیہما وھی الواؤ وجعلہا یاءً و ادغام الیاء فی الیاء وتمسک فی ذلک بقول الشاعر ع وابیّ مالک ذو المجاز بدار؛ وحمل الاخ علی الاب لتقاربہما لفظا ومعنا راجاب عنہ المص

---

یاء کرکے یاء میں ادغام کیا جائیگا اور دونوں صورتوں میں اگر واؤ یا یا سے پہلے ضمہ ہو تو اسکو کسرہ سے بدل دیا جائیگا فتحہ ہو تو اس کو باقی رکھا جائے گا کیونکہ یاء سے پہلے ضمہ دشوار ہے فتحہ دشوار نہیں جیسے مسلمین اضافت اور ادغام کے بعد مسلمیّ یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ پڑھا جائیگا اور مصطفون میں اضافت اور واؤ کو یاء سے بدلنے اور ادغام کے بعد مصطفیّ پڑھا جائیگا۔

قولہ وفتحت الیاء للساکنین الخ اسم صحیح کے آخر میں الف ہو یا واؤ ہو یا یاء ہو ان تینوں صورتوں میں یاء متکلم کی طرف مضاف کرنے کا حال ابھی بیان کیا گیا ہے۔ اب یہ فرمارہے ہیں کہ ان تینوں صورتوں میں یاء متکلم کو فتحہ پڑھا جائے کیونکہ یاء کو اگر ساکن رکھا جائے تو التقاء ساکنین لازم آئے گا کیونکہ یاء کا ماقبل یعنی الف۔ واؤ۔ یا ہو۔ یہ تو پہلے ہی سے ساکن ہیں ان کے ساتھ یاء متکلم کو بھی ساکن رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ التقاء ساکنین ہوگا اس سے بچنے کے لئے یاء کو فتحہ پڑھنا مناسب ہے کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔

قولہ واما الاسماء الستۃ الخ اسماء ستہ مکبرہ جب غیر یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا حال اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اب بیان کر رہے ہیں کہ اگر ان کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہو تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا ان میں مختلف اسموں کے مختلف احکام ہیں ان کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان میں سے جب اخ اور اب کی اضافت یاء متکلم کی طرف کیجائے تو ان کے ساتھ یدٌ اور دمٌ جیسا معاملہ کیا جائیگا جس طرح یدٌ اور دمٌ میں اضافت کی حالت میں ان میں جو حرف واؤ محذوف ہے اس کا اعادہ نہیں کیا گیا اور بغیر اعادہ کے یدی و دمی کہا جاتا ہے اسی طرح اخ اور اب میں واؤ کا اعادہ نہ ہوگا بلکہ اضافت کے وقت اخی اور ابی کہا جائے گا۔

قولہ واجاز المبرد اخی وابی الخ مبرد کے نزدیک جائز ہے کہ اخ اور اب کی اضافت کے وقت واؤ محذوف کو واپس لاکر اضافت کریں اور واؤ اور یاء کے اجتماع کی وجہ سے واؤ کو یاء کرکے یاء کا یاء میں ادغام کریں اور یاء کی مناسبت کی وجہ سے یاء کے ماقبل کو کسرہ دیدیں۔ مبرد کا مستدل "وابیّ مالک ذو المجاز بدار" ہے

فی شرحہ بان ذٰلك خلاف القیاس واستعمال الفصحاء مع انہ یحتمل ان یکون المقسوم بہ ای ابی جمع اب فاصلہ ابین سقطت النون فی الاضافة فاجتمعت یا آن فادغمت الاولی فی الثانیة فصار ابی وقد جاء جمعہ ھٰکذا فی قول الشاعر شعر فلما تبین اصواتنا بکین وفدیننا بالابینا ای لما سمعن وعلمن اصواتنا بکین وقلن لنا آباؤنا فداؤکم وتقول ای امرأة قائلة لامتناع اضافة الحم الی المذکر حَمِی وھَنِی بلا رد المحذوف عند الاضافة الی یاء المتکلم وانما فصلہما عن اخی وابی لانہ لم ینقل عن المبرد فیہما فی المشہور ما یخالف مذھب الجمہور وان نقل عنہم بعضہم ذٰلك الخلاف فی الاسماء الاربعة ویقال فی فم حال اضافتہ الی یاء المتکلم فی بالرد والقلب والادغام فی الاکثر ای فی اکثر موارد استعمالاتہ وفمی

---

اس میں اب کی اضافت جب یاء متکلم کی طرف کی گئی تو واؤ محذوف کو واپس لاکر واؤ کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام کردیا گیا اور یاء کے ماقبل کسرہ دیا گیا ہے (ترجمہ) اے نفس قسم ہے میرے باپ کی تیرے لئے ذوالمجاز میں کوئی منزل نہیں ہے۔ اخ کو اب پر قیاس کر کے اس کے ساتھ بھی یہی صورت اختیار کی جائے گی کیونکہ ان دونوں میں لفظا اور معنا دونوں اعتبار سے قرب ہے۔ لفظی قرب تو یہ ہے کہ یہ دونوں ناقص واوی ہیں اور معنوی قرب یہ ہے کہ ہر ایک تعدد پر دلالت کرتا ہے اَبٌ من لہ الابن اور اَخٌ من لہ الاخ کو کہتے ہیں نیز ہر ایک اسماء مضافہ میں سے ہیں۔

مصنف نے فراء کے استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہ خلاف قیاس ہے اور فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے اسکے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ مقسم بہ یعنی ابی یہ اب کی جمع ہو اور اسکی اصل اَبِیْنَ ہو نون اضافت کیوجہ سے ساقط ہوگیا اسکے بعد یاء کا یاء میں ادغام کردیا گیا ہو اور استشہاد میں شاعر کا یہ قول پیش کیا ہے۔ فلمّا تبیّنَّ اصواتنا ۔ بکَیْنَ وَفَدَّ یننا بالابینا اس میں الابینا اب کی جمع ہے۔ ترجمہ: جب ان عورتوں نے ہماری آواز کو پہچان لیا تو رونے لگیں اور ہمارے بارے میں کہا کہ ہمارے آباء واجداد تم پر فدا ہوں تو جب اس میں جمع کا احتمال ہے تو فراء کا استدلال صحیح ہوگا

قولہ وتقول حمی وھنی الخ ان میں بھی واؤ محذوف کو اضافت کے وقت واپس نہیں لایا گیا ان کو اخی اور ابی سے علیحدہ بیان کیا اسواسطے کہ انکے بارے میں فراء کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ فراء کا اختلاف ابی ۔اخی۔ اور حمی وہنی چاروں میں ہے لیکن مشہور قول کے خلاف ہے مشہور یہی ہے کہ فراء کا اختلاف صرف ابی اور اخی میں ہے۔ مصنف نے تقول واحد مونث غائب کا صیغہ استعمال کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ حَم شوہر کے بھائی کو کہتے ہیں جسکو دیور کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دیور عورت کا ہوتا ہے مرد کا نہیں ہوتا اسلئے مونث کا صیغہ استعمال کیا۔

قولہ ویقال فِیْ فی الاکثر فمی الخ فم اصل میں فوہٌ تھا ہاء کو خلاف قیاس حذف کردیا گیا اور بالکل نسیا منسیا کردیا گیا۔ اس کے بعد واؤ کو میم سے بدل دیا گیا اور فَمٌ ہوگیا غیر اضافت کی صورت میں میم کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے مصنفؒ

فی بعضها ابقاء للمیم المعوض عن الواؤ عند قطعہ عن الاضافۃ واذ اقطعت ھذہ الاسماء الخمسۃ عن الاضافۃ قیل اخٌ وابٌ وحمٌ وھنٌ وفمٌ بالحرکات الثلث ولکن فتح الفاء افصح منہما ای من الضم والکسر وجاء حمٌ مثل یدٍ فیقال ھذا حم او حمك ورأیت حما او حمك ومررت بحم او حمك و مثل خبْءٍ بالھمزۃ فیقال ھذا حمء او حموك ورأیت حماء او حماك ومررت بحمء او حمئك و مثل دلو بالواو فیقال ھذا حمو او حموك ورأیت حموًا او حموك ومررت بحموا وحموك ومثل عصًا بالالف فیقال ھذا حمًا او حماك ورأیت حمًا او حماك ومررت بحمًا او حماك مطلقًا ای جواز حم مثل ھذہ الاسماء الاربعۃ مطلقا غیر مقید بحال الافراد او الاضافۃ بل تجی ھذہ الوجوہ فیہ فی کل من حالتی الافراد والاضافۃ وجاء ھنٌ مثل ید مطلقًا ای فی الافراد والاضافۃ یقال ھذا ھنٌ رأیت ھنًا ومررت بھن وھذ ھنك ورأیت ھنك ومررت بھنك

---

بیان کررہے ہیں کہ یار متکلم کی طرف جب اسکی اضافت کی جائیگی تو واؤ جس کے عوض میں میم ہے اس کو واپس لے آئیں گے اور واؤ یاء کے اجتماع کی وجہ سے واؤ کو یاء کر کے یاء میں ادغام کردیں گے اور یاء سے پہلے فاء پر کسرہ دیدیں گے اس لئے اضافت کی صورت میں فِیَّ ہوگا اور اس کا اکثر استعمال اسی طرح ہے اور بعض حالات میں میم کو اضافت کی حالت میں باقی رکھا گیاہے اور فَمِی پڑھا گیا ہے جس طرح غیر اضافت کی حالت صورت میں میم باقی رہتی ہے۔

قولہ واذ انقطعت قیل اخ الخ جب اسماء ستہ مکبرہ میں سے ذو کے علاوہ کو اضافت سے منقطع کرلیا جائے تو ان پر اعراب بالحرکت ہوگا اور اخ۔ اب۔ حم۔ ہن۔ فم کہا جائے گا فَم کی فاء پر فتحہ، کسرہ ضمہ تینوں پڑھ سکتے ہیں لیکن فتحہ پڑھنا زیادہ فصیح ہے۔

قولہ وجاء حم مثل ید الخ حم میں چند لغات ہیں (۱) ایک یہ کہ اس کو ید کی طرح پڑھا جائے یعنی واؤ محذوف کو واپس نہ لایا جائے خواہ قطع اضافت کی صورت ہو یا اضافت کی مثلاً ہذا حم کہا جائے اور اضافت کی صورت میں حمک وغیرہ کہا جائے (۲) دوسرے یہ خبْء کی طرح پڑھا جائے یعنی مہموز اللام پڑھا جائے اضافت اور غیر اضافت دونوں صورتوں میں (۳) تیسری لغت یہ ہے کہ اس کو ناقص واوی حمو مثل دلو کے پڑھا جائے خواہ اضافت کے ساتھ ہو یا بغیر اضافت کے (۴) چوتھی لغت یہ ہے کہ اس کو اسم مقصور عصا کی طرح پڑھا جائے جیسے حمًا خواہ اضافت کے ساتھ ہو یا بغیر اضافت کے

قولہ وجاء ھنٌ مثل ید مطلقا الخ اور ہن میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ اس کو ید کی طرح پڑھا جائے یعنی واؤ محذوف کو واپس نہ لایا جائے خواہ اضافت کی حالت ہو یا بغیر اضافت ہو۔

وذو لا یُضَافُ الی مُضمرٍ لانہ وضع وصلۃً الی الوصف باسماء الاجناس والضمیر لیس باسم جنس وقد اضیف الیہ علی سبیل الشذوذ کقول الشاعر **شعر** انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ ؛ ولو قیل لایضاف الی غیر اسم الجنس لکان اشمل وکانہ خص المضمر بالذکر لانہ کان لبعض تلک الاسماء حکم خاص عند اضافتہ الی یاء المتکلم نفی اضافتہ الی المضمر مطلقاً نفیاً لاختصاصہ بحکم خاص باعتبار اضافتہ الیہ ولا یُقطعُ ای ذو عن الاضافۃ لان جعلہ وصلۃ الی اسماء اجناس لیس الا بالاضافۃ الیھا۔

قولہ وذو لا یضاف الی مضمر الخ اسماء ستہ مکبرہ میں سے پانچ کا حال معلوم ہوگیا اب ذو کا حال بیان کررہے ہیں کہ ذو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ذو اس واسطے وضع کیا گیا ہے کہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوکر اس اسم جنس کو کسی دوسری چیز کی صفت قرار دے یعنی اسم جنس کے صفت ہونے میں ذو واسطہ ہو تو اگر ضمیر کی طرف مضاف کرینگے تو خلاف وضع لازم آئیگا البتہ کبھی ضمیر غائب کی طرف اضافت ہوجاتی ہے جیسے انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ۔ ترجمہ فضل والے کو فضل والا ہی پہچان سکتا ہے۔

قولہ ولو قیل لایضاف الی غیر اسم الجنس الخ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مقصود تو یہ ہے کہ ذو غیر اسم جنس کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور اس کی وجہ بھی بیان کردی ہے تو مصنف کو چاہئے تھا کہ اس مقصد کو ادا کرنے کے لئے ذو لا یضاف الی مضمر کے بجائے ذو لا یضاف الی غیر اسم الجنس زیادہ مناسب تھا کیونکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہوتا کہ ذو صرف اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے نہ ضمیر کی طرف ہوتا ہے اور نہ اسم جنس کے علاوہ کسی دوسرے اسم کی طرف ہوتا ہے۔ اور مصنف کی عبارت ذو لا یضاف الی مضمر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں ہوتی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسم جنس کے علاوہ کسی دوسرے اسم کی طرف ہوتی ہے یا نہیں حالانکہ اسکی بھی نفی مقصود ہے کیونکہ ذو اسم جنس کے علاوہ دوسرے اسم کیطرف بھی مضاف نہیں ہوتا۔ شارح، کانہ خص المضمر الخ سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس طرح تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسماء ستہ میں سے بعض اسماء ایسے ہیں کہ جب ان کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہوتی ہے تو ان کے لئے کچھ مخصوص احکام ہیں جو ان کے دوسرے اخوات کے لئے نہیں ہیں مثلاً ابی اور اخی میں مبرد واؤ محذوف کو واپس لاکر اسکو یاء کرکے یاء میں ادغام کرتے ہیں اسی طرح فِیَّ میں جو واؤ محذوف کے عوض میم لائی گئی ہے اضافت کی صورت میں میم کو نہ باقی رکھا جائیگا بلکہ واؤ کو واپس لاکر یاء کرکے یاء میں ادغام کردیں گے مصنف اپنی عبارت ذو لا یضاف الی مضمر سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ذو کی اضافت تو کسی ضمیر کی طرف ہوتی ہی نہیں خواہ یاء ہو یا غیر یاء، ہو تو پھر واؤ محذوف کو واپس لاکر یاء متکلم میں ادغام کرنے اور نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ان اسماء میں جنمیں بھی واؤ کو واپس لایا گیا ہے وہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہونے کی حالت میں لایا گیا ہے اور ذو کی سرے سے کسی ضمیر کی طرف اضافت نہیں ہوتی۔

# التوابع

وهو جمع تابع منقول عن الوصفيه الى الاسمية والفاعل الاسمی يجمع على فواعل كالكاهل على الكواهل والمراد بها توابع المرفوعات والمنصوبات والمجرورات التي هي اقسام الاسم فلاينتقض حدها بخروج نحوإنّ انّ وضرب وضرب لعدم كونهما من افراد المحدود وكل ثان اى كل متاخر متى لوحظ مع سابقه كان فى الرتبة الثانية منه فيدخل فيه التابع الثانى والثالث

---

قوله جمع تابع منقول الخ توابع جمع ہے تابع کی۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ تابع بروزن فاعل ہے یعنی اسم فاعل کا صیغہ ہے جس میں وصف کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ تابع ہونا وصف ہے اور فاعل صفتی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی بلکہ فاعلات کے وزن پر آتی ہے جیسے صافنٌ کی جمع صافنات۔ اس اعتراض کا جواب شارح نے منقول عن الوصفیۃ الخ سے دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تابع بے شک فاعل وصفی ہے لیکن اسکو وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کر لیا گیا ہے یعنی تابع امور خمسہ، نعت۔ تاکید۔ عطف بیان۔ عطف بحرف۔ بدل کا اسم (نام) ہوگیا ہے اور فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسے کاہل (شانہ) کی جمع کواہل۔

قولہ والمراد بها توابع المرفوعات الخ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ تابع کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس کی تعریف کل ثان باعراب سابقہ الخ سے کی گئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تابع اور متبوع دونوں معرب ہوں اور ان دونوں کا اعراب ایک ہو اور یہ تعریف ان ان، ضرب، ضرب میں ثانی اِن اور ثانی ضرب پر صادق نہیں حالانکہ یہ دونوں اپنے ماقبل کی تاکید ہیں اور تاکید تابع کا فرد ہے۔ صادق نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان اور ضرب معرب نہیں اور جب یہ سرے سے معرب ہی نہیں ہیں تو اپنے ماقبل کے اعراب میں تابع ہونیکا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ شارح نے جواب دیا کہ یہاں توابع سے مراد مرفوعات منصوبات مجرورات کے توابع ہیں اور یہ سب اسم کے اقسام ہیں لہذا فعل اور حرف کے توابع پر اگر تابع کی تعریف صادق نہ آئے تو اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ جو محدود کا فرد نہ ہو اگر اس پر حد نہ صادق آئے تو اشکال کی کیا بات۔

قولہ ای کل متاخر الخ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ تابع کی تعریف میں کل ثان کی قید سے تابع ثالث۔ تابع رابع اور اس کے مابعد کے تمام توابع خارج ہو جائیں گے کیونکہ وہ ثانی کا مصداق نہیں ہیں۔ شارح نے جواب دیا کہ ثانی سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے متبوع کے اعتبار سے مؤخر ہو خواہ ترتیب ذکری میں دوسرے نمبر پر ہو یا اس سے زائد کسی نمبر پر ہو لہذا اسمیں تمام توابع داخل ہوجائینگے خواہ وہ ترتیب میں کسی درجے میں ہوں۔

فصاعدا متلبس باعراب سابقہ ای بجنس اعراب سابقہ بحیث یکون اعرابہ من جنس اعراب سابقہ ناشئ کلاهما من جهة واحدة شخصیة مثل جاء نی زید العالم فان العالم اذ لوحظ مع زید کان فی الرتبة الثانیة منه واعرابه من جنس اعرابه وهو الرفع والرفع فی کل منهما ناشی من جهة واحدة شخصیة هی فاعلیة زید العالم لان المجئ المنسوب الی زید فی قصد المتکلم منسوب الیه مع تابعه لا الیه مطلقا فقوله کل ثان یشمل التوابع وخبر المبتدأ وخبری کان وان واخواتهما وثانی مفعولی ظننت واعطیت وقوله باعراب سابقه یخرج الکل الا الخبر المبتدا وثانی مفعولی ظننت واعطیت وقوله من جهة واحدة یخرج هذه الاشیاء لان العامل فی المبتدا والخبر وان کان هو الابتداء اعنی التجرد عن العوامل اللفظیة للاسناد لکن هذا المعنی من حیث انه یقتضی مسندا الیه صار عاملا

---

قولہ باعراب سابقة الخ ای بجنس اعراب سابقہ الخ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اعراب عرض یعنی وصف ہے جو اپنے محل یعنی موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ دوسرے محل کے ساتھ قائم نہ ہوگا یعنی دوسرے موصوف میں نہ پایا جائے ورنہ عرض واحد کا قیام محلین مختلفین کے ساتھ لازم آئے گا یا کہا جائے کہ وصف کا انتقال اپنے موصوف سے لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔ اس کا جواب شارح نے دیا کہ تابع پر متبوع والا اعراب نہیں آتا بلکہ متبوع جیسا اعراب آتا ہے یعنی متبوع کا اعراب تو اسی کے ساتھ قائم رہے گا اس جیسا اعراب تابع پر آتا ہے۔ لہٰذا عرض واحد کا قیام محلین مختلفین کے ساتھ لازم نہیں آئے گا اور نہ وصف کا انتقال اپنے موصوف سے لازم آئے گا۔

قولہ فقولہ کل ثان الخ یہاں سے فوائد قیود بیان کر رہے ہیں کہ تابع کی تعریف میں کل ثان بمنزلہ جنس ہے کیونکہ ہر اسم موخر کو شامل ہے خواہ تابع ہو یا غیر تابع مثلاً مبتدا کی خبر ہو یا إنَّ اور اس کے اخوات کی خبر ہو یا کان اور اس کے اخوات کی خبر ہو یا ظننت اور اعطیت کا مفعول ثانی ہو کیونکہ ان سب پر کل ثان صادق ہے۔ اور باعراب سابقہ بمنزلہ فصل کے ہے اس سے إنَّ اور اس کے اخوات کان اور اس کے اخوات کی خبر خارج ہو جائے گی کیونکہ إنَّ کی خبر کا اعراب اپنے ماقبل یعنی انّ کے اسم کے اعراب کے مثل نہیں مبتدا کی خبر اور اعطیت وظننت کا مفعول ثانی من جہۃ واحدۃ کی قید سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ ان میں جہت واحدہ نہیں پائی جاتی۔ مبتدا پر رفع مسند الیہ کے اعتبار سے ہے اور اس کی خبر پر رفع مسند ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح اعطیت کے مفعول اول میں آخذ ہونے کی حیثیت ہے اور مفعول ثانی میں ماخوذ کی جہت ہے۔ اور ظننت کے مفعول اول میں مظنون فیہ کی حیثیت ہے اور مفعول ثانی میں مظنون کی حیثیت ہے لہٰذا ان میں جہت واحدہ نہ ہونے کی وجہ سے تابع کی تعریف ان پر صادق نہ آئے گی۔

شخصیة اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ جہۃ واحدۃ کی قید سے باب ظننت کا مفعول ثانی اور

فی المبتدا ومن حیث انہ یقتضی مسندا صارعاملاً فی الخبرفلیس ارتفاعهما من جهة واحدة وکذا ظننت من حیث انہ یقتضی مظنونا فیہ ومظنونا عمل فی مفعولیہ فلیس انتصابهما من جهة واحدة وکذلک اعطیت من حیث انہ یقتضی آخذا اوماخوذا عمل فی مفعولیہ فلیس انتصابهما من جهة واحدة واعلم ان الاعراب المعتبر فی هذا التعریف بالنسبة الی اللاحق والسابق اعم من ان یکون لفظیا اوتقدیریا او محلیا حقیقة اوحکما فلا یرد نحو جاءنی هولاء الرجال ویازید العاقل ولارجل

---

اور باب اعطیت کامفعول ثانی کیسے خارج ہوسکتا ہے جب کہ یہ دونوں اپنے اپنے مفعول اول کے ساتھ اعراب اورجہت دونوں میں شریک ہیں کیونکہ جس طرح مفعول اول پرنصب مفعول ہونے کی وجہ سے ہے مفعول ثانی پر بھی نصب مفعول ہونے کی وجہ سے ہے توجب ان پرتابع کی تعریف صادق آتی ہے توان کوتابع کہنا چاہئے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ تابع نہیں معلوم ہوا کہ تابع کی تعریف دخول غیرسے مانع نہیں شارح نے شخصیۃ کی قید کا اضافہ کرکے اس اعتراض کاجواب دیاہے جس کا حاصل یہ ہے کہ باب ظننت اور باب اعطیت کے مفعول ثانی اور مفعول اول میں جہت واحدہ نوعیہ ہے جہت واحدہ شخصیہ نہیں ہے جیساکہ اس سے پہلے جہۃ واحدۃ کے تحت اس کی تفصیل گذر چکی ہے. ہمارے اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شخصیۃ سے جہۃ واحدۃ کی حیثیت کو متعین کیاگیاہے کہ وحدت سے وحدت نوعی مرادنہیں ہے بلکہ وحدت شخصی مراد ہے اور باب ظننت اور باب اعطیت کے دونوں مفعول میں وحدت نوعی ہے وحدت شخصی نہیں اور تابع کی تعریف میں معتبر وحدت شخصی ہے لہذا ان پرتابع کی تعریف صادق نہ آئی اور اس کی مانعیت مجروح نہ ہوئی۔

قولہ واعلم ان الاعراب الخ ایک اعتراض کاجواب ہے اعتراض کی تقریر شارح کی عبارت فلایرد نحو جاءنی ہولاء الرجال الخ میں مذکور ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ تابع کی تعریف میں اعتراض ہوتا ہے کہ یہ اپنے تمام افراد کے لئے جامع نہیں. اس سے وہ تمام توابع خارج ہوجاتے ہیں جن میں اوران کے متبوع میں اعراب تقدیری یامحلی ہوتا ہے یاتابع اورمتبوع میں سے کسی ایک میں اسی قسم کا اعراب ہوتا ہے مثلاً شارح کی بیان کردہ امثلہ میں الرجال العاقل ظریفا یہ سب تابع ہیں لیکن تابع کی تعریف، ثانی باعراب سابقہ ان پرصادق نہیں کیونکہ ان میں ہولاء مبنی ہے جیساکہ ظاہر ہے اوراس میں اعراب محلی ہوگا اوریازید العاقل میں زید پراعراب حکمی ہے اسی طرح لارجل ظریفا میں رجل پراعراب حکمی ہے اوران سب کے توابع پراعراب لفظی ہے توجب تابع اورمتبوع کا اعراب ایک طرح کا نہ ہوا تو الرجال اور عاقل اسی طرح ظریفا کو تابع نہ کہنا چاہئے حالانکہ تمام نحاۃ کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے ماقبل کے تابع ہیں خواہ موصوف صفت ہوں یا مبدل منہ اور بدل ہوں۔

ظریفا ثم ان لفظة کل ههنا لیست فی موقعها لان التعریف انما یکون للجنس وبالجنس لا للافراد وبالافراد فالمحدود بالحقیقة التابع والحد مدخول کل وهو ثان باعراب سابقه من جهة واحدة لکنه لما ادخل کل علیه افاد صدق المحدود علی کل افراد الحد فیکون مانعا والظاهر انحصار المحدود فیها لعدم ذکر غیرها فیکون جامعًا فیحصل حد جامع ومانع یکون جمعه ومنعه کالمنصوص علیه

---

شارح جواب دے رہے ہیں کہ تابع کی تعریف میں اعراب عام ہے خواہ تابع اور متبوع میں اعراب لفظی ہو یا تقدیری۔ یا محلی ہو اسی طرح حقیقی ہو یا حکمی نیز اعراب کے ان اقسام میں دونوں متحد ہوں یا ایک میں لفظی ہو اور دوسرے میں تقدیری یا محلی ہو، اسی طرح ایک میں حقیقی ہو اور دوسرے میں حکمی۔

قولہ ثم ان لفظة کل الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ کل احاطہ افراد کے لئے آتا ہے یعنی اس کا مدخول افراد ہوتے ہیں نہ کہ ماہیت اس لئے کل کا استعمال حد یعنی تعریف میں نہ ہونا چاہئے کیونکہ تعریف ماہیت کے ساتھ ہوتی ہے افراد کے ساتھ نہیں ہوتی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ محدود یعنی معرَّف جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ توابع ہے جیسا کہ مصنف کی عبارت التوابع ہو کل ثان الخ سے سمجھا جارہا ہے اور توابع جمع ہے اور جمع افراد کا مجموعہ ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدود (جس کی تعریف کی جارہی ہے) وہ افراد ہیں حالانکہ محدود یعنی معرَّف افراد نہیں ہوتے بلکہ ماہیت ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے اور ماہیت کے ساتھ ہوتی ہے یعنی معرَّف اور معرِف دونوں ماہیت ہوتے ہیں افراد نہیں ہوتے اور مصنف کی عبارت میں توابع جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدود افراد ہیں اور حد کی جانب میں لفظ کل لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حد یعنی تعریف افراد کے ساتھ ہورہی ہے۔ شارح دونوں اعتراضوں کا جواب دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ توابع جمع کے ضمن میں تابع جو مفرد پایا جاتا ہے اس کی تعریف ہورہی ہے یا یہ کہا جائے کہ توابع جمع پر الف و لام کے داخل ہونے کی وجہ سے اس کی جمعیت باطل ہوگئی اس لئے وہ تابع کے معنی میں ہے اور وہ مفرد ہے جمع نہیں جس سے لازم آئے کہ معرَّف افراد ہیں ماہیت نہیں اسی طرح لفظ کل تعریف کا جزو نہیں ہے بلکہ تعریف کل کے مدخول یعنی ثانٍ سے شروع ہورہی ہے اور وہ ماہیت ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے التابع ہو ثانٍ باعراب سابقہ الخ اس تاویل کے بعد معلوم ہوا کہ معرَّف (یعنی تابع) ماہیت ہے اور معرِف (یعنی ثانٍ) وہ بھی ماہیت ہے لہٰذا تعریف ماہیت کی ماہیت کے ساتھ ہوئی نہ کہ افراد کی افراد کے ساتھ۔

قولہ لکنہ لما ادخل الخ اعتراض ہوتا ہے کہ جب لفظ کل کا تعریف میں کوئی دخل نہیں تو پھر اس کو کیوں لایا جاتا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ کل اس پر دلالت کرتا ہے کہ حد کے جتنے افراد ہیں ان سب پر محدود صادق

النعت تابع جنس شامل للتوابع کلها و قوله یدل علیٰ معنیً فی متبوعه ای یدل بهیاۃ ترکیبیة مع متبوعه علی حصول معنی فی متبوعه مطلقا ای دلالة مطلقة غیر مقیدۃ بخصوصیته مادۃ من المواد احترازعن سائرالتوابع ولا یرد علیه البدل فی مثل قولك اعجبنی زید علمه والمعطوف مثل قولك اعجبنی زید وعلمه ولا التاکید فی مثل قولك جاء نی القوم کلهم لدلالة کلهم علی معنی الشمول فی القوم فان دلالة التوابع فی هذه الامثلة علی حصول معنی فی المتبوع انما هی لخصوص موادها فلوجردت عن هذه المواد کما یقال اعجبنی زید غلامه او اعجبنی زید وغلامه اوجاء نی زید نفسه لاتجد لها دلالة علی معنی فی متبوعاتها بخلاف الصفة فان الهیاۃ الترکیبیة بین

---

ہے اور جو حد کا فرد نہیں اس پر محدود صادق نہیں۔ اس سے حد کا مانع ہونا معلوم ہوگا کیونکہ مانع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حد کا جو فرد نہ ہو حد میں وہ داخل نہ ہونے پائے۔ یہاں تک تو حد کے مانع ہونے کا بیان تھا والظاہر انہ الخ سے حد کے جامع ہونے کو بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ حد کے افراد کے علاوہ غیر کا ذکر نہیں ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ محدود افراد حد میں منحصر ہے اس سے تعریف کا جامع ہونا معلوم ہوا اس طرح سے تعریف کی جامعیت اور مانعیت مثل منصوص کے ہوگئی۔

قولہ النعت تابع الخ تابع کی پانچ قسمیں ہیں پہلی قسم نعت یعنی صفت ہے اس کی تعریف تابع یدل علی معنی فی متبوعہ مطلقا ہے یعنی نعت ایسا تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں اور یہ دلالت ہر حالت میں ہو ایسا نہ ہو کہ کسی وقت یہ دلالت ہو اور کسی وقت نہ ہو مطلقا کا یہی مطلب ہے اس سے باقی توابع نکل جائیں گے جن میں یہ دلالت ہر حال میں نہیں پائی جاتی بلکہ کسی مادہ میں پائی جاتی ہے اور کسی میں نہیں۔

قولہ ولا یرد علیہ البدل الخ اعتراض ہوتا ہے کہ نعت کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں یہ تعریف بدل، معطوف اور تاکید پر بھی صادق ہے جیسے اعجبنی زید علمہ۔ اعجبنی زید و علمہ۔ جاءنی القوم کلہم۔ ان میں پہلی مثال میں علمہ بدل ہے۔ ثانی مثال میں علمہ کا زید پر عطف ہے اور ان دونوں مثالوں میں علم ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع یعنی زید میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح تیسری مثال میں کلہم تاکید ہے اور ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع القوم میں پائے جاتے ہیں کیونکہ کلہم شمول پر دلالت کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو حکم قوم کے لئے ثابت کیا جا رہا ہے وہ حکم قوم کے تمام افراد کو شامل ہے۔

شارح جواب دے رہے ہیں کہ یہ اعتراض مصنفؒ کے قول مطلقا سے دفع ہو جاتا ہے کیونکہ نعت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں ہر حال میں پائے جائیں اور جن امثلہ کے ذریعہ

الصفة والموصوف تدل على حصول معنىً فی متبوعها فی ای مادة کانت وفائدته ای فائدة النعت غالبًا تخصیصٌ فی النکرة کرجل عالم او توضیحٌ فی المعرفة کزید الظریف وقد یکون لمجرد الثناء من غیر قصد تخصیص وتوضیح نحو بسم الله الرحمٰن الرحیم او لمجرد الذم نحو اعوذ بالله من الشیطان الرجیم او لمجرد التاکید مثل نفخةٌ واحدةٌ اذ الوحدة تفهم من التاء فی نفخة فاکدت بالواحدة ولما کان غالب مواد الصفة المشتقات توهم کثیر من النحویین ان الاشتقاق شرط فی النعت حتی تاولوا غیر المشتق الی المشتق ولما لم یکن هذا مرضیًا للمصنف رده بقوله ولا فصل ای لافرق بین ان یکون النعت مشتقا او غیره فی صحة وقوعه نعتا اذا کان وضعه ای وضع غیر المشتق لغرض المعنیٰ ای لغرض الدلالة علی المعنی الواقع فی المتبوع عمومًا ای فی جمیع الاستعمالات مثل تمیمی وذی مال فان التمیمی یدل دائمًا

---

اعتراض کیا گیا ہے ان کی دلالت متبوع کے معنی پر مادہ کی خصوصیت کی وجہ سے کہ بدل اور معطوف علم ہے اسی طرح تاکید لفظ کل سے لائی گئی ہے۔ اگر مثال بدل دی جائے اور بجائے علم کے مثلاً غلام کو بدل یا معطوف قرار دیا جائے اور کلھم کے بجائے نفسہ کہا جائے مثلاً اعجبنی زید غلامہ بدل میں اور اعجبنی زید وغلامہ عطف میں۔ جاءنی زید نفسہ تاکید میں کہا جائے تو انکی دلالت ایسے معنی پر نہ ہوگی جو اُن کے متبوع میں ہیں۔

قولہ وفائدتہ تخصیص الخ موصوف اگر نکرہ ہو تو اس کی صفت لانے سے موصوف میں تخصیص پیدا ہو جائے گی جیسے جاءنی رجل عالم میں رجل نکرہ ہے عالم کی وجہ سے وہ خاص ہوگیا اور اگر موصوف معرفہ ہو تو اس کی صفت لانے سے موصوف میں توضیح حاصل ہو جائے گی جیسے جاءنی زید الظریف اس میں زید معرفہ ہے لیکن اس میں ابہام تھا یعنی یہ نہ معلوم تھا کہ کونسا زید آیا ہے۔ الظریف نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ آنے والا وہ زید ہے جو ظریف ہے۔

قولہ وقد یکون لمجرد الثناء الخ مطلب یہ ہے کہ اکثر استعمال صفت کا تخصیص اور توضیح کیلئے ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی صفت محض ثناء یا ذم یا تاکید کے لئے ہوتی ہے تخصیص یا توضیح مقصود نہیں ہوتی اول کی مثال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہ اس میں الرحمٰن الرحیم مدح کے لئے ہیں اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم میں الرجیم محض ذم کے لئے ہے۔ تاکید کی مثال نفخۃ واحدۃ ہے اسمیں تاء وحدت کی ہے اور واحدۃ لاکر مزید اسکی تاکید ہوگئی۔

قولہ ولا فصل بین ان یکون الخ ان بعض نحاۃ کا رد ہے جنھوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ صفت کا مشتق ہونا ضروری ہے اور جہاں مشتق نہیں ہے وہاں اس کو مشتق کی تاویل میں کیا جائیگا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں صفت کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں ہیں یہ معیار جس کے اندر بھی پایا جائے اس کا صفت واقع ہونا درست ہوگا خواہ مشتق ہو یا غیر مشتق۔ اگر غیر مشتق میں یہ دلالت عام استعمالات

علی ان لذاتٍ ما نسبةً الیٰ قبیلة تمیم وذی مال یدل علی ان ذاتا ما صاحب مال اوخصوصًا ای فی بعض الاستعمالات بان یدل فی بعض المواضع علےٰ حصول معنیً لذاتٍ ما وحینئذٍ یجوزان یقع نعتًا وفی بعضها لایدل علےٰ ذلك وحینئذٍ لایصح جعله نعتًا مثل مررت برجل ایّ رجُلٍ ای کامل فی الرجولیة فایّ رجل باعتبار دلالته فی مثل هذا الترکیب علی کمال الرجولیة یصح ان یقع نعتًا وفی مثل ایّ رجل عندك لایدل علیٰ هٰذا المعنیٰ فلا یصح ان یقع نعتا ومثل مررت بهذا الرجل فان هذا یدل علےٰ ذاتٍ مبهمة والرجل علےٰ ذات معینة وخصوصیة الذات المعینة بمنزلة معنی حاصل فی الذات المبهمة فلهذا صح ان یقع الرجل صفة لهذا وفی المواضع الاخر التی لایدل علےٰ هذا المعنی لایصح ان یقع صفة

---

پائی جائیگی تو وہ عام استعمالات میں صفت واقع ہوگا اور اگر خاص خاص استعمالات میں پائی جائے گی تو وہ غیر مشتق صرف انھیں مخصوص مواقع میں صفت ہوگا۔ دوسری جگہ صفت نہ ہوگا جیسا کہ مصنف نے امثلہ سے ان مواقع کی نشاندہی کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمیمی اور ذو مال ان میں تمیمی کی دلالت ہر اس شے اور ذات پر ہے جس کی نسبت قبیلہ تمیم کی طرف ہو۔ اسی طرح ذو مال کی دلالت ایسی ذات پر ہے جو صاحب مال ہو اور یہ دلالت کسی مادہ کیساتھ مخصوص نہیں۔ اور کبھی یہ دلالت مخصوص مواقع میں ہوتی ہے ہر جگہ نہیں ہوتی پس جس جگہ یہ دلالت پائی جائے وہاں صفت بنانا صحیح ہوگا دوسری جگہ صحیح نہ ہوگا۔ اس کی بھی مصنف نے مثالیں بیان کی ہیں ان کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔

قولہ مثل مررت برجل ای رجل الخ اس سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں لفظ ای نکرہ کی صفت ہو اور ایسے اسم کی طرف مضاف ہو جو اس کے موصوف کے مثل ہو ایسی ترکیب میں کلمہ ای صفت واقع ہوگا جو موصوف کے اندر کمال وصف پر دلالت کریگا اور جہاں ایسی ترکیب نہ ہو وہاں صفت کے لئے نہ ہوگا جیسے ای رجل عندک اس میں ای صفت کے لئے نہیں ہے۔

قولہ مثل مررت بھذا الرجل الخ اس سے مراد ایسی ترکیب ہے جس میں اسم جنس اسم اشارہ کے بعد واقع ہو جیسے مثال مذکور میں الرجل اسم جنس ہذا اسم اشارہ کے بعد واقع ہے اس میں ہذا کی دلالت ذات مبہم پر ہے یعنی لفظ ہذا سے یہ تو معلوم ہوا کہ کوئی نہ کوئی ذات ہے جس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے لیکن متعین طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کونسی ذات ہے اس کے بعد الرجل اسم جنس ہے جس کی دلالت ذات معین پر ہورہی ہے اور ذات کی تعیین اور خصوصیت ایسے معنیٰ ہیں جو ذات مبہم میں پائے جاتے ہیں کیونکہ مبہم ہی کی تو تعیین ہوتی ہے لہٰذا اس ترکیب میں الرجل کی دلالت ایسے معنی پر ہورہی ہے جو متبوع یعنی اسم اشارہ میں پائے جاتے ہیں لہٰذا صفت واقع ہونا صحیح ہوا۔ اور جہاں رجل کی دلالت ایسے معنی پر نہ ہو جو متبوع

وذهب بعضهم الى ان الرجل بدل عن اسم الاشارة وبعضهم الى انه عطف بيان ومثل مررت بزيد هذا اى بزيد المشار اليه فهذا فى هذا الموضع يدل على معنى حاصل فى ذات زيد فوقع صفة له وفى المواضع الاخر التى لايدل على هذا المعنى لايصح ان يقع صفة وتوصف النكرة لا المعرفة بالجملة الخبرية التى هى فى حكم النكرة لان الدلالة على معنى فى متبوعه كما توجد فى المفرد كذلك توجد فى الجملة الخبرية وانما قيد الجملة بالخبرية لان الانشائية لا تقع صفة الا بتاويل بعيد كما اذا قلت جاءنى رجل اضربه اى مقول فى حقه اضربه اى مستحق لان يومر بضربه

---

میں پائے جاتے ہیں تو وہاں رجل صفت نہ واقع ہوگا۔

قولہ وذهب بعضهم الخ بعض نحاۃ ترکیب مذکور مررت بہذا الرجل میں الرجل کو ہذا کی صفت نہیں قرار دیتے بلکہ ہذا سے بدل کل یا اس کا عطف بیان قرار دیتے ہیں. صفت کے بارے میں ان کو اشکال یہ ہے کہ صفت تو اس کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع کے اندر پائے جاتے ہوں اور الرجل کی دلالت معنی پر نہیں ہے بلکہ ذات پر ہے لہٰذا اس کو صفت قرار دینا صحیح نہیں۔

قولہ مررت بزيد هذا الخ اس سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں اسم اشارہ علم کی صفت ہو جیسے اس مثال میں ہذا اسم اشارہ زید کی صفت ہے جو علم ہے یہاں اسم اشارہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو زید کے اندر پائے جاتے ہیں اور وہ معنی زید کا مشار الیہ ہونا ہے اور جہاں ہذا کی دلالت ایسے معنی پر نہ ہو وہاں صفت نہ واقع ہوگا۔

قولہ توصف النکرۃ بالجملۃ الخبریۃ الخ یعنی کبھی جملہ خبریہ نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے کیونکہ صفت کا مدار اس پر ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پائے جاتے ہوں اور یہ معنی جملہ خبریہ کے اندر بھی پائے جاتے ہیں لہٰذا جس طرح مفرد کا صفت بننا صحیح ہے جملہ خبریہ کا بھی صفت بننا صحیح ہے۔ جملہ خبریہ کی قید اس واسطے لگائی کہ جملہ انشائیہ صفت نہیں واقع ہوتا اکی وجہ یہ ہے کہ صفت کا موصوف اگر نکرہ ہو تو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور معرفہ ہو تو توضیح کا فائدہ دیتی ہے بہر حال ہر دو صورتوں میں موصوف کے لئے تعریف یا تخصیص کا حکم ہوتا ہے اور جملہ انشائیہ میں حکم نہیں ہوتا بلکہ اس میں طلب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر جملہ انشائیہ کبھی صفت واقع ہوتا ہے تو اس میں تاویل ایسی کی جاتی ہے جس سے حکم ثابت ہو جائے مثلاً مقول فی حقہ وغیرہ اس سے پہلے نکالا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ تاویل کس قدر بعید ہے۔

توصف النکرہ سے معلوم ہوا کہ معرفہ کی صفت جملہ نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ میں ادوات تعریف نہیں ہوتے اس لئے وہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے موصوف اور صفت میں مطابقت پائی گئی موصوف اور صفت دونوں نکرہ ہیں اگر جملہ معرفہ کی صفت واقع ہو تو موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت نہ ہوگی کیونکہ جملہ نکرہ ہوتا ہے

ویلزم فیہا الضمیر الراجع الیٰ تلک النکرۃ للربط نحو جاء فی رجل ابوہ قائم واذا لم یکن فیہا الضمیر الرابط تکون اجنبیۃ بالنسبۃ الی الموصوف فلا یصح ان تقع صفۃ لہ مثل جاء فی رجل زید عالم ویوصف بحال الموصوف ای بحال قائمۃ بہ نحو مررت برجل حسن اذ الحسن حال الرجل وصفتہ وبحال متعلقہ ای متعلق الموصوف یعنی بصفۃ اعتباریۃ تحصل لہ بسبب متعلقہ نحو مررت برجل حسن غلامہ اذکون الرجل حسن الغلام معنی فیہ وان کان اعتباریا فالاول ای النعت بحال الموصوف یتبعہ ای الموصوف فی عشرۃ امور یوجد منہا فی کل ترکیب اربعۃ فی الاعراب رفعا ونصبا وجرا والتعریف والتنکیر والافراد والتثنیۃ والجمع والتذکیر والتانیث الا اذا کان صفۃ یستوی فیہا المذکر والمؤنث کفعول بمعنی فاعل نحو رجل صبور وامرأۃ صبور اوفعیل بمعنی مفعول کرجل جریح وامرأۃ جریح

---

تو موصوف معرفہ ہوگا اور صفت نکرہ ہوگی یہ جائز نہیں۔

قولہ ویلزم فیہا الضمیر الخ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ جملہ خبریہ نکرہ کی صفت ہو سکتا ہے اب بیان کر رہے ہیں کہ جو جملہ صفت واقع ہو اس میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے وہ ماقبل کا محتاج نہیں ہوتا اور صفت موصوف کی محتاج ہے اس لئے ان میں باہمی ربط ہونا چاہئے جملہ میں ضمیر اگر ہوگی تو اس کے ذریعہ موصوف کے ساتھ ربط ہو جائے گا ورنہ اجنبیت رہیگی۔ اس لئے جاء فی رجل ابوہ قائم میں ابوہ قائم جملہ ہے اور اس کا رجل کی صفت واقع ہونا صحیح ہے کیونکہ ابوہ میں ضمیر ہے جو رجل کی طرف راجع ہے جس سے موصوف اور صفت میں ربط پیدا ہو گیا اور جاء فی رجل زید عالم میں زید عالم کا صفت بننا صحیح نہیں کیونکہ اس میں ضمیر نہیں ہے۔

قولہ ویوصف بحال الموصوف الخ صفت کی دو قسمیں ہیں صفت بحال موصوف اور صفت بحال متعلق موصوف صفت بحال موصوف ایسی صفت کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کی ذات میں پائے جاتے ہیں اور صفت بحال متعلق موصوف ایسی صفت کو کہتے ہیں جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو بالذات تو متعلق موصوف میں اور بالاعتبار موصوف میں پائے جاتے ہیں اول کی مثال مررت برجل حسن اس میں صفت حُسن خود اس کے موصوف یعنی رجل میں پائی جاتی ہے اور ثانی کی مثال مررت برجل حسن غلامہ، اس میں صفت حُسن رجل کے غلام کے لئے بالذات ثابت ہے اور اپنے موصوف یعنی خود رجل کے لئے بالاعتبار ثابت ہے کیونکہ رجل کا حسن الغلام ہونا یہ معنی اعتباری ہیں۔

قولہ فالاول یتبعہ فی الاعراب الخ صفت کی پہلی قسم یعنی صفت بحال موصوف اپنے متبوع کے دس چیزوں میں تابع ہوتی ہے۔ اعراب یعنی رفع[۱]، نصب[۲]، جر[۳]، تعریف[۴]، تنکیر[۵]، تذکیر[۶]، تانیث[۷]، افراد[۸]، تثنیہ[۹]، جمع[۱۰]

اوکان صفة مؤنثة تجری علی المذکرکعلامة والثانی ای النعت بحال متعلق الموصوف یتبعه فی الخمسة الاول وهی الرفع والنصب والجر والتعریف والتنکیر و یوجد منها فی کل ترکیب اثنان وفی البواقی من تلك الامور العشرة وهی ایضا خمسة الافراد والتثنیة والجمع والتذکیر والتانیث کالفعل لشبهه به یعنی ینظر الی فاعله فان کان مفردًا اومثنیً اومجموعًا افرد کما یفرد الفعل وان کان مذکرًا او مؤنثا حقیقیا بلا فصل طابقه وجوبًا کما یطابق الفعل فاعله فی التذکیر والتانیث وان کان فاعله مؤنثا غیر حقیقی اوحقیقیًا مفصولا یذکر اویؤنث جوازا تقول مررت برجل قاعد غلامه مثل یقعد غلامه وبرجلین قاعد غلاماهما مثل یقعد غلاماهما وبرجال قاعد

---

ان میں سے ہر ترکیب میں چار چیزیں پائی جائیں گی۔ رفع۔نصب۔جر میں سے ایک۔ افراد، تثنیہ، جمع میں سے ایک تعریف تنکیر میں سے ایک۔ تذکیر و تانیث میں سے ایک۔ لیکن اگر صفت فعولٌ بمعنی فاعلٌ کے وزن پر ہو یا فعیلٌ بمعنی مفعولٌ کے وزن پر ہو تو پھر موصوف اور صفت کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت ضروری نہیں بلکہ دونوں کے لئے ایک ہی وزن رہے گا جیسے رجلٌ صبورٌ۔ امرأۃٌ صبورٌ۔ رجلٌ جریحٌ۔ امرأۃٌ جریحٌ۔ اسی طرح اگر صفت مؤنث ہو لیکن اس کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہو تو اس صورت میں بھی موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت ضروری نہیں جیسے علامۃ کہ اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے چنانچہ رجل علامۃ اور امرأۃ علامۃ درست ہے۔

قولہ والثانی یتبعہ فی الخمسۃ الاولی الخ اور صفت کی دوسری قسم اپنے موصوف کے ساتھ پانچ چیزوں میں مطابق ہوتی ہے اور وہ رفع، نصب، جر، تعریف، تنکیر ہیں۔ ان میں صرف دو چیزیں ہر ترکیب میں پائی جائیں گی۔ رفع نصب جر میں سے ایک۔ تعریف و تنکیر میں سے ایک۔

قولہ وفی البواقی الخ ابھی بیان کیا ہے کہ صفت کی ثانی قسم اپنے موصوف کے مطابق پانچ چیزوں میں ہوگی جن میں صرف دو چیزیں ہر ترکیب میں پائی جائیں گی۔ اب بیان کررہے ہیں کہ باقی پانچ یعنی افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث میں صفت کا معاملہ مثل فعل کے ہوگا کیونکہ جس طرح فعل اپنے مابعد کی طرف مسند ہوتا ہے صفت بھی مسند ہوتی ہے اس لئے صفت کو فعل کے ساتھ مشابہت ہوئی تو جو حکم فعل کا ہوگا وہی صفت کا ہوگا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو خواہ مفرد ہو یا تثنیہ یا جمع تینوں حالتوں میں فعل کو مفرد لایا جاتا ہے اسی طرح صفت کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو مفرد، تثنیہ، جمع تینوں حالتوں میں صفت کو مفرد لایا جائیگا جیسے مررت برجل قاعد غلامہ۔ مررت برجلین قاعد غلاماہما۔ مررت برجال قاعد غلمانہم۔ ان مثالوں میں صفت کا فاعل اسم ظاہر ہے اسلئے فاعل کے مفرد، تثنیہ، جمع ہونے کی صورت میں صفت کا صیغہ

غلمانهم مثل يفعل غلمانهم ومررت بامرأة قائم ابوها مثل يقوم ابوها وبرجل قائمة جاريته، مثل تقوم جاريته وبرجل معمورا ومعمورة داره مثل يعمر اوتعمر داره وبرجل قائم اوقائمة فى الدار جاريته مثل يقوم اوتقوم فى الدار جاريته فان قلت اذا انظرت حق النظر وجدت الاول وهوالوصف بحال الموصوف ايضافى الخمسة البواقى كالفعل لان فاعله كالضمير المستكن فيه الراجع الى موصوفه والفعل اذا اسند الى الضمير يلحقه الالف فى التثنية والواؤفى جمع المذكر العاقل والنون فى جمع المؤنث و يونث فى الواحد المؤنث ولذلك قلت مررتُ برجل

---

مفرد رہا جس طرح فعل ہوتا تو وہ ان تینوں حالتوں میں مفرد رہتا۔

اور اگر صفت کا فاعل مذکر یا مؤنث حقیقی ہو اور صفت اور اس کے فاعل کے درمیان فصل نہ ہو تو صفت کو فاعل کے مطابق لایا جائیگا اگر فاعل مذکر ہو تو صفت کو مذکر لایا جائیگا[1] اور فاعل مؤنث بغیر فصل کے ہو تو مؤنث لایا جائیگا جسطرح فعل کے ساتھ فاعل کی ان دونوں صورتوں میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی فاعل کے مذکر ہونے کی صورت میں فعل کو مذکر لایا جاتا ہے اور فاعل کے مؤنث حقیقی ہونے اور بغیر فصل کے واقع ہونے کی صورت میں فعل کو مؤنث لایا جاتا ہے۔ مؤنث حقیقی ایسے مؤنث کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں جاندار مذکر ہو جیسے امرأۃ کے مقابلہ میں رجل۔ اور ناقہ کے مقابلہ میں جمل۔ اگر ایسا نہ ہو تو مؤنث غیر حقیقی ہے۔ اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا مؤنث حقیقی ہو لیکن صفت اور اس کے فاعل کے درمیان فصل ہو تو صفت کو مذکر اور مونث دونوں لاسکتے ہیں جس طرح فعل کو ایسی صورت میں مذکر اور مؤنث دونوں طرح لانا درست ہے جیسے مررت برجل معمورا او معمورۃ دارہ۔ اسمیں فاعل یعنی دار مؤنث غیر حقیقی ہے اس لئے صفت کو مذکر اور مؤنث دونوں لاسکتے ہیں اگر معمور کی جگہ یعمر اور معمورۃ کی جگہ تعمر لایا جائے تو یہ فعل کی مثال ہو جائے گی۔

اگر صفت کا فاعل مؤنث حقیقی ہو لیکن صفت اور فاعل کے درمیان فصل ہو تو اس صورت میں بھی صفت کو مذکر اور مؤنث دونوں طرح لاسکتے ہیں جیسے مررت برجل قائم او قائمۃ فی الدار جاریتہ اسمیں جاریۃ فاعل مؤنث حقیقی ہے لیکن صفت اور فاعل کے درمیان فی الدار کا فصل ہے اس لئے صفت کو مذکر اور مونث دونوں طرح لانا درست ہے اگر اس مثال میں قائم کی جگہ یقوم اور قائمۃ کی جگہ تقوم لایا جائے تو یہ فعل کی مثال ہو جائے گی۔

قولہ فان قلت اذا انظرت الخ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ وصف بحال متعلق موصوف میں مصنف نے یہ بیان

---

[1] جیسے مررت بامرأۃ قائم ابوہا۔ اس میں صفت کو موصوف کے مطابق نہیں لایا گیا بلکہ فاعل مذکر ہے اسلئے صفت کو مذکر لایا گیا اور مررت برجل قائمۃ جاریتہ اس میں فاعل مؤنث حقیقی ہے اس لئے صفت کو مونث لایا گیا موصوف کی رعایت نہیں کی گئی۔ اگر قائم کی جگہ یقوم اور قائمۃ کی جگہ تقوم لایا جائے تو یہ فعل کی مثال ہو جائے گی۔

ضارب وبرجلین ضاربین وبرجال ضاربین ویا مرأة ضاربة وبامرأتین ضاربتین وبلسوة ضاربات کما تقول فی الفعل یضرب ویضربان ویضربون وتضرب وتضربان ویضربن فلم خصصت الثانی بهذا الحکم قلنا المقصود الاصلی فی هذا المقام بیان نسبة الوصفین الی الموصوف بالتبعیة وعدمها ولما کان الوصف الاول یتبعه فی الامور العشرة وکان لا تخرجه مشابهته للفعل فی الخمسة البواقی عن هذه التبعیة لما عرفت اکتفی فیه بالحکم علیه بالتبعیة بخلاف الوصف الثانی فانه لما حکم علیه

---

کیا ہے کہ صفت اپنے موصوف کے ساتھ رفع. نصب. جر. تعریف. تنکیر میں مطابق ہوگی اور باقی پانچ چیزوں میں یعنی افراد. تثنیہ. جمع. تذکیر. تانیث میں فعل جیسا معاملہ کیا جائیگا جس کی تفصیل گذر چکی۔

مصنف کے اس طرز بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ صفت کی پہلی قسم یعنی وصف بحال موصوف میں صفت کا حال ان پانچ چیزوں یعنی افراد. تثنیہ. جمع. تذکیر. تانیث میں فعل جیسا نہ ہوگا ورنہ صفت کی ان دونوں قسموں میں تفریق نہ کی جاتی. حالانکہ وصف بحال موصوف یعنی صفت کی پہلی قسم بھی ان پانچ امور میں فعل کی طرح ہے جیسا کہ شارح نے مثالوں کے ذریعہ اسکو واضح کیا ہے۔

قولہ قلنا المقصود الاصلی الخ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں یہ بتانا ہے کہ وصف کی دونوں قسموں وصف بحال موصوف اور وصف بحال متعلق موصوف کا اپنے ماقبل موصوف سے کیسا تعلق ہے کن چیزوں میں تابع ہے اور کن چیزوں میں تابع نہیں اس سلسلے میں فرمایا کہ پہلی قسم یعنی وصف بحال موصوف ہو دس چیزوں میں اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے جن میں سے ایک ترکیب میں پانچ چیزیں بیک وقت پائی جائیں گی. اور وصف کی دوسری قسم وصف بحال متعلق موصوف پانچ چیزوں میں موصوف کے تابع ہوتی ہے جن میں سے ایک ترکیب میں صرف دو چیزیں پائی جائینگی تو اگر صرف اتنے ہی بیان پر اکتفا کرتے تو یہ نہ معلوم ہوتا کہ صفت کی دوسری قسم کا حال باقی پانچ چیزوں میں کیسا ہے اس لئے فرمایا کہ باقی پانچ چیزوں میں صفت کا حال مثل فعل کے ہے فعل کا جو حال اپنے فاعل کے اعتبار سے ہوتا ہے وہی حال صفت کا ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلی قسم کا حال ان باقی امور میں فعل کی طرح نہیں ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ مصنف کے بیان سے تو بظاہر تفریق معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صفت کی پہلی قسم ان باقی امور میں فعل کے مشابہ ہونے اور اس میں فعل جیسا معاملہ کرنے کے بعد بھی اپنے موصوف کے تابع رہتی ہے. فعل کی مشابہت تابع ہونے سے مانع نہیں ہے. بخلاف صفت کی دوسری قسم کے کہ جب وہ ان پانچ امور میں فعل کے مشابہ ہوگی تو موصوف کے تابع نہ رہے گی اس لئے مصنف نے اپنے بیان میں یہ طرز اختیار کیا۔

بالتبعية في الخمسة الاول لم يكتف فيه بالحكم بعدم التبعية فانه غير مضبوط بل بين ضابطة عدم تبعية له بكونه كالفعل بالنسبة الى الظاهرة بعده ليتبين حاله عند عدم التبعية ومن ثَمّ اى ومن اجل كون الوصف الثاني في الخمسة البواقي كالفعل حسن قام رجل قاعد غلمانه كما حسن يقعد غلمانه وحسن ايضا قاعدة غلمانه لان الفاعل مونث غير حقيقي كما حسن تقعد غلمانه وضعف قام رجل قاعدون غلمانُهُ لانه بمنزلة يقعدون غلمانه والحاق علامتي المثنى والجموع

---

قوله ومن ثم حسن قام رجل قاعد الخ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ صفت بحال متعلق موصوف باقی پانچ چیزوں میں مثل فعل کے ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ قام رجل قاعد غلمانہ میں قاعد صفت بحال متعلق موصوف ہے اس لئے اس کے ساتھ فعل جیسا معاملہ کیا جائے گا۔ اگر اس ترکیب میں قاعد کی جگہ یقعد فعل ہوتا تو اس کو واحد لایا جاتا کیونکہ فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فاعل کے تثنیہ اور جمع ہونے کی حالت میں بھی فعل کو مفرد لاتے ہیں تثنیہ اور جمع نہیں لاتے اسی طرح صفت کو بھی فاعل کے اسم ظاہر ہونے کی حالت میں مفرد لایا جائے گا تثنیہ و جمع نہ لایا جائے گا۔

قولہ وضعف قاعدون غلمانہ الخ بیان کیا گیا ہے کہ فاعل اسم ظاہر ہو تو وہ خواہ فعل کا فاعل ہو یا صفت کا بہر صورت فعل اور صفت کو مفرد لایا جاتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق ترکیب مذکور میں قاعدٌ صفت کا صیغہ مفرد ہونا چاہئے قاعدون جمع نہ ہونا چاہئے اور ترکیب مذکور میں جمع کا صیغہ ہے اس لئے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے۔ اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع لانے کی صورت میں فاعل کا تعدد لازم آتا ہے۔ ایک فاعل تو ان میں ضمیر ہوگی تثنیہ کی صورت میں تثنیہ کی ضمیر اور جمع کی صورت میں جمع کی ضمیر۔ اور دوسرا فاعل اسم ظاہر ہوگا حالانکہ فاعل ایک ہوتا ہے نہ کہ متعدد۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ کی تقریر کا تو تقاضا یہ ہے کہ قاعدون غلمانہ ممتنع ہونا چاہئے اور آپ نے صرف ضعیف کہا ہے اس میں تو جواز کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا گمان صحیح ہے اس میں جواز کی گنجائش ہے اس لئے کہ اس میں فاعل صرف اسم ظاہر ہے اور ضمیر فاعل نہیں ہے بلکہ تثنیہ اور جمع کی حالت میں وہ فاعل کی علامت ہے جس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ صفت یا فعل کا فاعل تثنیہ یا جمع ہے۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ ضمیر مبدل منہ ہو اور اس کے بعد آنے والا اسم ظاہر اس سے بدل ہو جس طرح "اسروا النجوى الذين ظلموا" میں اسروا میں ضمیر جمع مبدل منہ ہے اور الذين ظلموا بدل ہے۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ ترکیب مذکور قاعدون غلمانہ میں قاعدون خبر مقدم ہو اور غلمانہ مبتدا مؤخر ہو۔ یہ تینوں تاویلیں ایسی ہیں جن سے فاعل کے تعدد کا الزام ختم ہو جاتا ہے۔

فی الفعل المسند الی ظاهرها ضعیف ویجوز من غیر حسن ولا ضعف قعود غلمانه وان کان قعود جمعًا ایضًا کقاعدون لا نك اذ اکسرت الاسم المشابه للفعل خرج لفظا عن موازنة الفعل ومناسبته لان الفعل لا یکسر فلم یکن قعود غلمانه مثل یقعدون غلمانه الذی اجتمع فیه فاعلان فی الظاهر الا ان تخرج الواو من الاسمیة الی الحرفیة او یجعل المظهر بدلًا من المضمر او یجعل الفعل خبرا مقدمًا علی المبتدا والمضمر لا یوصف لان ضمیر المتکلم والمخاطب اعرف المعارف واوضحها فلا حاجة لهما الی التوضیح وحمل علیهما ضمیر الغائب وعلی الوصف الموضح الوصف المادح والذام طردًا للباب ولا یوصف به لانه لیس فی المضمر معنی الوصفیة وهو الدلالة علی قیام

قوله ویجوز قعود غلمانه الخ اس ترکیب میں قعود صفت ہے اور غلمان اس کا فاعل اسم ظاہر ہے اس لئے صفت کو جمع نہ لانا چاہئے مگر مصنف اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل کے اسم ظاہر ہونے کی حالت میں جو صفت کو ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے خواہ وہ فاعل اسم ظاہر تثنیہ ہو یا جمع اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت کا صیغہ فعل کے مشابہ ہوتا ہے اس مشابہت کی وجہ سے صفت کے ساتھ بھی فعل جیسا معاملہ کیا جاتا ہے جس طرح فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو ہمیشہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے اسی طرح صفت کو بھی مفرد لایا جائے گا لیکن ترکیب مذکور (قعود غلمانہ) میں قعود جمع مکسر ہے اور فعل مکسر نہیں ہوتا اس لئے صفت کے صیغہ کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور ہو گئی اسلئے قعود غلمانہ جیسی ترکیب میں نہ تو قاعد غلمانہ جیسا حسن ہے اور نہ قاعدون غلمانہ جیسا ضعف ہے بلکہ صرف جائز ہے نہ حسین ہے نہ ضعیف ہے۔

اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ تکسیر کی وجہ سے فعل کے ساتھ مشابہت تو بے شک کمزور ہو گئی لیکن جمع تکسیر مفرد کے حکم میں ہوتی ہے اس لئے قعود کا حکم مفرد ہی جیسا ہے تو اگر حقیقۃً صیغہ صفت کا مفرد ہوتا جیسا کہ قاعد غلمانہ اور ایسی ترکیب جائز ہوتی ہے اسی طرح صیغہ صفت کا جب حکمًا مفرد ہو تو یہ ترکیب بھی جائز ہونی چاہئے

قوله المضمر لا یوصف الخ ضمیر کی صفت نہیں لائی جاتی یعنی ضمیر موصوف نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب تو اعرف المعارف ہے اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ معرفہ کی صفت اس کی توضیح کے لئے ہوتی ہے تو جب یہ دو ضمیریں سب سے زیادہ معرفہ ہیں تو صفت لا کر ان کی توضیح کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود ہی واضح ہیں اور ضمیر غائب کو ان دونوں پر حمل کر لیا گیا ہے اور جس طرح صفت موضحہ نہیں آسکتی صفت مادح اور ذامہ بھی ضمیر کی صفت نہ واقع ہو سکے گی تاکہ سب ضمیروں کا حکم یکساں ہو جائے۔

قوله ولا یوصف به الخ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ ضمیر موصوف نہیں ہوتی اب بیان کر رہے ہیں کہ ضمیر کسی کی صفت واقع نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت کرے

معنی بالذات لانہ یدل علی الذات لاعلیٰ قیام معنی بھا وکانہ لم یقع فی بعض النسخ قولہ ولایوصف بہ ولھذا اعتذر الشارح الرضی وقال ولم یذکر المصنف انہ لایوصف بالضمیر لانہ تبیّن ذلک بقولہ والموصوف اخص اومساوٍ ای الموصوف المعرفۃ اشد اختصاصًا بالتعریف والمعلومیۃ من الصفت یعنی اعرف منھا لانہ المقصود الاصلی فیجب ان یکون اکمل من الصفۃ فی التعریف اومساویا لھا لانہ لولم یکن اکمل منھا فلا اقل من ان لایکون ادون منھا والمنقول عن سیبویہ وعلیہ جمھور النحاۃ ان اعرفھا المضمرات ثم الاعلام ثم اسماء الاشارۃ ثم المعرف باللام

---

جو موصوف کے اندر پائے جاتے ہوں اور ضمیر کی دلالت ذات پر ہوتی ہے ایسے معنی پر نہیں ہوتی جو موصوف میں پائے جاتے ہوں۔

قولہ وکانہ لم یقع الخ کافیہ کے بعض نسخوں میں لایوصف بہ کا لفظ نہیں ہے۔ شارح رضی کے سامنے جو نسخہ تھا اس میں یہ لفظ نہ ہوگا اس وجہ سے شارح رضی کافیہ میں اس عبارت کے نہ ہونے کا عذر بیان کررہے ہیں کہ اس عبارت کو مصنف نے اس لئے نہیں بیان کیا کہ جو اس عبارت کا مقصد ہے کہ ضمیر صفت نہیں واقع ہوتی وہ مصنف کی آنے والی عبارت والموصوف اخص اومساوٍ سے حاصل ہوجاتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ضمیر اعرف المعارف ہے۔ ضمیر کے علاوہ معرفہ کے جتنے اقسام ہیں وہ سب ضمیر سے کم درجے کے ہیں اور یہ ابھی آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ ضمیر موصوف نہیں ہوتی اس لئے موصوف ضمیر کے علاوہ کوئی اور اسم ہوگا اور قاعدہ ہے کہ موصوف یا تو صفت سے خاص ہو یا اس کے مساوی ہو اور ضمیر کے صفت واقع ہونے کی صورت میں موصوف اپنی صفت سے کم درجہ کا ہوگا کیونکہ ضمیر کے برابر کوئی معرفہ نہیں معلوم ہوا کہ المضمر لایوصف بہ کا مقصد مصنف کی عبارت الموصوف اخص اومساوٍ سے ادا ہوجاتا ہے جیسا کہ ابھی اسکی تشریح کی گئی ہے اس لئے مصنف المضمر لایوصف بہ نہیں لائے۔

قولہ والموصوف اخص اومساوی الخ یہ ایک دعویٰ ہے کہ موصوف کو صفت سے خاص ہونا چاہئے یا مساوی ہونا چاہئے اس کی دلیل یہ ہے کہ مقصود تو موصوف ہے اور صفت اس کے تابع ہوتی ہے تو اگر وہ صفت سے کم درجہ کا ہوگا تو تابع کی فوقیت متبوع پر لازم آئے گی۔

قولہ والمنقول عن سیبویہ الخ سیبویہ سے منقول ہے کہ اعرف المعارف ضمائر ہیں اس کے بعد اعلام ہیں پھر اسماء اشارہ ہیں ان کے بعد پھر معرف باللام اور اسماء موصولہ ہیں اور معرفہ ہونے میں یہ دونوں مساوی یعنی معرف باللام اور اسماء موصولہ تعریف میں ایک ہی درجہ کے ہیں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔

ای الموصوف المعرفۃ۔ معرفہ کی قید اس لئے لگائی کہ موصوف نکرہ اپنی صفت سے زیادہ خاص نہیں ہوتا۔

والموصولات فبینهما مساوات ومن ثمر ای ومن اجل ان الموصوف اخص اومساوٍ لم یوصف ذواللام الابمثله ای ذوی اللام الآخراوالموصول فانه ایضا مماثل لذی اللام لما عرفت بینهما من المساواة فی التعریف نحو جاءنی الرجل الفاضل اوالرجل الذی کان عندك امس او بالمضاف الی مثله ای مثل المعرف باللام بلاواسطة نحوجاءنی الرجل صاحب الفرس اوبواسطة جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس لان تعریف المضاف مساوٍ لتعریف المضاف الیه اوانقص منه علی الخلاف الواقع بین سیبویه وغیرہ بخلاف سائرالمعارف

---

قوله ومن ثمر لم یوصف به الخ اس سے پہلے والی عبارت الموصوف اخص اومساوی پر تفریع کر رہے ہیں تفریع کا حاصل یہ ہے کہ موصوف کو اپنی صفت کے اعتبار سے یا تو خاص ہونا چاہیئے یا اس کے مساوی ہونا چاہیئے کمتر نہ ہونا چاہیئے۔ اس وجہ سے معرف باللام کی صفت یا تو معرف باللام ہو یا معرف باللام کیطرف مضاف ہو اور مضاف اور اس کے مضاف الیہ معرف باللام کے درمیان فصل نہ ہو یا فصل ہو دونوں جائز ہیں اول کی مثال جیسے جاءنی الرجل الفاضل، ثانی کی مثال جیسے جاءنی الرجل صاحب الفرس۔ اس میں الرجل موصوف معرف باللام ہے اس کی صفت صاحب الفرس ہے صاحب مضاف ہے اور الفرس مضاف الیہ ہے اور مضاف اور اس کے مضاف الیہ کے درمیان کوئی فصل نہیں۔ ثالث کی مثال جیسے جاءنی الرجل صاحب لجام الفرس، اس میں صفت صاحب ہے جو مضاف ہے اور اس کے درمیان اور معرف باللام مضاف الیہ کے درمیان لجام کا فصل ہے۔

موصوف کے لئے یہ شرط کہ اگر وہ معرف باللام ہو تو اس کی صفت یا تو معرف باللام ہو یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو اس کے علاوہ کوئی دوسرا معرفہ معرف باللام کی صفت نہ واقع ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفہ کے اقسام میں سب سے کم درجہ کا معرفہ معرف باللام اور اسم موصول ہے اس لئے اگر معرف باللام کی صفت معرف باللام یا موصول کے علاوہ کوئی دوسرا اسم معرفہ صفت ہوگا تو موصوف کا صفت سے کمتر ہونا لازم آئے گا۔

قوله لان تعریف المضاف مساوٍ الخ اس میں سیبویہ اور دوسرے نحاۃ کا اختلاف ہے۔ سیبویہ فرماتے ہیں کہ معرف باللام کی طرف جو اسم مضاف ہو وہ اسی درجہ کا معرفہ ہے جیسا کہ معرف باللام ہوتا ہے۔ دوسرے نحوی کہتے ہیں کہ معرف باللام کی طرف جو اسم مضاف ہوتا ہے اس کے اندر اس درجہ کی تعریف نہیں ہوتی جیسا کہ معرف باللام کے اندر ہوتی ہے اس لئے معرف باللام سے اس کا درجہ کم ہوگا۔ سیبویہ کے مذہب کی بنا پر موصوف معرف باللام اور اس کی صفت جو معرف باللام کی طرف مضاف ہے

فانہا اخص من ذی اللام فلو وقع اخص نعتاً لغیراخص فہو محمول علی البدل عند صاحب ھذا المذھب وانما التزم وصف باب ھذا ای باب اسم الاشارۃ بذی اللام مثل مررت بھذا الرجل مع ان القیاس یقتضی جواز وصفہ بذی اللام والموصول والمضاف الی احدھما للابہام الواقع فی ھذا الباب بحسب اصل الوضع المقتضی لبیان الجنس فاذا ارید رفعہ لایتصور بمثلہ لابہامہ ولایلیق بالمضاف المکتسب التعریف من المضاف الیہ لانہ کالاستعارۃ من المستعیر والسوال عن المحتاج الفقیر فتعین ذواللام لتعینہ فی نفسہ وحمل الموصول

---

تعریف میں دونوں مساوی ہوتے ہیں اور دوسرے نحاۃ کے نزدیک موصوف معرف باللام کا درجہ اپنی صفت سے جومعرف باللام کی طرف مضاف ہے افضل ہوگا اور صفت کا درجہ کمتر ہوگا۔ بہرحال سیبویہ کا مذہب ہو یا دوسرے نحاۃ کا یا تو موصوف صفت کے مساوی ہوگا یا صفت سے خاص ہوگا اور یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور معرف باللام اور اسم موصول کا درجہ یکساں ہے اس لئے معرف باللام کی صفت اسم موصول کو بھی قرار دے سکتے ہیں جیسے جاءنی الرجل الذی کان عندک امس

قولہ فلو وقع اخص نعتا الخ اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ موصوف کو صفت کے اعتبار سے یا تو اخص ہونا چاہئے یا مساوی ہونا چاہئے اس پر یہ اثر مرتب ہوا تھا کہ موصوف معرف باللام کی صفت یا تو معرف باللام ہو یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو یا اسم موصول ہو۔ کیونکہ موصوف کی یہ شرط مذکور انھیں تین صورتوں میں پائی جاتی ہے اس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے۔ اس عبارت میں شارح نے یہ فرمایا کہ اگر کوئی ترکیب ایسی ہو جس میں صفت خاص ہو موصوف کے اعتبار سے تو اس صورت میں اس کو صفت نہ کہا جائیگا بلکہ بدل کہا جائے گا اور ماقبل کو مبدل منہ قرار دیا جائے گا۔

قولہ انما التزم وصف باب ھذا الخ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ معرف باللام اور اسم موصول دونوں ایک ہی درجہ کے معرفہ ہیں اسی طرح معرف باللام کی طرف جومضاف ہو وہ بھی سیبویہ کے نزدیک معرف باللام کے مساوی ہے تو پھر اسم اشارہ کی صفت میں یہ التزام کیوں کیا گیا ہے کہ اس کی صفت ہمیشہ معرف باللام ہی ہوگی نہ تو اسم موصول ہوسکتی ہے اور نہ ایسا اسم، اسم اشارہ کی صفت ہوسکتا ہے جومعرف باللام کی طرف مضاف ہو۔

اس کا جواب مصنف اس عبارت سے دے رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسم اشارہ میں ابہام بہت ہوتا ہے کیونکہ اسکی اصل وضع ابہام کے لئے ہے اس لئے اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ خود ہی مبہم ہے اسی طرح جومعرف باللام یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں واقع ہوسکتا کیونکہ مضاف تو

علیہ لانہ مع صلتہ مثل ذی اللام مثل مررت بھذا الذی اکرم ای الکریم ومن ثم ای ومن اجل ان الالتزام وصف باب ھذا بذی اللام لرفع الابھام ببیان الجنس ضعف مررت بھذا الابیض لانہ لایتبین بہ جنس المبھم لان الابیض عام لایختص بجنس دون جنس وحَسُنَ مررت بھذا العالم لانہ یتبین بہ ان المشار الیہ انسان بل رجل العطف یعنی المعطوف

---

مضاف الیہ کے ذریعہ اپنا ابہام دور کرتا ہے تو جب یہ اپنے ابہام کو دور کرنے میں دوسرے کا محتاج ہے تو کسی اور کا ابہام کیسے دور کر سکے گا۔ اس لئے اسم اشارہ کی صفت معرف باللام ہوگی اسی سے اس کا ابہام دور ہوگا البتہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر معرف باللام کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اس لئے اسم اشارہ کی صفت اسم موصول بھی واقع ہو سکتا ہے جیسے مررت بھذا الذی اکرم، یہ مررت بھذا الکریم کی طرح ہے۔

قولہ ومن ثم ضعف مررت بھذا الابیض الخ فرمارہے ہیں کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اسم اشارہ کی صفت معرف باللام یا پھر اسم موصول ہوگی کیونکہ انھیں سے اسم اشارہ کا ابہام دور ہو سکتا ہے۔

اس عبارت میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر معرف باللام سے ابہام دور نہ ہو تو ایسا معرف باللام بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں واقع ہو سکتا جیسے "مررت بھذا الابیض" اس میں الابیض معرف باللام ہے لیکن اس سے ابہام دور نہیں ہو رہا کیونکہ بیاض کسی جنس کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اس لئے اس سے ابہام دور نہیں ہوا۔ اس وجہ سے صفت واقع ہونا صحیح نہیں۔ بخلاف مررت بھذا العالم کے کہ علم انسان کے ساتھ بلکہ اکثر تو رجال کے ساتھ خاص ہے اس لئے اس سے ابہام دور ہو رہا ہے۔ اسوجہ سے اس کا صفت بننا صحیح ہے۔

قولہ العطف الخ تابع کی دوسری قسم عطف ہے شارح نے اس کی تفسیر المعطوف بالحرف کے ساتھ کی ہے۔ عطف کے معنی ہیں امالہ (مائل کرنا) عطف اصطلاحی میں بھی عطف کے ذریعہ مابعد کو ماقبل کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ شارح نے عطف کو معطوف سے تعبیر کرکے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ العطف مبتداء ہے اور تابع اس کی خبر ہے اور خبر کا حمل مبتدا پر ہوتا ہے اور یہاں حمل صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظ تابع ذات مع الوصف ہے اور عطف مصدر ہے یہ محض وصف ہے اور ذات مع الوصف کا حمل وصف محض پر جائز نہیں عطف کو معطوف کے معنی میں جب کیا گیا تو یہ اعتراض رفع ہوگیا کیونکہ معطوف اسم مفعول ہے اسوجہ سے یہ بھی ذات مع الوصف ہوگیا اس لئے حمل صحیح ہے۔ اس کے بعد لفظ معطوف کے آگے بالحرف کی قید لگائی اس لئے کہ عرف میں جب مطلقًا لفظ عطف بولا جاتا ہے تو اس سے مراد عطف بحرف ہوتا ہے اس کو عطف نسق بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں معطوف اور معطوف علیہ ایک نسق پر ہیں یعنی دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ عطف کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ نسبت میں مقصود ہو یعنی اس میں تابع اور

بالحرف تابع مقصود ای قصد نسبة الی شئ اولنسبة شئ الیہ بالنسبة الواقعہ فی الکلام نقولہ بالنسبة متعلق بالقصد المفھوم من المقصود مع متبوعہ ای کما یکون ھو مقصودًا بتلك النسبة یکون متبوعہ ایضًا مقصودًا بہا نحو جاءنی زید وعمرو فعمرو تابع لانہ معطوف علی زید قصد نسبة المجئ الیہ بنسبة المجئ الواقعة فی الکلام وکما ان نسبة المجئ الیہ مقصودة کذلك نسبة الی زید الذی ھو متبوعہ ایضًا مقصودة لقولہ مقصود بالنسبة احتراز عن غیر البدل من التوابع لانہا غیر مقصودة بل المقصود متبوعاتہا وقولہ مع متبوعہ احتراز عن البدل لان المقصود دون متبوعہ قیل یخرج بقولہ مع متبوعہ العطوف بلا وبل ولکن وام واما واو لان المقصود بالنسبة معہا احد الامرین من التابع والمتبوع

---

متبوع دونوں مقصود ہوتے ہیں اس میں لفظ تابع بمنزلہ جنس کے ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور مقصود بالنسبۃ کی قید سے نعت۔ تاکید۔ عطف بیان خارج ہوجائیں گے کیونکہ یہ نسبت سے مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کا متبوع مقصود ہوتا ہے اور مع متبوعہ کی قید سے بدل خارج ہوجائیگا کیونکہ نسبت سے وہ خود مقصود ہوتا ہے اس کا متبوع مقصود نہیں ہوتا بلکہ بدل کے لئے وہ تمہید کے طور پر مذکور ہوتا ہے۔ یتوسط بینہ وبین متبوعہ کی قید واقعی ہے اور توضیح کے لئے ہے۔ حروف عطف دس ہیں جن کو آپ کئی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں۔

قولہ ای قصد نسبة الی شئ الخ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ مصنف رہ کی عبارت العطف تابع مقصود بالنسبۃ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بالنسبۃ جار ومجرور مقصود کے متعلق ہے۔ اس صورت میں مقصود کے اندر ہو ضمیر تابع کی طرف راجع ہوگی جس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تابع خود مقصود ہو نسبت سے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ تابع یعنی معطوف خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اسکی نسبت جو متبوع کی طرف ہے یا متبوع کی نسبت جو تابع یعنی معطوف کیطرف ہے وہ نسبت مقصود ہوتی ہے شارح نے ای قصد نسبۃ الخ لاکر یہ بتایا کہ مقصود کا نائب فاعل ہو ضمیر نہیں ہے بلکہ اس کا نائب فاعل نسبۃ ہے جو مقدر ہے۔

قولہ بالنسبة الواقعة فی الکلام الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ شارح نے تابع مقصود کے بعد نسبۃ کا لفظ نکالا ہے اور اس کے بعد مصنف کی عبارت بالنسبۃ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ عطف ایسا تابع ہے کہ اس کی نسبت کا قصد کیا جائے نسبت کیساتھ۔ اسے نسبت کا قصد نسبت سے لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔ شارح نے بالنسبۃ کے بعد الواقعۃ فی الکلام لاکر اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ دونوں جگہ نسبت کا مفہوم علیحدہ علیحدہ ہے شارح نے جو نسبۃ کا لفظ نکالا ہے اس سے نسبت واقعیہ جو فاعل سے صادر ہوئی ہے وہ مراد ہے اور مصنف کی عبارت بالنسبۃ سے وہ نسبت مراد ہے جو کلام میں واقع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نسبت سے مراد نسبت واقعیہ ہے اور بالنسبۃ سے مراد نسبت کلامیہ ہے۔

قولہ قیل یخرج بقولہ مع متبوعہ الخ اعتراض کیا جارہا ہے کہ عطف کی تعریف مصنف نے یہ کی ہے "تابع مقصود بالنسبۃ مع متبوعہ" اس سے وہ تمام معطوف نکل گئے جن میں حرف عطف لا۔ بل۔ لکن۔ ام۔ اما۔ او ہو۔ اس لئے کہ ان کے

کالاھما واجیب بان المراد بکون المتبوع مقصوداً بالنسبۃ ان لایذکر لتوطیۃ ذکر التابع ویکون التابع مقصوداً بالنسبۃ ان لایکون کالفرع علی المتبوع من غیر استقلال بہ ولا شک ان المعطوف والمعطوف علیہ بتلک الحروف الستۃ مقصودان بالنسبۃ معا بھذا المعنی ولما تم الحد بما ذکرہ جمعا ومنعا اردفہ لزیادۃ التوضیح بقولہ یتوسط بینہ ای بین ذلک التابع وبین متبوعہ احد الحروف العشرۃ وسیاتی تفصیلھا فی قسم الحروف ان شاء اللہ مثل قام زیدٌ وعمرٌو ولم یکتف بقولہ تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ احد الحروف العشرۃ لان الحروف قد تتوسط بین الصفات مثل جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر فالصفۃ الداخل علیھا حرف العطف کالشاعر والدبیر لھا جھتان احدھما کونھا صفۃ لزید تابعۃ لہ بتبعیۃ المعطوف علیہ واخرھما کونھا معطوفاً علی الصفۃ المتقدمۃ تابعۃ لھا ویصدق علی ھذہ الصفۃ من جھتھا الاولی انھا تابعۃ لانھا صفۃ لزید

---

ذریعے جب عطف ہوتا ہے تو اس صورت میں تابع اور متبوع یعنی معطوف اور معطوف علیہ دونوں مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے ایک مقصود ہوتا ہے لہذا عطف کی تعریف جامع نہ ہوئی۔ اس کا جواب شارح نے یہ دیا ہے کہ متبوع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسکو تابع کے ذکر کے لئے تمہید اور ذریعہ نہ بنایا جائے جیسا کہ بدل میں ہوتا ہے اور تابع کے مقصود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے متبوع کے لئے فرع نہ ہو یعنی تابع غیر مستقل نہ ہو جیسا کہ موصوف اور صفت میں ہے کہ صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ جب مقصود بالنسبۃ کا یہ مطلب ہوا تو پھر اس اعتبار سے تابع اور متبوع میں سے ہر ایک مقصود ہوا لہذا یہ اعتراض صحیح نہیں۔

قولہ ولم یکتف بقولہ تابع یتوسط الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف تو بہت اختصار پسند ہیں اس لئے اگر عطف کی تعریف اس طرح کرتے، تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ احد الحروف العشرۃ تب بھی کافی تھا کیونکہ تعریف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ماسوا سے امتیاز حاصل ہوجائے اور ان الفاظ کے ساتھ تعریف کرنے سے عطف کا امتیاز باقی توابع سے حاصل ہوگیا تو پھر مقصود بالنسبۃ مع متبوعہ کے اضافہ کی کیا ضرورت ہے شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک موصوف کی چند صفات ہوتی ہیں اور ان کے درمیان حرف عطف لایا جاتا ہے جیسے جاءنی زید العالم والشاعر والدبیر۔ ایسی صورت میں ایک جہت تو ان صفات میں یہ ہے کہ ان کا عطف سب سے پہلی صفت یعنی العالم پر ہو اس میں کوئی اشکال نہیں العالم اپنے تمام معطوفات سے مل کر زید کی صفت ہے۔ لیکن دوسری حیثیت ان میں یہ ہے کہ ان صفات کا براہ راست خود متبوع یعنی زید سے تعلق ہو تو اگر تابع کی تعریف میں تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ پر اکتفا کرلیا جاتا تو مثال مذکور کی صفات پر عطف کی تعریف صادق آئے گی کیونکہ ان کے درمیان اور ان کے متبوع زید

یتوسط بینھا وبین زید حرف العطف لان توسط حرف العطف بین شیئین لا یلزم ان یکون العطف الثانی علی الاول فلو لم یکن قولہ مقصودًا بالنسبۃ مع متبوعہ لدخل ھذہ الصفۃ من جھتھا الاولی فی حد المعطوف وھی من ھذہ الجھۃ لیست معطوفۃ فلم یبق مانعا وقیل قد جوز الزمخشری وقوع الواؤ بین الموصوف والصفۃ لتاکید اللصوق فی مواقع عدیدۃ من الکشاف وحکم المصؒ فی شرح المفصل فی مباحث الاستثناء ان قولہ تعالیٰ ولھا منذرون فی قولہ وما اھلکنا من قریۃ الا ولھا منذرون صفۃ لقریۃ فلو اکتفی بقولہ تابع بتوسط لدخل فیہ مثل ھذہ الصفۃ ونقل عن المصنف انہ قال فی امالی الکافیۃ ان العاقل فی مثل جاء نی زید العالم و العاقل تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ احد الحروف العشرۃ ولیس بعطف علی التحقیق وانما ھو باقٍ علی ما کان علیہ فی الوصفیۃ وانما حسن دخول العاطف لنوع من الشبہ بالمعطوف لما بینھما من التغایر فلو حد العطف کلہ لدخل فیہ بعض الصفات مع انہ لیس بمعطوف وقال بعضھم فیہ نظر لان الحرف المتوسطۃ بینھا عاطفۃ لذلا لتھاتیھا علی ما

---

کے درمیان حرف عطف ہے لہٰذا ان صفات کو معطوف اور زید کو معطوف علیہ کہنا چاہیے حالانکہ یہ صفات ہیں معطوف نہیں اور زید موصوف ہے معطوف علیہ نہیں اس لئے مصنف نے مقصود بالنسبۃ مع متبوعہ کا اضافہ کیا اور تابع یتوسط بینہ وبین متبوعہ پر اکتفا نہیں کیا رہی یہ بات کہ مقصود بالنسبۃ مع متبوعہ کی قید سے یہ صفات معطوف سے کیسے خارج ہو جائیں گی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفات مقصود بالنسبۃ نہیں بلکہ ان کا متبوع یعنی موصوف مقصود بالنسبۃ ہے اور یہ صفات اس کی فرع ہیں۔

قولہ جوز الزمخشری الخ اس سے پہلے جاء نی زید العالم والشاعر والدبیر الخ لاکر یہ بیان کیا تھا کہ صفات کے درمیان حرف عطف آجاتا ہے اب زمخشری کے قول سے اس کی تائید کر رہے ہیں علامہ زمخشری نے فرمایا ہے کہ موصوف اور صفت کے درمیان حرف عطف آتا ہے اور اس سے مقصود اس اتصال کی تاکید ہے جو موصوف اور صفت کے درمیان پایا جاتا ہے اس کی مثال میں علامہ قرآن پاک کی آیت "وما اھلکنا من قریۃ الا ولھا منذرون" لائے ہیں۔ اس میں "ولھا منذرون" قریہ کی صفت ہے۔

قولہ ونقل عن المصنف الخ اس سے بھی تائید مقصود ہے کہ موصوف اور صفت کے درمیان حرف عطف آتا ہے۔ لیکن صفت کو معطوف اور موصوف کو معطوف علیہ نہیں قرار دیتے بلکہ ان کو موصوف اور صفت کہا جاتا ہے۔

قولہ وقال بعضھم فیہ نظر الخ نظر کا حاصل یہ ہے کہ صفات کے درمیان جو حروف عطف پائے جاتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حروف صفات کو موصوف پر عطف کرنے کے لئے نہیں ہیں یہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ یہ حروف

تدل علیہ فی غیرھا من الجمع والترتیب وغیر ذلک ففی جعلہا غیر عاطفۃ فی الصفات و عاطفۃ فی غیرھا ارتکاب امر بعید من غیر ضرورۃ داعیۃ الیہ واذا عطف علی الضمیر المرفوع لا المنصوب والمجرور المتصل بارزًا کان او مستترًا لا المنفصل کد بمنفصل اولا ثم عطف علیہ وذلک لان المتصل المرفوع کالجزء مما اتصل بہ لفظا من حیث انہ متصل لایجوز انفصالہ ومعنی من حیث انہ فاعل والفاعل کالجزء من الفعل فلو عطف علیہ بلا تاکید کما کان لو عطف علی بعض حروف الکلمۃ فاکد اولا بمنفصل لانہ بذلک یظھر ان ذلک المتصل وان کان کالجزء منفصل من حیث الحقیقۃ بدلیل جواز افرادہ مما اتصل بہ بتاکیدہ فیحصل لہ نوع استقلال ولایجوز ان یکون العطف علی ھذا التاکید لان المعطوف فی حکم المعطوف علیہ فکان

---

جس طرح غیر صفات میں جمع ترتیب تعقیب اور تراخی وغیرہ پر دلالت کرتے ہیں صفات میں بھی ان امور پر دلالت کرتے ہیں تو پھر غیر صفات میں ان کو عاطفہ کہنا اور صفات میں غیر عاطفہ کہنا صحیح نہیں۔

اس کا جواب وہی ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ عطف میں تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں اور صفت میں صرف موصوف مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے صفت مقصود نہیں ہوتی۔ یہ وجہ ہے جو صفات میں حروف عاطفہ کو عطف کے لئے نہیں قرار دیا جاتا۔

قولہ وَاِذَا عَطَفَ عَلَی الضَّمِیْرِ الْمَرْفُوْعِ الخ مطلب یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی اسم کا عطف کریں گے تو ضروری ہے کہ پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لائی جائے بعد میں مرفوع متصل پر عطف کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل جس عامل کے ساتھ متصل ہے وہ اس عامل کے جزء کی طرح ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی۔ اتصال لفظی تو ظاہر ہے کیونکہ عامل سے اس کا انفصال نہیں ہوسکتا اور معنی کے اعتبار سے اتصال یہ ہے کہ وہ ترکیب میں فاعل ہے اور فاعل فعل کے لئے جزء کے مانند ہے تو ایسی حالت میں اگر بغیر تاکید کے عطف کیا جائے تو ایسا ہوگا جیسے کلمہ کے بعض حروف پر عطف کیا جائے اور یہ جائز نہیں اور تاکید لانے کے بعد یہ خرابی نہیں لازم آتی کیونکہ تاکید سے یہ بات معلوم ہوجائیگی کہ ضمیر متصل اگرچہ عامل کے جزء کی طرح ہے لیکن درحقیقت یہ عامل سے علیحدہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تاکید کی صورت میں اس کو عامل سے کیوں جدا کر لیتے ہیں۔ لہذا یہ ضمیر متصل تاکید لانے کے بعد مستقل ایک کلمہ ہوگا جس کی وجہ سے اس پر عطف صحیح ہوجائے گا۔

قولہ وَلَایَجُوْزُ الخ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لانے کے بعد ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کے بجائے خود اس تاکید پر عطف کر دیا جائے تو کیا حرج ہے مثلاً "ضربت انا وزید" میں زید کا عطف ضربتُ کے اندر جو انا پوشیدہ ہے اس پر عطف کرنے کے بجائے خود انا ضمیر

یلزم ان یکون ھذا المعطوف ایضا تاکیدا وھو باطل وان کان الضمیر منفصلا نحو ماضرب الا انت وزید لم یکن کالجزء لفظا وکذا ان کان متصلا منصوبا نحو ضربتك وزیدا لم یکن کالجزء معنی فلاحاجة فیہما الی التاکید بمنفصل مثل ضربت انا وزیدٌ وزید ضرب ھو وغلامه الا ان یقع فصل بین الضمیر المرفوع المتصل وبین ماعطف علیه فیجوز ترکه ای ترك التاکید لانه قد طال الکلام بوجود الفصل فحسن الاختصار بترك التاکید سواء کان الفصل قبل حرف العطف

---

منفصل پر عطف کر دیا جائے .شارح جواب دے رہے ہیں کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ معطوف علیہ کا جو حکم ہوتا ہے معطوف کا بھی وہی حکم ہوتا ہے اور معطوف علیہ یہاں تاکید ہے تو عطف کی وجہ سے معطوف کا بھی تاکید ہونا لازم آئے گا حالانکہ وہ تاکید نہیں ہے ۔

قولہ وان کان ضمیراً منفصلا الخ مصنف نے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کے قاعدہ میں جو قیدیں لگائی ہیں اس کا فائدہ بیان کر رہے ہیں پہلی قید مرفوع کی ہے کیونکہ ضمیر اگر منصوب ہو تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کہ پہلے تاکید لائی جائے کیونکہ ضمیر منصوب فاعل نہیں ہوتی اس لئے معناً جزو نہیں ہے تو اگر بغیر تاکید کے اس پر عطف کرینگے تو عامل کے جزو پر عطف لازم نہ آئے گا کیونکہ وہ معناً جزو نہیں

---

اور اگر ضمیر مرفوع تو ہے لیکن متصل نہیں بلکہ منفصل ہے تو وہ اگرچہ فاعل ہے لیکن منفصل ہونے کی وجہ سے لفظاً جزو نہیں ہے تو اگر بغیر تاکید لائے ہوئے عطف کریں تو بھی عامل کے جزو پر عطف لازم نہ آئے گا جیسے ماضربک الا انت وزید. کیونکہ وہ لفظاً جزو نہیں یہ متصل کی قید کا فائدہ ہوا. اسی طرح اگر ضمیر متصل تو ہو لیکن مرفوع نہ ہو بلکہ منصوب ہو تو اس ضمیر منصوب متصل پر بھی عطف بغیر تاکید کے جائز ہے کیونکہ یہ عامل کا معنیً جزو نہیں ہے کیونکہ فاعل نہیں ہے اور معنی جزو وہ ہوتا ہے جو فاعل ہو اسکی مثال جیسے ضربتک وزیداً.

قولہ مثل ضربت انا وزیدٌ الخ اس میں ضربت کی ضمیر انا مرفوع متصل پر زید کا عطف کیا جا رہا ہے اس لئے قاعدہ مذکورہ کے مطابق انا ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ پہلے تاکید لائی گئی بعد میں زید کا عطف کیا گیا ہے اسی طرح شارح کی بیان کردہ مثال ضرب ہو وغلامہ کو سمجھئے۔

قولہ الا ان یقع الفصل الخ مطلب یہ ہے کہ ابھی بیان کیا ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر اگر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو پہلے اس کی تاکید لائی جائے بعد میں عطف کیا جائے اب بطور استثناء کے فرما رہے ہیں کہ اگر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہو تو پھر تاکید لانے کی ضرورت نہیں ہے تاکید کا ترک کر دینا بھی جائز ہے کیونکہ فصل کی وجہ سے کلام طویل ہو گیا ہے لہذا اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے تاکید کا ترک جائز ہے. خواہ یہ فصل حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم وزید' یا حرف عطف کے بعد ہو جیسے "ما اشرکنا ولا آباؤنا" یہاں

32/2

نحو ضربت الیوم و زید اوبعد لا کقولہ تعالٰی ما اشرکنا ولا آباؤنا فان المعطوف ھو آباؤنا ولا زائدۃ بعد حرف العطف لتاکید النفی و انما قال یجوز ترکہ فانہ قد یوکد بالمنفصل مع الفصل کقولہ تعالٰی فکبکبوا فیہا ھم و الغاوٗن وقد لا یوکد والامران متساویان ھذا واعلم ان مذھب البصریین ان التاکید بالمنفصل ھو الاولٰی ویجوزون العطف بلا تاکید ولا فصل لکن علی قبح والکوفیون یجوزونہ بلا قبح واذا عطف علی الضمیر المجرور اعید الخافض حرفا کان او اسما لان اتصال الضمیر المجرور بجارہ اشد من اتصال الفاعل المتصل بالفعل لان الفاعل ان لم یکن ضمیرا متصلا جاز انفصالہ والمجرور لا ینفصل

---

اشرکنا کی ضمیر جمع متکلم نحن اور اس کے معطوف آباؤنا کے درمیان لا کے ذریعہ فصل واقع ہوا ہے اسلئے تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

قولہ انما قال یجوز ترکہ الخ مصنف رح کی عبارت ہے الا ان یقع الفصل فیجوز ترکہ جس کا مطلب اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مرفوع متصل اور اس کے معطوف کے درمیان فصل واقع ہو تو پھر تاکید کا ترک جائز ہے ـــــــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاکید کا ترک جائز ہے واجب نہیں ہے تو اگر فصل کے ہوتے ہوئے تاکید لائی جائے تو کوئی حرج نہیں اسی کو انما قال یجوز ترکہ سے بیان کیا ہے اور اس کی مثال بیان کی ہے "فکبکبوا فیہا ھم والغاوٗن." اس میں کبکبوا میں ھم ضمیر مرفوع متصل ہے اس پر الغاوٗن کا عطف کیا جارہا ہے اور باوجود فصل کے پھر بھی تاکید لائی گئی۔ بہرحال لفظ یجوز سے معلوم ہوا کہ فصل کی صورت میں تاکید لانا اور نہ لانا دونوں جائز ہیں۔

قولہ واعلم ان مذھب البصریین الخ اس سے پہلے ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنے کی شرط کا بیان تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے اس میں بصریین اور کوفیین کا مذہب جمہور سے کچھ علیحدہ ہے اس کو شارح بیان کر رہے ہیں۔ بصریین کے نزدیک اولٰی تو یہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرتے وقت تاکید لانا اولٰی ہے لیکن اگر تاکید نہ لائی جائے تب بھی عطف جائز ہے مگر قبیح ہے۔

کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ بغیر تاکید کے عطف بلا قباحت جائز ہے۔

قولہ واذا عطف علی الضمیر المجرور الخ اگر ضمیر مجرور پر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو ضروری ہے کہ خافض کا اعادہ کیا جائے خواہ خافض حرف ہو جیسے مررت بک وبزید۔ یا اسم ہو جیسے اخوک واخو زید۔ پہلی مثال میں بک ضمیر مجرور ہے اس پر زید کا عطف کیا جارہا ہے اس لئے بک جس حرف کی وجہ سے مجرور ہے یعنی باء اس کا اعادہ زید پر کیا گیا۔ دوسری مثال میں اخوک میں کاف ضمیر مجرور ہے اور اخ مضاف کی وجہ سے مجرور ہے اس پر عطف کرتے وقت زید سے پہلے مضاف یعنی اخ کا اعادہ کیا گیا ہے۔ شارح نے اعادہ خافض کی وجہ یہ بیان کی ہے

من جارہ نکرہ العطف علیہ اذ یکون کا لعطف علی بعض حروف الکلمۃ ولیس للمجرور ضمیر منفصل کما یجئ فی المضمرات حتی یوکد بہ اولاً ثم یعطف علیہ کما عمل فی المرفوع المتصل وفی استعارۃ المرفوع لہ مذلۃ ولا یکتفی بالفصل لان الفصل لاتاثیر لہ الا فی جواز ترک التاکید بالمنفصل للاختصار بحیث لایمکن التاکید بالمنفصل لعدمہ لایتصور لہ اثر فکیف یکتفی بہ فلم یبق الا اعادۃ العامل الاول نحو مررت بک وبزید

---

کہ فاعل کا اتصال اپنے عامل مثلاً فعل سے اتنا قوی نہیں ہے جتنا ضمیر مجرور کا اتصال اپنے جار کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ فاعل اگر ضمیر متصل نہ ہو تو اس کا انفصال اپنے عامل سے ہوجاتا ہے بخلاف ضمیر مجرور کے کہ وہ اپنے جار سے کبھی جدا نہیں ہوتی تو اگر بغیر اعادہ جار کے ضمیر مجرور پر عطف کریں گے تو کلمہ کے جزو پر عطف کرنا لازم آئیگا۔ اور یہ ناجائز ہے جیسا کہ اس سے پہلے وضاحت کے ساتھ اس کا بیان ہوچکا ہے۔

اور ضمیر مجرور کے لئے کوئی ضمیر منفصل نہیں ہے وہ ہمیشہ متصل رہتی ہے اس لئے یہ صورت نہیں ہوسکتی کہ پہلے ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے بعد میں عطف کردیا جائے اسی طرح یہاں فصل سے بھی کام نہیں چل سکتا یعنی مرفوع متصل میں تو یہ صورت بھی تھی کہ اگر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید نہ لائی جائے اور مرفوع متصل اور اس کے معطوف کے درمیان فصل واقع ہو تو بغیر تاکید لائے ہوئے بھی عطف ہوسکتا تھا یہاں یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ فصل کا کام تو صرف یہ تھا کہ ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانا جہاں جائز ہو اور کسی وجہ سے تاکید نہ لائی جائے تو فصل سے کام چلالیا جائے۔ تو فصل ضمیر منفصل کا قائمقام ہوا اور ضمیر مجرور کے لئے کوئی ضمیر منفصل ہوتی ہی نہیں تو جب سرے سے ضمیر منفصل کا جو اصل ہے وجود ہی نہیں تو پھر فصل کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے اب یہی ایک صورت رہ گئی کہ ضمیر مجرور کا جو عامل ہے معطوف میں اس کا اعادہ کیا جائے۔

قولہ وفی استعارۃ المرفوع المنفصل الخ ماقبل کے بیان سے یہ واضح ہوگیا کہ ضمیر مجرور متصل پر اگر عطف کیا جائے تو اسکے صحیح ہونیکی صرف ایک ہی صورت ہے کہ معطوف پر اعادہ خافض ہو مرفوع متصل پر عطف کرنے کی تو بہت سی صورتیں ہیں جن کا بیان گذرچکا ہے ایک احتمال ضمیر مجرور پر عطف کرنیکے سلسلے میں نکل سکتا تھا کہ ضمیر مجرور کی تاکید ضمیر منفصل کیساتھ لائی جائے اسکے بعد ضمیر مجرور پر عطف کردیا جائے اور اعادہ خافض نہ کیا جائے اس عبارت میں شارح نے اس کا جواب دیا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ آخر آپ پر اس کا غلبہ کیوں ہے کہ جسطرح مرفوع متصل پر عطف کی کئی صورتیں ہیں اسی طرح ضمیر مجرور پر عطف کی کئی صورتیں نکل آئیں مصنف نے ایک تشکل تجویز کی ہے اور تحریر کی ہے کہ معطوف پر اعادہ خافض کے بعد عطف کیا جائے اس پر قناعت کیوں نہیں کرتے یہ احتمال نکالا جارہا ہے کہ ضمیر مرفوع منفصل کا استعارہ کرلیا جائے اور اس کے ساتھ تاکید لاکر عطف کردیا جائے اس تجویز پر ذرا غور تو فرمائیے کہ اس میں مرفوع منفصل کی کتنی توہین ہے ضمیر مرفوع منفصل ضمیر مجرور متصل سے ہر اعتبار سے اعلیٰ ہے اس سے آپ غلامی کرارہے ہیں ضمیر مجرور کی۔

قولہ ولا یکتفی بالفصل الخ اس کی تقریر ماقبل میں ہوچکی ہے۔

قولہ مررت بک وبزید والمال بینی وبین زید الخ مثال اول میں زید کا عطف بک کی کاف ضمیر پر اعادہ جار کے ساتھ ہے اور دوسری مثال میں زید کا عطف بینی کی یاء متکلم پر لفظ بین کے اعادہ کے ساتھ ہے جو مضاف ہے

والمال بيني وبين زيد فالمعطوف هو المجرور والعامل مكرر وجره بالاول والثاني كالعدم معنى بدليل قولهم بيني وبينك اذ بين لايضاف الا الى المتعدد

---

دوسرے الفاظ میں اس طرح سمجھئے کہ پہلی مثال میں جار حرفی کا اعادہ ہے اور دوسری مثال میں جار اسمی یعنی بین کا اعادہ ہے۔

قولہ فالمعطوف هو المجرور الخ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ جب معطوف میں خافض کا اعادہ کیا جائے گا تو معطوف خافض سے مل کر مرکب ہو جائے گا اور معطوف علیہ مفرد ہے تو مرکب کا عطف مفرد پر لازم آئے گا۔ اعتراض کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جب معطوف میں اعادہ جار ہو گا تو اس صورت میں اگر عطف کیا جائے گا تو حرف جر کا دخول حرف جر پر ہو گا حالانکہ حرف جر اسم پر داخل ہوتا ہے نہ کہ حرف پر مثلاً مثال مذکور مررت بک وبزید" میں زید کا عطف بکَ کی ضمیر کاف پر ہو اور بیان کردہ قاعدہ کے مطابق زید پر اعادہ جار ضروری ہے تو اس صورت میں بکَ میں جو بار ہے اس کا دخول بزید کی بار پر لازم آتا ہے اس کا جواب " المعطوف ہو المجرور" فقط سے دے رہے ہیں۔ اس سے پہلے اعتراض کا جواب تو اس طرح ہوا کہ جب معطوف صرف مجرور ہے جار معطوف نہیں تو پھر معطوف مفرد ہوا نہ کہ مرکب اسلئے مرکب کا عطف مفرد پر نہ ہوا مثلاً مثال مذکور مررت بک وبزید میں جب معطوف صرف زید ہے جس کا عطف بکَ کے کاف ضمیر پر ہے تو جس طرح معطوف علیہ یعنی کاف ضمیر مفرد ہے معطوف یعنی زید بھی مفرد ہے دوسرے اعتراض کے جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب معطوف صرف مجرور ہے تو مثال مذکور میں زید مجرور رہا۔ اور بکَ والی بار کا دخول زید پر ہوا۔ کیونکہ معطوف میں وہی عامل ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں ہوتا ہے تو بکَ میں جو بار عامل ہے وہی زید پر بھی عامل ہو گا اور زید پر جو بار داخل ہے وہ زائد ہے تو جب بار کا دخول بار پر نہ ہوا تو حرف کا دخول حرف پر لازم نہ آیا۔

قولہ والعامل مكرر وجره بالاول الخ اعتراض ہوتا تھا کہ جب عامل مکرر ہو گا یعنی آپ کے کہنے کے مطابق مررت بک وبزید میں زید پر عامل یعنی بار مکرر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بزید میں دو عامل داخل ہوئے ایک وہ بار جو اس کے ساتھ ہے اور ایک بکَ میں کاف ضمیر پر جو داخل ہے وہ بار بھی زید پر عامل ہے تو اس میں توارد علتین کا معلول واحد پر لازم آئے گا اس کا جواب وجرہ بالاول سے دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس میں صرف ایک عامل ہے یعنی جو عامل معطوف علیہ میں ہے وہی معطوف میں بھی ہے اس لئے عامل تو ایک ہی ہے دوسرا عامل معنی کے اعتبار سے معدوم ہے اس کا کوئی اثر نہیں اس کو تو صرف اس لئے لائے ہیں تاکہ عطف ضمیر مجرور پر صحیح ہو جائے۔ اس کی دلیل ان کا قول بینی وبینک ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ بین کا استعمال متعدد میں ہوتا ہے جیسے بین زید وعمرو اس اعتبار سے ایک بین کے ساتھ دو اسم ہونا چاہیئے حالانکہ یہاں ہر ایک کے ساتھ صرف ایک ایک اسم ہے۔ اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ ثانی بین زاید ہے تو جس طرح بین ثانی زاید ہے اسی طرح مررت بکَ وبزید میں بار ثانی زائد ہے۔

وقیل جرہ بالثانی کمافی الحرف الزائد فی کفیٰ باللہ وھذا الذی ذکرناہ اعنی لزوم اعادۃ الجار فی حال السعۃ والاختیار مذھب البصریین ویجوز عندھم ترکھا اضطرارًا واجاز الکوفیون ترک الاعادۃ فی حال السعۃ مستدلین بالاشعار فان قیل کیف جاز تاکید المرفوع المتصل فی نحو جاؤنی کلھم والابدال منہ نحو اعجبتنی جمالک من غیر شرط تقدم التاکید بالمنفصل وجاز ایضا تاکید الضمیر المجرور فی نحو مررت بک نفسک والابدال منہ نحو عجبت بک جمالک من غیر اعادۃ الجار

---

قولہ وقیل جرُّہٗ بالثانی الخ بعض حضرات نے کہا کہ مررت بک وبزید میں بار ثانی جو زید پر داخل ہے وہ زائد تو ہے لیکن زید پر جر اسی بار ثانی کی وجہ سے ہے اس پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بار کو زائد بھی کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ زید پر جر اس کی وجہ سے ہے زاید ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کا کوئی اثر نہیں اور اس کی وجہ سے جر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عامل ہے اور مؤثر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی کے اعتبار سے زائد ہے اور لفظ کے اعتبار سے مؤثر ہے جیسے کفی باللہ کہ یہ باء لفظ کے اعتبار سے مؤثر ہے چنانچہ لفظ اللہ پر جر اسی کی وجہ سے ہے اور معنی کے اعتبار سے زائد ہے۔

قولہ وھذا الذی ذکرناہ الخ فرماتے ہیں کہ ضمیر مجرور پر عطف کے سلسلے میں جو بات کہی گئی ہے کہ معطوف پر اعادہ جار ضروری ہے یہ بصریین کا مذہب ہے ان کے نزدیک سعۃ کلام میں اعادہ جار ضروری ہے البتہ نظم میں مجبوری کی وجہ سے اعادہ جار کا ترک بھی جائز ہے۔

کوفیین کے نزدیک نثر اور نظم دونوں میں معطوف میں اعادہ جار ضروری نہیں۔ ان کا استدلال ان اشعار سے ہے جن میں جار کا اعادہ معطوف میں نہیں کیا گیا۔

قولہ فان قیل کیف جاز تاکید المرفوع المتصل الخ اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ تاکید۔ بدل عطف بحرف یہ سب تابع ہیں مگر ان میں سے تاکید اور بدل کا جو تعلق اپنے متبوع سے ہے اس میں کسی قسم کی قید نہیں ہے۔ خواہ مرفوع متصل سے یا مجرور متصل سے تعلق ہو یا کسی اور متبوع سے ہر ایک متبوع سے تاکید اور بدل بغیر کسی قید کے تاکید اور بدل واقع ہو سکتے ہیں، لیکن ضمیر مرفوع متصل پر اگر عطف کیا جائے تو اس میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ پہلے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید مرفوع منفصل سے ہو بعد میں عطف کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ضمیر مجرور متصل پر عطف ہو تو بغیر اعادہ جار کے جائز نہیں جس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ مثلاً جاءونی کلھم میں کلھم ضمیر ہم سے جو جاؤنی میں ہے تاکید واقع ہے اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے ضمیر مرفوع منفصل سے تاکید لائی جائے بعد میں کلھم سے تاکید لائیں اور یہ کہا جائے جاءونی ہم کلھم۔ اسی طرح بدل واقع ہونے کی صورت میں اعجبتنی جمالک کہا جاتا ہے اس میں اعجبت کی ضمیر انت سے جمالک بدل

ولم يجز العطف فى الاول الابعد التاكيد بالمنفصل وفى الثانى الامع اعادة الجار قلنا التاكيد عين المؤكد والبدل فى الاغلب اماكل المتبوع اوبعضه اومتعلقه والغلط قليل نادرفهما ليسا باجنبيين لمتبوعهما ولامنفصلين عنه لعدم تخلل فاصل بينهما وبين متبوعهمافى ربطهما الى متبوعهما الى تحصيل مناسبة زائدة بخلاف العطف فان المعطوف يغاير المعطوف عليه ويتخلل بينهما العاطف فلابد فيه من تحصيل مناسبة بينهما بتاكيد المتصل بالمنفصل فى المرفوع وباعادة الجارفى المجرور ليخرج المتصل المرفوع عن صرافة الاتصال ويناسب المعطوف عليه بتاكيده بالمنفصل وقوى مناسبة المجرور بانضمام الجاراليه

---

واقع ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے اعجبتنی کی تاکید انت ضمیر مرفوع منفصل سے لائی جائے بعد میں بدل واقع کیا جائے یعنی اعجبتنی انت جمالک کہا جائے۔ اسی طرح مررت بک نفسک میں نفسک، ک ضمیر مجرور متصل سے تاکید واقع ہے اور اس میں اعادہ جار نہیں ہے یعنی نفسک سے پہلے حرف جر باء کا اعادہ نہیں کیا گیا ورنہ بنفسک ہوتا۔ اسی طرح عجبت بک جمالک میں جمالک بدل واقع ہے بک سے اور اس میں بدل سے پہلے باء کا اعادہ نہیں ہے ورنہ عجبت بک بجمالک ہوتا۔

لیکن عطف میں قید ہے جیسا کہ اس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے۔

اس کا جواب شارح نے یہ دیا ہے کہ تاکید اور بدل اپنے متبوع کے غیر نہیں۔ تاکید اور موکد دونوں متحد ہیں۔ اسی طرح بدل کل اور اس کے متبوع میں کوئی مغایرت نہیں دونوں متحد ہیں اور بدل بعض اپنے متبوع کا جزء ہوتا ہے اور بدل اشتمال پر مبدل منہ مشتمل ہوتا ہے اس لئے بدل کا بھی مبدل منہ سے ربط ہوتا ہے غرضیکہ تاکید اپنے موکد کے اور بدل اپنے مبدل منہ کے غیر نہیں ہے اس لئے ان دونوں میں تبوع سے ربط پیدا کرنے کے لئے کسی مزید رابط کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ بدل غلط اور اس کے مبدل منہ میں مغایرت ہوتی ہے لیکن اس کا استعمال بہت کم ہوتا ہے باقی بدل کے اقسام ثلثہ ان کا وقوع کثرت سے ہوتا ہے لہٰذا للاکثر حکم الکل کے قاعدہ سے بدل کے اقسام ثلثہ بدل الکل بدل البعض، بدل الاشتمال کا جو حکم ہے وہی حکم بدل غلط کا بھی ہوگا یعنی جس طرح بدل کے اقسام ثلثہ کے لئے ضمیر مرفوع متصل اور ضمیر مجرور متصل سے بدل واقع ہونے میں کوئی قید نہیں اسی طرح بدل الغلط واقع ہونے میں کوئی قید نہ ہوگی۔ جو حکم بدل کی تین قسموں کا ہے وہی اس کا بھی رہے گا۔

قولہ بخلاف العطف الخ یعنی عطف کا حکم تاکید اور بدل سے جدا ہے اس میں ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو پہلے ضمیر مرفوع منفصل سے تاکید لائی جاتی ہے اسی طرح اگر ضمیر مجرور متصل پر عطف کیا جائے تو اعادہ جار ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے مغائر ہوتا ہے نیز حرف عطف بھی ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے جس سے

کما فی المعطوف علیہ والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ فیما یجوز لہ ویمتنع من الاحوال العارضۃ لہ نظرا الی ماقبلہ بشرط ان لایکون مایقتضیہا منتفیا فی المعطوف وانما قلنا من الاحوال العارضۃ لہ نظرا الی ماقبلہ احترازا عن الاحوال العارضۃ لہ من حیث نفسہ کالاعراب والبناء والتعریف والتنکیر والافراد والتثنیۃ والجمع فان المعطوف فیہا لیس فی حکم المعطوف علیہ وانما قلنا بشرط ان لایکون مایقتضیہا منتفیا فی المعطوف احترازا عن مثل قولنا یارجل والحارث فان الحارث معطوف علی الرجل ولیس فی حکمہ من حیث تجردہ عن اللام فان مایقتضی

---

اجنبیت میں اور اضافہ ہوگیا۔ اس لئے ربط پیدا کرنے کے لئے مرفوع متصل میں اسکی تاکید ضمیر منفصل سے لائی گئی اور ضمیر مجرور متصل میں اعادہ جار ضروری قرار دیا گیا کیونکہ ضمیر مرفوع منفصل اپنے عامل سے جدا ہوتی ہے تو اسکی وجہ سے معطوف کو اس سے مناسبت ہوجائے گی جس طرح ضمیر مرفوع منفصل عامل سے جدا ہے معطوف بھی جدا ہوتا ہے۔

اسی طرح ضمیر مجرور متصل پر عطف کرتے وقت جب اعادہ جار ہوگا تو معطوف کو اپنے معطوف علیہ سے مناسبت ہوجائے گی کہ جس طرح معطوف علیہ میں جار ہے معطوف میں بھی جار ہے۔

قولہ والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ الخ مطلب یہ ہے کہ جو احوال معطوف علیہ کے اندر ماقبل کے اعتبار سے پیش آتے ہیں۔ وہی احوال معطوف کے اندر بھی نافذ کئے جائیں گے یعنی جو امور معطوف علیہ کے لئے جائز ہیں۔ وہی معطوف کے لئے جائز ہونگے اور جو امور معطوف علیہ کے لئے ناجائز ہیں وہی امور معطوف کے لئے ناجائز ہونگے۔

قولہ وانما قلنا من الاحوال العارضۃ الخ اس سے پہلے شارح نے بیان کیا ہے کہ معطوف علیہ کے اندر جو احوال اس کے ماقبل کے اعتبار سے پیش آتے ہیں وہی احوال معطوف کو بھی پیش آتے ہیں اب بتارہے ہیں کہ ماقبل کی قید احترازی ہے اس سے ان احوال کو خارج کرنا مقصود ہے۔ جو معطوف علیہ کو اس کی ذات کے اعتبار سے پیش آتے ہیں جیسے معرب ہونا۔ مبنی ہونا۔ تعریف۔ تنکیر۔ افراد۔ تثنیہ۔ جمع ان میں معطوف علیہ اور معطوف کا حکم ایک ہونا ضروری نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ معطوف علیہ معرفہ ہو اور معطوف نکرہ ہو یا بالعکس۔ اسی طرح باقی امور میں بھی اتحاد ضروری نہیں ہے مثلاً معطوف علیہ معرب ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ معطوف بھی معرب ہو یا بالعکس اسی طرح معطوف علیہ معرفہ ہو تو معطوف کا معرفہ ہونا ضروری نہیں اسی طرح افراد۔ تثنیہ جمع کو سمجھے کہ انمیں معطوف علیہ اور معطوف کی مطابقت ضروری نہیں۔

قولہ انما قلنا بشرط ان لایکون مایقتضیہا الخ فرمارہے ہیں کہ اس سے پہلے جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے ان احوال میں جو معطوف علیہ کو اپنے ماقبل کے اعتبار سے عارض ہوتے ہیں

تجردہ عن اللام ھو اجتماع اللام وحرف النداء وھو مفقود فی المعطوف واما نحو رب شاۃ وسخلتھا فبتقدیر التنکیر لقصد عدم التعیین ای رب شاۃ وسخلۃ لھا اومحمول علی نکارۃ الضمیر کربہ رجلا علی الشذوذ ای رب شاۃ وسخلۃ شاۃ

---

اس میں شارح نے بشرط ان لایکون مایقتضیہا منتفیا فی المعطوف الخ کی قید لگائی ہے اب اس کا فائدہ بیان کررہے ہیں کہ معطوف کے بارے میں جو یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز معطوف علیہ میں جائز ہے وہ معطوف میں بھی جائز ہے اور جو معطوف علیہ میں منع ہے وہ معطوف میں بھی منع ہے۔ یہ حکم اسوقت ہے کہ جب کہ معطوف علیہ میں جو حکم پایا جاتا ہو اس کا مقتضی معطوف میں منتفی نہ ہو اگر اس حکم کا مقتضی معطوف میں نہ پایا جائے تو پھر معطوف علیہ کا حکم معطوف میں نافذ نہ ہوگا جیساکہ یارجل والحارث کہ اس میں رجل منادی پر الف ولام نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف ندا کا دخول منادی کو معرفہ بنادیتا ہے تو یہ منادی کے لئے آلہ تعریف ہے اگر الف ولام منادی پر داخل ہو تو منادی پر دو آلۂ تعریف کا اجتماع بغیر فصل کے لازم آئے گا لیکن معطوف میں اگر الف ولام داخل کردیں تو یہ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ اس میں دو آلہ تعریف کا اجتماع بغیر فصل کے لازم نہیں آتا حاصل یہ ہے کہ معطوف میں مقتضی یعنی دو آلہ تعریف کا بغیر فصل کے جمع ہوجانا یہ معطوف میں منتفی ہے اس لئے حکم بھی منتفی ہے۔

قولہ واما نحو رب شاۃ الخ یہ اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے ابھی بیان کیا ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور مثال مذکور "رب شاۃ وسخلتہا" میں معطوف علیہ شاۃ نکرہ ہے۔ وسخلتہا جو معطوف ہے وہ معرفہ ہے تو پھر دونوں کا حکم ایک کہاں ہوا۔ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہاں جس طرح شاۃ معطوف علیہ نکرہ ہے اس کا معطوف وسخلتہا بھی نکرہ کی تاویل میں ہے کیونکہ اس میں اضافت جو ضمیر کی طرف ہے وہ عہد ذہنی کے حکم میں ہے اس سے کوئی معین سخلہ مراد نہیں ہے (سخلہ بکری کے بچہ کو کہتے ہیں) اس کی اصل عبارت سخلۃ لہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت کے اعتبار سے تو یہ ترکیب اضافی ہے لیکن حقیقت میں یہ موصوف اور صفت ہے سخلۃ موصوف ہے لہا کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت ہے۔ تو جب اس میں اضافت نہیں پائی گئی تو معرفہ کیسے ہوگا معرفہ تو جب ہوتا کہ اس کی اضافت معرفہ کی طرف ہوتی یہاں اضافت ہی نہیں ہورہی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سخلہ کی اضافت تو ہو رہی ہے گر مضاف الیہ یعنی ضمیر ہا وہ مطلق شاۃ کی طرف راجع ہے اس شاۃ کی طرف راجع نہیں جو رُبَّ کا مدخول ہے۔ اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ سخلۃ کے بعد شاۃ نکرہ لائے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ کا اعادہ جب نکرہ کے ساتھ کیا جاتا ہے تو غیر اول مراد ہوتا ہے۔ اگر شاۃ سے رُبَّ کا مدخول مراد ہوتا تو سخلہ کے بعد الشاۃ معرفہ لایا جاتا۔

دونوں جواب کا حاصل یہ ہے کہ شاۃ معطوف علیہ کی طرح سخلہ بھی نکرہ ہے خواہ تاویل کچھ بھی کی جائے لہذا

وکذا المعطوف فی حکم المعطوف علیه فی احوال عارضة له بالنظر الی نفسه وغیره ان کان المعطوف مثل المعطوف علیه فلذا وجب بناءُ المعطوف فی نحو یا زید وعمرو ولان ضم زید بالنظر الی حرف النداء والی کونه مفردا معرفة فی نفسه و عمرو مثل زید فی کونه مفردًا معرفة وامتنع بناؤه فی یا زید وعبد الله فان عبد الله لیس مثل زید فان زیدا مفردا معرفة وعبد الله مضاف ومِنْ ثمّ ای ومن اجل ان المعطوف فی حکم المعطوف علیه فیما یجوز ویمتنع لم یجز فی ترکیب ما زیدٌ بقائم او قائما ولا ذاهب عمرو الا الرفع فی ذاهب اذ لو نصب او خفض لکان معطوفا علی قائم او قائما فیکون خبرًا عن زید وهو ممتنع لخلوه عن الضمیر الواقع فی

---

قاعدہ مذکورہ المعطوف فی حکم المعطوف علیہ پر مثال مذکور رب شاۃ وسخلتہا سے نقض نہیں وارد ہوتا۔

قولہ وکذا المعطوف فی حکم المعطوف علیه الخ اس سے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ان احوال میں ہوتا ہے جو معطوف علیہ کو اپنے ماقبل کے اعتبار سے پیش آتے ہیں۔ اب فرمارہے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معطوف علیہ کو جو احوال خود اس کی ذات کے اعتبار سے پیش آتے ہیں ان میں بھی معطوف شریک ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ احوال معطوف میں بھی پائے جاتے ہوں۔ اس کی توضیح کے لئے مصنف رح نے یا زید وعمرو اور یا زید وعبداللہ دو مثالیں بیان کی ہیں پہلی مثال میں زید مفرد معرفہ ہے اور قاعدہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے علامت رفع پر اور یہ بات جس طرح زید منادی میں پائی جاتی ہے جو معطوف علیہ ہے اسی طرح اس کے معطوف عمرو میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ یہ بھی مفرد اور معرفہ ہے لہذا زید کی طرح یہ بھی علامت رفع پر مبنی ہوگا اور یا زید وعبداللہ میں عبداللہ معطوف مفرد معرفہ نہیں ہے اس لئے وہ علامت رفع پر مبنی نہ ہوگا۔

قولہ ومن ثم الخ اس سے پہلے بیان کیا تھا المعطوف فی حکم المعطوف علیہ اس پر تفریع کر رہے ہیں کہ اس قاعدہ کی بنیاد پر ما زید بقائم او قائما ولا ذاهب عمرو میں ذاہب میں صرف رفع جائز ہے کیونکہ اگر نصب پڑھا جائے تو قائما پر عطف ہوگا اور جر پڑھا جائے تو بقائم میں جو قائم ہے اس پر عطف ہوگا اور ذاہب کا عطف قائم۔۔۔ یا قائما پر صحیح نہیں اس واسطے کہ ما زید بقائم پڑھا جائے یا ما زید قائما پڑھا جائے دونوں صورتوں میں ان کے اندر ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور ذاہب کا عطف ان دونوں میں سے کسی ایک پر کیا جاتا ہے تو ذاہب میں بھی ضمیر ہونی چاہئے جو زید کی طرف راجع ہو اور یہاں ذاہب میں ضمیر نہیں کیونکہ اس کا فاعل عمرو اس کے بعد آرہا ہے لہذا ضمیر کی کیا ضرورت۔ اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ذاہب کا تعلق اپنے ماقبل بقائم اور قائما سے نہیں ہے اس لئے ترکیب میں ذاہب یا تو خبر مقدم اور عمرو مبتدا مؤخر ہے۔ اس صورت میں جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا اور یا ذاہب مبتداء کی دوسری قسم اور عمرو اس کی

المعطوف علیه العائد الی اسم ما نتعین الرفع علی ان یکون مقدما علی المبتدا او وهو عمرو و یکون من قبیل عطف الجملة علی الجملة ولا مانع منه ربما کان لقائل ان یقول هذه القاعدة منتقضه بقولهم الذی یطیر فیغضب زید الذباب فان یطیر فیه ضمیر یعود الی الموصول ویغضب المعطوف علیه لیس فیه ذلك الضمیر فاجاب عنه بقوله وانما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب لانها ای الفاء فی هذا الترکیب فاء السببیة ای فاء لها نسبة الی السببیة بان یکون معناها السببیة لا العطف فلا یرد نقضا علی تلك القاعدة او یکون معناها السببیة مع العطف لکنها تجعل الجملتین کجملة واحدة

---

خبر قائم مقام فاعل ہے۔

قولہ وانما جاز الذی یطیر الخ اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ آپ نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ المعطوف فی حکم المعطوف علیہ۔ یعنی معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور الذی یطیر فیغضب زید الذباب میں یغضب کا عطف یطیر پر ہو رہا ہے اور یطیر میں ضمیر ہے جو الذی اسم موصول کیطرف راجع ہے اور یغضب میں ضمیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا فاعل زید اسم ظاہر ہے تو ضمیر کی کیا ضرورت۔ تو جب عطف صحیح نہ ہوا تو یہ ترکیب جائز نہ ہونی چاہیئے حالانکہ سب اس کو جائز کہتے ہیں۔ اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ فیغضب میں فاء عاطفہ نہیں ہے بلکہ سببیت کے لئے ہے تو جب یہ فاء عاطفہ نہیں تو معطوف میں ضمیر نہ پائی جائے تو کیا حرج ہے ربط کے لئے سببیت کافی ہے۔ بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اس ترکیب میں فاء عطف اور سبب دونوں کے لئے ہے اور سبب اور اسکے مسبب کے درمیان ربط ہوتا ہے اس لئے ضمیر کی ضرورت نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ فاء عاطفہ ہے اور (اس) میں ضمیر محذوف ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ”الذی یطیر فیغضب بطیرانہ زیدن الذباب“ اس میں بطیرانہ میں ضمیر ہے جس کی وجہ سے ماقبل سے ربط حاصل ہوگیا۔

قولہ ای فاء لہا نسبۃ الخ اس سے اشارہ کیا ہے کہ سببیت میں یا نسبت کے لئے

قولہ اویکون معناها السببیۃ مع العطف الخ اس سے پہلے اعتراض مذکور کا یہ جواب دیا تھا کہ فاء عطف کے لئے نہیں ہے بلکہ سببیت کے لئے ہے تو جب فاء عطف کے لئے نہیں ہے تو اس کا مابعد ماقبل پر عطف نہ ہوگا۔ تو جب فاء کا ماقبل اور مابعد معطوف علیہ اور معطوف نہ ہوئے تو پھر یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ معطوف علیہ یعنی یطیر میں ضمیر ہے اور معطوف یعنی یغضب میں ضمیر نہیں ہے۔ یہ سوال تو اس وقت ہوتا جب فاء عاطفہ ہوتی یہاں تو سبب کے لئے ہے اور سبب اور مسبب میں باہم ربط ہوتا ہی ہے۔ اب اس عبارت سے ایک اور جواب دے رہے ہیں کہ فاء عطف کے ساتھ سببیت کے لئے بھی ہے یعنی فاء عاطفہ ہے اور سبب کے لئے بھی ہے لیکن فاء کے ماقبل اور مابعد والے جملوں کو ایک کر لیا ہے تو جب یہ دونوں جملے ایک ہو گئے تو

فیکتفی بالربط فی الاولیٰ والمعنی الذی اذا یطیر فیغضب زید الذباب اویفهم منها سببیة الاولیٰ للثانیة فالمعنی الذی یطیر فیغضب زید بسببة الذباب ویمکن ان یقدر فیہ ضمیر ای الذی یطیر فیغضب زید بطیرانہ الذباب واذا عطف ای اذا اوقع العطف بناء علیٰ وجود عاملین بان عطف اسمان علیٰ معمولیھما بعاطف واحد وقال بعض شارح اللباب الاظھر عندی ان العطف

---

شروع والے جملہ یعنی یطیر میں جو ضمیر ہے وہی ربط کے لئے کافی ہے ہر ہر جملہ میں ربط کی کیا ضرورت ہے۔

قولہ اویفھم منھا سببیة الاولیٰ للثانیة الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ فا صرف عطف کے لئے ہے لیکن اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ثانی جملہ یعنی فا رکا مابعد ماقبل کے لئے سبب ہے اس صورت میں عبارت کے معنی یہ ہونگے کہ وہ چیز جو اُڑتی ہے اور اس کے سبب سے زید غصہ ہوتا ہے وہ مکھی ہے۔

قولہ ویمکن ان یقدر الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ فا صرف عطف کے لئے ہے سببیت کے لئے نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں معطوف علیہ کے اندر تو ضمیر ہوگی جس کی وجہ سے ماقبل سے ربط ہو جائے گا اور معطوف میں ضمیر نہ ہوگی تو پھر ربط کیسے پیدا ہوگا۔ نیز المعطوف فی حکم المعطوف علیہ کا قاعدہ بھی مجروح ہو جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر اس صورت میں مقدر ہوگی اس کی توضیح پہلے ہو چکی ہے۔

قولہ۔ واذا عطف علیٰ عاملین مختلفین الخ اس عبارت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے پہلے اسکو معلوم کیجئے تاکہ یہ تو معلوم ہو جائے کہ اصل مسئلہ کیا ہے اس کے بعد حسب بیان شارح اس کی شرح کی جائے گی اور فراء اور سیبویہ کے اختلاف اور محل اختلاف کو واضح کیا جائے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ دو مختلف عاملوں کے دو مختلف معمولوں پر اگر دو اسموں کا عطف ایک حرف عطف کے ذریعہ کیا جائے تو جمہور کے نزدیک ایسا عطف جائز نہیں ہے کیونکہ ایک حرف عطف اپنے ضعف کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کے قائمقام نہیں ہو سکتا۔ یہ جمہور کا مسلک ہے اس میں فراء اور سیبویہ کا جو اختلاف ہے اسکی شرح کا کچھ انتظار کیجئے اور اس عبارت کی شارح نے جو شرح کی ہے پہلے اس کو ملاحظہ کیجئے۔

قولہ اذا اوقع العطف الخ مصنف کی عبارت اذا عُطِفَ پر اعتراض ہوتا تھا اس کا جواب ہے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مصنف کی عبارت اذا عطف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عطف کر دیا گیا ہے تو جب عطف کر دیا گیا ہے تو اسکے بارے میں یہ کہنا کہ یہ ناجائز ہے صحیح نہیں وقوع کے بعد ناجائز ہونیکا کیا مطلب۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ جزاء یعنی لم یجز کا ترتب شرط یعنی اذا عطف پر صحیح نہیں شارح نے اذا اوقع العطف لاکر بتایا کہ ابھی عطف نہیں کیا گیا بلکہ عطف کا ارادہ کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لم یجز کا ترتب عطف پر نہیں ارادہ عطف پر ہے لہٰذا اشکال وارد نہ ہوگا۔

قولہ بناء علیٰ وجود عاملین الخ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مصنف کی عبارت اذا عطف علیٰ

ههنا محمول علیٰ معناه اللغوی ای امالة الاسمین نحو العاملین بان یجعلا معمولیهما واکثر الشارحین علیٰ ان المعنی علیٰ معمولی عاملین وانما قال علی معمولی عاملین لاعلیٰ معمولی عامل واحد فانه جائز اتفاقا نحو ضرب زید عمراً وعمرو خالداً ولا اکثر من اثنین فانه لاخلاف فی امتناعه مختلفین ای غیر متحدین بان لایکون الثانی عین الاول وذلک لدفع وهم من یتوهم ان مثل ضرب

---

عاملین الخ صحیح نہیں اسواسطے کہ عطف عاملین پر نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں کے دومعمولوں پر عطف ہوتا ہے شارح نے اس کے تین جواب دیے ہیں (۱) ہہنا سے اس کا جواب ہے حاصل یہ ہے کہ علی عاملین، اذا عطف کے متعلق نہیں بلکہ بناءً کے متعلق ہے اور بناء عُطِفَ فعل مجہول کا مفعول لہ ہے۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ دوعاملوں کے وجود کی بنا پر عطف کیا جائے کس پر کیا جائے یہ اس عبارت سے نہیں معلوم ہوتا۔ (۲) دوسرا جواب وقال بعض شارحی اللباب سے دیا ہے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ عطف کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں۔ لغت میں عطف کے معنی امالہ کے ہیں یعنی مائل کرنا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دو اسموں کو دوعاملوں کی طرف مائل کیا جائے اور مائل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان دو اسموں کو دو عاملوں کا معمول بنایا جائے جس طرح اس سے پہلے دو معمول ہیں۔ (۳) تیسرا جواب واکثر الشارحین سے دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں عاملین سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ اصل عبارت یہ ہے علی معمولی عاملین مختلفین جس کا حاصل یہ ہے کہ دو اسموں کا عطف دو مختلف عاملوں کے دومعمولوں پر کیا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ دو عاملوں پر عطف کیا جائے اس تاویل کے بعد اشکال وارد ہونے کی کوئی شکل نہیں۔

قولہ وانما قال علی معمولی عاملین الخ مصنف کی اصل عبارت تو اذا عطف علی عاملین الخ ہے لیکن تاویل کے بعد علی معمولی عاملین مختلفین ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ دو مختلف عاملوں کے دومعمولوں پر عطف کا بیان کیا جارہا ہے شارح بیان کررہے ہیں کہ دوعاملوں کے دومعمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کرنا صحیح نہیں لیکن اگر ایک عامل کے دومعمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ جائز ہے جیسے ضرب زیدٌ عمراً وعمروٌ خالداً اس میں ضرب عامل ہے اور اس کے دو معمول ہیں ایک زید ہے جو فاعل ہے اور دوسرا عمرو ہے جو مفعول ہے ان دونوں معمولوں پر عمرو اور خالدا کا عطف ہے۔ عمرو کا عطف زید فاعل پر اور خالداً کا عطف عمراً مفعول پر ہے اور یہ عطف صحیح ہے اسکی صحت پر سب نحویوں کا اتفاق ہے۔

قولہ ولا اکثر من اثنین الخ مطلب یہ ہے کہ دو سے زاید عاملوں کے معمولوں پر ایک حرف کے ذریعے عطف کرنا سب کے نزدیک ممنوع ہے حاصل یہ ہے کہ ایک عامل کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعے عطف کرنا سب کے نزدیک صحیح ہے اور دو سے زاید عاملوں کے معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کرنا کسی کے نزدیک صحیح نہیں ــــــــــــــــــــــــــــــ

ـــ اور دو عاملوں کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کرنا اسمیں اختلاف ہے جسکی تفصیل ابھی آپکے سامنے آجائے گی۔

قولہ مختلفین ای غیر متحدین الخ مختلفین کی قید کا فائدہ بیان کررہے ہیں کہ دو مختلف یعنی عاملوں کے دومعمولوں پر ایک حرف عطف

ضرب زیدٌ عمرًا بکرًا خالدًا من ھٰذا الباب مع انہ لیس منہ لعدم تعدد العامل فیہ اذ العامل ھو الاول والثانی تاکید لہ وذلک العطف کما وقع فی قولھم ما کل سوداء تمرۃ وبیضاء شحمۃ وفی قول الشاعر شعر اکل امرئ تحسبین امرًا ؛ ونار توقد باللیل نارًا۔ فھذا وان کان بحسب الظاھر جائزًا لکنہ لم یجز عند الجمھور بحسب الحقیقۃ لان الحرف الواحد لم یصح ان یقوم مقام عاملین مختلفین خلافا للفراء فانہ یجوز ھذا العطف بحسب الحقیقۃ

---

کے ذریعے عطف کرنا صحیح نہیں لیکن اگر لفظ کے اعتبار سے دو عامل ہوں اور معنی دونوں کے متحد ہوں تو ایسے دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف صحیح ہے جیسے ضرب ضرب زیدٌ عمرًا وبکرٌ خالدًا۔ اس میں ضرب ضرب لفظ کے اعتبار سے دو عامل ہیں لیکن معنی دونوں متحد ہیں اس لئے ان کے دو معمولوں پر یعنی زید اور عمرو پر دو اسموں یعنی بکر اور خالد کا عطف ہو رہا ہے اور یہ عطف صحیح ہے

قولہ وذلک العطف کما وقع الخ اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کرنا صحیح نہیں ہے۔ شارح اس عطف ناجائز کی مثال بیان کر رہے ہیں کہ "ما کل سوداء تمرۃ وبیضاء شحمۃ" اس میں لفظ ما نافیہ ہے مشابہ بلیس ہے اور کل سوداء مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ما کا اسم ہے اور تمرۃ ما کی خبر ہے۔ اس مثال میں ما عامل اول ہے اور لفظ کل ما کا تو معمول ہے یعنی اس کا اسم ہے اور یہی کل سوداء کے لئے عامل ہے کیونکہ سوداء کل کا مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کا عامل مضاف ہوتا ہے اور تمرۃ ما کا دوسرا معمول ہے یعنی اس کی خبر ہے اور بیضاء کا عطف سوداء پر ہے جو کل کا معمول ہے اور شحمۃ کا عطف تمرۃ پر ہے جو ما کا معمول ہے تو اس میں دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دوسرے دو اسموں کا عطف کیا جا رہا ہے اس لئے جمہور اس کو حقیقۃً ناجائز کہتے ہیں اگرچہ صورتاً جائز ہے کیونکہ ایک حرفِ عطف دو عاملوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جیسا کہ ماقبل میں اسکا بیان ہو چکا ہے۔

قولہ خلافاً للفراء الخ جمہور کا مسلک معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ ایسے عطف کو حقیقۃً ناجائز کہتے ہیں۔ فراء ایسے عطف کو صورۃً اور حقیقۃً دونوں اعتبار سے جائز کہتے ہیں اور امثلہ مذکورہ میں وہ تاویل نہیں کرتے اور نہ مورد سماع پر اقتصار کرتے ہیں بلکہ ہر جگہ جائز سمجھتے ہیں جمہور کے نزدیک ایسی مثالیں مورد سماع پر مقتصر رہتی ہیں ان پر قیاس کرکے دوسری جگہ ایسے عطف کو صحیح نہ کہا جائے گا پھر اس کی تاویل کی جائے گی یعنی ہر ایک اسم کا عامل علیحدہ علیحدہ مانا جائے گا مثلاً مثال مذکورہ میں ما کل سوداء تمرۃ الخ میں تقدیر عبارت یہ ہے ما کل سوداء تمرۃ وما کل بیضاء شحمۃ۔ ہر کالی چیز کھجور نہیں ہوتی اور ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی۔ اس میں ـــ معطوف علیہ کی جانب میں دو عامل ہیں اور معطوف کی جانب میں بھی دو اسموں کے عامل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ دوسری مثال ؏ اکل امرئ تحسبین امرأ

کما جاز بحسب الصورة ولا یؤول الامثلة الواردة علیها ولا یقتصر علی صورة السماع بل یعمها وغیرها وعدم جواز ذلك العطف مع خلاف الفراء جارٍ فی جمیع المواد عند الجمهور الا فی نحو فی الدار زیدٌ والحُجرة عمرٌو وان فی الدار زیدًا والحجرة عمرًا یعنی الا فی صورة تقدیم المجرور وتاخیر المرفوع او المنصوب لمجیئہ فی کلامہم واقتصر الجواز علی صورة السماع لان ماخالف القیاس یقتصر علی مورد السماع

دنار توقدُ باللیل نارًا ؛ اس میں امرأ کل کا معمول یعنی اس کا مضاف الیہ ہے اس لئے اس میں کل عامل ہے اور امرأ تحسبین کا مفعول ہے اس لئے اس میں تحسبین عامل ہے۔ دوسرے مصرعہ میں نارٍ کا عطف امرأ پر ہے جو کل کا معمول ہے اور دوسرے نارًا کا عطف امرًا پر ہے جو تحسبین کا معمول یعنی اس کا مفعول ہے۔ اس مثال میں بھی جو عطف پایا جاتا ہے جمہور کے نزدیک ناجائز ہے اور فراء کے نزدیک بغیر تاویل کے جائز ہے جمہور یہاں بھی تاویل کریں گے اور ہر ایک معمول کا عامل مقدر مانیں گے چنانچہ پہلے نارٍ کا عامل کل مقدر مانیں گے اور ثانی نارًا کا عامل تحسبین مقدر مانیں گے یا مورد سماع پر اس کو مقتصر رکھیں گے اس پر قیاس کر کے اس طرح کی دوسری ترکیبوں کو جائز نہ کہیں گے۔

قولہ الا فی نحو فی الدار زید والحجرة عمرو الخ اس سے پہلے جمہور کا یہ مسلک بیان کیا گیا ہے کہ فراء کے علاوہ تمام نحاۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف ایک حرفِ عطف کے ذریعہ ناجائز ہے اس قاعدے سے فی الدار زید والحجرة عمرو جیسی مثال کو مستثنیٰ کر رہے ہیں اس سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں معطوف علیہ مجرور ہو اور اس کا مابعد مرفوع یا منصوب ہو اسی طرح معطوف کی جانب میں معطوف مجرور ہو اور اس کا مابعد مرفوع یا منصوب ہو جیسا کہ مثال مذکور میں الدار مجرور ہے اور اس کے بعد زید مبتداء مؤخر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور معطوف کی جانب میں الحجرة مجرور ہے جس کا عطف دار پر ہے اور عمرو مرفوع ہے جس کا عطف زید پر ہے اس مثال میں معطوف علیہ اور معطوف مجرور ہے اور مقدم ہے۔ اور انّ فی الدار زیدًا والحجرة عمرًا میں معطوف علیہ اور معطوف مجرور ہے اور مقدم ہے اور دونوں کے بعد والا اسم منصوب ہے بہرحال اس جیسی مثال میں دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف ایک حرفِ عطف کے ذریعہ صحیح ہے اور وجہ جواز یہ ہے کہ ایسی مثالیں کلام عرب میں پائی جاتی ہیں مگر ایسی مثالوں کا جواز موردِ سماع پر منحصر رہے گا۔ اس پر قیاس کر کے دوسری جگہ اس کو جائز نہ کہا جائے گا۔

خلافا لسيبويه فانه لايجوز هذا العطف بحسب الحقيقة فی هذه الصورة ايضا بل يحملها علی حذف المضاف وابقاء المضاف اليه علی اعرابه نحو تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ، بجر الآخرة كما جاء فی بعض القرأة اے عرض الْاٰخِرَةِ التاكيد تابع يقرر امرا لمتبوع ای حاله وشانه عند السامع يعنی يجعل حاله ثابتا مقررا عنده فی النسبة ای فی كونه منسوبا اومنسوبا اليه

قولہ خلافا لسيبويه الخ سیبویہ کا مسلک یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ کہ دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف ایک حرف عطف کے ذریعہ نا جائز ہے یہ قاعدہ مطرد ہے اس سے کوئی ترکیب مستثنیٰ نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک فی الدار زید والحجرۃ عمرو جیسی مثال بھی مستثنیٰ نہ ہوگی بلکہ یہ بھی ناجائز ہوگی جہاں کہیں ایسی مثال پائی جائے گی وہ اس میں تاویل کریں گے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایسی ترکیب میں معطوف کی جانب عامل محذوف مانا جائیگا چنانچہ مثال مذکور میں وہ الحجرۃ معطوف سے پہلے فی حرف جار محذوف مانتے ہیں ان کے نزدیک اصل عبارت اس طرح ہے فی الدار زید د فی الحجرۃ عمرو اس میں جملہ کا عطف جملہ پر ہے اور یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ اسی طرح ما کل سوداء تمرۃ وبیضاء شحمۃ میں بیضاء سے پہلے لفظ کل مضاف محذوف ہے جیسا کہ " تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ میں الآخرۃ سے پہلے عرض کا لفظ محذوف ہے۔ بعض قرأت میں تو لفظوں میں موجود ہے۔

قولہ التاكيد تابع الخ تیسرا تابع تاکید ہے اس کی تعریف یہ ہے تاکید امر کا تابع ہے جو متبوع کے حال کو نسبت میں یا شمول میں ثابت کرتا ہے۔ نسبت میں ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کو منسوب قرار دیا گیا ہے واقعی وہ منسوب ہے یا جس کو منسوب الیہ قرار دیا گیا ہے واقعی وہ منسوب الیہ ہے شمول میں ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حکم واقعی تمام افراد کو شامل ہے ایسا نہیں ہے کہ حکم بعض افراد کو شامل ہو اور مجازاً تمام افراد کی طرف نسبت کردی گئی ہو۔ یہ اجمالی تعریف ہے تفصیل حسب بیانِ شارح ابھی آپ کے سامنے آرہی ہے۔

قولہ ای حاله وشانه عند السامع الخ امر المتبوع کی تفسیر حال اور شان کے ساتھ کرکے یہ بتایا کہ امر کے مشہور معنی یعنی حکم یہاں مراد نہیں بلکہ اس سے مراد متبوع کا حال ہے عند السامع کا لفظ لاکر یہ بتایا کہ تاکید کا مقصد یہ ہے کہ متبوع کی حالت سامع کے نزدیک اچھی طرح ثابت ہوجائے متکلم کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

قولہ ای فی كونه منسوبا اومنسوبا اليه الخ اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ تاکید کی تعریف میں فی النسبۃ سے مراد منسوب اور منسوب الیہ ہے یعنی تاکید کا فائدہ یہ ہے کہ جس کو منسوب کہا گیا ہے واقعی وہی منسوب ہے

فیثبت عندہ ویتحقق ان المنسوب او المنسوب الیہ فی ھذہ النسبۃ ھو المتبوع لا غیر وذلک اما لدفع ضرر الغفلۃ عن السامع او لدفع ظنہ بالمتکلم الغلط وذلک الدفع یکون بتکریر اللفظ نحو ضرب زید زید او ضرب ضرب زید اولدفع ظن السامع بہ تجوزًا امافی المنسوب نحو قولک زید قتیل قتیل دفعًا لتوھم السامع ان یرید بالقتل الضرب الشدید فیجب حینئذٍ ایضًا تکریر اللفظ حتی لایبقی شک فی ارادۃ المعنی الحقیقی او فی

---

اور جس کو منسوب الیہ کہا گیا ہے واقعی وہی منسوب الیہ ہے۔

قولہ اما لدفع ضرر الغفلۃ الخ تاکید کا فائدہ بیان کررہے ہیں۔ تاکید کا ایک فائدہ یہ ہے کہ سامع کے بارے میں جو غفلت کا اندیشہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس نے متکلم کی بات نہ سنی ہو، تاکید کے بعد اس کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامع کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ متکلم نے غلطی کی ہے جس کو منسوب اور منسوب الیہ قرار دیا ہے حقیقت کے اعتبار سے وہ منسوب اور منسوب الیہ نہیں ہے تاکید سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے کہ ایسا نہیں جیسا تم نے گمان کرلیا ہے متکلم نے جسکو منسوب قرار دیا ہے واقعی وہی منسوب ہے اور جس کو منسوب الیہ قرار دیا ہے واقعی وہی منسوب الیہ ہے۔

ان دونوں قسم کے گمان کا دفعیہ تاکید کے ذریعہ اس طرح کیا جاتا ہے کیا توصرف منسوب کا لفظ مکرر لایا جائے جیسے ضرب ضرب زید، یا منسوب الیہ کا لفظ مکرر لایا جائے۔ جیسے ضرب زید زیدٌ۔ یا دونوں کو مکرر لایا جائے جیسے ضرب ضرب زید زید، حاصل یہ ہے کہ اگر منسوب میں غلطی کا گمان ہے تو صرف منسوب کا لفظ مکرر لایا جائے گا اور اگر منسوب الیہ میں غلطی کا گمان ہے تو لفظ منسوب الیہ کو مکرر لایا جائے گا، اگر دونوں میں غلطی کا گمان ہے تو دونوں کا لفظ مکرر لایا جائیگا، اسی طرح تکرار سے سامع کے ذہن میں جو متکلم کے بارے میں غلطی کا گمان ہے وہ دور ہو جائیگا اور سامع کے بارے میں جو غفلت کا گمان ہے وہ بھی دور ہو جائے گا، کیونکہ تاکید کے بعد غفلت نہ رہے گی۔

اسی طرح اگر سامع کے ذہن میں یہ بات ہے کہ متکلم نے اپنے کلام میں مجاز کا استعمال کیا ہے یعنی جسکو منسوب یا منسوب الیہ قرار دیا ہے وہ مجازًا منسوب یا منسوب الیہ ہے تکرار کی وجہ سے مجاز کا وہم بھی دور ہو جائے گا مثلاً زید کو واقعی قتل کردیا گیا ہو اس وقت اگر متکلم زید قتیل کہے تو سامع کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ زید کو قتل نہ کیا گیا ہو بلکہ زیادہ ضرب آجانے کی وجہ سے بجائے مضروبٌ کے قتیلٌ کہدیا گیا ہے لیکن جب قتیل کو مکرر لایا گیا اور "زید قتیل قتیل" کہا گیا ہے تو سامع اپنے گمان سے رجوع کریگا اور سمجھ لے گا کہ میرا گمان غلط تھا متکلم نے جو بات کہی ہے کہ زید مار ڈالا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ اسی طرح اگر متکلم ضرب خالدٌ کہتا تو سامع وہم کرسکتا تھا کہ خالد اتنا بڑا شخص جو ہر وقت مشغول رہتا ہو وہ زید کو مارنے کے لئے کہاں سے وقت نکال سکتا ہے اس کے ملازم یا کسی دوسرے نوکر نے یہ کام کیا ہوگا اور اس کی نسبت خالد کی طرف کردی جیسا کہ قطع الامیر اللص

المنسوب الیہ فانہ ربما نسب الفعل الی شئ والمراد نسبۃ الی بعض متعلقاتہ کما فی قطع الامیر اللص ای قطع غلامہ فیجب حینئذٍ تکریر المنسوب الیہ لفظا نحو ضرب زید زید ای ضرب ھٰؤلاء من یقوم مقامہ او تکریرہ معنی نحو ضرب زید نفسہ او عینہ اوفی الشمول ای التاکید مایقرر امر المتبوع فی النسبۃ بالتفصیل الذی ذکرناہ اوفی شمول المتبوع افرادہ دفعا لظن السامع تجوزا لافی نفس المنسوب الیہ بل فی شمولہ لافرادہ فانہ کثیرًا ماینسب الفعل الی جمیع افراد المنسوب الیہ مع انہ یرید النسبۃ الی بعضہا فیندفع ھذا الوہم بذکر کل واجمع واخواتہ وکلاھما

---

میں ہے کہ چور کا ہاتھ امیر کا کوئی غلام یا نوکر کاٹتا ہے اور اس کی نسبت امیر کی طرف کردی جاتی ہے لیکن جب منسوب الیہ کا لفظ مکرر لاکر ضرب خالد خالدٌ کہا جائے تو سامع کا یہ وہم دور ہو جائے گا اور کہے گا کہ میں غلطی پر تھا ضرب کی نسبت جو خالد کی طرف کی گئی وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ منسوب الیہ کے بارے میں مجاز کا وہم دور کرنے کے لئے جس طرح منسوب الیہ کا لفظ مکرر لانا مفید ہے جس کو تاکید لفظی کہتے ہیں اسی طرح تاکید معنوی سے بھی یہ وہم دور کیا جاتا ہے مثلاً ضرب زید میں اگر سامع کو یہ وہم ہو کہ زید کہاں یہ کام کرنے آئے گا تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے جس طرح ضرب زیدٌ زیدٌ کہنا صحیح ہے اسی طرح ضرب زید نفسہ یا عینہ بھی مفید ہے یعنی تاکید لفظی اور معنوی دونوں سے اس وہم کو دور کیا جاسکتا ہے۔

**قولہ اوفی الشمول الخ** اس کا عطف فی النسبۃ پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کے حال کو شمول میں ثابت کرے یعنی تاکید سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ متبوع کا حکم اس کے تمام افراد کو شامل ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حکم بعض افراد کو شامل ہوتا ہے اور نسبت تمام افراد کی طرف مجازًا کردی جاتی ہے۔ تاکید سے یہ فائدہ ہوگا کہ مجاز کا وہم دور ہو جائے گا اور سامع کے دل میں جو متکلم کے بارے میں وہم ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے یہاں بھی متکلم نے مجاز کا یہ طریقہ استعمال کیا ہو کہ حکم تو بعض افراد کے لئے ثابت ہو اور نسبت تمام افراد کی طرف کردی ہو۔ تاکید سے یہ وہم دور ہو جائے گا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ واقعی حکم تمام افراد کو شامل ہے۔

اس وہم کا دفعیہ کل۔ اجمع۔ اکتع۔ ابتع۔ ابصع۔ کلاہما۔ ثلثتہم۔ اربعتہم اور ان کے علاوہ جتنے تاکید کے الفاظ ہیں سب ہی سے ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تاکید کا کام متبوع کی تقریر اور اثبات ہے خواہ نسبت میں ہو یا شمول میں۔ ان دونوں صورتوں کی تفصیل گذر چکی ہے۔

وثلاثتہم وار بعتہم ونحوھا ونحوھا فھذا ھو الغرض من جمیع الفاظ التاکید واذا عرفت ھذا فنقول اخرج المص الصفۃ والعطف والبدل عن حد التاکید بقولہ یقرر امر المتبوع اما البدل والعطف فظاھر خروجھما بہ واما الصفۃ فلان وضعھا للدلالۃ علیٰ معنیً فی متبوعھا وافادتھا توضیح متبوعھا فی بعض المواضع لیست بالوضع واما عطف البیان وھو لتوضیح متبوعہ فھو یقرر امر متبوعہ ویحققہ لکن لا فی النسبۃ والشمول ھذا حاصل ما ذکرہ المص فی شرحہ

---

ایک طالب علم کو یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ تاکید معنوی کے آٹھ الفاظ اب تک سنتے رہے ہیں لیکن ثلثتہم۔ اربعتہم کے نئے الفاظ دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ آٹھ میں انحصار صحیح نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ اجمع کے معنی میں ہے لہٰذا آٹھ کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

قولہ واذا عرفت ھذا الخ تاکید کی تعریف اور غرض کے بعد شارح فوائد قیود کی طرف توجہ مبذول فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ تاکید کی تعریف میں لفظ تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور "یقرر امر المتبوع" سے صفت، عطف، بدل، تاکید کی تعریف سے خارج ہوگئے۔

عطف میں متبوع کی تقریر نہیں ہوتی بلکہ عطف اس لئے ہوتا ہے کہ معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک کردے۔

بدل میں مبدل منہ یعنی متبوع سے بالاستقلال کوئی بحث نہیں ہوتی بلکہ ضمناً ہوتی ہے۔ تو اگر بدل سے مبدل منہ یعنی متبوع کی تقریر حاصل بھی ہوگی تو ضمناً ہوگا بدل کا مقصود اصلی یہ نہیں ہے اور تاکید کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ متبوع کے حال کی تقریر ہو اور اس کو اچھی طرح ثابت کیا جائے۔ صفت کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی وضع متبوع کے معنی پر دلالت کرنے کے لئے ہے متبوع کے امر کو ثابت کرنے کے لئے نہیں

ایک شبہ ہوتا ہے کہ صفت کبھی تخصیص اور توضیح کے لئے آتی ہے اور توضیح ہو یا تخصیص دونوں سے متبوع کے حال کی تقریر ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صفت کی وجہ سے متبوع کے امر کی جو تقریر کبھی تخصیص یا توضیح کے ضمن میں ہوجاتی ہے یہ صفت کی اصل وضع کے اعتبار سے نہیں بلکہ ضمنی ہے اور تاکید کی تو وضع ہی اس لئے ہے کہ وہ متبوع کے امر کو ثابت کرے شارح نے "وافادتھا توضیح متبوعھا" سے اسی کو بیان کیا ہے۔

قولہ واما عطف البیان الخ اس سے پہلے تابع کی تین قسموں کو تاکید کی تعریف سے خارج کیا ہے اب عطف بیان کے خارج ہونے کو بیان کر رہے ہے کہ عطف میں اتنی بات تو ہے کہ وہ متبوع کے امر کی تقریر کرتا ہے لیکن نسبت اور شمول میں نہیں بلکہ متبوع کی ذات کو محقق اور اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

وھو ای التاکید لفظیٌ اے منسوب الی اللفظ لحصولہ من تکریر اللفظ ومعنویٌ ای منسوب الی المعنی لحصولہ من ملاحظۃ المعنی فاللفظی منہ تکریر اللفظ الاول ای مکرر اللفظ الاول ومعادہ حقیقۃ نحو جاءنی زیدٌ زیدٌ اوحکما نحو ضربت انت وضربت انا فان ذلک فی حکم تکریر اللفظ وان کان مخالفًا للاول لفظا اذ الضرورۃ

---

قولہ وھو ای التاکید لفظی ومعنوی الخ تاکید کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم کر رہے ہیں۔ تاکید کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی۔ تاکید لفظی لفظ اول کے تکرار سے حاصل ہوتی ہے اسلئے اس کو تاکید لفظی کہتے ہیں اور تاکید معنوی میں معنی کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کو تاکید معنوی کہتے ہیں۔

قولہ ای مکرر اللفظ شارح نے "تکریر اللفظ الاول" کی تفسیر "ای مکرر اللفظ" سے کی ہے اس میں اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ مصنف رح نے تاکید لفظی کی تعریف تکریر اللفظ الاول کیساتھ کی ہے اور تاکید تابع ہے جیسے جاءنی زید زید میں زید ثانی اور یہ ذات ہے اور تکریر مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہے شارح نے مکرر کے ساتھ تفسیر کرکے بتایا کہ یہاں تکریر مصدر مکرر اسم مفعول کے معنی میں ہے اور لفظ مکرر ذات مع الوصف ہے اس لئے اس کا حمل تاکید پر صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ ذات مع الوصف کا حمل ذات پر صحیح ہے۔

قولہ ومعادہ الخ یہ بھی اعتراض کا جواب ہے کہ تکریر کا اطلاق تاکید پر اس تاویل کے بعد بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ تکرار نام ہے کسی شی کو مکرر ذکر کرنا بغیر فائدہ کے اور تاکید میں فائدہ ہوتا ہے۔ معادہ کا لفظ لاکر شارح نے بیان کیا کہ یہاں تکرار سے مراد اعادہ ہے اور اعادہ دونوں قسم کے تکرار کو شامل ہے خواہ اس میں فائدہ ہو یا نہ ہو۔ اس میں تاکید بھی داخل ہو جائے گی کیونکہ تاکید میں تکرار فائدہ کے ساتھ ہوتا ہے اور ایسا تکرار بھی اعادہ کا ایک فرد ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا لہذا تاکید لفظی کی تعریف تکریر اللفظ الاول کے ساتھ کرنا صحیح ہے۔

قولہ حقیقۃ الخ معادہ کے بعد شارح نے حقیقۃ اور حکما کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاکید لفظی میں لفظ اول مکرر ہونا چاہئے خواہ حقیقۃً مکرر ہو یا حکماً اس تعمیم سے تاکید کی تعریف اس کی دونوں قسموں کو شامل ہو جائے گی خواہ اسم ظاہر کی تاکید ہو یا ضمیر کی۔ اول کی مثال جیسے "جاءنی زیدٌ زیدٌ" یہاں اسم ظاہر حقیقۃ مکرر ہے۔ ضمیر کی مثال جیسے ضربتَ انتَ اور ضربتُ انا اس میں تکرار حکماً پایا جاتا ہے اگرچہ لفظ کے اعتبار سے ثانی اول کے مخالف ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ ضربتَ میں انتَ ضمیر متصل ہے اور انت اس کے بعد ضمیر منفصل ہے جو ضمیر متصل کی تاکید ہے اور انفصال مخالف ہے اتصال کے اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں اول کا تکرار حقیقۃ پایا جاتا ہے لیکن حکماً تکرار ضرور ہے

داعية الى المخالفة لانه لايجوز تكريره متصلا ويجرى اى التكرير مطلقا لا التكرير الذى هو التاكيد الاصطلاحى فى الالفاظ كلها اسماءً او افعالاً او حروفا او جملا او مركبات تقييدية او غير ذلك ولا يبعد ارجاع الضمير الى التاكيد اللفظى الاصطلاحى وتخصيص الالفاظ بالاسماء ويكون المقصود من هذا التعميم عدم اختصاصه بالفاظ محصورة كالتاكيد المعنوى والتاكيد المعنوى مختص بالفاظ محصورة اى معدودة محدودة وهى نفسه وعينه وكلاهما وكله واجمعُ

---

کیونکہ ضربتَ میں جو ضمیر انتَ پوشیدہ وہ واحد مذکر حاضر کی ضمیر ہے اور انت جو اس کی تاکید ہے وہ بھی واحد مذکر حاضر کی ضمیر ہے۔ صرف اتصال اور انفصال کا فرق ہے اور یہ فرق بدرجہ مجبوری ہے کیونکہ اتصال کے ساتھ تکرار ممکن نہیں۔ لامحالہ اس کو منفصل کرنا پڑا۔ یہی حال ضربتُ انا کا ہے۔

قولہ ویجری ای التکریر مطلقا الخ شارح نے التکریر مطلقًا سے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اعتراض یہ ہے کہ چونکہ بحث تاکید اصطلاحی کی ہو رہی ہے اسلئے یجری کی ضمیر تاکید اصطلاحی کی طرف راجع ہوگی اس کے بعد ہے فی الالفاظ کلہا۔ اب اس پوری عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ تاکید اصطلاحی تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے، خواہ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف ہو۔ اسی طرح جملہ ہو یا مرکب تقییدی یا غیر تقییدی کیونکہ الالفاظ کلہا' ان سب کو شامل ہے حالانکہ تاکید اصطلاحی صرف اسماء میں ہوتی ہے۔

شارح نے ای التکریر مطلقًا لاکر اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ یجری کی ضمیر مطلق تکریر کی طرف راجع ہے تاکید اصطلاحی کی طرف راجع نہیں ہے اور مطلق تکریر جس کو تاکید لغوی کہتے ہیں وہ اسماء افعال۔ حروف سب میں پائی جاتی ہے۔

قولہ ولایبعد ارجاع الضمیر الخ اعتراض مذکور کا دوسرا جواب ہے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو تسلیم ہے کہ یجری کی ضمیر تاکید اصطلاحی کی طرف راجع ہے لیکن الالفاظ سے مراد صرف اسماء ہیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تاکید اصطلاحی تمام اسماء میں جاری ہوتی ہے۔ اس پر پھر اعتراض ہوتا ہے کہ الالفاظ کے بعد کلہا کے لفظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ میں تعمیم ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ الالفاظ سے مراد اسماء، افعال، حروف وغیرہ سب ہی ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ الفاظ سے مراد صرف اسماء ہیں یہ تو تعمیم اور تخصیص کا اجتماع ہوا جو اجتماع ضدین ہے۔

شارح نے ویکون المقصود من ہذا التعمیم سے اس کا جواب دیا ہے کہ اس تعمیم کا مقصد یہ ہے کہ تاکید لفظی اصطلاحی کے لئے اسماء مخصوص نہیں ہیں کہ ان ہی میں جاری ہو باقی اسماء میں جاری نہ ہو بخلاف تاکید معنوی کے کہ وہ چند اسماء مخصوصہ کے اندر جاری ہوتی ہے جس کو مصنف آئندہ بیان کر رہے ہیں۔

قولہ والتاکید المعنوی الخ تاکید معنوی تمام اسماء میں جاری نہیں ہوتی ہے بلکہ چند مخصوص اسماء ہیں جن کے ساتھ وہ

وَاَكْتَعُ وَاَبْتَعُ وَاَبْصَعُ بالصاد المهملة وقيل بالضاد المعجمة قيل لامعنى لهذه الكلمات الثلث فی حال الافراد مثل حسن بسن وقيل اكتع مشتق من حول كتيع اے تام وابصع بالمهملة من بصع العرق اے سال وبالمعجمة من بضع ای روی وابتع من التبع و هوطول العنق مع شدة مغرزه ويمكن استنباط مناسبات خفية بين هذه المعانی

---

خاص ہے جن کو مصنف رہ نے نفسہ، عینہ، کلاہما الخ سے بیان کیا ہے۔

قولہ لامعنی لهذه الکلمات الخ بعض حضرات کا قول ہے کہ اکتع. ابتع. ابصع جب اجمع کے ساتھ لائے جائیں تو ان کے اندر تاکید کے معنی پائے جائیں گے اور اگر ان کو بغیر اجمع کے علیحدہ لایا جائے تو ان کے کچھ معنی نہ ہوں گے بلکہ یہ مہمل ہوں گے جیسے حَسَنٌ بَسَنٌ میں بَسَنٌ مہمل ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ مہمل نہیں ہے بلکہ یہ موضوع ہیں اور ان کے معانی وضعیہ ایسے ہیں جن کو معنی تاکیدی کے ساتھ مناسبت ہے مثلاً اَکْتَعُ مشتق ہے حول کَتِیْعٌ سے جس کے معنی ہیں ایک سال کامل اور اَبْتَعُ مشتق ہے بَتَعٌ سے جس کے معنی ہیں طول العنق مع شدة مغرزہ طویل گردن جس میں سختی ہو اور اَبْصَعُ، بَصَعَ العرقُ ای سَالَ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پسینہ بہا اور اگر اَبْضَعُ ضاد معجمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ بَضَعَ ای رَوِیَ سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں سیراب ہوا۔

قولہ ویمکن استنباط مناسبات خفیة الخ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اَکْتَعُ. اَبْتَعُ. اَبْصَعُ اگر موضوع ہیں مہمل نہیں ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ ان کا استعمال اپنے معانی لغویہ میں تو ہوتا نہیں بلکہ معانی لغویہ سے منقول ہو کر تاکید کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ طے ہے کہ منقول اور منقول الیہ میں مناسبت ہونا چاہئے تو ہم کو بتایا جائے کہ وہ مناسبت کیا ہے شارح فرماتے ہیں کہ منقول اور منقول الیہ میں مناسبت خفی ہے لیکن تأمل صادق کے ذریعہ اس کا استنباط کیا جاسکتا ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ تاکید کی تعریف ہے تابعٌ یقرر امر المتبوع فی النسبة او فی الشمول لفظ فی النسبة۔ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم واقعی اور حقیقی ہے۔ فرضی اور مجازی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کیسی قوت اور شدت ہے اور فی الشمول کی دلالت اس پر ہو رہی ہے کہ حکم تمام افراد کو شامل ہے اس میں اتمام اور اکمال ہے۔

اس کے بعد اَکْتَعُ. اَبْتَعُ. اَبْصَعُ کے معنی ملاحظہ کیجئے جس سے ان تینوں کے معنی لغوی اور تاکیدی معنی کے ساتھ مناسبت واضح ہو جائے گی اکتع کے معنی کامل ایک سال اس کو اتمام اور اکمال سے مناسبت ہے۔ ابصع بالصاد۔ بصع العرق سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پسینہ بہا۔ ظاہر ہے جو چیز زائد اور کامل ہوگی وہی چیز بہے گی اور تاکید میں بھی یہی بات ہوتی ہے کیونکہ حکم کے وجود کے لئے تو اتنا کافی ہے کہ وہ کسی ایک فرد میں پایا جاتا ہو تمام افراد کا احاطہ جو تاکید سے سمجھا جاتا ہے ایک زائد چیز ہے۔ اسی طرح اَبْضَعُ بالضاد بَضَعَ سے مشتق

ومعناها التاکیدی بالتامل الصادق فالاولان ای النفس والعین یعمّان ای یقعان علی الواحد والمثنی والمجموع والمذکر والمونث باختلاف صیغتهما افراداً او تثنیة وجمعًا واختلاف ضمیرها العائد الی المتبوع المؤکد تقول نفسه فی المذکر الواحد نفسها فی المونث الواحدة انفسهما بایراد صیغة الجمع فی تثنیة المذکر والمونث وعن بعض العرب نفساهما وعیناهما انفسهم فی جمع المذکر العاقل انفُسُهُنَّ فی جمع المونث وغیرالعاقل من المذکر والثانی لما سمی النفس والعین اولین تغلیبًا کالقمرین سمی الثالث ثانیًا للمثنی کلاهما للمذکر وکلتاهما للمونث

---

ہے جس کے معنی ہیں سیراب اور آسودہ ہونا اور آدمی کسی چیز سے آسودہ اسوقت ہوتا ہے جب زاید ہو۔ اَبْتَعُ مشتق ہے بَتْعٌ سے جس کے معنی ہیں طویل گردن جس میں سختی اور قوت ہو اور تاکید میں بھی حکم کے اندر قوت حاصل ہوتی ہے اور احاطہ افراد ہوتا ہے جس سے حکم کا طویل ہونا بھی پایا گیا کیونکہ حکم ایک فرد سے متجاوز ہوکر تمام افراد کو شامل ہے۔

قولہ فالاولان الخ تاکید معنوی کے الفاظ کا طریقۂ استعمال بیان کر رہے ہیں اَوَّلَانِ کا مصداق لفظ نفس اور عین ہیں۔ یہ دونوں واحد تثنیہ۔ جمع۔ مذکر اور مؤنث سب ہی صیغوں کی تاکید کے لئے استعمل ہوتے ہیں استعمال کی صورت یہ ہوگی کہ ان کا متبوع جیسا ہوگا ویسا ہی ان دونوں کا صیغہ ہوگا اور ضمیر بھی اسی طرح کی ان دونوں میں لائی جائے گی۔ اگر متبوع واحد ہے تو ان کا صیغہ واحد ہوگا اور ضمیر بھی واحد کی لائی جائے گی۔ متبوع کے تثنیہ اور جمع نیز اس کے مذکر اور مونث ہونے کی صورت میں ان دونوں کے صیغوں اور ضمیروں میں اس کا لحاظ کیا جائے گا چنانچہ متبوع اگر واحد مذکر ہے تو تاکید میں نفسہ کہا جائے گا۔ متبوع واحد مؤنث ہے تو نفسہا کہا جائے گا۔ تثنیہ کی صورت میں خواہ تثنیہ مذکر ہو یا مونث ہو ان دونوں صورتوں میں انفسہما کہا جائے گا یعنی صیغہ جمع کا ہوگا اور ضمیر تثنیہ کی ہوگی بعض حضرات نے متبوع کے تثنیہ ہونے کی صورت میں نفس اور عین کو تثنیہ لاتے ہیں وہ لوگ نفساہما عیناہما کہتے ہیں۔ متبوع کے جمع ہونے کی صورت میں ان دونوں کو جمع کے صیغے اور ضمیر جمع کے ساتھ لاتے ہیں جیسے انفسہم و اعینہم۔

قولہ والثانی للمثنی الخ نفس اور عین دونوں کو ملاکر اول کہا اس لئے کلا کو ثانی کہا ورنہ حقیقت میں یہ تیسرے نمبر پر ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کلا تثنیہ مذکر کی تاکید کے لئے ہے اسکی کلا میں کوئی تغیر نہ ہوگا صرف تثنیہ مذکر کی ضمیر لائی جائے گی اور کلتا تثنیہ مونث کی تاکید کے لئے ہے اس میں بھی تثنیہ مؤنث کی ضمیر لائی جائے گی۔

والباقی بعد الثلثة المذکورة لغیر المثنٰی مفردا کان اوجمعًا باختلاف الضمیر العائد الی المتبوع المؤکد فی کلہ نحو قرأت الکتاب کلہ وکلھا نحو قرأت الصحیفة کلھا وکلھم نحو اشتریت العبید کلھم وکلھن نحو طلقت النساء کلھن وباختلاف الصیغ فی الکلمات البواقی وھی اجمع واکتع وابتع وابصع بالمھملة او المعجمة تقول اجمع فی المذکر الواحد وجمعاء فی المؤنث الواحد او الجمع بتاویل الجماعة واجمعون فی جمع المذکر وجمع فی جمع المونث وکذا اکتع کتعاء اکتعون کتع وابتع تبعاء ابتعون تبع وابصع بصعاء ابصعون بصع ولایوکد بکل واجمع الاذواجزاء مفردا کان اوجمعا اذ الکلیة والاجتماع لایتحققان الا فیہ ولاحاجة الی ذکر الافراد لان الکلی مالم تلاحظ افرادہ

---

قولہ والباقی لغیر المثنٰی الخ نفس، عین، کلا، کلتا کے علاوہ تاکید معنوی کے باقی الفاظ یعنی کل۔ اجمع۔ اکتع۔ ابتع۔ ابصع تثنیہ کے علاوہ کی تاکید کے لئے ہیں۔ یعنی ان پانچوں الفاظ سے واحد اور جمع کی تاکید ہوتی ہے تثنیہ کی تاکید کے لئے نہیں استعمال کئے جاتے۔ ان کا طریقۂ استعمال یہ ہے متبوع اگر واحد مذکر ہے تو کلّہ واحد مذکر کی ضمیر کے ساتھ لایا جائے گا اگر متبوع واحد مونث ہے تو کلھا واحد مؤنث کی ضمیر کے ساتھ لایا جائے گا اور اگر متبوع جمع مذکر ہے تو کلھم اور جمع مونث ہے تو کلھنّ لایا جائے گا۔ اور اجمع۔ اکتع۔ أبتعُ۔ ابصع کے ساتھ تاکید لانے کی صورت یہ ہوگی کہ متبوع واحد مذکر ہے تو اجمع لایا جائے۔ متبوع جمع مذکر ہے تو اجمعون۔ واحد مؤنث ہے تو جمعاء۔ جمع مونث ہے تو جُمَعُ لایا جائے گا۔

یہی حال اکتع۔ ابتع۔ ابصع کا ہے جیسا کہ شارح نے ان کا استعمال تفصیل تحریر کیا ہے۔

قولہ ولایوکد بکل واجمع الاذواجزاء الخ لفظ کل اور اجمع کے ساتھ ایسے اسم کی تاکید لائی جاتی ہے جس کے اجزاء ہوں خواہ مفرد ہو جیسے عبد کا لفظ، یا جمع ہو جیسے القوم۔ ذواجزاء کی شرط اس لئے ہے کہ لفظ کل سے کلیۃ اور اجمع سے اجتماع مفہوم ہوتا ہے اور ان دونوں کا تحقق ایسے ہی اسم میں ہوسکتا ہے جو ذواجزاء ہو۔

قولہ ولاحاجة الی ذکر الافراد الخ اعتراض ہوتا ہے کہ کل اور اجمع سے جس طرح ذواجزاء کی تاکید ہوتی ہے اسی طرح جو اسم ذوافراد ہیں ان کی بھی تو تاکید ان دونوں الفاظ کے ذریعے لائی جاتی ہے تو مصنف کو چاہئے کہ ذواجزاء کے ساتھ ذوافراد بھی کہتے مثلاً انسان کلی ہے اس کی تاکید بھی کل اور اجمع کے ساتھ آتی ہے حالانکہ انسان ذوافراد ہے ذوالاجزاء نہیں کیونکہ کلی کے لئے افراد ہوتے ہیں اجزاء نہیں ہوتے۔ شارح اس عبارت سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ تسلیم ہے کہ کلی کے لئے افراد ہوتے ہیں اس لئے اسکو

مجتمعۃً ولم تصر اجزاءً لایصح تاکیدہ بکل واجمع ویجب ان یکون تلک الاجزاء بحیث یصح افتراقہا حسًا کاجزاء القوم اوحکما کاجزاء العبد یکون فی التاکید بکل واجمع فائدۃ مثل اکرمت القوم کلھم واشتریت العبد کلہ فان العبد قد یتجزأ فی الاشتراء فیصح تاکیدہ بکل یفید الشمول بخلاف جاء زید کلہ لعدم صحۃ افتراق اجزائہ لاحسًا ولاحکمًا فی حکم المجیٔ واذا اکد الضمیر المرفوع المتصل بارزا کان اومستکنا بالنفس والعین ای اذا ارید تاکیدہ بہما اکد ذلک الضمیر اوّلاً بمنفصل ثم بالنفس والعین مثل ضربت انت نفسک فنفسک

---

ذوافراد تو کہہ سکتے ہیں ذواجزار نہیں کہہ سکتے لیکن کل اور اجمع کیساتھ تاکید لانے کے وقت ان افراد کو مجتمع فرض کر لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے اندر اجتماعیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اجزاء کا درجہ لیتے ہیں تو جب افراد تاویل کے بعد اجزاء ہو جاتے ہیں تو علیحدہ ان کے ذکر کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

قولہ یصح افتراقہا حسا الخ یہ اجزاء کی صفت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کل اور اجمع سے ایسے اسم کی تاکید لائی جاتی ہے جس کے اجزاء ہوں اور ان اجزاء میں حسا یا حکما افتراق بھی ہو سکتا ہو افتراق حسی کی مثال جیسے اکرمت القوم کلہم اس میں قوم کی تاکید کلہم سے لائی گئی ہے اور قوم میں افتراق حسا ہوتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ حکم قوم کے بعض افراد کو شامل ہو اور بعض کو نہ ہو۔

افتراق حکمی کی مثال مصنف نے اشتریت العبد کلہ، عبد میں افتراق حسی تو نہیں ہے لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن کی وجہ سے عبد کے اندر حکما افتراق ہوتا ہے مثلاً بیع، شراء میں یہ بات ممکن ہے کہ کوئی شخص غلام کا کچھ حصہ فروخت کرے یا خریدے اسلئے کل اور اجمع کے ساتھ اس کی تاکید لائی جا سکتی ہے جیسے مثال مذکور میں کل کے ساتھ تاکید لانے سے یہ معلوم ہوا کہ پورے غلام کی خرید و فروخت ہوئی ہے نصف یا چوتھائی تہائی کی نہیں بخلاف جاء زید کلہ اسمیں افتراق کسی طرح سے ممکن نہیں نہ حقیقۃً نہ حکما یعنی یہ ممکن نہیں ہے کہ زید کا کچھ حصہ آئے اور کچھ نہ آئے۔

قولہ واذا اکد الضمیر المرفوع المتصل الخ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید اگر نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے بعد میں نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو بعض صورتوں میں یہ نہ پتہ چلے گا کہ نفس اور عین اپنے ماقبل فعل کا فاعل ہیں یا فاعل کی تاکید ہیں۔ مثلاً زید اکرمنی ھو نفسہ میں اکرم کے فاعل ہو ضمیر متصل کی تاکید میں بغیر ھو ضمیر منفصل کی تاکید لائے ہوئے اکرمنی نفسہ کہا جائے تو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ نفس اس ترکیب میں اکرم کا فاعل ہے یا اکرم کے فاعل ھو ضمیر کی تاکید ہے یہ التباس اگرچہ ایک خاص صورت میں ہے یعنی ضمیر مستتر کی تاکید لانے کی

تاکید لتاء الضمیر بعد تاکیدہ بمنفصل ھو انت اذ لولا ذلك لالتبس التاکید بالفاعل اذلو قیل تاکیداً للمستکن نحو زید اکرمنی ھو نفسہ فلو لم یؤکد الضمیر المستکن فی اکرمنی بقولہ ھو ویقال زید اکرمنی نفسہ لالتبس نفسہ الذی ھو التاکید بالفاعل ولما وقع الالتباس فی ھذہ الصورۃ اُجریَ بقیۃ الباب علیھا وانما قید الضمیر بالمرفوع لجواز تاکید الضمیر المنصوب والمجرور بالنفس والعین بلا تاکید ھما بالمنفصل نحو ضربتك نفسك ومررتُ بك نفسك لعدم اللبس وبالمتصل لجواز تاکید المرفوع المنفصل بالنفس والعین بلا تاکیدہ بمنفصل نحو انت نفسك قائم لعدم اللبس وانما قید بالنفس

---

صورت میں، لیکن اس قاعدہ کو مطرد کرنے کے لیے جس صورت میں التباس نہیں لازم آتا اس میں بھی یہی حکم نافذ کیا گیا مثلاً ضمیر بارز میں یہ التباس لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں ضمیر بارز فاعل ہے نفس اور عین جو اس کے بعد لائے جائیں گے وہ فاعل کی تاکید کے لیے ہوں گے ان میں فاعل ہونے کا احتمال نہیں لیکن ضمیر بارز کی بھی اگر تاکید نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے تو پہلے مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے گی بعد میں نفس اور عین کے ساتھ تاکید ہوگی جیسے ضربت انت نفسک میں ضربت کے اندر تا ضمیر بارز، مرفوع متصل ہے اس کی تاکید پہلے انت ضمیر منفصل کے ساتھ لائے ہیں بعد میں نفس کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے۔

قولہ انما قید الضمیر بالمرفوع الخ مصنف رحمہ نے ابھی جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں " واذا اکد الضمیر المرفوع المتصل بالنفس والعین اکد ذلک بمنفصل " اس میں ہر لفظ قید احترازی ہے اس کا فائدہ بیان کر رہے ہیں۔ کہ ضمیر کو مرفوع کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ضمیر مرفوع کے بجائے ضمیر منصوب یا مجرور کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے تو اس کے لئے شرط نہیں ہے کہ پہلے منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے۔ جیسے ضربتک نفسک اس میں کَ ضمیر منصوب متصل ہے اس کی تاکید نفسک ہے اور اس میں ایک ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے بغیر نفسؔ کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے۔ یہی حال مررت بک نفسک کا ہے اس میں ک ضمیر مجرور متصل اور نفسک اس کی تاکید ہے اور بغیر کسی شرط کے تاکید ہے۔

دوسری قید متصل کی ہے یعنی یہ قاعدہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کے لئے ہے۔ اگر ضمیر مرفوع منفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ لاتا ہو تو بغیر کسی شرط کے لا سکتے ہیں جیسے انت نفسک قائم اس مثال میں انت ضمیر مرفوع تو ہے لیکن منفصل ہے اس لئے اس کی تاکید نفس کے ساتھ بغیر کسی شرط کے صحیح ہے۔

تیسری قید یہ ہے کہ مرفوع متصل کی تاکید اگر نفس یا عین کے ساتھ لائی جائے تو اس کے لئے قید ہے

والعین لجواز تاکید المرفوع المتصل بکل واجمعین بلا تاکید نحو القوم جاءنی کلھم اجمعون لعدم التباس التاکید بالفاعل لان کلا واجمعین یلیان العوامل قلیلا بخلاف النفس والعین فانھما یلیانھا کثیرا واکتع واخواہ یعنی ابتع وابصع اتباع بفتح الھمزۃ علی ماھو المشھور لاجمع یعنی تستعمل ھذہ الکلمات الثلث بتبعیتہ لابالاصالہ لکونہ اول منھا علی المقصود وھو الجمعیۃ فلایتقدم یعنی اکتع واخویہ علیہ ای علی اجمع لواجمعت معہ وذکرھا ای ذکر اکتع مع اخویہ دونہ ای دون ذکر اجمع ضعیف لعدم ظھور دلالتھا علی معنی الجمعیۃ وللزوم ذکر ما من شانہ التبعیۃ بدون الاصل البدل تابع مقصود بما نسب الی المتبوع ای تقصد النسبۃ الیہ بنسبۃ ما نسب الی

---

کہ پہلے مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید لائی جائے اور اگر نفس اور عین کے علاوہ کسی اور لفظ کے ساتھ لائی جائے مثلاً کل اور اجمعون کے ساتھ لائی جائے تو اس کے لئے شرط نہیں چنانچہ جاءنی کلھم اجمعون کہنا صحیح ہے کیونکہ انہیں فاعل کے ساتھ التباس کا اندیشہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کل اور اجمع کا اتصال کے ساتھ بہت ہی کم استعمال ہوتا ہے بخلاف نفس اور عین کے کہ یہ بکثرت عامل کے متصل ہوا کرتے ہیں۔

قولہ واکتع واخواہ اتباع الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اکتع اور اسکے اخوات یعنی ابتع اور ابصع یہ اجمع کے تابع ہیں اور تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوتا اسلئے یہ اجمع سے پہلے نہ آئیں گے بلکہ اجمع کے بعد آئیں گے اور بغیر اَجْمَعُ کے ان کا آنا ضعیف ہے کیونکہ ان کی دلالت جمعیت کے معنی پر ظاہر نہیں۔ اجمع کی وجہ سے ان میں بھی جمعیت کے معنی میں کچھ قوت پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ سب اجمع کے تابع ہیں تو اگر بغیر اجمع کے لایا جائے تو لازم آئے گا کہ تابع بغیر اصل کے مذکور ہو۔

قولہ البدل تابع الخ توابع کے اقسام میں سے چوتھی قسم بدل ہے اس کی تعریف یہ ہے۔

بدل ایسا تابع ہے کہ متبوع کی طرف جس چیز کی نسبت کی گئی ہے اس سے خود یہ بدل مقصود ہو متبوع مقصود نہ ہو۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نسبت تو متبوع کی طرف ہو رہی ہے اور وہ مقصود نہ ہو اور بدل کی طرف نسبت نہیں ہو رہی پھر بھی وہ مقصود ہے شارح ای لایکون النسبۃ الی المتبوع مقصودۃ الخ سے جواب دے رہے ہیں کہ یہ بات نہیں جیسا کہ عبارت کے ظاہر سے سمجھا جا رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ متبوع کی طرف بظاہر نسبت جس کی ہو رہی ہے نسبت کرنے کے وقت ہی سے تابع کا قصد کیا جاتا ہے متبوع کا قصد نہیں کیا جاتا بلکہ متبوع کو تابع کے لئے توطیہ اور تمہید کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

المتبوع دونه ای دون المتبوع ای لاتکون النسبة الی المتبوع مقصودة ابتداءً بنسبة ماانسب الیہ بل تکون النسبة الیہ توطیة وتمہیدا لنسبتہ الی التابع سواء کان مانسب الیہ مسندا او غیرہ مثل جاءنی زید اخوک وضربت زیدًا اخاک واحترز بقولہ مقصود بما نسب الی المتبوع عن النعت والتاکید وعطف البیان لانہا لیست مقصودۃ بمانسب الیہ بل المتبوع مقصود بہ وبقولہ دونہ احترز عن العطف بحرف فان المتبوع فیہ مقصود بمانسب الیہ مع التابع ولا یصدق الحد علی المعطوف ببل لان متبوعہ مقصود ابتداءً ثم بدالہ فاعرض عنہ وقصد المعطوف فکلاھما مقصودان بھذا المعنی فان قیل ھذا الحد لایتناول البدل الذی بعد الامثل ماقام احد الازید فان زیدًا بدل من احد ولیست

---

قولہ سواء کان ما نسب الیہ مسندا اوغیرہ الخ یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ بظاہر نسبت سے مراد نسبت اسنادی ہوتی ہے اس صورت میں بدل کی تعریف ضربت زیدًا اخاک میں اخاک کو شامل نہ ہوگی یعنی اخاک کو زید سے بدل قرار دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ ضربت کی اسناد زید کی طرف نہیں ہورہی بلکہ زید پر ضرب واقع ہے اور اسناد ضمیر متکلم کی طرف ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ نسبت میں تعمیم ہے خواہ اسنادی ہو یا ایقاعی ہو اور مثال مذکور میں نسبت ایقاعی پائی جاتی ہے۔

قولہ احترز بقولہ مقصود الخ بدل کی تعریف میں مقصود بمانسب الیہ الی المتبوع کے لفظ سے نعت، تاکید اور عطف بیان خارج ہوگئے کیونکہ نسبت سے یہ مقصود نہیں ہوتے بلکہ ان کے متبوعات مقصود ہوتے ہیں دونہ سے عطف بحرف خارج ہوگیا کیونکہ اس میں تابع اور متبوع دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

قولہ ولایصدق الحد علی المعطوف ببل الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ بدل کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ اس میں وہ معطوف داخل ہوگیا جو بل کے بعد ہوتا ہے جیسے جاءنی زید بل عمرو اس میں زید متبوع ہے اور عمرو معطوف ہے اور تابع ہے۔ لفظ بل سے معلوم ہوا کہ مجی کی نسبت عمرو کی طرف ہے زید کی طرف نہیں۔

اس کا جواب شارح دے رہے ہیں کہ یہ اعتراض غلط ہے اسیں شروع میں مجی کی نسبت زید کیطرف کیگئی اور اس وقت زید ہی کی طرف نسبت کرنی مقصود تھی اس کے بعد متکلم کی رائے بدل جانے کی وجہ سے بل کے ذریعہ عمرو کی طرف نسبت کی گئی اس اعتبار سے یہ دونوں مقصود ہوئے اس لئے دونہ سے معطوف بہ بل بھی خارج ہوگیا۔

قولہ فان قیل ھذا الحد لایتناول الخ اعتراض یہ ہے کہ بدل کی تعریف اس بدل کو شامل نہیں جو الا کے بعد ہو کیونکہ الا سے پہلے جو نسبت ہوتی ہے وہ اور الا کے بعد والی نسبت دونوں مختلف ہوتی ہیں لہذا ایسی صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے

نسبة ما نسب الیہ من عدم القیام مقصودة بالنسبة الی زید بل النسبة المقصودة بنسبة ما نسب الی احد نسبة القیام الی زید قلنا ما نسب الی المتبوع ھھنا ھو القیام فانہ نسب الیہ نفیا ونسبة القیام بعینہ الی التابع مقصودة ولکن اثباتا فیصدق علی زید انہ تابع مقصود نسبتہ بنسبة ما نسب الی المتبوع فان النسبة الماخوذة فی الحد اعم من ان یکون بطریق الاثبات او النفی ویمکن ان یقصد بنسبتہ الی شیء نفیا نسبتہ الی شیء آخر اثباتا ویکون الاول توطیة للثانی وھو ای البدل انواع اربعة بدل الکل ای بدل ھو کل المبدل منہ و بدل البعض ای بدل ھو بعض المبدل منہ فالاضافة فیھما مثلھا فی خاتم فضة و بدل الاشتمال ای بدل مسبب غالبا عن اشتمال احد المبدلین علی الآخر اما اشتمال البدل علی المبدل منہ نحو سلب زید ثوبہ او بالعکس نحو یسألونک عن الشھر الحرام قتال فیہ و بدل الغلط ای بدل مسبب عن الغلط فالاضافة فی الاخیرین من قبیل اضافة المسبب الی السبب لادنی ملابسة فالاول ای بدل الکل مدلولہ مدلول الاول یعنی متحدان ذاتا الا ان یتحد مفھوماھما لیکونا

---

کہ متبوع کی طرف جو نسبت ہو رہی ہے اس سے مقصود بدل ہے مثلاً ما قام احد الا زیدٌ میں احد کی طرف جو نسبت ہے وہ عدم قیام کی ہے اور الا کے بعد جو زید ہے اس کی طرف نسبت قیام کی ہے لہذا اس میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ احَدٌ کی طرف جو نسبت ہے وہ درحقیقت زید کی طرف ہے یعنی اس سے مقصود زید ہے کیونکہ احد کی طرف جو نسبت ہے وہ عدم قیام کی ہے جس میں قیام کی نفی ہے اور الا کے بعد نفی باقی نہ رہے گی اس لئے زید کی طرف نسبت عدم قیام کی نہ ہوگی بلکہ قیام کی ہوگی اس لئے زید کو احد سے بدل قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ شارح قلنا سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ الا کے ماقبل اور الا کے مابعد میں نسبت ایک ہی ہے یعنی قیام کی البتہ اسکی کیفیت بدلی ہوئی ہے الا سے پہلے سلبی تھی اور الا کے بعد ایجابی ہے اور بدل کی تعریف میں جو نسبت مذکور ہے وہ اعم ہے خواہ ایجابی ہو یا سلبی۔

حاصل یہ کہ الا کے مابعد واقع ہونے والے بدل میں بھی بدل کی تعریف صادق آتی ہے جس کی تفصیل ابھی معلوم ہوئی ہے

قولہ وھو ای البدل انواع اربعة الخ بدل کی تعریف کے بعد اس کے اقسام بیان کر رہے ہیں بدل کی چار قسمیں ہیں (۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدل الاشتمال (۴) بدل الغلط۔

بدل الکل ایسا بدل ہے کہ اس کا مدلول اور مبدل منہ کا مدلول ایک ہو یعنی بدل اور مبدل منہ دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوں البتہ مفہوم دونوں کا علیحدہ ہو جیسے جاءنی زید اخوک اس میں زید اور اخوک دونوں کی ذات ایک ہے مفہوم کے اعتبار سے دونوں متغایر ہیں۔

مترادفين نحوجاء نی زيد اخوك فزيد واخوك وان اختلفا مفهوما فهما متحدان ذاتا قال الشارح الرضی وانا الى الآن لم يظهر لی فرق جلی بين بدل الكل من الكل وبين عطف البيان بل لا ارى عطف البيان الا البدل الكل وما قالوا من ان الفرق بينهما ان البدل هو المقصود بالنسبة دون متبوعه بخلاف عطف البيان فانه بيان والبيان فرع المبين فيكون المقصود هو الاول فالجواب انا لا نسلم ان المقصود فی بدل الكل هو الثانی فقط ولا فی سائر الابدال الا الغلط وقال بعض المحققين فی جوابه الظاهر انهم لم يريدوا انه ليس مقصودا بالنسبة اصلاً بل ارادوا انه ليس مقصودا اصليا. والحاصل ان مثل قولك جاءنی اخوك زيد ان قصدت فيه الاسناد الى الاول وجئت بالثانی تتمة له توضيحا فالثانی عطف بيان وان قصدت فيه الاسناد الى الثانی وجئت بالاول توطية له مبالغة فی الاسناد فالثانی بدل وحينئذ يكون

---

قولہ قال الشارح الرضی الخ شارح رضی فرماتے ہیں کہ مجھے تو ابھی تک عطف بیان اور بدل الکل کے درمیان کوئی واضح فرق نہیں مل سکا بلکہ میں دونوں کو ایک ہی سمجھتا ہوں بعض لوگوں نے جو یہ فرق بیان کیا ہے کہ بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور اس کا متبوع مقصود نہیں ہوتا بخلاف عطف بیان کے کہ وہ بیان ہے اور بیان مبین کی فرع ہوتا ہے لہٰذا اس میں عطف بیان مقصود نہ ہوگا بلکہ اس کا متبوع مقصود ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ بدل الکل میں صرف بدل مقصود ہوتا ہے اور مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ بدل الغلط کے علاوہ بدل کی باقی تینوں قسموں میں مبدل منہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ شارح نے قال بعض المحققین سے اس کا جواب دیا ہے کہ بدل کی تعریف میں جو یہ کہا گیا ہے کہ بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے مبدل منہ نہیں ہوتا اس کا یہ مطلب نہیں کہ مبدل منہ بالکل مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مبدل منہ مقصود اصلی نہیں ہوتا اور عطف بیان میں اس کا متبوع مقصود اصلی ہوتا ہے اس لئے بدل اور عطف بیان میں فرق واضح ہوگیا۔

قولہ والحاصل ان مثلھا الخ بدل اور عطف بیان کے درمیان جو فرق ابھی بیان کیا گیا ہے مثال سے اس کی توضیح کررہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق اعتباری ہے مثلاً جاءنی اخوک زید میں اگر اول کی طرف یعنی اخوک کی طرف اسناد کرنا مقصود ہو اور ثانی یعنی زید کو اس کا تتمہ کرنا ہے تو اس صورت میں ثانی یعنی زید عطف بیان ہوگا اور اگر اسناد سے مقصود ثانی ہو اور اول کو اس کے لئے توطیہ اور تمہید قرار دینا ہو تو ثانی بدل ہوگا اور توضیح اس وقت جو حاصل ہوگی وہ تبعاً ہوگی۔

التوضیح الحاصل بہ مقصودًا تبعًا والمقصود اصالۃ ھو الاسناد الیہ بعد التوطیۃ فالفرق ظاھر والثانی ای بدل البعض جزؤہ ای جزء المبدل منہ نحو ضربت زیدًا راسہ والثالث ای بدل الاشتمال بینہ وبین الاول ای المبدل منہ ملابسۃ بحیث توجب النسبۃ الی المتبوع النسبۃ الی الملابس اجمالا نحو اعجبنی زید علمہ حیث یعلم ابتداء انہ یکون زید معجبا باعتبار صفاتہ لا باعتبار ذاتہ وتتضمن نسبۃ الاعجاب الی زید نسبۃ لی صفۃ من صفاتہ اجمالا وکذا فی سُلب زید وبخلاف ضربت زید احمارہ وضربت زیدًا غلامہ لان نسبۃ الضرب الی زید تامۃ و لا یلزم فی صحتھا اعتبار غیر زید فیکون من باب بدل الغلط بغیرھما ای تکون

---

قولہ الثانی جزءہ الخ بدل البعض ایسا بدل ہے جو مبدل منہ کا جزو ہو جیسے ضربت زیدًا رأسہ اس میں راس زید کا جزء ہے۔

قولہ الثالث بینہ الخ بدل الاشتمال ایسا بدل ہے کہ وہ نہ تو مبدل منہ کا عین ہو اور نہ جزء ہو بلکہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو۔

قولہ بحیث توجب النسبۃ الی المتبوع الخ بدل الاشتمال کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے بینہ وبین الاول ملابسۃ۔ شارح اس ملابست کی حیثیت بیان کر رہے ہیں کہ وہ ملابسۃ ایسی ہو کہ متبوع کی طرف جو نسبت ہو رہی ہے وہ ایسی ہو جس سے ملابس کی طرف نسبت کا اجمالی علم ضرور ہو جائے جیسے اعجبنی زید علمہ میں اعجاب کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے اور زید ذات ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تعجب کبھی بھی ذات کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ ذات سے تعلق رکھنے والی کسی صفت کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے مثال مذکور میں جب اعجبنی زید کہا تو اس سے اجمالاً اتنا پتہ چل گیا کہ زید کی کوئی صفت ہے جو باعث تعجب ہے بعد میں علمہ سے اس اجمال کی تعیین ہو گئی کہ وہ صفت علم ہے جو تعجب کا باعث ہے یعنی علم میں اس کو ایسا مقام حاصل ہے کہ اس مقام تک رسائی لوگوں کو بہت کم ہوتی ہے۔

قولہ وکذا فی سُلب زید ثوبہ اس عبارت میں بھی وہی تقریر ہوگی جو اعجبنی زید علمہ میں ہے کہ جب سُلب زید کہا گیا جس کا ترجمہ ہے کہ زید چھینا گیا اور ظاہر ہے کہ ذات مسلوب نہیں ہوتی اس سے اجمالاً اس کا علم ہو گیا کہ زید سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز ہوگی جو مسلوب ہوئی ہے۔ ثوبہ نے اس کی تعیین کردی کہ وہ کپڑا ہے۔

قولہ بخلاف ضربت زید احمارہ اور ضربت زیدا غلامہ کہ اس میں اعجبنی زید جیسی بات نہیں ہے کیونکہ ضرب کا تعلق ذات سے ہوتا ہے اس لئے سامع کے ذہن میں یہ بات نہ آئے گی کہ ضرب کا تعلق زید سے نہیں ہے بلکہ اسکے کسی متعلق سے ہے اسلئے حمارہ کو بدل اشتمال نہ کہیں گے بلکہ بدل الغلط کہیں گے اسی طرح ضربت زیدا غلامہ کو سمجھئے۔

قولہ بغیرھما ھما ضمیر کل اور جزء کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ بدل اشتمال نہ تو کل مبدل منہ ہوتا ہے

تلك الملابسة بغير كون البدل كل المبدل منه او جزؤه فيدخل فيه ما اذا كان المبدل منه جزء من البدل ويكون ابداله منه بناءً على هذه الملابسة نحو نظرت الى القمر فلكه والمناقشة بان القمر ليس جزء من فلكه بل هو مركوز فيه مناقشة في المثال ويمكن ان يورد لمثاله مثل رأيت درجة الاسد برجه فانه لا مجال لهذه المناقشة فيه فان البرج عبارة عن مجموع الدرجات وانما لم يجعل هذا البدل قسما خامسا ولم يسم ببدل الكل عن البعض لقلته وندرته بل قيل لعدم وقوعه في

---

اور نہ جزو مبدل منہ ہوتا ہے بلکہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور قسم کا تعلق ہوتا ہے تو اگر مبدل منہ بدل کا جزو ہوجائے تو چونکہ یہ بغیر ہما کا مصداق ہے اس لئے اسکو بدل الاشتمال کہا جائے گا جیسے نظرت الی القمر فلکہ اس میں القمر مبدل منہ ہے اور فلک اس کا بدل الاشتمال ہے کیونکہ فلک نہ تو قمر کا عین ہے اور نہ جزو ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے کہ مبدل منہ بدل کا جزو ہے لہذا یہ نہ تو بدل الکل ہے کیونکہ اس میں بدل اور مبدل منہ دونوں متحد ہوتے ہیں اور نہ بدل البعض ہے کیونکہ بدل البعض میں بدل مبدل منہ کا جزو ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ مبدل منہ بدل کا جزو ہے اسلئے اس کو بدل الاشتمال کہا جائے گا.

قولہ والمناقشة بان القمر الخ یہ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ مثال مذکور میں قمر فلک کا جزو نہیں ہے بلکہ قمر فلک میں مرکوز ہے لہذا یہ کہنا کہ قمر جو مبدل منہ ہے وہ بدل یعنی فلک کا جزو ہے صحیح نہیں ہے.

شارح جواب دے رہے ہیں کہ مثال میں اس قسم کا مناقشہ معتبر نہیں اور اس کے بعد یمکن ان یورد سے ایسی مثال بیان کی ہے جس میں اس قسم کا مناقشہ بھی نہیں ہوسکتا وہ مثال "رأیت درجۃ الاسد برجہ" ہے اسمیں درجۃ الاسد جو کہ مبدل منہ ہے وہ جزو ہے اوراس کا بدل یعنی برجہ یہ کل ہے اوراس میں کسی قسم کا مناقشہ بھی نہیں.

قولہ وانما لم یجعل ھذا القسم الخ اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ جب بدل کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مبدل منہ اپنے بدل کا جزو ہو تو اس کو ایک مستقل قسم کیوں نہیں کہا جاتا اوراس کا نام بدل الکل عن البعض کیوں نہیں رکھا جاتا شارح نے اس کا جواب دیا ہے کہ کلام عرب میں اس کا وقوع یا تو نادر ہے یا سرے سے وقوع ہی نہیں اور یہ مثالیں جو بیان کی گئیں ہیں سب فرضی ہیں۔

**فائدہ** (۱) بدل الاشتمال کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں اکثر بدل اور مبدل منہ میں سے ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے جیسے سُلِبَ زیدٌ ثوبہ اس میں بدل مبدل منہ پر مشتمل ہے اور یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ اس میں مبدل منہ یعنی الشہر الحرام بدل یعنی قتال کو شامل ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بدل اشتمال ہوتا ہے لیکن بدل اور مبدل منہ سے کوئی بھی ایک دوسرے پر مشتمل نہیں ہوتا جیسے جاءنی زید حمارہ اس میں نہ تو زید حمار پر مشتمل ہے نہ اس کا عکس ہے۔

كلام العرب فان هذه الامثلة مصنوعة والرابع اى بدل الغلط ان تقصد اى ان يكون بان تقصد انت اليه اى الى البدل من غير اعتبار ملابسة بينهما بعد ان غلطت بغيره اى بغير البدل وهو المبدل منه ويكونان اى البدل والمبدل منه معرفتين نحو ضرب زيد اخوك ونكرتين نحو جاءنى رجل غلام لك ومختلفين نحو بالناصية ناصية كاذبة وجاء رجل غلام زيد واذا كان البدل نكرة مبدلة من معرفة فالنعت اى نعت البدل النكرة واجب لئلا يكون المقصود انقص من غير المقصود من كل وجه فاتوا فيه بصفة تكون كالجابر لما فيه من نقص النكارة مثل بالناصية ناصية كاذبة و يكونان ظاهرين نحو جاءنى زيد اخوك ومضمرين نحو الزيدون لقيتهم اياهم

---

قولہ الرابع ای بدل الغلط الخ چوتھی قسم بدل الغلط ہے اس میں بدل اور مبدل منہ کے درمیان نہ تو عینیت اور جزئیت کا تعلق ہوتا ہے اور نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ متکلم نے غلطی سے مبدل منہ کو ذکر کر دیا تھا اسکی تلافی کے لئے بدل کو لایا جاتا ہے جیسے جاء نی زید حمار اس میں مجی کی نسبت زید کی طرف غلطی سے کر دی تھی زید نہیں آیا تھا بلکہ حمار آیا تھا اس لئے اس کے تدارک کے لئے بعد میں حمار کہا۔

فائدہ۔ بدل الکل اور بدل البعض میں اضافت بیانیہ ہے اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے۔

قولہ ویکونان معرفتین الخ بدل اور مبدل منہ دونوں کبھی معرفہ ہوتے ہیں جیسے ضرب زید اخوک اس میں زید علم ہے اور اخ کی اضافت ضمیر کی طرف ہے اور ضمیر معرفہ ہے اس لئے اخ بھی معرفہ ہو گیا اور کبھی دونوں نکرہ ہوتے ہیں جیسے جاءنی رجل غلام لک اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ اسمیں مبدل منہ معرفہ ہے اور بدل نکرہ مخصصہ ہے اور جاء رجل غلام زید میں مبدل منہ نکرہ اور بدل معرفہ ہے کیونکہ اسمیں غلام کی اضافت زید معرفہ کی طرف ہو رہی ہے۔

قولہ واذا کان البدل الخ بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ ہو تو بدل کی صفت لاکر اس میں تخصیص پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ نکرہ کا درجہ معرفہ سے کم ہے اور بدل مقصود ہوتا ہے تو اگر وہ نکرہ محض رہے گا تو مقصود کا غیر مقصود سے کم ہونا لازم آئے گا اس لئے اس نقصان کی تلافی کے لئے اسکی صفت لاکر تخصیص کی جائے گی اس کی مثال بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ ہے۔

قولہ ویکونان ظاهرین الخ بدل اور مبدل منہ کبھی دونوں اسم ظاہر ہوتے ہیں جیسے جاء نی زید اخوک اور کبھی دونوں ضمیر ہوتے ہیں جیسے الزیدون لقیتہم ایاہم اور کبھی دونوں مختلف ہوتے ہیں جیسے اخوک ضربتہ زیدا اسمیں

ومختلفین نحو اخوك ضربته زیداً واخوك ضربت زیداً ایاه ولایبدل ظاهر من مضمر بدل الکل الامن الغائب نحو ضربته زیداً لان المضمر المتکلم والمخاطب اقوی واخص دلالة من الظاهر فلوابدل الظاهر منهما بدل الکل یلزم ان یکون المقصود انقص من غیر المقصود مع کون مدلولیهما واحداً بخلاف بدل البعض والاشتمال والغلط فان المانع فیها مفقودٌ اذ لیس مدلول الثانی فیها مدلول الاول فیقال اشتریتك نصفك و اشتریتنی نصفی واعجبتنی علمك واعجبتك علمی وضربتك الحمار وضربتنی الحمار عطف البیان تابع شامل بجمیع التوابع غیر صفة احترز به عن الصفة یوضح متبوعه

---

ہاء ضمیر مبدل منہ ہے اور زیداً اس سے بدل ہے اور اخوک ضربت زیدًا ایاہ اسمیں زید مبدل منہ ہے اور ایاہ ضمیر بدل ہے ۔

قولہ ولایبدل ظاہر الخ بیان کررہے ہیں کہ اگر بدل اسم ظاہر ہو اور مبدل منہ ضمیر ہو تو اگر وہ ضمیر غائب کی ہے تو اس سے بدل الکل واقع ہوسکتا ہے ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل الکل واقع کرنا صحیح نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہے اور غائب کا درجہ بہ نسبت متکلم اور مخاطب کے کم ہے تو جب بدل اسم ظاہر ہو اور مبدل منہ ضمیر متکلم یا ضمیر مخاطب ہو تو اس صورت میں بدل کا درجہ مبدل منہ سے کم ہوگا حالانکہ بدل مقصود ہوتا ہے تو مقصود کا غیر مقصود سے ناقص ہونا لازم آئے گا۔ بدل کل میں چونکہ مبدل منہ اور بدل کا مدلول ایک ہوتا ہے اس لئے ضمیر متکلم اور مخاطب سے اسم ظاہر بدل الکل واقع ہو تو بدل اور مبدل منہ کا مدلول واحد ہونے کے باوجود بدل کا مدلول سے ناقص ہونا لازم آئے گا۔ ضمیر غائب سے اگر اسم ظاہر بدل الکل واقع ہو تو یہ خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ اسم ظاہر بھی غائب کے حکم میں ہے تو مبدل منہ اور بدل دونوں غائب ہوئے اس لئے بدل مبدل منہ سے ناقص نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اسم ظاہر بدل البعض یا بدل اشتمال یا بدل غلط ضمیر متکلم یا مخاطب سے واقع ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں بدل اور مبدل منہ کا مدلول ایک نہیں ہے اور یہی مانع تھا اس کی مثال شارح نے بیان کردی ہے ۔

قولہ عطف البیان تابع الخ یہ تابع کی پانچویں قسم ہے عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت نہ ہو لیکن اپنے متبوع کو واضح کرتا ہو۔ غیر صفتہ سے احتراز ہے صفت سے کیونکہ عطف بیان صفت نہیں ہوتا یعنی ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو متبوع کے ساتھ قائم ہیں۔ یوضح متبوعہ سے بدل عطف حرف اور تاکید سے احتراز ہے۔ کیوں کہ یہ سب اپنے متبوع کو واضح کرنے کے لئے نہیں آتے ۔

⁂

احترز به عن البدل والعطف بالحرف والتاكيد ولا يلزم من ذلك ان يكون عطف البيان اوضح من متبوعه بل ينبغي ان يحصل من اجتماعهما ايضاح لم يحصل من احدهما على الانفراد فيصح ان يكون الاول اوضح من الثاني مثل اقسم بالله ابوحفص عمر فابوحفص كنية امير المومنين عمر بن الخطاب رض وعمر عطف بيان له وقصته انه اتى اعرابي الى عمر ابن الخطاب رض فقال ان اهلي بعيد واني على ناقة دبراء عجفاء نقباء و استحمله فظنه كاذبًا فلم يحمله فانطلق الاعرابي فحمل بعيره ثم استقبل البطحاء وجعل يقول وهو يمشي خلف بعيره **شعر** اقسم بالله ابوحفص عمر ؛ ما مسها من نقب ولا دبر ؛ اغفرله اللهم ان كان فجر ؛ وعمر مقبل من اعلى الوادي فجعل اذا قال ؛ اغفر له اللهم ان كان فجر ؛ قال اللهم صدق صدق حتى التقيا فاخذ بيده فقال ضع عن راحلتك فوضع فاذاهي نقباء عجفاء فحمله على بعيره وزوده وكساه. وفصله اي فرقه من البدل لفظا

---

**قولہ ولا یلزم من ذلک الخ** مصنف کی عبارت یوضح متبوعہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عطف بیان اپنے متبوع کے اعتبار سے زیادہ واضح ہوتا ہوگا تب ہی تو اس کو واضح کرتا ہے شارح اس وہم کو دور کر رہے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عطف بیان اور اس کے متبوع سے مل کر ایسی وضاحت ہوجائے جو علی الانفراد یعنی صرف متبوع یا صرف عطف بیان کے لانے سے نہ حاصل ہوسکے اس میں اسکا بھی امکان ہے کہ متبوع فی نفسہ عطف بیان سے زیادہ واضح ہو یا عطف بیان اپنے متبوع سے زیادہ واضح ہو۔
عطفِ بیان کی مثال اقسم باللہ ابوحفص عمر۔ ابوحفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے ان دونوں سے مل کر ایسی وضاحت ہوئی جو اُن کے علیحدہ علیحدہ لانے کی صورت میں نہ ہوتی۔

**قولہ وقصتہ انہ اتی الخ** شارح نے اس قصہ کو بیان کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

**قولہ وفصلہ من البدل الخ** عطف بیان اور بدل یہ تابع کی علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے جدا ہیں احکام لفظیہ کے اعتبار سے فرق انا ابن التارک البکری بشر جیسی مثال میں واضح ہوتا ہے۔
اور اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں عطف بیان کا متبوع معرف باللام ہو جس کی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے مثال مذکور میں بشر عطف بیان ہے اور البکری اس کا متبوع ہے جو معرف باللام ہے اور اس کی طرف التارک معرف باللام مضاف ہے۔

اى من حيث الاحكام اللفظية واقع فی مثل : انا ابن التارك البكرى بشر فان قوله بشر ان جعل عطف بيان للبكرى جاز وان جعل بدلا منه لم يجز لان البدل فی حكم تكرير العامل فيكون التقدير انا ابن التارك بشر وهو غير جائز كما ذكرنا فيما سبق فی الضارب زيد وآخره : عليه الطير ترقبه وقوعا : وعليه الطير ثانی مفعولی التارك ان جعلنا بمعنی لمصير والا فهو حال وقوله ترقبه حال من الطير ان كان فاعلا لعليه وان كان مبتداء فهو حال من الضمير المستكن فی عليه ووقوعا جمع واقع حال من فاعل ترقبه اى واقعة حوله مترقبة لانزهاق روحه لان الانسان مادام به رمق فان الطير لا تقربه : واما الفرق المعنوی بينهما فقد تبين فيما سبق والمراد بمثل

اس ترکیب میں اگر بشر کو عطف بیان بنایا جائے تو کوئی خرابی نہیں لازم آتی اور اگر بدل قرار دیا جائے تو خرابی ہے کیونکہ بدل کی صورت میں مبدل منہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی وہی بدل کا بھی ہوتا ہے اس لئے اگر بشر کو بدل بنایا جائے گا تو البکری مبدل منہ ہوگا اور اس کا عامل التارک ہے اور قاعدہ مذکورہ کی بنار پر التارک عامل ہوگا بشر کا بھی اس صورت میں تقدیر عبارت التارک بشر ہوئی یعنی التارک مضاف ہوگا بشر کی طرف اور یہ اضافت الضارب زید کے مثل ہوگی جو ناجائز ہے جس کی تفصیل اس سے پہلے الضارب زید کے تحت میں گذر چکی ہے۔

قولہ وآخرہ الخ پورا شعر یہ ہے

انا ابن التارک البکری بشر : علیہ الطیر ترقبہ وقوعا

آسان اور عام فہم ترجمہ اس کا یہ ہے:۔

میں ایسے شخص کا بیٹا ہوں جس نے بکری بشر کا ایسا حال کردیا ہے کہ اس پر پرندے (منڈلا رہے ہیں)۔ (پس گرنے) ہی والے ہیں اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس شعر کی ترکیب یہ ہے:۔

انا مبتداء۔ ابن مضاف۔ التارک شبہ فعل۔ البکری مبدل منہ۔ اور بشر بدل۔ مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر التارک کا محلاً مفعول بہ۔ علیہ خبر مقدم طیر مبتدا موخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر محل کے اعتبار سے التارک کا مفعول ثانی۔ یہ اس وقت ہے جب تارک بمعنی مصیر ہو

انا ابن التارك البكري بشر ؛ كل ما كان عطف بيان للمعرف باللام الذي اضيف اليه الصفة المعرفة باللام نحو الضارب الرجل زيد ويمكن ان يراد به ما هو اعم من هذا الباب اى كل ما خالف حكمه اذا كان عطف بيان حكمه اذا كان بدلا فيتناول صورة النداء ايضا فانك تقول يا غلام زيد وزيدا بالتنوين مرفوعا حملا على اللفظ ومنصوبا حملا على المحل اذا جعلته عطف بيان ويا غلام زيد بالضم اذا جعلته بدلا

---

جس کے معنی ہیں کر دینے والا۔ اور اگر اس کے معنی ہوں چھوڑنے والا تو پھر علیہ الطیر تارک کا مفعول ثانی نہ ہوگا بلکہ البکری سے حال ہوگا۔ ترقبہ یہ اپنے فاعل سے مل کر طیر سے حال ہے بشرطیکہ طیر کو علیہ کے عامل کائن کا فاعل بنایا جائے اور اگر طیر مبتدا مؤخر ہے اور علیہ خبر مقدم ہو تو پھر ترقبہ علیہ کے عامل کائن کی ضمیر سے حال ہوگا وقوعًا واقع کی جمع ہے جس طرح شہود شاہد کی جمع ہے۔ یہ ترقبہ کی ضمیر ہی سے حال ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی واقعۃ حول البکری مترقبۃ لخروج روحہ۔

قولہ واما الفرق المعنوی الخ بدل اور عطف بیان کے درمیان فرق معنوی ان کی تعریف سے واضح ہے کہ بدل مقصود بالذات ہوتا ہے اور عطف بیان مقصود بالذات نہیں ہوتا۔

قولہ ویمکن ان یراد بہ ما ھو اعم الخ انا ابن التارک البکری بشر جیسی ترکیب سے کونسی ترکیب مراد ہے۔ شارح نے اس سے پہلے اپنے قول المراد الخ سے بیان کیا جس کی توضیح شروع میں ہم کر چکے ہیں۔

اب یمکن سے بیان کر رہے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مصداق ایسی ترکیب ہو جو اس مراد سے عام ہو جس کو اس سے پہلے شارح نے بیان کیا ہے یعنی اس سے پہلے جس کو المراد سے بیان کیا ہے اس کا حاصل تو یہ تھا کہ بدل قرار دینے کی صورت میں اگر کوئی ترکیب الضارب زید کی شکل اختیار کرلے تو اس صورت میں بدل بنانا جائز نہیں۔ اور یمکن سے جو ترکیب مراد لے رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے کہ اگر اسکو عطف بیان بنائیں تو اس کا حکم کچھ اور ہو اور بدل بنائیں تو اس کا حکم کچھ اور ہو جیسا کہ انا ابن التارک میں اگر بشر کو عطف بیان قرار دیں تو صحیح ہے بدل بنائیں تو صحیح نہیں۔ یہ صورت بہ نسبت پہلی صورت کے عام ہے کیونکہ یہ صورت منادی کو بھی شامل ہے مثلاً اگر یا غلام زید کو

والمعنی الاول اظھر والثانی انسب

اگر یہ کہا جائے کہ یہ عطف بیان ہے تو زید پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ رفع کی صورت میں لفظ پر حمل ہوگا اور نصب کی صورت میں منادی کے محل پر حمل ہوگا کیونکہ منادی محلاً مفعول بہ ہوتا ہے اور منصوب ہوتا ہے اور اگر غلام زید میں زید کو بدل کہا جائے تو زید پر صرف ضمہ جائز ہے نصب ناجائز ہے۔

قولہ والمعنی الاول اظھر والثانی انسب۔ معنی اول سے مراد وہ ترکیب ہے جس کو شارح نے والمراد بمثل انا ابن التارک البکری الخ سے بیان کیا ہے جس کی تشریح گذر چکی ہے۔ یہ اظہر اس واسطے ہے کہ اس شعر کی عبارت کو دیکھ کر آسانی سے ذہن میں وہی مطلب آتا ہے جس کو المراد سے بیان کیا ہے۔

اور ثانی انسب اس لئے ہے کہ یہ صورت المراد سے جس ترکیب کو بیان کیا ہے اس کو بھی شامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ندار والی صورت بھی اس میں داخل ہوجائے گی۔

تمت بعون اللہ تعالیٰ وبمنّہ وکرمہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

صدّیق احمد غفرلہ ولوالدیہ
۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

قدیمی کتب خانہ۔ مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

# فہرس ما فی التسہیل السامی

| مطلب | |
|---|---|